فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَشِيْدٍ

(اب وہ بستیاں ایسی اُجڑی پڑی ہیں کہ اُن کی دیواریں)

اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور (کتنے) کنوئیں بیکار پڑے ہیں اور (کتنے پکے) پکے محل ویران پڑے ہیں)

جس میں شہر دہلی کی نئی پرانی کُل عمارتوں کا مفصل بیان مع نقشہ جات کے مندرج ہے

مصنفہٗ

بشیرالدین احمد (دہلوی) ایم آر اے ایس (لندن)

اوّل تعلقہ دار (کلکٹر) بسرکار عالی نظام خلد اللہ ملکہٗ

مصنف اقبال دلہن حسن معاشرت اصلاح معیشت حرز اطفال تماشا عمر عصائے پیری

تاریخ بیجانگر واقعات مملکت بیجاپور وغیرہ وغیرہ

سنہ ١٣٣٧ھ
١٩١٩ع

شمسی مشین پریس آگرہ میں باہتمام میاں محمد بشیرالدین خان و شمس الدین خان کے چھپی

قیمت ہر سہ حصص ([illegible]) [illegible] کا خرچہ [illegible]
جلد ولائتی [illegible]

فہرست مضامین حصۂ دوم واقعات دار الحکومت دہلی

فہرست نقشہ جات و تصاویر

قطعۂ تاریخ نوشتہ عالی جناب شہزادہ مرزا بلاقی صاحب امیر الملک تیموری گورگانی

مولوی صاحب بشیر احمد الٰہی شاد باد	کرد تصنیف کتاب آں بسال آں ایں چنیں
با ہزاراں محنت و کوشش دریں در سفتہ است	"تذکرہ دہلی بشنوی" تاریخ ہجری ہم دریں
"تذکرہ شاہ جہان آباد باز آمدی" بسال	عیسوی تاریخ احقر ہم بر آمد بالیقیں

۱۹۱۹

قطعہ تاریخ "واقعات دار الحکومت دہلی" نوشتہ جناب مولوی محمد فضل ستار صاحب رئیس امروہہ

۱۳۳۷ھ

تاریخ مجلد دہلی

۱۳۳۷ھ

بشیر الدین احمد چوں نوشتہ	یکے تاریخ جامع شہر دہلی
عیاں شد کنز مخفی حوادث	بیاں گردیدہ ستر و جہر دہلی
نمود دیدگاہ رنگیں چوں گلستاں	کشادہ گرہ پرخ پر قہر دہلی
چہ دہلی نو بہار گلشن ہند	حیات تازہ بخشد زہر دہلی
دُر بر در دامن است ہر موج آبش	محیط اعظم است نہر دہلی
ز کلک لاابالی سال تبعش	"صحیفہ واقعات شہر دہلی"

۱۳۳۷ھ

غلط نامہ حصۂ دوم واقعات دار الحکومت دہلی

غلط نامے کی نسبت کچھ عذر معذرت کرنا عذر گناہ بدتر از گناہ۔ لیکن میں اتنا بڑا غلط نامہ کہ کنکوے سے دم چھلا بھاری پیش کرتے ہوئے شرمندہ ضرور ہوں۔ یہ غلطنامہ بھی میرے خیال میں جیسا چاہیئے ویسا مکمل نہیں اب بھی کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں تو عجب نہیں بہرحال اتنی بڑی ضخیم کتاب میں غلطیوں کا رہ جانا لازمۂ بشریت ہے۔ میں اپنی برات کا خواہاں نہیں مگر اس الزام کا میں تن تنہا بھی ذمہ دار نہیں میرے شرکا سے غالب کاتب۔ قاری۔ سامع۔ مصحح۔ سنگ ساز سب ہی ہیں جس طرح میں نے صبر کر لیا ناظرین بھی براہ مہربانی کتاب شروع کرنے سے پہلے ان غلطیوں کو درست فرمالیں فقط

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۷	۲	بارہ	گیارہ	۳۱	۱۵	درکاہ	درگاہ
۸	۲۲	غوری	غور	۳۹	۷	حوبلی	حویلی
۱۰	۳	خانہ ۸ و ۹ و ۱۰ کا	خانہ (۸) (۹) دہلی	۴۲	۱۰	حبیب اسد اصل کتاب	جبیب اسد
		اندراج غلط ہے	۱۱۹۲ ۲۸ یوم (۱۰) ۱۲۳۷ ۶۳۵ھ	۱	۴	خاودان	جاودان
۱۰	۱۰	سے	کی	۲	آخر	یاندیاں	باندیاں
۱۴	۹	کو	×	۳	۹	اس کہ	اس کے کہ
۱۶	۳	۱۶۷	×	؍؍	۲۳	تینماً	تیمناً
۱۸	۳	خان خاناں	خان خاناں نے	۴	۲۳	ہتمم	مہتمم
۲۵	۱۸	کی	کے	۵	۱۶	زمانے	زمانے نے
۲۶	خانہ (۱۱)	+	(۶۹) سال	؍؍	۱۹	کرزن کی	کرزن کو
۲۷	۲	صل	اصل	؍؍	؍؍	یادگاروں کو	یادگاروں کے
۲۹	۱۶	بودھ کی	بودھ کے	؍؍	۲۱	عمارت	عمارات
؍؍	؍؍	احکام	احکام ہیں	۶	۹	موجودہ	موجود

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۶	۱۰	ترجمہ کا	ترجمہ	۱۶	۶	غرض	عرض
〃	۱۵	اثار	آثار	۱۷	۴	حدیث	حدیث
〃	۱۷	آپ	آپ	〃	۵	رہ	را
۷	۲	ہر ایک زباں	ہر ایک زبان	〃	۶	بیان سے	بیان کے دیئے
〃	۹ و ۱۰	۵ ۳ ۲	+	〃	۹	دیگر	دیگرے
〃	۱۳	چشم پر	چشم پر عالم	〃	۱۵	وسیع میں	وسیع ہو
〃	۱۴	بروسے	برروے	۱۸	۸	اُس کا	اُس کی
〃	۲۰	اسامی	اسامے	〃	۹	سے	نے
〃	۲۱	ہمارے	ہمارے دل	〃	۱۰	میں	ہیں
۸	۲	شعاعے	شناسے	〃	۱۰	ہوا	ہو
〃	۲	بحث	بحث	〃	۱۸	کشش	کشاکش
〃	۱۲	درسلطنوں	دارالسلطنتوں	۱۹	۴	استینے	×
〃	۱۳	یادگار	یادگار رہا	〃	۵	ایک شہر	ایک
۹	۱۳	[illegible] کے	قلعے کو	〃	۶	یک	ایک
۱۱	۱۲	مصالح اور	مصلح	〃	۱۰	استناد	اِستناد
۶	آخر	عادل آباد	عادل آباد	۱۹	۱۲	عوام کا	عوام کی
۱۰	۴	سادات نے	سادات	〃	۱۳	گنگھم	کننگھم
〃	۸	لودھی	لودھی نے	۲۰	۴	اس کے	اس کے بعد
〃	۱۰	میدان	میدان میں	〃	〃	ہی	ہی
۱۱	۴	ضلع	ضلع	〃	۶	جن میں کا	جن میں کے
۱۴	۱۴	قلندر	قدر	〃	۲۱	قطب	وہ قطب
۱۵	۱۵	یار	یاران	〃	〃	علاہات	علامات

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۲۲	۱	سوودا	مواد	۳۱	۵	پھلو	پھلوں
〃	۹	بتانے	بنانے	۳۲	۳	طرح کی	طرح کے
〃	۱۲	کامیاب	کامیابی	〃	〃	طاقت اور	طاقت ور
〃	۱۵	قربانی	قربانی کی	〃	۶	اغاز	آغاز
۲۳	۱۳	گھاٹوں	گھاٹوں پر	〃	۲۴	جابجا اندر	اندر جابجا
〃	۱۵	بے ڈھنگی	بے ڈھنگے	۳۳	۵	اخباس	اجناس
〃	۱۹	جلاے تھے	جلاے جاتے	۳۴	۱۲	کر	کے
〃	آخر	۳۲ ۵ ۶	۳۲ ۱۵ ۶	〃	۱۵	مقتد	مقتدر
۲۴	۱	ہندمیں	ہند ہیں	〃	آخر	سلطنت	سلطنت
〃	۷	بنایا ہے	بنایا ہو	۳۵	۶	یدھشٹر	یدھشٹر نے
۲۵	۱۷	سے	سر	۳۶	۱۰	جبنی	جینی
۲۷	۱۲	اعزار	اعزاز	〃	۱۴	موترخ	مورخ
〃	۱۵	تبدلیاں	تبدیلیاں	〃	۲۱	سے تھے	سے تھے
〃	۲۱	مبسوسط	مبسوط	۳۷	۲	ہم	ہم کو
۲۸	〃	سیوجن۔[۱]	نوٹ ہپارسو میل کا ایک یوجن ہوتا ہے	۳۸	۱۶	نبائی نبائی	بنائی
۲۸	۱۳	سدرش	سدرشن	۳۹	۱۰	اہنی	آہنی
〃	۱۵	تحریض	تحریص	۴۰	۷	اپنا	اپنی
۲۹	۳	جیسے کہ	جیسے کا	〃	〃	کرلیا	کرلی
〃	۱۲	کہ اپنے	کہ انھوں نے اپنے	〃	۱۶	والوں نے	والوں کا
۳۰	۱۳	میں	×	۴۱	۱۳	شاہجہاں اباد	شاہجہان آباد
〃	۱۷	خیال	حال	۴۲	۷	ہجوم	ہجوم کے
۳۱	۲	جاے	جائیں	〃	۲۱	محت	محنت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۴۳	۱۳	کھدوالوں	کھدوالیوں	۶۴	۴	پندرہ لاکھ سے تیس لاکھ	ڈیڑھ کروڑ سے نو کروڑ
″	۱۳	نگار خانہ	نگار خانہ	″	۱۰	پشب	پیشب
۴۴	۶	سرخ کا	سرخ کی	۶۷	۲۴	حامہ	جامہ
″	۱۵	سو سکتا ہے	کر سکتا ہے	۶۷	آخر	ضرح	طرح
″	۲۳	معطب	مطلب	۶۸	″	خوض	حوض
″	۲۴	معالم	معاملہ	۶۹	۲ و ۱	″	″
۴۶	۹	گنگورے	کنگورے	″	۱۴	نہرے	نہر کے
۴۶	۱۲	احاے	احاطے	۷۰	۵	ہوسلے	ہونے
۴۹	۱۲	پڑے	پڑتے	۷۲	۸	صدرر	صدر
۵۰	۱۷	ٹکڑے	×	۷۳	۸	قدیم	قدم
۵۱	۴	استاد	اِستاد	″	۱۸	شمای روار	شمالی دیوار
″	۱۱	″	″	″	آخر	×	۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ء)
″	۲۲	مغلہ	مغلیہ	۷۴	۲۰	عینمت	غنیمت
۵۳	۲۱	لاے	لاتے	۷۵	۲۳	ب جیسے	سب جیسے
۵۴	۸	کہڑا	کٹہرا	۷۶	۱۱	نادار	نادر
۵۵	۱۹	سرے	سر	۷۸	۱۸	نہانپ	نہایت
۵۷	۱۲	سقے	تھے	۷۹	۵	بہتی اور	نکل کر
″	۱۷	جب کہ	×	″	″	باغیچہ کے	باغیچہ کی
″	″	بعد	بعد سے	″	″	تھی	تھیں
″	۲۴	قاعدے	قاعدے سے	۸۲	۴	تزنامہ	نسانامہ
۵۹	۳	ھلی	کھلی	″	۱۴	مشرق	مشرق کے
″	۹	سکا	×	″	۲۰	ہی	ہی نے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۸۲	نقشہ	نقشہ شاہ برج	نقشہ شاہ برج دریا کی طرف سے	۹۷	۱۰	لز	گز
؍؍	؍؍	شاہ برج	شاہ برج مہتاب باغ کی طرف	؍؍	۲۴	شرشت	سرشت
۸۳	۶	مرامت	مرمت	۹۹	۲	لایتفک	لاینفک
؍؍	۱۲	س	جس	؍؍	؍؍	انہیں	انھیں
۸۴	۹	نشین	نشیمن	؍؍	۲۴	میں	ہیں
؍؍	۱۶	پیولین	پیویلین	؍؍	؍؍	خراب	محراب
۸۵	۳	نہر	×	؍؍	۲۶	گھڑی	کھڑی
؍؍	۱۲	شور	زور	۱۰۱	۶	کے	کی
۸۶	۲۲	اور	×	؍؍	۱۰	نبا	بنا
۸۷	۱	فصیل کو	فصیل سے	۱۰۲	۳	عمارات	عمارت
؍؍	۱۶	ہیں	ہے	؍؍	۵	بی	بنی
؍؍	۱۸	سےپتے	پلہ	؍؍	۲۳	سے	×
؍؍	۱۹	کرتے ہیں	کرتا ہے	۱۰۳	۲۰	نوے گز	نوے فیٹ
۸۸	۱۶	خبز	جُز	؍؍	؍؍	تیس گز	تیس فیٹ
؍؍	؍؍	ولی	والی	۱۰۴	۴	سلطنت کے	سلطنت کی
۸۹	۱	لی گئیں	لیے گئے	۱۰۶	۹	داحل	داخل
۸۹	۲۲	پتھر	پتھر جڑے ہوئے تھے	؍؍	۲۰	کے	کی
؍؍	؍؍	کرکر	کر	۱۰۷	۱۲	تا	×
۹۰	۹	شاہ جہان آباد	شاہ جہان آباد	؍؍	۱۶	خوض	حوض
۹۱	۱۳	مچاہٹ	مچمچاہٹ	؍؍	۱۹	خواجہ سرا	خواجہ سرانے
۹۲	۶	عصیل	فصیل	۱۰۸	۵	رہتا تھا۔بیاری	رہتا تھا۔ ہماری
۹۳	۱۹	بخوبی	بخومی	؍؍	۱۲	گرائی	کرائی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۱۰۸	۱۴	سے نے	سے کے	۱۲۵	۲۰	یہ	یہ
"	۱۶	پچپن	پچپن ہزار	"	۲۴	کا ٹھیکہ دار تھا	کی ٹھیکہ دار تھی
"	۱۸	سنہ ۱۹۰۶ء	سنہ ۱۹۰۱ء	۱۲۶	۳	یال	بال
"	"	صرب	صرف	"	۱۷	وہی	وہ
"	"	لو	گو	۱۲۷	۱۶	تبلائی	بتلاتی
۱۱۰	۱۷	کا پہلا جمعہ	کے پہلے جمعے	۱۲۸	۶	چودھا	چودہ
"	"	رجب میں	رجب کی	"	۲۲	چودہا	چودہ
"	"	تاریخ	تاریخ کو کرائی جاتی تھی	۱۲۹	۶	بیرانہ	برانہ
"	۲۳	مبا یک	مبارک	"	"	خلا	خلا کے
۱۱۳	۱۳	بدرلشفا	بدارالشفا	"	۱۳	مجور	محور
۱۱۴	۱۷	عاسق	عاشق	"	"	بنا ہوا ہے	+
۱۱۸	۲	اُس	اَس	۱۳۰	۸	معصود	مقصود
"	نقشہ	قلع	قلعہ	۱۳۲	۱۳	نتھا	تنہا
۱۱۹	۲۴	برڑ	بڑا	"	۱۷	محش	بخش
"	آخر	مسجد کی	مسجد کے	۱۳۳	۶	شیح	شیخ
"	"	بنگری	بنگڑی	"	۲۴	الکفور	الغفور
۱۲۰	۸	میناریں	میناریں ہیں	۱۳۴	آخر	برس	برس پہلے
"	۲۲	کے	کی	۱۳۵	۳	ہوتے	ہوتے ہیں
۱۲۱	۱	خوض	حوض	۱۳۶	۱۴	ملازمت اختیار کی	×
"	۱۹	بیٹے محمد شاہ	اپنے بیٹے احمد شاہ	"	۲۳	چلد	چاہۃ
۱۲۴	۱۳	بچاس	پچاس	۱۳۷	۶	اُچکّے	اُچکے
"	۱۴	یہ	تھا	۱۳۸	۱	شہر	شہر کے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۱۳۸	۱۲	سے کے	کہ	۱۵۴	۱۹	بعد	بعد میں
"	۱۵	شہر	شہر کے	"	۲۱	سے نے	سے نے رام پور
"	۱۶	یہ شہر	شہر	۱۵۵	۱۱	ہاں	یہاں
"	آخر	پر	میں	"	۱۳	مرزار	مزار
۱۳۹	۲	خلیق	خلیق	"	۱۵	"	"
"	۱۳	کا بہ	بہ	۱۶۰	۲۷	سکند	سکندر
"	۱۴	پھر	×	۱۶۱	۱۸	محمد تغلق	محمد تغلق
"	۲۱	انگریزی	انگریزی میں	۱۶۲	۷	کے	کی
۱۴۱	۸	ہرجی	بریجی بھلی	"	۲۰	جہاں کے	جہاں
۱۴۲	۱۰ / ۲۰	دو سا خان / اعظم عبدالرزاق	دوران خاں / عبدالرزاق رئیس اعظم	۱۶۳	۴	بڑے	بڑا
۱۴۳	۱۲	اعظم	رئیس اعظم	۱۶۴	۸	قبریں	قبر
۱۴۴	۱۹	میں	بیش	۱۶۵	۱۴	ط	لا
۱۴۵	۱۴	اعزار	اعزاز	"	۲۰	کرا ور مہ	کرو مہ
"	۱۴	بترجیح	ترجیح	۱۶۶	۱۱	سے کے ٹکڑ	کی ٹکر
۱۴۶	۹	وعظ ہوتا ہے	×	۱۶۶	۲۰	رؤ سا	رؤسا سے
۱۴۸	۲۰	معاملہ	معاملہ	۱۶۸	۹	کہ	کی
۱۵۱	۷	رفاقی	رفاعی	۱۶۹	۲	کا	سے
"	۱۸	"	"	"	۱۲	سے	کی
۱۵۳	۱۹	طالبان	طالبان	"	۱۵	صاحب	صاحب کے
۱۵۴	۹	بعد	بعد میں	"	۱۷	اعزار	اعزاز
"	"	ربیع	ربیع	"	۲۲	بنایا	بنا
"	۱۷	۱۲۹۲ھ	سنہ ۱۲۹۲ھ میں	۱۷۰	۱۰	آتے کے ہو جاتے	آتے ہی ہو جاتے ہیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۱۷۱	۱۸	بعد	بعدمیں	۱۹۶	۸	منضور علی	منصور علی
"	آخر	خبش	حبش	۱۹۸	۱۴	آزاو	آزار
۱۷۱	۹	صوم صلوۃ	صوم وصلوۃ	۲۰۱	۲۱	ذہن	ذہین
"	۱۹	یہ	یا	۲۰۴	۲۴	ہو	ہوا
۱۷۳	۲۳	محضوض اللہ	مخصوص اللہ	۲۰۵	۲۳	کے	مکہ
۱۷۴	۱	لکھا تھا	لکھایا	۲۰۶	۱۸	والاں	ہالا
"	۵	صاحب	صاحب کے	۲۰۸	۱۵	عیوبی	عیوب
"	۱۶	مسجدوں کو	مسجدوں کی	"	۱۹	بینکنک	بینکنگ
۱۷۹	۲۲	اسسٹرا سٹنٹ	اکسٹرا اسسٹنٹ	۲۱۰	۵	سرگردگی	سرکردگی
۱۸۰	۲۴	ابر	اپر	"	۲۰	کے طرف	کی طرف
۱۸۲	۵	خاں	خان بہادر	۲۱۱	۲۱	اُس کی	اُس کے
۱۸۳	۱۵	ہاتھی	ہاتھی والا	۲۱۲	۱	پیشانی	پیشانی پر
"	۱۲	رود	روڈ	۲۱۶	۱	زمین	سطح زمین
۱۸۴	۱۹	وراسنے	وتراشہ	"	۳	پوسیختے	پہونچتے
"	۲۳	زبیے	ازبیے	۲۱۷	۲۰	آخزار	آخر ناوار
۱۸۵	۱۱	بجھور	کھجور	۲۱۸	۱۲	ہوسے	ہوتے
۱۸۶	۱۹	ثانی	ثانی نے	۲۱۹	۲۱	پرسھے	پڑھے
"	۲۰	۱۳۲۳ھ	۱۲۲۲ھ	۲۲۰	۲	۱۶	۱۷
۱۸۸	۱۹	دوفون	دونوں	"	۱۰	حاضر	خاطر
۱۸۹	۲۰	جگہ سے	جگہ	"	۱۳	مخطوط	محظوظ
۱۹۳	۳	کے	کے صاحبزادے	"	۱۹	بردیکت	نزدیکت
"	۷	کریم الیمر	محمد یعقوب	۲۲۱	۱۴	تماشقوں	تماشوں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۲۲۲	۳	سائیستہ خان	شائستہ خاں	۲۴۵	۱۲	گاری	گاڑی
۲۲۳	۱	کے	کی	۲۴۵	۲۱	بڑھتے	پڑھتے
؍؍	۱۱	سوائے	ہندوستان میں سوائے	۲۴۶	۸	کے سلیں	کی سلیں
۲۲۶	۲	جو	کا جو	۲۴۷	۷	مقعول	معقول
؍؍	۲۳	ہی	+	۲۴۸	۷	گیا	ہوگیا
۲۲۸	۱۴	نیچ	ہیچ	؍؍	۱۹	دروازیمیں	دروازے میں
؍؍	۲۰	بزار	بزاز	۲۴۹	۴	مخاذ	محاذ
۲۲۹	۲	صدرجہاں	صدر جہاں	؍؍	۲۲	اے	آئے
؍؍	۹	یاغ	باغ	۲۵۱	۶	الفنسٹنزا	الفنسٹنز
۲۳۰	؍؍	سراہنے	سرہانے	؍؍	۷	اس کے ٹھہر	اب صرف
۲۳۱	۲۰	برقعہ	برقعہ	۲۵۵	۴	گودام میں	گودام میں
۲۳۲	۸	کو چادروں	جو چادروں	۲۵۵	۱۰	اولادمیں	اولاد میں تھا
؍؍	۲۴	ہو	ہوا	؍؍	۲۳	روئیوں	روپیوں
۲۳۳	۱۳	سرستہ	سررشتہ	۲۵۶	۳	بھاٹک	پھاٹک
۲۳۵	؍؍	عبت	عبث	؍؍	۶	پھاٹک بے	پھاٹک کے
۲۳۸	۹	محلے	محلہ	۲۵۷	۷	دروارہے	دروازے
؍؍	۱۱	امیرامیر	امیر	۲۵۸	۳	تحصل	تحصیل
۲۳۹	۱۸	انتقال	انتقال کیا	؍؍	۱۳	شول	شوال
۲۴۱	۱	سمجھی جاتی	سمجھے جاتے	۲۵۹	۷	جاوبرا	جاورا
؍؍	۲۰	کمانڈر	کمانڈر	۲۶۰	۱۷	الیسنی	ایسی
۲۴۳	۱۴	چھٹ	چھت	۲۶۱	۴	کے	کی
[illegible]	۱۱	[illegible]	[illegible]	؍؍	[illegible]	ہو	ہوا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۲۶۲	۱۴	بسزم	ببزم	۲۸۰	۹	تبک کے	تبک کا
〃	۲۳	محدت	محدث	۲۸۱	۲۴	صدی	صدی سے
۲۶۳	۹	پر	پہ	۲۸۵	۲	ریورند	ریورنڈ
〃	۱۹	خلعت	خلقت	〃	۱۱	ہے	ہیں
۲۶۵	۲۰	دیتا ہے	دیتی ہے	〃	۱۳	ٹیم ٹامم	ٹیم ٹام
〃	۲۱	کو صبح	کی صبح	〃	۱۷	آرزو	آرزوؤ
〃	آخر	تجھنہ	تجہنہ	۲۹۳	۲	اصلحہ خانہ	اسلحہ خانہ
〃	〃	خلااور ملا	خلا ملا	〃	۱۱	سارے	سارے ریل میں
۲۶۷	۳	شاہجہاں آبادی	شاہجہان آباد	۲۹۴	۱۴	نے	×
۲۶۸	آخر	معمول ہے	معمول ہے	〃	۱۸	کو	کے
۲۷۰	۵	کفر	کفر کفر	۲۹۵	۲۲	یابشیر	یا بشیر
〃	۱۳	یا	×	۲۹۶	۹	پچا	چہار
〃	۱۴	بھی	بھی	〃	۱۴	مسجد میں	مسجد میں چوکوں
۲۷۱	۱۸	اس	اسی	〃	۲۰	ہست پہلو	ہشت پہلو
۲۷۲	۲	وسپے	وہ سپے	۲۹۷	۱۵	بفصل	بفضل
۲۷۴	۲۱	پارٹی لڈو	پارٹی نے لڈو	〃	۲۰	مخاذ	محاذ
〃	۲۳	اس کا	اس	۳۰۱	۱۳	آگر	اگر
۲۷۵	۵	میسزرڈ	میکنزرڈ	〃	۲۳	برح	برج
〃	۱۱	میسزرڈ	میکنزرڈ	۳۰۴	۱۴	معمولی	×
〃	۱۵	میں	×	۳۰۹	۲۰	بہت ی	بہت سی
〃	۱۶	دروازسے	دروازے سے	۳۲۹	۱۴	صا	صاحب
۲۷۶	۲۶	سنہ ۱۸۱۴ء	سنہ ۱۸۴۱ء	۳۳۴	۱۵	خان دوراخاں	خان دوراں خاں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۳۶۰	۷	موتیں	سورتیں	۴۴۴	۶	نمونتہ	نمونۂ
۳۶۸	۷	کویا	گویا	۴۴۱	۱۱	ہم بایہ	ہم پایہ
۳۷۲	۱۲	تھیں	تہیں	″	″	سے	کے
۳۷۹	۱۵	سپپ	چسپ	۴۴۲	۹	نغمہ سر	نغمہ سرا
۳۸۰	۱۴	وسیع	وسیع میدان	۴۴۴	۱۱	لی	کی
″	″	جگہ	جگہ تھیں	۴۵۹	۱۵	تخمینا	تخمیناً
۳۸۱	۸	دوریاؤں	دو دریاؤں	۴۶۳	۴	ٹیکری	ٹیکڑی
″	۱۱	قطب	قطب	۴۶۶	آخر	لوڈیاں	لونڈیاں
۳۸۹	۲	جھکے کے بارے	جھپکے کے بارے	۴۷۲	۱	لڈوکیسل	لڈلوکیسل
۳۹۱	۲۲	اسی طرح	اسی سے	۴۷۴ ۴۷۶	۹ ۱۲	اس کو اک	اس کی ایک
۳۹۳	۴	نار	ناز	۴۷۸	آخر	سلول	سکول
″	۶	الاختصار	الاختصار	۴۸۰	۱۶	عدر	غدر
″	۱۴	قرات	قرأت	″	۲۳	ل جانا	نکل جانا تھا
″	۲۱	احتیار	اختیار	۴۸۱	۲۱	عطیم	عظیم
۴۱۵	۱۲	نظر اندار	نظر انداز	۴۹۷	۸	حران نعمت	خوان نعمت
۴۱۷	۲۱	صاحب کے	صاحب	″	″	جوں	چوں
۴۲۴	۲۰	انگریزی	انگریزی	″	″	سوخ	شوخ
″	۲۱	اس شامل	اس میں شامل	″	۱۲	تسریفے	شریفے
۴۲۵	۱۸	مناسب	مناسبت	۴۹۹	۱۰	خاک	غار
″	۲۱	ہم کرتا	کرتا	۵۰۲	۹	جار	جا
۴۲۶	۱۵	کہ	جو کہ	۵۰۴	۱۲	بلیم	بیگم
۴۲۹	۱۴	صبع	صبح	۵۰۶	۱۹	ذکر	ذکر کر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۵۰۷	۲۲	ازد	×	۵۹۲	۱۹	جنزل	جنرل
۵۰۸	۲۳	کہاتا ہے	کہا جاتا ہے	۶۰۴	۱۶	جھکڑا	چھکڑا
۵۱۱	۹	حرید	خرید	″	۲۴	حلکمت علی	حکمت علی
۵۲۴	۶	باہرواز	باہروارد	″	۲۵	انار	اتار
۵۲۶	آخر	الف	الف	۶۰۵	۳	تعمر	تعمیر
۵۳۱	۲	بخسرت	حسرت نصیب	۶۰۶	۱۴	سے دوسرے	سے کے دوسرے
″	۱۹	تیئسوین	تیئسویں	۶۱۲	۸	لی	کی
۵۴۴	۸	پساسے	پر آسے	″	۱۳	میں	ہمیں
۵۴۵	۶	خاطر	کی خاطر	″	۱۹	لتبہ	کتبہ
۵۴۸	۱۷	لوازمے	لوازمے تھے	۶۱۷	۳	کفتند	گفتند
۵۵۰	۱۳	پڑا	پڑھا	۶۱۸	۱۶	سے	سے ہے
۵۵۱	۱۶	اول میں	دل میں	۶۲۰	۱۳	ہو	ہوے
۵۵۴	۱۵	ولی لوہارو	ولی عہد لوہارو	۶۲۲	۱۴	وین پناہ	دیں پناہ
۵۵۶	آخر	چادری	چاندی	۶۲۸	۳	زیاتر	زیادہ تر
۵۶۳	۲۲	آپنے	+	۶۳۲	۴	تصوبر	تصویر
۵۶۶	۱۴	رہنے	رہنے کے	۶۳۳	۱۳	کہنے	کہتے
″	۲۰	بیچ ہیں	بیچ میں	۶۳۴	۱۱	پچیکاری	پچپکاری
۵۶۹	۱۴	آکرہ	آگرہ	″	۲۰	فٹ	قسط
۵۷۲	۳	رمنٹ	گورنمنٹ	″	۲۱	نبت	نسبت
۵۸۲	۴	بروخدا	راہ خدا	″	۲۴	بھی ہے	بھی ہیں
۵۹۵	آخر	شمس	ششش	۶۳۸	۷	لم	کم
″	۷	قاعدے	قاعدے کا ضلع	″	۱۳	اک	ایک

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۶۴۱	۲۰	سرجی	برجی	۷۷۷	۱۸	نواسے	نواسے تھے
"	۲۳	ہی	ہی	۷۸۵	۱۲	بہتے	رہتے تھے
۶۴۲	۱۵	ھا	تھا	"	۱۹	کواہ	گواہ
۶۴۵	۴	-س	اس	۷۹۰	"	کنبد	گنبد
۶۴۸	۶	برڑ	بڑا	۷۹۷	۹	محمدشاو	محمدشاہ
۶۵۰	۲۴	اس	اس سے	"	۱۴	پادش	یاداشت
۶۵۳	۳	لمھ	لکھ	۷۹۹	۴	کسی	×
"	۱۹	بہ	یہ	۸۰۰	۱۶	سے	کے
۶۵۴	۱۳	دارو دادو	دارو	۸۰۷	۲۲	زنتا	زمانتا
۶۷۶	۷	یکر	ایکڑ	۸۱۳	آخر	کھبرائے	گھبرائے
۶۸۰	۴	سے	سئے	۸۵۰	۹	میرے اور	میں نے اور
۶۹۱	۲	گنگورا	کنگورا	۸۶۰	۲۱	ہوا بجنت	ہوائے بخت
۶۹۷	۱۸	رہ لئی ہی	رہ گئی تھی	۸۶۲	۱۳	خضرت	خاطر حضرت
۷۲۹	۲	سے	کا	۸۷۱	۶	سبنے	دیا بستے
۷۶۴	۱۹	سے	سے				[illegible]

تتمہ

قطعات تاریخ نوشتہ جناب مولوی حکیم لطیف احمد صاحب رئیس تھسلی ضلع سارن

(۱) دہلی کی سلطنت کی جناب بشیر نے — لاریب خوب لکھی ہے تاریخ بے عدیل

"تاریخ اس کے لکھنے کی تونے بھی اے لطیف — کیا فی البدیہہ لکھی ہے "تاریخ بے عدیل"

(۲) جو دہلی کی تاریخ صحت کے ساتھ — بہت اچھی صاف اور ستھری چھپی

تو یہ بول اٹھی اس کی خوبی لطیف — کہ "دیکھا خوب تاریخ دہلی چھپی"

۱۹۱۹ء

قطعہ تاریخ نوشتہ جناب مولوی سید علی حسن صاحب احسن مارہروی

بشیر احمد نامی و نامور — کہ ہیں وہ رئیسِ خوش اوقاتِ دہلی
بہت مقتدر ہیں بہت مفتخر ہیں — نہ کیوں کر ہوں اُن پر مباہاتِ دہلی
کرے کیوں نہ کسبِ ضیا ذرہ ذرہ — وہ ہیں آفتابِ کمالاتِ دہلی
تصانیف و تالیف ہے شغل اُن کا — شب و روز کرتے ہیں خدماتِ دہلی
یہ تالیفِ تازہ جو اب چھپ رہی ہے — مفصل ہیں اس میں حکایاتِ دہلی
ہنوز اس میں آباد جتنے ہوئے ہیں — جبھی سے ہیں آثار و آیاتِ دہلی
اُسی عہدِ ماضی سے تا عصرِ حاضر — قلم بند کیں سب روایاتِ دہلی
کیے منسلک جا بجا اس میں نقشے — کھلا جن سے حالِ عماراتِ دہلی
جدا اہلِ محفل سے محفل ہو کیوں کر — بہم ہیں مکین و مکاناتِ دہلی
نہ چھوڑی ضروری کوئی بات اس میں — یہاں تک کہ ذکرِ مضافاتِ دہلی
ہوئے اگلے پچھلے سب احوال روشن — حقیقت نما ہے یہ مرآتِ دہلی

کہی واقعی ہم نے تاریخ احسن
صراحت سے لکھے یہ حالاتِ دہلی

۱۳۳۸ھ

ولہ

شہرت وہ اب و جد یعنی بشیر احمد — مشہور ہیں جو بے حد مانندِ جیرو اہلی
دہلی کا حال لکھ کر اُن کے کھلے ہیں جو ہر — منسوخ کی سراسر تاریخ تھی جو پہلی
تھا وہ محل جو پہلا گر کر بنا وہ محلا — دل سب کا جس سے بہلا خاطر ہی سب کی بہلی
اللہ رے لیاقت کیا طبع میں ہے جودت — ہر صفحے میں عبارت پھرتی ہے البیلی
ہر بات کے علاوہ شکر کا سن کے دعا وہ — کھایا فلک نے کاوا ساری زمیں ہے ہلی
مدت سے تھا تقاضا آیا ہے خطِ تازہ — مچلا ہے دل تو لا تاریخ ہو جو کہہ لی

سن کر یہ حکم بالا احسن تھا رکنے والا؟
یہ مادہ نکالا۔ دلکش ہے ذکرِ دہلی

فہرست و غلط نامہ تمام شد ۱۳۳۸ھ

فہرست فرماں روایان دار الملک اندرپت و دہلی از ابتدا راجہ جدھشٹر تا نہایت

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	سالِ جلوس قبل از مسیح	دار السلطنت	مدت سلطنت	حالات
(۱)	راجہ جدھشٹر	راجہ پانڈو	۱۴۵۰	ہستناپور	۳۶ سال	بعد وفات کرشن اوتار کے راجہ
(۲)	راجہ پریچھت	ابھمن بن راجہ ارجن بن راجہ پانڈو	۱۴۱۴	″	۳۲	جدھشٹر نے ریاست چھوڑ کر کوہ ہمانچل میں اپنے آپ کو برف
(۳)	راجہ جنمیجہ	راجہ پریچھت	۱۳۸۲	″	۳۴	میں ڈال کر گلا دیا ۔ راجہ جدھشٹر
(۴)	راجہ شتانیک عرف راجہ اشمید	راجہ جنمیجہ	۱۳۴۸	″	۳۳	کی اجازت سے مسند پر بیٹھا اور سانپ کے کاٹنے سے مر گیا
(۵)	راجہ سہسرانیک عرف راجہ اودھمن	راجہ اشمید	۱۳۱۵	″	۳۲	
(۶)	اشومی دیج عرف راجہ مہادجی	راجہ اودھمن	۱۲۱۳	″	۳۶	
(۷)	اسین کرشن	راجہ مہادجی	۱۲۴۷	″	۳۵	
(۸)	نمی عرف راجہ دشٹ وان	اسین کرشن	۱۲۱۲	اول ہستناپور بعدہ کنار کوشکی ندی بعدہ اندرپت	۳۵	گنگا کے چڑھاؤ سے ہستناپور بہہ گیا اس سبب سے اس راجہ نے پہلے دکن میں کوشکی ندی کے کنارے شہر
(۹)	راجہ چکر عرف اوگرسین	دشٹ وان	۱۱۷۷	اندرپت	۳۶	بسانا چاہا اور پھر اندرپت میں چلا آیا ۔
(۱۰)	راجہ چترتھ عرف سورسین	اوگرسین	۱۱۴۱	″	۳۶	
(۱۱)	راجہ کیرتھ	راجہ سورسین	۱۱۰۵	″	۳۲	
(۱۲)	برثت مان عرف رسمی	راجہ کیرتھ	۱۰۷۳	″	۳۱	
(۱۳)	سوسین عرف راجہ بہچل	راجہ رسمی	۱۰۴۲	″	۲۷	

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	ابتدائے سال جلوس قبل حضرت مسیح	دارالسلطنت	تعداد سال سلطنت	حالات
(۱۴)	راجہ سونتھ عرف سکھپال	راجہ بہ چھل	۱۰۱۵	اندرپت	۲۹	
(۱۵)	راجہ ذیک شو عرف نرہردیو	راجہ سکھپال	۹۸۷	//	۲۳	
(۱۶)	سکھی نل عرف سورج رتھ	راجہ نرہردیو	۹۶۴	//	۱۸	
(۱۷)	پرتلو عرف راجہ بھوپت	سورج رتھ	۹۴۶	//	۲۶	
(۱۸)	راجی سونی	راجہ بھوپت	۹۲۰	//	۲۵	اس راجہ نے سونی پت شہر بسایا
(۱۹)	راجہ میدھاوی	راجہ سونی	۸۹۵	//	۲۴	اسی راجہ کا نام دہاوا بھی ہم
(۲۰)	راجہ نرپانجی عرف شرون چیتر	راجہ میدھاوی	۸۷۳	//	۲۵	جانتے ہیں جس کی بنائی ہوئی لوہے کی لاٹھ ہے۔
(۲۱)	راجہ ڈوربھ عرف بھیکم	راجہ شرون چیتر	۸۴۷	//	۱۹	
(۲۲)	راجہ تی عرف بدارتھ	راجہ بھیکم	۸۲۸	//	۲۱	
(۲۳)	پرہدرتھ عرف راجہ دسوان	راجہ بدارتھ	۸۰۷	//	۳۰	
(۲۴)	راجہ سوداس عرف ادنے پال	راجہ دسوان	۷۸۷	//	۲۰	
(۲۵)	شتانیک عرف ابھیدھر	راجہ اونی پال	۷۶۷	//	۲۳	
(۲۶)	راجہ دردمن عرف ڈنڈپان	راجہ ابھیدھر	۷۴۴	//	۱۸	
(۲۷)	راجہ بہی تر عرف دربل رائے	راجہ ڈنڈپان	۷۲۶	//	۱۹	

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	قبل مسیح سال جلوس	دار السلطنت	تعداد برس سلطنت	حالات
(۲۸)	ڈونڈ پانی عرف دشت پال	راجہ دربل رائے	۷۰۷	اندرپت	۱۶	اسی راجہ نے پانی پت شہر بسایا ہے۔
(۲۹)	راجہ بتی عرف راجہ کھیم پال	راجہ دشت پال	۶۹۱	”	۲۶	
(۳۰)	راجہ کشتی مک عرف کھیمن	راجہ کھیم پال	۶۶۵	”	۲۲	اوپر کے راجاؤں نے (۴۰۷) سال حکومت کی پھر بسراوا وزیر
(۳۱)	راجہ بسراوہ	+	۶۴۳	”	۷	اس راجہ کو مار کر خود گدی پر بیٹھ گیا
(۳۲)	راجہ سورج سین	راجہ بسراوہ	۶۳۶	”	۱۹	
(۳۳)	راجہ بیرساہ	راجہ سورج سین	۶۱۷	”	۲۴	
(۳۴)	راجہ انیک ساہ عرف رب سین	راجہ بیرساہ	۵۹۳	”	۲۲	
(۳۵)	راجہ ہرجیت عرف پتر سال	راجہ انیک ساہ	۵۷۱	”	۱۶	
(۳۶)	راجہ دربھ	راجہ ہرجیت	۵۵۵	”	۲۰	
(۳۷)	راجہ سدھی پال	راجہ دربھ	۵۳۵	”	۱۳	
(۳۸)	راجہ برست	راجہ سدھی پال	۵۲۲	”	۱۹	
(۳۹)	راجہ سنجی	راجہ برست	۵۰۳	”	۱۶	
(۴۰)	راجہ امرچودھ	راجہ سنجی	۴۸۷	”	۱۳	
(۴۱)	راجہ امین پال	راجہ امرچودھ	۴۷۴	”	۱۲	
(۴۲)	راجہ سروہے	راجہ امین پال	۴۶۲	”	۲۲	
(۴۳)	راجہ پدارتھ	راجہ سروہے	۴۴۰	”	۱۲	
(۴۴)	راجہ بدھل	راجہ پدارتھ	۴۲۸	”	۱۵	اس خاندان نے (۲۳۰) برس حکومت کی جس کے
(۴۵)	راجہ بیرباہ	+	۴۱۳	”	۱۷	بعد بیرباہ وزیر اس راجہ کو مار کر خود گدی پر بیٹھا۔

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	تخمینی سال جلوس قبل مسیح	دار السلطنت	تخمینی زمانۂ سلطنت	حالات
(۴۶)	راجہ مرار سنگھ	راجہ بیرباہ	۳۹۶	اندرپت	۱۴	
(۴۷)	راجہ شترکن	مرار سنگھ	۳۸۲	"	۱۱	
(۴۸)	راجہ جیپت عرف دھنپت	راجہ شترکن	۳۷۱	"	۱۲	
(۴۹)	راجہ مہابل	راجہ جیپت	۳۵۹	"	۱۹	
(۵۰)	راجہ سروپ دت	راجہ مہابل	۳۴۰	"	۱۴	شاید اس راجہ کے وقت میں
(۵۱)	راجہ متر سین	راجہ سروپ دت	۳۲۶	دہلی	۱۲	راجہ دہلو والے قنوج کے نام سے
(۵۲)	راجہ سکھ وان	راجہ متر سین	۳۱۴	"	۸	اندرپت میں شہر بسا۔
(۵۳)	راجہ جیت مل	راجہ سکھ وان	۳۰۶	"	۱۴	
(۵۴)	راجہ پال سنگھ	راجہ جیت مل	۲۹۲	"	۱۹	
(۵۵)	راجہ کلمتی	راجہ پال سنگھ	۲۷۳	"	۱۹	
(۵۶)	راجہ شترمرون	راجہ کلمتی	۲۵۴	"	۶	
(۵۷)	راجہ جیون جات	راجہ شترمرون	۲۴۸	"	۱۳	
(۵۸)	راجہ پرچھت	راجہ جیون جات	۲۳۵	"	۸	
(۵۹)	راجہ بیرسین	راجہ پرچھت	۲۲۷	"	۱۷	
(۶۰)	راجہ اودیپت	راجہ بیرسین	۲۱۰	"	۱۳	اس خاندان نے (۲۱۹) سال
(۶۱)	راجہ دھرنی دھر	*	۱۹۷	"	۱۹	حکومت کی۔ جس کے بعد دھرنی
(۶۲)	راجہ سین دھج	راجہ دھرنی دھر	۱۷۸	"	۲۵	دھر وزیر اس راجہ کو مار کر خود
(۶۳)	راجہ مہی کٹاک	راجہ سین دھج	۱۵۳	"	۱۹	گدی پر بیٹھ گیا۔
(۶۴)	راجہ مہاجودھ	راجہ مہی کٹاک	۱۳۴	"	۲۲	
(۶۵)	راجہ بیرناتھ	راجہ مہاجودھ	۱۱۲	"	۱۳	
(۶۶)	راجہ جیون راج	راجہ بیرناتھ	۹۹	"	۲۱	
(۶۷)	راجہ اودی سین	راجہ جیون راج	۷۸	"	۱۷	

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	سنہ جلوس	دار السلطنت	مدت سلطنت	حالات
(۸۵)	راجہ ملوک چند	×	سمت ۰۶۷ سنہ ۳۱۰ء	دہلی	۲	
(۸۶)	راجہ بکرم چند	راجہ ملوک چند	سمت ۳۶۹ سنہ ۳۱۲ء	"	۱۳	
(۸۷)	راجہ کان چند	راجہ بکرم چند	سمت ۳۸۲ سنہ ۳۲۵ء	"	۱	
(۸۸)	راجہ رام چندر	راجہ کان چند	سمت ۳۸۳ سنہ ۳۲۶ء	"	۱۱	
(۸۹)	راجہ دھیر چند	راجہ رام چند	سمت ۳۹۴ سنہ ۳۳۷ء	"	۱۵	
(۹۰)	راجہ کلیان چند	راجہ دھیر چند	سمت ۴۰۹ سنہ ۳۵۲ء	"	۱۶	
(۹۱)	راجہ بھیم چند	راجہ کلیان چند	سمت ۴۲۵ سنہ ۳۶۸ء	"	۱۲	
(۹۲)	راجہ ہرچند	راجہ بھیم چند	سمت ۴۳۷ سنہ ۳۸۰ء	"	۱	
(۹۳)	راجہ گوبند چند	راجہ ہرچند	سمت ۴۳۸ سنہ ۳۸۱ء	"	۱۳	
(۹۴)	رانی پیم دیوی	راجہ گوبند چند	سمت ۴۵۱ سنہ ۳۹۴ء	"	۱	اس خاندان نے (۸۵) سال
(۹۵)	راجہ ہرپریم	×	سمت ۴۵۲ سنہ ۳۹۵ء	"	۸	حکومت کی۔ جب رانی مری
(۹۶)	راجہ گوبند پریم	راجہ ہرپریم	سمت ۴۶۰ سنہ ۴۰۳ء	"	۲۰	تو لوگوں نے مل کر ہرپریم
(۹۷)	راجہ گوپال پریم	راجہ گوبند پریم	سمت ۴۸۰ سنہ ۴۲۳ء	"	۱۶	فقیر کو گدی پر بٹھا دیا۔
(۹۸)	راجہ مہاپاتر	راجہ گوپال پریم	سمت ۴۹۶ سنہ ۴۳۹ء	"	۷	اس خاندان نے (۵۱)
(۹۹)	راجہ دہی سین	×	سمت ۵۰۳ سنہ ۴۴۶ء	"	۱۸	سال حکومت کی آخر کار راجہ
(۱۰۰)	راجہ بلاول سین	راجہ دہی سین	سمت ۵۲۱ سنہ ۴۶۴ء	"	۱۲	ریاست چھوڑ کر فقیر ہو گیا
(۱۰۱)	راجہ کنور سین	راجہ بلاول سین	سمت ۵۳۳ سنہ ۴۷۶ء	"	۱۵	یہ خبر سن کر راجہ دہی سین
(۱۰۲)	راجہ مادھو سین	راجہ کنور سین	سمت ۵۴۸ سنہ ۴۹۱ء	"	۱۵	بنگالے کے راجہ نے دلی پر
(۱۰۳)	راجہ سور سین	راجہ مادھو سین	سمت ۵۶۳ سنہ ۵۰۶ء	"	۶	قبضہ کر لیا۔
(۱۰۴)	راجہ بھیم سین	راجہ سور سین	سمت ۵۶۹ سنہ ۵۱۲ء	"	۵	
(۱۰۵)	راجہ کان سین	راجہ بھیم سین	سمت ۵۷۴ سنہ ۵۱۷ء	"	۵	
(۱۰۶)	راجہ ہرسین	راجہ کان سین	سمت ۵۷۹ سنہ ۵۲۲ء	"	۹	
(۱۰۷)	راجہ لکھن سین	راجہ ہرسین	سمت ۵۸۸ سنہ ۵۳۱ء	"	۲	

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	تخمیناً سال جلوس	دار السلطنت	تخمیناً مدت سلطنت	حالات
(۱۰۸)	راجہ نراین سین	راجہ لکھن سین	سمت ۵۹۰ / ۵۳۳ء	دہلی	۲۷	
(۱۰۹)	راجہ دامودر سین	راجہ نراین سین	سمت ۶۱۷ / ۵۶۰ء	"	۱۱	بارہ آدمیوں نے ایک سو چھبیس برس حکومت کرکے اخیر کو ارکان ریاست نے راجہ دیپ سنگھ کو بہ اتفاق راجہ سے سازش کرکے دلّی میں بلالیا۔
(۱۱۰)	راجہ دیپ سنگھ کوہی	×	سمت ۶۲۶ / ۵۷۱ء	"	۱۷	
(۱۱۱)	راجہ رن سنگھ	راجہ دیپ سنگھ	سمت ۶۴۵ / ۵۸۹ء	"	۱۴	
(۱۱۲)	راجہ راج سنگھ	راجہ رن سنگھ	سمت ۶۵۹ / ۶۰۲ء	"	۹	
(۱۱۳)	راجہ شیر سنگھ	راجہ راج سنگھ	سمت ۶۶۸ / ۶۱۱ء	"	۴۵	
(۱۱۴)	راجہ ہر سنگھ	راجہ شیر سنگھ	سمت ۷۱۳ / ۶۵۶ء / ۳۷ھ	"	۱۳	
(۱۱۵)	راجہ جیون سنگھ	راجہ ہر سنگھ	سمت ۷۲۶ / ۶۶۹ء / ۵۰ھ	"	۷	چھ آدمیوں نے ایک سو پانچ برس حکومت کرکے اخیر کو انیک پال تنور نے دلّی پر فتح پائی۔
(۱۱۶)	راجہ انیک پال تنور	راجہ اوگر سین	سمت ۷۳۳ / ۶۷۶ء / ۵۷ھ	"	۱۸	
(۱۱۷)	راجہ باسدیو	راجہ انیک پال	سمت ۷۵۱ / ۶۹۴ء / ۷۵ھ	"	۱۹ سال ایک ماہ ۱۸ یوم	
(۱۱۸)	راجہ کنک پال	راجہ باسدیو	سمت ۷۷۰ / ۷۱۳ء / ۹۵ھ	"	۲۱ سال تین ماہ ۲۸ یوم	
(۱۱۹)	راجہ پرتھی پال	راجہ کنک پال	سمت ۷۹۲ / ۷۳۵ء / ۱۱۷ھ	"	۱۹ سال چھ ماہ ۹ یوم	
(۱۲۰)	راجہ جی دیو	راجہ پرتھی پال	سمت ۸۱۱ / ۷۵۴ء / ۱۳۷ھ	"	۲۱ سال ۷ ماہ ۲۹ یوم	
(۱۲۱)	راجہ ہرپال	جی دیو	سمت ۸۳۲ / ۷۷۵ء / ۱۵۹ھ	"	۱۴-۴-۹	
(۱۲۲)	راجہ اودی راج	راجہ ہرپال	سمت ۸۴۶ / ۷۸۹ء / ۱۷۴ھ	"	۲۶-۷-۱۱	
(۱۲۳)	راجہ بچھراج	راجہ اودی راج	سمت ۸۷۳ / ۸۱۶ء / ۲۰۱ھ	"	۲۱-۲-۱۳	

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	سنہ جلوس	دار السلطنت	مدت سلطنت	حالات
(۱۲۴)	راجہ انگپال	راجہ بجھراج	سمبت ۸۹۴، ۸۳۷ ع، ۲۲۳ ھ	دہلی	۱۶-۳-۲۲	
(۱۲۵)	راجہ رکھپال	راجا جگپال	سمبت ۹۱۶، ۸۵۹ ع، ۲۴۵ ھ	"	۵-۶-۲۱	
(۱۲۶)	راجہ نیک پال	راجہ رکھپال	سمبت ۹۳۸، ۸۸۱ ع، ۲۶۸ ھ	"	۲۴-۷-۲	
(۱۲۷)	راجہ گوپال	راجہ نیک پال	سمبت ۹۴۰، ۸۶۳ ع، ۲۷۰ ھ	"	۱۵-۴-۱۸	
(۱۲۸)	راجہ سلکھن	راجہ گوپال	سمبت ۹۵۸، ۹۰۱ ع، ۲۸۹ ھ	"	۱۰-۲-۲۵	
(۱۲۹)	راجہ جے پال	راجہ سلکھن	سمبت ۹۸۳، ۹۲۶ ع، ۳۱۴ ھ	"	۱۳-۴-۱۶	
(۱۳۰)	راجہ کنور پال	راجہ جے پال	سمبت ۱۰۰۰، ۹۴۳ ع، ۳۳۲ ھ	"	۱۱-۹-۲۹	
(۱۳۱)	راجہ انیک پال	راجہ کنور پال	سمبت ۱۰۲۹، ۹۷۲ ع، ۳۶۲ ھ	"	۱۸-۶-۲۹	
(۱۳۲)	راجہ بجے پال	راجہ انیک پال	سمبت ۱۰۵۹، ۱۰۰۳ ع، ۳۹۳ ھ	"	۶-۱-۲۴	
(۱۳۳)	راجہ مہیپال	راجہ بجے پال	سمبت ۱۰۸۳، ۱۰۲۶ ع، ۴۱۷ ھ	"	۱۳-۲-۲۵	
(۱۳۴)	راجہ اگرپال	راجہ مہیپال	سمبت ۱۱۰۸، ۱۰۵۱ ع، ۴۴۳ ھ	"	۱۵-۲-۲۱	
(۱۳۵)	راجہ پرتھی راج	راجہ اگرپال	سمبت ۱۱۲۹، ۱۰۷۲ ع، ۴۶۵ ھ	"	۱۶-۳-۲۲	اس خاندان کے بیس راجاؤں نے
(۱۳۶)	راجہ بیلدیو چوہان	راجہ اثیلدیو	سمبت ۱۱۵۲، ۱۰۹۵ ع	"	۴-۱-۶	۴۱۹ سال ۷ ماہ ۲۸ یوم سلطنت
(۱۳۷)	راجہ امرگنگو	راجہ بیلدیو چوہان	سمبت ۱۱۵۸، ۱۱۰۱ ع، ۴۹۹ ھ	"	۵-۲-۵	کی ہے۔ آخر کو بیلدیو چوہان نے
(۱۳۸)	راجہ کھرپال	راجہ امرگنگو	سمبت ۱۱۶۳، ۱۱۰۶ ع، ۵۰۰ ھ	"	۵-۱-۲۰	فتح پائی۔
(۱۳۹)	راجہ سمیر	راجہ کھرپال	سمبت ۱۱۸۳، ۱۱۲۶ ع، ۵۲۰ ھ	"	۲-۴-۷	
(۱۴۰)	راجہ جاہرا	راجہ سمیر	سمبت ۱۱۹۰، ۱۱۳۳ ع، ۵۲۸ ھ	"	۸-۴-۴	
(۱۴۱)	راجہ ناگ دیو	راجہ جاہرا	سمبت ۱۱۹۵، ۱۱۳۸ ع، ۵۳۳ ھ	"	۵-۱-۳	
(۱۴۲)	راجہ پرتھی راج عرف رای پتھورا	راجہ ناگ دیو	سمبت ۱۱۹۸، ۱۱۴۱ ع، ۵۳۶ ھ	"	دہلی و اجمیری ۱-۵-۴۹	اس خاندان کے سات راجاؤں

نے (۹۵) برس (۷) ماہ حکومت کی آخر کو رای پتھورا معز الدین محمد سام عرف سلطان شہاب الدین غوری کی لڑائی میں مارا گیا اور سلطنت مسلمانوں کے گھرانوں میں چلی گئی۔ اگرچہ غور کا بادشاہ غیاث الدین محمد بن سام سلطان شہاب الدین کا بھائی تھا لیکن سلطان شہاب الدین نے ہندوستان کی فتح خود آپ کی تھی اور اس کو بذاتہ تسلط عظیم تھا اس واسطے سلطان شہاب الدین ہی فتح کی تاریخ سے دہلی کے بادشاہوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محل جلوس	دار السلطنت	قمری مدت سلطنت	سال وفات	مدت عمر	مدفن	حالات
				خاندان غلامان ترک								
(۱۴۳)	شہاب الدین الملقب بہ ابوالمظفر سلطان معز الدین	بہاؤ الدین سام	غوری	×	۵۸۷ھ ۱۱۹۱ء سمت ۱۲۴۸ بکرماجیت	محل فتح موضع نراین عرف کنار تلاوری آب سرسوتی	غزنین	۱۵ سال	۳ شعبان ۶۰۲ھ ۱۲۰۵ء	+	غزنین اپنے ہی مقبرے میں	لاہور سے غزنین جاتے ہوئے رہتک کے مقام میں گکھڑوں نے مار ڈالا اور غور کی سلطنت پر اس کا بھتیجا سلطان محمود بیٹھا جو کہ قطب الدین ایبک سلطان شہاب الدین کی طرف سے ہندوستان کا سپہ سالار تھا اور اس نے بہت قوت بہم پہنچائی تھی اس واسطے سلطان محمود نے ہندوستان کی بادشاہی قطب الدین ایبک کو بخش دی اور خط آزادی اور چتر شاہی بھیج دیا اور قطب الدین لاہور تک اس کے استقبال کو گیا
(۱۴۴)	سلطان قطب الدین ایبک	غلام سلطان شہاب الدین غوری	ترک	×	روز شنبہ ۱۰ ذی قعدہ ۶۰۲ھ ۱۲۰۵ء	لاہور	دہلی قلعۂ راے پتھورا	۴ سال چند ماہ	۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء	×	لاہور	لاہور میں چوگان بازی میں گھوڑے سے گر کر مر گیا امرا نے اس کے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا۔

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	مقام جلوس	دارالسلطنت	مدت فرمانروائی	سال وفات	مدت عمر	مدفن	حالات
(۱۴۵)	آرام شاہ	قطب الدین ایبک	ترک	+	سنہ ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء	لاہور	دہلی	چند ماہ	×	×	×	امیر علی اسمٰعیل سپہ سالار اور امیر داؤد دیلمی نے اس بادشاہ کی حرکتوں سے ناراض ہوکر سلطان شمس الدین التمش کو جو بدایوں کا حاکم تھا دلی میں بلا لیا اور آرام شاہ سے لڑائی ہوئی جس میں آرام شاہ نے شکست پائی اور سلطان شمس الدین التمش تخت پر بیٹھا۔
(۱۴۶)	سلطان شمس الدین التمش غلام و داماد قطب الدین ایبک	ایلم خاں	ترک	×	سنہ ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء	قصر سفید واقعہ قلعۂ رائے پتھورا	دہلی	۲۶ سال	۲۰ شعبان سنہ ۶۳۵ھ ۱۲۳۵ء		قلعۂ رائے پتھورا عقب مسجد قوت الاسلام	بیمار ہوکر مرگیا۔
(۱۴۷)	رکن الدین فیروز شاہ	شمس الدین التمش	ترک	×	شعبان سنہ ۶۳۳ھ ۱۲۳۵ء	قلعۂ رائے پتھورا	۶ ماہ ۲۸ یوم	سنہ ۶۳۵ھ ۱۲۳۶ء	×		ملک پور	ملک عزالدین حاکم ملتان کے تنبیہ کو پنجاب کی طرف روانہ ہوا اس کے پیچھے امرا نے سلطانہ رضیہ کو تخت پر بٹھایا۔ بادشاہ یہ خبر سن کر دلی پر آیا اور کیلوکھڑی کے میدان میں لڑائی ہوئی اسی لڑائی میں پکڑا گیا اور قید میں مرگیا۔

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محل جلوس	دار السلطنت	قمری مدت سلطنت	سال وفات	مدت عمر	مدفن	حالات
(۱۴۸)	رضیہ سلطانہ بیگم	شمس الدین التمش	ترک	×	سنہ ۶۳۴ھ ۱۲۳۶ء	قلعۂ رائے پتھورا	دہلی	۳ سال ۶ ماہ ۶ یوم	۲۵ ربیع الاول سنہ ۶۳۸ھ ۱۲۴۰ء	×	شاہجہان آباد محلہ بلبلی خانہ گور ترکمان دروازہ	جبکہ ملک التونیہ بھٹنڈے کے حاکم سے لڑائی ہو رہی تھی اُس وقت امراء نے مخالفت کرکے سلطانہ رضیہ کو قلعۂ بھٹنڈے میں قید کیا اور دلی میں بہرام شاہ کو تخت پر بٹھا دیا۔ بعد اُس کے سلطانہ رضیہ نے ملک التونیہ سے نکاح کر لیا اور بہرام شاہ سے دو دفعہ لڑی آخر کو ماری گئی۔
(۱۴۹)	معز الدین بہرام شاہ	〃	〃	×	شنبہ ۲۸ رمضان سنہ ۶۳۷ھ ۱۲۳۹ء	〃	〃	۱۰-۱-۲	۸ ذی قعدہ شنبہ سنہ ۶۳۹ھ ۱۲۴۱ء	×	ملک پور	نظام الملک مہذب الدین اور امراء نے مخالفت کرکے بادشاہ کو دلی میں محصور کیا اور تین مہینے تک ہر روز لڑائی رہی آخر کار بادشاہ کو پکڑ کر مار ڈالا اور نائب معز الدین بلبن امیر الامراء تخت پر بیٹھ گیا مگر اور امراء اس کی بادشاہت پر راضی نہ ہوئے اور علاء الدین کو جو قصر سفید میں قید تھا بادشاہ کیا۔
(۱۵۰)	سلطان علاء الدین مسعود شاہ	رکن الدین فیروز شاہ	〃	×	ذی قعدہ سنہ ۶۳۹ھ ۱۲۴۱ء	〃	〃	۱-۱-۴	سنہ ۶۴۴ھ ۱۲۴۶ء	×	×	اس بادشاہ کے ظلم سے امراء ناراض ہوئے اور سلطان ناصر الدین کو بھرڑ دیکچ سے بلا کر بادشاہ کیا اور ۲۶ محرم سنہ ۶۴۴ھ ۱۲۴۶ء کو علاء الدین کو قید کر لیا جو اُسی زمانے میں قید میں مر گیا۔

نمبر	نام فرماں روا	نام	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محل جلوس	دارالسلطنت	مدت سلطنت	سال وفات	مدت عمر	مدفن	حالات
(۱۵۱)	سلطان ناصر الدین محمود شاہ	شمس الدین التمش	ترک	×	ذی حجہ سنہ ۶۴۳ھ ۱۲۴۵ء	قصر سفید رائے پتھورا	دہلی	۲۰ سال چند ماہ	۱۱ جمادی الاولیٰ سنہ ۶۶۴ھ ۱۲۶۵ء	×	دہلی	بیمار ہو کر مرگیا اور چوں کہ کوئی وارث نہ تھا امرا نے الغ خاں کو بادشاہ کر لیا۔
(۱۵۲)	الغ خاں الملقب سلطان غیاث الدین بلبن	غلام شمس الدین التمش	″	سنہ ۶۰۵ھ ۱۲۰۸ء	جمادی الاولیٰ سنہ ۶۶۴ھ ۱۲۶۵ء	″	″	۲۱ سال چند ماہ	سنہ ۶۸۶ھ ۱۲۸۷ء	۸۰ سال	″	بیمار ہو کر مرگیا اور ملک فخر الدین کوتوال اور امرا نے آپس میں صلاح کر کے معز الدین کیقباد کو بادشاہ کیا
(۱۵۳)	(۱) معز الدین کیقباد (۲) کیومرث الملقب سلطان شمس الدین	ناصر الدین بغرا خاں بن غیاث الدین بلبن	″	سنہ ۶۶۷ھ ۱۲۶۸ء	سنہ ۶۸۶ھ ۱۲۸۷ء / محرم سنہ ۶۸۹ھ ۱۲۹۰ء	″	قصر کیلوکھری دہلی	۳ سال چند ماہ	جمادی الثانیہ سنہ ۶۸۹ھ ۱۲۹۰ء	۲۰ سال	×	بادشاہ کو فالج ہو گیا اس سبب سے امرا نے کیومرث اُس کے بیٹے کو تخت پر بٹھایا مگر امرائے خلجی نے مخالفت کی اور کیومرث کو بہادرپور میں پکڑ لے گئے اور بادشاہ کو لاتوں سے مار ڈالا اور ملک جلال الدین خلجی کو تخت پر بیٹھایا۔ یہ آدمیوں نے ترکوں میں سے جو سلاطین غوریہ کے غلاموں میں سے تھے ستّر برس تک بادشاہت کی بعد اس کے سلطنت خاندان خلجیہ میں چلی گئی۔

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محل جلوس	دار السلطنت	مدت سلطنت	سال وفات	مدت عمر	مدفن	حالات
							خاندان خلجیہ					
(۱۵۴)	جلال الدین فیروز شاہ خلجی	یغرش	خلجی ترک	سنہ ۶۱۸ھ ۱۲۲۱ء	جمادی الثانیہ سنہ ۶۸۹ھ ۱۲۹۰ء	کیلوکھری	دہلی	۶ سال چند ماہ	سنہ ۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء	۷۷	×	ملک علاء الدین نے دغا سے بادشاہ کو کڑہ مانکپور میں بلایا اور جب بادشاہ کشتی میں سے اتر رہا تھا اس وقت اس کو تلوار سے ہلاک کیا۔ جب یہ خبر دلّی میں پہنچی تو ملکہ جہاں بادشاہ کی بی بی نے رکن الدین اپنے چھوٹے بیٹے کو تخت پر بٹھایا۔
(۱۵۵)	رکن الدین ابراہیم شاہ	جلال الدین فیروز شاہ	خلجی	×	رمضان سنہ ۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء	کوشک سبز	″	۳ ماہ	×	×	×	سلطان علاء الدین سے لڑ کر بھاگ گیا اور سلطان علاء الدین دلّی کے تخت پر بیٹھ گیا۔
(۱۵۶)	سلطان علاء الدین	شہاب الدین مسعود	″	×	۲۲ ذی الحجہ سنہ ۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء	قلعہ رائے پتھورا	دہلی قلعہ سیری	۱۹ سال چند ماہ	شب ششم ماہ شوال سنہ ۷۱۵ھ ۱۳۱۵ء	×	قلعہ رائے پتھورا عقب مسجد قوت الاسلام	بیماری سے مرا۔ امرا نے مشورت کر کے شہاب الدین کو تخت پر بٹھایا۔
(۱۵۷)	شہاب الدین عمر	سلطان علاء الدین	″	۹ سنہ ۷۰۶ھ ۱۳۰۶ء	۷ شوال سنہ ۷۱۵ھ ۱۳۱۵ء	قلعہ علائی	دہلی	۳ ماہ چند یوم	×	×	×	مبارک خاں نے ایک تدبیر سے ملک نائب عماد الملک سلطنت کو مروا کر آپ نائب سلطنت ہوا اور چند روز بعد بادشاہ کو پکڑ کر اندھا کر دیا اور گوالیار کے قلعے میں قید کیا اور آپ بادشاہ ہوا۔

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محل جلوس	دار السلطنت	مدت سلطنت	سال وفات	مدت عمر	مدفن	حالات
(۱۵۸)	قطب الدین مبارک شاہ	سلطان علاء الدین	خلجی	×	۱۶ محرم ۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء	قلعۂ علائی	دہلی	۵-۱-۴	شعبان ۵ ربیع الاول ۷۲۱ھ / ۱۳۲۱ء	×	×	جاہر بیگ نے بسازش خسرو خاں بادشاہ کو قصر ہزار ستون میں مار ڈالا اور خسرو خاں تخت پر بیٹھا۔
(۱۵۹)	حسن خاں الملقب بہ ناصر الدین خسرو خاں	×	برواڑ	×	ربیع الاول ۷۲۱ھ / ۱۳۲۱ء	قلعہ علائی قصر ہزار ستون	"	۴ ماہ چند یوم	آخر ماہ رجب ۷۲۱ھ / ۱۳۲۱ء	×	+	غازی الملک تغلق شاہ دیپالپور کے حاکم نے خسرو خاں پر فوج کشی کی اور خسرو خاں حوض علائی کے کنارے سے نکلا اور اندرپت کے میدان میں لڑائی ہوئی جس میں خسرو خاں بھاگ کر تلپت میں چھپا آخر کار پکڑا جا کر مارا گیا اور تغلق شاہ بادشاہ ہوا۔
							خاندان تغلق					
(۱۶۰)	سلطان غیاث الدین تغلق شاہ	ملک تغلق	ترک	×	غرۂ شعبان ۷۲۱ھ / ۱۳۲۱ء	قلعۂ علائی	دہلی قلعۂ تغلق آباد	۴ سال چند ماہ	ربیع الاول ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء	×	تغلق آباد	الغ خاں اس کے بیٹے نے افغان پور کے قریب ایک محل بنایا تھا اس میں بادشاہ خاصہ تناول کر رہا تھا کہ مکان گر پڑا اور بادشاہ دب کر مر گیا اور اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا۔
(۱۶۱)	سلطان محمد عادل تغلق شاہ	غیاث الدین تغلق شاہ	"	×	ربیع الاول ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴	تغلق آباد	دہلی پھر دولت آباد پھر دہلی	۲۷	۲۱ محرم ۷۵۲ھ / ۱۳۵۱ء		"	سفر ٹھٹھے میں بیمار ہو کر چودہ کوس ورے دریاے سندھ کے کنارے پر انتقال کیا۔

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محل جلوس	دار السلطنت	قمری مدت سلطنت	سال وفات	مدت عمر	مدفن	حالات
(۱۶۲)	فیروز شاہ غیاث محمد شاہزادہ فتح خاں ناصر الدین محمد شاہ	سالار رجب برادر خورد تغلق شاہ تغلق شاہ فیروز شاہ "	ترک	۷۰۹ھ ۱۲۹۸ء ۷۵۳ھ ۱۳۵۲ء	۲۳ محرم ۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء ۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء ۷۶۰ھ ۱۳۵۹ء ۷۸۹ھ ۱۳۸۷ء	سبھوال	دہلی فیروز آباد	۳۸-۷-۲۰	۱۳ رمضان ۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء	۹۱	حوض خاص	احمد ایاز المخاطب خواجہ جہاں نے دہلی میں غیاث الدین محمد کو تخت پر بٹھایا تھا کہ فیروز شاہ نے اُتار دیا بعد چند مدت کے فیروز شاہ نے جیتے جی شاہزادہ فتح خاں کو تخت پر بٹھایا اور سکہ و خطبہ اُس کے نام پر کردیا اور اس کے مرنے کے بعد محمد خاں کو ناصر الدین محمد شاہ کا خطاب دیکر تخت نشین کیا مگر امراء نے مخالفت کی اور لڑکر کوہ سرمور کی طرف بھگا دیا اور تغلق شاہ کو تخت پر بٹھایا اور اسی عرصے میں فیروز شاہ مرگیا اور تغلق شاہ مستقل بادشاہ رہا۔
(۱۶۳)	سلطان غیاث الدین تغلق شاہ ثانی	شاہزادہ فتح خاں	"	×	۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء	فیروز آباد	دہلی	۵ ماہ ۱۸ یوم	۲۱ صفر ۷۹۱ھ ۱۳۸۸ء	×	×	ملک رکن الدین وزیر نے اس بادشاہ کو مار ڈالا اور ابوبکر شاہ کو تخت پر بٹھایا۔
(۱۶۴)	ابوبکر شاہ	ظفر خاں بن فیروز شاہ	"	×	صفر ۷۹۱ھ ۱۳۸۹ء	"	"	ایک سال چھ ماہ چند یوم	۲۰ ذی الحجہ ۷۹۲ھ ۱۳۸۹ء	×	×	امراء کی مخالفت اور ناصر الدین محمد شاہ کے آنے کی خبر سنکر یہ بادشاہ میوات میں چلا گیا اور ناصر الدین محمد شاہ دہلی میں آکر تخت پر بیٹھ گیا اور بعد لڑائیوں کے ابوبکر شاہ کو پکڑ کر قلعۂ میرٹھ میں قید کیا جو وہیں مرگیا۔

نمبر	نام فرمانروا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	جائے جلوس	دار السلطنت	میعاد سلطنت	سال وفات	مدت عمر	مدفن	حالات
(۱۶۵)	ناصر الدین محمد شاہ	فیروز شاہ	ترک	دوشنبہ ۱۴ر جمادی الاولیٰ سنہ ۷۵۳ھ ۱۳۵۲ء	۱۹ر رمضان سنہ ۷۹۲ھ ۱۳۸۹ء	فیروزآباد	دہلی	۳ سال ۶ ماہ چند یوم	۱۷ر ربیع الاول سنہ ۷۹۶ھ ۱۳۹۳ء	×	حوض خاص	بیمار ہو چالیس برس میں مرا ہمایوں خاں سکندر اس کا بیٹا بادشاہ ہوا
(۱۶۶)	علاء الدین سکندر شاہ	ناصر الدین محمد شاہ	″	×	۱۹ر ربیع الاول سنہ ۷۹۶ھ ۱۳۹۳ء	فیروزآباد	دہلی	یک ماہ چند یوم	ربیع الثانی سنہ ۷۹۶ھ ۱۳۹۳ء	×	حوض خاص	بیمار ہو کر مر گیا اس کے بعد پندرہ روز تک امرار میں مشورہ رہا آخر کار محمود شاہ کو تخت پر بٹھایا
(۱۶۷)	ناصر الدین محمود شاہ	ناصر الدین محمد شاہ	″	×	جمادی الاولیٰ سنہ ۷۹۶ھ ۱۳۹۳ء	″	″	۱۹ سال ۲ ماہ چند یوم	ذی قعد سنہ ۸۱۵ھ ۱۴۱۲ء	×	×	
(۱۶۸)	ناصر الدین نصرت شاہ	شاہزادہ فتح خاں بن فیروز شاہ		×	سنہ ۷۹۷ھ ۱۳۹۴ء / سنہ ۸۰۱ھ ۱۳۹۸ء	″	″	×	×	×	×	اس بادشاہ کے زمانہ سلطنت میں نہایت تنزل ہوا۔ سعادت خاں نے نصرت شاہ کو فیروزآباد میں تخت پر بٹھا دیا اور پھر اقبال خاں فیروزآباد پر قابض ہو گیا اور کبھی یہ بادشاہ بھاگ گیا اور کبھی پھر آ گیا اور اسی درمیان میں امیر تیمور بھی دہلی میں آیا آخر کو یہ بادشاہ بیمار ہو کر کیتھل سے مراجعت کرتے وقت مر گیا۔ امرار دولت نے دولت خاں کو بادشاہ بنا لیا۔
	اقبال خاں عرف ملّو	×	پٹھان	×	سنہ ۸۰۰ھ ۱۳۹۷ء / سنہ ۸۰۲ھ ۱۳۹۹ء	کوشک سیری	″	×	×	×	×	
	امیر تیمور	امیر طراغاں	چغتائی	شب شنبہ ۲۷ر شعبان سنہ ۷۳۶ھ ۱۳۳۵ء	جمادی الاولیٰ سنہ ۸۰۱ھ ۱۳۹۸ء	فیروزآباد	سمرقند	۱۵ یوم	شب چہارشنبہ ۱۷ر شعبان سنہ ۸۰۷ھ ۱۴۰۵ء	(۷۱) سال ۱۱ ماہ ۲۰ یوم	سمرقند	

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محل جلوس	دارالسلطنت	سلطنت قمری مدت	سال وفات	مدت عمر	مدفن	حالات
(۱۶۸)	دولت خاں	×	لودھی	×	محرم ۸۱۶ھ ۱۴۱۳ء	کوشک سیری	دہلی	ایک سال دو ماہ چند یوم	۸۱۷ھ ۱۴۱۴ء	×	×	خضر خاں نے دہلی پر فوج کشی کی اور دولت خاں کوشک سیری میں محصور ہوا آخر کار خضر خاں کے پاس چلا آیا اور اس نے فیروز آباد میں قید کیا اور وہیں مر گیا۔
					خاندان سادات							
(۱۶۹)	خضر خاں	ملک سلیمان	سید	×	۱۵ ربیع الاول ۸۱۷ھ ۱۴۱۴ء	کوشک سیری	دہلی	۷-۲-۰-۲	۱۷ جمادی الاولیٰ ۸۲۴ھ ۱۴۲۱ء	×	دہلی	اٹاوہ میں بیمار ہو کر دہلی میں آیا اور یہیں انتقال کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔
(۱۷۰)	معز الدین ابو الفتح مبارک شاہ	خضر خاں	سید	×	۱۷ جمادی الاولیٰ ۸۲۴ھ ۱۴۲۱ء	"	دہلی	۱۳ سال ایک ماہ چند یوم	۹ رجب ۸۳۷ھ ۱۴۳۳ء	×	دہلی مبارک پور کوٹلہ	قلعۂ مبارک آباد میں جس اس بادشاہ نے دریا کے کنارے بنایا تھا میراں صدر اور قاضی عبد الصمد نے اس بادشاہ کو مار ڈالا اور سرور الملک وزیر کو خبر کی اس نے صلاح کر کے محمد شاہ کو تخت پہ بٹھا دیا۔
(۱۷۱)	سلطان محمد شاہ	فرید خاں بن خضر خاں	سید	×	۹ رجب ۸۳۷ھ ۱۴۳۳ء	"	دہلی	۱۲ سال چند ماہ	۸۴۹ھ ۱۴۴۵ء	×	متصل مقبرۂ صفدر جنگ سوا موضع خیر پور	بیماری سے مرا اور باپ کی جگہ بیٹا جانشین ہوا۔

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محل جلوس	دار السلطنت	مدت سلطنت قمری	سال وفات	مدت عمر	مدفن	حالات
(۱۷۲)	سلطان علاء الدین عالم شاہ	محمد شاہ	سید	×	۸۴۹ھ ۱۴۴۵ء	کوشک سیری	دہلی	چھ سال چند ماہ	۸۸۳ھ ۱۴۷۸ء	×	×	بادشاہ بدایوں میں جا پڑا اور ملک بہلول لودی دلی پر قابض ہو کر تخت نشین ہوا۔
							خاندان لودی					
(۱۷۳)	سلطان بہلول لودی	ملک کالا	لودی	×	۱۷ ربیع الاول ۸۵۵ھ ۱۴۵۱ء	//	دہلی	۳۸-۸-۷	۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء	×	دہلی متصل درگاہ چراغ دہلی	بیماری سے مرا اور خان خاناں اس کے بیٹے کو تخت پر بٹھایا۔
(۱۷۴)	سلطان سکندر	سلطان بہلول	لودی	×	۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء	قصبہ جلالی	دہلی بعدہ آگرہ	۲۸ سال ۵ ماہ	یکشنبہ ذی قعد ۹۲۳ھ ۱۵۱۷ء	×	دہلی	اس بادشاہ کے عہد میں ہندوؤں نے فارسی لکھنا اور پڑھنا شروع کیا اس سے پہلے کوئی نہ پڑھتا تھا یہ بادشاہ بیماری سے مرا۔
(۱۷۵)	سلطان ابراہیم	سلطان سکندر	لودی	×	ذی قعد ۹۲۳ھ ۱۵۱۷ء	آگرہ	آگرہ	۸ سال چند ماہ	۸ رجب ۹۳۲ھ ۱۵۲۵ء	×	پانی پت	پانی پت کے میدان میں بابر بادشاہ کی لڑائی میں مارا گیا اور مغلوں کے خاندان میں بادشاہت چلی گئی۔

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محل جلوس	دار السلطنت	مدت سلطنت قمری	سال وفات	مدت عمر	مدفن	حالات
					خاندان مغلیہ							
(۱۶۶)	ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ	عمر شیخ میرزا	چغتائی	سنہ ۱۴۸۳ء	رجب ۹۳۲ھ ۱۵۲۵ء	دہلی	آگرہ	۴ سال دس ماہ چند یوم	دو شنبہ ۶ جمادی الاولیٰ ۹۳۷ھ ۱۵۳۰ء	۴۹ سال چند ماہ	کابل	بیمار ہو کر مرا۔
(۱۶۷)	نصیر الدین ہمایوں بادشاہ (مرتبۂ اول)	بابر بادشاہ	//	شب شنبہ ذی قعدہ ۹۱۳ھ ۱۵۰۷ء	جمادی الاولیٰ ۹۳۷ھ ۱۵۳۰ء	آگرہ	آگرہ بعد دہلی	۱۱ سال	سال معزولی ۹۴۷ھ ۱۵۴۰ء	×	×	شیر شاہ کی لڑائی میں ۱۵۴۳ء میں شکست کھا کر بادشاہ ایران چلا گیا۔
					خاندان سور							
(۱۶۸)	فرید خاں الملقب بہ شیر شاہ	حسن	سور پٹھان	رجب ۸۷۸ھ ۱۴۷۲ء	۹۴۷ھ ۱۵۴۰ء	آگرہ	دہلی	۱۵-۴-۴	۱۲ ربیع الاول ۹۵۲ھ ۱۵۴۵ء	۷۳ سال ۸ ماہ چند یوم		سہسرام کالنجر کے قلعے کی لڑائی میں باروت سے جل کر مرا۔
(۱۶۹)	جلال شاہ الملقب بہ اسلام شاہ	شیر شاہ	//	صفر ۹۰۲ھ ۱۴۹۶ء	۱۵ ربیع الاول ۹۵۲ھ ۱۵۴۵ء	قلعۂ کالنجر	//	۱۰-۲-۸	۲۵ جمادی الاولیٰ ۹۶۰ھ ۱۵۵۲ء	۵۸ سال ۳ ماہ چند یوم	×	بیماری سے مرا اور فیروز خاں تخت پر بیٹھا۔

نمبر	نام فرمانروا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	مقام جلوس	دارالسلطنت	مدت سلطنت	سال وفات	مدت عمر	مدفن	
(۱۸۰)	فیروز شاہ	اسلام شاہ	سور پٹھان	ربیع الثانی ۹۴۸ھ ۱۵۴۱ء	۲۴ جمادی الاولی ۹۶۰ھ ۱۵۵۲ء	دہلی	دہلی	۳ یوم	۲۹ جمادی الاولی ۹۶۰ھ ۱۵۵۲ء	۱۲ سال چند یوم	×	مبارز خاں اس کے ماموں نے مار ڈالا اور آپ تخت پر بیٹھا۔
(۱۸۱)	مبارز خاں الملقب بہ محمد عادل شاہ	نظام خاں	"	شعبان ۹۱۱ھ ۱۵۰۵ء	۲۹ جمادی الاولی ۹۶۰ھ ۱۵۵۲ء	"	"	۱-۱۱-۷	×	×	×	ابراہیم خاں بنی عم شیر شاہ سے شکست پائی۔
(۱۸۲)	سلطان ابراہیم	×	"	۹۰۳ھ ۱۴۹۷ء	۶ جمادی الاولی ۹۶۲ھ ۱۵۵۴ء	"	"	دو ماہ ۲۰ یوم	×	×	×	احمد خاں بنی عم شیر شاہ سے لڑ کر شکست پائی۔
(۱۸۳)	احمد خاں الملقب بہ سکندر شاہ	حسین خان	"	ربیع الاول ۹۱۱ھ ۱۵۰۵ء	۹ رجب ۹۶۲ھ ۱۵۵۴ء	فرح	دہلی	دو ماہ	×	×	×	ہمایوں بادشاہ سے شکست کھا کر بنگالے کی طرف بھاگ گیا۔
							خاندان مُغلیہ					
(۱۸۴)	نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ (بار دوم)	بابر بادشاہ	چغتائی	شب شنبہ ۴ ذی قعدہ ۹۱۳ھ ۱۵۰۷ء	رمضان ۹۶۲ھ ۱۵۵۵ء	دہلی	"	۶ ماہ چند یوم	۱۱ ربیع الاول ۹۶۳ھ ۱۵۵۶ء	۴۹-۳-۲۶	دہلی مقبرہ ہمایوں	شیر منڈل واقع قلعہ کہنہ سے اترتے وقت گر پڑا اور کئی دن بعد انتقال کیا۔

نمبر	نام فرمانروا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محل جلوس	دارالسلطنت	مدت سلطنت قمری	سال وفات	مدت عمر	مدفن	حالات
(۱۸۵)	ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ	ہمایوں بادشاہ	چغتائی	شب یکشنبہ ۵ رجب سنہ ۹۴۹ھ ۱۵۴۲ء	۲ ربیع الثانی سنہ ۹۶۳ھ ۱۵۵۶ء	کلانور	آگرہ	۱۱-۲-۵۱	چہار شنبہ ۱۳ جمادی الثانی سنہ ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء	۸-۱۱-۶۲	اکبر آباد یعنی آگرہ بہشت آباد معروف بہ سکندرہ	بیماری سے وفات پائی۔
(۱۸۶)	ابوالمظفر نور الدین جہانگیر بادشاہ	اکبر بادشاہ	″	روز چہار شنبہ ۱۷ ربیع الاول سنہ ۹۷۷ھ ۱۵۶۹ء	روز پنجشنبہ ۲۰ ربیع الاول سنہ ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء	آگرہ	آگرہ	۱۳-۸-۲۱	۲۷ صفر سنہ ۱۰۳۶ھ ۱۶۲۷ء	۱۰-۱۱-۵۸	لاہور	بیماری سے وفات پائی۔ امرا نے مصلحتاً داور بخش کو بادشاہ کر دیا اور مخفیہ شاہ جہاں کو بلایا
(۱۸۷)	مرزا ابلاقی المخاطب بہ سلطان داور بخش	شاہزادہ سلطان خسرو بن جہانگیر	″	ذی قعد سنہ ۱۰۱۰ھ ۱۶۰۱ء	ربیع الاول سنہ ۱۰۳۶ھ ۱۶۲۷ء	راج پوری	آگرہ	دو ماہ چند یوم	سنہ ۱۰۳۶ھ ۱۶۲۷ء	۲۶	×	جب کہ شاہ جہاں لاہور میں پہنچا آصف خاں نے اس بیچارے کو مار ڈالا اور شاہ جہاں کو تخت پر بٹھایا
(۱۸۸)	شہاب الدین محمد شاہ جہاں بادشاہ	جہانگیر بادشاہ	″	شب پنجشنبہ یکم ربیع الاول سنہ ۱۰۰۰ھ ۱۵۹۱ء	روز یکشنبہ ۲۲ جمادی الاولی سنہ ۱۰۳۶ھ ۱۶۲۷ء	لاہور	آگرہ بعدہ شاہ جہاں آباد	۳۲ سال چند ماہ	شب دوشنبہ ۲۶ رجب سنہ ۱۰۷۶ھ ۱۶۶۶ء	۷۶-۴-۲۶	تاج گنج آگرہ	عالم گیر نے ۱۶۵۸ء میں قید کر کے خود تخت پر بیٹھا اور شاہ جہاں نے نویں سال جلوس عالم گیری میں انتقال کیا۔

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محل جلوس	دارالسلطنت	مدت سلطنت قمری حساب	سال وفات	مدت عمر	مدفن	حالات
(۱۸۹)	ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب عالم گیر بادشاه	شاه جہاں	چغتائی	شب یکشنبہ ۱۱ ذی قعد ۱۰۲۸ھ ۱۶۱۸ء	جمعہ یکم ذی قعد ۱۰۶۸ھ ۱۶۵۸ء	اعز آباد متصل سرہند	دہلی	(۵۰) سال ۲۷ یوم	جمعہ ۲۸ ذی قعد ۱۱۱۸ھ ۱۷۰۷ء	۹۰ سال ۱۷ یوم	اورنگ آباد دکن	بیمار ہو کر انتقال کیا۔ محمد معظم منعم خاں کی سعی سے دہلی کے تخت پر بیٹھا اور اپنے بھائیوں سے لڑکر فتح یاب ہوا۔
(۱۹۰)	محمد معظم الملقب بہ شاه عالم بہادر شاه محمد اعظم شاه	اورنگ زیب عالم گیر ؍؍	؍؍ ×	سلخ رجب ۱۰۵۳ھ ۱۶۴۳ء +	غرہ ذی حجہ ۱۱۱۸ھ ۱۷۰۷ء ۱۱۱۹ھ ۱۷۰۸ء	لاہور احمد نگر	دہلی ×	۵-۱۰-۲۱ ×	۲۱ محرم ۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲ء ۱۱۱۹ھ ۱۷۰۸ء	(۷۰) سال چھ ماہ ×	قطب صاحب دہلی مقبرہ ہمایوں دہلی	بہ مقام موضع جاجو صوبہ اکبرآباد اپنے بھائی سے لڑکر فتح پائی آخر کو آپ بھی بیمار ہو کر مرگیا اور اس کے بیٹوں میں بادشاہت پر لڑائی ہوئی اور معزالدین جہاں دار شاہ سب پر غالب آیا۔
(۱۹۱)	معزالدین جہاں دار شاه عظیم الشان رفیع الشان خجستہ اختر جہاں شاه	شاه عالم بہادر شاه	؍؍	۱۰ رمضان ۱۰۷۲ھ ۱۶۶۱ء	۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲ء	شاه جہاں آباد و بعد فتح لاہور و بنگالہ شاه جہاں آباد ؍؍	دہلی	۱۱ ماہ ۱۵ یوم	جمعہ ۱۶ محرم ۱۱۲۵ھ ۱۷۱۳ء	۵۲-۳-۲۴	دہلی پیش چبوترہ مقبرہ ہمایوں	فرخ سیر سے لڑکر پکڑا گیا اور قلعہ دہلی میں مارا گیا۔

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محل جلوس	دار السلطنت	مدت سلطنت قمری	سال وفات	مدت عمر	مدفن	حالات
(۱۹۲)	جلال الدین فرخ سیر	عظیم الشان بن بہادر شاہ	چغتائی	پنجشنبہ ۸ رجب سنہ ۱۰۹۵ھ ۱۶۸۳ع	سنہ ۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲ع وجلوس ثانی سنہ ۱۱۲۵ھ ۱۷۱۳ع	آگرہ بعدہ شاہجہان آباد	دہلی	۱۵-۳-۶	۸ ربیع الثانی سنہ ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۹ع	۳۵-۵-۲۰	دہلی صحن مقبرۂ ہمایون	عبداللہ خاں اور حسین علی خاں نے زہر دے کر مار ڈالا۔
(۱۹۳)	محمد ابوالبرکات سلطان رفیع الدرجات	رفیع الشان بن بہادر شاہ	"	۷ جمادی الثانیہ سنہ ۱۱۱۱ھ ۱۶۹۹ع	۹ ربیع الثانی سنہ ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۹ع	شاہ جہاں آباد	"	۳ ماہ ۱۱ یوم	شنبہ ۲۰ رجب سنہ ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۹ع	۱۸-۹-۱۲	"	بیماری سے مرا۔ عبداللہ خاں و حسین علی خاں نے رفیع الدولہ کو تخت پر بٹھایا اور اکبر آباد میں ہزاری مترسین نے نیکوسیر کو تخت پر بٹھا دیا مگر نیکوسیر پکڑا گیا۔
(۱۹۴)	شمس الدین رفیع الدولہ شاہ جہاں بادشاہ ثانی	رفیع الشان بن بہادر شاہ	"	۵ صفر سنہ ۱۱۱۳ھ ۱۷۰۱ع	۱۲ رجب سنہ ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۹ع	شاہ جہاں آباد	"	۳ ماہ ۲۸ یوم	۱۷ ذی قعدہ سنہ ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۹ع	۱۸-۹-۱۲	دہلی مقبرۂ ہمایوں	بیماری سے مرا۔ عبداللہ خاں اور حسین علی خاں نے محمد شاہ کو تخت پر بٹھایا لیکن جب حسین علی خاں کو بادشاہ نے مروا ڈالا تو عبداللہ خاں نے سلطان ابراہیم کو بٹھایا مگر وہ مغلوب ہوا۔
	سلطان نیکوسیر	×	+	+	+	آگرہ	×	×	+			
(۱۹۵)	روشن اختر ابوالفتح محمد شاہ بادشاہ	خجستہ اختر جہاں شاہ بن بہادر شاہ	چغتائی	۲۴ ربیع الاول سنہ ۱۱۱۴ھ ۱۷۰۲ع	سنہ ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۹ع	شاہ جہاں آباد	دہلی	۲۹ سال ۸ ماہ	۲۹ ربیع الاول سنہ ۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ع	۴۷-۱-۱	دہلی درگاہ حضرت نظام الدین اولیا	بیمار ہو کر مرا اور بیٹا جانشین ہوا۔
	سلطان ابراہیم	رفیع الشان بن بہادر شاہ			سنہ ۱۱۳۲ھ ۱۷۲۰ع							
	نادر شاہ	×	×	+	۱۱ ذی حجہ سنہ ۱۱۵۱ھ ۲۲ مارچ ۱۷۳۹ع	×	×	×	×	+	+	

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محل جلوس	دار السلطنت	مدت سلطنت ہجری	سال وفات	مدت عمر	مدفن	حالات
(۱۹۶)	مجاہد الدین ابو النصر احمد شاہ بہادر بادشاہ	محمد شاہ	چغتائی	شنبہ ۲۷ ربیع الثانی سنہ ۱۱۴۰ھ ۱۷۲۷ء	۲۰ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء	پانی پت	دہلی	۸-۳-۶	۷ شوال سنہ ۱۱۸۸ھ ۱۷۷۴ء	۴۸ سال ۶ ماہ	دہلی مقبرۂ ہمایوں	عماد الملک نے پکڑا اور اندھا کر کے قید کر دیا اور اسی حالت میں چند مدت کے بعد بیماری سے مر گیا۔
(۱۹۷)	عزیز الدین عالمگیر ثانی	معز الدین جہاں دار شاہ	”	سنہ ۱۰۹۹ھ ۱۶۸۷ء	شنبہ ۱۰ شعبان سنہ ۱۱۶۷ھ ۱۷۵۴ء	شاہ جہان آباد	”	۲۸-۷-۵	پنجشنبہ ۸ ربیع الثانی سنہ ۱۱۷۳ھ ۱۷۵۹ء	۷۴ سال چند ماہ	دہلی مقبرۂ ہمایوں	عماد الملک کے کہنے سے تاج یاس خاں اور مہدی قلی خاں نے مار ڈالا اور محی الملۃ کو تخت پر بٹھایا اور شاہ عالم نے بنگالے میں جلوس کیا سلطنت شاہ عالم کی قایم رہی۔
	احمد شاہ درانی	×	×	×	سنہ ۱۱۷۰ھ ۱۷۵۶ء	×	×	×	×	×	×	

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	محل جلوس	دارالسلطنت	قمری مدت سلطنت	سال وفات	مدت عمر	مدفن	حالات
(۱۹۸)	ابوالمظفر جلال الدین سلطان عالی گوہر	عالمگیر ثانی	چغتائی	۱۷ ذی قعد سنہ ۱۱۴۰ھ ۱۷۲۷ء	۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۱۷۳ھ ۱۷۵۹ء دسمبر	پٹنہ عظیم آباد	دہلی	۴۵ سال	۱۷ رمضان سنہ ۱۲۲۱ھ ۱۸۰۶ء نومبر	۸۰-۹-۲۰	دہلی قطب صاحب	بیدار بخت کو غلام قادر نے تخت پر بٹھایا لیکن بعد مارے جانے غلام قادر خاں کے وہ سلسلہ برہم ہو گیا آخر کار جنرل لیک سپہ سالار انگلشیہ نے دلی فتح کی اور سرکار انگریزی کی عمل داری ہونے کے تین برس بعد بادشاہ نے انتقال کیا۔ مورخین نے سنہ ۱۷۶۱ء کو سلطنت مغلیہ اور سلطنت برطانیہ کا حد فاصل قرار دیا ہے اور یوں تو سنہ ۱۸۵۸ء تک سلطنت مغلیہ برائے نام رہی لیکن سنہ ۱۷۵۹ء سے سنہ ۱۸۵۹ء تک جو ایک صدی کا زمانہ ہوتا ہے کہنے کو یکے بعد دیگرے برائے نام بادشاہ ہوتے رہے۔ شاہ عالم اکبر ثانی۔ بہادر شاہ ثانی۔ شاہ جہاں ثانی۔ بیدار بخت۔ یہ سب نام کے بادشاہ تھے شاہ عالم سنہ ۱۷۶۵-۷۱ء تک الہ آباد میں برٹش کی طرف سے پنشن پاتے رہے سنہ ۱۸۰۳ء تک مرہٹوں کے زیر اثر رہے لیکن سنہ ۱۷۸۸ء میں غلام قادر خاں افغان نے اسے نہایت بے رحمی سے اندھا کر ڈالا ستمبر سنہ ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے دلی پر تسلط کیا تب سے پھر انگریزوں کی طرف سے پنشن ملنے لگی اور اس کے بعد اور جو بادشاہ ہوئے وہ بھی برٹش گورنمنٹ کی پنشن خوار رہے۔
	محی الملۃ الملقب بہ شاہ جہاں ثانی	محی السنۃ بن کام بخش بن عالمگیر ثانی	×	×	×	×	×	×	×	×	×	
	احمد شاہ درانی	×	×	×	سنہ ۱۱۷۳ھ ۱۷۵۹ء	×	×	×	×	×	×	
	بیدار بخت	احمد شاہ	×	×	سنہ ۱۲۰۲ھ ۱۷۸۷ء	×	×	×	×	×	×	

نمبر	نام فرماں روا	نام پدر	قوم	سال ولادت	سال جلوس	جائے جلوس	دارالسلطنت	مدت سلطنت	سال وفات	مدت عمر	مدفن	حالات
(۱۹۹)	ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانی	شاہ عالم	چغتائی	چہار شنبہ ۷ رمضان سنہ ۱۱۷۳ھ ۱۷۵۵ء	چہار شنبہ ۷ رمضان سنہ ۱۲۲۱ھ ۱۸۰۶ء	شاہ جہان آباد	قلعہ شاہ جہان آباد	۲۱-۹-۳۰	جمعہ ۲۸ جمادی الثانیہ سنہ ۱۲۵۳ھ ۱۸۳۷ء	۲۱-۱۰-۷۹	دہلی قطب صاحب	اگرچہ جارج سوم بادشاہ انگلستان کی طرف سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ہوگئی مگر خاندان تیموریہ پر لقب بادشاہی تخت [illegible] چتر اور قلعہ شاہ جہان آباد کی حکومت
(۲۰۰)	ابوالظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ	اکبر شاہ	″	سنہ ۱۱۸۹ھ ۱۷۷۵ء	سنہ ۱۲۵۳ھ ۱۸۳۷ء	قلعہ شاہ جہان آباد	قلعہ شاہ جہان آباد	تخمیناً ۲۰ سال شمسی	۱۸۶۲ء	۸۷	رنگون	قائم رہی۔ سنہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں رنگون میں جلاوطن کیے گئے۔
(۲۰۱)	ملکہ وکٹوریا قیصرہ ہند	دختر ڈیوک آف کنٹ	انگریز	سنہ ۱۲۳۵ھ ۱۸۱۹ء	سنہ ۱۲۵۳ھ ۱۸۳۷ء	قصر بکنگھم	لندن	۶۴ سال شمسی	۲۲ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء	۸۲ سال	لندن	
(۲۰۲)	ایڈورڈ ہفتم بادشاہ انگلینڈ و قیصر ہند	پسر کوئین وکٹوریا	انگریز	۹ نومبر سنہ ۱۸۴۱ء	۲۲ جنوری سنہ ۱۹۱۰ء	″	″	۹ سال شمسی	۶ مئی سنہ ۱۹۱۰ء		لندن	
(۲۰۳)	جارج پنجم بادشاہ انگلینڈ و قیصر ہند	ایڈورڈ ہفتم	″	۳ جون سنہ ۱۸۶۵ء	۶ مئی سنہ ۱۹۱۰ء	″	″	×	×	×	×	تم سلامت رہو ہزار برس + ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

دلی کے قلعہ جات اور شہر کی بنا کی فہرست

نمبر	نام قلعہ یا شہر کا	نام صاحب بانی کا	سال بنا	کیفیت
(۱)	اندرپت	راجہ جدھشٹر	تخمیناً ۱۴۵۰ سال قبل مسیح	
(۲)	دلی	راجہ دہلو	تخمیناً ۳۸ سال قبل م	
(۳)	پرانا قلعہ یا دین پناہ یا شیر گڈھ	اننگپال تنور	سنہ ۵۷ / ۶۷۶ع	سنہ ۹۴۰ھ ۱۵۳۳ع کو ہمایوں بادشاہ نے اس قلعے کی از سر نو مرمت کرا کے دین پناہ نام رکھا اور شیر شاہ نے بھی اس کی مرمت کی اور شیر گڈھ نام رکھا۔
(۴)	قلعہ رای پتھورا	رای پتھورا	سنہ ۵۳۸ھ / ۱۱۴۳ع	اس قلعے کے غربی دروازے کا نام "غزنین دروازہ" تھا۔
	قصر سفید	قطب الدین ایبک	سنہ ۶۰۲ھ / ۱۲۰۵ع	رای پتھورا کے قلعے میں یہ محل بنا تھا۔
(۵)	کوشک لعل	غیاث الدین بلبن	سنہ ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ع	ان سنوں سے چند سال پہلے یہ قلعہ بنا کیوں کہ بلبن تو بادشاہ ہونے کے ہیں اور یہ کوشک بادشاہ ہونے کے کچھ برس پہلے بنایا تھا۔
(۶)	قلعہ مرزغن یا غیاث پور	؍؍	سنہ ۶۶۶ھ / ۱۲۶۷ع	اس قلعے کی زمین میں حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ ہے۔
(۷)	کیلوکھڑی یا قصر معزی	معز الدین کیقباد	سنہ ۶۸۵ھ / ۱۲۸۶ع	ہمایوں کا مقبرہ اسی قلعے کی زمین میں ہے۔
(۸)	کوشک لعل یا نیا شہر	جلال الدین فیروز خلجی	سنہ ۶۸۸ھ / ۱۲۸۹ع	
	کوشک سبز	؍؍	؍؍	کوشک لعل میں کا یہ بھی ایک محل ہے۔

نمبر	نام قلعہ یا شہر کا	نام اصل بانی کا	سال بنا	کیفیت
(۹)	دہلی علائی یا قلعہ علائی یا	علاء الدین خلجی	۷۰۲ھ ۱۳۰۲ء	
	کوشک سیری قصر ہزار ستون		۷۰۳ھ ۱۳۰۳ء	کوشک سیری میں کا یہ بھی ایک محل تھا۔
(۱۰)	تغلق آباد	تغلق شاہ	۷۲۱ھ ۱۳۲۱ء	
(۱۱)	عادل آباد یا محل آباد	محمد عادل تغلق شاہ	۷۲۸ھ ۱۳۲۷ء	
(۱۲)	جہاں پناہ	″	″	دہلی علائی اور دہلی کہنہ یعنی قلعہ رائے پتھورا کو ملا دیا۔
	کوشک بجی منڈل یا بدیع منزل	″	″	جہاں پناہ کی فصیل کا ایک برج ہے۔
(۱۳)	کوشک فیروز شاہ یا فیروز شاہ کا کوٹلہ	فیروز شاہ	۷۵۵ھ ۱۳۵۴ء	
	شہر فیروز آباد	″	″	کوٹلے کے ساتھ کا یہ شہر بھی ہے۔
(۱۴)	کوشک جہاں نما یا کوشک شکار	″	″	
(۱۵)	خضر آباد	خضر خاں	۸۲۱ھ ۱۴۱۸ء	
(۱۶)	مبارک آباد	قطب الدین مبارک شاہ	۸۳۷ھ ۱۴۳۳ء	قلعۂ قطب آباد بھی غالباً اس قلعے کا نام تھا۔
(۱۷)	دہلی شیر شاہ	شیر شاہ	۹۴۷ھ ۱۵۴۱ء	اس شہر کا "کابلی دروازہ" اب تک جیل خانے کے پاس موجود ہے۔
(۱۸)	سلیم گڑھ یا نور گڑھ	اسلام شاہ جس کو سلیم شاہ بھی کہتے ہیں	۹۵۳ھ ۱۵۴۶ء	نور الدین جہاں گیر کے وقت میں پل اس کے سامنے بنا اور اسی وقت سے "نور گڑھ" نام پڑا۔

نمبر	نام قلعہ یا شہر کا	نام اصل بانی کا	سال بنا	کیفیت
(۱۹)	لال قلعہ	شاہ جہاں بادشاہ	۱۰۴۸ھ ۱۶۳۸ع	اس قلعے کی تعمیر میں ایشلین بھی شریک تھے۔ شاہ جہاں۔ کی بنائی ہوئی یہ عمارتیں موجود نہیں۔ دہلی دروازہ۔ لاہوری دروازہ مع چھتہ۔ نقار خانہ یا ہتیا پول۔ دیوان عام مع تخت سنگین۔ خاص محل۔ امتیاز محل یا رنگ محل۔ بیٹھک مع مثمن برج۔ اسد برج۔ شاہ محل یا دیوان خاص۔ حمام۔ موتی محل۔ باغ حیات بخش مع ساون بھادوں۔ شاہ برج۔ مہتاب باغ اب ان میں سے عمارات نمبر ۵-۱۲-۱۴ باقی نہیں رہیں

عمارات قدیمہ شہر و مضافات دہلی

نمبر	نام مکان	نام اصل بانی کا	نام بادشاہ جسکے عہد میں بنا	سال	کیفیت
(۱)	لوہے کی لاٹھ	راجہ بید ہاوے عرف دہاوا	راجہ دہاوا	تخمیناً ۸۹۵ سال قبل مسیح	اس لاٹھ پر سندھیوں پر فتح یابی کا فتح نامہ کندہ ہے مگر روشن خط سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حروف پانچویں صدی بعد حضرت عیسیٰ کے کندہ ہوئے ہیں۔
(۲)	لاٹھ اسوکا یا منارۂ زریں یا فیروز شاہ کی لاٹھ	راجہ اسوکا	راجہ اسوکا	سنہ ۲۹۶ ق م	پرانے خط میں بودھ کی مذہب کے احکام
(۳)	لاٹھ اسوکا یا منارۂ کوشک شکار	"	"	"	بیل دیو چوہان کا فتح نامہ کندہ ہے مگر رای پتھورہ کے عہد میں کندہ ہوا ہے۔
(۴)	انیک پور	انیک پال تونور	انیک پال تونور	سنہ ۵۷ ۶۷۶ع	
(۵)	انیک پال	"	"	"	

نمبر	نام مکان	نام اصل بانی کا	نام بادشاہ جس کے عہد میں بنا	سال بنا	کیفیت
(۶)	سورج کنڈ	سورج پال	انیک پال تونور	سنہ ۵۷ھ / ۶۷۶ء	
(۷)	بت خانہ واقع قطب صاحب مسجد قوت الاسلام	پرتھی راج عرف رائے پتھورا	رای پتھورا	سنہ ۵۲۹ھ / ۱۱۴۳ء	سنہ ۵۸۷ھ / ۱۱۹۱ء میں قطب الدین ایبک نے بت خانہ توڑ کر مسجد بنائی اور بت خانے پر اور لاٹھ کے پہلے درجے پہ فتح نامہ لگایا اور سنہ ۵۵۲ھ / ۱۱۶۵ء میں سلطان معز الدین نے پانچ محرابیں بنوائیں سنہ ۶۲۷ھ / ۱۲۲۹ء میں سلطان شمس الدین نے تین تین محرابیں اور بنوائیں اور لاٹھ پر پانچ درجے اور بڑھائے سنہ ۷۱۰ھ / ۱۳۱۰ء میں سلطان علاء الدین نے اس مسجد کو بڑھانا چاہا اور دوسری لاٹھ پہلی لاٹھ سے دگنی بنانی چاہی جو ناتمام رہ گئی۔
	//	قطب الدین ایبک	معز الدین سلطان		
	//	سپہ سالار			
	//	تعمیر معز الدین سلطان	//		
	//	تعمیر سلطان شمس الدین			
	//	تعمیر سلطان علاء الدین	سلطان علاء الدین		
(۸)	قطب صاحب کی لاٹھ	پرتھی راج عرف رائے پتھورا	رای پتھورا		
	//				
	//				
(۹)	متصل دروازہ لاٹھ کلاں	تعمیر سلطان علاء الدین			
(۱۰)	ادھ بنی یعنی ناتمام لاٹھ	سلطان علاء الدین	//		
(۱۱)	حوض شمسی	سلطان شمس الدین	سلطان شمس الدین التمش	سنہ ۶۲۷ھ / ۱۲۲۹ء	سنہ ۶۲۷ھ / ۱۳۱۱ء میں سلطان علاء الدین نے اس حوض کے بیچ میں ایک برجی بنائی۔
(۱۲)	مقبرہ سلطان غاری	//	//	سنہ ۶۲۹ھ / ۱۲۳۱ء	ناصر الدین محمود سلطان شمس الدین کے بیٹے کا مقبرہ ہے۔
(۱۳)	مقبرہ سلطان شمس الدین	سلطانہ رضیہ بیگم	سلطانہ رضیہ بیگم	سنہ ۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ء	
(۱۴)	درگاہ ترکمان شاہ	×	معز الدین بہرام شاہ	سنہ ۶۳۸ھ / ۱۲۴۰ء	
(۱۵)	مقبرہ رکن الدین فیروز شاہ	معز الدین بہرام شاہ	معز الدین بہرام شاہ	//	

نمبر	نام مکان	نام اصل بانی کا	نام بادشاہ جسکے عہد میں بنا	سال بنا	کیفیت
(۱۶)	مقبرہ سلطان رضیہ بیگم	معزالدین بہرام شاہ	معزالدین بہرام شاہ	۶۳۸ھ ۱۲۴۰ع	
(۱۷)	مقبرہ معزالدین بہرام شاہ	شاہ علاؤالدین مسعود	۶۳۹ھ ۱۲۴۱ع		
(۱۸)	مقبرہ غیاث الدین سلطان بلبن	غیاث الدین بلبن	۶۸۳ھ ۱۲۸۴ع		خان سعید کے مرنے کے وقت اس کی قبر اور یہ مقبرہ خود بادشاہ نے بنوایا
(۱۹)	حوض علائی یا حوض خاص	سلطان علاء الدین	سلطان علاء الدین	۶۹۵ھ ۱۲۹۵ع	فیروز شاہ کے وقت میں حوض خاص اس کا نام ہوا۔
(۲۰)	مقبرہ سلطان علاء الدین	قطب الدین مبارک شاہ	قطب الدین مبارک شاہ	۷۱۷ھ ۱۳۱۷ع	
(۲۱)	باؤلی درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء	حضرت نظام الدین اولیاء	غیاث الدین تغلق شاہ	۷۲۱ھ ۱۳۲۱ع	۷۸۱ھ ۱۳۷۹ع میں محمد معروف نے اس باؤلی پر مکانات بنائے۔
(۲۲)	مقبرہ غیاث الدین تغلق شاہ	محمد عادل تغلق شاہ	محمد عادل تغلق شاہ	۷۲۵ھ ۱۳۲۴ع	محمد عادل تغلق شاہ کی قبر بھی یہیں ہے
(۲۳)	درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء	عماد الملک غیاث الدین وکیل سلطان محمد بن تغلق شاہ	محمد عادل تغلق شاہ	؍؍	خلیل اللہ خاں نے ۱۰۶۳ھ ۱۶۵۲ع میں مزار پر غلام گردش بنوائی۔
(۲۴)	ست پلہ	محمد عادل تغلق شاہ	؍؍	۷۲۷ھ ۱۳۲۶ع	
(۲۵)	درگاہ شیخ صلاح الدین	×	فیروز شاہ	۷۵۴ھ ۱۳۵۳ع	
(۲۶)	مسجد درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء	فیروز شاہ	؍؍	؍؍	

نمبر	نام مکان	نام اصل بانی کا	نام بادشاہ جسکے عہد میں بنا	سال بنا	کیفیت
(۲۷)	مسجد [illegible] فیروز [illegible]	فیروز شاہ	//	سنہ ۷۵۵ھ ۱۳۵۴ء	تیمور کا خطبہ اسی مسجد میں پڑھا گیا۔
(۲۸)	کوشک انوار یا مہندیاں	فیروز شاہ	فیروز شاہ	سنہ ۷۵۵ھ ۱۳۵۴ء	
(۲۹)	بولی بھٹیاری کا محل	//	//	//	
(۳۰)	کالی مسجد کوٹلہ نظام الدین	خان جہاں	//	سنہ ۷۷۲ھ ۱۳۷۰ء	
(۳۱)	درگاہ روشن چراغ دہلی	فیروز شاہ	//	سنہ ۷۷۵ھ ۱۳۷۳ء	
(۳۲)	قدم شریف یا مقبرہ فتح خاں	//	//	سنہ ۷۷۶ھ ۱۳۷۴ء	
(۳۳)	مسجد چوراہا قدم شریف	//	//	//	
(۳۴)	درگاہ حضرت سید محمود بحار	x	//	سنہ ۷۷۸ھ ۱۳۷۶ء	
(۳۵)	کلاں مسجد عرف کالی مسجد	خان جہاں	//	سنہ ۷۸۹ھ ۱۳۸۷ء	
(۳۶)	مسجد بیگم پور	//	//	//	
(۳۷)	مسجد کا سرائے	//	//	//	
(۳۸)	مسجد کھڑکی	//	//	//	
(۳۹)	مقبرہ فیروز شاہ	ناصر الدین محمد شاہ	ناصر الدین محمد شاہ	سنہ ۷۹۲ھ ۱۳۸۹ء	

نمبر	نام مکان	نام اصل بانی کا	نام بادشاہ جس کے عہد میں بنا	سال بنا	کیفیت
(۴۰)	خضر کی گمٹی	ابو الفتح مبارک شاہ	ابو الفتح مبارک شاہ	۸۲۴ھ / ۱۴۲۱ء	خضر خان کا یہ مقبرہ ہے
(۴۱)	مبارک پور کوٹلہ	محمد شاہ	محمد شاہ	۸۳۷ھ / ۱۴۳۳ء	
(۴۲)	مقبرہ محمد شاہ	علاء الدین عالم شاہ	علاء الدین عالم شاہ	۸۴۹ھ / ۱۴۴۵ء	
(۴۳)	مقبرہ سلطان بہلول	سلطان سکندر	سلطان سکندر	۸۹۴ھ / ۱۴۸۸ء	
(۴۴)	پنج برجہ زمرد پور	زمرد خان	"	"	
(۴۵)	بستی باؤلی	بستی خواجہ سرا	"	"	
(۴۶)	موٹھ کی مسجد	شہاب الدین	"	"	
(۴۷)	مقبرہ لنگر خان	×	"	۹۰۰ھ / ۱۴۹۴ء	
(۴۸)	تبرجہ	×	"	"	
(۴۹)	راجون کی بائین	دولت خاں	"	۹۱۲ھ / ۱۵۰۶ء	
(۵۰)	مقبرہ سلطان سکندر	سلطان ابراہیم	سلطان ابراہیم	۹۲۳ھ / ۱۵۱۷ء	
(۵۱)	درگاہ یوسف قتال	شیخ علاء الدین	بابر بادشاہ	۹۳۳ھ / ۱۵۲۶ء	
(۵۲)	درگاہ مولنا جمالی	مولنا جمالی	"	۹۳۵ھ / ۱۵۲۸ء	
(۵۳)	مسجد درگاہ جمالی	"	"	"	
(۵۴)	نیلی چھتری	ہمایوں بادشاہ	ہمایوں بادشاہ	۹۳۹ھ / ۱۵۳۲ء	
(۵۵)	درگاہ امام ضامن	حضرت امام ضامن	"	۹۴۴ھ / ۱۵۳۷ء	
(۵۶)	درگاہ حضرت قطب صاحب	خلیل اللہ خاں	شیر شاہ	۹۴۸ھ / ۱۵۴۱ء	
(۵۷)	مسجد قلعہ کہنہ	شیر شاہ	"	"	
(۵۸)	شیر منڈل	"	"	"	
(۵۹)	مسجد و مقبرہ خیر پور	خیر پور	"	۹۵۰ھ / ۱۵۴۳ء	
(۶۰)	کھاری باؤلی	خواجہ عبد اللہ عماد الملک	اسلام شاہ	۹۵۲ھ / ۱۵۴۵ء	
(۶۱)	مقبرہ عیسیٰ خان	عیسیٰ خاں	"	۹۵۴ھ / ۱۵۴۷ء	
۶۲	مسجد عیسیٰ خان	"	"	"	
(۶۳)	مسجد درگاہ قطب صاحب	اسلام شاہ	اسلام شاہ	۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ء	فرخ سیر نے اس مسجد کو نیا کر بنایا

نمبر	نام مکان	نام اصل بانی کا	نام بادشاہ جس کے عہد میں بنا	سال بنا	کیفیت
(۶۴)	عرب سرائے	حاجی بیگم صاحبہ	اسلام شاہ	سنہ ۹۶۸ھ ۱۵۶۰ء	
(۶۵)	خیر المنازل	ماہم بیگم صاحبہ	"	سنہ ۹۶۹ھ ۱۵۶۱ء	
(۶۶)	پھول بھلیاں یا مقبرہ ادہم خاں	اکبر بادشاہ	اکبر بادشاہ	"	
(۶۷)	مقبرہ ہمایون	حاجی بیگم صاحبہ	"	سنہ ۹۷۳ھ ۱۵۶۵ء	
(۶۸)	نیلی چھتری یا مقبرہ نوبت خاں	نواب نوبت خاں	"	"	
(۶۹)	مقبرہ اتگہ خان	کوکلتاش خاں	"	سنہ ۹۷۴ھ ۱۵۶۶ء	
(۷۰)	درگاہ حضرت خواجہ باقی اللہ	×		سنہ ۱۰۱۲ھ ۱۶۰۳ء	
(۷۱)	درگاہ حضرت امیر خسرو رح	عماد الدین حسن	نورالدین جہانگیر بادشاہ	سنہ ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء	
(۷۲)	چبلی یا سرائے فرید خاں	فرید خاں	"	سنہ ۱۰۱۷ھ ۱۶۰۸ء	
(۷۳)	بارہ پلہ	آغا امان	جہانگیر بادشاہ	سنہ ۱۰۲۱ھ ۱۶۱۲ء	
(۷۴)	منڈی	"	"	"	
(۷۵)	کوس مینارہ	جہانگیر بادشاہ	"	سنہ ۱۰۲۷ھ ۱۶۱۸ء	
(۷۶)	پل سلیم گڑھ	"	"	سنہ ۱۰۳۱ھ ۱۶۲۱ء	
(۷۷)	مقبرہ شیخ فرید	شیخ فرید	"	سنہ ۱۰۳۳ھ ۱۶۲۳ء	
(۷۸)	نیلا برج یا مقبرہ فہیم	عبدالرحیم خان خاناں	"	سنہ ۱۰۳۴ھ ۱۶۲۴ء	
(۷۹)	چونسٹھ کھمبا یا مقبرہ کوکلتاش	مرزا عزیز کوکلتاش خاں	"	"	
(۸۰)	مقبرہ خان خاناں	عبدالرحیم خان خاناں	"	سنہ ۱۰۳۶ھ ۱۶۲۶ء	
(۸۱)	مقبرہ سید عابد	خان دوران خاں	شاہجہاں بادشاہ	"	
(۸۲)	خاص محل	خاص محل و مخزن زمانی	"	سنہ ۱۰۴۳ھ ۱۶۳۲ء	
(۸۳)	مقبرہ شیخ عبدالحق محدث	شیخ الاسلام	"	سنہ ۱۰۵۲ھ ۱۶۴۲ء	
(۸۴)	جامع مسجد	شاہجہان بادشاہ	شاہجہان بادشاہ	سنہ ۱۰۶۰ھ ۱۶۵۰ء	
(۸۵)	دارالشفا و دارالبقار	"	"	"	
(۸۶)	بیگم کا باغ	جہان آرا بیگم صاحبہ	"	"	
(۸۷)	مسجد فتحپوری	فتحپوری بیگم صاحبہ	"	"	

نمبر	نام مکان	نام اصل بانی کا	نام بادشاہ جس کے عہد میں بنا	سال بنا	کیفیت
(۸۸)	مسجد اکبر آبادی	اکبر آبادی بیگم صاحبہ	شاہجہاں بادشاہ	سنہ ۱۰۶۰ھ ۱۶۵۰ء	
(۸۹)	مسجد سرہندی	سرہندی بیگم صاحبہ	"	"	
(۹۰)	باغ شالامار	شاہجہاں بادشاہ	"	سنہ ۱۰۶۳ھ ۱۶۵۳ء	
(۹۱)	باغ روشن آرا	روشن آرا بیگم	"	"	
(۹۲)	باغ سرہندی	سرہندی بیگم صاحبہ	"	"	
(۹۳)	موتی مسجد اندرون قلعہ	عالمگیر بادشاہ	عالمگیر بادشاہ	سنہ ۱۰۷۰ھ ۱۶۵۹ء	
(۹۴)	مجبر جہاں آرا بیگم	جہاں آرا بیگم صاحبہ	"	سنہ ۱۰۹۲ھ ۱۶۸۱ء	
(۹۵)	مقبرہ سرنالہ	×	عالمگیر بادشاہ	سنہ ۱۱۰۰ھ ۱۶۸۸ء	
(۹۶)	درگاہ حضرت سید حسن رسول نما	×	"	سنہ ۱۱۰۳ھ ۱۶۹۱ء	
(۹۷)	جھرنا	غازی الدین خان	"	سنہ ۱۱۱۲ھ ۱۷۰۰ء	
(۹۸)	مسجد اورنگ آبادی	اورنگ آبادی بیگم صاحبہ	"	سنہ ۱۱۱۴ھ ۱۷۰۳ء	
(۹۹)	مقبرہ زیب النسا بیگم	عالمگیر بادشاہ	"	"	
(۱۰۰)	موتی مسجد قطب صاحب	بہادر شاہ	بہادر شاہ بادشاہ	سنہ ۱۱۲۱ھ ۱۷۰۹ء	
(۱۰۱)	زینت المساجد	زینت النسا بیگم صاحبہ	"	سنہ ۱۱۲۲ھ ۱۷۱۰ء	
(۱۰۲)	مقبرہ غازی الدین خان	غازی الدین خان	شاہ عالم بہادر شاہ	"	
(۱۰۳)	مجبر شاہ عالم بہادر شاہ	جہاندار شاہ	جہاندار شاہ	سنہ ۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲ء	شاہ عالم اور اکبر شاہ ثانی کی بھی یہیں قبر ہے
(۱۰۴)	برج مقبرہ ہمایوں	×	رفیع الدرجات	سنہ ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۸ء	
(۱۰۵)	کوتوالی متصل مسجد سنہری	روشن الدولہ	محمد شاہ	سنہ ۱۱۳۴ھ ۱۷۲۱ء	
(۱۰۶)	مسجد واقع دریبہ	شرف الدولہ	"	سنہ ۱۱۳۵ھ ۱۷۲۲ء	
(۱۰۷)	جنتر منتر	راجہ سوائی جے سنگھ	محمد شاہ بادشاہ	سنہ ۱۱۳۷ھ ۱۷۲۴ء	[illegible] میں انگریز بھی رصد دیکھتے تھے
(۱۰۸)	شاہ مرداں	نواب قدسیہ بیگم	"		
(۱۰۹)	فخر المساجد	فخر النسا خانم	"	سنہ ۱۱۴۱ھ ۱۷۲۸ء	
(۱۱۰)	باغ محل دار خان	ناظر محل دار خان	"	"	
(۱۱۱)	گھاٹ نگمبودھ	×	"	سنہ ۱۱۵۰ھ ۱۷۳۷ء	

نمبر	نام مکان	نام اصل بانی کا	نام بادشاہ جس کے عہد میں بنا	سال بنا	کیفیت
(۱۱۲)	مسجد روشن الدولہ واقع قاضی واڑہ	روشن الدولہ	محمد شاہ بادشاہ	۱۱۵۸ھ ۱۷۴۵ء	
(۱۱۳)	باغ ناظر	ناظر روز افزوں	"	۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء	
(۱۱۴)	مسجد محمد شاہ بادشاہ	محمد شاہ	"	"	
(۱۱۵)	قدسیہ باغ	نواب قدسیہ بیگم	احمد شاہ بادشاہ	۱۱۶۲ھ ۱۷۴۸ء	
(۱۱۶)	چوبی مسجد	احمد شاہ بادشاہ	"	۱۱۶۴ھ ۱۷۵۰ء	
(۱۱۷)	سنہری مسجد قلعہ	جاوید خواجہ سرا	"	۱۱۶۵ھ ۱۷۵۱ء	
(۱۱۸)	مقبرہ منصور	شجاع الدولہ	عالمگیر ثانی بادشاہ	۱۱۶۷ھ ۱۷۵۳ء	
(۱۱۹)	کالکا	×	شاہ عالم	۱۱۷۸ھ ۱۷۶۴ء	
(۱۲۰)	لال بنگلہ	شاہ عالم بادشاہ	شاہ عالم بادشاہ	۱۱۹۳ھ ۱۷۷۹ء	
(۱۲۱)	مقبرہ نجف خان	×	"	۱۱۹۵ھ ۱۷۸۰ء	
(۱۲۲)	جینیوں کا بڑا مندر واقع محلہ دھرم پورہ	موہن لال سرکھ رائے	"	۱۲۱۵ھ ۱۸۰۰ء	
(۱۲۳)	گرجا واقع کشمیری دروازہ	کرنل اسکنر	جارج چہارم و اکبر شاہ ثانی	۱۲۴۲ھ ۱۸۲۶ء	
(۱۲۴)	جوگ بابا	راجہ سیڈمل	"	۱۲۴۳ھ ۱۸۲۷ء	
(۱۲۵)	جینیوں کا چھوٹا مندر واقع ستہ کی گلی	پنچایتی	"	۱۲۴۴ھ ۱۸۲۸ء	
(۱۲۶)	کوٹھی جہاں نما	مٹکاف صاحب	"	"	
(۱۲۷)	مسجد مرزا جہانگیر	نواب ممتاز محل زوجہ محمد اکبر شاہ ثانی	ولیم چہارم و اکبر شاہ ثانی	۱۲۴۸ھ ۱۸۳۲ء	
(۱۲۸)	ظفر محل	بہادر شاہ ثانی	ملکہ وکٹوریا و ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ	۱۲۵۸ھ ۱۸۴۲ء	
(۱۲۹)	ہیرا محل	"	"	"	
(۱۳۰)	کوٹھی دل کشا	مٹکاف صاحب	"	۱۲۶۰ھ ۱۸۴۴ء	
(۱۳۱)	باولی قطب صاحب	حافظ محمد داؤد خاں مستقیم جنگ	"	"	
(۱۳۲)	اہنی پل ہنڈن	گورنمنٹ انگریزی	ملکہ وکٹوریہ و ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ	۱۲۶۲ھ ۱۸۴۶ء	
(۱۳۳)	لال ڈگی	"	"	"	
(۱۳۴)	پل جدید نگمبودہ	"	"	۱۲۶۸ھ ۱۸۵۲ء	

کلید نقشہ شاہجہان آباد (دہلی)

یہ نقشہ شہر دہلی کے اندر اندر کی عمارتوں کا ہے۔ عمارات قدیمہ کی تقسیم محلہ وار کی گئی ہے قلعہ کی عمارات کا گروپ جداگانہ قایم کیا گیا ہے جس کا نمبر سلسلہ وار قلعہ سے شروع ہوا ہے۔ دوسرا گروپ چاندنی چوک کے جنوب سے شروع ہوا ہے اور آخری گروپ اُن عمارتوں کا ہے جو بازار مذکور کے شمال میں واقع ہیں۔ نقشے میں بڑی بڑی عمارتوں کے نمبروار علامات کے علاوہ نام بھی لکھ دیا گیا ہے۔ اُس سے کم تر درجے کی عمارتوں میں علامات کے ساتھ نمبر ڈال دیئے ہیں اور جو معمولی ہیں اُن پر صرف نمبر ہی ڈال دینے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ نقشے کے دیکھنے کے بعد جو نمبر اُس میں ہو اُس کو فہرست میں تلاش کرنے سے اصل عمارت کا پتہ بہ آسانی چل جائے گا۔

نشان سلسلہ	نام عمارت	نشان سلسلہ	نام عمارت
۱	۲	۱	۲
۱	قلعۂ معلی۔ یا لال قلعہ	۹	پل لاہوری اور دلی دروازوں کے گھوگس کے سامنے۔
۲	لاہوری دروازہ یا وکٹوریا گیٹ	۱۰	چھتہ چوک۔ لاہوری دروازے کے مشرق میں۔
۳	دلی دروازہ یا الگزینڈرا گیٹ	۱۱	نوبت خانہ یا نقار خانہ۔ لاہوری دروازے اور چھتہ چوک کے آگے۔
۴	دروازہ۔ کوئی خاص نام نہیں قلعہ کی شمالی فصیل میں سلیم گڑھ کے محاذی۔	۱۲	دیوان عام۔ نوبت خانے کے مشرق میں۔
۵	کھڑکی فصیل کے شمال مشرق میں سلیم گڑھ دروازے کے پاس۔	۱۳	اسد برج۔ قلعے کے جنوب مشرق کے کونے میں۔
۶	خضری دروازہ یا پانی دروازہ تحت مثمن برج۔	۱۴	ممتاز محل جس میں اب دہلی میوزیم ہے۔ رنگ محل کے جنوب میں
۷	پانی دروازہ متصل اسد برج قلعہ کے جنوب مشرقی کونے میں۔	۱۵	رنگ محل خوابگاہ اور بیٹھک کے جنوب میں
		۱۶	حوض سنگ مرمر رنگ محل کے سامنے والے بڑے تالاب بیچ میں۔
۸	گھوگھس۔ گھونگٹ کی دیوار لاہوری اور دلی دروازوں کے سامنے۔	۱۷	تسبیح خانہ۔ خوابگاہ اور بیٹھک۔ دیوان خاص کے جنوب میں

نشان سلسلہ	نام عمارات
۱	۲
۱۸	مثمن برج یا برج طلا۔ خوابگاہ کی مشرقی دیوار سے ملا ہوا۔
۱۹	جھروکہ۔ مثمن برج کے سامنے لب دریا۔
۲۰	دیوان خاص۔ حمام اور مثمن برج کے درمیان قلعے کی مشرقی فصیل کی طرف۔
۲۱	نہر بہشت شاہ برج سے حمام۔ دیوان خاص خوابگاہ اور رنگ محل میں گزرتی ہوئی۔
۲۲	حمام۔ دیوان خاص کے شمال میں۔
۲۳	موتی مسجد۔ حمام کے پاس ہی بجانب مغرب۔
۲۴	باغ حیات بخش۔ موتی مسجد کے شمال میں۔
۲۵	ہیرا محل۔ حمام کے شمال میں۔
۲۶	شاہ برج۔ ہیرا محل کے شمال اور قلعے کے شمال مشرقی کونے میں۔
۲۷	پیولین۔ شاہ برج کے عین شمال مغرب اور قلعہ کی شمالی فصیل کے پاس۔
۲۸	ساون بھادوں۔ تالاب واقع باغ حیات بخش کے شمال اور جنوب میں
۲۹	ظفر محل تالاب۔ حیات بخش باغ کے وسط میں۔
۳۰	ظفر محل۔ تالاب نمبر ۲۹ کے بیچ میں۔
۳۱	باؤلی۔ حیات بخش باغ کے مغرب میں پریڈ گرونڈ پر
۳۲	مسجد (بے نام) چھتہ چوک کے جنوب میں سپلائی اور ٹرینسپورٹ کے احاطے کے اندر۔
۳۳	سنہری مسجد قلعے کے دلی دروازے کے باہر کوئی سو گز کے فاصلے سے
۳۴	قبر نامعلوم۔ جاوید خاں کی سنہری مسجد کے پیچھے۔

نشان سلسلہ	نام عمارات
۱	۲
۳۵	قبر نامعلوم سنہری مسجد کے مشرق میں۔
۳۶	زینت المساجد۔ فصیل کے پاس خیراتی دروازہ یا مسجد گھاٹ دروازے کے پاس۔
۳۷	مسجد بے نام فیض بازار اور دریا گنج کی سڑکیں جہاں ملتی ہیں۔
۳۸	درگاہ شاہ صابر بخش صاحب مسجد اور مسافر خانہ فیض بازار
۳۹	سنہری یا قاضی زادوں کی مسجد فیض بازار۔
	دلی دروازہ
۴۰	نبی بخش کی مسجد متصل دلی دروازہ۔
۴۱	دلی دروازہ شاہجہان آباد کا جنوبی دروازہ۔
۴۲	جینیوں کا مندر دہلی دروازہ۔
	چھواڑہ متصل دہلی دروازہ
۴۳	گڈریوں کی مسجد۔ کٹڑہ حکیم محسن خاں
	چھتہ لال میاں
۴۴	مسجد قصابان فصیل کے پاس۔
۴۵	چھوٹی مسجد۔
۴۶	بھٹیاری والی مسجد۔
	محلہ دھوبیاں
۴۷	مسجد دھوبیاں۔
	کوچہ سعد اللہ خاں
۴۸	اونچی مسجد۔
	تراہا بیرم خاں
۴۹	دائی والی مسجد۔

نشان سلسلہ	نام عمارت
۱	۲
۵۰	مکان سر سید احمد خاں مرحوم۔
۵۱	مکان خواجہ فرید الدین خاں
۵۲	کھجور والی مسجد۔ قریب کمرۂ بنگش۔
۵۳	رنگ محل۔
	محلہ رکاب
۵۴	مسجد (بے نام)
	حویلی میر خاں
۵۵	شیش محل کی مسجد۔ محلہ نیلیاں
۵۶	مرزا الٰہی بخش کا رنگ محل۔
۵۷	چاندنی محل۔
۵۸	شیش محل۔
۵۹	مکان مرزا خجستہ بخت پسر شاہ عالم ثانی۔
	کوچۂ چیلاں
۶۰	مسجد۔ محلہ رنگ محل۔
۶۱	کہار والی مسجد متصل گلی اولیاء
۶۲	آقا میتا کی مسجد۔ شاخ نمبر ۳ عربک سکول کے پاس
۶۳	مسجد کالے خاں۔
	پھول کی منڈی
۶۴	اولیاء مسجد۔
	کوچۂ فولاد خاں
۶۵	خواجہ میر درد کی مسجد۔ بارہ دری۔
۶۶	حکیم آغا جان کی مسجد چھتہ آغا جان۔
	کوچۂ ناہر خاں

نشان سلسلہ	نام عمارت
۱	۲
۶۷	مسجد بے نام۔
	کوچۂ مہرپرور
۶۸	مسجد بے نام
	کوچۂ دکھنی راؤ
۶۹	مسجد بے نام
	سڑک نقار خانہ
۷۰	مسجد بے نام۔
	کھڑکی حویلی خان دوراں خاں
۷۱	مسجد بے نام۔
	گلی گوندنی والی قریب کلاں مسجد
۷۲	مسجد گوندنی والی۔
	محلہ گڑھیا یا حویلی نواب احمد علی خاں
۷۳	مسجد بے نام۔
	کٹڑہ گوگل شاہ
۷۴	مسجد بے نام۔
	مٹیا محل
۷۵	مٹیا محل کی مسجد
۷۶	مسجد بے نام
	محلہ اعظم خاں کی حویلی
۷۷	مسجد کوئیں والی۔
۷۸	مسجد بے نام
	کلاں محل
۷۹	جامن والی مسجد۔

نشان سلسلہ	نام عمارت
۱	۲
	موچیوں کی گلی
۸۰	مسجد بے نام
	سڑک جامع مسجد سے دلّی دروازے تک
۸۱	مسجد بے نام بنگش کے کمرے اور چتلی قبر کے بیچ میں
۸۲	مسجد بے نام بنگش کے کمرے اور چتلی قبر کے بیچ میں
۸۳	کمرۂ بنگش۔
	محلہ چتلی قبر
۸۴	میر محمدی صاحب کی قبر اندرون خانقاہ میر محمدی
۸۵	سید جلال الدین کی قبر چتلی قبر کے پاس ایک دکان کے اندر۔
۸۶	چتلی قبر۔
	حویلی میر ہاشم
۸۷	شاہ آفاق صاحب کی مسجد
	شاہ کلن کی ڈگڈگی
۸۸	خانقاہ شاہ غلام علی صاحب۔
	محلہ سوئی والاں
۸۹	مسجد بے نام۔
۹۰	پتلی گلی کی مسجد۔
	محلہ سوئی والوں کا حوض
۹۱	سید داؤد صاحب کی قبر۔
۹۲	حوض والی مسجد۔
۹۳	بارہ دری اور نواب اعظم خاں کا حوض۔
	گنج میر خاں

نشان سلسلہ	نام عمارت
۱	۲
۹۴	پیپل والی مسجد۔
	ترکمان دروازہ
۹۵	قبور بزرگان نامعلوم متصل پولیس سٹیشن۔
۹۶	ترکمان دروازہ شہر شاہ جہان آباد کا جنوب مغربی دروازہ
۹۷	مسجد بے نام
	محلہ گڈریاں ترکمان دروازے کے پاس
۹۸	مسجد گڈریاں
	محلہ قبرستان
۹۹	قلندر بیگ کی مسجد۔
۱۰۰	حافظ داؤد کی مسجد۔
۱۰۱	پلاؤ والی مسجد۔
۱۰۲	درگاہ حضرت شاہ ترکمانؒ
۱۰۳	قبر حیدر رضا۔ درگاہ شاہ ترکمان میں۔
۱۰۴	بی مولا کی قبر۔
۱۰۵	تحقیق خاں کی قبر۔
	سڑک ترکمان دروازے سے چتلی قبر
۱۰۶	حاجی امان اللہ کی مسجد۔
۱۰۷	حافظ نظام علی عطار کی مسجد۔
	بازار چتلی قبر
۱۰۸	سید رفائی صاحب کی مسجد چتلی قبر کے پاس۔
	بھوجلا پہاڑی
۱۰۹	مسجد بے نام۔ گلی رام جی داس۔

نشان سلسلہ	نام عمارات
۱	۲
۱۱۰	مسجد بے نام - گلی رام جی داس -
۱۱۱	مسجد بے نام - اندھیری گلی -
۱۱۲	اُستاد کریم بخش کی مسجد
۱۱۳	گڑھ کپتان کی مسجد -
	گلی مشعلچیاں
۱۱۴	مسجد بے نام -
	املی کی پہاڑی
۱۱۵	املی کی پہاڑی کی مسجد -
۱۱۶	یک برجی مسجد -
۱۱۷	شاہ محمد علی واعظ کا مقبرہ -
	گلی سُرخ پوشاں
۱۱۸	اونچی مسجد -
	حویلی بختاور خاں
۱۱۹	مسجد اور مدرسۂ حسین بخش
	چھتۂ شیخ منگلو
۱۲۰	مولوی محبوب علی کی مسجد -
	چتلا دروازہ
۱۲۱	بڑھیا کی مسجد -
۱۲۲	مسجد بے نام -
	کوچۂ میر عاشق
۱۲۳	چھوٹی مسجد -
۱۲۴	بڑی مسجد -
	گلی کدار ناتھ

نشان سلسلہ	نام عمارات
۱	۲
۱۲۵	مندر بابو گلاب داس
	گلی مرغاں
۱۲۶	مسجد بے نام -
۱۲۷	مندر بے نام -
۱۲۸	شوالا بے نام -
	محلۂ چوڑی والاں
۱۲۹	حمام والی مسجد -
۱۳۰	مسجد جوتے والاں -
۱۳۱	شوالا بے نام - گلی کشمیریاں -
	محلۂ بدلیاں
۱۳۲	چودھری کا مندر -
	کوچۂ سربلند خاں
۱۳۳	شوالا بے نام
	بلبلی خانہ
۱۳۴	منشی شیر علی کی مسجد -
۱۳۵	رضیہ سلطان کی قبر -
۱۳۶	مسجد بے نام -
۱۳۷	نواب مولوی قطب الدین خاں کی مسجد -
	کلاں مسجد یا کالی مسجد
۱۳۸	کلاں مسجد -
	محلۂ عقب کلاں مسجد
۱۳۹	مسجد نقیب الاولیاء
۱۴۰	بیری والی مسجد -

نشان سلسلہ	نام عمارت
۱	۲
	حویلی نواب مظفر خاں قریب کمان دروازہ
۱۴۱	پھاٹک بے نام
	گلی سنگھی والی (عقب کلاں مسجد)
۱۴۲	غلام چشتی کی مسجد۔
	محلہ گھوسیاں (عقب کلاں مسجد)
۱۴۳	چند الگھوسی کی مسجد۔
	گلی ڈکوتاں (عقب کلاں مسجد)
۱۴۴	مسجد مومناں۔
	کوچۂ گوکل شاہ
۱۴۵	حافظ حبیب اللہ کی مسجد۔
	بازار سیتارام
۱۴۶	کالبیسور ناتھ کا مندر۔
۱۴۷	خواجہ تراب کی مسجد۔
۱۴۸	پیپل والی مسجد۔
۱۴۹	شوالا بے نام۔
۱۵۰	کشمیریوں کا مندر۔
	املی کا محلہ
۱۵۱	مندر بے نام۔
۱۵۲	اوماہیشور کا مندر
۱۵۳	کیسرن کا مندر۔
۱۵۴	شوالا بے نام۔ گلی کشمیریاں
۱۵۵	قنوجی رای کا مندر۔
۱۵۶	شوالہ بے نام۔ کوچۂ باقی رام۔

نشان سلسلہ	نام عمارت
۱	۲
۱۵۷	شوالا بے نام۔ محلۂ جاٹ واڑا یا کونڈے والاں سڑک پر کنوئیں کے پاس۔
	محلۂ نمدے والاں
۱۵۸	مسجد بے نام۔
	اجمیری دروازہ
۱۵۹	موچیوں کی مسجد جسے ڈوگل صاحب نے خلیل کی مسجد لکھا ہے۔ اجمیری دروازے کے قریب
۱۶۰	اجمیری دروازہ۔ شہر کا جنوب مغربی دروازہ۔
۱۶۱	اونچی مسجد۔ کوچۂ شاہ تارا۔
۱۶۲	قبروں والی مسجد شاہ تارا۔
۱۶۳	پائندہ خاں کی مسجد۔ ایضاً
	سڑک۔ اجمیری دروازے سے قاضی کا حوض
۱۶۴	کوٹلے والوں کی مسجد۔ کوچۂ شاہ تارا۔
۱۶۵	دروازہ بے نام۔ کروڑی محلے کا داخلی دروازہ
۱۶۶	دروازہ بے نام۔ کوچۂ رجنا بیگم کا دروازہ
۱۶۷	″ ۔ کوچۂ فتح النسا بیگم کا دروازہ۔
	محلہ قاضی کا حوض
۱۶۸	قاضی کے حوض کی مسجد۔
۱۶۹	مسجد بے نام۔ کوچۂ فتح النسا بیگم
۱۷۰	لال مسجد قریب حوض قاضی جسے ڈاکٹر ڈوگل نے مبارک بیگم کی مسجد لکھا ہے۔
۱۷۱	دروازہ بے نام حویلی نواب بدل بیگ خاں کا۔
	دروازہ جو جسٹس محمد رفیق کی بارہ دری کا ہے۔

نشان سلسلہ	نام عمارت
۱	۲
۱۷۲	سرکی والوں کی مسجد - نواب بدل بیگ خاں کے پھاٹک کے پاس -
۱۷۳	دروازہ بے نام - حویلی نواب بدل بیگ خاں کا دوسرا دروازہ جو محمد اسلام اللہ خاں صاحب کے مکان کا ہے -
۱۷۴	مکان حکیم احسن اللہ خاں - حویلی نواب بدل بیگ خاں
۱۷۵	حمام - حکیم احسن اللہ خاں صاحب کے مکان کے احاطے کے اندر -
۱۷۶	دروازہ بے نام - حویلی عبدالرحمن خاں کا پھاٹک -
۱۷۷	لال دروازہ - مرزا مغل بیگ خاں کی حویلی کا پھاٹک
۱۷۸	مرزا مغل بیگ خاں کی مسجد - اندرون لال دروازہ
	کوچہ پنڈت
۱۷۹	خوجن صاحب کی مسجد - گلی عزیزالدین وکیل
۱۸۰	میاں جی صاحب کی مسجد -
۱۸۱	سوار خاں کی مسجد - گلی سوار خاں
	محلہ نیاریان
۱۸۲	مسجد بے نام -
	فصیلیں فراش خانہ
۱۸۳	مسجد بے نام - رجی کا کٹرہ -
	محلہ فراش خانہ
۱۸۴	کھڑکی فراش خانہ شاہ جہاں آباد جنوب مغربی کھڑکی جواب توڑ دی گئی -
۱۸۵	انار والی مسجد - گھنٹہ کا کوان -
۱۸۶	میر مداری کی مسجد - گلی میر مداری
۱۸۷	مسجد بے نام - احاطہ حجن صاحب -
۱۸۸	دروازہ بے نام - حجن صاحب کے احاطے کا -
۱۸۹	اخوندجی کی مسجد - گلی اخوندجی -
۱۹۰	مسجد بے نام - کٹرہ دھوبیان
۱۹۱	مرزا فخراللہ بیگ کی مسجد - پل کے پاس -
۱۹۲	مسجد بے نام - کٹرہ پڈو -
۱۹۳	حکیم جی کی مسجد - گلی چاہ شیریں -
۱۹۴	مسجد بے نام - گلی راجاں -
۱۹۵	گولر والی مسجد - دومنزلہ سڑک کے کنارے -
۱۹۶	گونڈنی والی مسجد - نگینہ محل کے پاس -
۱۹۷	مسجد بے نام - چھتہ راجاں -
۱۹۸	مسجد بے نام - چھپیا کا چھتہ -
	محلہ رودگراں
۱۹۹	دروازہ بے نام - مدرسہ ارادت اللہ خاں کا پھاٹک
۲۰۰	نواب ارادت اللہ خاں المخاطب ارادت مند خاں شرف الدولہ کی قبر - اندرون احاطہ مدرسہ -
۲۰۱	نواب موسی یار خاں کی قبر - ارادت مند خاں کی قبر کے مغرب جانب - نیچے کے چبوترے پر
۲۰۲	مسجد بے نام - مدرسہ ارادت مند خاں میں -
۲۰۳	سید منصور علی کی قبر - محاذی مسجد نمبر ۲۰۴ -
۲۰۴	میدان والی مسجد -
۲۰۵	املی والی مسجد -

نشان سلسلہ	نام عمارات
۱	۲
	کٹڑہ شیخ چاند
۲۰۶	مسجد بے نام۔
	بازار لال کنواں
۲۰۷	میر افضل کی مسجد۔ حویلی میر افضل۔
۲۰۸	سبز مسجد۔ قریب کٹڑہ آدینہ بیگ
۲۰۹	دروازہ بے نام۔ کٹڑہ آدینہ بیگ کا داخلی دروازہ
۲۱۰	ستو جی کی مسجد۔ بازار میں
۲۱۱	لال کنواں۔ سڑک پر۔
۲۱۲	لال مسجد۔ بازار میں۔
۲۱۳	دروازہ بے نام۔ کٹڑہ سپہدار خاں کا
۲۱۴	زینت محل۔ سڑک پر۔
۲۱۵	مسجد بے نام۔ گلی چابک سواراں۔
	مسجد تہور خاں
۲۱۶	تہور خاں کی مسجد۔
۲۱۷	املی والی مسجد۔
	بازار نیا بانس
۲۱۸	شوالا بے نام۔ کوچۂ سنجوگی رام۔
	محلہ نیا بانس
۲۱۹	گنیڈو کا مندر۔ کوچۂ سنجوگی رام
۲۲۰	شوالا بے نام۔
۲۲۱	بھبرو کا مندر قریب نمبر ۲۲۰
	کھاری باؤلی
۲۲۲	شوالہ بے نام۔ گلی بتاشاں خورد۔

نشان سلسلہ	نام عمارات
۱	۲
۲۲۳	مسجد بے نام۔ کوچۂ نواب مرزا جس کو ڈاکٹر وگل نے کھاری باؤلی کی مسجد لکھا ہے۔
۲۲۴	سرائے بنگش۔ قریب مسجد فتح پوری۔
	مسجد فتح پوری
۲۲۵	مسجد فتح پوری۔ چاندنی چوک کے غربی سرے پر
	بازار فتح پوری
۲۲۶	مسجد بے نام گوندنی کا کٹڑہ بیدی کے حمام کے پاس
۲۲۷	” ۔ پڑیوں کا کٹڑہ۔
	محلہ بلی ماراں
۲۲۸	پنجابیوں کی مسجد۔ حویلی حسام الدین حیدر
۲۲۹	املی والی مسجد۔
۲۳۰	گھنٹے والوں کی مسجد۔ گلی گھنٹے والاں
۲۳۱	دروازہ بے نام حسام الدین حیدر کی حویلی کا داخلی دروازہ۔
۲۳۲	حکیم شریف خاں کی مسجد۔ قریب مکان حاذق الملک حکیم حافظ اجمل خاں صاحب
۲۳۳	بے نام دروازہ۔ کوچۂ رایان کا داخلی دروازہ۔
۲۳۴	ایک برجی مسجد۔ کوچۂ رایان۔
۲۳۵	اونچی مسجد۔ نواب صاحب لوہارو کی کوٹھی کے پاس
۲۳۶	پیر جی والی مسجد۔ بارہ دری شیر افگن خاں۔
۲۳۷	شوالا ہر دیو داس۔ گلی پاسباں۔
۲۳۸	لالہ فتح سنگھ کا شوالا۔ کوچۂ بی بی گوہر۔
۲۳۹	لکشمی نراین کا شوالہ۔ ”

نشان سلسلہ	نام عمارت
۱	۲
۲۷۵	کوتوالی -
۲۷۶	گردوارہ سیس گنج سری گرو تیغ بہادر صاحب جی متصل کوتوالی
۲۷۷	خونی دروازہ - دریبہ کلاں کا دروازہ بازار چاندنی چوک کی طرف -
۲۷۸	مندر بے نام - کوچہ سکھا نند -
۲۷۹	موہن لال گوسائیں کا مندر - ایضاً
۲۸۰	گلاب رای ہرچند کا مندر - ایضاً
	مالی واڑہ
۲۸۱	ساول جی کا شوالہ - بھوج پورہ -
۲۸۲	مندر بے نام - بید واڑہ -
۲۸۳	خوں بہائی مسجد -
۲۸۴	حکیم اجیت سنگھ اور جیون سنگھ کا مندر
۲۸۵	جوہریوں کا مندر - ڈھگرا محلہ -
	چیرہ خانہ
۲۸۶	مسجد بے نام - چھتہ مدن گوپال کے قریب
۲۸۷	جوہریوں کا مندر -
۲۸۸	مسجد بے نام -
۲۸۹	ایضاً -
۲۹۰	شہتوت والی مسجد - گلی متولی -
۲۹۱	شوالا بے نام - چیل پوری -
۲۹۲	مسجد بے نام -
۲۹۳	لالہ بنسی مصر لال کا شوالا -
۲۹۴	چودھری ہمت سنگھ کا شوالا -
۲۹۵	کھجور والی مسجد -
۲۹۶	جینیوں کا مندر -
	دھرم پورہ
۲۹۷	توپ خانے والا شوالا -
۲۹۸	چندی مصر کا شوالا -
۲۹۹	توپ خانے والا مندر دسری لال گوسائیں کا مندر پہاڑ والی گلی کے نکڑ پر
۳۰۰	شوالا بے نام - گلی پہاڑ والی خورد -
۳۰۱	جینیوں کا مندر المعروف بہ نوا مندر چیل پوری
	چھتہ شاہجی
۳۰۲	مسجد بے نام شاہ بولا کے بڑ کے قریب
۳۰۳	شاہ جی کا مکان -
	نائی واڑہ
۳۰۴	گھانسی کا شوالا -
	چھیپی واڑہ کلاں
۳۰۵	باباجی کا شوالا -
۳۰۶	بالا والا شوالا -
۳۰۷	جھجر والے کا مندر
۳۰۸	صاحب سنگھ کا مندر
	رہٹ کا کنواں
۳۰۹	چاندی والوں کی مسجد -
	چھتہ پرتاپ سنگھ یا گلی پیپل والی

نشان سلسلہ	نام عمارت
۱	۲
۳۴۲	مسجد بے نام - گلی سیدانی
۳۴۳	دروازہ بے نام - کوچۂ گھانسی رام کا داخلی دروازہ
	محلۂ کچا باش
۳۴۴	حکیم مہر علی شاہ کی مسجد -
۳۴۵	شاہ عبد اللطیف کا مقبرہ - مہر علی کی مسجد کے احاطے میں -
۳۴۶	امر سنگھ کا شوالا - کوچۂ مہاجنی -
	نٹوں کا کوچہ
۳۴۷	بے نام شوالا -
۳۴۸	امام باڑہ -
۳۴۹	بے نام مسجد - امام باڑے کے قریب -
	کٹڑۂ نیل
۳۵۰	بے نام مسجد -
۳۵۱	گورکھ ناتھ مصر کا شوالا - گلی دھوبیان
۳۵۲	بے نام شوالا - ایضاً
۳۵۳	جگتا مصر کا مندر - سکھو بھائی کی گلی -
۳۵۴	بڑا شوالا -
۳۵۵	مسجد بے نام - گلی تیلیان کے سامنے -
۳۵۶	چھوٹا مندر جو بھانو کمار جی کا مندر بھی کہلاتا ہے - گلی گھنٹیسور مہادیو -
۳۵۷	بڑا مندر یا لاڈلی جی کا مندر - گلی مذکور -
۳۵۸	شوالا گھنٹیسور مہادیو - ایضاً -
۳۵۹	دھومی مل کھتا کا شوالا -

نشان سلسلہ	نام عمارت
۱	۲
۳۶۰	مانک چند [illegible] کا شوالا -
۳۶۱	رنگی مصر کا شوالا - نئی بستی -
	محلۂ کوچۂ گھانسی رام
۳۶۲	بھیرو جی کا مندر -
۳۶۳	سرادن کا شوالا -
۳۶۴	منشی بھوانی شنکر کا مکان المعروف بہ نمک حرام کی حویلی -
۳۶۵	مانک چند کھتری کا مندر -
	بازار فتح پوری
۳۶۶	بھوانی شنکر کی کچہری -
۳۶۷	جوتی پرشاد کا مندر -
	گندی گلی
۳۶۸	وشیشور ناتھ کا شوالا - نبیے کی گلی -
۳۶۹	کالی پرشاد کا شوالا -
	بازار کھاری باؤلی
۳۷۰	گوری شنکر کا شوالا - کٹڑۂ میوہ گراں -
	پھاٹک حبش خاں
۳۷۱	حبش خاں کا پھاٹک -
۳۷۲	ایک برج کی مسجد -
۳۷۳	میاں صاحب کی مسجد - دھوبی کا کٹڑہ - میاں صاحب سے مراد مولوی سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی ہیں -
۳۷۴	پھاٹک بے نام - گلی تیلیوں کا داخلی دروازہ -

نشان سلسلہ	نام عمارت
۱	۲
۳۷۵	رمضان شاہ کی مسجد۔ کوچۂ مولوی قاسم
۳۷۶	محتسب کی مسجد۔ ایضاً
	محلہ سپٹے والاں
۳۷۷	ایک برجی مسجد۔ فصیلوں کے پاس
	نہر سعادت خاں
۳۷۸	مسجد بے نام۔ کابلی دروازے اور پولیس کے تھانے کے پاس۔
۳۷۹	ساربان کی مسجد۔ لالہ ناراین داس کے کٹڑے کے سامنے۔
۳۸۰	نارایں داس کا مندر۔ ڈفرن برج کے پاس۔
۳۸۱	پھاٹک نہر سعادت خاں۔ حویلی نواب وزیر کا داخلی دروازہ۔
۳۸۲	بارہ دری نواب وزیر۔ نمبر ۳۸۱ کے پاس۔
۳۸۳	پھاٹک بے نام۔ رنگ محل کا شمالی دروازہ داخلی دروازہ نمبر ۳۸۱ کے پاس۔
۳۸۴	ایضاً۔ رنگ محل کا مغربی دروازہ۔ نمبر ۳۸۱ کے پاس۔
۳۸۵	ایضاً۔ گلی تیلیان اور گھی کے کٹڑے کا داخلی دروازہ۔
۳۸۶	ایضاً۔ گھی کے کٹڑے کا داخلی دروازہ
۳۸۷	غازی الدین خاں کی مسجد جو اب مولوی حفیظ اللہ خاں کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ نہر پر محاذی نمبر ۳۸۱۔
	سڑک موری گیٹ
۳۸۸	مسجد رائی بیل۔ کوچۂ معظم خاں۔
۳۸۹	شیعوں کی مسجد۔
	موری دروازہ
۳۹۰	امام باڑہ نواب سید احمد مرزا۔ دھوبی واڑہ
۳۹۱	غلام نبی کی مسجد۔ محلہ ڈوروالاں۔
۳۹۲	بڑھیا کی مسجد۔ ایضاً
	گندا نالہ
۳۹۳	بڑ والی مسجد۔
۳۹۴	تکیے والی مسجد۔
	کشمیری دروازہ
۳۹۵	مولوی محمد باقر کی مسجد۔ گلی پنجہ۔
۳۹۶	درگاہ پنجہ شریف۔ ایضاً
۳۹۷	مرزا محمد کی قبر۔ گلی پنجہ۔
۳۹۸	ابو القاسم کی قبر۔
۳۹۹	مولوی عطاء اللہ کی مسجد۔
۴۰۰	مقبرۂ نامعلوم۔ کھڑکی ابراہیم علی خاں چابی گنج۔
۴۰۱	مسجد نامعلوم۔
۴۰۲	صوفی جی کی مسجد۔ کنجنیوں کی گلی۔

نشان سلسلہ	نام عمارت	نشان سلسلہ	نام عمارت
۱	۲	۱	۲
۴۰۳	شوالا بے نام - کنجنیوں کی گلی	۴۱۰	**فصیل گرد شہر** عہد شاہجہاں - یہ فصیل پہلے پتھر اور گارے سے سنہ ۱۰۶۰ھ / ۱۶۵۰ء میں ڈیڑھ لاکھ کے صرف سے چار سال میں بنی تھی - جو کثرت بارش سے جلد گر گئی اور پھر سات برس کے عرصے میں چار لاکھ کی لاگت سے از سر نو پختہ بنی - یہ فصیل ۶۶۶۴ گز لمبی - چار گز چوڑی اور نو گز اونچی ہے جس میں (۲۷) برج تقریباً تیس فیٹ اونچے ہیں - شہر کے چودہ دروازے اور چودہ ہی کھڑکیاں تھیں - مارٹلو قسم کے برج اور بڑے بڑے برج انگریزوں نے جب دہلی پر مرتبۂ اول قبضہ کیا تب بنے تھے -
۴۰۴	مسجد بے نام - ایضاً		
۴۰۵	مسجد پانی پتیاں - کشمیری دروازہ		
۴۰۶	فخر المساجد - ایضاً		
۴۰۷	کشمیری دروازہ - شہر کا شمالی داخلی دروازہ -		
	ہیملٹن روڈ		
۴۰۸	حامد علی خاں کی مسجد - سڑک پر -		
	لوتھین روڈ		
۴۰۹	دارا شکوہ کا کتب خانہ - ایضاً		

قطعۂ تاریخ از جناب حافظ محمد یعقوب صاحب اوج گیاوی

مکرم بشیر احمد ذی حشم — سپہر کرم - مہر مجد و علا
تصانیف ان کی ہیں سب لاجواب — گراں قدر مثلِ دُرِ بے بہا
مورخ سخن سنج ناظم ادیب — ہر اک فن میں خالق نے یکتا کیا
وہ تاریخ ہیں لکھی نادر کتاب — کہ دہلی کا نقشا ہے گویا کھچا

لکھا اوج نے مصرعِ سال طبع
یہ تاج التواریخ سے دل ربا

۱۹ ۶۱۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَہُمْ بِبَعْضٍ لَّہُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْہَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا[1]

دیباچہ

بنام آں کہ دل را نفس جاں داد　　　سخن را زندگی جاوداں داد

یَا[2] مَنْ تَقَدَّسَ عَنِ الْاَشْبَاہِ ذَاتُہٗ وَتَنَزَّہَ عَنْ مُشَابَہَۃِ الْاَمْثَالِ صِفَاتُہٗ یَا مَنْ دَلَّتْ عَلٰی وَحْدَانِیَّتِہٖ آیَاتُہٗ وَشَہِدَتْ بِرُبُوْبِیَّتِہٖ مَصْنُوْعَاتُہٗ وَاحِدٌ لَا مِنْ قِلَّۃٍ وَّمَوْجُوْدٌ لَا مِنْ عِلَّۃٍ یَا مَنْ ہُوَ بِالْبِرِّ مَعْرُوْفٌ وَّبِالْاِحْسَانِ مَوْصُوْفٌ مَعْرُوْفٌ بِلَا غَایَۃٍ وَّمَوْصُوْفٌ بِلَا نِہَایَۃٍ اَوَّلٌ قَدِیْمٌ بِلَا ابْتِدَاءٍ وَّآخِرٌ کَرِیْمٌ بِلَا انْتِہَاءٍ وَّغَفَرَ ذُنُوْبَ الْمُذْنِبِیْنَ کَرَمًا وَّحِلْمًا یَا مَنْ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّہُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ یَا دَائِمًا بِلَا فَنَاءٍ وَّیَا قَائِمًا بِلَا زَوَالٍ وَّیَا مُدَبِّرًا بِلَا وَزِیْرٍ لَا اُحْصِیْ عَلَیْکَ ثَنَاءً اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ وَتَقَدَّسَتْ اَسْمَاؤُکَ۔

---

[1] اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے (کے ہاتھ) سے نہ ہٹواتا رہتا تو (نصاریٰ کے) صومعے اور گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے۔ ۱۲

[2] اے وہ کہ پاک ہے مثلوں سے ذات اسکی اور پاک ہیں مشابہت مثالوں سے تعریفیں اسکی اے وہ کہ دلالت کرتی ہیں اسکی وحدانیت پر اُس کی نشانیاں اور گواہی دیتی ہیں اُس کے پروردگار ہونے پر اُسکی کاریگریاں اکیلا ہے نہ بوجہ قلت کے اور موجود ہے نہ بوجہ کسی علت کے اے وہ کہ ساتھ نیکی کے مشہور ہے اور ساتھ احسان کے تعریف کیا گیا ہے۔ پہچانا گیا ہے بے حد اور تعریف کیا گیا ہے بے انتہا۔ پہلا ہے قدیم بے ابتدا کے اور پچھلا ہے بزرگ بے انتہا کے اور بخشے اُس نے گناہ گنہگاروں کے کرم اور بردباری سے اے وہ جس کے مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اے ہمیشہ رہنے والے بغیر فنا کے اور اے قائم رہنے والے بغیر زوال کے اور اے تدبیر کرنے والے بغیر وزیر کے۔ نہیں گھیر سکتا کوئی تیری تعریف جیسے کہ خود تعریف کی تو نے اپنی غالب ہے پناہ تیری اور بڑی ہے تعریف تیری اور پاک ہیں نام تیرے

[1] وَعَظُمَ شَانُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ بِقُدْرَتِهٖ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ بِعِزَّتِهٖ اَلَا اِلَى اللّٰهِ تَصِيرُ الْاُمُورُ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

حمد

لوامع صفتش ہست چشم پوش عقول
چو آفتاب کہ نورش حجاب ابصارست

حکیم گفت شناسم بعقل یزداں را
زہے کمالِ حماقت وہ ایں چہ گفتارست

بکنہِ حق نرسد عارف ارچہ دانندہ ست
بر آسماں نپرد جعفر ارچہ طیارست

بہر صحیفۂ برگ ست نور حکمت او
نوشتہ چوں لقبِ شہ بدو کے پیداست

نعت

وصفِ شرفِ تو بیش از ادراک آمد
سبقِ ادبت نعید ایاک آمد

توقیع تو کز صحیفۂ پاک آمد
لولاک لما خلقت الافلاک آمد

از عزّ محمد ار نداری خبرے
کن از رہِ عقل و رشہادت نظرے

اللہ و محمد ست پیوستہ بہم
یعنی کہ میانِ شاں نہ گنجد دگرے

دل و دلی گرچہ ہیں دونوں خراب
پہ کچھ لطف اس اُجڑے گھر میں بھی ہے

[2] يَا مَنْ يُسَائِلُ عَنْ دِهْلِيْ وَرِفْعَتِهَا
عَلَى الْبِلَادِ وَمَا حَازَتْهُ مِنْ شَرَفٍ

[3] اِنَّ الْبِلَادَ اِمَاءٌ وَهِيَ سَيِّدَةٌ
فَاِنَّهَا دُرَّةٌ وَالْكُلُّ كَالصَّدَفِ

[1] اور بڑی ہے شان تیری اور نہیں کوئی معبود سوائے تیرے کرتا ہے جو چاہتا ہے اپنی قدرت سے اور حکم کرتا ہے جو چاہتا ہے اپنی قوت سے آگاہ رہو کہ اللہ ہی کی طرف پھرتے ہیں سب کام۔ ہر شے فنا ہونے والی ہے سوائے اُس کی ذات کے اُسی کے لیئے ہے حکم اور اُسی کی طرف تم سب پھروگے۔

[2] اے وہ شخص جو دہلی کے حالات اور دوسرے شہروں پر اسکی وقعت اور شرف کے متعلق استفسار کرتا ہے۔

[3] بیشک تمام شہر باندیاں ہیں اور دلی اُن کی ملکہ ہے اور بے شک دلی کی مثال ایک موتی کی سی ہے باقی شہر وہ (ردے) سیپ ہیں۔

[1] فَاقَتْ بِلَادَ الْوَرٰی عِزًّا وَّمَنْقَبَةً	غَیْرَ الْحِجَازِ وَغَیْرَ الْقُدْسِ وَالنَّجَفِ
[2] سُکَّانُهَا جَمَالُ الْاَرْضِ قَاطِبَةً	خَلْقًا وَّخُلْقًا بِلَا عُجْبٍ وَّلَا صَلَفِ
[3] بِهَا مَدَارِسُ لَوْ طَافَ الْبَصِیْرُ بِهَا	لَمْ تَنْفَتِحْ عَیْنُهٗ اِلَّا عَلَی الصُّحُفِ
[4] کَمْ مَسْجِدٍ زُخْرِفَتْ فِیْهَا مَنَارَتُهٗ	لَوْ قَابَلَتْهُ شُمُوْسُ الضُّحٰی تَنْکَسِفُ
[5] وَغَرْوَ اِنْ زُیِّنَتِ الدُّنْیَا بِزِیْنَتِهَا	کَمْ مِنْ اَبٍ قَدْ عَلَا بِابْنٍ ذَوِیْ شَرَفٍ
[6] وَمَاءُ جَوْنٍ جَرٰی مِنْ تَحْتِهَا تَحْکِیْ	اَنْهَارَ خُلْدٍ جَرَتْ فِیْ اَسْفَلِ الْغُرَفِ

جس طرح کسی نئے شخص کا تعارف کرایا جاتا ہے اسی طرح کسی کتاب کی تقریب دیباچے کے ذریعے سے کی جاتی ہے۔ یہ کتاب دو حصّوں پر منقسم ہے۔ پہلا حصّہ ایک اجمالی تاریخ ہندوستان کے بادشاہوں کی ہے اور دوسرے میں آثار قدیمہ شہر دہلی کا مفصّل بیان ہے۔ قبل اس کے میں نفس کتاب کی نسبت کوئی تمہید لکھوں ضروری ہے کہ میں اس کتاب کی تدوین کی غرض و غایت کا اظہار کروں۔ بادی النظر میں اس کتاب کی نسبت ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب سر سید احمد خاں علیہ الرحمہ جیسا نامور شخص اس مضمون پر آثار الصنادید جیسی مستند اور مکمل کتاب لکھ چکا ہے تو کسی اور کا اس میدان میں قدم فرسائی کرنا تحصیل حاصل ہے۔ میں کیا سب جانتے ہیں کہ اس موضوع پر آثار الصنادید سے بہتر تو کیا برابر کی کتاب بھی لکھنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ لیکن یہاں نہ برابری کا خیال ہے نہ برتری کا خبط وہ تو سر سید ہی کا حصّہ تھا دوسرا کوئی کیا لکھ سکتا ہے ع وہ بات کوہ کن کی گئی کوہ کن کے ساتھ۔

---

[1] یہ تمام شہروں سے عزت اور منقبت میں فوق لے گئی ہے سوائے مکہ مدینہ۔ بیت المقدس اور نجف کے۔

[2] اس کے رہنے والے یقیناً زمین کی خوب صورتی اور رونق ہیں خلقتاً اور اخلاقاً ان میں تکبر اور شیخی نہیں ہے۔

[3] اس میں اتنے مدرسے ہیں کہ اگر دیکھنے والا اس میں گشت لگائے تو جدھر دیکھے گا قرآن ہی قرآن نظر پڑیں گے۔

[4] بہت سی مسجدیں ایسی ہیں کہ جن کے مینار ایسے پُر رونق ہیں کہ اگر ان کے مقابل میں آفتاب بھی آجائے تو اسکو گہن لگجائے۔

[5] دُنیا کا اس شہر کی زینت سے مزین ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ بہت سے باپ ایسے نکلیں گے جو شریف بیٹے کی وجہ سے ممتاز ہو گئے۔

[6] دریائے جمن کا پانی اس کے نیچے بہتا ہوا ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ جنت کی کھڑکیوں کے نیچے نہریں رواں ہیں۔

یہ عربی اشعار جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز محدث دہلوی کے ہیں جنکو ہم نے تیمّناً و تبرکاً درج کر دیا ہے کہ ان کے کلام کی برکت سے خدا کرے کہ یہ کتاب بھی مقبول عام ہو جائے ۔ ۱۲

آئینہ خویش را بصیقل دادم | روشن کردم بہ پیش خود بنہادم
در آئینہ عیب خویش چنداں دیدم | کز عیب کسے دگر نیامد یادم

لیکن بمصداق اَلاَمْرُ فَوْقَ الاَدَب لب کشائی کا کیا موقع تھا عذر و معذرت داخل گستاخی تھا سر تسلیم خم کیا اور زبانِ حال سے عرض کیا:-

انسان کو کہتے ہیں کہ ہو بندۂ احساں | یعنی کہ ہم آوازۂ گنبد کی صدا ہیں
گر شاہ کرے لطف و عنایت تو رعایا | تسلیم و اطاعت میں غلاموں سے سوا ہیں
خود تم کو نہیں مال و زر و سیم کی پروا | اور ہم بھی ادھر مفلس و بے برگ و نوا ہیں
لیکن دل و جان کہتے ہیں اور دونوں کے دو ہیں | سچ مانو قربان ہیں تم پر سے فدا ہیں
کیا ہو سکے احسانِ گورمنٹ کا بدلہ | بس جہدِ مُقِل یہ ہے کہ مصروفِ دعا ہیں
جس عہد میں ہم امن سے بیٹھے ہیں الٰہی | قایم رہے جب تک کہ ارض و سما ہیں
بسمل کو خدا لاٹ کرے سب کہو آمیں | اس کشتیِ طوفاں زدہ کے ناخدا ہیں

مختصر یہ کہ کتاب لکھنی شروع ہوئی اور باایں ہمہ ایقان کہ سرسید کی کتاب لاجواب ہے اس قدر بسوط لکھی یہ لکھی۔ مخفی نہ رہے کہ سرسید کا پہلا ایڈیشن آثار الصنادید کا ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا یعنے غدر سے پہلے جسے آج پورے بہتر برس ہوئے۔ اِس پون صدی میں دنیا میں جو جو انقلاب ہوئے اور زمانے نے جو کچھ ترقی کی وہ قدرتِ الٰہی کا ایک حیرت انگیز کرشمہ ہے سب سے بڑی کروٹ یا لوٹ تو زمانے یہ لی کہ مغلیہ سلطنت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بجھ کر وہ سلطنت قایم ہوئی کہ جس پر دن رات میں کبھی آفتاب غروب نہیں ہوتا پھر چھان بین کاوش و تلاش تفحص و تفتیش اس درجے پر پونہچی کہ ایک محکمہ آثار قدیمہ کا اسی غرض سے قایم ہوا جنھوں نے چپہ چپہ اور کونا کونا زمین کا کھوند مارا۔ لارڈ کرزن کی پچھلی یادگاروں کو تازہ کرنے اُن کے آثار کو قایم رکھنے کا بڑا شوق تھا۔ آج جو آپ دیکھ رہے ہیں کہ گری پڑی عمارتیں درست ہو رہی ہیں اُن کی نگہداشت کا انتظام بلیغ ہے۔ لاکھوں روپیہ زمانہ سلف کی عمارت کو قایم و برقرار رکھنے میں بے دریغ صرف ہو رہا ہے یہ سب حسنات **لارڈ کرزن** کے نامۂ اعمال میں مستزاد ہو رہی ہیں۔ قدیم زمانے کے راجہ۔ بادشاہ۔ شہنشاہ سب کی ارواح مقدسہ خوش ہو رہی ہیں کہ ہمارے نام کی بقا اور دوام کے لیئے برٹش گورمنٹ کا یہ کچھ احسان ہے سبحان اللہ کیا تیری شان ہے۔ اس محکمے کے حکام نے دبی ہوئی

عمارتوں کو کھدوا کھدوا کر نکلوایا۔ نئے نئے کتبے نکلے پرانے پرانے سکّے ملے فرامین دستیاب ہوئے جس سے امتدادِ زمانہ کی گہری گھٹا چھٹ گئی مطلع صاف ہو گیا دُھندلاہٹ جاتی رہی اور آفتاب کے نورانی چہرے سے ظلمات کا نقاب اُٹھ گیا اور جو باتیں اس زمانے میں خواب و خیال میں بھی نہ تھیں مثل روز روشن کے آشکارا ہو گئیں۔ دُنیا کی کایا پلٹ ہو گئی معلومات کے خزائن پُر ہو گئے۔ سرسید نے جو کچھا اس زمانے میں انھیں کی جستجو اور ٹٹول تھی جو اتنا بھی سینوں کے بند گنجینوں اور زبانوں سے زبانِ قلم پر آ گیا لیکن روز بروز جو دریافت اور ایجاد میں ترقی ہوتی چلی جا رہی ہے تو لامحالہ آثار الصنادید کے نقشِ اوّلین میں نمایاں کمی دکھلائی دے رہی ہے میں مثالاً عرض کرتا ہوں کہ کلام مجید کے دو بہترین اُردو کے ترجمے جناب شاہ عبدالقادر صاحب و شاہ رفیع الدین صاحبان رحمہما اللہ تعالیٰ کے موجودہ تھے لیکن پھر بھی میرے والد ماجد (مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم مغفور) نے ایک اور ترجمہ کلام مجید کا کیا۔ جو ضرورت ایک جدید ترجمے کی تھی وہ یہی تھی کہ زبانِ اردو نے جب سے اب تک بہت کچھ ترقی کی ہے اور پہلے سے بہت زیادہ آراستہ اور شُستہ ہو گئی ہے۔ ہر دو حضرات موصوفین کے ترجمے پُرانے ہو جانے کی وجہ سے اُکھڑے اُکھڑے معلوم دیتے تھے اور زمانے کی مانگ ایک ایسے ترجمے کی تھی جو اس زمانے کی بول چال کی پوری مثال ہو۔ بجنسہ یہی ضرورت مجھے اس کتاب کے لکھنے کی محسوس ہوئی۔ ناظرین خود دیکھ لیں گے کہ آثار الصنادید سے اس میں کس قدر زیادہ اور نیا مواد ہے اور اس پچھتر برس میں کیسی کیسی نئی باتیں پردۂ خفا سے معرضِ ظہور میں آئی ہیں۔ بہر حال یہ کتاب آپ ٹو ڈیٹ (الی یومنا ہذا) ہے۔ سو پچاس برس بعد یہ بھی تقویمِ پارینہ ہو جائے گی اور یہی سلسلہ الیٰ غیر النہایۃ جاری رہے گا۔ یہ بات محتاجِ بیان نہیں کہ سلاطین خاندانِ مغلیہ سے بڑھ کر ہندوستان یا ہندوستان کی جگہ دُنیا بھی کہوں تو کچھ بے جا نہیں کسی بادشاہ نے ایسی خوش وضع۔ عالی شان۔ سر بفلک عمارتیں کہ جن کے شوقِ دید میں لوگ آئے دن جوق جوق کھنچے چلے آتے ہیں اور جن سے تاج گنج آج بھی سب عمارتوں کا تاج اور دُنیا کی سات عجائبات میں کا ایک عجوبہ مانا گیا ہے۔ نہیں بنائیں۔ اور نہ اس کثرت سے اپنی دوامی یادگاریں صفحۂ دُنیا پر چھوڑیں۔ خدا جانے کس بلا کی دولت ان کے ہاں اُمنڈ آئی تھی کہ جس کا حد و حساب نہیں اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کیسے کیسے نادر کاریگران کو میسر آئے کہ جن کے ہاتھ چومنے کے قابل ہیں۔ اور ان کا مذاق فنِ تعمیر کیسا عمدہ نفیس اور اچھوتا تھا کہ آج بھی باوجودیکہ

فن انجنیری نے بالنسوں ترقی کی ہو لیکن ان کا ڈزائین - استحکام - بناوٹ سجاوٹ دیکھ کر سب انگشت بدہاں ہیں اور سب ان کی عمدگی ہر یک زباں ہیں۔ رطب اللسان ہیں اور دُنیا کا متفقہ فیصلہ اگر ہو تو یہی کہ یہ لوگ The greatest architects of the world تھے اور جن لوگوں نے ان عمارتوں کو دیکھا ہو بے اختیار کہہ اُٹھتے ہیں کہ "سلاطین ہند بادشاہی نمی کنند بلکہ خدائی می کنند"

دُنیا کا کارخانہ ایک عجیب و غریب طلسم حیرت ہو۔ یہاں کسی کو قرار نہیں ایک آتا ہو ایک جاتا ہو یہی تانا لگا ہوا ہو۔ ایک قوم گرتی ہو اور ایک اُبھرتی ہو۔

وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

بِذَا قَضَتِ الْأَيَّامُ مَا بَيْنَ أَهْلِهَا مَصَائِبُ قَوْمٍ عِنْدَ قَوْمٍ فَوَائِدُ

بڑے بڑے بادشاہ جن کی سطوت اور جبروت کا ڈنکا بجتا تھا اور جن کی ہیبت سے دل دہل جاتا تھا اور جن کے اشارۂ چشم پر تہ وبالا ہو جاتا تھا آج وہ بھی ایک معمولی سے معمولی شخص کے برابر منوں مٹی کے تلے دبے پڑے ہیں :-

چو آہنگِ رفتن کند جانِ پاک چہ بر تخت مردن چہ بر روے خاک

اُن کی بادشاہت۔ اُن کے خزائن عامرہ۔ اُن کے لاؤ لشکر۔ اُن کے حشم خدم حوالی موالی۔ اُن کو رتی برابر بھی فائدہ نہیں پونچا سکتے :-

گرفتند عالم بہ مردی و زور ولیکن نبردند با خود بگور

پس اس عالمِ فانی میں اگر کسی کی یادگار کو کچھ قیام ہو تو اُس کی شکل یہی خیر جاریہ تعمیر عمارات مساجد و معابد وغیرہ کی ہو جن کا ذکر اس کتاب میں ہو اور جن کی بدولت آج تک اُن لوگوں کے اسامی گرامی دل و زبان پر کالنقش فے الحجر ہیں اور جن کو دیکھ دیکھ کر ہمارے سبق حاصل کرتے ہیں اور اُن کا دلفریب منظر ہماری غفلت کا تازیانہ ہوتا ہو اور ہمارے منہ سے صدائے احسنت کی بلند ہو جاتی ہو :-

دوشش باعقل در سخن بودم کشفت شد بر دلم مثالے چند
گفتم اے مایۂ ہمہ دانش دارم الحق بتو سوالے چند
چیست ایں زندگانیِ دنیا گفت خوابیست باخیالے چند

گفتم از وی چہ حاصل ست بگو | گفت درد و سر و وبالے چند
گفتم ایں نفس کے شود رامم | گفت چوں یافت گوشمالے چند
گفتم اہل ستم چہ طائف اند | گفت گرگ و سگ و شغالے چند
گفتم ایں بخت اہلِ دنیا چیست | گفت بیہودہ قیل و قالے چند
گفتم اہلِ زمانہ در چہ فن اند | گفت در بندِ جمعِ مالے چند
گفتم او را مثالِ دنیا چیست | گفت زالے کشیدہ خالے چند
گفتمش چیست گفتۂ خیام | گفت پند است حسبِ حالے چند

دلّی کا ویرانہ پینتالیس مربع میل میں پھیلا ہوا ہے۔ جسکے حدود مواضع تغلق آباد۔ مہرولی چندراول اور جمنا کا مغربی کنارہ ہوتے ہیں۔ اس عجیب و غریب خطے پر تیرہ دار السلطنتیں عالمِ وجود میں آئیں اور مٹ گئیں :-

ہے جہاں مانندِ مجمر اور ہم مثلِ سپند | اب چلے جائیں گے آئے اک صدا کہنے کو ہیں

ان تیرہ دار السلطنتوں میں سے ایک تو بفضل خدا اب بھی موجود ہے اللہ تعالیٰ الیٰ آخر الزمان اب رہیں بارہ اُن کی یادگار تو کھنڈر ہیں یا لوگوں کی روایات سے کچھ پتہ چلتا ہے۔

سنہ عیسوی سے پندرہ سو برس پہلے راجہ جدھشٹر نے پانڈوؤں کی ایک بڑی سلطنت قایم کرکے اپنی راجدھانی جمنا کے مغربی کنارے پر بنائی اور اُس کا نام اندرپرست رکھا۔ جدھشٹر کا خاندان تیس پشت تک حکمران رہا اُس کے بعد نمک حرام وسروا کے خاندان کا دور دورہ پانڈوؤں کی دار السلطنت میں پانسو برس تک رہا ان کے بعد گوتم بنسیوں کا نمبر آیا۔ گوتم خاندان کے ایک شخص سروپ دت نامی نے جو حاکمِ قنوج کی فوج کا لفٹنٹ تھا اپنے راجہ دیلو کے نام پر دلی شہر بسایا۔ گوتموں کے بعد دھرم داج یا دھرنی دھر نامی شخص کے بناکردہ خاندان کا راج پاٹ ہوا اس خاندان کے آخری راجہ نے اجین کے راجہ سے شکست پائی جن کی حکومت آگے چل کر جوگیوں کے خاندان میں سمندر پال پر منتقل ہوئی۔ جوگیوں کے بعد ملک اودھ کے بہرائچ کے راجاؤں کا دورہ ہوا اُن کے بعد فقیروں کا خاندان برسرِ حکومت رہا۔ خاندان فقرا کے بعد بلاول سین حکمران رہا۔ سینوں کے خاندان کا قلع قمع دیپ سنگھ کوہی سوالک والے نے کیا اُسے اننگ پال یا انیک پال اول بانیِ خاندانِ تنوار نے دلّی سے نکال باہر کیا۔ اننگ پال اوّل نے

۷۳۱ء میں دلّی کو از سرِ نو بسایا۔ اس کے بعد اسی خاندان کے ایک ممبر **اننگ پال دوم** نے ۱۰۵۲ء میں پھر دلّی کو آباد کیا۔ پھر ۹۲ برس تک دلّی شمالی ہند کے دار السلطنت کے مرتبے سے گری اور کس مپرسی کی حالت میں رہی یہ زمانہ وہ ہے جس کی ابتدا راجۂ اُجین کی فتح ہے اور اننگ پال ثانی کا دلّی کو دوبارہ آباد کرنا۔ ۱۱۵۵ء میں تنوار کے خاندان کے آخری راجہ کو **چوہانوں** نے شکست دی۔ خاندان چوہان کے آخری راجہ **پرتھی راج** المعروف رائے **پتھورا** کا نیّرِ اقبال شمالی ہند میں چمکنے لگا۔ اُس نے اپنے نام کا ایک قلعہ قلعۂ رائے **پتھورا** نام کا بنایا۔ ۱۱۹۱ء میں **مسلمانوں** کے بادشاہ **قطب الدین ایبک** نے قطعی طور پر دلّی کو فتح کرلیا اور اُسی زمانے سے شمالی ہند میں ہندوؤں کے راج کا خاتمہ ہوا۔

قطب الدین ایبک کے بعد پہلے آٹھ بادشاہوں نے قلعۂ رائے پتھورا ہی میں رہ کر حکمرانی کی اور اُنھوں نے اس قلعے کو اپنی مرضی اور ضروریات کے لحاظ سے درست کرلیا۔ اس میں کئی محل اور ایک مسجد بھی بنائی۔ اب وہ محل تو باقی نہیں البتہ ایک **مسجد** اور **شیر منڈل** کا برج رہ گیا ہے اور یہ دونوں عمارتیں غنیمت ہے کہ اب تک بہت اچھی حالت میں **پرانے قلعے** میں موجود ہیں جو سلاطین اسلام کی عمدہ یادگار اور بہترین نشانیاں ہیں۔ لیکن پُرانے قلعے کے چھوڑ کر مسلمانوں کے دسویں بادشاہ بلبن کے پوتے **کیقباد** نے ایک نیا محل **کِلوکھری** میں بنایا جو **نئے شہر** کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی بادشاہ نے رائے پتھورا کے قلعہ کو چھوڑ کر دار الحکومت منتقل کیا۔ اُس کے جانشین **جلال الدین خلجی** نے مصالح اور ملکی سے کِلوکھری کو محصور کیا اور ترقی دی۔ جلال الدین کے بعد اُس کا بھتیجا **علاؤ الدین خلجی** اپنے چچا کی جگہ تختِ سلطنت پر بیٹھا اور بہت تھوڑے دنوں قلعہ رائے پتھورا میں رہا۔ اُس نے ایک اور ہی قلعہ **سیری** میں بنا کر اپنا دار السلطنت ٹھیرایا۔ ۱۳۲۱ء میں علاؤ الدین خلجی کے چھوٹے بیٹے **قطب الدین مبارک شاہ** کو نمک حرام **نصیر الدین خسرو خاں** نے قتل کیا اور سیری میں **قصرِ ہزار ستون** بنا وہیں تخت پر بیٹھا لیکن خسرو خاں زیادہ سلطنت کی بہار نہ لوٹ سکا اور اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے کا معاملہ پیش آیا یعنے خسرو خان کو **غیاث الدین تغلق شاہ** نے شکست دے کر تلوار کے گھاٹ اُتار دیا اور اپنی دار السلطنت سیری سے اُٹھا **تغلق آباد** کو منتقل کی۔ غیاث الدین تغلق کے بیٹے اور جانشین **سلطان محمد ثالث** نے اپنے باپ کی دار السلطنت سے تھوڑی ہی دور **عادل آباد** آباد کیا۔ اِس کے چند سال بعد اسی بادشاہ نے رائے پتھورا کے قلعے اور

سیری دونوں کو ملا کر ایک اور ایک شہر آباد کیا جس کا نام جہاں پناہ رکھا۔ اس کے بھانجے اور جانشین فیروز شاہ تغلق نے آبائی دارالسلطنت چھوڑ کر اور ایک بالکل نیا شہر فیروز آباد بسایا۔ ۱۳۹۸ء میں امیر تیمور نے ہندوستان پر ایک بڑا بھاری حملہ کر کے فیروز آباد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ کمزور سادات نے جو جنگجو پٹھانوں کے بعد حکمراں ہوئے تو اُن کو بھی اپنے نام سے ایک اور شہر بسانے کا شوق ہوا اور خضر خاں نے خضر آباد آباد کیا۔ خضر خاں کے بیٹے مبارک شاہ نے بس اتنا ہی کیا کہ اس کا نام مبارک آباد بدل کر رکھ دیا۔ سیدوں کے بعد لودھی آئے انہوں نے اپنی کوئی نشانی شہر کی صورت میں نہیں چھوڑی۔ بہلول شاہ بانیِ خاندانِ لودھی سیری میں رہتا تھا۔ اس کے بیٹے نظام خاں سکندر شاہ لودھی کچھ دنوں تو پرانی دلی ہی میں سلطنت کی پھر آگرے کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا جب بابر نے ۱۵۲۶ء میں پانی پت کے میدان ابراہیم لودھی کو شکست دی تو دہلی میں اپنا ایک نایب چھوڑ کر آگرے ہی کو دارالسلطنت ٹھیرا خود کابل چلا گیا۔ بابر کے بیٹے ہمایوں کو افغانوں نے بسر کر دگیِ شیر شاہ سور ۱۵۴۰ء میں ہندوستان سے بدر کر دیا چنانچہ ہمایوں پورے چودہ برس جلاوطنی کی حالت میں رہا ہندوستان سے اخراج کے اوّل ہمایوں نے شہر دین پناہ کی تعمیر شروع کر دی تھی جب شیر شاہ سور دہلی پر قابض ہو گیا تو اس نے بھی اگلے بادشاہوں کے قدم بقدم ایک نیا شہر شیر گڈھ یا دہلی شیر شاہی بنایا۔ ۱۵۴۳ء میں اس کے بیٹے سلیم شاہ سور نے دریائے جمنا کے جزیرے پر قلعۂ سلیم گڈھ بنایا۔ ۱۵۵۵ء میں ہمایوں نے پٹھانوں کو شکست دے کر پھر دلی کی سلطنت پر قبضہ پایا۔ پٹھانوں پر فتح یابی کے چھ مہینے بعد ہمایوں بادشاہ نے دین پناہ میں انتقال کیا۔ اب اکبر اوّل جانشین ہوا جو آگرے میں رہا اور وہیں انتقال کیا اور وہیں دفن ہے۔ اکبر کا بیٹا جہانگیر بھی آگرے ہی میں رہا۔ جہانگیر کی وفات کے بعد دلی کے بخت خفتہ پھر بیدار ہوئے اور شاہجہاں نے آگرے سے دارالسلطنت دلی میں منتقل کی اور اس کا نام شاہجہان آباد رکھا اور یہی نام انگریزوں کی شروع عملداری یعنی ۱۸۰۳ء تک برقرار رہا۔ اب شاہجہان آباد جا کر بالعموم دہلی یا دلی کہلاتا ہے اور انگریزوں کی زبان پر ڈلہی چڑھا ہوا ہے اور گورمنٹ کا منظور شدہ بھی یہی نام ہے۔ تیرہ دلیوں کا حال آپ سن چکے چودھویں دلی جسکو شاہجہان آباد کے جوڑ پر جارج آباد کہنا زیادہ موزوں ہوگا ۱۲ دسمبر ۱۹۱۲ء سے معرض ظہور میں آئی یعنی پھر دلی کی ذلت جو نہ صوبہ کا مستقر نہ کمشنری کا بلکہ گھٹتے گھٹتے صرف ایک ضلع رہ گیا تھا عزت سے بدل گئی اور کیسی لی
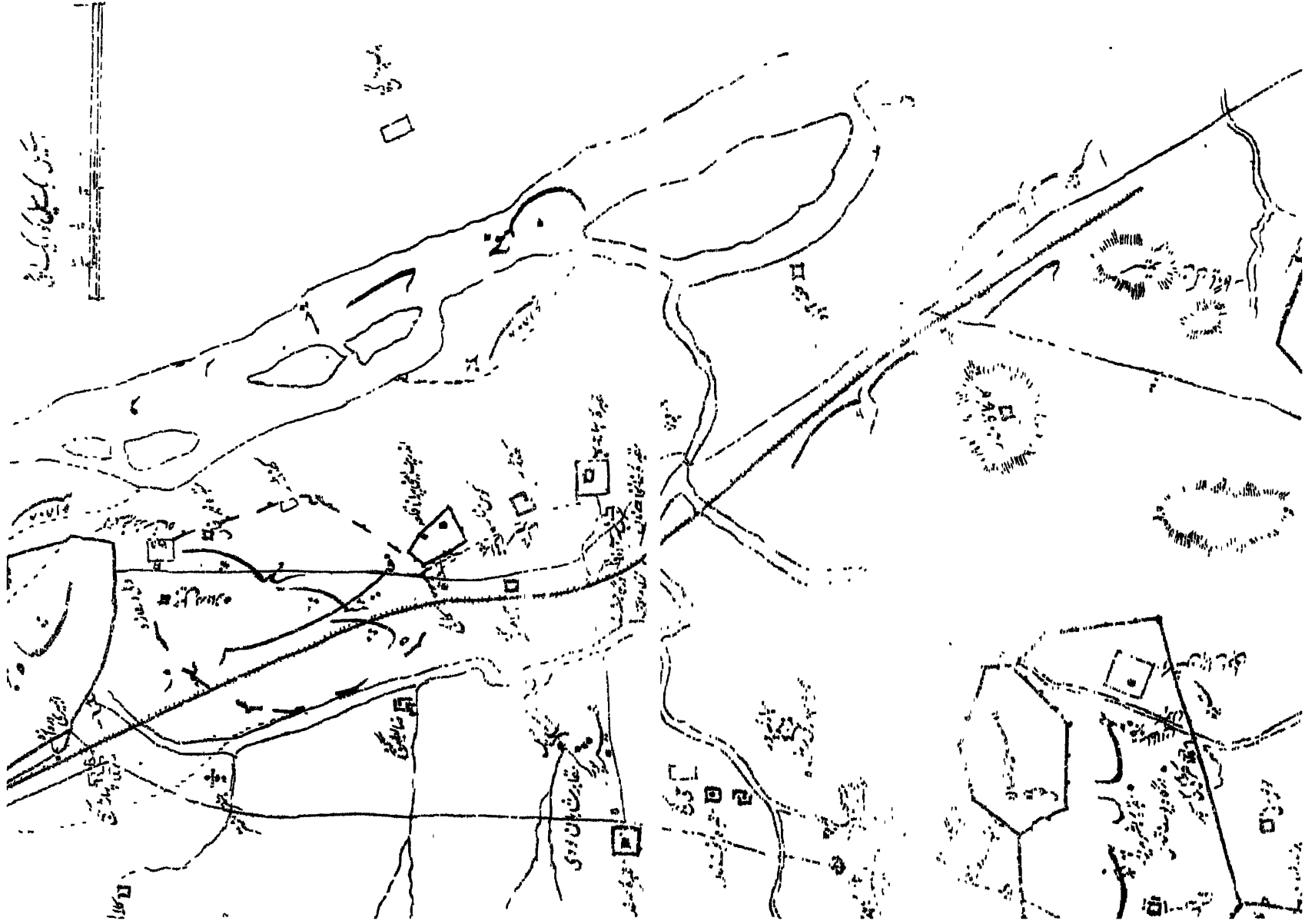
کہ جب سے سلطنت انگلشیہ قایم ہوئی کسی یورپین بادشاہ نے سرزمین ہند پر بہ حیثیت شاہی قدم نہ رکھا تھا
یا یوں تقدیر چمکی کہ ملک معظم جارج پنجم قیصر ہند نے مع ملکہ معظمہ کوئین میری قیصرہ ہند کے
سرزمین دہلی کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے عزت تازہ بخشی۔ شان نہ گمان قدرت خدا دیکھیے
کہ دلی کے بھاگ جاگے ضلع سے اُچک کلکتے کو دھکیل ہندوستان کا دارالسلطنت بنی ہے

دینے پہ تو جو آئے بنا دے بگاڑ کے
دے جس پہ تیرا فضل ہو چھپر کو پھاڑ کے

چنانچہ اب وہی چہل پہل ہے۔ سڑکیں بن رہی ہیں مکانات طیار ہو رہے ہیں۔ خدا کا لاکھ کرے
اس جنگ یورپ کا اس نے چار برس میں سب کو اوچھا کر دیا یہ نہ ہوتی تو نئی نویلی دلی جو رائے سینا
میں موجودہ دلی سے چار میل کے فاصلے پر بڑے بھاری سکیل پر بن رہی ہے کبھی کی بن چکتی۔ خیر دیر آید
درست آید خدا نے چاہا تو یہ چودھویں دلی بلاد و امصار موجودہ میں سب سے بہتر اپنے انداز میں
سب سے نرالی اپنی وضع میں انوکھی پر تو ظہور میں آجائے گی لیا یہ سمجھو کہ اب آئی کہ آئی:-

دعائے دولت

یارب رہے سلامت فرمانروا ہمارا

یارب رہے سلامت شاہنشہ معظم — زندہ رہے ابد تک شاہنشہ معظم

یارب رہے سلامت فرمانروا ہمارا

یارب ہو وہ مظفر با عزّ و شان شاہی — ہو شاد کام و خرم وہ نازش کجکلاہی

یارب رہے سلامت فرمانروا ہمارا

قدرت کے جو عطیے مخفی ہیں آسماں پر — برسیں وہ بن کے نیساں شاہنشہ زماں پر

یارب رہے سلامت فرمانروا ہمارا

یارب کرم کو اپنے اب آشکار کر دے — اور دشمنان دولت کو خوار و زار کر دے

یارب رہے سلامت فرمانروا ہمارا

دشمن کو پست کر دے ناکامیاب کر دے — اُسکی سیاستوں کو یارب خراب کر دے

یارب رہے سلامت فرمانروا ہمارا

آئین سلطنت کا حامی ہو نگہباں ہو تا یہ دعائے دولت دل میں ہو بر زباں ہو

یارب رہے سلامت فرمانروا ہمارا

شائقین فن تاریخ کے لیے تمام روئے زمین پر کوئی خطہ پینتالیس میل مربع کا ایسا نہیں ہے جس میں اسقدر انقلابات عظیم ہوئے ہوں جن سے یہ کتاب بھری پڑی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سلطنت کا عروج اور زوال سب کچھ تاریخ کے باقاعدہ مدون ہونے سے پہلے ہو ہوا لیا اور یہیں راجہ اشوک کے زمانے کے دو ستون ہیں جنپر دو ہزار سال پہلے کے پرانے کتبے موجود ہیں۔ یہاں وہ آہنی ستون بھی ہے کہ جس کی قدامت کا کچھ صحیح حال معلوم نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ بہت پرانا ہے۔ یہی وہ جگہ ہے کہ جہاں مسلمانوں نے ہندوستان کو فتح کرکے اسلامی حکومت کا جھنڈا گاڑ دیا اور دلی ہو قلعہ رائے پتھورا ہو یا نیا شہر۔ یا سیری۔ یا تغلق آباد۔ یا فیروز آباد۔ یا شیر گڈھ یا شاہ جہان آباد۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہ ان مختلف الاسم مقامات پر حکمراں رہے اور یہیں سے احکام دفرامین شاہی نفاذ پذیر ہوتے تھے اور اسی شہر کے نام کے ساتھ سلطنت وابستہ تھی۔ اس کتاب میں دہلی کے آثار قدیمہ کی تاریخ جد ھشٹر کی دار السلطنت اندرپت سے لے کر ۱۳۰۰؁ قبل مسیح میں بھی تا زمانہ حال ہے۔ دہلی کی اسلامی عمارات قدیمہ کو بلحاظ طرز تعمیر کے آٹھ عنوانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ہر طرز اس کے بانی کے نام سے منسوب ہے جو اپنی اپنی وضع قطع میں دوسرے سے ممیز ہے اور جوں جوں زمانہ بڑھتا گیا ہے ان کی خوبیاں بھی رفتار زمانے کے ساتھ ترقی کرتی چلی گئی ہیں۔ دہلی کی عمارات قدیمہ درحقیقت اصلی نمونہ ہیں جن کا تتبع جونپور۔ بیجاپور۔ مانڈو اور مالوہ وغیرہ مقامات پر کیا گیا ہے۔ اور بحالت موجودہ ستر میل کے قطر میں دہلی کی بکھری ہوئی عمارات کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ اہل ہنود کی عمارات میں ہم اسی قسم کی تفریق و تقسیم کرنے سے اس وجہ سے قاصر ہیں کہ اُن کے زمانے کی کوئی مکمل عمارت بہ حیثیت اصلی یا اس کے قرب وجوار میں اب باقی نہیں رہی:-

مسلمانوں کی عمارات قدیمہ کی تقسیم بلحاظ نوعیت

(۱) غزنی	سنہ ۱۰۰۱ء تا ۱۱۹۱ء	(۲) ترکی	سنہ ۱۱۹۱ء تا ۱۲۹۰ء
(۳) خلجی	سنہ ۱۲۹۰ء تا ۱۳۲۰ء	(۴) تغلق	سنہ ۱۳۲۰ء تا ۱۴۵۱ء

(۵) افغان ۱۴۵۱ء تا ۱۵۵۵ء　　(۶) دورِ اولیٰ مغلیہ ۱۵۵۵ء تا ۱۶۲۸ء
(۷) دورِ اوسط مغلیہ ۱۶۲۸ء تا ۱۷۰۷ء　　(۸) دورِ آخر مغلیہ ۱۷۰۷ء تا ۱۸۵۷ء

(۱) غزنوی دور کی کوئی عمارت ہندوستان میں اب موجود نہیں ہے۔ شہاب الدین غوری نے حملوں کے بعد اپنی کوئی یادگار عمارات کی شکل میں ہندوستان میں نہیں چھوڑی۔ رہے وہ مینار جو اس عہد کے غزنی میں ہیں اُن کی نسبت اکثر ماہرین کی رائے ہے کہ قطب مینار جو دلی کے جنوب میں تقریباً گیارہ میل پر واقع ہے وہ اُنھیں کے نمونے اور طرز پر بنی ہے اور اس لحاظ سے غزنی کے مینار آثار قدیمہ کے نقطۂ خیال سے ایک بہت قابلِ قدر یادگار ہے۔

(۲) ترکی پٹھانوں کے عہد کی عمارتوں کا طرز نوکدار محرابیں مسجد کے سامنے کی اونچی اونچی دیواریں تھیں جس کا نمونہ مسجد قوت الاسلام۔ قطب مینار۔ سلطان التمش (قطب) اور سلطان غازی (مہپال پور) کے مقبرے ہیں :-

(۳) مذکورۂ بالا طرز سے زیادہ نازک اور نفیس کام خاندان خلجیہ کا ہے جس کا طرز گھوڑے کے نعل کی شکل کی محرابیں مکلف نقش و نگار اور آرایش جس کا سب سے بہتر نمونہ علائی دروازہ قطب میں موجود ہے جو خاندان خلجیہ کے بہت بڑے بادشاہ علاء الدین محمد ثانی کا بنوایا ہوا ہے۔ مزید برآں مسجد قوت الاسلام کی اُن توسیعات سے جو اس بادشاہ کے عہد میں ہوئی ہیں کچھ اندازہ اس بادشاہ کی بلند نظری اور ہمت اور عمارات کی ساخت کا کیا جا سکتا ہے :-

(۴) خاندان تغلق۔ سٹکو (رنگین پچیکاری) کے استرکاری کئے ہوے گنبد۔ نمونہ اس کا خود تغلق آباد کا شہر ہے جس کو اس خاندان کے پہلے بادشاہ غیاث الدین نے چار برس میں بنا کھڑا کیا۔ اس کے علاوہ خود اس بادشاہ کا مقبرہ اس طرز خاص کا عمدہ نمونہ موجود ہے۔ یہ تو اوائل زمانے کی عمارتیں ہیں بعد کا طرز دیکھنا ہو تو فیروز آباد۔ کلاں مسجد خاں جہاں۔ کھڑکی اور بیگم پوری کی مساجد دیکھیے۔

(۵) افغانوں کے عہد کا طرز یہ تھا کہ پتلی اور سیدھی دیواریں۔ لمبے اور ہشت پہلو گردنوں کے گنبد۔ پھر آگے چل کر سور خاندان نے رنگ آمیزی کے کام چینی کی رنگین اینٹوں اور کھپرول کا رواج دیا۔ سٹکو کے طرز کی استرکاری چھوڑ کر رنگ برنگ کے پتھر جڑے جانے لگے جیسے خیر پور کے لودھیوں کے مقبرے موٹھ کی مسجد۔ پرانا قلعہ (اندرپت) جسمیں مسجد قلعۂ کہنہ بھی شامل ہے۔

(۶) مغلوں کا ابتدائی زمانہ جس سے مراد دور اکبری و جہانگیری ہے۔ اس کا طرز لمبی مدور گردنوں کے ایرانی طرز کے گنبد ہیں۔ اس عہد میں کثرت سے چینی کی رنگ برنگ کی اینٹوں کا استعمال کیا گیا ہے۔ دور اکبری

اور جہانگیری کی عمارات کے بہترین نمونے تو آگرے اور فتح پور سیکری میں ہیں رہی دلی یہاں ہمایوں کا مقبرہ اور نیلا برج اس طرز کا نمونہ ہیں۔ مغلیہ دور درمیانی شاہ جہاں جیسے گرامی قلندر بلند مرتبہ شایق عمارات بادشاہ کا دور ہے۔ لال قلعہ مع محلات متعلقہ۔ جامع مسجد۔ فتح پوری مسجد اس کے عہد کی بڑی بڑی عمارات ہیں اورنگ زیب کے زمانے کی عمارات بھی اسی عنوان کے تحت میں آئی ہیں جس کا نمونہ قلعہ کی موتی مسجد اور زینت المساجد ہیں۔

مغلوں کا دور آخری۔ رنگین پتھروں کی پچیکاری اور منبت کاری اور چینی کی رنگین اینٹیں جس کا نمونہ صفدر جنگ کا مقبرہ ہے جو عمارات دہلی کے لمپ کی آخری بھڑک کہلاتا ہے اس کے علاوہ تینوں سنہری مسجدیں اور مہرولی کی موتی مسجد یہ بھی اسی دور آخری کی باقیات الصالحات ہیں۔

جن جن عمارتوں پر کتبے نہیں یا اُن کی تاریخ بنا ٹھیک نہیں ملتی وہاں اُس عمارت کو اس بادشاہ کے زمانِ سلطنت سے متعلق کیا گیا ہے جس کے عہد میں کہ وہ بنی تھی ایسی صورت میں تعین سال بنا البتہ ایک قیاسی امر ہے۔ اور جہاں اس کا بھی پتہ نہ چل سکا کہ فلاں عمارت کس بادشاہ کے عہد میں بنی تھی تو وہاں طرز وساخت عمارت پر سے قیاس دوڑایا گیا ہے یا یہ کہ مقامی روایات پر بھروسہ کرنا پڑا ہے۔ بعض عمارات کو ہم نے دور آخری مغلیہ کا بتلایا ہے اُس سے اورنگ زیب کی سلطنت کا زمانہ آخر ۱۷۰۷ء اور غدر ۱۸۵۷ء کا درمیانی زمانہ سمجھنا چاہیئے۔

اس کتاب میں بعض مساجد اور مندر بالکل معمولی حیثیت کے بھی درج ہوئے ہیں جن میں کوئی خاص تاریخی دلچسپی کی بات نہیں ہے لیکن ممکن ہے کہ آگے چل کر اُن کے متعلق کوئی مزید حالات معلوم ہو کر بکار آمد ہو جائیں اس لیئے اُن کا قلم بند کر لینا بھی خالی از مفاد نہیں۔

جن جن لوگوں کا ذکر جا بجا آگیا ہے اُن کی مختصر سوانح عمری بھی ساتھوں ساتھ لکھدی گئی ہے۔ بڑی غرض اس سے یہ ہے کہ جس کی جو عمارت ہے اُس کا کچھ حال تو معلوم رہے تاکہ عمارت کی بنا کی غرض اور دیگر حالات متعلقہ پر کچھ روشنی پڑے۔ مگر بڑی مشکل یہ آن پڑی کہ ان بزرگواروں اور نامور لوگوں کے حالات ایسے دلچسپ ہیں کہ ضروری باتوں کو چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا اور سب لکھو تو طول ملال کا اندیشہ ہے بہر حال بادلِ ناخواستہ جہاں تک ممکن ہوا اختصار کو مدنظر رکھا ہے۔

چہ برخیزد از دستِ کردارِ من
مگر دستِ لطفت شود یارِ من

شکریہ

قبل اس کے کہ دیباچہ ختم کیا جائے - مجھپر فرض ہے کہ عالی جناب معلی القاب آنریبل ہیلی صاحب بہادر بالقابہ چیف کمشنر صوبۂ دہلی کا دلی شکریہ نہایت ادب سے ادا کروں کہ جن کے ارشاد کے موافق یہ ناچیز کتاب لکھی گئی ہے اور جنہوں نے شروع سے آخر تک اسکی تدوین و ترتیب میں پوری دلچسپی لی اور جس طرح کی مدد مجھے درکار ہوئی بہ کشادہ پیشانی دی - جناب کرنل بیڈن صاحب بہادر ہمارے شہر کے ڈپٹی کمشنر کو شہر دہلی سے خاص شغف ہے اُن کی اوقات گرانمایہ کا بہت بڑا حصہ رفاہ عام اور بہبودیِ خلایق میں صرف ہوتا ہے - جناب ممدوح چونکہ ہمارے حاکم ہیں اُن کا شکریہ بھی کسی طرح مجھپر کم واجب نہیں ہے کہ دلی کی موجودہ رونق کا سہرا اُنہیں کے سر پر ہے - اس کے بعد جناب مولوی ظفر حسن صاحب بی - اے - اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ آثار قدیمہ دہلی کا میں از بس ممنون ہوں کہ اُن کو میں نے بہت زیادہ گھیرا اور بار بار تکلیف دی کیونکہ وہی ایک صاحب ہیں جن سے میں اپنی معلومات میں عمدہ اضافہ کر سکا ہوں اور ایمان کی بات یہ ہے کہ اُنھوں نے کبھی مجھے مدد دینے سے دریغ نہیں کیا - باقی اور کسی صاحب کا میں رتی برابر شرمندۂ احسان نہیں -

شکایت

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تم کو بے مہریِ یارانِ وطن یاد نہیں

گو کہ دلی میں ایسے کئی صاحب موجود ہیں جن سے ہر طرح کی مدد کی توقع تھی میں کسی سے روپے پیسے کا طالب نہ تھا میں تو صرف اُن سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا جن کو وہ بہت آسانی سے دے سکتے تھے مگر اُن کی طبیعت کے بخل نے اس پر بھی آمادہ نہ کیا - یہ اُن لوگوں میں ہیں جو نہ خود کچھ کریں نہ دوسرے کو کرتے دیکھ سکیں - ایسوں کا نام بھی لینا بے کار ہے ؎

نہ خود خورد نہ کس دہد
گندہ کند بسگ دہد

معذرت

کتاب جس محنت اور کاوش سے لکھی گئی اُسکی شاہد خود کتاب ہے جس کے لیئے اردو فارسی - انگریزی کی بیسیوں کتابیں الٹنی پڑیں جنکی فہرست علیحدہ پیش کی جاتی ہے - اس سے میری محنت اور تفتیش کا اندازہ کیا جا سکتا ہے - اس کے علاوہ اکثر

مقامات کو خود بھی جا جاکر دیکھنا پڑا کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ - خدا کرے کہ پبلک کی پسند آئے تو بس ساری محنت راحت ہی ورنہ کیا دھرا سب اکارت - ہم نہایت افسوس سے دیکھتے ہیں کہ لوگوں کی نگاہ زیادہ تر عیب چینی کی طرف جھکی ہوئی ہوتی ہی - بے عیب ذات خدا کی - اتنی بڑی کتاب کی نسبت اغلاط سے پاک ہونے کا دعویٰ کرنا مستحیلات کو ممکنات کا لباس پہنانا ہی مگر اپنی طرف سے تو کوئی دقیقہ کتاب کے دلچسپ بنانے کا اٹھا نہیں رکھا گیا اب میری شرم خدا کے ہاتھ ہی - جن لوگوں کی نظر محاسن سے چشم پوشی کرکے اسقام کو چمکاتی ہی ان سے تو یہ غرض ہو کہ :-

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب ست		گل ست سعدی و در چشم دشمناں خار ست	

لیکن جو لوگ تصنیف و تالیف کی مشکلات سے واقف ہیں ان سے توقع ہی کہ وہ چھوٹی موٹی فروگزاشتوں سے لازمۂ بشریت خیال فرماکر چشم پوشی فرمائیں گے اور اصل غرض و غایت جو کتاب کے لکھنے کی ہی اس سے اپنی معلومات کو بڑھائیں گے :-

بپوش چشم خود از عیب تا شوی بے عیب
کہ عیب پوش کساں عیب پوش خود باشد

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ

وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى

اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ -

دہلی - مارچ ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۹ء حررہ

بشیر الدین احمد عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

دہلی اور اندرونِ شہر کی عمارات کا بیان

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کم تر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را

اندرپرستھ یا اندرپت
تخمیناً (۱۴۵۰) برس قبل مسیح

دہلی کے آثار قدیمہ کے حالات لکھنے کے بیان کے ہم کو راجہ جدھشٹر کے بہت قدیم زمانے کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جو حضرت مسیح کے پندرہ سو برس قبل جا پڑتا ہے۔ دہلی کی کوئی سی یادگار یا اسی نام کے جو شہر یکے بعد دیگرے آباد ہوتے اور اجڑتے گئے انکی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی جب تک اُس پرانے اور سب سے قدیم شہر کا ذکر نہ کریں جس میں دہلی کی داغ بیل گری ہے یعنی راجہ جدھشٹر کا بنایا ہوا شہر اندرپرستھ جو کچھ عرصے تک اسی راجہ کا دارالسلطنت تھا اور پھر پانڈو خاندان کے پہلے راجاؤں کے زمانے میں دوسرے درجے کا شہر رہا اور اس کے بعد شمالی ہند کا دارالسلطنت بنا۔

اندرپرستھ کی تاریخ یا وہ واقعات جو اس شہر کے متعلق قابل اعتبار ہیں اُن کا ذکر اندرپت مہاتم اور ہندوؤں کی مشہور کتاب "مہابھارت" میں درج ہیں جس نے پانڈو اور کوروؤں کی لڑائی کو غیر فانی بنا دیا ہے۔ پانڈو اور کورو دونوں قرابت قریبہ رکھتے تھے جو اس زمانے میں سارے ہندوستان پر حکمران تھے لیکن آگے چل کر ان میں جھگڑے و فساد پڑ جانے سے ان دونوں نے اپنی ساری

طاقت اور شجاعت اور دلاوری کو "بھارت ورش" یعنی ہندوستان پر تفوق حاصل کرنے کے لئے آپس میں تقسیم کر لیا۔ ایک زمانے ایک راجہ **دشینت** نام کا تھا۔ جس نے ایک رشی کی لڑکی **شکنتلا** سے شادی کر لی تھی جس سے ایک لڑکا **بھارت** نام پیدا ہوا جس نے اس ملک کو جواب ہندوستان کہلاتا ہے فتح کیا جس کا نام "بھارت ورش" یعنی بھارت کا ملک پڑا۔ **ہستن** بانی **ہستناپور** اسی بھارت کا بیٹا تھا اور ہستن کا بیٹا کورو تھا اور کورو کا بیٹا شانتنو تھا یہی کورو بھارت کی لڑائی لڑنے والوں کا دادا تھا۔ شانتنو کے ایک بیٹا دیوی **گنگا** سے پیدا ہوا جس کا نام **ستیہ ورت** تھا۔ اس کے علاوہ دو بیٹے **ستیاوتی** سے بھی تھے شانتنو کی وفات کے بعد اس کا جانشین اس کی دوسری بیوی کی اولاد ہوئی کیونکہ پہلی بیوی کے لڑکے شانتنو والے ایک بڑا بھاری عہد کر لیا تھا جس کی وجہ سے اس نے "بھیشم" کے نام سے شہرت پائی جس کے لغوی معنے "ڈراونے" کے ہیں اور وہ عہد یہ تھا کہ وہ راج سے خود کنارہ کش ہوا اور اپنے سوتیلے بھائیوں کے لئے جگہ خالی کر دے چنانچہ بھیشم کا بڑا سوتیلا بھائی ہی باپ کا جانشین ہوا۔ اور جب کوہ ہمالیہ کی ایک پہاڑی قوم سے لڑنے میں وہ مارا گیا تو اس کا چھوٹا بھائی **وچترویریا** جانشین ہوا۔ وچترویریا نے **کاسی** کے راجہ کی لڑکی سے شادی کی تھی لیکن لاولد فوت ہوا جس کے بعد رانی کے کسی قرابت دار قریبہ **ویاس** نامی نے ہستناپور کی تخت نشینی کے واسطے اپنے بیٹوں کو پیش کیا۔ اس کے تین لڑکے تھے ایک کا نام **دھرت راشٹر** تھا مگر وہ اندھا تھا اور دوسرے کا نام **پانڈو** تھا مگر وہ نحیف الجثہ تھا اور تیسرا لڑکا ایک باندی کے پیٹ سے تھا جس کا نام **ودر** تھا ان تینوں لڑکوں میں سے ایک اندھا ہونے سے اور دوسرا باندی زادہ ہونے سے محروم رہے اور پانڈو تخت نشین ہوا۔ پانڈو کے دو بیویاں تھیں۔ ایک **کنتی** (سورا کی بیٹی جو کرشن کا دادا تھا) دوسری مادری۔ کنتی کے تین بیٹے تھے **یدھشٹر**۔ بھیم۔ ارجن اور مدری کے دو لڑکے **نکل** اور **سہدیو** تھے پانڈو کے مرنے کے بعد دھرت راشٹر۔ بھارت ورش کا راجہ ہوا جس نے رانی **گاندھاری** سے شادی کی جس سے بہت سی اولاد ہوئی اور یہ سارے کا سارا خاندان اپنے مورث کے نام پر کورو اور پانڈو کی اولاد پانڈو کہلانے لگی۔ دھرت راشٹر کا بڑا لڑکا **دریودھن** تھا۔ اس کے بھائیوں میں سب سے سربرآوردہ **دشاسن** ایک بھائی تھا اور اسی طرح کورو اور پانڈو ہستناپور میں رہتے تھے۔ ان دونوں خاندانوں میں کچھ کھٹ پٹ ہو گئی۔ دھرت راشٹر نے پانڈوؤں کو چند روز کے لئے **وارنا وت** چلے

جانے کی صلاح دی اور کہا پھر چند روز میں میں تم کو بلالوں گا چنانچہ حسب وعدہ چند روز کے
بعد ان کو ہستناپور بلا بھی لیا۔ لیکن پھر کچھ عرصے بعد دھرت راشتر نے پانڈؤں سے کہا
کہ تم کھانڈو پرستھ کو جاکر راج کے اس حصے پر جو تمہارا ہی قبضہ کرلو۔ چنانچہ یدھشٹر اس
خطۂ ملک پر چلا گیا جو جمنا کے دریا کے کنارے ہی اور اتنے بہت سے لوگ جمع کرکے یہاں
ایک شہر ایسا بڑا شہر بسایا کہ گویا وہ اندر کا شہر تھا اور اسی سبب سے وہ اندر پرستھ
کہلانے لگا۔ اب اس جگہ سے جہاں کسی زمانے میں اندر پرستھ شہر تھا جمنا ایک میل ہٹ گئی ہی۔
لیکن وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف روایات ہیں کوئی تو کہتا ہی کہ یہ شہر راجہ اندر ہی کے نام پر
بسایا گیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ نہیں راجہ اندر نے اس مقام پر پراستھ دیا تھا۔ پراستھ
دونوں لب بھر کے اڑتالیس لب خیرات کرنے کو کہتے ہیں۔ ماہرین علم الالسنہ پروفیسر
ولسن کے قول سے استناد پکڑتے ہیں کہ اندر پرستھ کے معنے اندر کا میدان ہی۔
پرستھ کے لغوی معنے ہیں شے گستردہ یا جو چیز وسیع کردی جائے اور اسی وجہ سے کھلے میدان
پر اس کا اطلاق ہوتا ہی۔ جیسا کہ اب تک عوام کی زبان پر اندرپت اندر کا کھیڑا چڑھا ہوا ہی۔
جنرل کننگھم صاحب نے بڑی چھان بین کے بعد یہ رائے قایم کی ہی کہ اندر پرستھ کی بنا ۱۴۵۰
قبل مسیح یا اسی کے لگ بھگ پڑی اور ہندوؤں نے جو دلی کو اس سے زیادہ قدامت دے کے
پانچ ہزار برس سے بھی زیادہ کا کھوج لگایا ہی وہ بمقابلہ جنرل صاحب کی باقاعدہ تحقیقات
کے زیادہ وثوق کے قابل نہیں سمجھا جا سکتا۔ اب اس بات میں بھی اختلاف ہی کہ ہستناپور
کی جگہ اندر پرستھ کب قایم ہوا۔ ہستناپور (بقول ولفورڈ صاحب مہا بھارت کی لڑائی سے
چھٹی یا آٹھویں پشت میں) راجہ دستوان (یدھشٹر کے بعد ساتویں راجہ) کے زمانے
میں گنگا کی طغیانی سے غرق آب ہوگیا تھا۔ اس لیے راجہ دستوان کو ملک دکن میں راج دھانی
کے لیے کسی اچھے اور موزوں مقام کی تلاش تھی اور وہ اسی ادھیڑ بن میں کچھ دنوں دکن میں رہا
بھی مگر آخر کار اندر پرستھ کو آکر اسی مقام کو پانڈوؤں کی دارالسلطنت بنایا۔ وشنو پران
کے موافق رنجاکرا (یدھشٹر کے بعد چھٹے راجہ) نے ہستناپور گنگا کی طغیانی سے تباہ ہوجانے
سے اپنی دارالسلطنت کنو سمبی کو تبدیل کردی۔ ان روایات کا ماحصل یہ ہی کہ پانڈوؤں کی دارالسلطنت
ہستناپور سے اندر پرستھ کو تیرھویں صدی قبل مسیح کے کسی حصے میں (جو راجہ دسٹوان کا
زمانہ ٹھیرتا ہی) منتقل ہوئی۔ یدھشٹر سے لیکر کشیمکا تک جس کو قبل مسیح برابر تیس پشتیں گزریں

(یعنی پندرھویں سے ساتویں صدی قبل مسیح تک) اندرپرستھ مسلسل پانڈوؤں کی راجدھانی رہا اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ جب وِسروا (آخری پانڈو راجگان کا وزیر افواج جو اُن کا قرابت دار بھی تھا) نے سلطنت چھین لی تو اندرپرستھ (جو شمالی ہندوستان میں تھا) کا عروج کم ہوگیا لیکن پھر اس کے بھی تین خاندانوں تک اندرپرستھ ہی مسلسل دارالسلطنت رہا یعنی وِسروا خاندان کے چودہ نفر اور گوتم کے پندرہ اور موریا کے نو حکمراں رہے جن میں کا آخری راجہ راج پال یا رنگ پال نے کماؤں پر چڑہائی کی اور شکست پائی اور کماؤں کے راجہ سکونتا کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس طرح اندرپرست اُس رج میں شریک کرلیا گیا۔ بارہ برس کے بعد سکونتا کی باری آئی اور اُجین کے راجہ بکرماجیت نے اُسے مارکر نہ صرف پانڈوؤں کے خاندان کا خاتمہ کردیا بلکہ یدھشٹر کا سمت بھی موقوف کردیا۔ راجہ کماؤں کی فتح کے پہلے سے ہی اندرپرستھ کی پہلی سی عظمت اور شان و شوکت باقی نہ رہی تھی۔ طاقت ور گپتا خاندان کے عہد میں شمالی ہند کا سربرآوردہ شہر پالی بوتھرا تھا۔ یونانی مورخین اگرچہ کم وبیش شمالی ہند سے واقف تھے لیکن پھر بھی ان کو اندرپرستھ کے وجود کا حال معلوم نہ تھا۔ آرین (Arrian) مورخ متھرا کا تو تذکرہ کرتا ہے جس کے نام میں آج تک کوئی تغیر نہیں ہوا لیکن اُس نے بھی اندرپرستھ کا ذکر نہیں کیا اور نہ فیبین (Fabian) نے اس کا کچھ ذکر کیا حالانکہ وہ ۳۵۲ ق م۔ میں کابل سے متھرا تک آیا تھا۔ کرنل ٹاڈ نے پانڈوؤں کے خاندان کے تذکرے میں اندرپرستھ اور دہلی کا تذکرہ کیا ہے گویا کہ یہ دونوں ایک ہی شہر تھے اور یہاں کے حکمراں کا نام بھی سنتنو بتلایا ہے حالانکہ دلّی کے نام کا وجود بھی اُس وقت تک نہ تہا۔ بلکہ سنتنو کی زمان سلطنت کے کئی صدیوں کے بعد دلّی کا نام زبان پر آیا ہے۔ اندرپرستھ کی بنا کی نسبت تعین زمانہ میں جو کچھ شک و شبہ ہو سو ہو لیکن اُس کے موقع کے تعین میں تو کوئی ایسا ابہام نہیں ہے ہم نے جو مقام اندرپرستھ کا ٹھیرایا ہے اُسکا تعین عمارت ہائے منہدمہ یا کسی اور موجودہ نشان کی بنا پر تو ہے نہیں بلکہ محض روایات پر اُس کا دارومدار ہے۔ چنانچہ پنڈت بشمبرناتھ صاحب نے دہلی لٹریری سوسائٹی میں ایک پرچہ دیا تھا جس میں اُنھوں نے اس امر کی وضاحت کی تھی کہ اندرپرستھ کی حدود موضع او کھلے سے لے کر موضع براری تک تھیں۔ مسٹر وھیلر کہتے ہیں کہ قطب روڈ کی جانب علامات حدود زیادہ نمایاں

سلہ سرسید نے کماؤں کے راجہ کا نام راجہ بھگونت (کرپی) لکھا ہے جو بکرماجیت کی لڑائی میں مارا گیا۔ ۱۲

ہیں کیونکہ بیشمار ویران ٹیلوں ۔ ہزارہا برس کے ڈھیروں کا سلسلہ برابر چلا جاتا ہی یہ سب ڈھیر انہیں دارالسلطنتوں کی منہدمہ عمارت کے ہیں اور قدیم زمانہ تاریخ کیفیت کے ہیں ۔ اور روایات علی التواتر بتلا رہی ہیں کہ سارے کے سارے ملبوں کے انبار کے انبار پانڈو خاندان کے راجاؤں کے اجڑے ہوئے شہر اندرپرستھ کے ہیں ۔ لیکن ہمارے پاس سوائے زبانی روایتوں کے اس امر کا اور کوئی وثیقہ نہیں ہی" اسی طرح کرنل ٹاڈ نے بھی بلا کسی قسم کی تائید مزید کے جب کہ وہ صفدر جنگ کے مقبرے میں ٹھیرے ہوئے تھے لکھا ہی کہ "یہ مقبرہ جو دہلی کی آبادی سے کئی میل کے فاصلے پر ہی خود اندرپرستھ کے ویرانے کے اندر واقع ہی" پرانے پالی بوتھرا کا تو کہیں پتہ ہی نہیں ملتا کہ کس سرزمین پر تھا لیکن ہاں بمقابلے اس کے ہستنا کے شہر کا پتہ چلتا ہی جس کی نسبت کہا جاتا ہی کہ طول میں اسی فرلانگ اور عرض میں پندرہ فرلانگ تھا جس کی اطراف اتنی بڑی خندق تھی جس کا پھیلاؤ چھ ایکڑ اراضی میں تھا اور گہرائی اس خندق کی ۴۲ کیوبٹ[۱] تھی ۔ فصیل کے (۵۷۰) برج اور (۶۴) دروازے تھے ۔ خندق شہر کی محافظت بدررو کے پانی اور کوڑے کرکٹ کے لیئے بنائی گئی تھی ۔ جس مقام پر اندرپرستھ کی آبادی کہی جاتی ہی وہاں کے انبار اور ملبہ اتنا پرانا کہ ہزارہا سال کا کہا جا سکے نظر نہیں آتا بلکہ بات یہ ہی کہ اس جگہ کئی ایک شہر یکے بعد دیگرے بسے اور اجڑے اجڑا بھی گئے تو اب کیونکر اس مقام کی تخصیص کی جا سکتی ہی جہاں کہ اندرپرستھ کی آبادی تھی ۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اندرپت نام گاؤں جو اب تک موجود ہی اور جس کے اطراف فصیل ہی یہ مقام شہر اندرپرستھ کے اندرونی حصے کا ایک باقی ماندہ ٹکڑا ہی ۔ لیکن اس سے بھی ہماری تشفی نہیں ہوتی اور اندرپرستھ جیسے قدیم شہر کے صحیح حدود کا اس زمانے میں اندازہ کرنا بالکل قیاس کے تکّے چلانے ہیں ۔ عام خیال ہی کہ اندرپرستھ کا شہر موضع اندرپت کے وسیع میدان میں تھا جو شمالاً دلی دروازے تک پھیلا ہوا تھا جنرل کننگھم نے ہمایوں کے مقبرے کو اندرپرستھ کی جنوبی حد قرار دیا ہی اور شمالی حد فیروز شاہ کا کوٹلہ لیکن اس میں یہ خرابی آن پڑی ہی کہ نگمبود کا متبرک گھاٹ جو مدعی شرط کے بسائے ہوئے شہر کا جزو اعظم تھا اندر نہیں آتا ۔ کار سٹیون صاحب اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ "اندرپرستھ کی شمالی حد موجودہ دلی کے شمالی اور جنوبی حدود کے درمیان تھی اور روایت کے لحاظ سے اس کا موقع دریبے کا بازار شمالی مشرقی سرا قرار پاتا ہی جو وسط شہر میں ہی" بہرحال کوئی بات ٹھکانے کی دل کو لگتی سمجھ میں نہیں آتی ۔ جتنے منہ اتنی ہی باتیں وثوق کے ساتھ دوٹوک رائے قائم

---

[۱] اٹھارہ انچ کا ایک کیوبٹ ہوتا ہی ۔ ۱۲

کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی سودا ہی نہیں غیب کی باتیں خدا ہی جانے۔ اور جب یہ حالت ہو تو اس سوال کا جواب کیا دیا جاسکتا ہو کہ اندر پرستھ لال کوٹ کے برابر تھا یا پرتھی راج کے قلعے سے چھوٹا۔ مسٹر وصلیر نے جو کیفیت ہستناپور کی لکھی ہو وہ من وعن اندرپرستھ پر بھی صادق آتی ہو:۔ ہستناپور چند پھوپڑوں کا ایک شہر تھا جس میں کچھ اینٹ کے مکان بھی تھے اور ایک محل بھی اینٹوں ہی کا بنا ہوا تھا وہ بظاہر مستحکم و مضبوط تھا۔ اس میں زیادہ تر آبادی کاشتکاروں مزدوروں۔ پیشہ وروں۔ چرواہوں اور چھوٹے چھوٹے دکان داروں اور امراء کے ہمراہیوں کی تھی" اندر پرستھ میں جو کچھ تغیر ہوا۔ ہوتے ہوتے ان کی تفصیل تو مہابھارت میں ہو مگر اصل شہر کا بیان کچھ بھی نہیں۔ راج سُویا (خود مختار سلطنت کا اعلان) میں جب کہ بڑے بڑے مہمان بلائے گئے تھے اس میں بڑے بڑے دو منزلہ عالی شان مکانوں کا ذکر کیا گیا ہو جن کے بناتے سنوارنے اور آراستگی کے بیان میں بہت مبالغے سے کام لیا گیا ہو کہ اندر پرستھ کا سارا شہر وید مقدس کے گیتوں کے گانے سے گونج اٹھا تھا اور جو عجائبات اور غرائبات اس موقعے پر دکھلائے گئے ان سب کا ذکر ہو لیکن تعجب ہو کہ نفس شہر کی نوعیت کا کچھ بھی ذکر نہیں۔ یدھشٹر کی مختصر کامیاب کے زمانے میں اندر پرستھ کی چہل پہل اور رونق نے ہستناپور کو جو ممالک محروسہ میں دوم درجے کا شہر تھا بالکل بٹھا دیا ہوگا۔ مہابھارت کی لڑائی کے بعد یدھشٹر مظفر و منصور بھارت ورش کی دارالسلطنت ہستناپور میں داخل ہوا اور یہیں اس نے گھوڑے کی قربانی جو اشومیدھ کہلاتی ہو اور اسی جگہ راجہ یدھشٹر نے اپنی سلطنت کی اس طرح تقسیم کی کہ ہستناپور تو اس نے ارجن کے بیٹے پرکشت کو دیا اور اندرپرستھ و حضرت رہشٹر کے بیٹے جُجُتو سو کو دیا۔

نگمبودھ گھاٹ اور دروازہ

بربنائے روایت جمنا کے کنارے دو مقام ایسے بتلائے جاتے ہیں جو قدیم اندر پرستھ کی باقی ماندہ یادگار ہیں۔ ایک تو نگمبودھ گھاٹ اور دوسرے نیلی چھتری کا مندر۔ یدھشٹر کے زمانے میں اس گھاٹ کی کیا حالت تھی خدا ہی بہتر جانتا ہو جس کے دستِ قدرت میں سلطنتوں کا قلع قمع ہو۔ لیکن یہ جو کہا جاتا ہو کہ گھاٹ سلیم گڈھ سے ملا ہوا تھا اور اُس زمانے کے دلی شہر کے نگمبود دروازے کے پاس تھا صحیح معلوم ہوتا ہو۔ گھوڑے کی قربانی کے بعد اسی جگہ راجہ یدھشٹر نے "ہوم" کی رسم ادا کی تھی۔ ہوم اہل ہنود کی ایک بڑی بھاری اور متبرک مذہبی تقریب ہو جس میں دیوتاؤں کو گھی شکر کاری اور جڑی بوٹی

نقشۂ گھاٹ بگنوو

چڑھائی جاتی ہے۔ اہل ہنود کے معتقدات کے موافق پانچ ہزار برس گزرے کہ برہما کیایک تمام مقدس کتابوں کے مضامین بھول گیا مگر جوں ہی اُس نے جمنا جی میں غوطہ لگایا سب باتیں جوں کی توں اُسے از بر اور تازہ ہوگئیں اور یہی نگمبودھ کی وجہ تسمیہ ہے۔ نگم سے مراد ہے وید اور بودک بہ معنی علم۔

اب اس گھاٹ پر قدیم زمانے کی کوئی عمارت بھی باقی نہیں ہے اور جو ہیں وہ زمانۂ حال یعنے ڈیڑھ سو برس کے اندر اندر ہی کی ہیں۔ ۱۷۶۳ء میں ہندوؤں کو یہاں عمارتیں بنانے کی اجازت دی گئی تھی اور نگمبودھ دروازے سے شمال رخ پر گیلا گھاٹ کی وہی عمارتیں ہیں جو کوئی تیس گز تک اور جنوب کی طرف دریا کے موڑ تک موجود ہیں جہاں پہلے **کلکتہ دروازہ** تھا۔ کلکتہ دروازہ بھی اب نہیں رہا بلکہ اُس کو توڑ کے ریل کی سڑک کے دو کنگورے بنا دیئے ہیں اور ایک تختی لگا دی ہے جس پر انگریزی میں:-

Former site of Calcutta gate 1852

یعنے کلکتہ دروازے کی جائے سابقہ ۱۸۵۲ء لکھا ہے۔ نگمبودھ دروازہ شہر کی فصیل میں اپنی اصلی حالت پر موجود ہے اور اُس پر اُس کا نام کندہ کر دیا گیا ہے۔ نئے گھاٹوں چھوٹے چھوٹے پختہ سنگین منڈپ بنے ہوئے تھے جن کی دو جانب دیواریں تھیں اور دریا کی طرف سیڑھیاں یہ منڈپ کچھ مسلسل یا باقرینہ نہ تھے۔ کوئی چھوٹا کوئی بڑا۔ بے ڈھنگی طور پر کہیں پاس پاس کہیں دُور دُور۔ اب گھاٹ اور منڈپ سب توڑ تاڑ کے برابر کر دیئے گئے۔ نہ ڈھنگ والے رہے نہ بے ڈھنگے۔ نگمبودھ دروازے کے جنوب میں مرگھٹ ہے جہاں اب تک مُردے جلائے جاتے ہیں اور مردے کو اس دروازے کا جو بہت مقدس ہے درشن دکھلایا جاتا ہے۔

۱۸۵۷ء کے غدر سے پہلے جہاں مُردے جلائے تھے اُس مقام کی دیوار کا نشان اب تک موجود ہے اب اس جگہ ایک احاطہ کھینچ کر محصور کر دیا گیا ہے۔ نگمبودھ گھاٹ پر روزانہ صبح کو ہندوؤں کا بڑا مجمع رہتا ہے ہر اتوار کو اور ہندی مہینوں کی چودھویں پندھرویں تاریخ اور جب تک سورج "ورگو" میں رہتا ہے اور کارتک کے پورے مہینے میں اور گرہن کے زمانے میں۔ دیوالی۔ دسہرے پر۔ رتھ جاترا جنم اشٹمی اور نرسنگ چودس پر یہاں بڑا میلا لگا رہتا ہے۔

نیلی چھتری
۹۴۹ھ
۱۵۳۲ء

نگمبودھ دروازے سے کوئی پانچ منٹ کے رستے پر بجانب جنوب لبِ دریا سلیم گڑھ کے شمالی دروازے اور بہادر شاہی دروازے

(جو دونوں اب ہند میں) سے کوئی تیس قدم کے فصل سے نیلی چھتری ہے۔ اِس کے قرب وجوار
میں ہوم یا یگ کرنے کے بعد راجہ یدھشٹر نے ایک مندر بنایا تھا جس کا اب صرف نام ہی نام
رہ گیا ہے۔ اب جو عمارت کھڑی ہے وہ تو یقیناً اُس زمانے کی نہیں ہے لیکن ہندو کہتے ہیں
کہ اصل مندر پانڈوؤں کے وقت بنا تھا اور ہمارا خیال بھی اسی کی تائید کرتا ہے کہ ہو نہ ہو یہ ہے مندر
ہندوؤں ہی کا کیوں کہ لب دریا اکثر اہل ہنود ہی کے معابد ہوا کرتے ہیں ہاں یہ بات دوسری
ہے کہ وہ اتنا قدیم نہ ہو کہ پانڈوؤں کے زمانے سے منسوب کیا جا سکے اور کسی زمانۂ مابعد میں
ہندوؤں نے بنایا ہے۔ اگر ہمارا یہ خیال صحیح نہیں ہے اور جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ہمایوں بادشاہ نے
یہ چھتری دریا کی سیر دیکھنے کے لیے بنا رہا بنائی تھی تو بھی یہ ماننا پڑے گا کہ اس چھتری پر جو چینی کی
اینٹیں لگی ہوئی ہیں ہو نہ ہو وہ ہندوؤں کے کسی اور مندر یا عمارت سے اُکھاڑ کر لگائی گئی ہیں
اور اسی سبب سے الٹ پلٹ جمائی گئی ہیں اور ان میں جو جانوروں وغیرہ کی مورتیں اب تک
بنی ہوئی موجود ہیں وہ بھی الٹ پلٹ ہیں کسی کا دھڑ کسی اور کے سر سے جوڑ دیا گیا ہے اور پھل پتوں کی
موزونیت میں بھی نقص آگیا ہے۔ زیادہ تر قرینِ قیاس یہی ہے کہ یہ ایک قدیم مندر ہنود کا تھا جیسا
فی زمانا بھی ہے اور ہمایوں بادشاہ نے اپنے عہد سنہ ۹۳۷ تا ۹۴۷ھ میں اُسے توڑ پھوڑ کر لب دریا ایک
تفرج گاہ بنائی ہو جس کی چھت کے گنبد پر کسی اور پرانی عمارت کی چینی کی اینٹیں لاکر جما دیں۔
پنڈت بشمبر ناتھ صاحب اور اُن کے ساتھ جنرل کننگھم کی رائے ہے کہ مندر کی موجودہ عمارت
مرہٹوں کی بنائی ہوئی ہے جو اُنھوں نے اپنے دلی کے چند روزہ قبضے کے زمانے میں بنوائی
تھی۔ سنہ ۱۰۲۰ھ میں جہانگیر بادشاہ دار الخلافہ آگرے سے کشمیر جاتے جاتے دلی تشریف لائے تو
اُنھوں نے اس مندر پر ایک کتبہ نصب کیا اور کشمیر سے دو برس بعد جب شہنشاہ حامی ملت والدین نے
مراجعت فرمائی تو یہ اظہار امتنان قدوم میمنت لزوم سے اس مقام کو عزت بخشی اور حکم صادر فرمایا کہ یہ اشعار کندہ کیے جائیں
اب یہ دونوں کتبے موقع پر نہیں ہیں خدا جانے کیا ہو گئے۔ لیکن آثار الصنادید میں موجود
ہیں جن پر سے ہم نقل کرتے ہیں:۔

کتبۂ اول

یافتاح
وقتی کہ بادشاہ ہفت کشور نورالدین
جہانگیر بادشاہ غازی از دار الخلافہ
آگرہ متوجہ سیر کشمیر جنت نظیر بودند
ایں مطلع را بر زبان الہام بیان گذرانیدند

اللہ اکبر
بہ عہد حضرت جہانگیر شاہ اکبر
عجب پر فیض جائے کامرانیست
نشیمن گاہ جنت آشیانیست
سنہ ۱۳ جلوس جہانگیری موافق ۱۰۲۴

کتبۂ دوم

یا ناصر
چوں آں شہنشاہ گیتی پناہ از کشمیر دلپذیر
مراجعت نمودند دریں مکان فیض رساں
نزول اجلال فرمودند حکم کردند کہ
ایں مطلع را نیز نقش نمایند

اللہ اکبر
ہمایوں شاہ ابن شاہ بابر
کہ اصل پاکش از صاحب قرانیست
سنہ ۱۶ جلوس مبارک
جہانگیری موافق سنہ ۳۰

خلاصۂ کلام یہ کہ موجودہ مندر کسی قدیم عمارت کی جگہ بنا ہوا ہی یہ مقام کسی وقت میں ہمایوں بادشاہ کا تفرج گاہ بھی رہا ہی۔ پھر یہ نہیں معلوم تھا کہ دوبارہ ہنود کے قبضے میں کس طرح اور کس وقت آیا۔ ہاں یہ ممکن ہی کہ مرہٹوں نے اپنے چند روزہ دور دورے میں اہل ہنود کے تفویض کر دیا ہو اور یہی عام خیال بھی ہی۔ اس سڑک پر سے جو سلیم گڑھ سے نیلی چھتری کو جاتی ہی صرف مندر کی راؤٹی نما چھت نظر آتی ہی۔ مندر کا پچھواڑہ سارے کا سارا سڑک کے پشتے میں دب گیا ہی اور چھت کی نری چوٹی ہی چوٹی دور سے جھل جھل کرتی ہوئی نظر آتی ہی۔ مندر چودہ فٹ مربع ہی جو ایک خوشنما اور چوڑے دو فٹ اونچے چبوترے پر واقع ہی۔ چھت کے اوپر نیلی زرد۔ سبز رنگ کی چینی کی اینٹیں لگی ہوئی ہیں جن میں بعض پر پھول بنے ہوے ہیں بعض پر چرند پرند شل گاے اور مور وغیرہ کی شکلیں اور انسانی تصویریں لیکن ایسے بے ڈھنگے پن اور لاپرواہی سے کسی نے ان اینٹوں کو جاپا ہی کہ آدمی کا دھڑ مور کی دُم سے جوڑ دیا ہی اور مور کی گردن کسی اور جانور سے ملا دی ہی کسی چڑیا کی دم کو لے جاکر پھول میں ٹھونس دیا ہی جس سے عجب دل لگی معلوم دیتی ہی۔ غرض کوئی اینٹ جگہ پہ نہیں ہی۔ میرے دیکھنے میں تو یہ بے تمیزی بھی اس عمارت کی کس مپرسی کی حالت میں ہوئی ہی ورنہ کیا ممکن تھا کہ ہمایوں جیسے جلیل القدر بادشاہ کی تو یہ تفرج گاہ اور جہانگیر جیسا نزاکت پسند وہاں خود گیا ہو اور اس بے ڈھنگے پن کو روا رکھا ہو۔ غالباً ہوا یہ ہی کہ چھت گر گئی ہوگی یا مرمت طلب ہوگئی ہوگی۔ اناڑیوں کے پلے پڑا یہ کام۔ اُنھیں اتنی تمیز بھی نہ تھی۔ اُنھوں نے اپنا سلیقہ دکھایا۔ جیسے کسی شیخ نے کہا تھا "جاٹ رے جاٹ تیرے سر پر کھاٹ" جاٹ نے کہا شیخ رے شیخ تیرے سر پر کولھو۔ شیخ نے کہا واہ تک سے تک تو ملا ہی نہیں۔ جاٹ نے گالی دے کر کہا پڑا نہ ملو بوجھوں تو مرے ہی گا۔ چبوترا جس پر ستون کھڑا ہی چاروں طرف نہیں ہی بلکہ اس کا پچھلا چوتھائی حصہ

سڑک میں آگیا۔ ستون کے اُس رُخ پر جو سڑک کی طرف ہو اُس پر بھی چینی کی رنگین اینٹیں لگی ہوئی ہیں اور دوسری طرف دریا کے رُخ پر بھی چمک دار رنگین پتھر لگے ہوئے ہیں جن پر پھول پتّے اور نقش و نگار ہیں۔ ستون کے مشرقی طرف زیادہ حصّے پر چینی کی اینٹیں منبت کام کی جڑی ہوئی ہیں اور جا بجا صاف اور مجلّی پتھر بھی لگے ہوئے ہیں اور مغربی رُخ پھولوں اور نقش و نگار کے پتھروں سے آراستہ ہو۔ مجھے تو یہ خواب کی باتیں معلوم دیتی ہیں وہ ستون تو ضرور ہو مگر بالکل سپاٹ نقش و نگار اور رنگ و نگ سب فق ہو۔ مندر سڑک سے اتنا نیچا ہو گیا ہو کہ بالکل حوض معلوم دیتا ہو پندرہ سیڑھیاں اُتر جب اُسکے صحن میں پونہچو۔ مندر کا ایک کمرہ ۱۴ فٹ مربع اور ۵۰ فٹ اونچا ہو۔ اب یہ حالت بھی قایم نہیں صرف دو در کا ایک بالکل معمولی مندر ہو۔ یہ عمارت ایک بالکل معمولی پتھر کی بنی ہوئی ہو جسکے دروازے ۵ فٹ لمبے بلند اور ۲ فٹ ۹ انچ عریض ہیں۔ مندر کی داہنی طرف ایک کوٹھری پوجاری کے رہنے کی ہو مسجد کے وسط میں ایک لِنگ[1] ہو جس پر غلاف پڑا رہتا ہو اس کے علاوہ اور بہت سی مورتیں سنگِ مرمر کی ہیں۔ اب نہ لنگ رہا نہ سنگ مرمر کی مورتیں۔ مسجد کی پچھیت کی دیوار میں ایک طاق ہو جس میں شام سے چراغ جلا دیا جاتا ہو۔ مندر کی جو حالت کار سٹیون صاحب نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۷۶ء میں لکھی ہو اُس میں اور اب میں آسمان زمین کا فرق ہو۔ اب ایک فوّارہ مندر کے داہنی طرف کی کوٹھڑی میں ہو جو پوجاری کی کوٹھڑی کے جواب میں ہو اور صحن میں کنواں ہو جس کا ذکر اوپر نہیں آیا۔ دیکھنے سے یہ بعد کے بنے ہوئے معلوم دیتے ہیں۔

اندرپرستھ اہلِ ہنود کے نقطۂ خیال سے۔[2]

> کوئی عالم میں نہیں شہر بسان دہلی
> ہو مٹے پر بھی سوا عرش سے شان دہلی

یہ امر مخفی نہیں ہو کہ شہر دہلی تاریخ ہند میں ہر زمانے میں مشہور رہا ہو اور یہ کہ وہ روئے زمین کے تمام شہروں پر اپنی قدامت کے اعتبار سے سبقت لے گیا ہو۔ یہہ وہی سرزمین ہو جہاں یدھشٹر

---

[1] لنگ کے لغوی معنی علامات یا نشان کے ہیں۔ دکن میں ایک قوم لنگایت اسی سے موسوم ہو کہ وہ ایک گول پتھر ایک کپڑے میں باندھ کر یا چاندی میں منڈھ کر گلے میں ڈال لیتے ہیں جو دیوتا کے قایم مقام ہوتا ہو۔ ۱۲

[2] یہ ترجمہ اُس مختصر انگریزی رسالے کا ہو جو ۱۹۱۱ء کے کارونیشن دربار پر بطور اندرپرستھ کی قدیم تاریخ کے مہا مہوپادھیا پنڈت ہانکے رام تول گوسامی دہلوی نے لکھا تھا۔ مضامین مندرجہ رسالہ کا ماخذ اُن کے والد پنڈت گووند لال شنکر تول گوسامی کے نوٹ اور بمبئی کے ڈاکٹر بھگوان لال اندرجی کی آثار قدیمہ کے مشہور ماہر کی کتاب ہو۔ اس رسالے کو ڈاکٹر جے۔ پی ایچ۔ ووگل۔ قایم مقام ڈائرکٹر جنرل آثار قدیمہ نے بھی ملاحظہ فرمایا اور چونکہ از منۂ سابقہ کی اس میں تفصیل ہو پسند فرمایا۔ ۱۲

مہاراج نے مہابھارت کی بڑی بھاری لڑائی سے پانچ ہزار برس پیشتر "راج سویا یجن"[1] کی تقریب کی تھی - پھر تو یکے بعد دیگرے ہندو راجہ ہوں یا مسلمان بادشاہ سب ہی نے تو اس مقام کو مختلف ناموں سے اپنا دار السلطنت بنایا - کھنڈوی پوری - اندرپرستھ - یوگنی پوری - کلہن پوری - کلی پوری - ڈلی پوری - دلی - شاہ جہان آباد - دہلی - یہ سب نام اسی مقدس خطے کے تو ہیں - منہدمہ عمارات کے بے شمار کھنڈر - گنبد - مقبرے اور دیگر عمارات سے ان فرماں رواؤں کی شان و شوکت عظمت و جبروت کی پوری تصدیق ہوتی ہے - یہ وہی مقام ہے جہاں دیدۂ عبرت کو ہندوؤں - بدھ مت والوں اور مسلمانوں کی با اقتدار سلطنت دولت اور ثروت کا چپے چپے پر پتہ لگتا ہے - علاوہ اس کے یہ مقام ابد الآباد سے اہل ہنود کا ایک بڑا محترم و مقدس تیرتھ گاہ رہا ہے - بدیں وجوہ ہندوستان بھر میں اس سے بہتر - اس سے زیادہ مناسب اور موزوں تر مقام ہمارے شہنشاہ ذی جاہ جارج پنجم خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کی تاج پوشی کی مبارک تقریب کے لیئے ہو نہیں سکتا تھا کیوں کہ شہر دلی کے واسطے یہ کچھ پہلا ہی اعزاز نہ تھا بلکہ وہ تو ایسے ایسے جشن کا مرکز بار بار رہ چکا ہے - اب میں اس شہر کی ایک مختصر تاریخ اہل ہنود کے نقطۂ خیال اور اُن کی مذہبی اور سنسکرت کی کتابوں سے لکھنی چاہتا ہوں جس سے یہ بات ظاہر ہوگی کہ زمین کا وہ ٹکڑا جس پر یہ شہر بسایا گیا ہے کیسا مقدس اور متبرک ہے اور خدا نے چاہا تو ایسا ہی تا قیام روزگار رہے گا - اندرپرستھ کی قدیم تاریخ بے حد دلچسپ ہے - مسلسل و متواتر تبدیلیاں جو اس کی حالت میں ہوئی ہیں ایک گھنا وسیع جنگل جو دین دار متقی - زاہد و پرہیزگار رشیوں کی ریاضت کے لیئے مخصوص تھا جس کو مہاراجہ سدرشن نے ایک شاندار شہر کی شکل میں بدل دیا تھا لیکن پھر وہ انقلاب روزگار سے ویسا ہی گنجان جنگل ہوگیا اور وہی رشی لوگ پہلے کی طرح سے اس سرزمین پر رہنے سہنے لگے - دوسری مرتبہ پھر اُس کا نصیب جاگا اور ایک شاندار تبدیلی عمل میں آئی جس کا دلچسپ تذکرہ کلیکا پران میں موجود ہے اور اس سے زیادہ مبسوط و مفصل بیان اندرپرستھ مہاتمیا میں ہے جو تاریخ کو حال کے زمانے سے لگ بھگ نچا دیتا ہے - اس خطے کی قدرتی مناسبت ہے کہ یہاں کی خاک سے بڑے بڑے نامور - بڑے بڑے

[1] یہ ایک بہت بڑی قربانی ہے جو کوئی بڑا راجہ اپنی تاجپوشی کے وقت کرتا ہے اور جس میں دوسرے باج گزار بھی شریک ہوتے ہیں - ۱۲

مشاہیر پیدا ہوئے اور اسی اندر پرستھ کو اس بات کا بھی فخر حاصل ہے کہ باوجود زمانے کی بڑی بڑی گردشوں اور انقلابات کے اِس سرزمین نے متعدد نامور فرماں روا۔ مقدس بزرگ۔ دین دار عالم۔ مشہور صناع۔ ایسے ایسے پیدا کیئے کہ جن سے یہ خطہ اگلے زمانے میں ہمیشہ ممیز و ممتاز رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید اِس زمین میں کوئی خرق العادت غیر معمولی تاثیر مضمر کہ جسکی وجہ سے سلاطین ماضیہ کا دل اس کی طرف بلا قصد کھنچا چلا جاتا تھا کہ انہوں نے اس شہر کو اپنے قبض و تصرف میں لینے کو ایک بہت بڑا اور بھاری فرض خیال کیا۔ ایسے شہر کے عجیب و غریب انقلابات کا مختصر بیان بے موقع نہ ہوگا اور ذیل میں ہم کلیکا پُران کے باب ششم اور اندرپرستھ مہاتمیا کا لُبِ لباب دیتے ہیں:۔

پہلے وقتوں میں اندرپرستھ کھنڈَوَن یا اِندراوَن کے نام سے مشہور تھا۔ اِس بستی کو چندربنسی خاندان کے راجہ سُدرشن نے ایک خوب صورت شہر بنا کے کھنڈوی پوری نام رکھا۔ شہر بنانے کے لیئے راجہ نے جنگل کو کٹوایا درندے جانور نکلوائے اور ایسا صاف کردیا کہ عابدوں اور زاہدوں کے لیئے کوئی کونا نہ رہا۔ یہ پوری (بستی) قریب سو یوجن لمبی تھی اور (۳۲) یوجن چوڑی تھی۔ سدرشن نے اپنے سارے ہمعصر راجاؤں کو مغلوب کیا اور لاتعداد دولت زر و جواہر جمع کیا۔ راجہ نے لوگوں کو کھنڈوی جاکر بسنے کی ترغیب و تحریص کی۔ اُس نے وہاں بہت سے درخت اور جڑی بوٹیاں گندھرو لوگ اور سوَرگ (بہشت) سے لاکر لگائیں۔ اندر کو سدرشن کی شان و شوکت پر حسد ہوا اور کاشی (بنارس) کے راجہ وِیجایا کو اُس سے لڑائی کرنے کو اُبھارا۔ راجہ ویجایا بڑا بھاری لشکر لے کر راجہ سدرشن پر آن چڑھا اور بڑی گھمسان لڑائی کے بعد راجہ سدرشن کو اپنے گُرز سے ہلاک کیا۔ راجہ کے مارے جانے سے اُس کی فوج تتر بتر ہوگئی اور کھنڈوی پر راجہ ویجایا قابض ہوگیا۔ سدرشن کا خزانہ زر و جواہرات کے ڈھیروں سے معمور تھا اور سر بفلک محلات کھڑے تھے سو الگ یہ دولت و حشمت دیکھ کر ویجایا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور وہ سمجھا کہ ہو نہ ہو یہ تو امرپور (جنت کا ٹکڑا) زمین پر اُتر آیا ہے۔ اندر نے (جو سارے دیوتاؤں کا سردار تھا) راجہ سے کہا کہ تمہیں کچھ خبر بھی ہے کہ یہ جگہ دیوتاؤں اور گندھروں کی تفریح گاہ کے لیئے مخصوص تھی اور اس میں مُنی لوگ تپسیا کرتے تھے۔ تمہارے شایان حال یہ ہے کہ کھنڈوی کو اُس کی حالت صحرائی پر بدل دو راجہ نے جب اندر کی یہ بات سُنی تو اُس کے دل کو بھی لگ گئی۔ راجہ نے تمام باشندوں کو حکم دیا کہ

جہاں تمہارا دل چاہے اور جدھر تمہارے سینگ سمائیں چلے جاؤ یا میرے ساتھ میری راج دہانی کو چلو اور جن جن راجاؤں سے سدرشن نے روپیہ پیسہ لیا تھا سب واپس کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ کھنڈوی اُجڑ کر پھر جیسے کہ دیسا بڑا بھاری جنگل ہو گیا۔ دیوتا اور گندھرو پھر وہاں خوش فعلیاں کرنے لگے اور سالہا سال اِس کا یہی حال رہا۔ سُؤدھری سن ہیتا اور پدپا پُران جس کا ایک جز واندر پرستھ مہاتیا ہی اُس میں یوں لکھا ہی۔

اندر نے ایک مرتبہ یجّن کرنے کا ارادہ کیا اور وہ اپنے گرو برھسپتی سے ایسی ایک جگہ کے متعلق جو اس رسم کے لیے متبرک اور مناسب ہو استمزاج کیا۔ برھسپتی نے یجن کے واسطے جمنا کے کنارے ایک خوشنما اور مقدس مقام کھنڈو بن کا پتہ دیا۔ اندر اپنے گرو کے ارشاد کے موافق جمنا کے کنارے پونہچا اور یجّن کی طیاری شروع کی۔ تمام دیوتاؤں اور رشیوں کو دعوت دی گئی اور سب بطیب خاطر اِس مذہبی رسم میں شریک بھی ہوئے۔ مہمان داری کا انتظام اندر نے ایسے اعلیٰ پیمانے پر کیا کہ یہ سب لوگ اس قدر مسرور ہوئے کہ اپنے زہد و تقوے اور تقرب الی اللہ کی برکت سے اس مقام پر یہ مختلف مقدس خطّے منتخب کر دیئے۔ نگمبودھ (نگم = وید۔ بودھ = علم و گیان) میرو تنتر لکھتا ہی کہ برھما نے ویدوں کی تقدیس یہیں کی۔ راج گھاٹ۔ سب تیرتھوں سے برتر پریاگ (الہ آباد) کی طرح کا جمنا کے کنارے اشنان کے لیئے ایک گھاٹ جو لال قلعے کے جنوبی رُخ پر ہی۔ و دیا پورا۔ جو اب چاندنی چوک بازار میں نیل کا کٹرہ کہلاتا ہی۔ چنانچہ شاہ جہاں بادشاہ کے فرمان میں جو پنڈت بالکے رائے صاحب کے ہاں موجود ہی اس امر کا تذکرہ ہی کہ یہ مقام کاشی (بنارس) کی طرح مقدس اور دارالعلم تھا۔ یہاں ایک قدیم مندر مہادیو کا ہی جو پرانے زمانے میں وشویشور کا مندر کہلاتا تھا۔ براری جس کا صحیح نام برمُراری ہی ایک موضع ہی دلّی کے شمال میں جمنا کے کنارے جس کے متعلق مہابھارت میں لکھا ہی کہ یہ وہی جگہ ہی جہاں بھگوان کرشن اور کالندی کی شادی کی مبارک رسم ادا ہوئی تھی۔ یہاں بھی مہادیو کا ایک پرانا مندر ہی جو کھنڈیشور کے نام سے مشہور ہی۔ اس مندر کے اطراف اب تک بھی پرانی عمارت کے کچھ حصّے زمین میں دبے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد سے اندر پرستھ نے کیسے کیسے قالب بدلے اُن کا ذکر مہابھارت میں

یوں آیا ہے:۔اس بات کو اب کوئی پانچ ہزار برس ہونے آئے کہ کھنڈ داوانا (جس کا نام اندر کے یگن کے بعد اندر پرستھ پڑ گیا تھا) کو یدھشٹر کے بہادر بھائی ارجن نے جلا کر خاک سیاہ کر دیا تھا۔ عین اسی مقام پر یدھشٹر نے خود ایک نہایت خوب صورت شہر بسایا اور اس کا نام بھی اندر پرستھ ہی رکھا۔ اسی شہر میں یدھشٹر کے لیئے مایادیو نے ایک بہت خوب صورت نادر اور عالیشان محل بنایا جس کا پھیلاؤ پانچ ہزار مربع ہاتھ تھا اور جو آسمان سے باتیں کرتا تھا۔ اس محل کے بے شمار ستون سونے کے تھے۔ وہ وسیع۔ خوشنما اور فرحت بخش تھا۔ اس کے در و دیوار سونے کے تھے جس میں انواع و اقسام کی تصاویر تھیں اور اس قدر صرفِ کثیر اور اس خوبی سے بنایا گیا تھا کہ خود برہما کے محل پر بھی وہ سبقت لے گیا تھا۔ اس کے محافظ کے لیئے آٹھ ہزار جری اور قدآور سپاہی مقرر تھے۔ اس محل کے اندر ایک عجیب و غریب تالاب بنایا تھا جس میں کنول کے پھول ایسے تھے کہ جن کی پتیاں اور ڈنٹھل جواہرات کے تھے اور دوسرے آبی پھولوں کے پتے بھی سونے کے تھے۔ جس کی صاف و شفاف سطح آب پر انواع و اقسام کے پرند خوش فعلیاں کرتے نظر آتے تھے۔ تالاب میں خود بھی بالیدہ کنول کے پھولوں۔ مچھلیوں۔ سنہری کچھوؤں سے جگمگا رہا تھا۔ پانی اس کا نہایت شفاف تھا یہاں تک کہ تہ میں کیچڑ کا نام تک نہ تھا تالاب کے چاروں طرف سنگ مرمر کی جڑاؤ سلیں جن میں بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے تھے لگی ہوئی تھیں۔ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اس تالاب کو اس طرح آراستہ پیراستہ اور جواہرات سے جگمگاتا ہوا دیکھ کر ایسے محوِ حیرت ہو جاتے تھے اور باوجودیکہ ان کی آنکھیں کھلی ہوتی تھیں پھر بھی اسے محل سمجھ کر گر گر پڑتے تھے۔

اسی محل میں ایک اور طلسماتی تالاب تھا جس کی تہ بور ہی تھی اور جس کے کناروں پر پچیکاری کا نہایت نفیس کام تھا۔ یہ تالاب مذکورہ بالا محل کے گرد ایک پرستان کے طور پر تھا۔ اس میں مصنوعی جنگل لگایا گیا تھا جس میں سے نہایت عمدہ خوشبو آتی تھی اور انھیں درختوں کے جھنڈوں میں بڑے بڑے اونچے ہرے ہرے سایہ دار سدا بہار درخت تھے۔ یہ سارا کارخانہ شفاف پتھروں کے فرش اور مصنوعی کنول کے مختلف اقسام کے تراشے ہوئے پھولوں کا ایسا مکمل اور مغالطہ دہ تھا کہ راجہ دریودھن

جیسا واقف کار شخص بھی دھوکا کھا گیا اور جب آیا تو پانی سمجھ کر جھٹ پائنچے چڑھا لیئے کہ بھیگ نہ جائے جس پر ایک خوب قہقہہ[ل] لگا۔ اس میں شیشے ہی کے دو قسم کے دروازے تھے کوئی کھلے کوئی بند۔ جو کھلے تھے وہ ایسے دکھلائی دیتے تھے گویا کہ بند ہیں اور جو بند تھے وہ کھلے معلوم دیتے تھے۔ محل کے گرد سرسبز اور ہرے بھرے شاداب درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ پھلوں سے لدے ہوئے جن کی ڈالیاں بوجھ سے زمین پر لوٹ رہی تھیں اور جن کی خوشبو سے سارا محل مہک اٹھا تھا۔ اس تمام عمارت کے اطراف ایک نہایت چمک دار سفید شفاف اعلے کی دیوار تھی جس میں تمام جواہرات جڑے ہوئے تھے اور جا بجا چمک دار رنگ تھا کہ جس کے سامنے آنکھیں چوندھیائی جاتی تھیں۔ یہ بڑا بھاری عجیب و غریب فلک نما محل ساری آرایش و ساز و سامان سمیت چودہ مہینے کے اندر ہی اندر بن کر طیار ہو گیا۔ محل طیار ہو جانے پر راجہ یدھشٹر نے دس ہزار برہمنوں کو انواع و اقسام کی اغذیۂ لذیذ اور اشربۂ لطیف ایسی ایسی کھلائیں کہ اُن کا دل بھر گیا اور سب کو غیر معمولی نئی نئی پوشاکیں نفیس پھولوں کے ہار اور ایک ہزار گائیں دیں۔ تب کہیں راجہ نے اپنے چاروں بھائیوں بھیمسین۔ ارجن۔ نکولا اور سدا شیو کے ساتھ محل میں قدم دھرا۔ پہلوانوں۔ کرتبی لوگوں نقالوں۔ کرتب کرنے والوں۔ بھاٹوں۔ مداحوں نے اپنے اپنے ہنر اپنے اپنے کرتب اور جوہر دکھلا کر مہاراج کا دل خوش کیا۔ راجہ یدھشٹر نے بھی مختلف قسم کے مزامیر اور نہایت عمدہ خوشبو و عطریات و بخورات کے ساتھ دیوتاؤں کی پوجا کی ملک کے مختلف حصّوں کے بہت سے طاقتور اور دولت مند راجہ بھی یدھشٹر کے

[ل] ایسا ہی واقعہ ملکہ بلقیس قرآن شریف کی سورۂ نمل میں بھی ہے۔ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۔ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۔

ترجمہ۔ کہا گیا کہ آپ محل میں تشریف لے چلیئے۔ تو جب اُس نے محل (میں شیشے کے فرش) کو دیکھا تو اُس کو پانی سمجھی اور وہاں سے گذرنے کے لیئے اس طرح پائنچے اٹھائے کہ) اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں (سلیمان نے) کہا۔ میں (بھی) شیشے (ہی) جڑے ہوئے ہیں (تب اُس کو اپنی غلطی اور بے سامانی پر تنبیہ ہوا اور) لگی (خدا کی بارگاہ میں) عرض کرنے کہ اے میرے پروردگار (میں جو اتنے دنوں آفتاب پرستی کرتی رہی اس سے) میں نے اپنا ہی نقصان کیا اور اب میں سلیمان کے ساتھ ہو کر اللہ رب العالمین پر ایمان لائی۔۱۲

ساتھ شریک تھے جیسے کہ فرشتے برمھا کے ساتھ رہتے ہیں۔ جب پانڈویوں جم گئے تو آسمانی رشی نرّدان کی مجلس میں آیا اور مذہبی اور مُلکی معاملات پہ ایک طول طویل گفتگو ہونے کے بعد اُس نے صلاح دی کہ تمہاری طرح کی ہر طاقت اور فرماں روا کا یہی فرض عین ہے کہ وہ راج سویا کی قربانی کرے۔ مقدس نرد کا یہ مشورہ سُننے کے بعد بڑے رشی دھومیا اور سری ویاس وغیرہم نے بھی یہی صلاح دی تب سری کرشن چندر مہاراج نے یدھشٹر کا ایما لیا کہ کس طرح اس بڑی قربانی کی تقریب کا آغاز اور سرانجام کرنا چاہیئے اور یہ تقریب صرف وہی ایک شخص کرسکتا ہے جس کی حکومت چار دانگ عالم میں ہو اور تمام روئے زمین کے بادشاہ اُس کا سکّہ مانتے ہوں۔ اس دیرینہ آرزو کو حاصل کرنے کے لیئے یدھشٹر نے اپنے چاروں بھائیوں کو لشکر جرّار دے کر چاروں طرف دوڑایا۔ بھیمسین نے مگدھ دیس کی طاقتور ریجہ جرا سندھا کو مغلوب کرلیا جو ستر راجاؤں کو نیچا دکھا کر قید کرنے کے بعد خود مہاراج بنا تھا بھیما نے بڑی بھاری اور سخت لڑائی کے بعد جرا سندھا کو قتل کرکے اُن ستر راجاؤں کو جو اُس کے پاس قید تھے چھڑایا اور اپنے بھائی کی راج سویا یگن کی تقریب میں شرکت کی دعوت دی اور واپسی کے وقت اپنے ساتھ بے شمار دولت زر و جواہر لاکر سارے کے سارے یدھشٹر کے سامنے رکھ دیئے۔ علی ہذا دوسرے تین بھائی بھی بڑے بڑے راجاؤں سے لڑے اور اُن کو مطیع و منقاد کیا یا یہ کہ اُن سے حکمت علی سے مصالحت کرلی اور اُن کی طرف تحفے تحائف اور خراج بشکل سونا چاندی۔ جواہرات۔ زیورات۔ موتی۔ گھوڑے۔ ہاتھی۔ خچر۔ بیل۔ طرح بطرح کی چڑیاں اور انواع و اقسام کی دوسری اشیا لائے اور ان سب کو جشن راج سویا یگن میں مدعو کیا۔ جب چاروں بھائی چاروں طرف مظفر و منصور خائز المرام ہوکر آئے تو اُنھوں نے تمام مال خزانہ یدھشٹر کی خدمت میں پیش کردیا۔ تب کہیں جاکر سری کرشن چندر مہاراج کی زیرنگرانی جشن کی طیاری شروع ہوئی۔ محلات شاہی کے احاطے کے باہر اُن کثیر التعداد مہمانوں کے آرام و آسائش کے لیئے جن کو دعوت دی گئی تھی مکانات بنائے گئے جن کے دروازے اور کھڑکیاں تک سونے کی تھیں جن پہ سونے کے تاروں کا جال تنا ہوا تھا اور ان مکانوں کے جابجا اندر موتیوں کی لڑیاں لٹک رہی تھیں۔ یہاں سیڑھیاں پتلی پتلی اور اس انداز سے بنائی گئیں تھیں کہ چڑھنے اُترنے میں بار نہ ہو۔ ذہین پہ

نہایت قیمتی (قالین) اور دریوں کا فرش تھا۔ ان مکانوں کا ہر ہر کمرہ عمدہ اور قیمتی ساز و سامان سے سجایا گیا تھا۔ لونڈیاں۔ باندیاں۔ غلام۔ کھانے پینے کی انواع و اقسام کی اشیاء۔ عمدہ عطریات اور خوشبوئیں۔ تصاویر۔ ہار۔ پھول (گلدستے) سب ہی کچھ تھا۔ طباخی کا صیغہ راجہ کے سب سے چھوٹے بھائی سداشیو کے تفویض تھا۔

ایک جگہ خام اجناس کی ماپ تول ہوتی تھی اور ایک دوسری جگہ پخت و پز ہوتی تھی اور اور ایک تیسرے مقام پر سینکڑوں باورچی اور خدمت گاران کھانوں کی تقسیم میں مصروف تھے جو بلحاظ اپنی نفاست کے دیوتاؤں کے قابل تھے کھانا ہر درجے کے آدمیوں کو لذیذ اور سونے کی ہی رکابیوں میں دیا جاتا تھا۔ آبنوشی کے لیئے مختلف مقامات پر کنوئیں اور تالاب کھدوا دیئے گئے تھے بہت سے راجہ۔ رؤسا۔ امراء اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے مختلف کاموں پر تعینات کیئے گئے تھے۔ سری کرشن چندر نے اپنے لیئے یہ خدمت پسند کی کہ وہ رشیوں اور برہمنوں کے چرن دھلانے (کی سعادت حاصل کرتے) تھے۔ جو دن جشن کے لیئے مقرر تھا اُس روز یدھشٹر مہاراج ایک بے نظیر شامیانے میں سونے کے تخت پر براج رہے تھے ستیکی چھتر تھامے ہوئے تھا اور مورچھل راجہ کے بھائی جھل رہے تھے۔ ذی ترہیت گرو ویاس نے مذہبی رسوم ادا کیں اور اس پانی سے جو تمام روے زمین کے مقدس دریاؤں اور سمندروں سے جمع کیا تھا اصطباغ دیا۔ سینکڑوں بڑے بڑے رشی وید کے ترانے گا رہے تھے۔ دھومیا تجن ڈلکیا اور دوسروں نے مل کر وہ چاول پکائے تھے جو اس تقریب سے مخصوص تھے۔ اور جو دیوتاؤں پر چڑھائے گئے۔ مختلف بلاد و امصار کے بڑے بڑے راجہ مہاراجہ جیسے کرش (جس سے غالباً روس مراد ہی) چین۔ لنکا۔ برہما۔ ترکستان۔ افغانستان و امثالہم مختلف دور و دراز اقطاع سے آئے تھے جن کا شمار اور انحصار باعث تطویل ہے۔ ان سبھوں نے مہاراج یدھشٹر کے حضور میں نذر و نقرہ جواہرات۔ زیورات مروارید۔ ہاتھی۔ گھوڑے۔ خچر۔ بیل۔ اونٹ۔ القصہ قیمتی اپنے اپنے ملک کے نوادرات بے شمار ہر قسم کے ہتھیار۔ حسین و خوب صورت باندیاں۔ وقس علی ہذا اپنے اپنے مراتب اور شان کے موافق قسم قسم کی چیزیں پیش کیں جو تحائف قبول ہوئے وہ ہر قسم کے تعداد یا وزن یا کیل میں ہزار سے کم نہ تھے۔ شاہزادہ دُریودھن اپنے والد بزرگوار) مہاراجہ دھرت راشٹر راجہ درُوپد کے ساتھ آیا تھا۔ جو مہارانی دروپدی کا باپ تھا

ششوپال چیدیری کا راجہ اور دوسرے عزیز قریب سب جمع تھے۔ بالجملہ بے شمار بادشاہ راجہ سردار جمع ہوئے تھے۔ پھر اس کے بعد رتبہ برہمنوں۔ چھتریوں اور ویشوں کا تھا اور نیز معزز ذوی علم شودر لوگ خاص طور پر مدعو کیے گئے تھے۔ لیکن شودروں کو صرف اُس جگہ جہاں کہ متبرک مذہبی رسم ادا کی گئی تھی باریابی کا موقع نہیں ملا۔ اٹھیاسی ہزار برہمنوں کو روزانہ کھانا کھلایا جاتا تھا۔ نیز دس ہزار سنیاسیوں کو روزانہ محل میں بلاکر طبق ہائے طلائی میں پروسا جاتا تھا محتاج خانہ براہ راست خاص مہارانی صاحبہ کی زیر نگرانی تھا۔ مہارانی صاحبہ کا یہ دستور تھا کہ جب تک وہ لنگڑوں۔ لولوں۔ اندھوں۔ مفلوجوں گیبرڑوں اور اسی قسم کے معذورین اور اپاہجوں کو کھانا نہ کھلوا لیتی تھیں آپ لقمہ نہ توڑتی تھیں۔ بڑے بزرگ فرد کی مذہبی منڈلی (پارٹی) الگ ہی تھی جس کے صدر وہ تھے اور جس کا منڈپ جداگانہ تھا جس میں بڑے بڑے مقدس بزرگ۔ بڈھے اور جوان حیات و ممات اور اسی قسم کے دوسرے علمی مسائل پر مباحثہ اور طبع آزمائی کرتے کہ جس سے حضار کو علاوہ دلچسپی اور سرور کے اُن کے علم و تجربے کو بھی معتد بہ فائدہ پونہچتا تھا۔ سینکڑوں راجاؤں۔ امراء و روساکہ ایسے بڑے شان دار مجمع میں ایک افسوسناک واقعہ بھی ہوا کہ من جملہ مدعو فرماں رواؤں کے ایک شخص اسی موقع و محل پر جان سے مار ڈالا گیا۔ اس سانحے سے سارے کے سارے لوگ انگشت بدہاں اور متحیر ہو گئے لیکن کسی ایک نے بھی چوں نہ کی ششوپال چیدیری کے متقدماً گو اس بات پر کچھ حسد معلوم ہوا کہ رخصت کے وقت سب سے اول سری کرشن کی پوجا کی گئی اس لئے ششوپال کو غصہ آگیا اور اُس نے کچھ نامناسب الفاظ سری کرشن چندر اور دوسرے راجاؤں کو بھی کہہ ڈالے جس پر سری کرشن نے جوابی مہابانی اس راج سویا یجن کا تھا ششوپال کا سر قلم کردیا۔ جس سے یہ بھی جتلانا مقصود تھا کہ یدھشٹر صرف ایک بڑا راجہ ہی نہ تھا بلکہ وہ ایک خود مختار اور مطلق العنان فرماں روا بھی تھا۔ اِس تقریب میں رانیاں بھی رونق بخش تھیں۔ مہارانی دروپدی ملکہ کے قایم مقام تھی۔ اور دوسری رانیوں نے بھی تمام مراسم میں شرکت کی۔ اس تقریب کے اختتام پر یدھشٹر نے زنجیر ہائے فیل جمعیت سواران و پیدل کا ملاحظہ بھی فرمایا۔ یہ ایک بڑا بھاری اور عظیم الشان جلسہ تھا جس میں فیل نشین اور اسپ سواروں کی کروڑوں کی تعداد تھی لاکھوں رتھیں اور گاڑیاں اور بے شمار پیدل جمع تھے جن کو سارے باج گذار راجہ کے قرابت داری والے اور سلطنت کے

دوست احباب اپنے اپنے ساتھ لائے تھے۔ دنگل اور تماشہ گاہیں بھی بنائی گئی تھیں۔
مختلف اقطاع ملک سے پہلوان اپنی کُشتیوں کے کرتب دکھانے آئے تھے۔ نامی گرامی
طوائفوں میں اُروسی اور رنبھا کے سوا اور بھی بہت سی تھیں جن کے گانے بجانے کا
بڑا لطف رہا اور مجلس کو بڑا حظ ملا۔ چترسین اور دوسرے گویئے اور کلاونتوں نے بھی
اپنے عمدہ عمدہ راگوں سے بہت ہی محظوظ کیا۔ یہ تقریب اور جلسے برابر ایک سال تک
رہے۔ نَرَد کے مشورے سے مہاراج یدھشٹر رعایا برایا پر حسب ذیل مراحم وعواطف خسروانہ
مبذول کیں:- نہریں اور تالاب کھدوائے گئے تاکہ رعایا بارش سماوی کی محتاج نہ رہے۔
غلے کے انبار خانے بنائے گئے۔ تجار کا اعزاز واحترام کرکے مال تجارت کا محصول گھٹا دیا گیا۔
اس طرح راج سویا یجن کی تقریب مسعود بخیر وخوبی ختم ہوئی جس جگہ یجن کی تقریب ہوئی وہ
وہی مقام بتلایا جاتا ہے جہاں کے اب لال قلعے کے شمال میں نیلی چھتری ہے لیکن یہ صرف
لوگوں کی کہن ہے جس کا ہمارے پاس کوئی وثیقہ نہیں۔

ہندوؤں کی دلی مسلمانوں کی دہلی
انگریزوں کی ڈلہی

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

دہلی کی قدیم تاریخ بوجہ اُس کی قدامت کے
ایسی کچھ پردۂ خفا میں ہے کہ اس گتھی کا سُلجھانا
بالکل ناممکنات سے ہے۔ اس وجہ سے ابھی تک ہم دہلی کی قدیم تاریخ کے متعلق بالکل خیالی
پلاؤ پکا رہے ہیں اور محض تخیلات اور فرضیات سے کام لینے پر مجبور ہیں سر ہنری ایلیٹ نے
جو محکمۂ آثار قدیمہ کی رہنمائی کی ہے کہ اندرپستھ کی جگہ دلی نے کب لی یہ ایک سربستہ
راز ہے جو باوجود عالمانہ تفحص اور تحقیقات کے بھی اب تک قابل اطمینان طور پر متحقق نہیں
ہوسکا۔ اندرپستھ کی جگہ دہلی نے کب لی کوئی اُس زمانے کی تحریر تو دستیاب نہیں ہوئی لیکن
تاریخی لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ سنہ عیسوی کی پہلی صدی میں اُجین کے راجہ بکرماجیت نے
اندرپرست پر اُس وقت حملہ کیا تھا جب کہ وہ کماؤں کے راجہ سکونتا کے قبضے میں تھا اور
اُس کو مار کر اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ مسٹر ٹیلبائز وہیلر لکھتے ہیں کہ جب اندرپستھ کو
بکرماجیت نے راجۂ کماؤں سے فتح کیا تو اس کے بعد سے آٹھ صدیوں تک یہ مقام
دارالسلطنت نہیں رہا۔ پھر اس کو راجہ اننگ پال نے از سر نو بسایا تب بجائے اندرپستھ

سے کے اِس کا نام دلی پڑا۔ بہرحال اس امر کا یقینی طور پر فیصلہ کرنا ناممکن ہی کہ راجہ کماؤں سے شروع کرنے کے بعد اس خطّے کا نام دلی پڑا یا کسی ایسے واقعات کی بنا پر جن سے تاریخ ساکت ہی تماولِ ایام اور امتداد زمانے سے راجہ یدھشٹر کی دارالسلطنت کا اصلی نام مٹ کر دلی ٹھیر گیا۔ یہ ہم نے مانا کہ بکرماجیت کے قبض و تصرف سے پیشتر دلی کا نام کہیں سنائی نہیں دیا۔ یہ زمانہ ۳۲۶ء کے قریب کا قرار پاتا ہی اور اسی زمانے کے ہندوستان کے تاریخی حالات یونانی مورخوں نے لکھے ہیں مگر اُن کے کان دلی کے نام سے آشنا نہ ہونے کی کوئی وجہ وجیہ نہیں پائی جاتی۔ اِس کے بعد بھی زمانہ مابعد کے مسلمانوں کے حملوں میں جو عیسوی گیارہویں صدی میں ہوئے اُن میں نہ کہیں دلی کا ذکر ہی نہ اُجین کے راجہ بکرماجیت کے دارالخلافہ رہنے کا اسی طرح نہ دلی طاقتور گپتا خاندان (سنہ ۳۲۰ تا ۴۱۲ء) کی راج دہانی رہی نہ قنوج کے بڑے سلاطین (سنہ ۵۵۰ تا ۱۰۰۶ء) کا دارالخلافہ رہی۔ چینی سیاح فاہی آن (Fa-Hian) اور ہیون تھسنگ (Hewen Thsang) کو جو اس ملک اور اس نواح میں سنہ ۴۰۶ تا ۶۴۵ء میں آئے تھے اِن کو دلی کی خبر تک نہیں۔ نہ دلی کوئی اس قدر مشہور مقام تھا کہ محمود غزنوی کو ہندوستان کے حملوں کی رغبت دلاتا۔ مشہور مورخ البیرونی نے دسویں صدی کے آخر میں مسلمانوں کی حالت کا بہترین خاکہ کھینچا ہی اور وہ کئی برس ہندوستان میں رہا بھی ہی چنانچہ سلطان محمود غزنوی کے حملے کے زمانے میں وہ سنسکرت پڑھ رہا تھا اُسکی قلم سے بھی کہیں دلی کا نام نہیں نکلا (از تاریخ مسٹر الیٹ جلد اول صفحہ ۲۲)۔ اُس نے قنوج۔ ماہورہ (متھرا) تھانیسر کا ذکر البتہ کیا ہی اور قنوج سے مختلف مقامات کا فاصلہ بیان کرتے وقت میرٹھ۔ پانی پت۔ کیتھل تک کے نام گنوائے ہیں مگر دلی کا اُس نے بھی نام نہیں لیا۔ سلطان محمود غزنوی کے زمانے کے مورخ عُتبی مصنفِ "تاریخ یمینی" نے بھی خاص دلی کا کوئی ذکر نہیں کیا حالاں کہ دلی کے پاس پاس کے چار مقامات غزنویوں نے لوٹے تھے عُتبی نے جنایا ہوتے کا ذکر کیا ہی۔ متھرا کے محاصرے اور قنوج کی فتح کا بھی ذکر ہی مگر دہلی کا ذرا سا بھی حوالہ نہیں۔ مورخین اور سیاحوں کے طرزِ عمل سے ہم کو اِس نتیجے پر پہنچے بغیر گریز نہیں ہی کہ محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملے کرنے تک دلی کسی شمار قطار میں نہ تھی جو قابلِ تذکرہ سمجھی جاتی۔ اگر اس کا وجود اس زمانے میں بالفرض رہا بھی ہوگا

تو ایک گمنامی کی حالت میں کوئی چھوٹی موٹی بستی رہی ہوگی تو رہی ہوگی۔ قبل ازیں کہ ہم دلی کی آبادی کی جگہ کا تعین کریں جو ایک نہایت مختلف فیہ امر ہو پہلے تو ہم اس کی وجہ تسمیہ کی مختلف روایات اور اس کے بانیوں کے حالات پر ایک اجمالی نظر ڈالنی چاہیئے۔ یہ خیال کہ دلی راجہ دلیپ کی بسائی ہوئی ہو اب بالکل متروک ہو۔ یہ مسلم ہو کہ اندرپرست دلی سے کہیں پہلے کا آباد شدہ تھا۔ بریں ہم یہ خیال بھی کہ دلی کو راجہ یدھشٹر کے آباواجداد نے آباد کیا تھا ناقابل قبول ہو اور مسٹر بگلر (Begler) کا یہ خیال کہ دلی اور اندرپرستھ دونوں شہر زمان واحد میں آباد تھے تاریخی نقطۂ نظر سے نظرانداز کرنے کے قابل ہو۔ یہ بھی غیر معتبر روایت ہو کہ دلی کو تنوار خاندان کے راجپوت راجاؤں نے ۹۱۹ ق م میں آباد کیا تھا۔ اور دہلی کا ماخذ ہندی کا لفظ "ڈھیلی" یعنی وہ مقام جس کی سرزمین ایسی پلپلی اور نرم تھی کہ میخ نہ ٹھیر سکتی تھی بھی کچھ یوں ہی چلتی سی بات ہو۔ تیسری روایت یہ ہو کہ قنوج کے ایک راجہ کا نام دیلو تھا جس کے مقبوضات میں ایک مقام دلی بھی تھا جہاں کا گورنر سروپ دت نام تھا اور جس نے اندرپرستھ کے ویران شدہ مقام پر ایک شہر آباد کیا جس کا نام اپنے راجہ کے نام پر "دیلو" رکھا۔ اس روایت کی تائید میں مشہور شاعر امیر خسرو کا یہ شعر نقل کیا جاتا ہو ؎

یا نہک اسپم بخش یا از خور بفرما بار گیر
یا بفرماں دہ کہ گردوں نشینم در دہلورم

لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہو کہ راجہ دیلو ۳۲۸ ق م میں تھا جس کا ہم عصر کماؤں کا راجہ پورس تھا جس نے اسے مغلوب کرکے دلی فتح کی۔ ان وجوہ سے یہ امر بہت قرین قیاس ہو کہ دلی کسی راجہ کی بسائی ہوئی ہو لیکن اس کے آباد کرنے کے حالات کی راے قایم کرنا تب بھی مشکل ہو۔ جنرل کننگھم کہتے ہیں کہ دلی کا نام پہلے پہل کماؤں کے راجہ کے زمانے میں زبان پر آیا جو دہلی کا فاتح تھا اور آگے چل کر اسی سے اجین کے راجہ نے فتح کی۔ اس واقعے کے متعلق چار مختلف روایتیں ہیں۔
(۱) کماؤں کے راجہ پورس کا دیلو کو فتح کرنا۔ (۲) کماؤں کے راجہ سکونتا کا راجہ راجپال سے دلی کو فتح کرنا۔ پھر ان دونوں کو راجہ بکرماجیت کا مغلوب کرنا جنرل صاحب کی راے میں یہ دونوں شکلیں ایک ہی واقعے کو ظاہر کرتی ہیں۔ (۳) دلی کے راجہ

بیلگھا پتی کو ایک راگھونسی راجہ نے جس کا نام سکھندراج تھا مغلوب کرنا جس کو آگے
چل کر اجین کے راجہ بکرماجیت نے مغلوب کیا۔ (۴) ہند کے راجہ رَسَل کو ایک باغی نے
معزول کیا اور باغی کو بڑہ گنی آرِش (Barhnaye) نے راجہ پورس اور دیلو کے واقعے کو
نزہتہ القلوب سے نقل کیا ہے۔ غرض یہ کہ شہر دہلی کی بنا کی مختلف تاریخیں مختلف ذرائع
سے معلوم ہوتی ہیں لیکن اس مقام پر جنرل صاحب کی رائے کی تنقید کی جاتی ہے جو بادی النظر
میں قابل وثوق نہیں چنانچہ خود جنرل صاحب کو بھی اپنی رائے پر پورا بھروسہ نہیں ہے۔
صاحب موصوف ابوریحان کی رائے بیان کرتے ہیں کہ بکرماجیت جس نے کوہی راجہ پر
فتح پائی اس بکرماجیت سے جس کا سمت مشہور ہے جو ۵۷ء کے مطابق آن کے پڑتا ہے (۱۳۵)
برس کے بعد راجہ ہوا۔ پہلا بکرماجیت اور سالیواہن جس نے سکے کا رواج دیا ایک ہی
شخص ہے۔ راجہ بکرماجیت فاتح کی طرح سالیواہن نے بھی نوّے برس سلطنت کی
اور ۷۸ء میں جو اس کے سکے سمت کا شروع سال تھا شکست پائی۔ جنرل صاحب
اس زمانے سے کچھ پہلے دہلی کی بنا کا زمانہ قرار دینا زیادہ مناسب خیال کرتے ہیں ۵۷ ق م
جو بکرماجیت کا زمانہ ہوتا ہے اور جیسے مورخ فرشتہ نے بھی لکھا ہے ہمارے خیال میں بنائے
دہلی کے لیئے واقعیت سے زیادہ بعید نہ ہوگا۔ دہلی کس مقام پر بسائی گئی اس امر میں بھی
ہندوستانیوں اور جنرل صاحب کی رائے میں بہت اختلاف ہے۔ ہندوستانی یقین کرتے
ہیں اور روایات بھی یقیناً اُنھیں کی موئید ہیں کہ قدیم دلّی اُسی جگہ بنائی گئی تھی جہاں کا
اُجڑا ہوا شہر اندرپرستھ کا پہلے سے موجود تھا اور جب دلّی کو دوبارہ راجہ اننگ پال نے
(جو راجپوتوں کے تنوار خاندان کا مورث تھا) آباد کیا۔ تو وہ مقام وہ تھا جہاں کہ اب پرانا
قلعہ ہے۔ لیکن جنرل صاحب کی رائے یہ ہے کہ پرانی دلّی اور اندرپرستھ دونوں بالکل جداگانہ
شہر تھے جن کے مابین پانچ میل کا فصل تھا۔ پرانی دلّی کو وہ اس پہاڑی پر بتلاتے ہیں
جہاں مشہور لوہے کی لاٹ ہے جو غالباً قدیم دلّی کی یادگار ہے۔ اب اس امر کا تصفیہ ایک مشکل کام ہے
کہ کون سی رائے زیادہ دقیق ہے۔ جو لوگ روایات متواترہ پر بھروسہ کرتے ہیں اور گورنمنٹ
کے کسی عہدہ دار کی رائے پر خواہ مخواہ ٹیکہ نہیں لگاتے اُن کے نزدیک یہ بات کچھ بھی غیراغلب
نہیں ہے کہ پرانی دلّی اندرپرستھ کی جگہ ہی بنائی گئی جو پہلے سے ایک بڑی بھاری سلطنت کا
راج دہانی تھا اور راجہ اننگ پال اوّل نے کچھ عجب نہیں کہ نئے شہر کو از سرِ نو بسانے کے

مقابلے میں پُرانے شہر ہی کے پھر آباد کرنے کو ترجیح دی ہو اور یہی ابوالفضل کی بھی رائے ہی اور اسی پر آگے چل کر تمام مورخین نے بھی اتفاق کیا ہی۔ سلاطینِ اسلام کی پرانی تاریخوں میں پرانے قلعے کو اندر پت بھی لکھا ہی۔ اس سے تو ہندوستانیوں ہی کی رائے مرجح قرار پاتی ہی۔ یہ ضرور نہیں ہی کہ لوہے کی لاٹ پرانی دلّی کے بیچوں بیچ یا اُس کے آس پاس ہی نصب کی گئی ہو۔ غالباً جنرل صاحب کا مقصود اس سے عارضی دلّی ہوگا جس پر راجہ سکونتا تیرہ سال قابض رہا اور بعد کو راجہ بکرماجیت نے فتح کرلی۔

اب رہی لوہے کی لاٹ۔ کون کہہ سکتا ہی کہ وہ اپنی اصلی جگہ پر اب تک قایم بھی ہی یا نہیں ہمارے علم کا یہ حال ہی کہ ہم آج تک اُس کے بنانے والے کو بھی نہیں جانتے۔ اب جنرل صاحب کے استدلال سے بحث کی جاتی ہی۔ اِس میں شک نہیں کہ راجہ انگ پال ثانی نے سمت ۱۱۰۹ سنہ ۱۰۵۲ع میں دلّی کو دوبارہ آباد کیا کیوں کہ یہ بات خود آہنی ستون پر کندہ ہی اس سے ہم صحیح طور پر نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ دوبارہ آباد کی ہوئی دلّی راجہ انگ پال اوّل والی دلّی تھی۔ اگر یہ مان لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جو آہنی ستون شہر کی آبادی کی یادگار میں بنایا گیا تھا وہ غالباً اُس مقام سے جسکی وہ یادگار ہی دور نہیں رکھا جاسکتا۔ پھر اگر انگ پال اوّل کے ہی سر دلّی اسکے آباد کرنے کا سہرا رہتا ہی تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہی کہ اُس نے پانچ میل کے فاصلے سے اسی نام کی ایک اور دلّی بسائی ہو۔ اگر ہم جنرل صاحب کی راے سے اتفاق کریں تو مورخین کی تمام روایات کو پسِ پشت ڈال دینا پڑے گا اور اگر ہم جنرل صاحب کی راے کی تصویب نہ کریں تو ہم کو لازمی طور پر اس بات سے انحراف کرنا ہوگا کہ انگ پال اوّل نے دوبارہ دلّی بسائی اور نیز اس سے بھی اعراض کرنا ہوگا کہ انگ پال ثانی نے اُسی جگہ از سرِ نو دلّی آباد کی اور اس سے بھی کہ لوہے کی لاٹ اُسی مقام پر کھڑی ہی جہاں کہ دلّی آباد کی گئی تھی۔ ماحصل اس تمام تقریر کا یہ ہی کہ راے پتھورا کا تعلق دلّی کی تاریخ سے بالکل غیر متعلق قرار پاتا ہی۔ یہ جو روایت مشہور ہی کہ بکرماجیت نے راجہ ساکا کو شکست دی تو اس کے بعد سے (۷۹۲) برس تک دلّی بالکل چھوڑ دی گئی تھی اس بات کو اکثر مورخین نے بالاتفاق بیان کیا ہی اور اس سے یہ سمجھا جاتا ہی کہ اس عرصہ مدت میں دلّی پانڈو راجاؤں کی دارالسلطنت نہیں رہی۔ بقول کرنل ٹاڈ آٹھ صدی تک دلّی پر کوئی حکمراں نہ تھا اور گورمنٹ شمالی ہند سے جنوبی ہند میں منتقل ہوگئی تھی۔ اور یہی

حالت چوتھی صدی اور بقول بعض مورخین کے بکرماجیت کے بعد تک رہی۔
اس کے بعد بدھشٹر کے شہر اندرپرست پر تنوار خاندان کے راجپوتوں نے قبضہ کیا جو
اپنے کو پانڈوؤں کی نسل کا کہتے تھے۔ اس وقت اس قدیم دارالسلطنت کو جو پھر آباد کیا
گیا تو ایک نیا نام دلی کا دیا گیا اور اس کے بانی اننگ پال اول کا خاندان بارھویں صدی تک
حکمراں رہا تاآں کہ اننگ پال سوم نے اپنے پوتے پرتھی راج کے لیئے جو زیادہ تر
رائے پتھورا کے نام سے مشہور رہی خود تخت خالی کر دیا۔ ہندوستانی مورخین کا یہ بیان ہی
کہ اننگ پال نے قنوج سے اپنا راج دہانی سنہ ۶۷۶ء کے قریب اندرپرستھ پر منتقل کرلیا
پھر تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس جدید دارالسلطنت کا نام دلی مشہور ہو گیا کننگھم صاحب
کی تحقیقات کی بنا پر اننگ پال نے دلی شہر کو قریب سنہ ۷۳۱ یا ۷۳۶ء از سر نو بسایا۔
صاحب موصوف کی رائے ہی کہ لوہے کی لاٹ کے راجہ دہاوا کے کتبے کی بنا پر (۷۹۲)
برس تک جو دلی کا دارالسلطنت سے خالی رہنا کہا جاتا ہی اس اثنا میں بھی راجہ دہاوا کے
زمانے میں دلی ایک دفعہ مستقر سلطنت رہ چکا ہی یا کم سے کم یہ ہوا کہ اس غاصب کے
عہد میں برائے چندے دلی کچھ پنپ گئی ہو۔ لیکن ڈاکٹر بھاؤ داجی نے جو اس کتبے کا
ترجمہ کیا ہی اس کی رو سے راجہ دہاوا کا پتہ نہیں چلتا اور نہ کسی تاریخ میں اس نام کے کسی راجہ کا
ذکر دیکھا گیا اور ہی مسٹر ایڈورڈ طامس کی بھی رائے ہی کہ اس نام کا کوئی راجہ اس زمانے میں
نہیں گزرا۔ ابوالفضل نے جو چوتھی عیسوی صدی میں تنوار خاندان والوں نے دلی کو از سر نو
بنانا لکھا ہی اس کو کننگھم صاحب اور سر سید احمد خاں صاحب دونوں نے غلط ظاہر کیا ہی
جنرل صاحب نے اس غلطی کی تشریح یوں کی ہی کہ مصنف آئین اکبری نے بلبھی سمت (۴۲۹)
کو بکرماجیتی سمت سمجھ لیا ہی۔ حالانکہ بلبھی سمت کا آغاز سنہ ۳۱۹ء سے ہوا ہی۔ لوہے کی
لاٹ پر دلی کے از سر نو بنانے کا سمت ۴۱۹ منقوش ہی اس میں اگر (۳۱۸) جوڑ دیئے جائیں
تو ۷۳۷ سنہ عیسوی ہوتا ہی۔ امیر خسرو کی مثنوی "نور سپہر" کا حوالہ بھی دیا جاتا ہی
جس میں راجہ اننگ پال اول کا ذکر ہی کہ وہ ایک بڑا "رای" تھا جو پان چھ سو برس
اول زندہ تھا۔ اس مثنوی کے سال تصنیف سے حساب لگایا جائے تو اننگ پال کا
زمانہ سنہ [illegible] یا سنہ [illegible] قرار پاتا ہی سر سید اور جنرل صاحب دونوں ذیل کی روایت
اسی مثنوی سے نقل کرتے ہیں لیکن جنرل صاحب ان شعروں کا وجود آہنی ستون کے
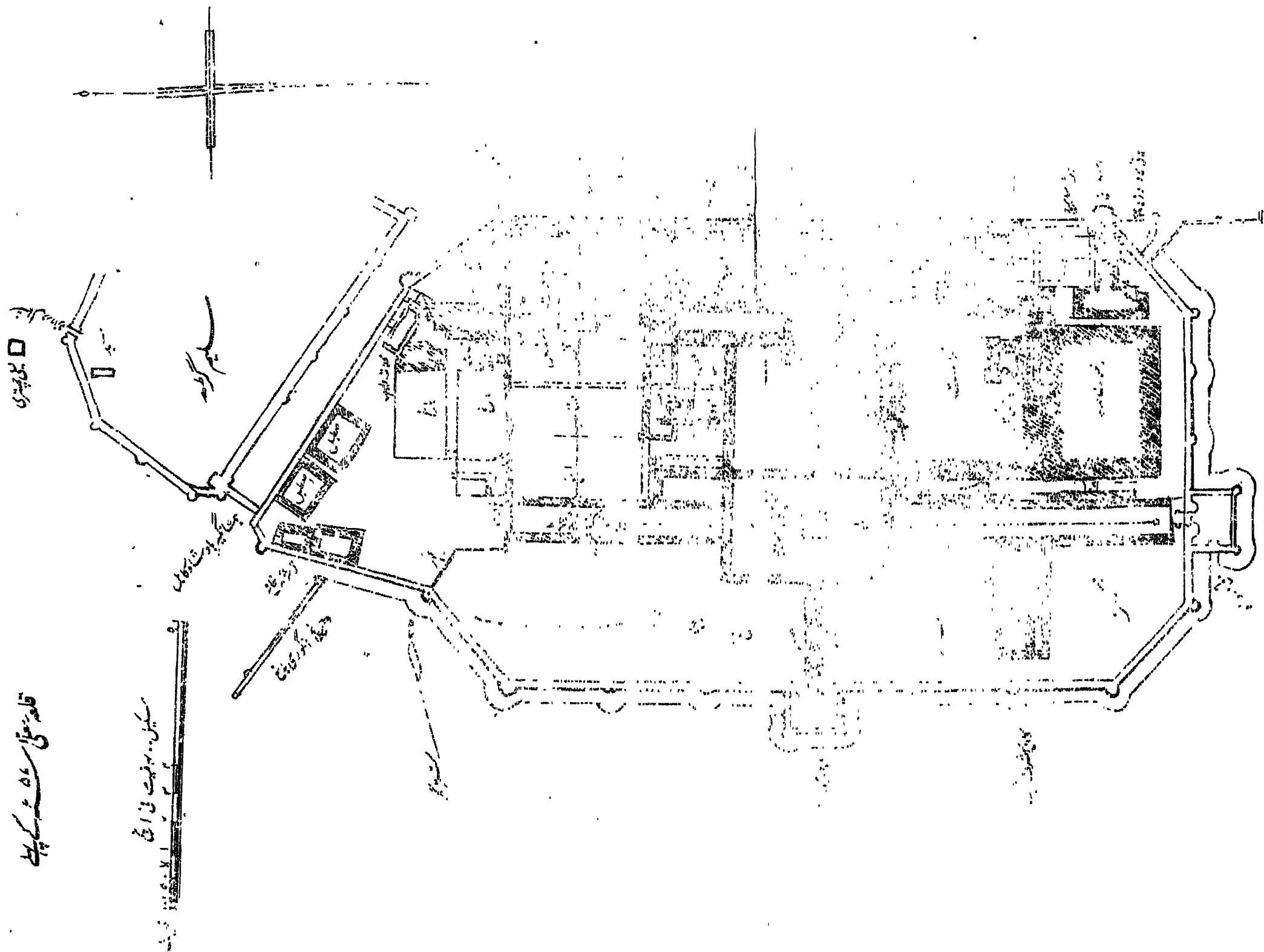
پاس بتلاتے ہیں اور سر سید پرانے قلعے میں۔ (راجہ اننگ پال) نے اپنے محل کے دروازے پر پتھر کے بنے ہوئے دو شیر بٹھلائے تھے اور انھیں کے پاس ایک گھنٹا بھی اس غرض سے لٹکایا گیا تھا کہ داد خواہ اُسے ہلا دیں جس کی آواز سن کر راجہ لوگوں کی داد کو پہنچتا تھا۔" سر سید یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ شیر سنہ ۱۳۱۸ء تک موجود تھے لیکن آگے چل کر ان کا کیا حشر ہوا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ یہ بات بہت ممکن ہے کہ صحیح ہو کہ دلی راجہ اننگ پال دوم کی دارالسلطنت تھی جس نے ایک ایسے پرانے شہر کو جو اسی مقام پر پہلے بسا ہوا تھا از سر نو آباد کیا لیکن ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ جب گیارہویں صدی عیسوی میں سلطان محمد غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا تو دلی ایک ایسی معمولی بستی اور قعرِ گمنامی میں تھی کہ یا تو مسلمانوں کے کان اُس کے نام سے آشنا نہ تھے یا یہ کہ اُنھوں نے دلی کا نام سنا ہو لیکن چوں کہ وہ ایک معمولی حیثیت کی بستی تھی خاص طور پر تذکرے کے قابل نہیں سمجھی گئی۔

لال قلعہ یا قلعۂ مبارک یا قلعۂ شاہجہاں آباد

سنہ ۱۰۴۸ھ / ۱۶۳۸ء

زہے قلعہ کاندر بساتین وی
ندارد بہشت ست بے گل ندی
تمود شش گلِ کوہساری دہد
زمستاں نسیمِ بہاری دہد

بہشتی شدہ ہیشہ پیرامنش
دگر گوشۂ بستہ بر دامنش

سوادش ز بس سبزۂ اشک بید
چو باغِ ارم مایۂ صد امید

گرایندہ گردش ہا سودگی
فرو شستہ خاکش ز آلودگی

ہمہ سال ریحان او سبز شاخ
ہمیشہ درو ناز و نعمت فراخ

زمینش باب زر آغشتہ اند
تو گوئی دراں زعفراں کشتہ اند

خرامندہ بر سبزۂ آں زمیں
خیالے نہ بیند بجز خرمی

لبِ خندقش بستہ از سحر دم
طلسمے میانِ وجود و عدم

جہاں را ضرورست خمیازۂ
کہ از سایہ اش گیرد اندازۂ

سنہ ۱۵۲۶ء کی پانی پت کی لڑائی اور لودھی خاندان کی تباہی کے بعد ہندوستان کا مغل بادشاہ بابر آگرے میں جو اُس زمانے میں دارالسلطنت تھا تخت نشین ہوا۔

بابر کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا ہمایوں بھی آگرے ہی میں اُس وقت تک رہا جب کہ سنہ ۱۵۴۰ء میں اُسے شیر شاہ نے ہندوستان سے بدر کر دیا اور جب ۱۵۵۶ء میں ہمایوں پھر ہندوستان میں آیا تو اُس نے دہلی میں قیام کیا اور صرف چھ مہینے سلطنت کر کے یہیں انتقال کیا۔ ہمایوں کے بعد اکبر نے پھر آگرے کو دارالسلطنت قرار دیا اور دہلی میں ایک نایب السلطنت رہنے لگا۔ اکبر کے بعد جہانگیر بھی آگرے ہی میں رہا۔ جہانگیر کے بعد شاہ جہاں کی تخت نشینی کا جلوس بھی بڑی دھوم دھام سے اُس کے جد امجد کے محل میں آگرے ہی میں ہوا۔ گیارہ برس کے بعد جب جاہ و حشم کے ہجوم کے لیے آگرے اور لاہور کے قلعوں میں گنجایش نہ رہی تو شاہ جہاں نے دلّی کو دارالسلطنت مقرر کرنے کا قصد کیا اور کئی دفعہ شہر دین پناہ کو دیکھنے گیا۔ نجومیوں اور علماء و مشایخین کے مشورے سے یہ جگہ جہاں کہ اب لال قلعہ ہے قلعے کی تعمیر کے لیے منتخب کی اور پھر قلعے کے اطراف شہر شاہ جہاں آباد کی بنا ڈالی۔ جس کو بالعموم دہلی کہا جاتا ہے۔ اور شاہجہاں آباد میں ایسا قلعہ بنوانا شروع کیا جو آگرے کے قلعے سے دو چند اور لاہور کے قلعے سے چند در چند زیادہ ہو۔ بعد از دو ر پنج ساعت دوازدہ دقیقہ از شب جمعہ ۹[1] محرم سنہ ۱۰۴۹ھ ۱۶۳۹ء مطابق ۱۲ ازدی بہشت سنہ ۱۲ الٰہی۔ ساعت مسعود آوانِ محمود میں عزت خاں (جو بعد ۱۰۵۷ھ ۱۶۴۷ء میں سندھ کا صوبہ دار رہا) کے زیر اہتمام سنگ بنیاد رکھا گیا۔ کاریگروں میں سب سے بڑے اُستاد احمد و حامد نامی تھے عزت خاں کے سپرد یہ کام پانچ مہینے دو دن رہا جس میں اُس نے بنیادیں بھروا دیں اور مال مسالا جمع کیا تھا کہ سندھ جانے کا حکم ملا جب عزت خاں سندھ بھیجا گیا تو قلعہ کا کام الہ وردی خاں کے سپرد ہوا جس نے دو برس ایک مہینے چودہ دن میں قلعے کے گرد فصیل بارہ بارہ گز اونچی اُٹھائی۔ اِس کے بعد الہ وردی خاں بنگال کا صوبہ دار مقرر کیا گیا اور یہ کام مکرمت خاں کے تفویض ہوا جس نے نو سال کی لگاتار محنت سے سنہ (۲۰) جلوس شاہجہانی میں تعمیر کا کام حسن اختتام کو پہونچایا۔ اُس وقت بادشاہ کابل میں تھا مکرمت خاں میر عمارت نے پیشگاہ خداوندی میں عرضی گزرانی۔ بتاریخ ۲۴ ربیع الاوّل ۱۰۵۸ھ ۱۶۴۸ء بادشاہ سلامت

[1] آثار الصنادید میں ایک قدیم دیباچے پر سے یہ تاریخ درج کی گئی ہے ورنہ کتبے کی رو سے دسویں ذی حجہ سنہ ۱۰۴۸ھ ۱۶۳۸ء قلعے کی بنیاد رکھنے کی تاریخ صحیح معلوم ہوتی ہے۔۱۲

ہوا اور آپ پر سوار ہو کر جلوسِ شاہانہ سے قلعۂ معلی میں دریا کے دروازے جو غالباً خضری دروازہ تھا تشریف فرما ہوئے اور قلعے کو ملاحظہ فرمایا سر سے پاؤں تک سنگ سرخ سے گل رنگ۔ اس پر سنگ مرمر کے حاشیئے کا نرالا ڈھنگ۔ برجیاں فصیلیں اور مرغولیں خوشنما۔ عمارتیں اور باغ اور باغوں کی نہریں ایسی دل کشا کہ اگر بے مبالغہ بھی ایک ایک کی مفصل تفصیل کی جائے تو ایک دفتر آراستہ ہو جائے۔ کل قلعے کا نقشہ دیکھو تو کاغذ پر ایک ہشت پہلو پھول نظر آتا ہے دیوانِ عام میں دربار کا انعقاد مرکوزِ خاطرِ اقدس ہوا۔ غرض جشن کا سامان شروع ہوا۔ دیوانِ عام کے سامنے وہ شامیانہ کہ جس کا نام "دل بادل" تھا اور دیوانِ خاص کے میدان میں "سہا منڈل" خیمہ ایستادہ ہوا جس کا کلس خیمۂ فلک کے پار نکلا جاتا تھا۔ یہ بھی سات برس کے عرصے میں تیار ہوئے تھے اور ہزاروں گز پشمینے کشمیر کے اور مخمل زربافت گجرات کے اُن پر خرچ ہوئے تھے۔ دونوں سونے کے ستونوں اور چاندی کے استادوں پر کھڑے تھے۔ اُن کے آگے خوشنما شامیانے اطلسی اور زربافی۔ سنہری روپہلی چوبوں پر تانے گئے۔ دیوانِ عالی جس طرح طلائی چھت کی میناکاری سے گوناگوں تھا اسی طرح ایرانی قالین اور بنارسی کمخابوں سے بوقلموں تھا۔ صدر سے لے کر پاانداز کے ایک ایک مکان تک در و دیوار کو مخمل۔ زرباف۔ بادلہ و کمخاب۔ پردہ ہائے فرنگی۔ دیبائے رومی۔ اطلسِ چینی سے نگارخانۂ چین کر دیا۔ صدر میں تخت طاؤس بچھایا گیا۔ اور دربار بڑی شان و شوکت سے ہوا۔

برنیر سیاح نے اس قلعہ کے متعلق ۱۶۶۳ء میں لکھا ہے کہ "قلعہ کی عمارت مدور بلکہ نصف دائرہ کی شکل کی ہے۔ قلعہ پر سے دریا کا منظر (خوب) ہے۔ قلعہ اور دریا کے بیچ میں ایک بڑا ریتیلا میدان حائل ہے۔ اسی میدان میں ہاتھیوں کی لڑائی (کا تماشہ) ہوتا ہے۔ امرا، جاگیرداروں، راجاؤں اور روساؤں کی افواج بغرض ملاحظہ خداوندی یہیں صف آرا ہوتی ہیں اور بادشاہ سلامت نشیمن میں برآمد ہو کر ملاحظہ کا شرف بخشتے ہیں۔ قلعہ کی فصیل کے قدیم اور گول برج اسی وضع کے ہیں جیسے کہ شہرپناہ کے ہیں لیکن قلعے کے برج کچھ تو اینٹ کے ہیں اور کچھ سنگ سرخ کے جو سنگ مرمر سے ملتے جلتے ہیں۔ مگر ان کی ساخت زیادہ بہتر ہے" قلعہ بے قاعدہ ہشت پہل شکل کا ہے۔ جس کے دو بڑے بڑے ضلعوں میں سے ایک مشرقی دریا کی جانب ہے اور دوسرا مغربی شہر کی طرف اور چھ چھوٹے چھوٹے ضلعے شمال اور جنوب کی سمت میں ہیں۔ قلعے کا دور قریب ڈیڑھ میل کے ہے۔

طول تقریباً تین ہزار فیٹ اور عرض بجانب دریا اٹھارہ سو فیٹ ہے۔ دریا کے طرف کی فصیل اگرچہ ساٹھ فیٹ اونچی ہے مگر قلعے کی زمین میں اس قدر بھرتی کی گئی ہے کہ اس فصیل کے ہم سطح ہے اور اسی سبب سے دریا کی طرف سے قلعہ اور شہر شاہجہاں آباد کا منظر عجیب خوش نما نظر آتا ہے فصیل اور دریا کے بیچ میں ایک بڑا بھاری کراڑا ریت کا ہے جس پر کبھی پانی نہیں چڑھتا۔ دوسری طرف سے قلعے کو دیکھیے تو اسکی وسیع اور عظیم الشان سنگ سُرخ کا فصیل۔ بُرج۔ دروازے۔ بھاری بھاری پشتے اور گہری خندق دیکھ کر دل پر ایک گہرا اثر عظمت اور جبروت کا آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ فصیل کو دیکھیے آسمان سے باتیں کرتی ہے یعنی ۱۱۰ فٹ بلند جس میں سے ۷۵ فٹ سطح زمین کے اوپر ہے اور پاسے میں ۴۵ فٹ عریض ہے اور ۳۰ فٹ وہاں جہاں کہ مورچہ بندی کا کنگورا ہے۔ خندق کو دیکھ کر ہیبت معلوم دیتی ہے جو ۷۵ فٹ عریض اور ۳۰ فٹ عمیق ہے۔ برنیر سیاح جو اورنگ زیب کے عہد میں اس ملک میں آیا تھا لکھتا ہے کہ "قلعے کی فصیل بلندی اور استحکام میں شہر کی فصیل سے کہیں زیادہ ہے۔ قلعے کی طرف چھوڑ کر سب طرف پختہ سنگ بست خندق ہے جس میں ہر وقت پانی بھرا رہتا ہے اور مچھلیاں خوش فعلیاں کرتی رہتی ہیں"۔ لیکن جیسا کہ برنیر کی عادت ہے کہ ہمیشہ اُس کی نگاہ عیب جو رہتی ہے ایک چلتا سا فقرہ یہ بھی لکھ مارا ہے کہ "ایک معمولی سا توپ خانہ بھی ذرا سی دیر میں اُس کو مسمار کر کے زمین کے برابر ہو سکتا ہے"۔ میں کہتا ہوں کہ منہ سے کہہ دینا تو بہت آسان ہے لیکن کر کے دکھانا کار سے وارد۔ خندق سے ملے ہوئے بڑے بڑے باغات ہیں جن میں انواع واقسام کے ہرے بھرے درخت ہیں اور طرح بطرح رنگ برنگ کے پھول ہمیشہ کھلے رہتے ہیں جن کی سبزہ زاری اور بہار سے دماغ کو تازگی اور دل کو سرور کے علاوہ ایک ایسا خوش نما اور دلچسپ نظارہ ہے کہ جس نے یہ سماں دیکھا ہو وہی اُس کا کچھ اندازہ کر سکتا ہے"۔ اب تو باغ کٹ کٹا کر ایک چٹیل میدان رہ گیا ہے ؎

زیارتِ دلِ مجروح بلبلاں کردم		بباغ رفتم و گل چیدم و فغاں کردم
ہزار سال دریں باغ آشیاں کردم		بمن بگفت یکے بلبلے کہن سالے
من ایں معاملہ را کردم و زیاں کردم		وفا و عہد مودت ز گل رخاں مطلب

اب سال گزشتہ رہے سہے درخت کٹوا کر قلعے سے لے کر مسجد فتح پوری تک یعنی سارے چاندنی چوک کو سپاٹ کر دیا ہے کہ سایہ کا نام نہیں رہا۔ دلی کی سخت گرمی اور لوؤں میں

چیل انڈا چھوڑ دیتی ہے اور ہرن کالے پڑ جاتے ہیں۔ سڑک کے دو طرفہ سایہ دار درخت ایک نعمت غیر مترقبہ تھے۔ خدا جانے حکام وقت کی کیا مصلحت تھی کہ چاندنی چوک کا بازار جو عروس البلاد تھا یوں نوچ کھسوٹ ڈالا گیا۔ اب سڑک چوڑی کر کے کنارے کنارے پھر درخت لگائے گئے ہیں مگر ع تا سالِ دگر کہ خورد و رندہ کہ ماند۔ ایک زمانہ چاہیے کہ اتنے بڑھیں کہ لوگ ان کے سایے سے مستفید ہو سکیں۔ ؎

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش　　رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند

کہا جاتا ہے کہ غدر کے پہلے تک ان باغوں کا کچھ کچھ حصہ باقی تھا مگر اب جو حالت ہے وہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ قلعے کے دو عالی شان سربفلک دروازے مع پیش برجوں کے ہیں جن میں ایک دروازہ مغربی دیوار کے وسط میں ہے اور دوسرا فصیل کے جنوب و مغربی کونے میں قلعے کی جنوبی دیوار میں ہے ان دروازوں میں سے شہر کے لوگ آمد و رفت رکھتے ہیں۔ یہ دونوں دروازے (۱۱۰ فٹ) بلند ہیں۔ یہ تو شہر کی طرف کے دروازے ہوئے ان کے علاوہ اور دو چھوٹے دروازے بھی ہیں۔ ایک مثمن برج کے پاس خضری دروازہ جو دریا کی طرف ہے اور دوسرا شمال رخ سلیم گڑھ کے پاس۔ ان کے سوا دو کھڑکیاں بھی اور ہیں ایک جنوب مشرق کے کونے میں اسد برج کے پاس دوسری شمال مشرق کے کونے میں شمالی دروازے اور شاہ برج کے بیچوں بیچ فصیلوں پر مورچے بندی کا کنگورا ہے جس میں اکیس چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں جن میں سے سات گول اور باقی ہشت پہلو ہیں۔ قلعے کے مصارف کا تخمینہ ایک کروڑ روپیہ کیا گیا ہے جس میں سے نصف رقم فصیلوں میں لگی اور بقیہ نصف اندرونی عمارات میں۔ بعض لوگوں نے صرف پچاس ہی لاکھ کا تخمینہ لگایا ہے جو بلحاظ وسعت و استحکام عمارات کم معلوم دیتا ہے لیکن کتبے میں بھی یہی رقم درج ہے جو غالباً صرف عمارات کی معلوم ہوتی ہے باقی خرچ تعمیر فصیل وغیرہ کا غالباً اس میں شامل نہ ہوگا۔ برنیر صاحب لکھتے ہیں کہ "قلعہ جس میں محلات اور دوسری شاہی عمارات ہیں لب دریا ہے۔ حد فاصل مابین قلعے اور دریا کے ایک ریتیلا میدان ہے" اسی میدان میں ایک دفعہ برنیر ہاتھیوں کی لڑائی میں ایک مست ہاتھی کی زد سے بال بال بچ گیا۔

لاہوری دروازہ
وکٹوریا گیٹ سنہ ۱۰۴۸-۵۸ھ
۱۶۳۹-۴۸ء

قلعے کے سب دروازوں میں سے اسی دروازے سے سب سے

زیادہ آمد و رفت ہی کیونکہ دہلی کے مشہور بازار چاندنی چوک کی طرف ہی۔ اورنگ زیب بادشاہ نے دروازے کے سامنے کھوگس یعنی پیش برج یا گھونگٹ کی دیوار بنوا کر دروازے کی پوری حفاظت کر دی۔ اگرچہ دروازے کا رخ بجانب مغرب ہی مگر پیش برج میں جانے کا رستہ جس کے نیچے گہری خندق ہو شمال کی طرف ہی۔ اس دروازے کے پیش برج کے سامنے ایک تفلی دار پل تھا اور ایسا ہی دلی دروازے کے سامنے بھی تھا جسکو اکبر ثانی نے توڑوا کر ۲۵ چوڑا پختہ اور سنگ بست پل بنوا دیا جس کی محراب پہ یہ کتبہ ہی

ھوالمغنی

سنہ جلوس والا ۱۲۲۶ھ ۱۸۱۱ء در عہد شاہ جم جاہ محمد اکبر شاہ بادشاہ غازی صاحب قران ثانی باہتمام ولاور الدولہ راپرٹ باقفرسن بہادر دلیر جنگ پل فیض منزل تعمیر یافت

یہ گھونگٹ کی دیوار ایک مربع قطعۂ زمین کو محاط کیئے ہوئے ہی جس کی دیوار کنگورے سمیت چالیس فیٹ بلند ہی۔ مغربی دیوار کے کونوں پہ برجیاں ہیں جن پہ سنگ مرمر کے کلس ہیں۔ گھونگٹ کے اندر جانے کا ایک محراب دار دروازہ چالیس فیٹ اونچا اور چوبیس فیٹ چوڑا ہی جس کی بلندی احاطے کی دیوار سے آٹھ فیٹ زیادہ ہی جس پر مورچہ بندی کا کنگورا ہی جس کے دونوں طرف سنگ سرخ کی دو پتلی پتلی مناریں دس فیٹ اونچی ہیں۔

لاہوری دروازہ نہایت بلند اور محراب دار ہی۔ اس کی بلندی اکتالیس فیٹ اور چوڑائی چوبیس فیٹ ہی۔ یہ دروازہ سہ منزلہ ہی جس پہ مثمن شکل کے کمرے بنے ہوئے ہیں اُن میں قلعے کے یورپین عہدہ دار رہتے ہیں اور نیچے گارڈ کے لوگ غدر سے پہلے قلعے کی فوج کا کمانیر انھیں میں رہتا تھا۔ ۱۸۱۲ء میں جب کہ اکبر شاہ ثانی کے لاڈلے فرزند نے مسٹر سیٹن (Seton) ریذیڈنٹ دہلی کی جان لینے کا قصد کیا تب ہی سے گارڈ مقرر کیا گیا۔ برجوں پر ہشت پہلو چھتریاں بنی ہوئی ہیں۔ برجوں کے کنگوروں کے بیچوں بیچ دروازے کا درمیانی کنگورا ہی۔ دروازے کے بالائی کنگورے کی منڈیر پہ ایک قطار سنگ سرخ کی تین تین فیٹ اونچی کھلی ہوئی محرابوں کی ہی جن پر سات چھوٹی چھوٹی سنگ مرمر کی برجیاں محرابوں کے برابر برابر ہیں۔ اس تمام خوب صورت اور خوشنما جنگلے کی دونوں جانب پتلی پتلی گاؤدم سنگ مرمر کی مناریں ہیں جن پر لالٹین کی وضع کے سنگ مرمر کے سفید براق گولے چڑھے ہوئے ہیں ۱۸۵۷ء کے غدر میں اسی دروازے کے سامنے مسٹر فریزر۔ کپتان ڈگلس۔

نقشۂ دہلی دروازہ قلعۂ معلّی
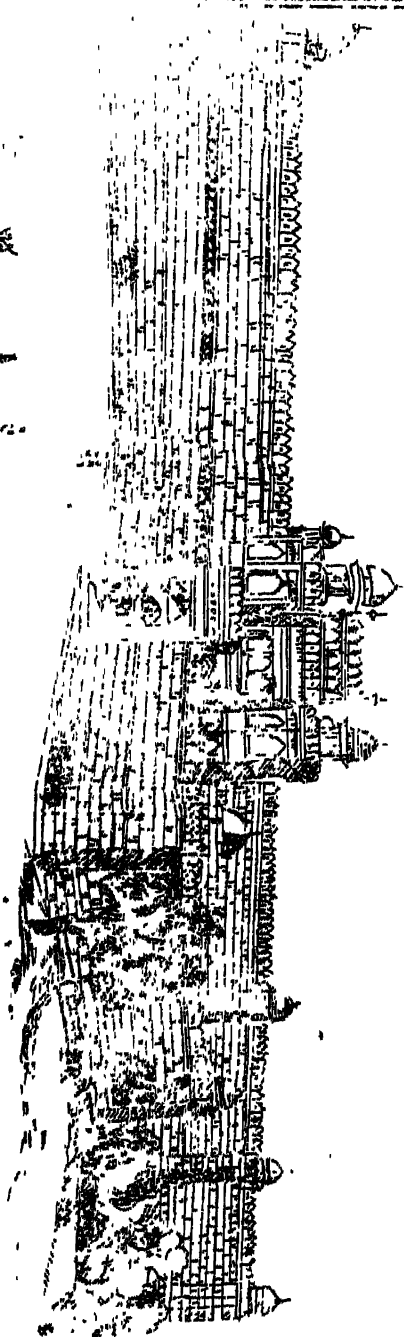
امرا اور منصب داروں کی نشست ہوتی تھی اور حاضر باش رہتے تھے۔ اس چوک کے جنوب و مغرب کے گوشہ میں اور کچھ عمارات تھیں جن میں ارکانِ دولت امورِ سلطنت انجام دیا کرتے تھے۔ چوک کے وسط میں ایک حوض تھا جس میں نہر گرتی تھی اور ہر وقت لبریز رہتا تھا۔ یہ نہر چوک کے بیچوں بیچ میں سے گزرتی تھی جس سے اس مربع قطعہ کے بالمناصفہ دو ٹکڑے ہو گئے تھے۔ نہر کے برابر برابر پھر دو طرفہ ایک چوڑی سڑک شمال سے جنوب کو تھی۔ جو ایک طرف شاہی باغات کو چلی گئی تھی جن کو یہی نہر سیراب کرتی تھی اور جنوب کی طرف دلی دروازے سے جاملی تھی۔ برنیر نے اس مقام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اس قطعے کے عمارات کی کرسی ۴½ بلند تھی اور محراب دار مکانات کے سامنے کی گلیاں کوئی چار فیٹ چوڑی تھیں۔ اس جگہ اوسط درجے کے امرا رہا کرتے تھے اور نشست کے امرا بھی یہیں رہتے تھے۔" حوض کے سامنے اور لاہوری دروازے کے بازار کے اندرونی دروازے کے بالمقابل ایک پختہ جنگلے کے اندر نقار خانے کی سنگ سُرخ کی پختہ عمارت تھی جس میں انگریزی عہد میں بہ اغراضِ ضروریات فوجی بہت کچھ توڑ پھوڑ کی گئی ہے۔ اب نہ اس چوک کی دیواریں رہیں نہ حوض نہ کوئی عمارت باقی ہے نہ وہ سنگین جنگلا رہا لیکن خدا کا شکر ہے کہ اصل نقار خانے کی عمارت جوں کی توں اپنی حالتِ اصلی پر قایم و برقرار رہی۔ پہلے نقار خانے کے حجرے اور در کھلے ہوئے تھے لیکن چوں کہ اب اس میں فوجی عہدہ دار رہتے ہیں بعض بعض در چُن دیئے گئے ہیں۔ بازار کے دروازے اور نقار خانے کے درمیان ساری عمارت کو ڈھا کر اب میدان صاف کر دیا گیا ہے اس وجہ سے اب کچھ پتہ نہیں چل سکتا کہ نقار خانہ شاہجہانی کے ہر دو جانب کیا کیا عمارتیں اس زمانے میں تھیں۔ اس سر بفلک نقار خانے پر روزانہ پانچ وقت نوبت جھڑا کرتی تھی۔ اتوار کو سارے دن نوبت بجتی رہتی تھی کیوں کہ بحساب شمسی اتوار کا دن زیادہ مبارک خیال کیا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا جو دن بادشاہ سلامت کی ولادت کا تھا اس دن بھی تمام دن نوبت بجا کرتی تھی۔ برنیر صاحب پہلے پہل نوبت نقاروں کی آواز سے بہت بھنّائے کیوں کہ اُن کے کان کب اس سے آشنا تھے مگر پھر تو وہ ایسے سمجھے کہ نوبت کی عظمت و شان دبدبہ اور وقار اور سُریلی آواز کے گرویدہ ہو کر تعریف کرنے لگے۔ نقار خانہ تین فیٹ اونچے

چبوترے پر بنا ہوا ہی جو اب چبوترے کے اس سرے سے اُس سرے تک بڑھا دیا گیا ہی نقار خانے کا اصلی دروازہ اب بے کار پڑا ہی۔ نقار خانے کا ہال ستر فیٹ چوڑا اور چھیالیس فیٹ اونچا ہی جس کے چاروں کونوں پر دس دس فیٹ اونچی برجیاں ہیں نقار خانے کا دروازہ انتیس فیٹ اونچا اور سو فیٹ چوڑا بیچ میں ہی جس کے دونوں جانب دو منزلہ حجرے ہیں کہ اُن کے آگے بھی محرابیں بنا دی ہیں اور اُن کے اودھر اُدھر سیڑھیاں اوپر جانے کی بنی ہوئی ہیں اُس کے اوپر بیچ در وہ دالان ہی کہ ادھر اُدھر دونوں طرف اُس کے در نمودار ہیں۔ اسی دالان میں شاہی نوبت بجا کرتی تھی۔ چھت کے شمال مغربی اور جنوب مغربی کونوں پر چار چار ستونوں کی مربع برجیاں ہیں جن کے گنبدوں کے تلے ایک چوڑا چھجہ ہی۔ یہ دروازہ جو بطور نقار خانے کے استعمال کیا جاتا تھا دراصل دیوان عام کے صحن کا دروازہ تھا۔

ہتیاپول دروازہ یعنے ہاتھی دروازہ

نقار خانے کے دروازے کو ہتیاپول دروازہ بھی کہتے تھے بعض کہتے ہیں کہ ہتیاپول اس سبب سے کہلاتا تھا کہ دونوں طرف دو پتھر کے ہاتھی کھڑے تھے۔ اور بعض کا یہ کہنا ہی کہ یہاں ہاتھی کبھی بھی نہ تھے چوں کہ بجز خاندان شاہی کے ممبروں کے اور سارے امرائے فیل نشین دیوان عام کے صحن میں داخل ہونے کے پہلے یہیں بپاس ادب ہاتھیوں پر سے اُتر پڑتے تھے اس واسطے یہ نام مشہور ہوگیا اور یہی بات زیادہ تر قرین قیاس ہی۔ برنیر صاحب نے بھی محل کے دروازے پر دو ہاتھیوں کے ہونے کا ذکر کیا ہی لیکن کننگھم صاحب لکھتے ہیں کہ یہ ہاتھی دہلی دروازے کے باہر تھے (جہاں کہ اب ہیں) اور برنیر کے قول کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ مسٹر کین اس معاملے پر نظر غائر ڈالنے کے بعد لکھتے ہیں کہ جس دروازے پر زمان شاہی میں ہاتھی کھڑے تھے وہ دروازہ بلحاظ صراحت بینیہ کے لاہوری دروازہ قرار پاتا ہی نہ کہ دہلی دروازہ جس کے سامنے گھوگس بنا ہوا ہی۔ جنرل کننگھم اور مسٹر کین دونوں کی رائے سے مسٹر کار سٹیون نے اس وجہ سے اختلاف کیا ہی کہ مسٹر کین کا بیان تو مجروح ہی البتہ جنرل صاحب برنیر کے بیان کو اپنی رائے کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ برنیر کا اصل قول یہ ہی: "دہلی محل کے دروازے میں داخل ہوتے وقت کوئی عجیب چیز سوائے پتھر کے دو ہاتھیوں کے

نہیں دکھلائی دیتی جو دروازے کے دونوں طرف ہیں۔ جن میں سے ایک پر جائل چتوڑ کے مشہور راجہ کا مجسمہ ہی اور دوسرے پر اُس کے بھائی پتّا نامی کا۔۔ قلعے میں داخل ہوتے ہی دو بڑے بڑے گراں ڈیل ہاتھی جن پر دو جری آدمی بیٹھے ہوے ہیں دیکھ کر عظمت وجبروت کا سماں بندھ جاتا ہی اور آدمی ہکا بکا رہ جاتا ہی۔" برنیر نے کہیں کسی دروازے کا نام نہیں لیا ہی بلکہ یہاں تک کہ اُس نے یہ بھی نہیں لکھا کہ وہ قلعہ کا دروازہ تھا بلکہ وہ صاف محل کا دروازہ بتلاتا ہی جس سے زیادہ تر مناسبت اُس دروازے کو ہی جو نقارخانے یا ہتیا پول دروازے کے نام سے مشہور ہی نہ کہ قلعے کے دلی یا لاہوری دروازے سے۔ پھر برنیر نے قلعے کے بڑے دروازوں کے بیان میں کچھ ایسی گڈ مڈ کی ہی کہ دونوں دروازوں میں سے ایک سے بھی میل نہیں کھاتا۔ عام روایت اور خود اس دروازے کا نام صاف طور پر بتلا رہا ہی کہ دراصل جس دروازے کے طرف ہاتھی کھڑے تھے وہ یہی نقار خانے کا دروازہ تھا نہ کہ کوئی اور۔ فرینکلن صاحب جو سنہ ۱۷۹۳ء میں دلی گئے تھے تو صاحب موصوف نے دریافت کیا کہ وہ مجسّے جو ان ہاتھیوں پر تھے کیا ہوے تو معلوم ہوا کہ اورنگ زیب نے چوں کہ وہ بت پرستی کا سخت دشمن تھا ہاتھیوں کو مجسموں سمیت نکلوا کر اُس جگہ سنگ سُرخ کی جالیاں لگوا دیں جس سے ایک گونہ دروازے کی رونق میں فرق آگیا۔ برسوں بعد سنہ ۱۸۶۳ء میں ایک ہاتھی تو قلعہ ہی میں گڑا ہوا اس ہیئت کذائی سے ملا کہ اُس کے ۲۵ ٹکڑے ٹکڑے زمین میں گڑے ہوے تھے۔ اس سے یہ امر کچھ بعید نہیں معلوم ہوتا کہ اورنگ زیب ہی نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیئے ہوں۔ برنیر لکھتا ہی اور کیا عجب ہی کہ یہ بات صحیح بھی ہو کہ" یہ ہاتھی اور مجسّے اکبر نے آگرے میں طیار کرائے تھے جو آگرے کے قلعے میں اُس دروازے کے سامنے کھڑے تھے جو دریا کے سامنے ہی۔ وہاں سے اُکھڑوا کر شاہجہاں دلی لوا لایا۔" ان پر مجسّے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں والی چتوڑ جائل اور اُس کے بھائی پتّا کے تھے جنھوں نے اکبر سے مقابلہ کیا تھا۔ یہ ہاتھی اور مجسّے بڑے بھاری تھے۔ ایک ایک ہاتھی پر دو دو شخص سوار تھے اگلا مہاوت اور پچھلا سردار۔ ان میں سے ایک ہاتھی کے ٹکڑے ٹکڑے قلعے میں ملے تھے جن کو تین برس بعد مسٹر کیمبل نے جوڑ جاڑ کر ملکہ کے

باغ میں کھڑا کر دیا تھا پھر ۱۸۹۲ء میں میونسپل ہال کے سامنے کھڑا کیا گیا تھا جس کے چبوترے پر انگریزی میں یہ کتبہ تھا جس کا ترجمہ ہم لکھتے ہیں۔ "یہ ہاتھی جو بے نہایت اور نامعلوم قدامت کا ہے۔ اس کو شاہنشاہ شاہجہاں نے ۱۶۴۵ء میں لاکر اپنے نئے محل کے جنوبی دروازے کے سامنے استادہ کیا تھا۔ اُس مقام سے شاہنشاہ اورنگ زیب نے اُکھڑوا کر ہزار ہا ٹکڑے کروا ڈالے (یہ ہاتھی پھر کسی کو یاد نہ رہا) سب بھول (بسر) گئے اور (اسی کس مپرسی کی حالت میں) ڈیڑھ صدی سے بھی زیادہ زمین کے اندر دفن رہ کر ۱۸۶۶ء میں نکالا گیا اور اس مقام پر استادہ کیا گیا" اب چونکہ میونسپل ہال اور گھنٹہ گھر کے بیچ میں چاندنی چوک کے رُخ پر ملکہ معظمہ آن جہانی کا بت نصب کیا گیا ہے لہٰذا یہ ہاتھی اور اس کے بالمقابل ایک دوسرا ہاتھی دونوں آمنے سامنے قلعے کے دلّی دروازے کے گھونگٹ میں کھڑے کیے گئے ہیں جن کو لارڈ کرزن نے ۱۹۰۳ء میں یہاں اُستادہ کرا کے گویا اپنے مرکز اصلی پر پونہچا دیا ہے کیوں کہ ان ہاتھیوں کے استادہ کرنے کے وقت جو کھدائی کی گئی تو کچھ نشانات ایسے ملے کہ جن سے اور زیادہ ثبوت اس امر کا مل گیا کہ دراصل یہ ہاتھی پہلے یہیں تھے۔ جامل اور پتّا کے مجسمے اب بھی میونسپل ہال کے عجائب خانے کے برآمدے میں موجود ہیں جن کے پاس اور دو مجسمے بھی دست و پا شکستہ دھرے ہیں جو عجب نہیں کہ انھیں ہاتھیوں کے مہاوتوں کے ہوں۔ نقار خانے کے دروازے سے نکل کر دیوان عام کے صحن میں داخل ہوتے ہیں اور یہیں سے وہ باوقار ادب کے مراسم شاہی شروع ہو جاتے تھے جو سلاطین مغلیہ کے درباروں میں ملحوظ رہتے تھے۔ نقار خانے کے دروازے میں سے سوائے مرشد زادوں یعنی ممبرانِ خاندان شاہی کے سواری پر اور اور کوئی جانے کا مجاز نہ تھا۔ سفرا۔ ایلچی۔ وزرا۔ امرائے عظام سب کے سب یہیں سے پاپیادہ ہو جاتے تھے۔ ان رسوم کی پابندی آخری دم یعنی سلاطین مغلیہ کے آخری بادشاہ بہادر شاہ کے زمانے تک بھی بلا کم و کاست کی جاتی تھی چنانچہ دہلی کے رزیڈنٹ مسٹر فرینسس ہاکنز (جن کی متعدی قوتِ تمیزی سے بڑھی ہوئی تھی) وہ آداب و مراتب شاہی کے ملحوظ نہ رکھنے ہی کی وجہ سے معتوب اور خدمت سے

موقوف ہوئے۔ اُن پر سب سے سنگین الزام یہی تھا کہ وہ نقار خانے کے دروازے میں سے سوار نکل گئے جو آدابِ شاہی کے سراسر خلاف تھا۔ جہاں دار شاہ (۱۷۱۲ء) اور فرخ سیر (۱۷۱۹ء) دونوں اسی نوبت خانے میں قتل کیئے گئے۔ فرخ سیر بے چارے کو توپہلے مکحول کیا بعد قتل کیا۔ اب اس نقار خانے کے نیچے کے دو کمروں میں محافظ قلعہ رہتا ہے۔

دیوانِ عام

۱۰۵۸ھ - ۱۶۴۹ء

جس زمانے میں یہ شاندار عمارت اپنی اصلی حالت پر تھی تو اس کا طول ۵۵۰ فٹ اور عرض تین سو فیٹ تھا۔ اس کی چار دیواری کے اندر ایک سلسلہ مکانات اور دالانوں کا تھا جن کی نسبت برنیر لکھتا ہے کہ "یہ محل انگلستان کے پیلس رایل سے ملتا جلتا ہوا تھا۔ صرف فرق اتنا تھا کہ یہ دو منزلہ نہیں ہے اور دالان جدا جدا ہیں مگر اس ترکیب سے کہ ایک سے دوسرے قطعے میں جانے کے لیئے چھوٹا سا دروازہ رکھا گیا ہے" اس محل کے کمرے بہت کشادہ اور وسیع تھے جن کی کرسی ۴ فٹ کی تھی۔ ان مقامات میں وہ درباری اور امرا رہتے تھے جن کی نشست ہوتی تھی۔ عیدین وغیرہ بڑے بڑے مواقع پر یہ مقامات بڑے تکلف سے سر سے پاؤں سجائے اور آراستہ کیئے جاتے تھے۔ ستونوں پر مغرق کمخواب لپیٹی جاتی تھی۔ دروں میں ریشمین اور مخملی پردے آویزاں کیئے جاتے تھے۔ فرش بہترین قالینوں کا ہوتا تھا۔ غرض ہر طرح سے مکان کو بنا سنوار کر دلہن بنا دیتے تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد اس محل کے احاطے کے تمام مکانات اور دیواریں گرا کر زمین کے برابر کر دیئے گئے اس طرح کہ اب اُن کا نام ونشان تک بھی باقی نہ رہا اور نہ اب کوئی اُس تجمل واحتشام اور اُن تکلفات کا اندازہ کر سکتا ہے۔ اب جہاں دیوان عام کا بڑا بھاری ہال اکیلا کھڑا ہے یہ درحقیقت مشرقی دیوار سے ملے ہوئے صحن کا وسط تھا۔ اس ہال کے سیدھی طرف ایک پھاٹک تھا جس میں سے ایک دوسرے صحن میں جا نکلتے تھے۔ اس کے بائیں جانب ولی عہد بہادر کے محلات تھے جو سب گرا گرا کر سپاٹ میدان کر دیا گیا ہے۔ اب رہا دیوان عام کا حال وہ بھی بے حال ہے۔ اس کا طلائی کام بھی جابجا سے کھرچ ڈالا ہے اور پچیکاری کے کام میں جو قیمتی پتھر اور نگینے جڑے ہوئے تھے وہ بھی نکال کر خراب کر دیا مگر پھر جو کچھ ان بے دردوں کے ہاتھ سے بچ رہا ہے وہ بھی لاجواب اور قابلِ دید ہے۔ باوجود اس قدر تباہی اور بربادی اور

نشیمن ظلِ الٰہی یا تختِ سنگین واقعہ دیوانِ عام
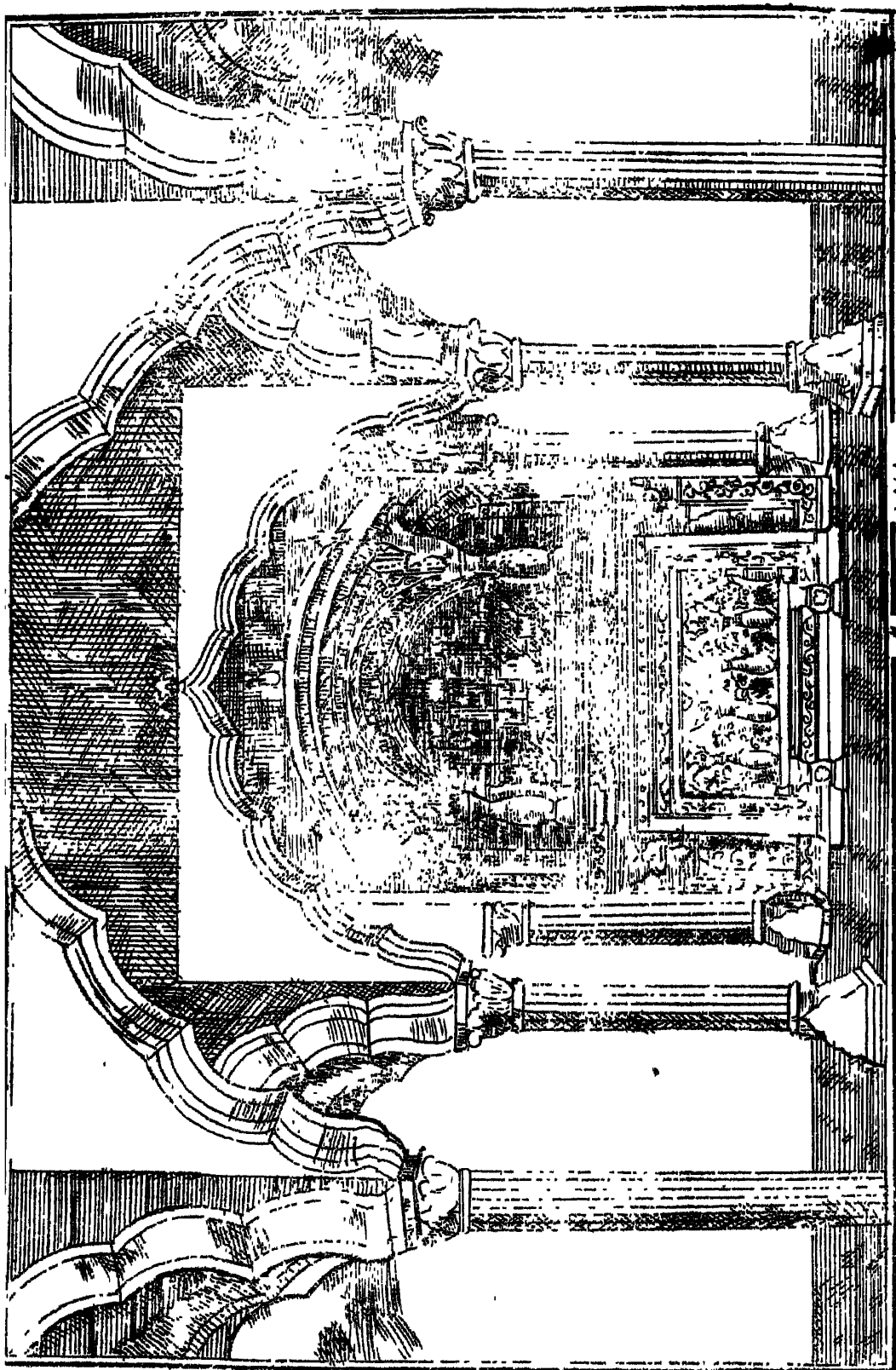
نوبج کھسوٹ سے اب بھی اس عالی شان ہال کا جواب نہیں ہے۔ یہ عمارت تمام تر سنگ سرخ کی ہے۔ چبوترہ چار فیٹ بلند اور ہال اسی فیٹ لمبا اور چالیس فیٹ چوڑا ہے۔ برجیوں کی بلندی چھوڑ کر چھت کی اونچائی تیس فیٹ ہے۔ یہ ہال تین جانب سے کھلا ہوا ہے صرف ایک طرف دیوار ہے۔ ہال کے سامنے وار کے رخ پر چھت پر دو برجیاں اسی وضع کی ہیں جیسی کہ نقارخانے کے دروازے پر ہیں۔ چھت سپاٹ ہے جس کے تین طرف چوڑا چھجہ ہے۔ ہال کے اندر تین قطاریں سات سات دروں کی ہیں۔ ہر در میں چار چار ستون چھ چھ فیٹ کے فصل سے ہیں جن پر بنگڑی وار محرابیں پچھیت کی دیوار سے شروع ہو کر عمارت محاذ تک ہیں۔ ہال کے پیش میں دس بڑے بڑے ستون ہیں جن کی محرابیں اسی وضع کی ہیں۔ ہال کے ہر سہ جانب سیڑھیاں ہیں۔ پانچ سامنے وار کو اور سات سات اِدھر اُدھر

نشیمن ظلِ الٰہی یا اورنگ ظلِ الٰہی

پچھیت کی دیوار کے وسط میں قریب اکیس فیٹ کے سنگ مرمر لگا کر پچیکاری کا کام کیا گیا ہے جس میں مختلف اقسام اور رنگ رنگ کے پتھر جڑے ہوئے ہیں جس میں طرح بطرح کے پھول پتیوں بیل بوٹوں گلدستوں اور چڑیوں کی بے نظیر صنعت کاری کے جوہر دکھلائے ہیں۔ اس کے محاذ میں ایک سنگ مرمر کا چبوترا آٹھ فیٹ بلند اور سات فیٹ مربع ہے جس پر ایک نرا سنگ مرمر کا کرسی دار بنگلہ چار گز مربع بنا ہوا ہے جس کے چار ستون ہیں جن پر وہ بنگلہ کھڑا ہے یہ ستون سنگ مرمر کے منبت کاری کے ہیں جن پر سنہری کلس چڑھے ہوئے ہیں اس کے پیچھے ایک پیش طاق ہے سات گز لمبا اور ڈھائی گز چوڑا نرا سنگ مرمر کا اور اس نشیمن اور پیش طاق میں طرح طرح کے رنگین اور بیش قیمت پتھر لگائے ہیں اور منبت کاری اور پرچین سازی سے طرح طرح کے بیل بوٹے تراشے ہیں۔ اس پیش طاق کے پیچھے محل شاہی تھا اس میں دروازے لگے ہوئے تھے جب کبھی دربارِ عام ہوتا تھا بادشاہ اُس طرف سے تشریف لاتے تھے اور اُس تخت سنگین دل نشین پر رونق افروز ہوتے تھے اور تمام امرا و وکلائے بادشاہان ہاتھ باندھ کر تخت کے آگے حاضر رہتے تھے۔ اس تخت کی کرسی قدِ آدم سے بہت اونچی ہے اس واسطے اس تخت کے آگے سنگ مرمر کا بہت خوب صورت ایک تخت رکھا ہے اور اُس میں بھی طرح طرح کی پرچین سازی کی ہے جب کبھی کسی مقرب خاص کو کچھ عرض کرنا ہوتا تھا تو

اجازت حاصل کرکے اُس پر قدم رکھتا تھا اور پایۂ تخت کو بوسہ دے کر آداب بجالا کر عرض معروض کرتا تھا۔ یہ تخت بھی سارا سنگ مرمر کا ہی جو ۷ فٹ × ۴ فٹ اور ۳ فٹ اونچا ہی اس کا سارا کام لوگ اُکھاڑ کر لے گئے اب بے غوری کی حالت میں پڑا ہوا ہی۔ چبوترے کے گرد بھی اسی قسم کی نقاشی کا کام ہی۔ یہ سنگ مرمر کا جنگلہ اور چبوترا ہال کی پوری چوڑان میں نہیں ہی بلکہ چبوترے کی دونوں جانب ہی اس بنگلے کی سطح کے برابر دو سنگ مرمر کے نشیمن تھے جو اُن اُمرا کی نشست کے واسطے مخصوص تھے جو بادشاہ کی خواصی میں باریاب ہوتے تھے۔ اسی مقام سے وزیر معروضات وگزارشات دعرائض حضور والا کے ملاحظے میں گزرانتا تھا اس تخت کے ہر سہ جانب ایک ملمع کیا ہوا آہنی کٹہرا تھا۔ ۴ فٹ × ۳ فٹ کا تھا۔ یہ جگہ درباری امرا کے واسطے مخصوص تھی۔ برنیر صاحب نے اس دیوان کی اُس زمانے کی کیفیت جب کہ یہاں پوری چہل پہل اور رونق تھی یوں لکھی ہی کہ:- یہ ہال بہت نشیمن اور وسیع ہی جس میں اونچے اونچے ستون لگے ہوے ہیں یہ مکان تین طرف سے کھلا ہوا اور ہوادار ہی۔ ستونوں اور سارے فرش پر سنہری ملمعے کی تہ چڑھی ہوئی ہی۔ اُس دیوار کے بیچ میں جو محل شاہی اور دیوان عام میں حد فاصل ہی ایک برآمدہ بنا ہوا ہی جو ایک قسم کی بڑی اور اونچی کھڑکی ہی جو اس قدر بلند ہی کہ نیچے سے آدمی کا ہاتھ وہاں تک نہیں پونہچتا۔ اسی مقام پر بادشاہ سلامت برآمد ہوتے ہیں اور تخت پر شاہزادگان والاتبار کے جلوس فرماتے ہیں۔ کچھ خواجہ سرا خواصی میں حاضر باش رہ کر مورچھل اور بڑے بڑے پنکھے جھلا کرتے ہیں اور کچھ لوگ دست بستہ مؤدب منتظر حکم کھڑے رہتے ہیں۔ نیچے سارے امرا۔ راجگان۔ سفرا ایک چاندی کے کٹہرے کے اندر دست بستہ نیچی نگاہ کیئے سرد قد کھڑے رہتے ہیں جن کے پیچھے منصب دار اور دیگر امرار درجۂ دوم اسی طرح مؤدب کھڑے رہتے ہیں اور پھر ان کے پیچھے ہال کے باقی حصے میں درجہ بدرجہ حسب تفریق مراتب اور لوگ کھڑے رہتے ہیں اسی طرح صحن میں ایک جم غفیر ہر قسم کے لوگوں کا لگا رہتا تھا۔ اسی نشیمن میں روزانہ دوپہر کے قریب بادشاہ سلامت برآمد ہو کر اپنے درشن سے ہوا خواہانِ سلطنت کو مشرف وبہرہ ور فرماتے تھے اور اسی واسطے اس دیوان کو "عام خاص" کہتے تھے یعنی دربار کا وہ مقام جس میں عام خاص چھوٹے بڑے سب باریاب ہو سکتے ہیں"۔ برسفورڈ صاحب کی دہلی گیڈ میں غدر سے پہلے یہاں کی جو حالت تھی یوں لکھی ہی:- یہ ایک وسیع ہال ہی جو تین طرف سے کھلا ہوا ہی

جس میں سنگ سرخ کے ستون لگے ہوئے ہیں ان پر پہلے پچیکاری کا کام اور سنہری ملمع تھا۔ پچھیت کی دیوار میں تخت پر جانے کا زینہ ہی جو زمین سے کوئی دس فیٹ اونچا ہی۔ تخت کے اوپر ایک سائبان ہی جو چار سنگ مرمر کے ستونوں پر ایستادہ ہی اس سارے سائبان میں عجیب وغریب پچیکاری کا کام ہی۔ تخت کے پیچھے محل شاہی میں سے آنے کا وہ دروازہ ہی جس میں سے بادشاہ سلامت برآمد ہوتے ہیں تخت کے پیچھے کی دیوار پچیکاری اور منبت کاری کے کام سے پٹی پڑی ہی جس میں جواہرات جڑے ہوئے ہیں اور نہایت خوب صورت اور نادر پھول پھل اور ہندوستان کے پرند اور چرند کی تصویریں ہیں جن میں بیشتر بالکل اصلی معلوم دیتی ہیں یہ ماہر صناعی آسٹن ڈی بورڈو (Austin de Bordeaux) کی ہی جس نے بڑے بڑے شہزادگان یورپ کو اس صفائی سے ٹھگا کہ اصلی جواہرات تو ہضم کیئے اور اُن کی جگہ نقلی بے معلوم طور پر جڑ دیئے۔ (یہ شخص) وہاں سے (دُم دبا کر) بھاگا اور شاہجہاں کے دربار میں آکر پناہ لی۔ یہاں آن کر اُس کی تقدیر جاگی اور خوب ہاتھ رنگے) بے انتہا دولت کمائی۔ یہ شخص بادشاہ کا بہت منہ چڑھا تھا۔ نشیمن کے سامنے ہال کی زمین سے کچھ اونچا سنگ مرمر کا تخت تھا جس پر بہت کچھ پچیکاری کا کام کیا ہوا تھا اب جس کا صرف نشان باقی رہ گیا ہی۔ دیوار کے نقش ونگار کے درمیان تخت کے پیچھے اُس فرانسیسی نے اپنی بھی ایک تصویر پچیکاری کی بنائی تھی جس میں اُس نے اپنے آپ کو ایک سبے لمبے سنہری بالوں والا نوجوان بنایا ہی گویا کہ آرفیئس[۱] ایک چٹان پر درخت کے نیچے بیٹھا ہوا طاؤس بجا رہا ہی اور شیر پاس بیٹھا ہوا ہی۔ ایک خرگوش اور چیتا بھی اس ساز پر مفتون ہو کر قدموں میں لوٹ رہا ہی۔ یہ تصویر آٹھ فیٹ اونچی تھی اور سرے سے پاتک اس میں مختلف رنگوں کی جگہ جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں قلعۂ دہلی کا ایک فوجی افسر سے اُکھاڑ کر ولایت لے گیا اور اب یہ تصویر سوتھ کنسنگٹن کے عجائب خانے میں نوادرات ہند کے زمرے میں رکھی ہوئی تھی۔ لارڈ کرزن کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو تڑپ گئے

---

[۱] تھریس میں اس نام کا ایک شاعر ایسا فرض کیا گیا ہی کہ جو اس غضب کا طاؤس بجاتا تھا کہ طیور و وحوش بھی وجد میں آکر ناچنے لگتے تھے۔ تھریس وہ قدیم حصۂ ملک ہی جو مابین دریائے ڈینیوب اور ایجین کے ہی۔ ایجین بحر میڈیٹیرنین کا وہ حصہ ہی جو بجانب شمال یونان اور ایشیائے کوچک کے پھیلا ہوا ہی۔ ۱۲

اور فوراً اس مرقعے کو ۱۹۰۲ئہ میں واپس منگوایا۔ اول ہی اس مرقعے کی بہت کچھ خرابی ہو چکی تھی پھر غدر کے بعد ولایت کو جانا اور وہاں سے آنا غرض بڑی گت بنی۔ لارڈ صاحب نے ایک اٹیلین کاری گر سے پھر اسے درست کرا کے اپنی اصلی جگہ پر جڑوا دیا جو پتھر گم ہو گئے تھے اُن کی جگہ نئے پتھر لگائے گئے اور بفضلِ خدا اب یہ نادر و نایاب مرقعہ اپنے اصلی مقام پر لارڈ کرزن کی بدولت موجود ہے۔ جس وقت بادشاہ سلامت تخت پر جلوہ افروز ہوتے تھے تو اس ہال کے سامنے کے عجیب و غریب نظارے کی کیفیت ہم آپ کو برنیر کی زبانی سناتے ہیں کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ:۔ دربار کے وقت پہلے خاصے کے چند گھوڑے ملاحظے سے گزرتے تھے تاکہ بادشاہ سلامت خود ملاحظہ فرمالیں کہ ان کی نگہداشت خاطر خواہ ہوتی ہے یا نہیں۔ پھر ہاتھیوں کی باری آتی تھی جن کو خوب نہلا دھلا کر کچھ مسالا مل دیا جاتا تھا جس سے کالے بھنور ہو کر اُن کی جلد چمکنے لگتی تھی) ان کے مستک سے لے کر سونڈ کے سرے تک دو سرخ لکیریں (سیندور سے) کھینچی جاتی تھیں۔ ہاتھیوں پر مغرق جھولیں پڑی رہتی تھیں جس کی بیٹھ پر سے دونوں طرف چاندی کی ایک زنجیر سے دو نقرئی گھنٹے آویزاں رہتے تھے۔ تبت کی گائے کی سفید براق دُمیں ہاتھی کے کانوں سے ایسی لٹکتی رہتی تھیں جیسے کہ بڑے بڑے گل مچھے۔ ایک بڑے گراں ڈیل ہاتھی کے دائیں بائیں دو چھوٹے چھوٹے ہاتھی اسی طرح بنے سنور اُس کی بغل میں بطور خواصی کے چلتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے دو نوکر حاضر خدمت ہیں۔ ہاتھی قدم تولتے خراماں خراماں بڑے ٹھسے سے قدم دھرتے تھے جس سے ایسا معلوم دیتا تھا کہ گویا یہ جانور بھی اپنے بناؤ سنگھار اور شان و شوکت سے باخبر ہیں اور جب تخت کے سامنے سے گزرتے تھے تو مہاوت آنکس سے اشارہ کرتا تھا اور کچھ بول اُس کے جذبات اُبھارنے کو ایسے کہتا تھا کہ فوراً ہاتھی ایک پاؤں ٹیک کر سونڈ اوپر کو کر کے ایک چنگھاڑ مارتا تھا اور یہی ہاتھیوں کا مجری اور آداب بجالانا سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے جانور باری باری سے نظر انور سے گزرتے تھے۔ پلے اور سدھائے ہوئے کار چوبی جھولیں پڑی ہوئی ہرن لڑانے کے لیے نیل گائیں۔ گینڈے۔ بنگال کے بڑے بڑے سینگوں والے ارنے بھینسے جو شیر سے مقابلہ کرتے ہیں۔ سدھائے ہوئے شکاری چیتے جھولیں پڑی ہوئی سروں پر ٹوپیاں چڑھی ہوئی گلے میں زرین پٹے

چاندی کی زنجیریں پڑی ہوئی ہرن کے شکار کے لیئے۔ ازبک کے شکاری کتّے قسم قسم کی سرخ اور زرق برق جھولیں پڑی ہوئیں۔ سب سے آخر ہر قسم کے شکاری پرند باز۔ شاہین جرّے۔ بہری جو ہرن تک کا شکار کر لیتے تھے۔ تیتر۔ بٹیر۔ سارس۔ خرگوش وغیرہ وغیرہ سب باری باری سے گزرتے تھے۔ ہرن کا شکار اس طرح ہوتا تھا کہ ہرنوں کی ڈار دیکھ کر باز کی ٹوپی اٹھائی اور اسے باؤلی دی۔ باز شکار پر تیر کی طرح سیدھا ٹوٹتا ہے اور اس زور سے پر اور پنجہ مارتا ہے کہ سر پھٹ جاتا ہے اور پنجے سے اس کی آنکھیں نکال کر آناً فاناً میں اندھا کر دیتا ہے۔ جانوروں کے سلسلے کے علاوہ ایک دو امرا کی جمعیت بھی اپنی اپنی شان سے بطور مارچ پاسٹ گزر جاتی تھی۔ سواروں کی مکلّل وردیاں (ہر قسم کے ہتیار لگے ہوئے اونچے اونچے) زرہ بکتر لگائے گھوڑوں کے مغرق زین اور بے شمار ساز و زیورات سے لدے ہوئے بادشاہ سلامت کے حضور سے پھینک۔ نیزہ بازی۔ تلوار کی ایک ضرب سے بھیڑ کے دو ٹکڑے کرتے ہوئے غرض ہر قسم کی کسرتیں کرتے اور کرتب دکھاتے گھوڑوں کو اچھالتے کداتے جوان جوان کسرتی بدن والے خوش رو و خوش لباس امرا۔ منصبدار۔ گرزبردار اپنی پھرتی اور کسرت کے جوہر دکھاتے سامنے سے نکل جاتے تھے۔ بھیڑ کے کاٹنے کا یہ طریقہ تھا کہ اس کو حلال کر کے آلائش سے پاک و صاف کر کے چونیخہ کر کے لٹکا دیتے تھے جس کے تلوار سے ایک ہی وار میں بیچ میں سے دو ٹکڑے کر دیتے تھے۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ بادشاہ فوج کو سرسری طور پر ملاحظہ فرماتے تھے نہیں بلکہ سواروں پر خاص نظر ڈالتے تھے خصوصاً جب سے کہ لڑائی کے ختم ہونے کے بعد تو ایک ایک سوار کو بہ نفس نفیس ملاحظہ فرماتے تھے۔ کسی کو ترقی ملتی تھی تو کسی کا تنزل کیا جاتا تھا اور بعض برطرف بھی کیئے جاتے تھے۔ دیوان عام میں جو لوگ جمع ہوتے تھے وہ اپنے ہاتھ میں عرضی لے کر اونچا کر دیتے تھے۔ وہ سب عرائض (ایک ایک کر کے) پیشگاہ خداوندی میں گزرانی جاتی تھیں جس پر عرائض گزار بالمشافہ طلب کیئے جاتے تھے اور خود بادشاہ سلامت ان سے دریافت فرماتے حتی المقدور اسی وقت مظلومین کی دادرسی فرماتے۔ ہفتے میں ایک دن ایسا مقرر تھا کہ خلوت میں دو گھنٹے تک دس منتخب اشخاص کی عرائض سنی جاتی تھیں جن کو کوئی دیرینہ تجربہ کار معتمد امیر پیش کرتا تھا۔ سب سے اخیر جس بادشاہ کے وقت تک یہ ادب قاعدے اور ان آداب شاہی کی پابندی کی گئی وہ فرخ سیر تھا۔ دیوان عام کی داہنی طرف

کے احاطے کے بیچ میں ایک محراب دار دروازہ تھا جس میں سے لوگ ایک اور چھوٹے سے صحن میں داخل ہوتے تھے جواب باقی نہیں رہا اور اسی وجہ سے اُس کا عرض وطول لکھا نہیں جاسکتا۔ اسی طرح مشرقی دیوار سے لگا ہوا ایک دروازہ اور صحن تھا جو مغربی طرف کے احاطے سے ذرا چھوٹا تھا اسی میں سے دیوان خاص میں جانے کا رستہ تھا۔ اس دروازے کے سامنے ایک سُرخ شامیانہ تنا رہتا تھا اور اسی وجہ سے اس دروازے کا نام "لال پردہ" تھا۔ اب جو دیوانِ عام کے سامنے مرغزار نظر آتے ہیں اُن سے دیوانِ عام کے صحن کی حدود کا پتہ چلتا ہے اور جو مہندی کی باڑھ دونوں طرف اور سروں پر لگادی گئی ہے وہ نشان ہے قدیم دالانوں کا۔ جنوب رخ کی باڑھ کو مجبوراً اپنے اصلی مقام سے ذرا شمال کی طرف اور ہٹانا پڑا ہے کیوں کہ جہاں اصلی دالان تھا وہ مقام اب فوجی سڑک سے گھر گیا ہے۔

شاہ محل معروف بہ دیوانِ خاص

سنہ ۱۰۴۸-۱۰۵۸ھ
۱۶۳۹-۴۸ء

جس صحن میں ہم لال پردے میں سے ہو کر جاتے تھے وہ دیوان عام کے صحن کا چوتھائی تھا۔ دوسرا صحن طول وعرض میں ۲۱۰ × ۱۸۰ فٹ تھا جس کی نسبت بشپ ہیبر نے لکھا ہے کہ:-

"یہ ایک نہایت خوب صورت اور شان دار صحن تھا جس کے گردپست مگر نہایت عمدہ اور آراستہ عمارات ایک خوب صورت سنگ مرمر کے ہال سامنے تھیں"۔ اس احاطے کی مشرقی دیوار سے ملا ہوا دیوان خاص ہے جس کی مشرقی دیوار سے ملا ہوا شاہجہاں کا حمام اور اورنگ زیب کی موتی مسجد ہے۔ اس احاطے کی غربی دیوار خود وہ صحن تھا جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے اور جنوبی جانب محلات کا سلسلہ اور رنگ محل تھا۔ دیوانِ خاص کی بے نظیر عمارت ساڑھے چار فیٹ اونچے ۰ × ۱۲۴ فٹ کے طول وعرض کے چبوترے پر واقع ہے۔ دیوانِ خاص کی عمارت ہندوستان بھر کی ساری عمارتوں میں سب سے بہتر ہے جو اپنا جواب نہیں رکھتی۔ یہ عمارت بالکل سیدھی سادی اور ایک عظیم الشان سنگ مرمر کے پیویلین کی شکل کی ہے۔ مسٹر فرگسن نے لکھا ہے کہ "دیوان خاص اگر سب عمارتوں سے خوب صورت نہیں بھی ہو تاہم اس میں تو شک نہیں کہ شاہ جہاں کی بنائی ہوئی ساری عمارتوں میں بلحاظ نفاست، کاریگری، صناعی اور آراستگی کے یقیناً سب سے بڑھی چڑھی ہوئی ہے"۔ اس ہال کا طول وعرض ۹۰ × ۶۷ فٹ ہے جس کی چھت مسطح اور محرابیں بنگڑی دار ہیں۔ اس میں بتیس ستونوں کی دُہری قطار ہے۔

دیوان خاص
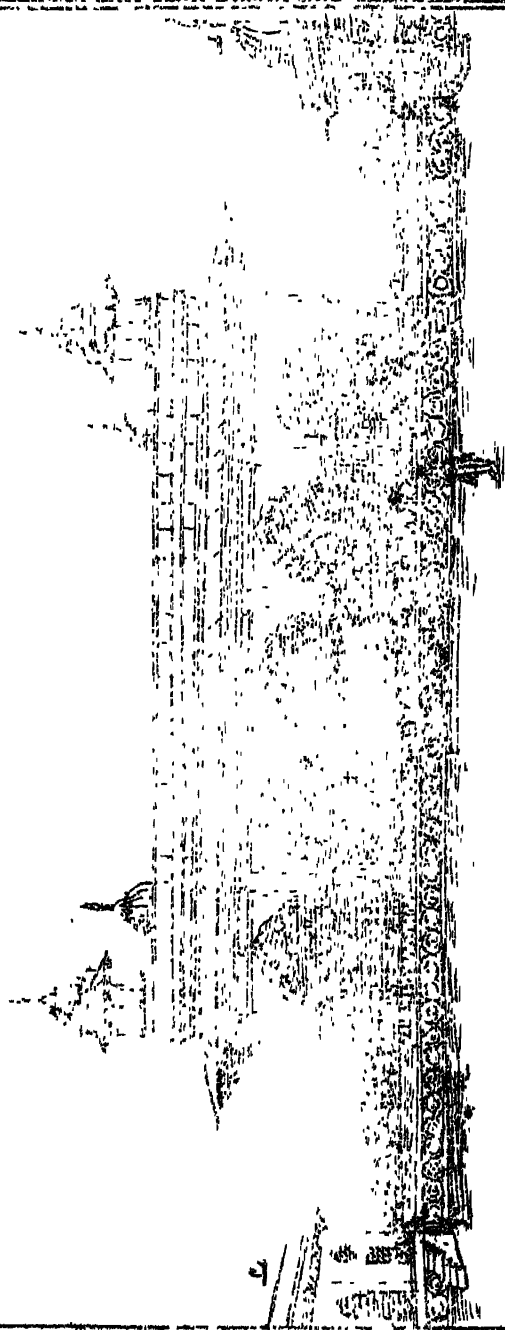
ان ستونوں میں سے چوبیس تو چار چار فیٹ مربع ہیں اور باقی آٹھ ۴×۳ فٹ کے ہیں۔ ہال کی شرقی دیوار کے دو دروں میں سنگ مرمر کی نفیس جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ یہ سارا ہال مع چبوترے کے از سرتا پا سنگ مرمر کا ہے۔ ہال کی چھت کے چاروں کونوں پر کھلی ہوئی چوکون برجیاں ہیں جن پر چھتریاں اور چار چار ستون ہیں اور اوپر سنہری کلس ہیں۔ ہال مستطیل ہے۔ عمارت کے عرض میں جو ستون ہیں بہ نسبت لمبان کے ستونوں کے پتلے ہیں۔ لیکن نقش ونگار اور کاریگری میں سب برابر ہیں۔ باہر دار کے ستونوں پر صرف اندر دار کے تین رخوں پر کام کیا ہوا ہے رہے اندر دار کے ستون وہ از سرتا پا چاروں طرف سے نقشین ہیں۔ ہر ستون کے سطحی تین حصے ہیں۔ نیچے کے دونوں حصے برابر کے ہیں لیکن بالائی حصہ ان سے ایک تہائی کا ہے۔ نیچے کے حصوں میں پھول درختوں کے لمبے لمبے پتے اور اوپر کے حصے میں مختلف اقسام کے بیل بوٹے ہیں۔ محرابوں کے اندرونی رُخ۔ روکار اور در سب پر پھول پتوں اور بیلوں کے نقش ونگار پچیکاری کے کام کے ہیں جن میں انواع واقسام کے رنگ برنگ کے پتھر سبز۔ زرد۔ نیلے۔ سُرخ۔ گلابی کشمشی۔ زعفرانی وغیرہ بہت ہی نفاست اور عمدگی سے پچی کرکے بٹھائے گئے ہیں۔ دیوان خاص میں سے ایک نہر سنگ مرمر کی کوئی بارہ فیٹ چوڑی جس پر سنگ مرمر کی سلیں ڈھکی ہوئی ہیں رواں تھی۔ ہال کا اندرونی کمرہ ۴۸×۲۷ فٹ ہے جس کے بارہ ستون ہیں۔ اب بھی سنگ مرمر کا وہ مربع چبوترا موجود ہے جس پر شاہجہاں بادشاہ کا وہ مشہور تخت طاؤسی تھا جس کا شہرہ چار دانگ عالم میں ہے۔ اس ہال کی کارنس کے نیچے۔ کمرے کی چوڑان میں کونے کی محرابوں پر چھوٹی سی مستطیل سنگ مرمر کی تختیوں پر سعداللہ خاں کا مشہور کتبہ مشہور زمانہ خوش نویس رشید کا لکھا ہوا یہ ہے:۔

اگر فردوس بروئے زمین است		ہمیں است وہمیں است وہمیں است

برنیر نے دیوان خاص کے متعلق جو لکھا ہے وہ بالکل مذبذب ہے "خیر ہال تو بہت خوب صورت وسیع۔ سنہری۔ رنگین فرش زمین سے چار پانچ فرنچ فیٹ اونچا ایک بڑے تخت کی طرح کا ہے۔ اس محل میں بادشاہ کرسی پر جلوس فرماتے ہیں اور امرا اُس کے گرد کھڑے رہتے ہیں۔ اسی جگہ اکثر عہدہ دار تخلیہ میں باریاب ہوتے ہیں اور اُن کی گزارشات اور معروضات سُنے جاتے اور یہیں سلطنت کے اہم امور اکثر طے پاتے ہیں"۔

مسٹر فرینکلن نے بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں دیوان خاص کی نسبت حسب ذیل لکھا ہے۔ "تیسرے صحن میں جو سب سے اخیر ہے پہنچنے کے بعد دیوانِ خاص اپنی شان و شوکت سے نمودار ہو جاتا ہے جس کا ایک رخ دریا کی جانب ہے۔ اِس محل کا چبوترہ چار فٹ بلند ہے۔ یہ ساری عمارت اندر باہر سے چبوترے اور برجیوں سمیت سنگ مرمر کی ہے۔ اس کی چھت بتیس مربع فیل پایوں پر استادہ ہے جو چھ فیٹ تک نقش و نگار سے آراستہ ہیں اور جن پر پھول پتیوں کا پچیکاری کا کام عقیق یمنی اور دیگر اقسام کے سنگ ہائے بیش قیمت کا ہے۔ باقی حصے میں کارنس تک تمام طلائی کام کے نقش و نگار کثرت سے ہیں۔ اس ہال کا طول ۵۰ فٹ اور عرض ۲۴ فٹ ہے جس کے گرد ایک کشادہ برآمدہ دس فیٹ چوڑا ہے جس میں ایک خوب صورت بلوری فوارہ اٹھارہ انچ اونچا اور چار فیٹ قطر کا ہے۔ بادشاہ جس تخت پر عموماً جلوس فرماتے ہیں اُس کی چھت چوبی ہے اور رنگ سُرخ۔ اس تخت پر پہلے سونا چاندی بہت کچھ چڑھا ہوا تھا جس کی قیمت (۳۹) لاکھ روپیہ تھی۔ مرہٹوں نے سارا سونا چاندی اُکھاڑ کر ٹکسال میں مسکوک کرنے کے واسطے بھیجا تو (۲۸) لاکھ کا نکلا۔ ایک حجرے کی کارنس پر باہر دار سنہری حرفوں میں یہ شعر لکھا ہوا ہے۔ ؎

اگر فردوس الخ۔ چھت کے چاروں کونوں پر چار برجیاں ہیں جن کے کلسا سے برنجی گہرا سنہری ملمع ہے جشن کے مواقع پر ہال کے سامنے ایک سُرخ رنگ کا مغرق شامیانہ رنگ برنگ کی سوت کی رسیوں سے تانا جاتا ہے جو ۹۴×۵۲ فٹ ہے۔ چبوترے کے چاروں طرف اسی قسم کی قناتیں لگائی جاتی ہیں۔ چبوترے کے ایک کونے میں ایک رنگین حجرے میں سے ہو کر محل سرا میں جانے کا رستہ ہے اور دوسرا رستہ موتی مسجد کو جاتا ہے جس کے گنبد برنجی ہیں مگر اُن پر ایسا گہرا ملمع ہے کہ بالکل سنہری معلوم دیتے ہیں"

دیوانِ خاص کا بیان جو انگریزوں نے لکھا ہے وہ اوپر آچکا مگر ہمیں تو اس سے کچھ لطف نہیں آیا نہ وہ ایسا ہے کہ جس سے اعجوبۂ روزگار مکان کا نقشہ نظروں میں پھر جائے لہٰذا آثار الصنادید سے ہم ذیل کی عبارت نقل کرتے ہیں کہ اس سے بہتر چربہ اُتارنا قلم کی طاقت سے باہر ہے۔ "یہ ایک عمارت ہے نامی اور مشہور بے شل و بے عدیل کہ روئے زمین پر اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ خوابگاہ کے جانبِ شمال کو ایک بہت بڑا چوک ہے اُس چوک کے ضلع شرقی میں ڈیڑھ گز کا اونچا چبوترہ بنایا ہے ۸۰ گز لمبا۔ ۲۶ گز چوڑا اُس کے بیچوں بیچ میں دیوان خاص کی عمارت ہے۔

۴ گز x ۴ گز - سر سے پاؤں تک سنگِ مرمر کی - اور سرتاسر اُس کے بیچ میں چار گز عرض نہر بہشت بہتی ہے - اس عمارت کے بیچوں بیچ میں پایہ نا ستون بنا کر ۱۸ گز x ۱۰ گز کا مکان بنایا ہے جس کے بیچ میں ایک چبوترا ہے اس چبوترے پر تخت طاؤس رکھا جاتا تھا اور اُس پر بادشاہ اجلاس فرماتے تھے - اس مکان کے گرد پایہ نا ستون لگا کر مکان بنایا ہے - در و دیوار و ستون و مرغول و محراب و فرش سب سنگ مرمر کا ہے اور اس میں اجارے تک عقیق و مرجان بیش قیمت پتھروں کی پچیکاری کی ہے - اور بیل بوٹے پھول پتے بناے ہیں اور اجارے سے اوپر چھت تک سونے کا کام کیا ہوا ہے گویا سونے کے پانی سے لیپ دیا ہے - اندر کے رخ محرابوں پر سونے کے پانی سے یہ شعر لکھا ہوا ہے ؎ اگر فردوس الخ -
جانب شرق سے مشرف بدریا ہے اور اس طرف کے دروں میں جالیاں لگا کر آئینہ بندی کی ہے اور جانب غرب اسکا صحن ۷۰ گز x ۴۰ گز ہے اور اس صحن کے گرد مکانات اور ایوانہاے سنگ سرخ بنے ہوے ہیں - جانب غرب اس صحن کے دروازہ ہے کہ دیوانِ عام سے اُس میں رستہ آتا ہے اور اس دروازے کے آگے لال پردہ تنا رہتا ہے اور سب امرا بوقتِ دربار اس لال پردے کے پاس سے آداب و تسلیمات بجالاتے ہیں اور جانبِ شمال رستہ ہے حیات بخش باغ کا اور جانبِ جنوب ڈیوڑھی محلاتِ شاہی کی اور اُس کے بیچ کے در کے سامنے صحن کی طرف ایک کٹہرہ ہے سنگِ مرمر کا جس کو دیوان خاص کی چوکھنڈی کہتے ہیں - اس محل کی چھت نری چاندی کی تھی مگر مرہٹے اور جاٹ گردی میں اُکھڑ گئی -

تخت طاؤسی
سنہ ۱۰۴۴ھ

چو تاریخش زباں پرسید از دل
بگفت "اورنگ شاہنشاہِ عادل"

نادر شاہ نے جب سنہ ۱۱۵۲ھ ۱۷۳۹ء میں دہلی پر قبضہ کیا تو تخت طاؤسی کو توڑ تاڑ سونا چاندی اور جواہرات کل کے کل دھوے کر چلتا ہوا - برنیر نے اس تخت کو زمان سلطنت اورنگ زیب میں دیکھا ہے جو جشن کے مواقع پر لوگوں کو دکھلایا جاتا تھا اُس نے حسب ذیل کیفیت لکھی ہے :- "اُس تخت کے ٹھوس سونے کے چھ بڑے بڑے زبردست بھاری بھاری پاے تھے جن پر لعل - زمرد اور ہیرے جڑے ہوے تھے - اِس تخت میں جو بے شمار جواہرات جڑے ہوے تھے اُن کی لاتناہی قیمت یا تعداد بیان کرنے سے میں اس وجہ سے قاصر ہوں کہ کسی شخص کی مجال نہ تھی کہ تخت کے اس قدر قریب

پہنچ سکے کہ ان کو شمار کرسکے یا ان کی آب وتاب کو دیکھ کر قیمت کا اندازہ لگا سکے لیکن اتنا میں ضرور کہہ سکتا ہوں کہ تخت جواہرات سے لدا ہوا ہے اور جہاں تک میرا قیاس کام کرسکتا ہے اس کی قیمت کا سرسری طور پر تخمینہ چار کرور روپیئے کا کیا جاتا ہے۔ یہ تخت شاہ جہاں بادشاہ کا بنایا ہوا ہے جس میں کثرت سے بیش قیمت جواہرات اس غرض سے لگائے گئے ہیں کہ دولت سلاطین کا اندازہ ہوسکے کہ جب اس قدر جواہرات صرف ایک تخت میں لگے ہوئے ہیں تو خزانہ کیسا کچھ مالا مال ہوگا۔ یہ جواہرات وہ ہیں جو فتوحات ملک۔ نذر و نذرانہ پیش کش وغیرہ مواقع جشن امرار پر گزرانتے ہیں اور جو توشہ خانے میں جمع ہوتے رہتے ہیں تخت کی ساخت سونے چاندی اور جواہرات کے لحاظ سے جیسی ہونی چاہیئے ویسی نہیں ہے بجز دو موروں کے جو تمام جواہرات اور موتیوں سے پٹے ہوئے ہیں یہ البتہ بڑی نفاست اور عمدگی سے بنائے گئے ہیں۔ یہ ایک فرانسیس کے بنائے ہوئے ہیں جس کی بے مثال دست کاری انسان کو محو حیرت کردیتی ہے۔ جس نے اوّل اوّل بہت سے یورپین امرار کو جھوٹے جواہرات لگا کر خوب ٹھگا کیوں کہ اس کو نقلی جواہرات بنانے میں بڑی دستگاہ تھی۔ وہاں سے سب سمیٹ سماٹ یہ شخص جو سر پر پیر رکھ کر بھاگا تو سلاطین مغلیہ کے ہاں پناہ لی اور یہاں کس بات کی کمی تھی آتے ہی مالا مال ہوگیا۔ تخت کے نیچے امیر امرار اپنے زرق برق لباسوں میں ایک پست تخت پر جمع ہوتے تھے جس کے اطراف نقرئی کٹہرا تھا جس پر کمخواب کا شامیانہ چوڑے چوڑے زرین جھالروں کا تنا رہتا تھا۔ ہال کے ستون پر کمخواب اور زری بوٹی کی ساٹن لپیٹی جاتی تھی۔ تمام بڑے بڑے کمروں کے سامنے شامیانے تانے جاتے تھے جو ریشمین ڈوریوں سے تنے ہوئے ہوتے تھے اور ان شامیانوں میں ریشم اور کلابتون کے پھندنے لٹکتے رہتے تھے فرش تمام ترنہایت بیش قیمت قالینوں کا ہوتا تھا یا لمبی لمبی اور چوڑی چوڑی دریوں کا۔ ہال سے ملا ہوا باہر دار کو ایک ڈیرہ جو "اسپک" کہلاتا تھا نصب کیا جاتا تھا جو ہال سے بھی بڑا تھا۔ یہ ڈیرہ آدھے صحن کو گھیر لیتا تھا جس کے گرد قناتیں لگی رہتی تھیں جن پر چاندی کے پتروں کے خول چڑھے رہتے تھے۔ تین چوبیں اس ڈیرے کی ایسی بڑی اور موٹی تھیں کہ جیسے جہاز کا مستول اور ان پر بھی چاندی کا خول چڑھا ہوا تھا باقی اس سے چھوٹے تھم تھے اس شان دار خیمے کا ابرا بالکل سرخ اور اندر وار مچھلی بندر کا نہایت عمدہ چھینٹ کا استر تھا جو خاص فرمائش سے

بنوائی گئی تھی جس کے بیل بوٹے ایسے نفیس رنگ ایسے شوخ تھے کہ نظریں کھبے جاتے تھے اور بیچ بیچ کا باغ کھلا ہوا معلوم دیتا تھا جس میں روشیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ کمروں کے سامنے کے شامیانے جو صحن کے چاروں طرف تنے ہوئے تھے اُن کی آرائش ہر ہر امیر نے اپنی اپنی حیثیت اور مقدرت کے موافق کی تھی اور ہر امیر یہی چاہتا تھا کہ اُس کی سجاوٹ اور آرائش دوسرے سے بڑھ جائے اور بادشاہ کی نظر میں شرف قبولیت حاصل کرے۔ اسی وجہ سے تمام دالان اور شامیانے سر سے پاتک کمخواب اور زربفت سے منڈھے ہانڈی لنتر جھاڑ فانوس سے سجے سجائے اعلیٰ درجے کے بیش قیمت فرش فروش سے مزین رہتے تھے۔" ٹیورنیر Tavernier سیاح اور جوہری نے تخت طاؤس کی قیمت دو سو ملین[۱] لیورز آنکی ہے۔ اگرچہ تخت طاؤسی کی بہت کچھ تعریف و توصیف کی جاتی ہے لیکن کارسٹیون صاحب کی رائے میں اس تخت کی شہرت کا بڑا اور اصلی سبب اس کا بیش قیمت ہونا تھا نہ کہ اس کی خوب صورتی یا بہتر ساخت۔ مسٹر برسفورڈ نے غالباً ہندوستانی روایات کی بنا پر تخت طاؤسی کی نسبت یہ لکھا ہے:۔"دیوان خاص میں مشہور تخت طاؤسی تھا۔ وجہ تسمیہ یہ تھی کہ اس کے پیچھے دو مور دُم کو چنور کیئے ہوئے تھے۔ ان میں نیلم۔ یاقوت۔ ہیرے۔ لعل۔ زمرد۔ پکھراج اور دوسرے رنگ برنگ کے جواہرات موروں کی دموں کو اصلیت کا رنگ دینے کے لیئے جڑے ہوئے تھے۔ تخت چھ فیٹ لمبا اور چار فیٹ چوڑا تھا جس کے چھ بھاری بھاری پائے تھے۔ یہ پائے اور تخت سارے کا سارا طلائے خالص کا تھا جس میں انواع و اقسام کے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ تخت کے اوپر ایک زری کا شامیانہ تھا جس کے بارہ ستون تھے جو بیش قیمت جواہرات سے جگمگا رہے تھے۔ شامیانے کی جھالر موتیوں کی تھی۔ دونوں موروں کے بیچ میں ایک طوطا بھی اصلی قد و قامت کا ایک ہی زمرد میں تراشا ہوا تھا۔ تخت کی دونوں جانب دو شاہی چتر تھے جو لوازمۂ شاہی مراتب میں داخل ہیں یہ چتر قرمزی

[۱] فرانس کا پُرانا سکہ ہے جو ایک فرینک کے برابر ہوتا تھا۔ یہ سکہ ۱۷۹۵ء سے موقوف ہو کر فرینک کا رواج ہوا۔ فرینک ساڑھے نو شلنگ کا ہوتا ہے۔ شلنگ فی زمانا بارہ آنے اور پونڈ پندرہ روپیئے کا ہوتا ہے اور دس لاکھ کا ایک ملین۔ اس حساب سے ساڑھے نو کروڑ پونڈ ہوئے جس کے ...... ۵ ۲ ۱۴۲ روپیئے ہوئے۔ ۱۲

مخمل کے نہایت عمدہ کارچوبی کام کے موتیوں کے جھالر کے تھے جن کی ڈنڈیاں آٹھ فیٹ لمبی ٹھوس سونے کی تھیں ان پر بھی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس عالی شان اور بیش بہا تخت کی قیمت کا اندازہ مختلف طور پر ایک ملین پونڈ سے لے کر چھ ملین پونڈ تک کیا گیا ہے یعنی پندرہ لاکھ سے نوّے لاکھ روپئے تک۔ یہ تخت آسٹن ڈی بورڈو کی "تراع" ہے اور اُسی کی زیر نگرانی تیار بھی ہوا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے عام خاص (دیوانِ عام) کی پچیکاری کا کام بنایا تھا"

تختِ طاؤسی کا اور کچھ حال

یہ تخت کیا تھا عجائبات دُنیا کا ایک نمونہ تھا۔ کروڑ۔ روپیہ کہنے کو تو لفظ اور ایک بات ہے مگر خیال کرنا چاہیئے کہ آج اس قدر سونے اور جواہرات کے لیئے کس قدر دریا اور پہاڑ چھاننے پڑے ہوں گے یشب کا تختہ جو بجائے تکیئے کے تھا دس لاکھ روپیئے کا تھا۔ بارہ مرصع ستونوں پر مغرق محرابیں اور جڑاؤ مینا کاری کی چھت دھری تھی۔ چھت سے پائے تک خالص کندن اور آب دار جواہر سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ گویا ایک ستارے کا نگینہ ہے کہ انگوٹھی پر دھرا ہے اس کی روکار کی محراب پر ایک بھاری درخت طلائی دھرا تھا جسے سبزۂ والماس سے سرسبز اور لعل ویاقوت سے گل رنگ کیا تھا۔ اس کے ادھر اُدھر دو مور زنگار رنگ کے جواہرات سے مرصع چونچ میں موتیوں کی تسبیحیں لیئے اس طرح کھڑے تھے گویا اب ناچنے لگتے ہیں۔ چاروں طرف چاروں چیتر زرنگار جن میں موتیوں کی جھالر جھلاتی تھی آگے ایک شامیانہ کہ جواہرات اور موتیوں کی آبداری سے دریائے نور کی طرح لہراتا تھا اور ایک لاکھ روپیئے کی لاگت سے طیار ہوا تھا۔ اس کے گرد کرسیاں اور چوکیاں اپنے اپنے مرتبے سے بچھی ہوئی تھیں۔ تخت کے گرد پاس ادب کے لیئے کئی کئی گز تک حاشیہ چھوڑ کر چاندی کا کٹھرا ایسا خوشنما لگا تھا کہ جس کی مینا کاریاں مرغِ نظر کو شکار کرتی تھیں۔ غرض دربار آراستہ ہوا۔ مگر اقبال کا رعب وداب دیکھ کر قدرتِ خدا یاد آتی تھی چنانچہ کٹھرے کے باہر اول ہین ولیارشہزادگانِ والاتبار۔ ان کے بعد راجہ مہاراجہ۔ ملک ملک کے حاکم۔ امیر وزیر اپنے اپنے مراتب سے کھڑے مگر تمام فرماں برداروں کی آنکھیں زمین پر اور گوشِ دل اپنے فرماں روا کے حکم پر لگے تھے۔ ہر ایک در میں دو دو خاص بردار مخمل کی غلاف دار بندوقیں کندھوں پر بادلے کی جھنڈیاں ہاتھوں میں لیئے بُت بنے ہوئے قایم تھے۔ باہر کے

دالان میں اور عہدہ دار، جاگیر دار، منصب دار حکم کے منتظر حاضر تھے۔ اس سے آگے کے دروں میں تین تین حبشی جیسے کالے دیو۔ آنکھیں لال لال۔ زربفت کی وردیاں پہنے ہتیاروں میں اوپچی بنے۔ گرزہائے فولادی کندھوں پر۔ بادلے کی بیرقیں ہاتھوں میں۔ تیسرے درجے میں اہلکار، اور ہر کارخانے کے کار دار۔ منشی۔ متصدی قلمدان کمریں۔ بستے آگے رکھے موجود تھے اور دروں میں سپاہی ننگی تلواریں علم کیے۔ قدآدم چاندی کے کٹہرے سے لگے خاموش کھڑے تھے۔ باہر تیس تیس گز کا فاصلہ دے کر پھر چاندی کا کٹہرا تھا اور اُس کے برابر بہادر سپاہی خاص بادشاہی جن میں دائیں پر ترک۔ بائیں پر افغان سامنے راجپوت اپنی زرق برق وردیاں پہنے۔ سنہری روپہلی بیرقیں ہاتھوں میں لیے جمے تھے۔ یہاں سے دروازے تک سواروں کے پرے دورستہ پابستہ آراستہ تھے۔ جو درباری لوگ آتے۔ پہرے پہرے پر اپنے نام و نشان بتاتے اور آگے چلے جاتے۔ مگر دبدبہ و دہشت کا یہ عالم تھا کہ ہوش و حواس کے قدم تھرّاتے تھے۔ دربار میں پہنچ کر تین سلام گاہوں پر تسلیم بجالاتے تھے۔ جب نقیب آواز دیتا تھا کہ آداب بجالاؤ۔ جہاں پناہ بادشاہ سلامت! عالم پناہ بادشاہ سلامت۔ ادب سے تفاوت سے! تو دل سینوں میں دہل جاتے تھے۔ کٹہرے کے پاس کورنش کا آداب ادا کرتے تھے۔ غرض اول شاہزادوں کی نذریں گزرنی شروع ہوئیں۔ ہر ایک کو خلعت اور ترقی منصب اور سرفرازیوں کے احکام سنائے گئے۔ سعد اللہ خاں وزیر اعظم کو ہفت ہزاری کا منصب عطا ہوا۔

جشن ماہتابی

رات کو جشن ماہتابی ہوا کہ تمام دیوانِ عام ایک بقعۂ نور نظر آنے لگا فرش میں سفید مخملیں۔ سفید ہی قالین۔ دیواروں پر براق اطلسیں۔ زربفت و کمخاب کے پردے مگر وہ بھی روپہلی۔ آرائش کے سامان اور روشنی کے سب لوازمات موجود مگر تمام بلور اور شیشہ ہائے سفید۔ سامنے چمن اور درختوں کے پھول پتے تمام سفید۔ روشوں پر گھاس سفید۔ دربار کا لباس سفید۔ یہاں تک کہ انگوٹھی بھی چاندی کی۔ اُس پر بھی الماس سفید۔ غرض کہ زمین سے آسمان تک نور کا عالم تھا۔ اور دریائے مہتاب لہراتا نظر آتا تھا۔ چندرما کی تلا[1] کے جشن میں نو دن باقی تھے۔

[1] نجومی اپنے علم کے موافق امیروں اور بادشاہوں کے ستاروں کی نحوست دور کرنے کے لیے نقد اور جنس کے ساتھ ترازو میں تولا کرتے ہیں اور وہ نقد و جنس مساکین کو خیرات میں دے دیا کرتے ہیں اس عمل کو تلا کرنا کہتے ہیں۔ ۱۲

اس لیئے نو دن تک برابر جشن کے انعام واکرام جاری رہے۔
اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں جو شاہ عالم کے صاحب زادے اور جانشین تھے دیوان عام کی حالت ایسی ابتر ہوگئی تھی کہ آنے جانے والے اُسے دیکھ کر کف حسرت وافسوس ملتے تھے دہلی کے ریزیڈنٹ مسٹر ایڈیٹ نے بشپ ہیبر سے کہا تھا کہ "محلاتِ شاہی کی ردی حالت کا سبب کچھ متول کی کمی نہ تھا بلکہ ان لوگوں نے محض اپنی بے پروائی سے ایک ایسی عمارت کی جو خود ان کی گزشتہ عظمت کی یادگار تھی اس کی نگرانی - مرمت حتی کہ معمولی صفائی تک بھی چھوڑ دی - دیوان خاص ایک بے ترتیب اور ناکارہ سامان کا انبار خانہ بن گیا - ٹوٹی ہوئی پالکیاں - خالی صندوق بھرے پڑے تھے - تخت کی یہ حالت تھی کہ کبوتروں کی بیٹ سے ایسا اٹ گیا ہی کہ جواہرات بھی مشکل سے نظر آتے ہیں" غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سے پھر اس کی نگہداشت ہونے لگی - ملمع کاری کو از سر نو اجالا گیا - چوبی چھت بدلی گئی اور لال رنگ کرا کے نہایت عمدگی سے ملمع کرا دیا گیا - یہ مقام بھی زمانے کی نیرنگیوں اور انقلابات عجیبہ کا اکھاڑا رہا ہی - یہ مکان شاہ جہاں کا بنایا ہوا ہی اور اسی کے عہد میں یہ سب سے زیادہ پسندیدہ اور آراستہ بجی سجائی جگہ تھی جہاں بادشاہ اکثر دربار کیا کرتے تھے - اور اکثر یہیں سے وہ احکام وفرامین اپنے صوبہ داروں - طرف داروں اور مقامی حکام کے نام نافذ فرماتے تھے - جن کے سامنے ساری وسیع سلطنت احکام قضا شیم سلاطین مغلیہ کے سیلئے سر تسلیم خم کرتی تھی - نادر شاہ نے جب پانی پت کے میدان جنگ سے سلطنت دہلی کو تباہ وبرباد کر دیا تو یہی مکان تھا جہاں اُس نے اپنے شکست یافتہ میزبان محمد شاہ سے پگڑی بدل کر تاج شاہی زیب سر کیا - ۱۷۶۰ء میں ستارے کے لُٹیرے گروہ یعنی مرہٹوں نے اِس ہال کو نوچ کھسوٹ کر برباد کر دیا - اس واقعے کے کوئی پچیس برس کے بعد ایک سفاک سپاہی نے خود مختار شاہنشاہ دہلی شاہ عالم کی آنکھیں نکال لیں - اس بے باکانہ حملے کے کوئی بیس برس بعد شاہ عالم کے دربار میں انگریزوں کا جنرل لارڈ لیک باریاب ہوا اور بادشاہ نے اُس گلوخلاصی کے سیلئے جو اُسے سیندھیا کی ملازم فرنچ افواج سے نجات پانے میں حاصل ہوئی تھی برٹش گورمنٹ کا شکریہ ادا فرمایا -
اس واقعے کے نصف صدی سے کچھ زیادہ بعد ۱۸۵۷ء میں شاہ عالم کے پوتے نے جو [illegible] دہلی کا بادشاہ تھا غدر ۵۷ کے ہندوستانی باغی افواج کے عہدہ دار وں کو

جو برٹش گورمنٹ کے ملازم تھے اسی ہال کے دربار میں بڑے تپاک سے لیا اور اُن باغیوں نے ایک بار پھر اسی بادشاہ کو سلطنت ہند کا فرماں روا بنا دیا۔ غرض دیوان خاص ان تاریخی واقعات اور نیز اس کی بے نظیر عمارت کے لحاظ سے ضرور صفحہ زمین پر فردوس بریں کہلانے کا مستحق ہے۔

زہے صفائے عمارت کہ در تماشائیش
بدیدہ باز نگرود نگاہ از دیوار

حمّام
سنہ ۱۰۴۸ - ۵۸ ھ
۱۶۳۹ - ۴۸ ء

دیوان خاص کے شمال میں شاہی حمام ہیں ان دونوں عمارتوں کے بیچ میں پتھر کا چوڑا سا سنگ مرمر کا فرش ہے۔ حمام کی عمارت کی جنوبی دیوار کے وسط میں دیوان خاص کے مقابل ایک تین در کا ہال ہے جو حمام کی ڈیوڑھی ہے۔ اس ڈیوڑھی کے ہر دو جانب دو کمرے ہیں جن کے بیچ میں سے آدمی حمام میں داخل ہوتا ہے۔ حمام میں سنگ مرمر کے فرش کے تین وسیع کمرے ہیں۔ ان کمروں کا فرش نصف نصف دیواریں۔ حوض۔ گرم آبے ان سب پر پہلے رنگ برنگ کے قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے اور نہایت خوش نما پھول پتیاں گلدستے بنے ہوئے تھے۔ دریا کی طرف کے کمرے میں پانی کے لیے تین حوض بنے ہوئے ہیں۔ مشرقی دیوار میں ایک چھوٹا سا سنگ مرمر کا نشیمن ہے جس کے ہر طرف ایک ایک کھڑکی ہے جس میں سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ دوسرے کمرے میں صرف ایک ہی حوض ہے اور تیسرے کمرے میں ایک گرم آبہ نہایت خوب صورت بنا ہوا ہے جس کے پیچھے ایک توا لگا ہوا ہے جہاں سے پانی گرم ہو کر آتا تھا۔ حمام میں جا بجا نہریں دوڑتی تھیں فوارے لگے ہوئے تھے جن سے ہر کمرے میں پانی پونہچتا رہتا تھا۔ حمام میں روشنی آنے کے لیے دھندلے آئینے لگے ہوئے ہیں۔ تسبیح خانے کے جنوب میں حمام ہے جس میں جانے کا دروازہ دیوانِ خاص کی مشرقی دیوار کے سامنے ہے۔ حمام کی عمارت کے ادھر اُدھر جو کمرے ہیں کہتے ہیں کہ وہ صاحبزادوں کا حمام تھا۔ حمام کی عمارت کے تین بڑے حصے ہیں۔

عقبِ حمام یا جامہ کَن

یہ پہلا درجہ حمام کا لب دریا عقب حمام یا جامہ کَن کہلاتا ہے جہاں جا کر کپڑے اُتارے جاتے تھے یا غسل کے بعد آ کر بیٹھتے کپڑے پہنتے اور کچھ ناشتہ کرتے۔ یہ عمارت بہت نفیس ہے اور کمرے کی طرح پر اس کے درجے ہیں اور بیچ میں چلنے پھرنے کے لیے رستے چھٹے ہوئے ہیں

اور اجارے تک سنگ مرمر لگاہوا ہی جس میں رنگ برنگ کے پتھر بیٹھا کر پچیکاری کا بہت اعلیٰ درجے کا نفیس کام کیا ہی۔ اِس میں چھوٹے چھوٹے حوضوں میں تین فوارے لگے ہیں جن میں سے ایک فوارہ جس سے گلاب کی پھوار نکلتی تھی دیکھنے کے قابل ہی۔ اِس کی ایک کھڑکی میں سنگ مرمر کی بہت نازک اور نادر جالی لگی ہوئی ہی اور کچھ رنگین آئینے بھی اُسی زمانے کے ہیں یعنی آئینہ بندی کی تھی جس میں سے دریا اور سبزہ اور جنگل کی کیفیت دیکھ کر نظر اٹھانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔

درجۂ دوم سردخانہ

اس درجے میں جانب شمال ایک شہ نشین ہی تمام تر سنگ مرمر کی نہایت منبت کار اور پرچین ساز اور پچی کار اور اس کے آگے ایک درجہ ہی مربع سنگ مرمر کا جس میں فرش سے لے کر چھت تک عجیب عجیب رنگ کے پتھر سے پچی کاری کی ہوئی ہی اور طرح طرح کے بیل بوٹے بنائے ہیں اس حد تک کہ فرش دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ گویا قالین ایرانی بچھے ہوئے ہیں۔ اس کے بیچوں بیچ میں ایک حوض ہی مربع اسی طرح کا پرچین کار جس کے چاروں کونوں پر چار فوارے ہیں سنہری کہ وہ جب چھوٹا کرتے تھے تو اُس میں بھی ایک ندرت رکھی تھی اور اس طرح مخروط لگائے تھے کہ چاروں فواروں کی دھاریں مل کر حوض میں گرتی تھیں اور گرد اس کے دیوار سے ملی ہوئی ایک نہر جدول کے طور پر ایک گز عریض بنی ہوئی ہی۔ اور اس مکان میں ایک خوبی رکھی ہی کہ چاہے تو یہ درجہ سرد رہے اور نہر اور حوض میں بھی ٹھنڈا پانی جاری رہے اور چاہیں اسے گرم کر دیں کہ فرش سے لے کر چھت تک گرم ہو جائے۔ فوارے بھی گرم ہی چھوٹیں اور نہر بھی گرم ہی بہے۔ اس درجے میں سنگ مرمر کی ایک قابلِ دید کونچ بھی رکھی ہوئی ہی۔ خدا جانے کس طرح بچ گئی جس کے دیکھنے سے اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہی کہ اس حمام میں کس قسم کا سامان و اسباب مہیا تھا۔

گرم خانہ

حمام کا یہ تیسرا درجہ ہی جس کے غرب میں حوض آب گرم کے بنے ہوئے ہیں جو بڑے سنگ مرمر کے ہیں جن کو سوا سو من لکڑیوں کا لقمہ دیا جاتا تھا اور اس کے آگے ایک مربع درجہ ہی جس کے بیچ میں سنگِ مرمر کا چبوترا ہی جس پر بیٹھ کر غسل کرتے تھے اور جانب شمال دوسرے درجے کی طرح شہ نشین بنی ہوئی ہی اور اس شہ نشین پر ایک بڑا مستطیل حوض ہی اور اس میں بھی خوبی ہی

کہ چاہے اُس حوض کو گرم پانی سے بھریں چاہے سرد سے۔ اس درجے کا بھی فرش بیچ کے حوض اور دیواریں اجارے تک بالکل منبت کار ہیں اور طرح بطرح رنگین اور بیش قیمت پتھر اس میں جڑے ہیں اور انواع و اقسام کے پھول اور بیلیں بنائی ہیں۔ اسی میں ایک جالی گرم آب کی بہت نفیس ہے۔ پانی کے گرم کرنے کا سب سامان مغربی دیوار میں بنا ہوا ہے۔ حمام کے ہر درجے میں روشنی رنگین شیشوں کے ذریعے سے آتی تھی جس کا نمونہ اب بھی حمام کے مشرقی حصے میں موجود ہے۔ شاہانِ مغلیہ کو حماموں کا بڑا شوق تھا اور سلطنت کے امور عظام صیغۂ راز کے یہیں طے پاتے تھے۔ چنانچہ سر طامس رو شاہ جہاں کے حضور میں آگرے کے قلعے میں حمام ہی میں باریاب ہوا تھا۔ موسم سرما میں ان حماموں میں زیادہ تر بادشاہ جایا کرتے تھے کیوں کہ وہ خوب گرم رہتے تھے! لیکن بقول سرسید یہ حمام شاہجہاں اور اورنگ زیب کے وقت میں گرم ہی نہیں ہوئے۔

ہیرا محل

تقریباً ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء

حمام کے شمال میں یہ محل ہے۔ اس میں اور حمام میں صحن چھوٹا ہوا ہے اور اس صحن میں چار گز کے عرض کی ایک نہر بطور ماہی پیچ کے سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے یہ وہی نہر ہے جس کا نام نہر بہشت ہے اور دیوانِ خاص اور رنگ محل میں جاری ہے۔ اس صحن کے بیچ میں نہر کے کنارے پر ایک بڑی بارہ دری سنگِ مرمر کی ۲۲ - ۸ شمالاً جنوباً اور ۱۹ - ۶ شرقاً غرباً بہادر شاہ ثانی خاندان مغلیہ کے آخری تاجدار کی بنوائی ہوئی ہے۔ جو مرزا فخرو ولی عہد کی بارہ دری مشہور رہی ہے۔ اس سے ورے توپ سے قریب ایک کوٹھری ہے جس میں پرانے ہتیار رکھے ہیں۔ حمام کے پیچھے ایک کنواں بہادر شاہ کا بنوایا ہوا ہے اس پر یہ تاریخ کندہ ہے

ظفر تعمیر شد ایں چاہِ شیریں	کہ آبش شربتِ قند و نبات است
ازیں خوش تر نباشد سال تاریخ	ہویدا چشمۂ آبِ حیات است

اس کے دیکھنے سے شاہ جہاں کے زمانے میں اور آخری دورِ مغلیہ میں جو فرقِ بیّن طرزِ عمارت میں ہوگیا ہے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی چھت کے چاروں کونوں پر چار چھوٹی چھوٹی چھتریاں بنائی ہیں جن کی برجیاں سنہری ہیں۔ یہ محل بھی سارا سنگِ مرمر کا بہت نازک اور خوب صورت بنا ہے۔ اس صحن میں جو نہر ہے وہ اس طرح سے ماہی پیچ سے بنائی ہے کہ جس کا بیان نہیں ہوسکتا۔ اُس زمانے میں اس نہر کے بیچ میں سنہری روپہلی چوبیس فوارے تھے جو ہمیشہ چھوٹا کرتے تھے

موتی محل

ہیرا محل کے شمال میں اور حیات بخش باغ کی مشرقی آبشار کے سامنے موتی محل تھا جو غدر کے بعد توڑ ڈالا گیا اور وہاں توپ خانے کی بارک بنا دی گئی جس عمارت کا وجود ہی نہ رہا تو اب کیا ہو سکتا تھا لیکن ۱۹۱۳ء میں وہ بٹیری نکلوا دی اور جتنا ہو سکتا تھا وہ کیا گیا خیر اس محل کے حدود تو معلوم ہونے لگے کہ یہاں یہاں تک تھا۔ محل کی تصویر دیکھنا چاہتے ہو تو آثار الصنادید میں یوں لکھا ہے کہ یہ محل سنگِ سرخ کا تھا جسے سنگِ پٹھانی سے سفید کر کے رنگا میزی اور طلاکاری کے گل بوٹے بنائے تھے۔ اس میں ایک درجہ تھا ۱۵ × ۸ گز مشتمل دو شہ نشینوں اور اس کے بیچ میں ایک حوض تھا ۴ گز × ۴ گز۔ اور ہر ایک شہ نشین کے پیچھے ایک ایک درجہ تھا ۸ گز × ۵ گز۔ اور دیوان تھے رفیع پنج درے کہ جانب شرق سے مشرف بدریا تھے اور جانب غرب سے مشرف بہ باغ حیات بخش۔ ہر ایک ایوان کا طول ساٹھ گز اور عرض تیس گز تھا۔ اندر کی عمارت میں اجارے تک سنگ مرمر لگا ہوا تھا اور باقی سنگِ سرخ کا تھا جسے سنگِ پٹھانی سے سفید کیا تھا اور اس میں ایک حوض اور نہر تھی جس میں سے ایک چادر دو گز کے عرض کی باغ حیات بخش کے ایک حوض میں پڑتی تھی اور یہ حوض وہی تھا جو اب رنگ محل کے سامنے رکھا ہوا ہے جس کا ذکر ہم نے علیحدہ کیا ہے۔

موتی مسجد
سنہ ۱۰۷۰ھ
۱۶۵۹-۶۰ء

یہ مسجد لال قلعے میں شاہنشاہ اورنگ زیب نے سنہ جلوس (۲) مطابق سنہ ۱۰۷۰ھ / ۱۶۵۹ء میں بصرف ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ سکہ رائج الوقت بنوائی تھی۔ اس کی عمارت غایت درجہ خوب صورت اور از سرتا پا سنگِ مرمر کی ہے۔

یہ مسجد بادشاہ اور بیگمات کی پرائیوٹ عبادت گاہ تھی۔ غدر ۱۸۵۷ء میں اس پر ایک توپ کا گولہ گر کر گنبدوں کو سخت نقصان پہنچا تھا جس کی مرمت نہایت خوبی سے بعد میں کر دی گئی۔ لیکن گنبد جو پہلے بالکل سنہری تھے ویسے تو بن سکے اب سادے ہیں۔ اگرچہ مسجد بہت چھوٹی ہے بمصداق ہرچہ بقامت کہتر بقیمت بہتر سارے ہندوستان کی مسجدوں پر اپنے حسن و خوبی کے لحاظ سے تفوق رکھتی ہے۔ مسجد کا داخلی چھوٹا سا دروازہ سنگِ مرمر کا ہے جس میں برنجی چادر کے چڑھے ہوئے پٹ ہیں۔ صحن مسجد ۳۵ × ۳۰ سارے کا سارا سنگِ مرمر کی سلوں کے فرش کا ہے۔ چاردیواری بیس فیٹ بلند ہے۔ دیواروں کے بیرونی رُخ پر سنگِ سرخ اور اندرون سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔ دیواروں میں چوڑی چوڑی سلیں لگی ہوئی ہیں جن میں دیوار دوز ستون

نقشہ موتی محل
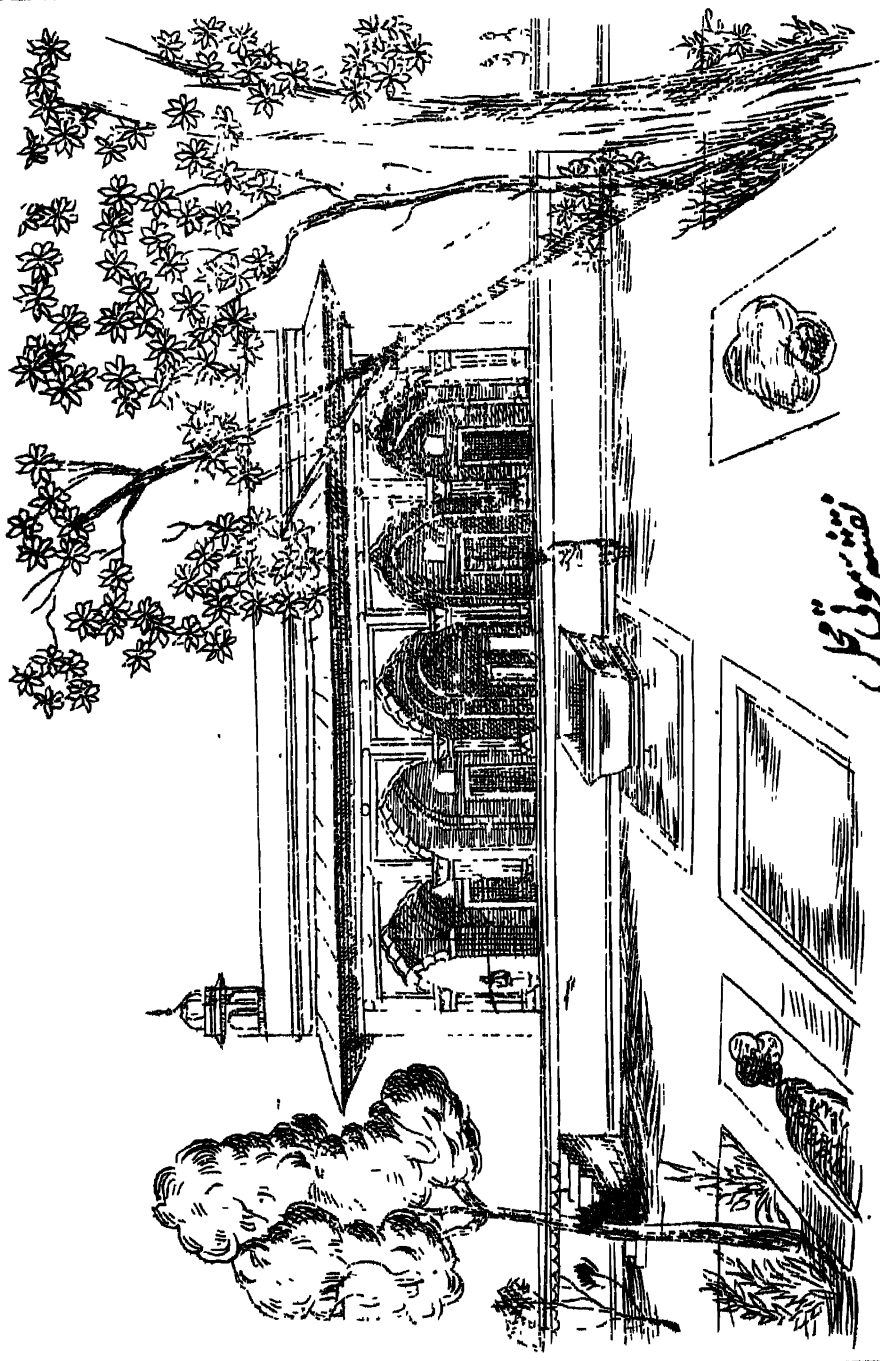
نقشہ موتی مسجد
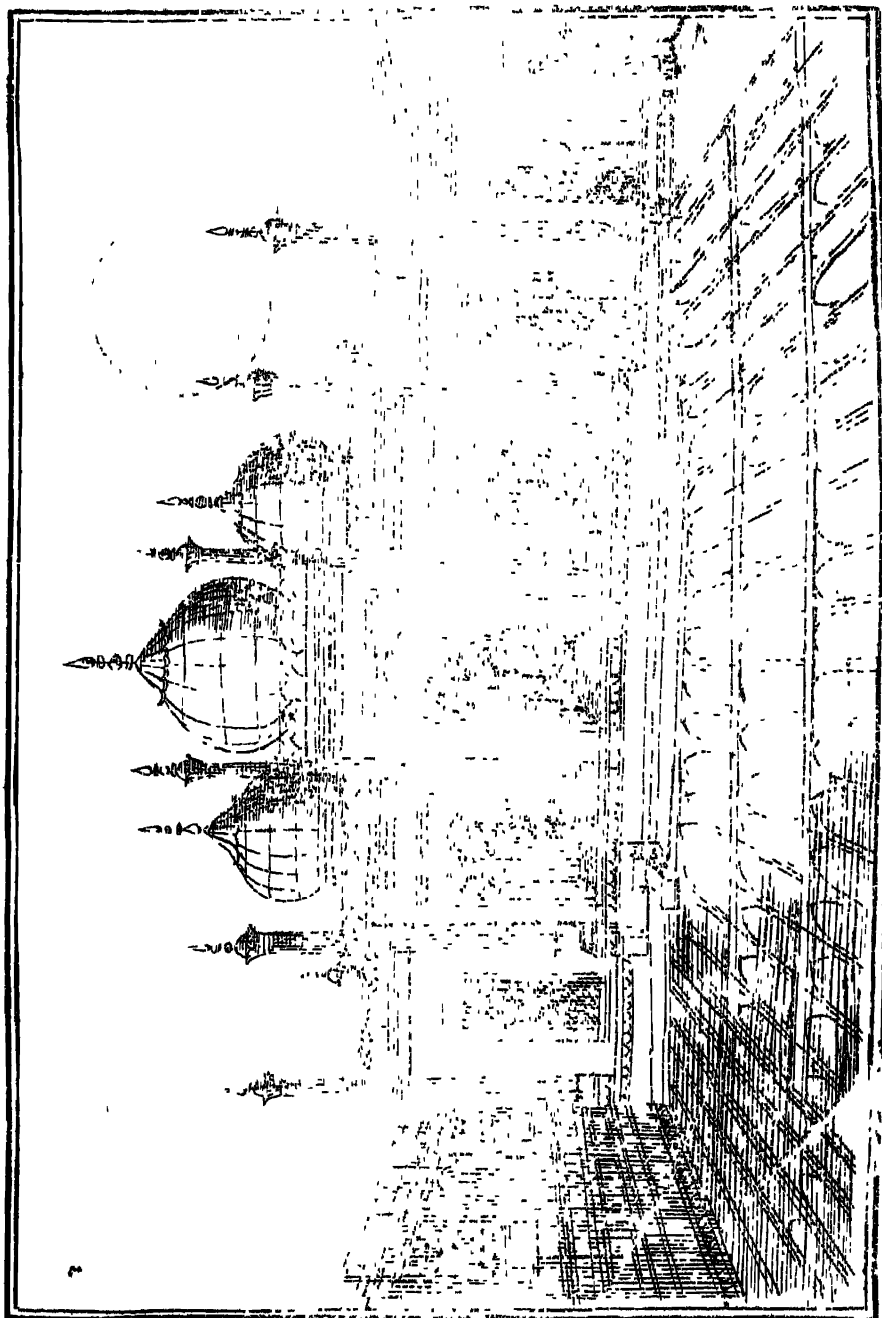
ہیں اور اُن پر سنگِ مرمر کی بُرجیاں ہیں۔ احاطے کی شمالی دیوار میں زنانے محل میں سے
آنے کا رستہ ہے۔ اِس رستے سے بیگمات آکر شریک نماز ہوتی تھیں صحن کے وسط میں ایک
سنگ مرمر کا حوض ۱۰ فٹ × ۸ فٹ ہے جو باغ حیات بخش کی نہر سے بھرا جاتا تھا چوں کہ یہ حوض
دہ دردہ سے چھوٹا تھا اور اُس کا پاک رہنا مشکل ہوا لہذا اس میں ایسی ترکیب رکھی ہے کہ پھاڈوں
میں سے اس حوض میں پانی آتا ہے اور اُبل کر ہر وقت بہتا رہتا ہے گویا یہ حوض بھی چشمۂ جاریہ ہے۔
مسجد کا طول و عرض ۴۰ فٹ × ۳۰ فٹ ہے۔ بلندی ۲۵ فٹ۔ اور چھت سے درمیانی گنبد کے کلس تک
۱۲ فٹ اور ہے۔ اس مسجد کے تین در نہایت خوب صورت بنگڑی دار محرابوں کے ہیں جو زیادہ اونچے
نہیں۔ چبوترے کی چار سیڑھیاں ہیں جو ۳ فٹ اونچا ہے۔ جس میں سنگ موسی کی تحریر کے مصلے
ہیں۔ ان محرابوں کے چار ستون ہیں جن کے سرے اور بیٹھک پر تو نقش و نگار ہیں باقی
بیچ کا حصہ بالکل صاف و شفاف سنگ مرمر کا ہے۔ ادھر اُدھر کی محرابیں آٹھ فیٹ چوڑی
ہیں اور بیچ کی اُس سے دُگنی۔ پیش والان کے پیچھے اور ایک والان ہے اس کے بھی تین ہی
در ہیں۔ اس طرح اس مسجد میں ستونوں کی دو قطاروں سے چھ حصے ہوگئے ہیں۔ مسجد کی پچھیت
کی دیوار میں حسب معمول دیوار دوز محراب ہے۔ درمیانی محراب زیادہ چوڑی اور گہری ہے سامنے
کی محرابوں کے دونوں طرف مینارے ہیں اور ادھر اُدھر کی محرابوں کے سامنے
ہر ہر قطع میں ایک سنگ مرمر کا چوڑا چھجہ ہے چھت کی منڈیر گو چھوٹی ہے مگر اُس پر بہت کچھ
نقش و نگار کیئے ہوے ہیں۔ یہ منڈیر بیچ کے در پر محراب دار ہے اور باقی
دو دروں پر ہموار تینوں گنبد سنگ مرمر کے کمر کی وضع کے ہیں جو سنہری تھے اسی وجہ سے
بعض لوگ اسے سنہری مسجد بھی کہتے ہیں۔ بہ مقابلے مغلوں کے بنائے ہوے گنبدوں
کے یہ زیادہ کوٹھی دار ہیں ان پر ملمع کے کلس چڑھے ہوے ہیں۔ اِس مسجد کی جانب
شمال ایک حجرہ بنا ہوا ہے عبادت اور وظیفہ وظائف کے لیئے اُس میں بھی ایک مختصر کم عمق
بہت نفیس حوض ہے اور اُس کے گرد آئینہ بندی کی ہوئی ہے۔ عاقل خاں نے اس کی تاریخ
کیسی نفیس نکالی ہے۔ جیسی مسجد ویسی تاریخ اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا

باغِ حیات بخش

سنہ ۱۰۴۸ - ۵۸ھ

۱۶۳۹ - ۴۸ء

دریں حدیقہ بہار و خزاں ہم آغوش است

زمانہ جام بدست و جنازہ بر دوش است

یہ باغ جس کا اب وجود نہ رہا موتی مسجد کے شمال میں تھا۔

سنہ ۱۹۰۳ء میں یہ باغ بالکل ملبے کے انباروں میں دبا ہوا تھا اور باقی حصہ سڑکوں میں آ گیا تھا۔ غرض یہ کہ اس کی نہریں روشیں آبشار نالیاں سب ٹوٹ پھوٹ کر تباہ ہو گئی تھیں۔ حیات باغ جا کر ممات باغ ہو گیا تھا۔ لارڈ کرزن کو اس کی دُھن تھی اور کیا ہی نیک دُھن تھی سنہ ۱۹۰۴ء میں اس کی داد فریاد سنی گئی اور پھر باغ خزاں رسیدہ میں بہار آئی اور فوری درستی شروع ہو گئی سنہ ۱۹۱۱ء تک برابر مرمت جاری رہی اور جہاں تک امکان بشری میں تھا تلافی مافات کی گئی۔ جو حصہ خالی تھا ٹھیک ٹھاک ہو گیا باقی حصہ بارکوں سے گھر گیا تھا وہ امر لاعلاج تھا۔ اب اس باغ کی اُس حالت کا نقشہ بھی ملاحظہ ہو جیسا کہ یہ بھی کبھی تھا ؎

صد ہزاراں گلِ شگفتہ درو
سبزہ بیدار و آب خفتہ درو

یہ باغ خدا کی قدرت کا نمونہ ہے کہ اس کے دیکھنے سے دل کو فرحتِ تازہ اور جان کو نشاطِ بے اندازہ حاصل ہوتی ہے۔ اس کے دیکھنے سے نقشہ بہشتِ بریں کا آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے ہر درخت اس کا رشکِ قامتِ یار اور ہر گل رخسار اس کی سمن کے آگے بناگوش یار خجل اور اُس کی بنفشہ کے سامنے زلفِ خوبان منفعل اس باغ کے بیچوں بیچ میں ایک حوض کلاں ہے اور حوض کے چاروں طرف سنگِ سُرخ کی نہریں چھ گز عریض بہتی ہیں اور ہر ہر نہر میں تیس تیس فوارے چاندی کے چھوٹتے تھے اور روش میں نہر ہی کا پانی آتا ہے اور گل ہائے منظر اور درختانِ دل کش کی تازگی کا باعث ہوتا ہے اور حوض کی دو جانب میں دو مکان واقع ہیں کہ ان کو ساون بھادوں کہتے ہیں۔ طول اس باغ کا دو سو پچاس گز اور عرض ایک سو پچیس گز ہے۔ الغرض کیفیت سبزہ و گل اور آبِ جاری اور ہوائے ملایم اور صحن دل کشا ایسی نہیں کہ زبانِ قلم سے ادا ہو سکے۔

حوض باغ حیات بخش

جھروکہ کا بالائی حصہ سنہ ۱۹۳۷-۵۶ء

سنہ ۱۲۴۰-۵۸ھ / ۱۸۴۴-۴۸ء

دل عشق کا ہمیشہ حریف نبرد تھا
اب جس جگہ کہ داغ ہے یاں پہلے درد تھا

اس باغ کے بیچوں بیچ میں ایک بہت بڑا حوض ۱۵۸ فٹ - ۳ انچ × ۱۵۳ فٹ ہے حوض جس کے بیچ میں انچاس فوارے چاندی کے لگے ہوئے تھے اور ہر دم چھوٹا کرتے تھے اور علاوہ ان فواروں کے گرداگرد اس حوض کے ایک سو بارہ فوارے چاندی کے حوض کی جانب جھکے ہوئے تھے۔ ان فواروں کا نام بھی نہیں رہا۔ جا بجا سوراخ البتہ نظر آتے ہیں۔ اس حوض کے گرد جنگلا لگا ہوا ہے جس کا

نقشہ ظفر محل مع حوضِ مہتاب باغ
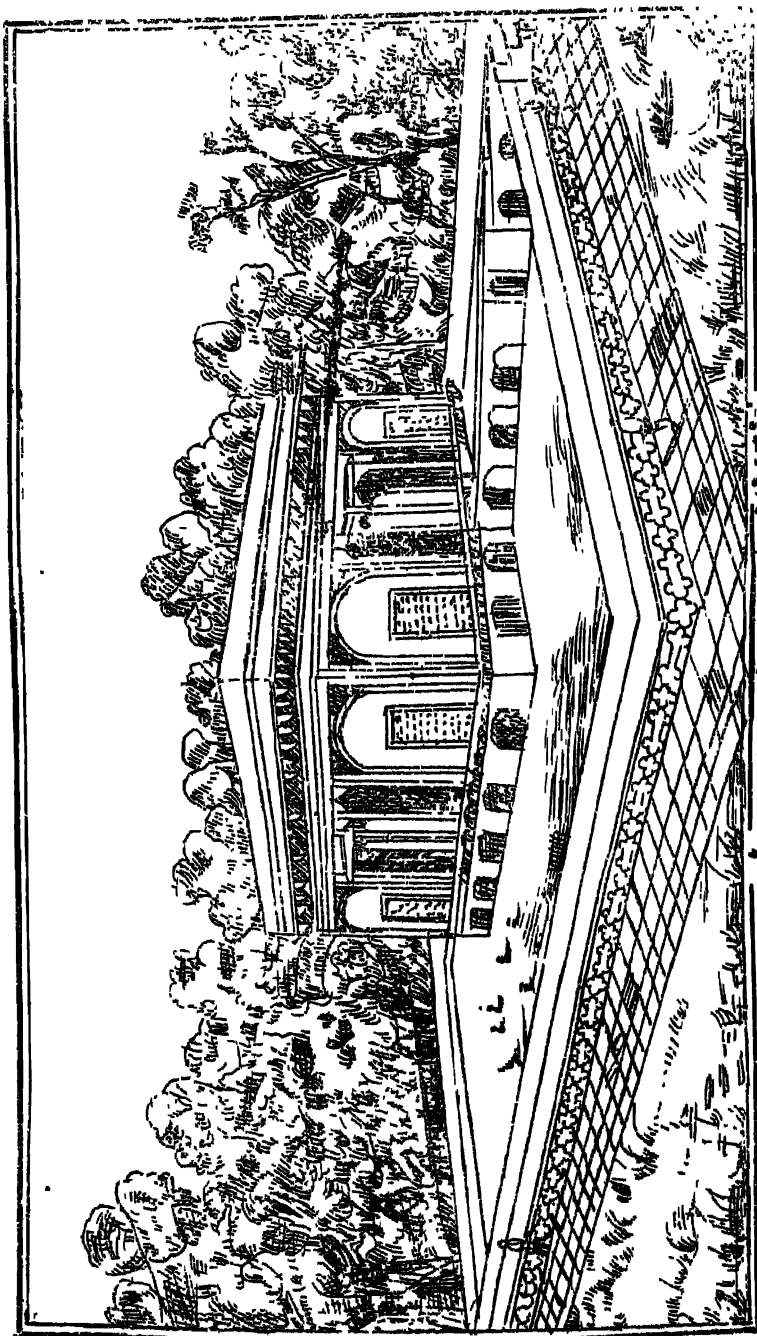
بالائی حصہ شاہجہانی دور کا نہیں ہے بلکہ اغلباً بہادرشاہ ثانی کے زمانے میں بنا ہوا معلوم دیتا ہے اس حوض کی بھی زمانہ حال میں بہت کچھ درستی ہوئی ہے۔

مہتاب باغ

بعد میرے جو نوید وصل یار آنے کو تھی
وہ چمن ہی لٹ گیا جس میں بہار آنے کو تھی

حیات بخش باغ کے مغرب میں یہ باغ کسی زمانے میں دیکھنے کے قابل تھا مگر مدتیں ہوئیں کہ اجڑ گیا چپے چپے پر نہر اور حوض تھے یا اب سارے شہر میں ڈھونڈنے سے بھی نہر کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ بہادرشاہ نے اس نہر کے جانب غرب قطب صاحب کے جھرنے کے طور پر سنگ سرخ کا بنایا تھا اور اسی باغ میں ایک درگاہ قدیم شریف کی بھی تھی۔ مگر اب نظریں جو طرف ان مقامات کو ڈھونڈتی ہیں اور کہیں نہیں پاتیں۔ اس درگاہ کا حوض سنگ مرمر کا اب قلعہ کے عجائب خانے میں ہے

ظفر محل یا جل محل ۱۸۴۲ء

اس حوض کے بیچوں بیچ میں ابوظفر سراج الدین محمد بہادرشاہ نے یہ محل سر سے پا تک سنگ سرخ کا بنایا۔ جس کا ایک درجہ ہے اور چاروں طرف غلام گردش کے طور پر مکان اور کونوں پر حجرے اور چاروں ضلعوں میں نشیمن ہیں اور ایک طرف اس مکان میں آنے جانے کا پل بنایا تھا۔ اس پل کا تو اب نشان بھی نہ رہا اور دالان کی چھت بھی گر گئی ہے۔ یہ مقام عرصہ دراز تک فوج کا "سوئمنگ باتھ" یعنی تیرنے کا حوض رہا۔

باؤلی

یہ باؤلی حیات باغ کے مغرب میں پریڈ گراونڈ پر بنی ہوئی ہے۔ ہشت پہلو ہے جس کا قطر ۲۱ فٹ ہے اور عمق ۴۰ فٹ ہے۔ اور اسی کے پاس ایک تالاب بیس فیٹ مربع ہے۔ ۲۷ فٹ کی گہرائی پر شمال کی دیوار میں ایک محراب ہے جس میں سے باؤلی میں پانی آتا ہے۔ اور کچھ ایسا حساب رکھا ہے کہ تالاب میں ایک ہی لیول پر ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ یہ حوض تیرنے کے واسطے بنایا ہے۔ تالاب کے شمال اور مغرب میں سیڑھیاں ہیں اور دو کمرے بھی بنے ہوئے ہیں۔ اب باؤلی اور تالاب دونوں پر جست کی چادریں پڑی ہوئی ہیں۔ اب اسی باؤلی اور تالاب سے قلعہ کے موجودہ باغوں کو پانی پہنچتا ہے۔ باؤلی اور تالاب دونوں کے گرد آہنی کٹہرا لگا دیا ہے۔

مسجد ۵۷-۱۸۳۷ء

اس مسجد کا کوئی خاص نام نہیں ہے۔ چھتہ چوک کے شمال میں ہے اور اب سپلائی اور ٹرینسپورٹ کے احاطے میں آگئی ہے۔ مسجد ۳۳ فٹ ۶ انچ × ۲۴ فٹ ہے

اور بہادر شاہ ثانی کی بنائی ہوئی ہے۔ اس مسجد کا صحن نہیں مسجد کی چھت مسطح اور دالان ہیں اور پانچ
در ہیں۔ اب اس مسجد میں سپلائی اور ٹرینسپورٹ کا گودام ہے۔

تسبیح خانہ خواب گاہ بڑی بیٹھک

حمام خانہ شاہی کے برابر اور دیوان خاص کے جنوب میں
ازسرتاپا سنگ مرمر کے بنے ہوئے چند کمرے ہیں جن کے
بیچ میں سے نہر رواں ہے۔ ان کمروں اور دیوان خاص کے
درمیان سنگ مرمر کا ایک چبوترا ۱۲ گز چوڑا ہے۔ تسبیح خانہ۔
خواب گاہ بڑی بیٹھک سب ایک ہی عمارت میں ہیں۔ تسبیح خانے کے تین کمرے دیوان خاص کے
سامنے ہی ہیں جن کے پیچھے اور تین کمرے خواب گاہ کے نام سے موسوم ہیں اور خواب گاہ سے
ملا ہوا ہال جو خواب گاہ کی چکلان سے آدھا ہے بڑی بیٹھک یا توشک خانہ کہلاتا ہے۔ یہ تینوں عمارتیں
ملا کر دیوانِ خاص کے برابر ہیں۔ اس چبوترے پر کہ عقب ہے خواب گاہِ معلی کا ایک دالان
بنا ہوا ہے جو تسبیح خانہ کہلاتا ہے۔ کبھی کبھی جب خلوت کرنی منظور ہوتی ہے یا دربار امرائے مخصوص کا
ہوتا ہے تو حضور والا یہاں بھی برآمد ہوتے ہیں۔ اس دیوار کے بیچ میں سنگ مرمر کی میزان
بنی ہوئی ہے اور وہاں **میزانِ عدل** لکھا ہوا ہے اور تاروں کے جھرمٹ میں سے چاند نکلتا ہوا
دکھلائی دیتا ہے اور بہت سا سنہری کام کیا ہوا ہے۔ یہ میزان کیسے عمدہ موقع سے بنائی گئی ہے جو ہمیشہ
میزانِ عدل الٰہی کی یاد دلاتی ہے کہ بروز قیامت بادشاہ و غریب سب برابر ہوں گے اور سب
کے اعمال تولے جائیں گے۔ اسی طرح بادشاہ کو جو **ظلُّ اللہ فی الارض** ہے لازم ہے کہ انصاف کو
کبھی ہاتھ سے نہ دے اور جو کام کرے میزانِ عدالت میں جانچ تول کر کرے۔ اسی تسبیح خانے
میں سے خواب گاہ کا رستہ ہے جو **خاصی ڈیوڑھی** کہلاتی ہے۔ اُن سب کمروں میں بیش قیمت
رنگ برنگ کے پتھروں کی پچیکاری کا کام تھا۔ اصلی پتھر تو لوگوں نے سب نکال لیئے اب
اُن گڑھوں میں جو رنگ بھر دیا گیا ہے وہ بھی عیمت ہے۔ بیچ کے کمرے کی شمالی اور جنوبی دیوار
کے دروازوں میں سنگِ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں اور گرداگرد محرابوں کے سعد اللہ خاں
وزیر شاہ جہاں کے شہرۂ آفاق تاریخی کتبے سونے کے پانی سے حسب ذیل لکھے ہوئے ہیں۔

کتبہ محراب جنوبی

سبحان اللہ ایں چہ منزلہاست رنگین۔ و نشیمن ہاست دلنشیں قطعۂ
بہشت بریں۔ چوں گویم کہ قدسیان ہمت بلند تماشائیش آرزومند۔
اگر ساکنان اطراف و اکناف بسان بیت العتیق بطواف آیند رواست ۔ و اگر نظارگیان نقش

و آفاق مثل حجر اسود بہ تقبیل آستان رفیع الشانش شتابند سزا۔ آغاز قلعۂ والا کہ از کاخ گردوں برتر است و رشک سدّ اسکندر۔ و ایں عمارت دل کشا و باغ حیات بخش کہ در منازل چوں روح در بدن است و شمع در انجمن۔ و نہر اطہر کہ آب صافیش بینا را آئینہ جہاں نما ست و دانا را از عالم غیب پردہ کشا۔ و آبشار ہالہ ہر یک گوئی کہ سفیدۂ صبحدم است بالوحۂ اسرار ز لوح و قلم۔ و فوارہ ہا کہ ہر کدامش پنجۂ نور ست۔

کتبۂ محراب شمالی

بصافحۂ آسمانیاں مائل بالا لی متلالی ست بانعام زمینیاں نازل و حوض کہ۔ ہمہ از آب زندگانی پر بصفا رشک نور و چشمۂ خور۔ و از دہم ذالحجہ سال جلوس دوازدہم اقدس مطابق ہزار و چہل و ہشت ہجری بعالمیاں نوید کامرانی داد و انجامش کہ بصرف پنجاہ لک روپہ صورت پذیرفت بست و چہارم ربیع الاول سال بست و یکم جلوس ہمایوں موافق سنہ ہزار و پنجاہ و ہشت ابقرقد وم میمنت لزوم گیتی خدیو گیہان خداوندبانی ایں مبانی آسمانی شہاب الدین محمد صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی در فیض بر روے جہانیاں بکشاد۔ ذیل کے اشعار سنہری تحریر کے ہیں:۔

شہنشاہ آفاق شاہ جہاں۔ باقبال ثانی صاحبقراں۔ در ایوانِ شاہی بصد احتشام چو خورشید بر چرخ بادا مدام اساس ست تا ناگزیر ایں بنا۔ بود قصر اقبال او عرش سا۔ زہے دلنشیں قصر پیراستہ۔ بہشتے بصد خوبی آراستہ شرافت یکے آیہ در شان او۔ سعادت در آغوشِ ایوانِ او۔ چو × × × دریں سرائے در کند × × × × × از جبہ دور۔ بپایش سر صدق ہر کس کہ سود۔ چو دریاے چوں آبرو لیش فزود۔ زمانہ چو دیوار او برفراشت۔ بہ پیش رخ مہر آئینہ داشت۔ ز بس روے دیوارش آراستہ ست۔ ز نقاشِ چیں رونما خواستہ چناں بر سر سرش دستِ ایام کرد۔ کہ گردوں بلندی از و وام کرد۔ ز فوارہ و حوض دریا نشاں۔ باب زمیں شستہ روے آسماں۔ چو جاے شہنشاہ عادل بود۔ ازاں بادشاہ منازل بود۔ اس

شانشین کے آگے ایک بیچ در دالان ہے تمام سنگ مرمر کا پرچین کا نہایت نفیس و گنج × ہے اور اِدھر اُدھر اس دالان کے بھی محرابیں ہیں۔ غربی حجرے میں سے دیوان خاص کو رستہ جاتا ہے جیسے ڈیوڑھی خاصی کہتے ہیں۔ اس دالان کے بیچ میں ایک حوض ہے سنگ مرمر کا ایسا حوض دیکھنے میں آیا نہ سننے میں۔ یہ حوض نہایت نفیس سنگ مرمر کا بلا فوارے کے ہے جس کی تہ میں طرح طرح کے رنگین اور بیش قیمت پتھروں سے ہزاروں گل بوٹے پتیاں بنائی ہیں۔ اور ہر پھول کی پنکھڑی میں ایک سوراخ رکھا ہے کہ

پانی چھوڑا جاتا تھا تو اُن سوراخوں میں سے فوارے چھوٹتے تھے۔ اِس حوض کی پچکاری میں ہزاروں پنکھڑیاں ہیں اس واسطے اس کا خزانہ بہت اونچا رکھا گیا ہے۔ اب آپ اپنے تصور میں اس لطف اور بہار کا اندازہ کرلیں جو ان فواروں کے چھوٹنے سے ہوتا ہے۔ کاریگر نے کیا نادر صنعت رکھی ہے کہ سبحان اللہ ع ۔ ہر بات کی قسم بخدا لاجواب کی۔ اس دالان کے آگے صحن سنگ مرمر کا ہے اور نہر بہشت بہتی اور لہراتی رنگ محل میں چلی جاتی ہے۔ یہاں کے مغربی رخ کے دو کمرے حال میں مغلیہ طرز قدیم پر اس غرض سے سجائے گئے ہیں کہ لوگ اُن کو دیکھ کر اُس زمانے کی طرز ماند و بود کا اندازہ کرسکیں۔ ان میں کچھ پرانی زرنگار مخملی مسندیں اور تکیئے گھٹیا اونی درجے کا فرش تلوار خنجر وغیرہ متفرق چیزیں ایک قرینے سے جا دی گئی ہیں جو بادشاہ تو بادشاہ ایک معمولی درجے کے امیر کے لائق بھی نہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ قلعے کا چپہ چپہ دلہن بنا ہوا تھا یا آج دو چھوٹے چھوٹے حجروں کے سجانے میں اس وقت کا سا سناہے۔ بات یہ ہے کہ وہ سامانِ آرایش آج میسر نہیں آسکتا۔ ان کمروں میں صرف ایک چیز البتہ نادر اور قابل قدر ہے جو شاہجہاں کی خاص تلوار آبدار ہے جس کے قبضے پر طلائی خط میں تو دونام باری تعالیٰ کے تلوار کی پشت پر شاہجہاں کا نام مع القابِ شاہی کے ہے باقی ایک چیز بھی ایسی نہیں جسے شاہان اولوالعزم سے منسوب کیا جاسکے۔

برج طلا یا مثمن برج یا خاص محل

۱۰۵۸-۱۰۴۸ھ
۱۶۴۸-۱۶۳۹ء

خواب گاہ کی مشرقی دیوار سے ملا ہوا دریا کی جانب ایک گنبد دار برآمدہ ہے جس کی تعریف میں برنیر نے باوجود دیکھ خود کبھی دیکھنا نصیب نہیں ہوا بہت کچھ لکھا ہے۔ خواجہ سرا مثمن برج کی تعریف میں بہت کچھ مبالغہ کرتے ہیں جو لب دریا ایک چھوٹا سا برج ہے جس پر طلائی پتروں کا خول اُسی طرح کا چڑھا ہوا ہے جیسے کہ آگرے کا گنبد ہے۔ اُس کے لاجوردی رنگ کے کمرے۔ لاجوردی اور سنہری کام کی عمدہ نقاشی سے آراستہ ہیں جن میں بڑے بڑے شان دار آئینے لگے ہوئے ہیں۔ یہ ایک ہشت پہلو کمرہ ہے جس پر گنبد ہے۔ کسی زمانے میں سارے گنبد پر تانبے کا خول چڑھا ہوا تھا جس پر سونے کا ملمع تھا اب تو اس پر سفید استرکاری ہوئی دی ہے۔ اس کمرے کے تین کونے تو خواب گاہ میں آگئے ہیں اور پانچ کونے لب دریا ہیں۔ جن میں سے چار میں سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں اسی قسم کے مثمن برج آگرے اور لاہور کے قلعوں

میں بھی بنے ہوئے موجود ہیں۔ یہ بطور جھروکے کے استعمال ہوتے تھے جہاں بادشاہ روزانہ برآمد ہوکر اپنی رعایا برایا کو جو نیچے میدان میں منتظر جمالِ مبارک رہتی تھی اپنا درشن دکھلاتے تھے۔ مثمن برج کا اصلی گنبد تو اب رہا نہیں۔ یہ جو گنبد اب ہی غدر کے بعد کا بنا ہوا ہے۔ اصلی گنبد اور طرح کا تھا اور اس پر طلائی پتروں کا خول چڑھا ہوا تھا۔ مثمن برج کی غرب رویہ دیوار پر یہ کتبہ ہے

اے بند بپائے قفل بر دل ہشدار — وی دوختہ چشم و پاے در گل ہشدار
عزم سفر مغرب و در مشرق رو — ای راہ رو پشت بمنزل ہشدار

جھروکہ
۱۲۲۳ھ
۹-۱۸۰۸ء

جھروکہ عبارت ہے اس برآمدہ نما مکان سے جس میں دریا کی ریتی کی جانب کھڑکیاں ہیں اور کچھ تماشہ وغیرہ بادشاہ کو ملاحظہ فرمانا ہوتا ہے یہیں برآمد ہو کے ملاحظہ فرماتے ہیں۔ یہ ایجاد اکبر بادشاہ کی ہے اور درشنی کہلاتے تھے۔ چوں کہ اکبر کے زمانے میں ہندوؤں کا غلو تھا اور جو مقربانِ شاہی تھے وہ بندگانِ خاص اکبری کہلاتے تھے اُن کا یہ قاعدہ تھا کہ جب تک بادشاہ کی صورت نہ دیکھ لیتے تھے اور بادشاہ کی ڈنڈوت نہ کر لیتے تھے بات نہ کرتے تھے اس واسطے بادشاہ ہر روز صبح کے وقت درشنی میں جاکر جلوہ افروز ہوتے تھے اور اُن بندگانِ خاص کو اپنا درشن دکھلاتے تھے۔ اکبری دور کے بعد یہ طریقہ موقوف ہوا اس وقت اس کا نام جھروکہ رکھا گیا اور سیر و تماشا گاہ موقوف ہوئی۔ کہتے ہیں کہ شاہ جہاں کے زمانے تک یہ طریقہ جاری تھا اورنگ زیب نے موقوف کر دیا۔ مثمن برج سے ملا ہوا بلکہ اُس کے پانچویں ضلع کے سامنے یہ مسقف برآمدہ اکبر ثانی نے بنوایا تھا جس کی چھوٹی سی برجی بنگالی طرز کی خمیدہ وضع کی ہے۔ اس جھروکے کی محرابوں پر یہ کتبہ ہے:۔

ثنا و حمد سزاوار مالک الملکے — کہ کرد بادشہ دہر ہمچو شاہنشہ
کز آب وجد شہ ابن شہ تا تیمور — جہاں پناہ ملک بارگہ ستارہ سپہ
معین دین و ابو النصر اکبر غازی — شہ جہاں و جہانگیر عہد ظل اللہ
بسوئے برج مثمن ز نو مرتب ساخت — نشیمنے کہ بر و چشم دوخت مہر و مہ
بسید الشعرا کرد حکم تاریخش — کہ بر سفید بماند نوشتہ حرف سیہ
نوشت مصرعۂ تاریخ این بنا سید — بود بہ نشیمنے عالی اساس اکبر شہ
۱۲۲۳ھ

یہ بات بڑی فخر و مباہات کی ہے کہ مدتوں سے یہ جھروکہ بے مکین سے تھا۔ دربار تاجپوشی ملکِ معظم جارج پنجم ادام اللہ اقبالہم کے جشن کے زمانے میں ملکِ معظم و ملکۂ معظمہ اسی جھروکے میں برآمد ہوئے اور ایک کثیر انبوہ عام خلائق کو جو بادشاہ کے دیدار کو ترسے ہوئے تھے اپنے دیدار پر انوار سے مشرف فرماکر صدہا سال کی مسدود شدہ درشن کی رسم کو تازہ کیا۔

خضری دروازہ
شمسیہ ۱۰۵۸ھ — ۴۸-۱۶۳۹ء

مثمن برج کے نیچے۔ چند سیڑھیاں اتر کر دریا کے کنارے پر پہنچ جاتے ہیں۔ مثمن برج کی تحتانی منزل درحقیقت اس دروازے کی ڈیوڑھی ہے جس میں کھڑکیاں بھی رکھی گئی ہیں یہ وہی دروازہ ہے جس کو کپتان ڈگلس صاحب نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو اس غرض سے کھلوانا چاہا تھا کہ وہ نکل کر دو بدو بلوائیوں سے دو دو باتیں کرکے اتمام حجت کرنی چاہتے تھے۔

سلیم گڈھ دروازہ
شمسیہ ۱۰۵۸ھ — ۴۸-۱۶۳۹ء

سلیم گڈھ کے محاذی قلعہ کی شمالی فصیل کے بیچ میں ایک دروازہ ہے جس کا کوئی خاص نام نہیں ہے اس دروازے سے شمال کی طرف تھوڑے فاصلے سے جہانگیر کا بنوایا ہوا وہ پل تھا جو ۱۰۳۱ھ ۱۶۲۲ء میں سلیم گڈھ میں جانے کے لیئے بنوایا تھا اور جس کے کتبے کو ہم نے سلیم گڈھ کے بیان میں نقل کیا ہے سلیم گڈھ دروازے کے پاس قلعہ کی شمال مشرقی فصیل میں ایک کھڑکی ہے اس کا نام بھی کوئی نہیں جانتا۔ اس کھڑکی کا روکار سنگِ سرخ کا ہے جس کے اوپر کنگورا بنا ہوا ہے۔

رنگ محل یا امتیاز محل
شمسیہ ۱۰۵۸ھ — ۴۸-۱۶۳۹ء

دیوانِ عام کی پشت پر شاہجہاں کے عہد کا یہ سب سے بڑا اور عالی شان محل ہے جو شمال سے جنوب کی طرف ۱۵۳ گز ہے اور مشرق سے مغرب کی جانب ۶۹ گز۔ صحن اس کا نہایت وسیع تھا کہ اس میں نہریں جاری تھیں اور فوارے چھوٹتے تھے باغ لگا ہوا تھا۔ اب سب برباد ہوگیا اور اس صحن دلکشا میں سڑیل سڑیل مکان بن گئے۔ اگلے زمانے میں اس محل کے صحن میں ایک حوض تھا ۴۵ گز × ۸ گز اور پانچ فوارے اس میں چھوٹتے تھے اور ایک نہر تھی کہ اس میں (۲۵) فوارے تھے اور ایک باغیچہ تھا ۱۱۵ گز × ۱۰۰ اور اس کے گرد سنگ سرخ کا مجحر تھا جس پر دو ہزار سنہری کلسیاں چڑھی ہوئی تھیں اور تین طرف اس صحن کے ستر گز کے عرض کا مکان دل کشا اور ایوان ہائے دلربا بنے ہوئے تھے اور دریا کی طرف پائیں باغ اور امتیاز محل کی عمارت ہے جس کی تعریف لکھنا قوت البشری سے خارج ہے نقشہ صورت اس کی باہر سے اس طرح ہے
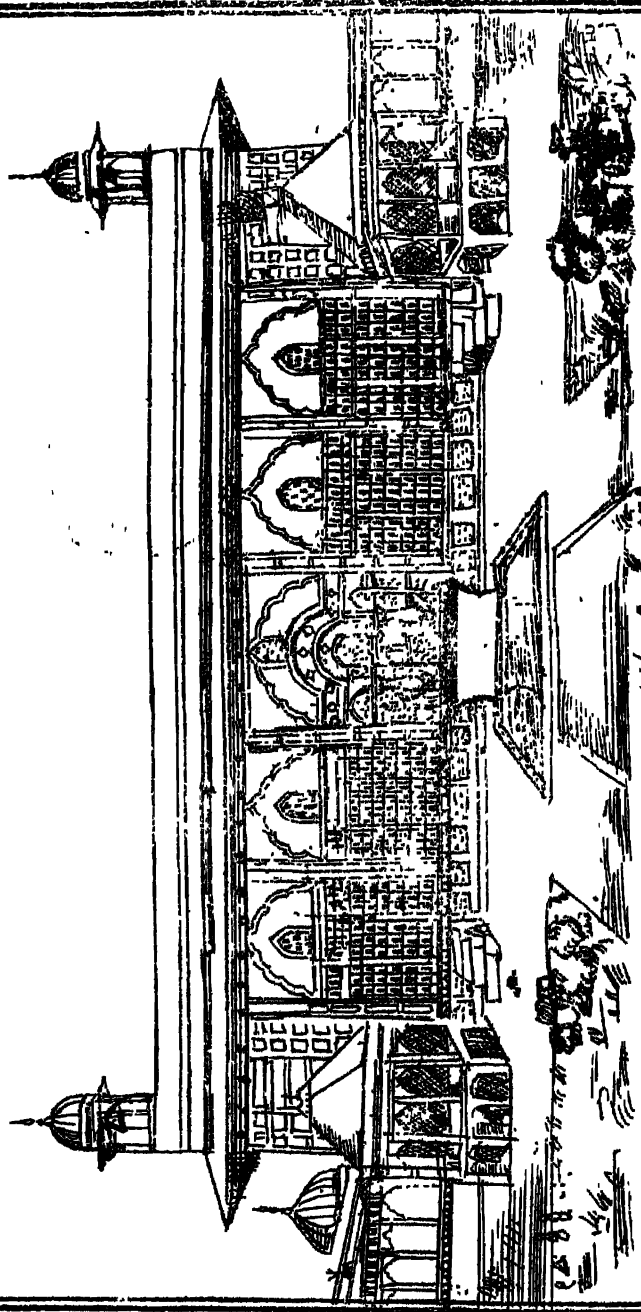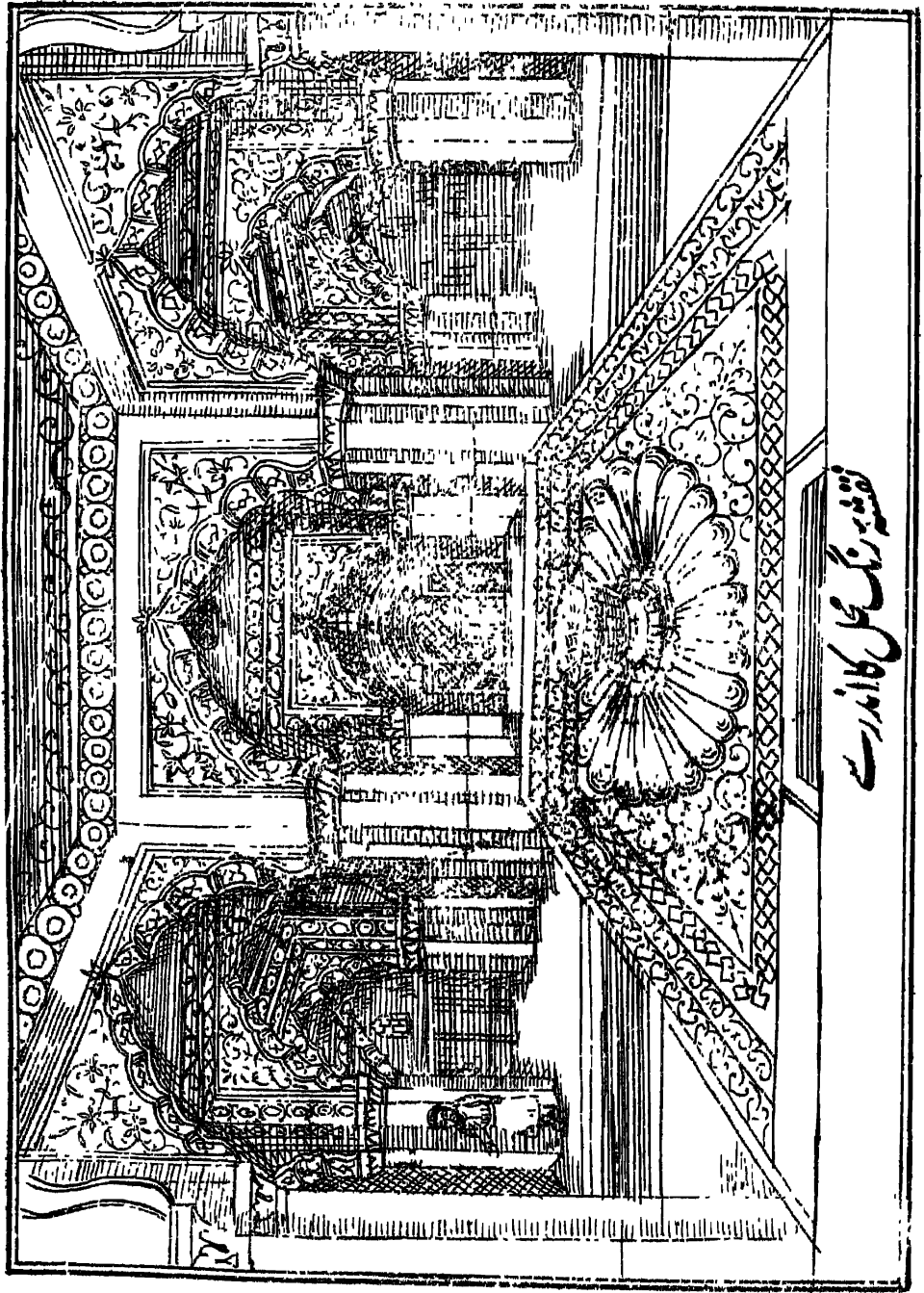
نقشہ رنگ محل کا باہر سے

کہ کرسی دے کر ایک چبوترہ بنایا ہی جس کے نیچے دو وسیع تہ خانے ہیں نہایت نفیس۔ اس
چبوترے پر پنج درہ تہرا دالان بنایا ہی ۷ گنہ ہد ۲ گنہ ۔ بیچ کے در کے سامنے صحن کی طرف ایک
حوض ہی سنگ مرمر کا بہت بڑا ایک پتھر کا نہایت مضبوط جس میں ڈیڑھ گز کی اونچائی سے تین
گز کی چوڑی چادر پڑتی ہی اور اس میں سے اُبل کر نیچے کے حوض میں آتی ہی اور وہاں سے
نہریں بہتی اور صحن کے حوض میں جا کر باغیچہ کے ہر ہر روش اور پٹری میں بہتی تھی۔ روکار اس
محل کا تمام سنگ مرمر کا تھا اور وہ عمدہ محرابیں اور مرغولیں بنائی ہیں اور وہ منبت کاری کی
ہی کہ آدمی کی عقل دیکھ کر حیران رہ جاتی ہی۔ محل کی چھت کے چاروں کونوں پر چار چو کھنڈیاں
بنائی ہیں کہ اُس سے رفعت اور شان اس مکان کی دوبالا ہو گئی ہی۔ اس محل کے کونوں پر چار
بنگلے سنگین بنے ہوے تھے تاکہ گرمیوں میں خس کی ٹٹیاں لگا کر خس خانہ بنایا جائے۔ غور کیجیے
کہ جب یہ سب نہریں جاری ہوں گی اور حوض چھلکتے ہوں گے اور فوّارے چھوٹتے ہوں گے
اور خس خانہ طیار ہوگا اور ٹٹیوں پر پانی چھڑکا جاتا ہوگا اور ٹھنڈی ہوا چلتی ہوگی تو کیا عالم ہوگا
اور اس کو بہشت بریں کا ایک ٹکڑا کہنا کیا بے جا ہوگا غرض اس کی خوبیوں کا بیان کیا ہو سکتا ہی۔
یہ حال تو اس محل کے صحن اور بیرونی شکل کا تھا لیکن اندر اس محل کے اس سے بھی زیادہ عجائبات
اور نوادرات تھے۔ اس محل کے اندر بنانے والے نے عجیب عجیب طرح کی کارسازیاں اور
نیرنگیاں کی ہیں۔ ایک طلسمات کا عالم ہی جو دیکھنے تعلق رکھتا ہی جس طرح کہ اس کے روکار
میں پانچ در بنائے ہیں اُسی طرح اس کے اندر بھی محراب دار در ہیں۔ محرابیں اس ترکیب سے
بنائی ہیں کہ بیچ میں ایک چوکھنڈی سی بن گئی ہی۔ اُس میں ایک حوض ہی جو اس خوب صورتی سے
بنایا ہی کہ ایک کھلا ہوا پھول معلوم دیتا ہی۔ اس کی پنکھڑیاں ایسی خوب صورت ہیں کہ حیطۂ
بیان سے خارج۔ رنگ برنگ کے پتھروں سے وہ منبت کاری اور پچی کاری کی ہی اور وہ گل بوٹے
پھول پتے بنائے ہیں کہ نگار خانۂ چین کو مات کیا ہی۔ یہ حوض ساڑھے سات گز مربع لیکن
عمق بالکل کم رکھا ہی بعینہٖ مثل کفِ دست دلبراں معلوم دیتا ہی اس میں خوبی یہ ہی کہ جس وقت
پانی بھرتا اور لہراتا ہی تو تمام بیل بوٹے اس حوض کے ہلتے دکھائی دیتے ہیں اور معلوم ہوتا ہی
کہ ایک باغ ہی جس میں ہزار طرح کے گلہاے رنگا رنگ کھلے ہوئے ہیں۔ حوض کے اندر ایک کاسہ سنگ مرمر کا
کمرکی ایسا مادہ بنایا ہی اور اس میں منبت کاری اور پچی کاری کا وہ کمال دکھایا ہی کہ دیدہ شنیدہ بالکل پھول
کی شکل ہی اُس کے ہر ایک مرغولہ اور مرغول پر رنگین پتھروں سے گل بوٹے اور بیل پتے بنائے ہیں کہ پھول میں بیل اور بیل میں

پھول نکلے ہوے معلوم ہوتے ہیں۔ اُس پیالے میں ایک سوراخ ہے اور ایک نہر پوشیدہ تلے تلے آئی ہے اور اُس پیالے میں سے اُبلی ہے۔ پیالے کے لبوں پر سے پانی کا گرنا اور اُس حجابِ آب میں سے گل بوٹوں کا لہراتا ہوا دکھائی دینا کیا طلسمات سے کچھ کم ہے۔ نہر بہشت جو موتی محل اور دیوان خاص میں سے ہوتی ہوئی آئی اس محل کے بیچوں بیچ سے گزری ہے اور جنوب کی طرف بہتی ہوئی چلی گئی ہے اور جانب شرق اُس حوض میں جو صحن کی طرف روکار کے سامنے رکھا ہے چادر ہوکر گرتی ہے۔ ہر ایک نہر میں منبت کاری اور پرچین کاری کا وہی حال ہے جو جا بجا اوپر لکھا جا چکا ہے۔ یہ محل اجارے تک اور اُس کے پایہ نما ستون اور محرابیں سب سنگِ مرمر کی ہیں اس میں پچیکاری کی ہوئی ہے۔ علاوہ اس کے ہر در و دیوار پر سونا لپا ہوا ہے اور اور سونے کے کام کے گل بوٹے بنے ہوے ہیں کہتے ہیں کہ اس محل کی چھت نقرئی چاندی کی تھی۔ فرخ سیر کے وقت میں کسی ضرورت کے سبب وہ چھت اُکھاڑی گئی اور اُس کے بدلے تانبے کی چھت چڑھا دی اور پھر محمد اکبر شاہ ثانی کے وقت اُس تانبے کی چھت کو بھی اُکھاڑا اور کاٹ کی چھت لگائی گر وہ بھی اب بوسیدہ ہو گئی ہے۔ اس محل کے پہلو میں حجرے بنے ہوے ہیں جن کے بعد جانب جنوب چھوٹی بیٹھک نام کا ایک مکان ہے۔ پچھلے سو سال کے اندر رانڈر خاص کر اس محل کو بے غوری اور کس مپرسی کی وجہ سے بہت نقصان پونہچا ہے۔ بہت دنوں تک اس میں میس روم رہا ہے۔

سنگِ مرمر کا حوض جس کا ذکر اوپر آیا ہے سنگ مرمر کے بالکل بے جوڑ پتھر میں مع پایوں کے تراشا ہوا ہے جو شاہجہاں کے وقت میں مکرانے کی کان سے لایا گیا تھا۔ یہ حوض ۲۰ - ۲/۱ لمبا - ۹ - ۴/۳ چوڑا - ۳ - ۲/۱ عمیق ہے۔ یہ حوض چار مربع سنگ مرمر کے پایوں پر کھڑا ہے۔ اتنا بڑا پتھر اور ایسا بے جوڑ حوض شاید ہی کہیں اور ہو تو ہو۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مکرانے کی کان سے نکالا گیا صفائی اور شفافی میں یہ بڑا بھاری ڈھیم بے نظیر تھا۔ شاہی حکم کی بنا پر حوض تراشا گیا اور بن کر طیار ہوا تو مکرانے سے جو دلی سے دو سو کوس ہے نہایت حفاظت اور احتیاط سے لایا گیا اور قلعے کے موتی محل میں رکھا گیا غدر کے بعد سے یہ گوہر بے بہا بھی گردش میں آیا اور ناقدری کے ہاتھوں ملکہ کے باغ میں لاکر رکھ دیا گیا۔ غنیمت ہے کہ گھن اور ہتھوڑے کی ضرب سے پاش پاش نہیں کیا گیا ۱۹۱۱ء میں خدا خدا کر کے رنگ محل کے سامنے رکھوا دیا گیا بعض روایات

میں یہ بھی ہے کہ یہ حوض سونی محل کے سامنے حیات بخش باغ کے مشرقی والان کے بیچ میں رکھا ہوا تھا۔ خدا معلوم صحیح بات کون سی ہے۔

دریا محل

رنگ محل اور امتیاز محل کے پاس اس نام کا ایک محل مشرف بدریا تھا۔ یہ محل بدرجہ غایت آراستہ و پیراستہ تھا جس کے سامنے دریا کی طرف ایک سائبان نکلا ہوا جس میں ایک پرندکی نہایت خوب صورت شکل بنی ہوئی تھی۔ نہیں معلوم ہو سکتا کہ یہ عمارت کس نوعیت کی تھی مگر غالباً اسی وضع قطع اور اسی مال مسالے کی ہوگی جیسے کہ دوسری عمارتیں ہیں۔ اب اس محل کا نام و نشان تک نہیں رہا۔ میں نے غلط کہا نام تو اب بھی باقی ہے مگر نشان البتہ نہیں رہا۔

چھوٹی بیٹھک یا خورد جہاں (یا چھوٹی دنیا)

امتیاز محل کے جنوب میں یہ بھی ایک عمارت تھی جو قرینہ بڑی بیٹھک کر کے مشہور تھی۔ یہ عمارت بھی قلعہ کی دوسری عمارات کی طرح نہایت خوشنما تھی لیکن مرزا جہاں گیر بہادر نے اس میں تصرفات جدید کیے تھے جس سے شاہجہانی طرز باقی نہ رہا تھا۔ اب یہ عمارت موجود نہیں ہے۔ دریا کی طرف محلات میں سب سے اخیر یہی تھا۔ وجہ تسمیہ اس کی معلوم نہیں ہوتی۔ چوں کہ اس میں پھول باغ اور انواع و اقسام کے نوادر درخت تھے ممکن ہے کہ دنیا میں چھوٹا سا نمونہ باغ جنت کا دکھلایا ہو۔ نہایت افسوس ہے کہ اب اس کا پتہ نشان تک نہیں رہا۔ خوش نما روشیں۔ گھنے سایہ دار درخت اور منڈوے۔ فوارے۔ آبشار۔ سرد خانے بارہ دریاں۔ مصفا چبوترے۔ جابجا چھڑکاؤ۔ سبزہ زار۔ فرش زمردیں کے تختے بچھے ہوئے۔ جدھر نگاہ اُٹھاؤ سرسبزی اور بہار۔ خوشبو سے معطر۔ دلی کی گرمی اور لو جس میں آفتاب کی تمازت سے آدمی سر سے پا تک پسینے میں شرابور ہو جاتا ہے۔ یہاں آکر دم میں دم آجاتا تھا۔ تاہم کچھ لوگ اس خیال کے بھی ہیں کہ یہ دولت لٹانے کے سارے فضول ڈھکوسلے اور امیری چونچلے تھے جن سے سوائے اسراف کے کچھ فائدہ نہ تھا اچھا ہوا کہ یہ سب سامان عیش و عشرت مٹا دیا گیا۔ لیکن ہم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ آخر یہ دولت اور خزانہ ہر پھر کر جاتا کہاں تھا۔ اس سے ہزاروں آدمیوں کی روزی چلتی تھی اور اُن کے پیٹ پلتے تھے۔ صدہا کارخانے زردوزی۔ شال بافی۔ پارچہ بافی۔ تصویر و مرقعہ سازی اور اسی قسم کی ہزارہا دستکاریوں کے تھے جن کے بند ہونے کے معنی

یہ ہیں کہ لوگوں کا رزق بند ہوگیا۔ پیشہ ور لوگ۔ دستکار اور صناعوں کی موت آگئی۔ کیوں کہ ان چیزوں کے خریدار اور قدرداں اُٹھ گئے نتیجہ یہ کہ ع آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔
مسٹر گارڈن رزلی ہرن اپنی کتاب دلی کے سات شہر کے صفحہ ۱۶۱ پر لکھتے ہیں کہ "اگر وہ پرانا زمانہ (یادش بخیر) پھر کسی طرح آجائے تو دلی والوں کے نصیب جاگ جائیں اور روپیہ پانی کی طرح بہنے لگے"

ممتاز محل
۵۸-۱۰۴۸ھ
۴۸-۱۶۳۹ء

اب جس میں آثار قدیمہ کا عجائب خانہ ہے شمال سے جنوب ۸۸ء مشرق سے مغرب ۸۱ء۔ اس کا شمار پہلے بڑے محلات میں تھا۔ غدر کے بعد اسے قید خانے کا کام لیا گیا اور ابھی چند سال پیشتر تک سارجنٹوں کا میس ہوس تھا۔ اس کی چھت کے چاروں کونوں پر سنہری چھتریاں تھیں وہ اب نہیں رہیں لیکن اس تصویر سے جو عجائب خانے میں قلعہ کی مشرقی دیوار کی محفوظ ہے اس محل کی اصلی ہیئت معلوم ہوتی ہے۔ ۱۹۱۱ء میں اس عمارت کی اس حد تک مرمت ہوئی کہ اب اصلی حالت باقی نہیں رہی۔ اس کا چھجا بھی از سر نو بنا ہے۔ دیواریں اجارے تک اور فیل پایوں کا حصہ زیریں سنگ مرمر کا ہے۔ دیواروں پر پچیکاری اور آئینہ بندی تھی جس کی علامات اب تک موجود ہیں۔

اسد برج
۵۸-۱۰۴۸ھ
۴۸-۱۶۳۹ء

قلعے کے جنوب و مشرق کونے میں ایک بہت بڑا برج ہے اس میں اب فوجی عہدہ دار رہتے ہیں۔ جب ہرناتھ چیلے نے ۱۸۰۳ء میں دہلی پر تاخت کی تھی تو اختر لونی (Ochterlony) نے بڑی دلیری سے اس کو پسپا کیا تھا۔ اس برج کو اس معرکے میں بہت نقصان پہنچا تھا لیکن اکبر شاہ ثانی نے اس کو دوبارہ بنوایا اور جیسا تھا ویسا ہی ہوگیا۔

بدر رو دروازہ
۵۸-۱۰۴۸ھ
۴۸-۱۶۳۹ء

قلعے کے جنوب و مشرق کے کونے میں اسد برج کے پاس ہے اس دروازے کے سامنے بھی گھوگس بنا ہوا ہے جو غالباً اورنگ زیب ہی نے بنوایا ہوگا۔

شاہ برج
۵۸-۱۰۴۸ھ
۴۸-۱۶۳۹ء

قلعے کے تین مشہور برجوں میں سے آخری برج یہ بھی ہے۔ یہ برج دریا کی طرف حمام سے تھوڑی دور قلعہ سلیم گڑھ سے ملا ہوا ہے امیر محل کے شمال مشرق کے کونے میں ہے۔ یہ برج سہ منزلہ تھا اور دریا پار سے اس کا نظارہ بہت خوشنما معلوم دیتا ہے۔ ۱۷۸۴ء میں شاہ عالم ولی عہد جواں بخت اپنے باپ کے وزراء کی سختی سے تنگ ہو کر اسی برج پر سے پگڑیاں لٹکا کر بھاگا اور انگریزوں کے پاس لکھنؤ چلا گیا۔ یہ برج

نقشۂ شاہ برج

شاہ برج
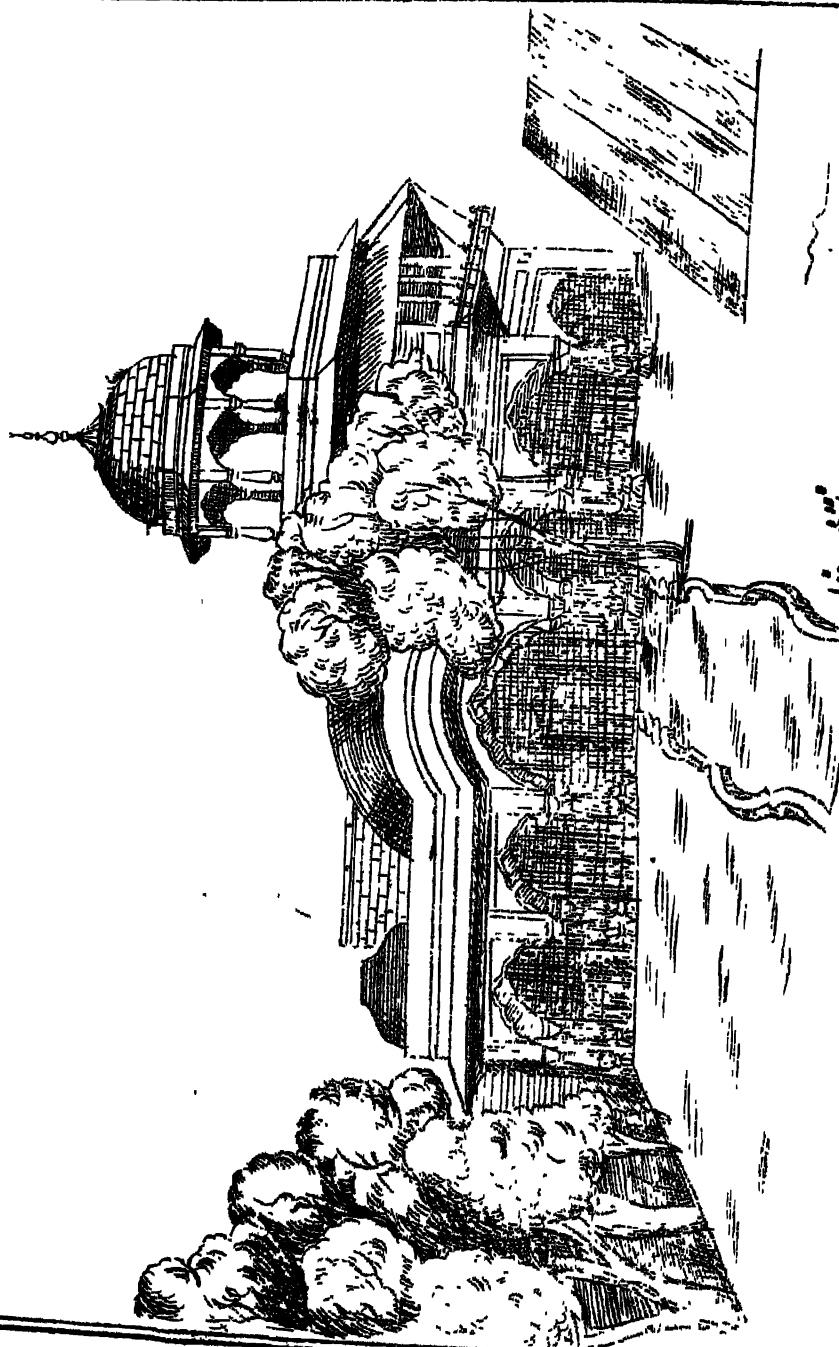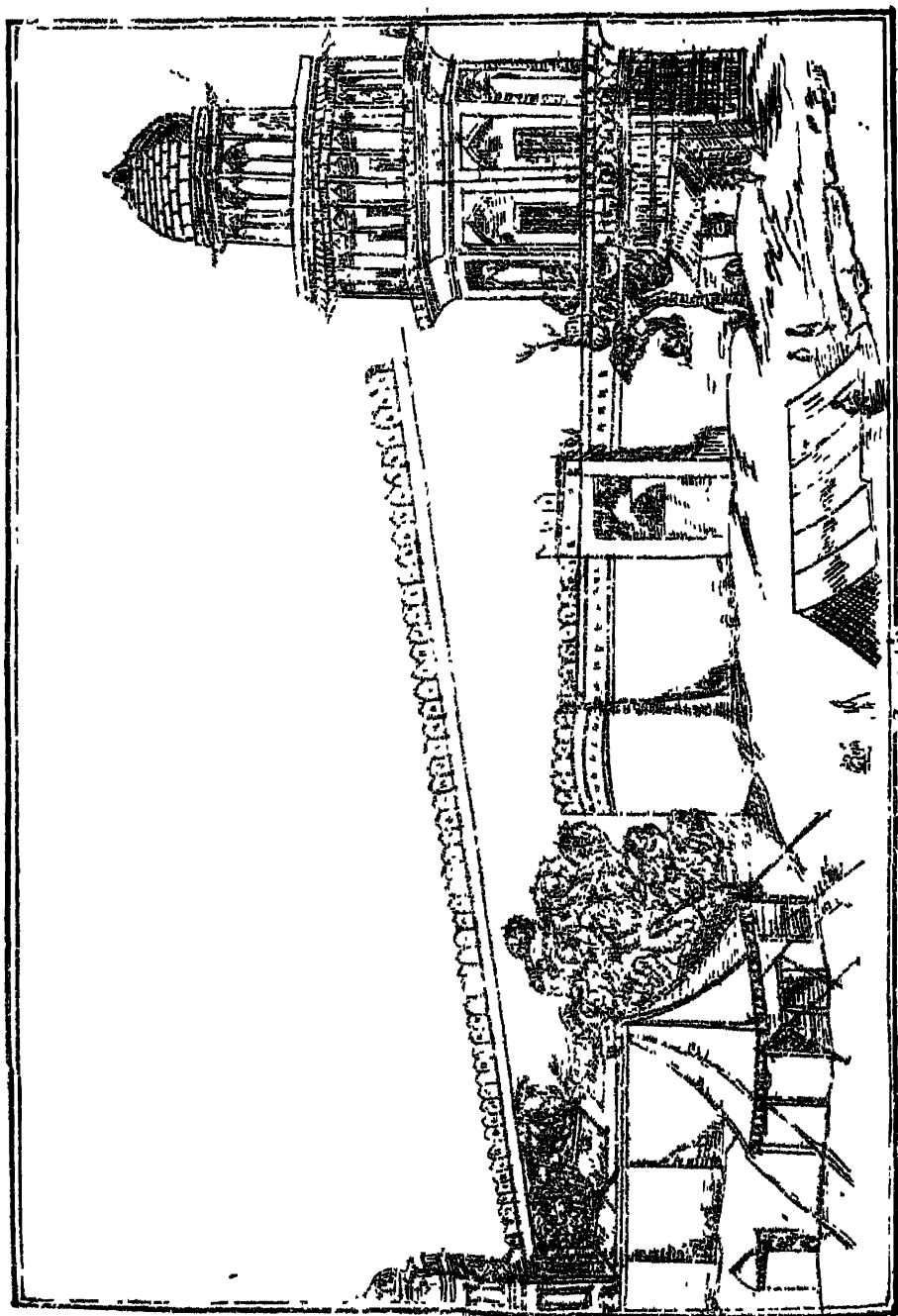
شمالی بھی کہلاتا ہے۔ اب اس برج کی دو ہی منزلیں باقی رہ گئی ہیں۔ غدر میں گنبد اُڑ گیا۔
جنوب کی طرف کا سنگ مرمر کا برآمدہ خوب صورتی اور نفاست میں بے نظیر ہے مگر روز بروز
خستہ اور مرمت طلب ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اورنگ زیب کے زمانے ہی سے اس کی حالت خراب
ہو چلی تھی پھر اب کا کیا پوچھنا۔ یہ برج مشرق سے مغرب ۶۹ فٹ - ½ اور شمال سے
جنوب ۴۳ فٹ ہے۔ غدر کے بعد برسوں تک اس میں فوجی عہدہ دار رہا کرتے تھے سنہ ۱۹ء
میں اُن سے خالی کرا لیا گیا اور کچھ مرامت کرا کے اس کے گرد جو بیوتات وغیرہ بنوائیے
تھے سب تڑوا دیئے گئے۔ اسی سال میں ایک زلزلہ آیا جس سے اس برج کی بنیاد تک
ہل گئی اور ساری عمارت کو اُتار کر از سر نو بنانا پڑا اس لیئے اصلی حیثیت اور نفاست
کیوں کر باقی رہ سکتی ہے۔ اس برج اور حمام کے بیچ میں سنہ ۱۹۱۱ء میں ایک چبوترا بنا کر تختہ گھانس کا
لگا دیا گیا ہے۔ سنگ مرمر کے برآمدے کے پیچھے گنبد کے نیچے کے کمرے کی چھت پر
آئینہ بندی کا کام تھا۔ اس برج کے زمانۂ قدیم کے نقشے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے
کہ اس پر کی چھتری اب نہیں رہی یہ چھتری اُسی طرح کی تھی جیسی کہ اسد برج پر ہے۔ کہتے
ہیں کہ یہ چھتری اُتار کر میرٹھ کو لے گئے پہلے اس برج کی یہ حالت تھی۔ یہ برج بھی ایک
عجائب روزگار ہے قطر اس برج کا سو گز کا ہے اور تین طبقے ہیں۔ پہلے حصے کو زمین سے
بارہ گز کی کرسی دے کر بنایا ہے اور اس کی چھت اندر سے گول اور اوپر سے مسطح ہے۔ یہ عمارت
تمام سنگین ہے اجارے تک تو سنگ مرمر ہے جس میں رنگ برنگ کے پتھروں کی
پچیکاری کی ہوئی ہے اور اجارے سے چھت تک سنگ پٹھانی ہے جس کو پالش کر کے
سفید کر دیا ہے اور سنہری گل بوٹے بیل پتے بنائے ہیں اور یہ درہ ہشت پہلو ہے اور
اس کا قطر آٹھ گز کا ہے اور اس میں چار طاق اور دو نشیمن نیم مثمن مشرف بدریا بنائے گئے
ہیں جن کا رو کار سنگ مرمر کا ہے۔ طول و عرض طاقِ شمالی اور مشرق کا چار چار گز ہے اور
غربی اور جنوبی طاقوں کا طول چار گز عرض تین گز ہے اور مثمن درجے کے بیچ میں ایک حوض
ہے تین گز قطر کا نہایت خوش نما جس کی منبت کاری کی نفاست سے عقل حیران ہے۔ غربی
طاق میں ایک آبشار ہے اور چھوٹے چھوٹے محراب دار طاق بنائے ہیں کہ اُن میں دن کو
پھول اور رات کو چراغ رکھا کرتے تھے۔ اس آبشار کے آگے ایک حوض ہے سنگ مرمر کا
گز ۳½ × ۲½ گز۔ اس حوض سے شرقی طاق کے کنارے تک ایک نہر ہے ڈیڑھ گز

عریض خالی سنگ مرمر کی بہت نفیس کہ جس پر نگاہ پھسلتی ہی۔ پرچین ساز اور منبّت کار۔ یہ دونوں حوض بھی پرچین کار اور منبّت کار ہیں جن میں عقیق و مرجان اور بیش قیمت پتھر جڑے ہوے تھے۔ اس نہر میں سے ایک نہر نکل کر غربی حوض کے طاق میں پڑتی ہی اُس سے برج کی نہر میں آن کر مثمن حوض میں سے ہو کر شرقی طاق کی طرف بہتی ہی۔ اُس کے نیچے دریا کی طرف ایک آبشار بنی ہوئی ہی۔ سارے قلعے میں اسی مقام سے نہر گئی ہی اور ہر جگہ پانی جانے کے قلبے اسی برج میں بنے ہوے ہیں اور ہر ہر قلبے پر نام لکھا ہوا ہی کہ یہ فلاں حوض یا فلاں نہر کا قلبہ ہی۔ دوسرے درجے کی عمارت بھی مثمن ہی نہایت مصفا آٹھ گز قطر کی جس کے آٹھوں ضلعوں پر چوبیس ستونوں کا سراسر ایوان ہی اور تیسرے درجے کی عمارت ایک نشیمن ہی گنبد نما جو آٹھ ستونوں پر استادہ ہی۔ اس کا گنبد سنگ مرمر کا اور کلس سنہری ہی۔

نہر بہشت
۵۸-۱۰۴۸ھ
۴۸-۱۶۳۹ء

شاہ برج کے پاس سے یہ نہر نکالی گئی ہی جو تمام۔ دیوان خاص۔ خواب گاہ میں ہوتی ہوئی۔ رنگ محل کو چلی گئی ہی۔ اس نہر کا ذکر خوابگاہ کے محراب والے کتبے میں ہی۔ نہر بہشت اسی کا نام تھا۔ نہر اطہر نام نہ تھا بلکہ نہر کا تعریفی لفظ ہی۔

پیویلین یا ایوان

شاہ برج کے شمال مغرب میں قلعہ کی شمالی فصیل کے پاس یہ ایک پیویلین ہی جو آخری دور مغلیہ کا بنا ہوا ہی۔ اس میں بہت کچھ رد و بدل ہوا ہی اور کچھ مکانات بھی بن گئے ہیں اب یہ فوج کی چارنوشی کا کمرہ ہی یہ پیویلین کس غرض سے بنایا گیا تھا کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہی کہ قلعے کے اس حصّے میں شاہزادوں کی حویلیاں تھیں۔

ساون بھادوں
۵۸-۱۰۴۸ھ
۴۸-۱۶۳۹ء

یہ دونوں مکان بجنسہ ایک ہی طرح کے ہیں۔ ۸ گز ۴ گرہ - ۸ گز ۴ گرہ ہی جو سراپا سنگِ مرمر کے بنے ہوے ہیں۔ اور باغ حیات بخش کے شمال میں جو مکان ہی وہ ساون کہلاتا ہی اور جنوبی بھادوں۔ وضع قطع یہ ہی کہ ایک چبوترہ کرسی دے کر بنایا ہی اور اُس پر سولہ ستون لگا کر ایک ایوانِ دل کشا بنایا ہی جس میں دو ایوان شرقاً اور غرباً ہیں اور دو بنگلے ہیں ان کے آگے اور پیچھے کہ ان ستونوں کے سبب

نقشۂ ساون

بیچوں بیچ ایک چوکھنڈی سی بن گئی ہی اور اس میں ایک حوض سنگِ مرمر کا چار گز پندرہ تسو مربع اور ڈیڑھ گز گہرا ہی۔ اس مکان میں نہر بہشت آتی ہی۔ اور حوض میں چادر ہو کر پڑتی ہی اور نہر اس میں سے نکل کر آگے ایک اور چادر چھوٹتی ہی اور نہر میں پڑتی ہی یہ عمارت بھی بہت نادر ہی اور اس میں پانی کا پڑنا اور چادر کا چھوٹنا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بھادوں کا مینہ برستا ہی اور اسی سبب سے اس کا نام بھادوں رکھا ہی۔ اب اس مکان میں پانی آنے کا اور چادریں چھوٹنے کا رستہ بالکل بند ہو گیا ہی۔ اس مکان کے حوض اور چادروں میں محرابی چھوٹے چھوٹے طاق بنائے ہیں کہ دن کو ان میں گلدان ہائے رنگین رکھے جاتے تھے اور رات کو شمع کافوری روشن ہوا کرتی تھیں کہ اس کے اوپر سے پانی کی چادر پڑتی تھی اور اندر سے اُن پھولوں کی خوش نمائی اور چراغوں کی روشنی عجیب عالم دکھاتی تھی۔ اس کی چھت کے چاروں کونوں پر بھی چار برجیاں چوکھنڈی کی سنہری بنی ہوئی ہیں۔ ساون کا مکان بھی بھادوں ہی کی طرح کا ہی اسی طرح اس میں بھی چادر بنی ہوئی ہی اور حوض بھی ہی اور اسی طرح گل دان اور چراغاں رکھنے کو محرابی طاق بنائے ہیں۔ اس مکان میں پانی کی آمد اور چادر کا پڑنا اور نزد و شور سے پانی کا بہنا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ساون کا مینہ برس رہا ہی۔ چوں کہ ساون اور بھادوں دونوں مہینے موسم برسات کے ہیں یہ دونوں مکان موسم برشگال کی پوری نقل ہیں۔ دس سال کے عرصے میں ان دونوں مکانوں کی بہت کچھ مرمت کی گئی ہی اور حوض بھی از سر نو درست کیے گئے ہیں۔

لال قلعہ اورنگ زیب کے عہد میں

شاہ جہاں کے بنائے ہوئے لال قلعے کا کمال عروج اورنگ زیب کے زمانے میں تھا۔ قلعے کی مزید حفاظت و استحکام کے لیئے اورنگ زیب نے لاہوری اور دلی دروازوں کے آگے دُمدمے کا گھونگٹ بنوا دیا تھا علاوہ بریں قلعے کی متعدد سنگ مرمر کی نفیس عمارتوں اور ایک بے نظیر موتی مسجد کا اضافہ کیا۔ چوں کہ عالم گیر نے بعض مصالح ملکی کے لحاظ سے اپنے والد ماجد شہاب الدین محمد شاہ جہاں کو کنج عبادت میں بٹھایا اور کاروبار سلطنت اپنے ذمے لیا مشہور ہی کہ جب شاہ جہاں نے یہ بات سنی تو عالم گیر کو لکھا کہ اے فرزند ارجمند تم نے قلعے کو دلہن بنایا اور اُس کا گھونگٹ نکالا۔ اورنگ زیب کے بعد سے گو پھر کسی بادشاہ نے کچھ بنایا بنوایا نہیں تاہم اُس کی عظمت و شان و شکوہ میں بھی کسی قسم کا انحطاط ہونے نہ پایا۔ ہم اس مضمون میں قلعے کی وہ حالت ناظرین کو دکھلانا چاہتے ہیں جو اُس کی تباہی اور بربادی سے

پہلے تھی۔ لاہوری دروازے سے ہم ایک لمبے وسیع چھتے میں داخل ہوتے ہیں جس کے بیچ میں ایک بڑا بھاری روشن دان ہے اور جس کی دونوں جانب ایک ایک پتلی سی گلی نکل گئی ہے۔ سیدھی طرف کی گلی ایک باغ میں جانکلتی تھی جس کے آگے عمارتوں کے دو بلاک تھے۔ جن میں سے ایک سلسلہ عمارات کا جو جنوب کی طرف تھا دلی دروازے تک کچھ اوپر تین سو گز تک چلا گیا تھا اور دوسرا قلعے کی مغرب رویہ فصیل سے مشرق کی طرف ڈیڑھ سو گز کا لمبا تھا۔ ان دونوں بلاکوں کی عمارتوں میں معمولی درجے کے عہدہ دار یا تو بود و باش رکھتے تھے یا اپنی ڈیوٹی پر رہا کرتے تھے۔ بائیں طرف کی گلی آگے بڑھ کر ایک وسیع شارع عام میں جا ملتی تھی جس میں سے اور گلیاں اور چوراہے پھوٹتے تھے۔ قلعے کی شمال رخ کی فصیل کے جانب کا سارا میدان عمارتوں سے پٹا پڑا تھا جن میں کارخانجات اور ورک شاپ تھے جن کی نسبت برنیر نے اپنے ایک دوست مانشر ڈی لاموہٹی لی ویر (Monsieur de la Mohti le Vayer) کو یہ لکھا تھا۔ قلعے میں اکثر جگہ جو بڑی بڑی عمارتیں دکھلائی دیتی ہیں وہ سب کارخانہ جات ہیں جو کاریگروں اور اہل حرفہ کی ورک شاپیں ہیں۔ ایک ہال میں زردوز اور کارچوب ساز ہر وقت اپنے کام میں گتھے رہتے ہیں ان پر ایک داروغہ مسلط ہے۔ ایک دوسری جگہ سنار ہیں جو زیور گھڑا کرتے ہیں تیسرے قطعے میں نقاش جو تھے میں رنگ ساز۔ پانچویں میں لوہار۔ بڑھئی۔ خرادی۔ درزی۔ موچی وغیرہ وغیرہ چھٹے میں زربفت۔ کمخواب۔ ریشمین پارچہ جات اور باریک ململ بننے والے۔ ہمہ اقسام کے پارچے باف جو پگڑیاں۔ سیلے۔ پٹکے۔ دوپٹے اور ہر طرح کے پھول دار زنانے لباس کے لایق کپڑے بناتے ہیں جن میں سے بعض بعض ایسے باریک نفیس اور نازک ہوتے ہیں کہ ایک دفعہ کے پہننے ہی میں مسک جاتے ہیں × × × × × × ×

کام والے لوگ اپنے اپنے کارخانوں میں صبح گجردم ہی اپنے کام سر آن لگتے ہیں اور سارے دن کام پر لگے رہتے ہیں اور شام کے قریب اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ چھتے سے ٹھیک پورب رخ پر نقار خانے کا صحن تھا اور جس کے احاطے کی مشرقی دیوار سے ملا ہوا نقار خانہ تھا۔ ایک سڑک جو شمال سے جنوب کو جاتی تھی اس کے بیچ میں آجانے سے اس وسیع صحن کے دو قطعے چھوٹے چھوٹے ہو گئے تھے۔ یہ سڑک جنوب کی طرف ناک کی سیدھ قلعے کے دلی دروازے کو چلی گئی تھی اور شمال کی طرف اس مشہور

باغ کو جاتی تھی جس کا نام مہتاب باغ تھا اور پھر وہاں سے قلعے کی شمالی فصیل کو جا ملتی تھی یہ سڑک سات سو گز لمبی تھی جس کے متعلق برنیر نے حسب ذیل لکھا ہے۔ ناظرین کو یاد رکھنا چاہیئے کہ برنیر اُس سڑک کا ذکر کرتا ہے جو نقار خانے کے صحن سے دلی دروازے کو گئی تھی۔ "قلعے کے دوسرے صدر دروازے سے ایک لمبی اور چوڑی سڑک نکلی ہے جس کے دو طرفہ مکانات اور سامنے دکانیں ہیں۔ درحقیقت یہ ایک بازار ہے جس سے گرمیوں اور برسات میں بڑا آرام ملتا ہے کیوں کہ سارے کا سارا بازار مسقف ہے یعنی لداوی چھتے سے پٹا ہوا ہے جس میں ہوا اور روشنی کے لیئے جا بجا بڑے بڑے روشن دان کھول دیئے گئے ہیں"۔ نقار خانے سے دیوانِ عام میں جانے کا رستہ تھا۔

دیوانِ عام کے شمال میں شاہی مطبخ تھا اور اُسی طرف اُس سے اور آگے بڑھ کے دو باغ مہتاب باغ اور حیات بخش نامی تھے۔ ان کے سامنے نہر دوڑتی تھی جو سیدھی مشرق کی طرف شاہ برج کو جاتی تھی اور پھر آگے بڑھ کر قلعے کی شمالی فصیل سے جا ملتی تھی۔ اس ٹکڑے میں شاہی اصطبل تھے۔ دیوانِ عام کے جنوب میں محلات شاہی اور امرائے عظام کے محلات کا سلسلہ تھا جو قلعے کی جنوبی فصیل پہ جا کر منتہی ہوتا تھا۔ برنیر لکھتا ہے کہ "ان دو شوارع کے سوا قلعے میں دائیں بائیں اور بہت سے چھوٹے بڑے رستے ہیں جو امرائے رکاب کے مکانوں کو جاتے ہیں۔ ان امرا کی باری ہفتے وار آتی ہے اور چوبیس گھنٹے برابر نشست رہتی ہیں۔ ان امرا کے مکانات بجائے خود شان دار محلات ہیں اور ہر امیر اسی ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے کہ اُس کے مکان کی شان و شوکت اور آراستگی اپنے ہم پلے امرا سے کسی طرح گری ہوئی نہ رہے اور اُس کے تمامی مصارف خود برداشت کرتے ہیں۔ یہ مکانات عموماً وسیع اور مرتفع ہیں جن میں کشادہ اور بڑے بڑے کمرے دالان اور خانہ باغ ہیں۔ باغوں میں حوض ہیں اور چو طرف پانی کی نالیاں دوڑ رہی ہیں۔ حوض میں فوارے چھوٹ رہے ہیں"۔ اگرچہ برنیر کو محلات شاہی کے اندر باریابی کا کبھی موقع نہیں ملا تاہم اُس نے محلات کے لوگوں خواجہ سراؤں وغیرہ سے سن سنا کر اُن کے متعلق حسب ذیل لکھا ہے: "ان لوگوں کے بیانات سے مجھے معلوم ہوا کہ شاہی محلات میں علٰحدہ علٰحدہ نہایت خوب صورت سجے سجائے کمرے ہیں جو بہت وسیع اور شان دار ہر ایک بیگم کے مرتبہ و اعزاز اور تمول کے شایاں ہیں۔

ہر کمرے کے سامنے حوض اور آبِ رواں ہے اور ہر طرف خانہ باغ۔ دلکش چمن اور روشیں۔ سایہ دار درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ۔ پانی کی نالیاں۔ فوارے۔ حجرے۔ تہ خانے جن میں تمازتِ آفتاب سے پناہ ملتی ہے۔ اونچے اونچے کمرے اور برآمدے جن میں رات کو ٹھنڈک اور آرام ملتا ہے۔ ہیں۔ ان دلکش محلات کی چار دیواری کے اندر گرمی کی تکلیف بالکل محسوس نہیں ہوتی کہ دیوانِ عام کے صحن کے شمال و مشرق کے کونے میں ایک محرابدار پھاٹک تھا جس میں سے ایک اور چھوٹے صحن میں رستہ نکلتا تھا۔ اس صحن کے احاطے کی مشرقی دیوار میں ایک اور دروازہ دیوانِ خاص میں جانے کا تھا۔ اسی صحن کے شمال میں موتی مسجد۔ شاہی حمام اور اسی سمت میں کچھ آگے بڑھ کر حیات بخش کا باغ اور شاہ برج اور نہر تھی۔ اس کے آگے پھر شاہی عمارات کا تانتا بر ابر قلعے کی شمال رخ کی فصیل تک چلا گیا تھا۔ دیوانِ خاص کے عین جنوب و مغرب میں اور دیوانِ عام کے بالکل عقب میں **امتیاز محل** اور **رنگ محل** تھے قلعے کی جنوبی فصیل اور ان دونوں محلوں کے احاطوں سب کے بیچ میں جو جگہ ہے وہ ساری کی ساری شاہی محلوں سے بھری پڑی تھی اور انھیں عمارتوں کے ایک کونے میں اسد برج تھا ان ساری عمارتوں کا پیش جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں دریا کی طرف تھا۔

قلعہ کیا تھا اور کیا ہو گیا

ہر گوشک دیوان ہر ایک منزل عالی + عبرت سے بھرے او مکینوں سے ہیں خالی
آقا نہ خداوند اہالی نہ موالی + بجز ذات خدا کوئی بھی وارث ہے نہ والی
یہ جملہ مکانات جو سنسان کھڑے ہیں + پتھر کا کلیجہ کیے حیران کھڑے ہیں

محمد شاہ کے عہد میں قلعے کی اندرونی عمارات میں بہت کچھ ردوبدل ہوا۔ دلی کے قتلِ عام کے بعد جو نادر شاہ نے کیا قلعے کی بے نظیر عظیم الشان عمارت جو اسلامی سلطنتوں کے معراج الکمال پر پہنچنے کی ایک قابلِ فخر یادگار تھی جو شائستہ مذاق۔ وسیع سلطنت اور بے انتہا تمول کی بدولت معرضِ ظہور میں آئی تھی کس مپرسی کی حالت میں پڑ کر زوال پذیر ہونے لگی میلی کچیلی سڑی بسی جھونپڑیاں اور شاہی محل گڈمڈ ہو گئے اور سب سے بڑھ کر یہ طوفانِ بے تمیزی برپا ہوا کہ شاہجہاں نے جو بڑی عالی شان سر بفلک نادرِ روزگار عمارتیں بنا کر دار السلطنت کو چمکا دیا تھا اور ان عمارتوں کے آس پاس کھلی جگہیں اس خیال سے چھوڑ دی تھیں کہ منظر بدنما نہ ہو اور عمارتیں گھٹ نہ جائیں وہ سب مقامات بے موقع اور بے ہنگم مکانوں سے

گھیر لی گئیں گویا چاند کو گہن لگ گیا۔ عمارتوں کو نوچ کھسوٹ کر اُن دیواروں کو جن میں منہ دکھائی دیتا تھا میلا کچیلا بدروپ اور بے رونق کر دیا۔ جس کا کوئی محافظ و خبر گیر نہ ہو اُس کا یہ حال ہوا ہی چاہیے۔ تباہی اور بربادی کی نوبت اس حد تک پہنچی کہ دیواروں اور ستونوں کی مٹی یوں پلید کی کہ سارا کام سونے کا کھرچ ڈالا۔ سارے قیمتی پتھر چُن چُن کر اُکھاڑے گئے۔ شاہی عمارات اور نشست گاہیں جن پر آنکھ نہیں ٹھیرتی تھی اور جن کی صفائی پر نظر پھسلتی تھی اُن پر سالہا سال کی گرد کی تہیں پر تہیں جم گئیں۔ برآمدے سائبان کچھ گر گئے کچھ کھنڈ ہو گئے۔ جن لوگوں نے ان عمارتوں کی تعریفیں معتبر کتبِ تواریخ اور سیاحوں کے بیانات میں پڑھی تھیں اور جن کو شوقِ دید کشاں کشاں دور دراز مقامات سے یہاں لایا تھا وہ اس کس مپرسی اور بے دردی کے سین کو دیکھ کر بجائے خوش ہونے کے اُلٹے منغص اور ملول ہو کر یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ ع۔ بہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم۔
چنانچہ ایک سیاح فرینکلن نامی قلعۂ معلی کی تباہی اور بربادی کا چشم دید حال یوں لکھتا ہے۔
"اب جو عمارتیں بچ کچھ رہی ہیں اُن کی حالت نہایت تباہ اور ویران ہے۔ آداب و مراسم دربار شاہی جہاں تک ممکن ہے اور جیسے شاہجہاں کے عہد میں تھے اب بھی ملحوظ رکھے جاتے ہیں لیکن افسوس صد افسوس وہ شان و شوکت اور تموّل جو شاہانِ مغلیہ کا مابہ الامتیاز تھا اب کہاں باقی ہے۔ اُس زمانے میں حجروں اور برآمدوں میں مخملی اور کارچوبی فرش ہر طرف نظر آتا تھا۔ ستون سنہری اور رُپہلی کپڑوں میں لپٹے ہوئے جگمگاتے تھے اب اُن کی جگہ لکڑی کے کھم اور (بہت ہوا تو) اُن پر سادہ کپڑا لپٹا ہوا نظر آتا ہے۔ چھتیں جن میں چاندی کے پتر جڑے ہوئے تھے اب وہاں چوبی تختے لگا کر (معمولی) رنگ پھیر دیا ہے۔ مختصر یہ کہ ہر ہر قدم پر یہ عیاں ہے کہ پہلے کیا کچھ تھا اور اب کیسی بدتر حالت ہے۔ نوبت بایں جا رسید کہ اشرار کے (بے درد) ہاتھوں سے دیواریں تک بھی نہ بچ سکیں۔ اکثر دیواریں خصوصاً باغوں میں سنگِ مرمر کی مورتیں اور بڑے بڑے مقامات میں جو پچیکاری کا کام تھا جس میں سنگ سلیمانی۔ یشب۔ عقیقِ یمانی اور ہر اقسام کے بیش قیمت پتھر تمام اُکھاڑ کر لے گئے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد انگریزوں نے قلعے کی عمارتوں کو توڑ پھوڑ کر اپنی ضروریات کے مناسب عمال بنا لیا۔ قلعے کی چار دیواری کے اندر اب (جا بجا) دو منزلہ بارکیں بن گئی ہیں۔ لاہوری اور دہلی دروازے۔ نقار خانہ۔ اسد برج اور شاہ برج کی عمارتوں میں

اب گورے رہتے ہیں ''

مسٹر فرگسن نے اپنی بیش بہا تصنیف "ہسٹری آف انڈین اینڈ ایسٹرن آرکی ٹکچر" میں قلعے کو فوجی دار الاقامہ بنانے پر بہت کچھ برآشفتگی کا اظہار کیا ہے۔ اُنھوں نے عہدداران فوجی کے عمارات کو عمداً منہدم کرانے کے عذر کو بالکل تسلیم نہیں کیا اور اُنھوں نے اس خیال کی بھی تضحیک کی ہے کہ دلی کی گھٹی ہوئی اور بستی آبادی کی نسبت یہ واہمہ کہ وہ (کہیں ایسا نہ ہو کہ) کبھی سر نہ اُٹھا بیٹھے ایسی (فضول) بات ہے جو کبھی (کسی کے) خواب وخیال میں بھی نہیں آسکتی

موجودہ دلی یعنی شاہجہاں آباد

سنہ ۱۰۵۸ھ ۱۶۴۸ء

عراقی وخراسانی نہ حد بیش + نہادہ پیش خود سرمایۂ خویش
فرنگی از فرنگستان رسیدہ + نوادر از نبادر پیش چیدہ
نشستہ ہر طرف گوہر فروشے + برآوردہ ز دریا ہا خروشے
فتادہ ہر طرف صد لعلِ رخشاں + بود در ہر دکاں کانِ بدخشاں
برآید از برائے امتحانے + متاعِ ہفت کشور از دکانے

لال قلعے کی تعمیر کے دس برس بعد سنہ ۱۰۵۸ھ ۱۶۴۸ء میں شاہجہاں آباد کے شہر کی بنا پڑی جو عموماً اپنے قدیم نام دلی ہی سے زیادہ تر مشہور ہے۔ شہر بسانے کی تاریخ بیٹر بھی کاشی نے یہ کہی ہے۔ ع۔ "شد شاہجہاں آباد از شاہجہاں آباد"۔ آبادی کی شکل نصف دائرے کی ہے اور بعضوں کے نزدیک بے قاعدہ ربع دائرے کی جس کے خطوط راست مشرق اور شمال کی طرف ہیں اور پولیر (Polier) نے لکھا ہے کہ آبادی کی شکل کمان کی سی ہے جس کی تانت کا سرا جمنا ہے اور شرقی رخ قلعے کو سمجھنا چاہیے۔ شہر کی فصیل کا دور تقریباً ۵ میل ہے۔ کرنل پولیر شہر کا دور دس میل تبلاتے ہیں۔ فرینکلن نے سات اور کپتان آرچر نے پانچ میل لکھا ہے۔ وان آرلک (Von Orlich) شاہجہاں آباد کو ہندوستان کا روم کہتا ہے اور اس شہر کی مسجدوں۔ محلوں۔ منڈوؤں۔ ہالوں۔ باغات۔ بادشاہوں اور اُن کی بیگمات اور بڑے بڑے امرا کے مقبروں کی بہت تعریف کی ہے اس شہر اور اُس کے مضافات سے متعلق فرینکلن لکھتا ہے کہ شہر اور اُس کی ملحقہ عمارات اور کھنڈروں کا بہترین نظارہ دریائے جمنا پر سے ہوتا ہے جو عین قلعے کے سامنے اور شہر سے تین میل ہے۔ اس جگہ سے چاروں طرف کا نظارہ ہوتا ہے۔ شیر شاہ اور فیروز شاہ کے قلعوں کے شاندار کھنڈرات

ہمایوں کا عالی شان مقبرہ جو اُس کے بلند چبوترے پر کھڑا ہی۔ اُس کے اور (چھوٹے موٹے) مسجدوں کے بے شمار گنبدوں (کا جھمکا) جن میں سے کوئی سنگِ مرمر کا ہی اور کوئی طرح بطرح کے رنگوں میں جگمگا رہا ہی۔ پہاڑوں کے حلقے میں گھری ہوئی سربفلک قطب مینار۔ شہر کا نشیب و فراز۔ سنگ مرمر کی جا بجا چھٹکی ہوئی عمارتیں۔ سنہری گنبد۔ شاندار فصیل اور سنگ سُرخ کے اونچے اونچے دروازے جن کے بیچ میں سے جامع مسجد اور زینت المساجد کی اونچی اونچی مینار یں سر اُٹھائے کھڑی ہیں۔ یہ سارے کا سارا سِین ایک نہایت دل چسپ اور پر عظمت و شان نظارہ ہی"۔

عام روایت یہ ہی کہ شہر سات برس میں بنا۔ شہر کی وسعت۔ عمارتوں کی نوعیت کے لحاظ سے یہ مدت کچھ خلافِ قیاس نہیں معلوم دیتی۔ برنیر نے اس شہر کو ۱۶۶۳ع میں دیکھا تھا اور یوں لکھتا ہی "کوئی چالیس برس ہونے آے کہ بادشاہ وقت اورنگ[زیب] کے والد شاہ جہاں نے اپنی دوامی یادگار قایم کرنے کی غرض سے پرانی دلّی کے پاس ایک نئے شہر بنانے کا قصد کیا چنانچہ نئی دلّی اُس کے بانی کے نام پر شاہ جہاں آباد اور بلحاظ اختصار جہان آباد کہلانے لگی۔ شاہ جہاں نے آگرے کی چہاہٹ کی گرمی سے بیزار ہو کر اُس شہر کو شاہی قیام کے مناسب حال خیال نہ کیا اور بجاے آگرے کے دلّی کو دارالسلطنت قرار دیا۔ نئے شہر کی تعمیر کے لیئے بہت سامان مسالا تو اُدھر اُدھر کی گری پڑی عمارتوں سے مل گیا اور اسی وجہ سے دوسرے ملک کے لوگوں نے پُرانی اور نئی دلّی کو خلط ملط کر دیا ہی لیکن پھر بھی اہل ہند اس نئی دلّی کو شاہ جہان آباد ہی پکارتے ہیں مگر یورپ میں چوں کہ دلّی کا نام ہی زیادہ مشہور ہی اس لیئے میں بھی (اپنے سفرنامے میں) جا بجا دلّی ہی لکھتا ہوں۔ اس اعتبار سے دلّی بالکل ایک نیا شہر ہی جو جمنا کے کنارے ایک وسیع قطعے پر آباد ہی جو ہمارے (ملک کے) شہر لایر (Loire) کے جوڑ کا ہی۔ یہ شہر دریا کے ایک ہی کنارے پر آباد ہی۔ آبادی کی شکل اس طرح کی واقع ہوئی ہی کہ ایک ہلال سا بن گیا ہی۔ دریا سے عبور و مرور کے لیئے صرف کشتیوں کا ایک پل ہی۔ شہر کی ایک جانب تو دریا (کی قدرتی حد) محافظ ہی۔ باقی تین طرف اینٹوں (پتھروں) کی فصیل سے محصور ہی۔ لیکن شہر کا حصار مکمل نہیں ہی کیوں کہ نہ تو خندق ہی نہ شہر کی حفاظت کے لیئے اور کوئی

مزید بندوبست کیا گیا ہے البتہ سو سو قدم کے فاصلے سے پُرانی وضع کا ایک ایک برج اور ایک ایک مٹّی کا دُمس فصیل کے پیچھے ایک چبوترے کی شکل کا بنا ہوا ہے۔ فصیل کا آثار چار یا پانچ فرانسیسی فیٹ کا ہے۔ یہ فصیل نہ صرف شہر کے گرد ہی بلکہ قلعے کے اطراف بھی ہے تاہم فصیل کا دَور اتنا بڑا نہیں جیسا کہ لوگ خیال کرتے ہیں میں نے تو گھوڑے پر سوار ہو کر تین گھنٹے میں بہت آسانی سے سارے شہر کا چکر مار دیا اور میرے خیال میں میری رفتار فی گھنٹے ایک فرانسیسی لیگ سے زیادہ نہ تھی۔ میرے اس چکر میں البتہ شہر کے مضافات شامل نہ تھے جو بکثرت ہیں اور جن کا ایک لمبا سلسلہ لاہور کی طرف چلا گیا ہے اور پرانے شہر کی عمارتیں بھی دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور اس شہر کے آس پاس تین چار چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی ہیں اگر ان سب کو ملا لیا جائے تو البتہ شہر کی وسعت بہت بڑھ جائے گی اور اگر شہر کے بیچوں بیچ میں سے ایک خطِ مستقیم ڈالا جائے تو ایک فرانسیسی لیگ سے کچھ زیادہ ہی ہوگا۔ اگرچہ میں اس شہر کا صحیح محیط نہیں بتلا سکتا کیوں کہ اس کے مضافات میں جا بجا بڑے بڑے باغ اور کھلے ہوئے قطعات بھی آ گئے ہیں تاہم ہم کو سمجھ لینا چاہیئے کہ شہر کا دَور بہت بڑا ہے۔ افواجِ انگریزی نے بزیر کمان جنرل لیک جب ۱۸۰۳ء میں دہلی پر قبضہ کر لیا اور نیز جب کہ جنرل اختر لونی نے بمقابلہ مرہٹوں کے اس شہر کی حفاظت کی تو ساری فصیل کی داغ دوزی اور جا بجا سے فصیل کی مرمت اور مضبوطی کی گئی اور پرانے اور بوسیدہ مرمت طلب مورچوں کو بڑھا کر ایسا درست کر دیا کہ اُن پر توپیں چڑھ سکتی تھیں۔ پھر ۱۸۱۱ء میں بھی فصیل کی مرمت اور برجوں کی درستی کی گئی اور بڑی بڑی گھونگٹ کی دیواریں توڑ کر چھوٹے چھوٹے مارٹیلو Martello قسم کے مورچے بنا دیئے گئے اور اطراف خندق بھی کھدوا دی گئی۔ غازی الدین خاں کا مقبرہ اور مدرسہ جو بیرون فصیل اجمیری دروازے کے باہر تھا اُس کو بھی اندر لے کر حصار کی تکمیل کر دی گئی اور تمام حصّہ عمارات کا شہر کے اندر شامل کر لیا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ پرانی فصیل ۱۰۶۰ھ میں ڈیڑھ لاکھ روپیئے کے صرف سے بنی جس میں بندوقیں چھوڑنے کی جھانکیاں بنائی گئی تھیں۔ یہ فصیل چار سال میں طیار ہو گئی تھی لیکن برسات میں گر پڑی اور پھر پختہ فصیل چار لاکھ کے صرفے سے سات سال میں تعمیر ہوئی۔ یہ فصیل ۶۶۶۴ گز لمبی۔ ۹ گز اونچی اور چار گز چوڑی تھی جس میں تیس تیس فیٹ قطرکے ستائیس

بج چودہ دروازے اور چودہ کھڑکیاں تھیں۔ فرینکلن لکھتا ہے کہ شمال و مغرب کی طرف شالامار باغ سے جنوب و مشرق میں قطب مینار سے اور اجمیری دروازے سے لے کر قطب مینار تک بیس میل کا دَور تھا۔" اس معرکۃ الآرا خطّے کی نسبت بشپ ہیبر نے لکھا ہے کہ "یہ مقام تباہی اور بربادی کا بھیانک اور ہیبت ناک منظر ہے جہاں تک نظر دوڑتی ہے کھنڈر ہی کھنڈر۔ مقبرے ہی مقبرے (ڈھیروں) ٹوٹی پھوٹی عمارتیں پتھروں اور سنگ خارا کے انبار۔ سنگ مرمر کے (شکستہ) ٹکڑے اس قطعۂ زمین پر جو پتھریلا اور چٹیل میدان ہے اور جہاں بجز ایک دو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے زراعت کا بھی کہیں پتہ نہیں نہ کوئی درخت ہی۔ بکھرے پڑے ہیں۔" اگر ہم کشمیری دروازے سے چلیں جو شہر کے شمال میں ہے اور جو ۱۸۵۷ء کے واقعۂ غدر۔ انگریزوں کی گولہ باری اور فتح دہلی کی وجہ سے مشہور ہو گیا ہے تو حسب ذیل رستے سے شہر کا چکر لگا سکتے ہیں:۔ (۲) موری دروازہ۔ بجانب شمال جو ۱۸۶۷ء میں ڈھا کر اس کے اطراف کا میدان صاف کر دیا گیا۔ (۳) کابلی دروازہ مغرب میں۔ یہ بھی توڑ وا دیا گیا۔ (۴) لاہوری دروازہ۔ جو حال میں فصیل کے ساتھ توڑ ڈالا گیا۔ (۵) اجمیری دروازہ۔ جنوب و مغرب میں۔ (۶) ترکمان دروازہ۔ جنوب میں (۷) دلی دروازہ جنوب میں۔ (۸) خیراتی دروازہ۔ مشرق میں۔ (۹) راج گھاٹ دروازہ۔ مشرق میں بجانب دریا۔ (۱۰) کلکتہ دروازہ۔ شمال و مشرق میں تھا جس کے مقام سابقہ کی نشانی کے طور پر ایک رستہ ۱۸۵۲ء میں بنا کر اس پر انگریزی میں ایک کتبہ بھی لگا دیا ہے اب تو اس جگہ ریل کے دو کلوز رٹ بنے ہوئے ہیں اور ان پر وہی پتھر نصب کر دیا ہے جو بتلاتا ہے کہ کلکتہ دروازہ پہلے یہاں تھا۔ (۱۱) کیلا گھاٹ دروازہ۔ شمال و مغرب میں دریا کی طرف (۱۲) نگم بود دروازہ شمال و مشرق میں دریا کی طرف۔ (۱۳) پتھر گھاٹی دروازہ۔ توڑ دیا گیا۔ (۱۴) بدررو دروازہ شمال و مشرق میں۔ علاوہ چودہ دروازوں کے خلق اللہ کے آرام و آسائش کے لیے چودہ کھڑکیاں بھی اس نام کی تھیں:۔

(۱) کھڑکی زینت المساجد تحت مسجد مذکور۔ (۲) کھڑکی نواب احمد بخش خاں۔ (۳) کھڑکی نواب غازی الدین خاں۔ (۴) کھڑکی نصیر گنج۔ (۵) نئی کھڑکی۔ (۶) کھڑکی شاہ گنج۔ (۷) کھڑکی اجمیری دروازہ۔ (۸) کھڑکی سید بھولا۔ (۹) کھڑکی بلند باغ۔ (۱۰) کھڑکی فراشخانہ۔ جو حال میں توڑ دی گئی۔ (۱۱) کھڑکی امیر خاں۔ (۱۲) کھڑکی خلیل خاں۔ (۱۳) کھڑکی بہادر علی خاں۔

(۱۳۴) کھڑکی نگم بود- شہر دہلی بھوجلا اور جھوجلا نام کی دو پہاڑیوں پر بسایا گیا ہی۔ بھوجلا پہاڑی تو وسطِ شہر میں ہی رہی جھوجلا پہاڑی وہ شمال ومغربی فصیل سے ملی ہوئی ہی۔ شہر جس قطعۂ زمین پر آباد ہی اس کا ہلکا سا ڈھلاؤ مشرق سے مغرب کی طرف ہی یا تو یوں کہو کہ پہاڑی سے دریاے جمنا کی طرف نشیب ہی۔ علی مردان کی نہر کابلی دروازے سے شہر میں داخل ہو کر شہر اور قلعے دونوں میں دوڑتی ہی اور پھر دریا میں جا ملتی ہی۔ قلعے کی فصیل سے ملے ہوے بہت سے باغات تھے مگر برنیر جب آیا ہی تو ان میں سے صرف ایک ہی بڑا باغ رہ گیا تھا جس کی نسبت اس نے لکھا ہی "بارہ مہینے ہرے بھرے پودوں اور پھلوں سے سرسبز و شاداب رہتا تھا۔ یہ سبزہ زار قلعے کی شاندار لال فصیلوں کے پہلو بہ پہلو عجیب لطف دکھاتا تھا۔" یہ باغ جس کا ذکر برنیر نے کیا ہی قلعے کے لاہوری دروازے سے لگا ہوا تھا اور یہیں باغ کے متصل سعد اللہ خاں وزیرِ اعظم شاہ جہاں کا بنایا ہوا "چوک شاہی" بھی تھا جس کا ذکر برنیر نے اپنے ایک خط میں جو دلی سے لکھا تھا یوں کیا ہی۔ "باغ سے لا ہوا چوک شاہی ہی جس کا ایک رخ تو قلعے کے دروازے کی طرف ہی اور دوسرا امرا اور بڑے بازاروں کی طرف ختم ہوتا ہی × × × اسی چوک کے احاطے میں اُن امرا کے خیمے لگے رہتے ہیں جن کی نشست کی باری ہر ہفتے آتی ہی × × × × ۔ اسی میدان میں خاصے کے گھوڑے صبح سویرے ہوا خوری کے لیے ٹہلائے جاتے ہیں اور یہیں سواروں کا بڑا افسر اُن گھوڑوں کا معائنہ کرتا ہی جو فوج میں بھرتی کیے جاتے ہیں۔ یہیں ایک بہت بڑا بازار ہی جس میں ہمہ قسم کی اشیا ملتی ہیں جیسے پیرس میں پانٹ نوف (Pont-Neuf)۔ یہ جگہ تماشائیوں اور سیلانیوں کی سیرگاہ ہی یہیں ہندو اور مسلمان رمال اور نجومی جمع رہتے ہیں۔" اب اس چوک اور بازار کا کہیں پتہ بھی نہیں ملتا۔ قلعے کے اطراف دور دور سارے کا سارا میدان صاف کر دیا گیا اُسی میں یہ مقامات بھی آ گئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ قلعے کے لاہوری دروازے کے دونوں طرف یعنی شمال اور جنوب میں یہ بازار تھا۔ شہر کے دو بڑے بازار جو شاہی چوک پر آ کر ختم ہوتے تھے ان کی نسبت برنیر لکھتا ہی کہ "جہاں تک بخطِ مستقیم نظر دوڑتی تھی بازار ہی بازار نظر آتا ہی لیکن وہ بازار جو لاہوری دروازے کی طرف ہی (یعنی چاندنی چوک) وہ اس سے بھی بہت بڑا ہی۔ دوسرا بازار شہر کے دہلی دروازے سے لے کر شاہی چوک تک ہی (یعنی فیض بازار) عمارت کے

اعتبار سے دونوں بازار ایک ہی طرح کے ہیں۔ سڑک کے دو طرفہ اینٹ اور چونے کی پختہ دکانیں بنی ہوئی ہیں جن کے بالاخانے نشست کا کام دیتے ہیں۔ ان بازاروں میں بجز دکانوں کے اور کوئی عمارت نہیں ہے۔ یہ دکانیں سب علی حدہ علی حدہ ہیں ان میں بیچ میں رستہ نہیں ہے۔ دکانوں میں دن کے وقت کاریگر لوگ اپنا اپنا کام کرتے ہیں ساہوکار لین دین کا بنج بیوپار کرتے ہیں۔ تاجر اپنا اپنا مال و اسباب برتن وغیرہ دکھلاتے ہیں × × × × ان دکانوں اور کارخانوں کے پچھواڑے سوداگروں کے رہنے سہنے کے گھر ہیں جن سے خوشنما گلیاں بن گئی ہیں۔ یہ مکان ضرورت کے موافق اچھے خاصے وسیع ہوادار اور آرام دہ معلوم دیتے ہیں جو سڑکوں کے گرد و غبار سے الگ ہیں۔ ان مکانوں میں سے دکانوں کی چھتوں پر جانے کا رستہ ہے جہاں لوگ رات کو سوتے ہیں۔ لیکن سارے بازار میں اس طرح کے مکانات کا سلسلہ نہیں ہے۔ بازاروں کے علاوہ شہر کے دوسرے حصوں میں دو منزلہ مکانات بہت کم ہیں۔ سیکڑ بنوں کے مکانات اکثر پست اس غرض سے بنائے گئے ہیں تاکہ سڑک پر سے مد نظر نہ ہوں۔" سعد اللہ خاں کے نام کا بھی ایک چوک تھا وہ بھی اب نذارد ہے لیکن یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کے حدود ایک طرف تو قلعے کا دہلی دروازہ اور فوجی باغ تھا اور دوسری طرف سنہری مسجد۔ پرانا قبرستان جہاں اب موریل کراس ہے۔ تھا۔ اس چوک کے جنوبی رخ پر دو بازار اور آکر ملتے تھے فیض بازار شمال کی جانب شہر کے دہلی دروازے سے قلعے کے دہلی دروازے تک تھا اور خاص بازار جامع مسجد اور قلعے کے دروازے کے بیچ میں تھا البتہ درمیان میں کچھ ذرا سا حصہ چھوٹا ہوا تھا۔ برنیر نے جو دو بازاروں کا بیان کیا ہے اُن میں سے ایک بڑا بازار یعنی چاندنی چوک تو شہر کے لاہوری دروازے سے (جو اب باقی نہیں ہے) قلعے کے لاہوری دروازے تک تھا اور دوسرا شہر کے دہلی دروازے سے قلعے کے لاہوری دروازے تک تھا ان دونوں بازاروں کے مختلف حصے مختلف ناموں سے موسوم تھے وہ حصہ جو قلعے کے لاہوری دروازے اور دریبے کے خونی دروازے کے مابین تھا اردو بازار کہلاتا تھا جس کی وجہ تسمیہ غالباً یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی زمانے میں اس حصۂ شہر میں لشکری لوگ رہتے تھے۔ خونی دروازے اور کوتوالی کے درمیان کا حصہ پھول کی منڈی کہلاتا تھا۔ اس مقام پر اُس زمانے میں ایک چوک بنا ہوا تھا۔ کوتوالی اور ترا ہے کے

بیچ میں چوپڑ کا بازار تھا۔ ترا ہے اور اُس کے متصل اشرفی کا کٹڑہ درحقیقت چاندنی چوک کا سب سے پر رونق حصّہ تھا۔ چاندنی چوک کے اُس مقام پر جہاں کہ اب گھنٹہ گھر ہے بیچوں بیچ میں ایک حوض تھا اُس سے آگے بڑھ کر فتح پوری کی مسجد تک فتح پوری بازار کہلاتا تھا۔ چاندنی چوک کے بازار کے مکانات سب بلندی میں یکساں تھے اور دکانوں میں محرابدار دروازے اور رنگین سائبان تھے۔ چاندنی چوک کے شمال اور جنوب میں دو دروازے تھے شمالی دروازے سے رستہ جہاں آرا بیگم کی سرا کو جاتا تھا اور جنوبی دروازے سے ایک رستہ شہر کے ایک نہایت آباد اور گنجان حصّے کو جاتا تھا۔ حوض کے اطراف کثرت سے پھل پھلاری۔ ترکاریوں اور مٹھائی کی دکانیں تھیں۔ رفتہ رفتہ اس بازار کے ٹکڑوں کے متفرق نام جاجو کر سارا بازار چاندنی چوک کہلانے لگا۔ چاندنی چوک عظیم الشان بازار شاہ جہاں کی صاحب زادی جہاں آرا بیگم نے سنہ ۱۰۶۰ء میں بنوایا تھا اور اُس کے کئی برس بعد بیگم صاحب موصوفہ نے ایک باغ اور سرائے بھی بنوائی تھی قلعے کے لاہوری دروازے سے لے کر چاندنی چوک کے آخر تک یہ بازار ۱۵۲۰ گز لمبا اور چالیس گز چوڑا ہے جس کے بیچوں بیچ میں علی مرداں کی نہر رواں تھی جس کے دونوں جانب سرسبز و شاداب سایہ دار درخت لگے ہوئے تھے (اب نہر پاٹ دی گئی اور سب درخت بھی کاٹ دیے گئے)۔ چاندنی چوک کے مشرقی سرے پر قلعے کا لاہوری دروازہ ہے اور دوسرے سرے پر فتح پوری کی خوشنما مسجد ہے۔ برنیر نے جو دوسرے بازار کا ذکر کیا ہے وہ قلعے کے لاہوری دروازے سے لے کر شہر کے دہلی دروازے تک تھا۔ لاہوری دروازے سے چوک سعد اللہ خاں تک اس بازار کا حصّہ بالکل معمولی تھا باقی حصّہ جو انتہائی شمالی حد پر تھا اُس کا بیان چوک کے ساتھ آئے گا۔ ایک اور دوسرا بڑا بازار وہ تھا جو قلعے کے لاہوری دروازے سے اُن عمارات تک چلا گیا تھا جن میں سے ایک عمارت کو جنرل لیک نے دہلی فتح کرنے کے بعد رزیڈنسی بنا لیا تھا۔ یہ بازار آدھ میل لمبا اور تیس فیٹ چوڑا تھا اور اس سرے سے اُس سرے تک اُس کی دونوں جانب گھنے سایہ دار درخت ایسے لگے ہوئے تھے کہ ایک خوب صورت ایونیو (AVENUE) بن گیا تھا۔ خاص بازار کا اب کوئی حصّہ باقی نہیں رہا۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد جب قلعے کے اطراف زمین کو عمارات سے صاف کیا گیا تو چاندنی چوک اور خاص بازار بھی اُس کی

زد میں آ گئے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ ان دونوں بازاروں میں صبح سے رات گئے تک کھوے سے کھوا چھلتا تھا اور دکانیں مال و اسباب سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں جن میں ہر قسم کا بیش قیمت سامان موجود تھا۔ جب کبھی بادشاہ کی سواری جامع مسجد کو یا اعیاد میں برآمد ہوتی تھی تو اسی بازار سے جلوس گزرتا تھا۔ اب بھی فیض بازار کا دو تہائی حصہ باقی ہے۔ بازار کی دونوں جانب دکانیں ہیں اور بیچ میں سے نہر بہتی ہے (اب نہر بند کر دی گئی) اور جا بجا بڑی بڑی عمارتوں محلوں اور مسجدوں کے کھنڈر نظر آتے ہیں جن سے اب بھی کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ بادشاہ پسند بازار کیسا کچھ آباد اور پر رونق رہا ہوگا۔ لیکن افسوس کہ اب ایسا اجڑا ہے کہ دہلی میں اس سے زیادہ غیر آباد حصہ اور کوئی نہیں ہے۔ یہ بازار شاہجہاں بادشاہ کی حرم محترم اکبر آبادی بیگم کا بسایا ہوا تھا جن کے نام کی ایک مسجد بھی یہاں موجود ہے۔ یہ بازار گیارہ سو گز لمبا اور تیس گز چوڑا تھا۔ اس کی اور اردو بازار کی بنا ساتھ ہی ساتھ پڑی تھی اور یہ دونوں بازار بھی شہر کے ساتھ ہی ساتھ چاندنی چوک کے بازار سے پہلے بنے تھے۔ نہر جو اس بازار میں رواں تھی وہ چار فیٹ چوڑی اور پانچ فیٹ گہری شاہجہاں کی بنائی ہوئی تھی۔ دلی کے بازاروں میں فیض بازار ہی کو یہ فخر حاصل تھا کہ اس کی دکانوں میں ہر ہر ملک عراق و خراسان اور دوسرے بندرگاہوں کے بے شمار سامان کے علاوہ یورپ کی اشیاء بھی کثرت سے رہتی تھیں۔ برنیئر لکھتا ہے کہ "اس شہر میں بے شمار بازار اور پیچ در پیچ گلیاں ہیں جو آپس میں تقاطع کرتی ہیں۔ بازاروں کی دکانیں مختلف اوقات میں مختلف اشخاص کی بنائی ہوئی ہیں اس وجہ سے یکسانیت کا خیال نہیں رکھا گیا پھر بھی بعض بعض دکانیں بڑی بڑی بھاری ہیں جن کی سیدھی قطار دور تک چلی گئی ہے۔" شہر کے چھتیس محلے ہیں جن میں سے اکثروں کے نام سربرآوردہ اشخاص و امرائے شہر کے ناموں سے منسوب ہیں۔ برنیئر لکھتا ہے کہ "ان محلوں میں جا بجا منصب دار، نظمائے عدالت، مال دار تجار اور دوسرے لوگوں کے مکانات پھیلے پڑے ہیں۔" برنیئر نے شہر کے ایک عمدہ مکان کا خاکہ حسب ذیل کھینچا ہے:-

چو جنت بر زمینش ہر مکانے + بود در ہر مکانے بوستانے + خیابانے چناں عشرت سرشت است
کہ گویا کوچہ ہا راہ بہشت است + ہوایش دل کشا و دل نشین است + طراوت خانہ زاد این زمین است

یہاں تک ایک اچھے مکان کا طرز یہ ہوتا ہے کہ اُس کے صحن میں ہمیشہ خانہ باغ۔ درخت۔ حوض۔ فوارے۔ ایک بڑا صدر دروازہ۔ خوب صورت تہ خانے ہوتے ہیں جن میں بڑے بڑے فراشی پنکھے لگے رہتے ہیں۔ سب سے بہتر مکان وہ سمجھا جاتا ہے جو وسط شہر میں ہو اور جس میں ایک بڑا پھول باغ اور چار بڑے بڑے قد آدم اونچے چبوترے بھی ہوں اور چاروں طرف سے ایسی ہوا آتی ہو کہ ٹھنڈک رہے۔ ہر عمدہ مکان میں رات کو سونے کے لیئے چھتیں بنی ہوتی ہیں اور کوٹھوں پر بھی دالان ہوتے ہیں کہ اگر بارش آجاے تو اُس میں چلے جائیں۔ عمدہ مکانات میں عموماً دریوں کا فرش ہوتا ہے۔ دیواروں میں پانچ پانچ چھ چھ فیٹ تک مختلف شکلوں کے خوشنما طاق بنے رہتے ہیں جن میں چینی کے عمدہ عمدہ پھولوں کے گلے پڑے رہتے ہیں۔ چھتوں میں پالمع کیا جاتا ہے یا رنگین ہوتی ہیں لیکن مکانوں میں کہیں انسان یا حیوان کی تصویر نظر نہیں آتی کیونکہ تصویر کا رکھنا مذہباً ممنوع ہے۔

یوں تو شہر میں بڑے بڑے رئیسوں اور امرا کے لیئے بے شمار محل تھے مگر سب سے زیادہ مشہور قمر الدین خاں۔ علی مرداں۔ اور زمانِ مابعد کے غازی الدین خاں۔ سعادت خاں اور صفدر جنگ کے محل تھے۔ کرنل پالیر ۱۷۹۳ء میں کچھ عرصے تک شاہی ملازم تھا وہ بھی کسی ایک محل میں رہتا تھا ہم بطور نمونہ اُس کے مکان کا رنگ ڈھنگ بتلاتے ہیں جس کا تذکرہ ناظرین کے لیئے خالی از دلچسپی نہ ہوگا" اگرچہ یہ محل اب خستہ اور تباہ حالت میں ہے لیکن اب بھی اُس کی گری پڑی حالت سے اُس کے بانی کا تمول۔ بلند حوصلگی اور خوش سلیقگی اور حسن مذاق ظاہر ہے۔ اس کی بلند چار دیواری کے اندر بہت ساری زمین گھری ہوئی تھی اور صحن مکان میں کئی بڑے بڑے اونچے اور شان دار دروازے تھے۔ اس محل میں ملازمین۔ شاگرد پیشہ۔ آے گئے مہمان اور ملاقاتیوں کے رہنے سہنے کے لیئے متعدد وسیع قطعات تھے۔ گھوڑوں اور ہاتھیوں کے اصطبل جدا جدا۔ دیوان خانہ اور زنانہ محل سرا مکان کے یہ دو بڑے حصے تھے جن کے بیچ میں آمد و رفت کا رستہ تھا۔ ہر ہر مکان میں حمام اور تہ خانے کا ہونا ضرور تھا۔ جن میں ہر قسم کا سامان آسایش مہیا رہتا تھا" باایں ہمہ تمول و احتشام فلاکت اور افلاس کے نمونے بھی مفقود نہ تھے۔ برنیر لکھتا ہے کہ "ان محلات کے پہلو بہ پہلو بے شمار چھوٹے چھوٹے مکانات بھی کچے اور چھپر کے ہوتے تھے جن میں غریب غربا رادنی درجے کے ملازموں کا جم غفیر سپاہی۔

سنیچر گڈھ یا نور گڈھ

سائیس وغیرہ جن کی تعداد کا کچھ ٹھکانا نہ تھا اور جو ہر صاحب ثروت اور امیر کا ایک جزو لاینفک سمجھے رہا کرتے تھے۔ انہیں چھپروں کی وجہ سے شہر میں اکثر آگ لگ جایا کرتی تھی۔۔۔۔۔ انھیں کچے اور پھونس کے گھروں سے دلی کی بستی چند گاؤں کا مجموعہ یا کوئی چھاؤنی معلوم دیتی تھی جس میں خال خال بڑی بڑی عمارتیں بھی کھڑی تھیں۔"

سلیم گڈھ یا نور گڈھ

۹۵۳ھ ۱۵۴۶ء

۹۵۳ھ ۱۵۴۶ء میں شیر شاہ سور کے بیٹے سلیم شاہ نے جب ہمایوں بادشاہ کے آنے کی خبر سنی تو اس کے متعلق تاریخ داؤدی میں لکھا ہے کہ "بادشاہ لاہور سے کوچ کر کے دلی آیا اور دین پناہ کے محاذی جمنا کے بیچ میں سلیم گڈھ بنوایا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ ایسا مضبوط قلعہ بنوایا جائے کہ جس کا جواب تمام ہندوستان میں نہ ہو اور فی الواقع وہ بنایا بھی ایسا ہی گیا ہے کہ ایک ہی پتھر میں ترشا ہوا معلوم ہوتا ہے۔"

یہ قلعہ نصف دائرے کی شکل کا بنا ہوا ہے اور ایک زمانے میں اس میں مختلف جسامت کے انیس برج تھے اور اس کی تعمیر میں چار لاکھ روپیے صرف ہوئے اور پانچ سال کے عرصے میں صرف اس کی فصیل طیار ہونے پائی تھی کہ بادشاہ کا انتقال ہو گیا اور اس کی تعمیر کا منصوبہ دل کے دل ہی میں رہا اور یہ قلعہ کس مپرسی کی حالت میں پڑ گیا۔ اسی برس بعد فرید خاں المعروف بہ مرتضیٰ خاں جو اکبر اور جہانگیر بادشاہوں کے عہد کا ایک سربرآوردہ امیر تھا اس کو سلیم گڈھ بطور جاگیر کے سرفراز ہوا۔ اس نے اس قلعے میں بہت سے مکانات تعمیر کرائے۔ ۱۸۲۸ء تک یہ تمام عمارات گر پڑ کر کھنڈر ہو گئی تھیں صرف ایک دو منزلہ دالان اور ایک باغ ہوا خوری کے لیے اکبر شاہ ثانی کے عہد تک ۱۸۰۶-۳۷ء اچھی حالت میں باقی تھا۔ ۱۷۸۸ء میں غلام قادر مع اپنے ہمراہیوں کے اسی قلعے سے بھاگا جو لال قلعے سے ملا ہوا ہے یعنی قلعۂ شاہجہاں آباد کے پاس والے پل کو عبور کر کے بھاگ گیا۔ یہ پل جہانگیر بادشاہ نے ۱۰۳۱ھ ۱۶۲۲ء میں بنوایا تھا۔ اب اس قلعے میں سے ایسٹ انڈین ریلوے گزرتی ہے اور ریل[1] کے پل کے واسطے جگہ نکالنے کو اس پل کو توڑنا پڑا جس کے

۱؎ یہ پل ۱۸۶۳ء میں بننا شروع ہوا اور یکم جنوری ۱۸۶۷ء کو ٹریفک کے لیے کھول دیا گیا۔ ریل کا پل کلکتہ کی طرف سے ۹۵۳ میل پر شروع ہوتا ہے اور ۲۶۴۰ فٹ لمبا ہے۔ اس کے بارہ در ہیں اور ہر در کی محراب ۲۰۲ فٹ چوڑی ہے۔ یہ پل دوہرا ہے اوپر ریل جاتی ہے نیچے بیل آدمی گاڑی بیل وغیرہ۔ اس پل میں دس گولے پلائے گئے ہیں جن کا قطر اوپر سے دس فیٹ کا ہے اور ۳۲ فٹ زمین کے اندر اتارے گئے ہیں اور ان کو لوں کے بیچ میں بھی دیواریں پانی کے ریلے کو روکنے کے لیے کھڑی کی گئی ہیں۔ سطح آب سے گرڈروں کی اونچان ۲۳ فٹ ہے اکہرے پل کا صرفہ سولہ لاکھ ساٹھ ہزار تین سو پچیس روپیہ یعنی [illegible] فی سطحی فٹ خرچ پڑا ہے۔ یہ پل پہلے ہی سے ڈبل لین کے لیے بنایا ہے۔"

دو کتبے پل ٹوٹ جانے سے اب قلعے کے عجائب خانے میں رکھے ہوئے ہیں اور ہم نے اُن کی نقل اس مضمون کے خاتمے پر کر دی ہی۔ اب جو پل پھاٹک کے سامنے بنا ہوا ہی وہ جدید ہی اور اس پل کو یہ فخر حاصل ہی کہ دربار ۱۹۱۱ء میں شاہِ معظم جارج پنجم جلوس شاہی کے ساتھ اسی پر سے گزرے تھے۔ سلیم گڈھ کا قلعہ شاہجہاں کے محل کے شمال میں ہی مگر اس محل کے بننے کے بعد یہ قلعہ بطور شاہی محبس کے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس قلعے کی لمبائی قریب قریب پاؤ میل کے ہی اور فصیل کا دور تقریباً پاؤ میل کا ہی۔ یہ قلعہ دریائے جمنا کے مغربی ساحل کے قریب ایک جزیرے میں بنا ہوا ہی۔ اس کی بڑی بھاری فصیل اور شاندار و سر بفلک برجوں کا ایک عجیب و غریب نظارہ دریا کے اس پار سے ہوتا ہی۔ اس قلعے کے جنوبی دروازے کے سامنے جب ایک پل شہنشاہ نور الدین نے بنوایا تب سے اس کا نام نور گڈھ رکھا گیا لیکن عام طور پر اب بھی سلیم گڈھ ہی مشہور ہی (کننگھم کی آرکیالوجیکل رپورٹ جلد دوم صفحہ ۲۲۳) اس پل کی نسبت جنرل کننگھم کے اسسٹنٹ مسٹر بگلر نے لکھا ہی کہ "سلیم گڈھ اور قلعۂ دہلی کے درمیان جو پل ہی (اب نہیں رہا) اس کی خصوصیاتِ تعمیر خاص توجہ کے قابل ہیں۔ پل کے دروں کا روکار بن گھڑے پتھروں اور چونے کا ہی۔ ان دروں میں خاص طور پر کھب ڈال کر مضبوط کیا گیا ہی جن سے ظاہری حالت میں مضبوطی اور نزاکت دونوں باتیں پیدا ہو گئی ہیں" اس پل پر حسب ذیل دو کتبے تھے:-

کتبۂ اوّل جانبِ شرق

الله اکبر

شد بحکم شاہ نور الدین جہانگیر عظیم

سال و تاریخش مبارک آن صراط المستقیم

سنہ ۱۰۳۱
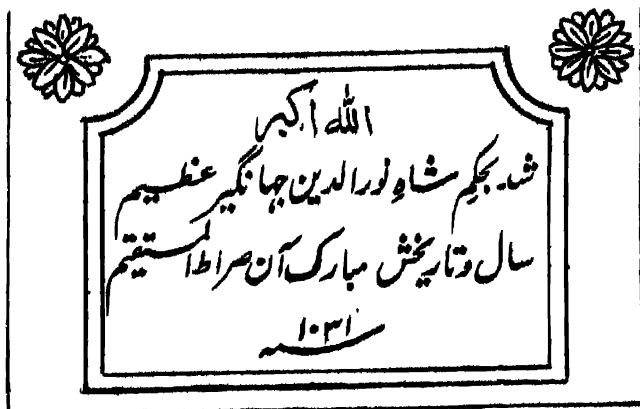
کتبۂ دوم جانبِ غرب

الله اکبر | بحکمِ بادشاہِ ہفت کشور | جل جلالہ | شہنشاہِ بعدل و داد و تدبیر | یا فتاح

یا ناصر | جہانگیر ابن شاہنشاہِ اکبر | یا فیاض | کہ شمشیرش جہان را کرد تسخیر | یا حی

سنہ ۱۷ | چو این پل گشت در دہلی مرتب | جلوس | کہ وصفش را نشاید کرد تحریر | جہانگیری

باہتمام | پئِ تاریخ اتمامش خرد گفت | حسین حلبی | پلِ شاہنشہِ دہلی جہانگیر ۱۰۳۱ | کتبہ شریف

سڑک کے اُس طرف قلعے کے اُس رُخ پر جو دریا کے جانب ہی دو دروازے ہیں اُن میں سے ایک پر یہ کتبہ سنگِ مرمر کی تختی پر کھدا ہوا ہی۔ مگر اب یہ دروازہ بند کر دیا گیا ہی:—

گشت چو تعمیر بفضلِ الہ — ایں درِ خوش منظر و فرحت فزا
گفت خرد سالِ بنایش ظفر — بابِ فلک جاہ و خجستہ بنا
(۱۲۷۱ھ (۱۸۵۴ء))

جامع مسجد
سنہ ۱۰۶۰ھ
۱۶۵۰ء

(جامع مسجد سے دہلی دروازہ تک)

من نگویم کعبہ لیکن ایں قدر گویم کہ ہست + جبہ اوتادِ عاشق سجدۂ ایں آستاں
پرتوِ انوارِ او چوں عالم افروزی چند + صبح را گرود نفس انگشتِ حیرت در دہاں

مسجد ارایں ست می زیبد امامش جبرئیل — خلوتِ روحانیاں را شمع باید بے دخاں
دستِ استادِ قضا تا از رخامش ساختہ — روسفیدیِ ابد آباد گشت از بہرِ کاں
نیست وردِ حاصلِ اوقاتِ اہلِ طاعتش — جز دعاے ثانیِ صاحبقراں شاہِ جہاں
در بناے خیر ایں سعیِ کہ وارد ہمتش — حاصلِ کاں جملہ خواہد گشت آخر صرفِ کاں
تا ہمیشہ قبلۂ اسلام سمتِ کعبہ است — قبلہ گاہِ آرزو با داجنابش جاوداں
مسجدِ کاں کعبۂ ثانی است تاریخش بود — قبلۂ حاجات آمد[1] مسجدِ شاہجہاں

[1] اس تاریخ میں ایک عدد کی زیادتی ہوتی ہی لیکن ایک کی زیادتی شمار میں نہیں آتی اور کالعدم سمجھی جاتی ہی مورخین نے اسے جائز رکھا ہی۔ ۱۲

بقول جنرل کننگھم دلی شہر کی عمارتوں میں سب سے بڑھ چڑھ کر جامع مسجد اور زینت المساجد یہی دو عمارتیں ہیں۔ جامع مسجد کو شاہجہاں بادشاہ نے ۱۶۴۴ء میں بنایا تھا جو سارے ہندوستان کی مسجدوں سے بڑی اور سب سے عمدہ ہے۔ ہندوستانی روایت کی رو سے اس عجیب و غریب عمارت کی بنا ۱۰ شوال المکرم ۱۰۶۰ھ (۱۶۵۰ء) میں ہوئی ہے۔ جامع مسجد لال قلعے سے کوئی ہزار گز کے فصل سے بھوجلا پہاڑی پر خاص بازار کے مغربی سرے پر بنی ہوئی ہے۔ اس کی کرسی کا کیا کہنا جو سنگ سرخ کا ایک بڑا بھاری چبوترا سطح زمین سے تیس فیٹ بلند اور چودہ سو مربع گز ہے۔ اس کی تعمیر زیر نگرانی سعد اللہ خاں وزیر شاہجہاں اور فضل خاں خانساماں کے ہوئی۔ مشہور ہے کہ جب مسجد کی بنیاد رکھنے کا وقت آیا تو بادشاہ ظل اللہ نے فرمایا کہ اس کی بنیاد وہ شخص رکھے جس کی نماز تہجد اور تکبیر اولی کبھی قضا نہ ہوئی ہو۔ یہ سن کر سبھوں نے گردنیں جھکا لیں اور کچھ جواب نہ دیا۔ جب بہت دیر ہو گئی تو بادشاہ نے فرمایا "الحمد للہ مجھ میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ مگر افسوس کہ آج راز فاش ہوتا ہے"۔ اور پھر دست مبارک سے سنگ بنیاد رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ چھ ہزار راج بیلدار، مزدور اور سنگ تراش چھ برس تک روزانہ اس کی تعمیر میں لگے رہے اور تعمیر میں دس لاکھ روپیہ صرف ہوا جس میں پتھر کی قیمت شامل نہیں ہے۔ سنا ہے کہ پتھر ہر قسم کا راجاؤں اور نوابوں نے بادشاہ کی نذر کیا تھا۔ مسجد جب بن بنا کر طیار ہو گئی عید الفطر قریب تھی۔ میر عمارت کو شاہی حکم پہنچا کہ ما بدولت عید کی نماز جامع مسجد میں پڑھیں گے۔ ہزاروں من ملبہ پڑا ہوا۔ جگہ جگہ پاڑیں بندھی ہوئیں اتنی جلدی مسجد کا صاف ہو کر آراستہ ہو جانا بالکل ناممکن تھا۔ فوراً حکم سلطانی پہنچا کہ جو چیز جس کو ملے اٹھا لے جائے۔ پھر کیا تھا ذرا سی دیر میں مسجد صاف ہو گئی تنکا تک باقی نہ رہا۔ اسی وقت جھاڑ پونچھ کر فرش کر دیا گیا۔ دیکھتے دیکھتے شیشہ و آلات سے آراستہ ہو کر اچھی خاصی دلہن بن گئی۔ حضور میں عرضی گزری کہ مسجد آراستہ ہے۔ صبح عید تھی نماز کا وقت ہوا قلعے میں شادیانے بجنے لگے۔ حضور کی سواری نکلی۔ قلعے کے دروازے سے مسجد کے شرقی دروازے تک سواروں کی قطار آگے آگے نقیب و چوبدار پیچھے پیچھے شہزادگان والاتبار نے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے۔ چاروں طرف سے لوگوں کا ہجوم ہوا مسجد بھر گئی۔ دوگانہ ادا کیا گیا شہر میں عید منائی گئی۔ اس مسجد میں پنج وقتہ جماعت ہونے لگی۔ امام مؤذن فراش وغیرہ سب بادشاہ کی طرف سے مقرر

نقشہ دروازہ جنوبی مسجد جامع

نقشہ دروازہ شمالی مسجد جامع

نقشۂ دروازۂ شرقی مسجد جامع
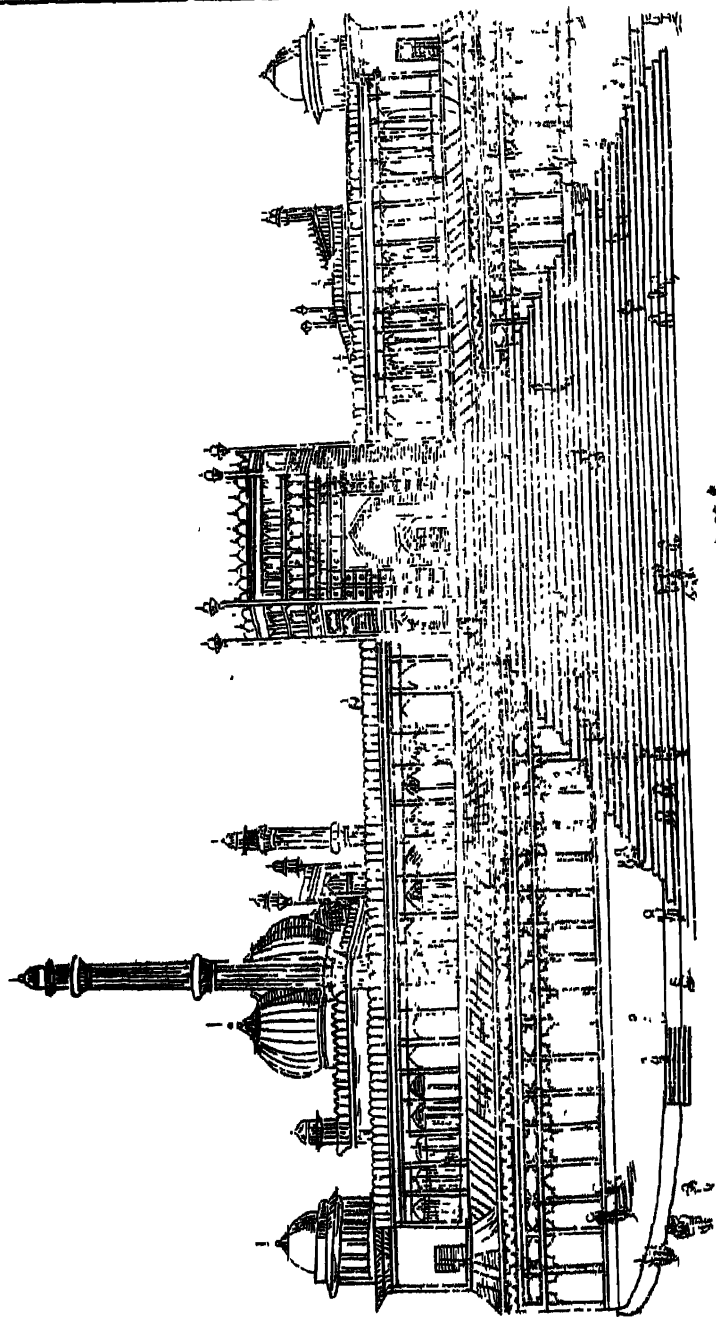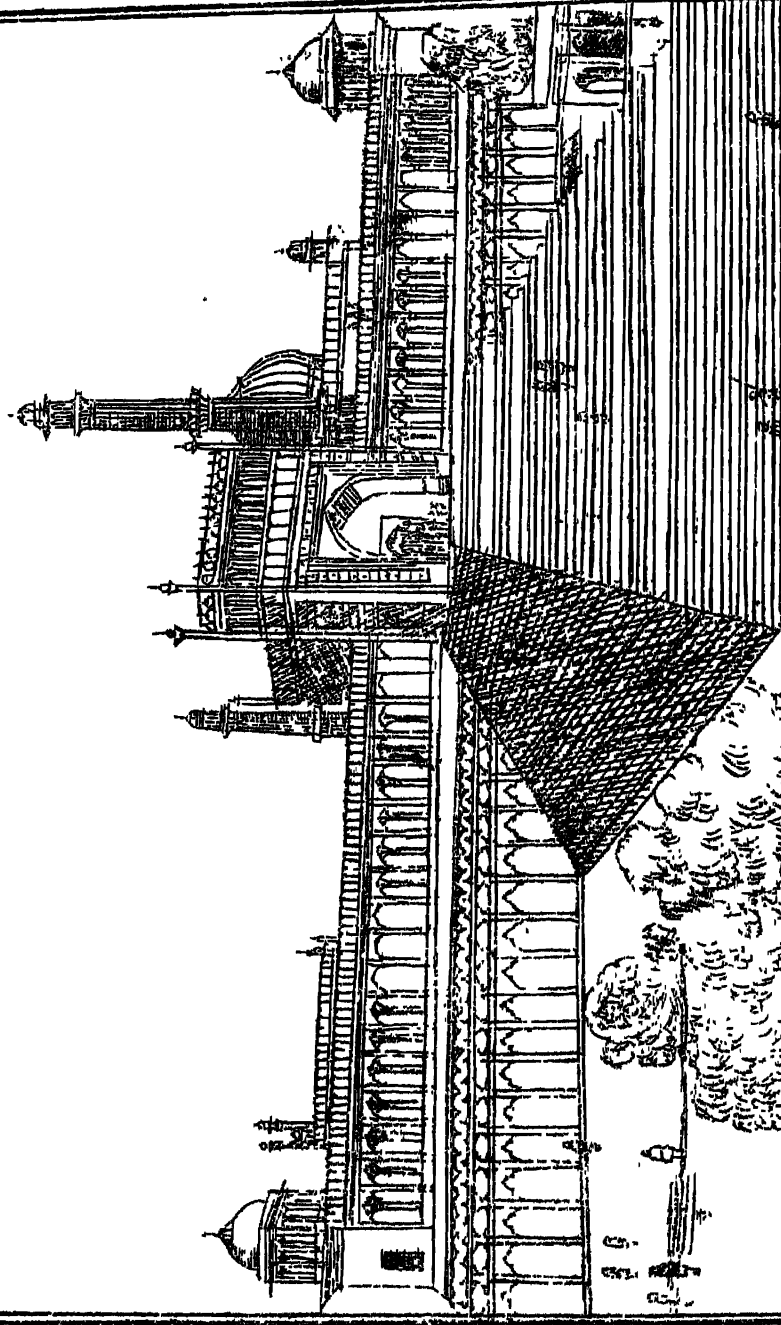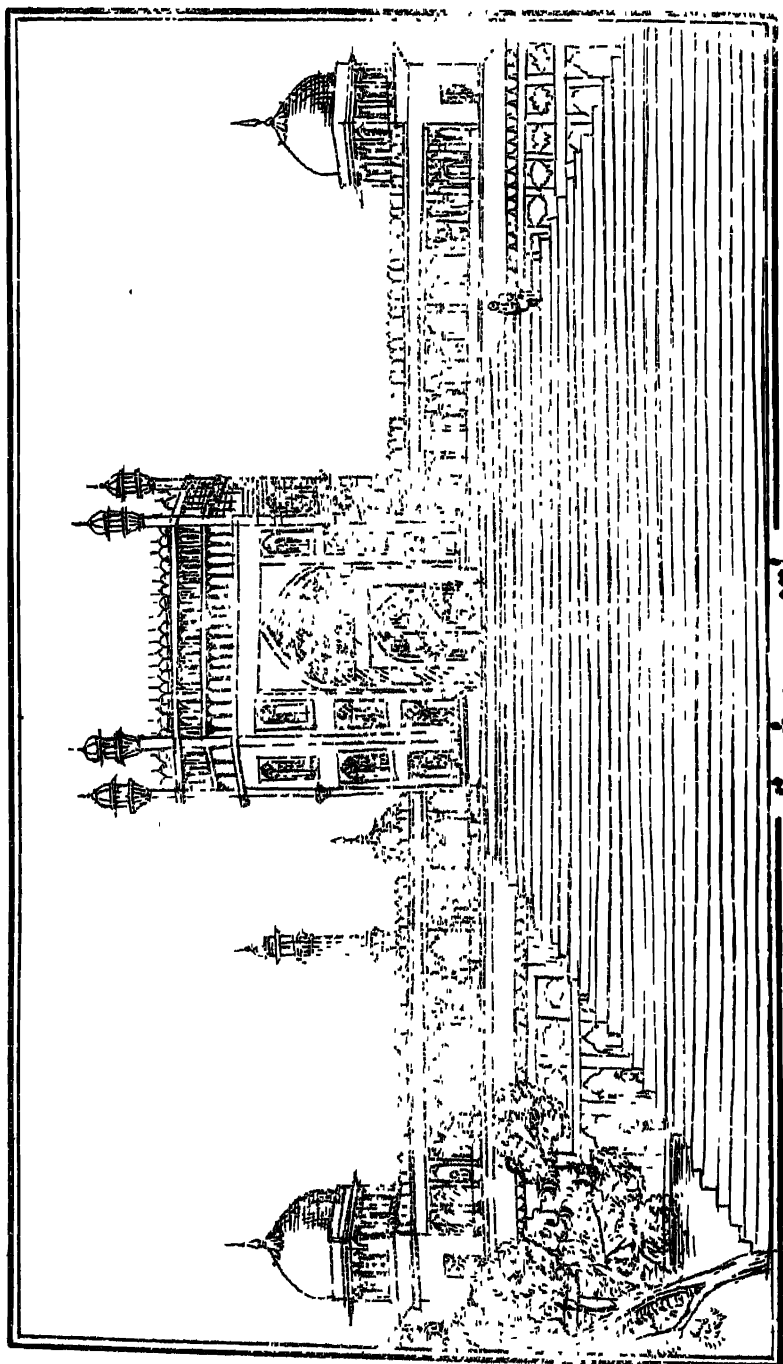
ہو گئے مسجد جنت کا ٹکڑا بن گئی۔ مسجد کے تین عالی شان دروازے مشرق۔ شمال اور جنوب میں ہیں اور تینوں طرف سنگ سُرخ کی لمبی لمبی اور بڑی چوڑی چوڑی سیڑھیاں ہیں۔ شمالی دروازے کے محاذ میں (۳۹) سیڑھیاں ہیں۔ قدیم زمانے میں ان سیڑھیوں پر نان بائی اور کبابی بیٹھا کرتے تھے۔ تماشے والوں اور داستان گویوں کا جگھٹا بھی یہیں ہوا کرتا تھا جن کی کہانیاں سننے کو لوگوں کی ٹولیوں کی ٹولیاں جمع رہتی تھیں جنوبی دروازے کی (۳۳) سیڑھیاں ہیں۔ جہاں پارچہ فروش اپنا اپنا فرش بچھا کر بیٹھا کرتے تھے۔ اس طرف ایک مدرسہ اور ایک بڑا بازار تھا جو غدر کے بعد منہدم کرا دیا گیا۔ مسجد کا شرقی دروازہ جو بادشاہ کی آمد و رفت کے واسطے مخصوص تھا اُس کی (۳۵) سیڑھیاں ہیں اور یہیں شام کو کبوتر۔ مرغیاں اور دوسرے جانور بکتے ہیں۔ جو گزری کا بازار کہلاتا ہے۔ اب بھی شام کے وقت یہاں بڑا جگھٹا رہتا ہے اور آدمیوں کی خوب ریل پیل رہتی ہے کبوتر وغیرہ سب قسم کے جانور ملتے ہیں اور ٹکڑے فروش کپڑوں کے ٹکڑے کثرت سے بیچتے ہیں۔ کبابیوں اور نان بائیوں کی دکانیں اب بھی بڑی رات تک کھلی رہتی ہیں یہ سب لوگ جامع مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھتے ہیں چبوترے کے مغربی جانب مسجد کی اصل عمارت ہے جس کے بقیہ ہر سہ اطراف میں کشادہ دالان بنے ہوئے ہیں اور انھیں میں ہر طرف ایک ایک دروازہ ہے جن میں سے قلعے کی طرف کا دروازہ تو بند رہتا ہے باقی دونوں کھلے رہتے ہیں اور انھیں دروازوں سے خلقت کی آمد و رفت رہتی ہے نقشہ اس مسجد کا جو "جہاں نما" بھی کہلاتی ہے عرب اور قسطنطنیہ کی مساجد کا سا ہے۔ اس کی لمبائی ۲۰۱ اور چوڑائی نوّے فیٹ ہے۔ مسجد کے تین کمرکٹ نما گنبد ہیں جن پر ایک ایک پٹی سنگ موسیٰ کی اور ایک ایک سنگ سرخ کی پڑی ہوئی ہے اور اوپر سنہری کلس ہیں یہ گنبد طول میں نوّے گز اور عرض میں تیس گز ہیں مسجد کے دو نہایت بلند اور خوب صورت مینار سنگ سرخ کے ہیں جن پر کھڑی پٹیاں سنگ مرمر کی ہیں۔ ان کی بلندی ۱۳۰ اور اندر چکردار زینہ ہے جس میں (۱۳۰) سیڑھیاں ہیں۔ مینار کے تین کھنڈ ہیں۔ ہر کھنڈ کے گرد کھلا ہوا برآمدہ ہے۔ چوٹی پر کی برجی بارہ دری کی ہے۔ مسجد کے عقب میں اور چار چھوٹی چھوٹی برجی دار مناریں ہیں۔ مسجد کے بڑی بڑی محرابوں کے سات در ہیں۔ مسجد کے اجارے میں تمام تر سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔ پیش دالان میں گیارہ در ہیں۔ دالان ۲۶۱ چوڑا ہے۔ ان میں کی

بیچ کی محراب ایک دروازے کی طرح چوڑی اور بلند ہے اور اُس کے دونوں جانب پتلی پتلی ہشت پہلو برجیاں ہیں۔ ان دروں کی پیشانی پر سنگ مرمر کی تختیاں چار فیٹ لمبی اور ڈھائی فیٹ چوڑی ہیں جن پر سنگ موسی کی پچیکاری کے کتبے ہیں۔ ان کتبوں میں تعمیر مسجد کے حالات اور شاہجہاں کے زمانِ سلطنت کے برکات کندہ ہیں۔ وہ کتبات یہ ہیں :-

پہلا کتبہ انتہائی شمالی محراب پر بہ فرمان شہنشاہ جہاں بادشاہِ زمین وزمان گیہان خدیو کشورستان گیتی خداوند گردوں توان موسّسِ قوانین عدل وسیاست مشیّد ارکانِ ملک و دولت بسیار دان عالی فطرت قضافرمان قدر قدرت فرخندہ رائے خجستہ منظر فرخ طالع بلند اختر آسمان حشمت انجم سپاہ خورشید بارگاہ۔

کتبۂ در دوم مظہر قدرت الٰہی مورد کرامت نامتناہی مظہر کلمۃ اللہ العلیا مروج الملۃ الحنفیۃ البیضا ملجاء الملوک والسلاطین خلیفۃ اللہ فی الارضین الخاقان الاعدل الاعظم والقاآن الاجل الاکرم ابوالمظفر شہاب الدین محمد صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہِ غازی لازالت رایات دولتہ منصورۃ و اعداء حضرتہ مقہورۃ کہ دیدۂ بصیرت حق بینش از شعشۂ انوار ہدایت انما یعمر مساجد اللہ۔

کتبۂ در سوم من آمن باللہ والیوم الآخر مستنیر است و آئینہ ضمیر صدق گزینش از اشعۂ مشکات روایت احب البلاد الی اللہ مساجدہا فروغ پذیر ایں مسجد کوہ اساس گردوں مماس کہ کریمۂ لمسجد اسس علی التقوی بیان بنیاں پائدار اوست وبینہ والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم کتابۂ ایوان استوار او قمۂ و قبۂ فلک شانش از طبقات آسمان گزشتہ و شرفۂ طاق سپہر نشانش باوج کیوان پیوستہ۔

کتبۂ در چہارم گرز طاق وقبۂ مقصورہ اش جوئی نشاں ہیچ نتواں گفت غیر از کہکشان آسماں فرو بودے قبۂ گردوں نبودے شامیش + طاق بودے طاق گرجفتش نبودے کہکشاں فروغ شمسۂ پیش طاق جہاں نمائش روشنی بخش مصابیح سموات پر تو کلس گنبد عالم آرائش نور افزائے قنادیل جنات منبر سنگ مرمرش چوں صخرۂ مسجد اقصیٰ مرقات۔

کتبۂ در پنجم مقام قاب قوسین اوادنیٰ محراب فیض گسترش مانند صبح صادق کشادہ پیشانی

بشارت رسان و لقدجاءہم من ربہم الہدی ابواب رحمت آمایش صلاے واللہ یدعوا الی دارالسلام بسامع خاص و عام رسانیدہ منار سپہر مدارش نداے ویجزی الذین احسنوا بالحسنیٰ از نہ رواق گنبد فیروزہ فام گزرانیدہ سقف رفیع باصفایش تماشاگاہ روحانیانِ کرۂ افلاک

کتبۂ در ششم پیش طاق

یا ھادی (بخط طغری)

کتبۂ در ہفتم

صحن وسیع دلکشایش سجدہ گاہ پاک نژادان معمورۂ خاک روح فضاے فیض انتما و طیب ہواے روح افزایش از روضۂ رضوان حکایت کردہ وعذوبت ماء معین حوض دلنشین لطافت آمایش از چشمۂ سلسبیل خبر دادہ در روز جمعہ دہم شہر شوال سال ہزار و شصت ۱۰۶۰ ہجری موافق سال چہارم از دور سیوم جلوس میمنت مانوس بساعت خجستہ۔

کتبۂ در ہشتم

وطالع شایستہ ابتنا و پیرایۂ تاسیس یافت و در عرض مدت شش سال بحسن سعیِ کارپردازانِ کاروان کارگزار و فرط اعتنا و اہتمام کارفرمایان صاحبِ اقتدار و بذلِ جد و جہد استادان ماہر دانشور و وفورِ کوشش پیشہ کاران چابک دست صاحب ہنر وانفاق مبلغ دہ لک روپیہ صورت انجام وطراز احتشام پذیرفت و مقارنِ اتمام در روز عید الفطر۔

کتبۂ در نہم

بفرِ قدوم اقدس پادشاہ ظل الہی صافی نیت خداآگاہ زیب و زینت گرفت و باقامت نماز عید واداے وظایف اسلام چون مسجد الحرام در روز عید اضحی مرجع طوایف انام گردید و مبانی اسلام وایمان را متانت و رصانت کرامت فرمود سیاحانِ ربع مسکون و مسالک نوردانِ کوہ و ہامون را آراستہ عمارتے باین رفعت و حصانت در آئینہ بصر

کتبۂ در دہم

و مرات خیال مرتسم نگشتہ و حقایق گزران وقایع دہر و فکرت پردازان نظم و نثر را کہ سوانح نگارانِ بدایع ارباب ملک و دولت و صنایع فن شناسان اصحاب مکنت و قدرت تند افراختہ بناے باین شکوہ و عظمت بر زبان قلم و قلم زبان نگذشتہ فرازندۂ کاخِ ہستی و طرازندۂ بلندی و پستی این بنیانِ رفیع را کہ قرۃ العین بینش و زینت بخشِ

کارخانہ آفرینش است۔

کتبہ دریازدہم

پائدار داشتہ صداے تسبیح سبحانش راہنگامہ آراے ذاکران مجامع ملکوت وزمزمۂ تہلیل مہلالش رانشاط افزاے معتکفان جوامع جبروت دارادوروس منابرمعمورۂ جہانرا بخطبۂ دولت جاوید طراز ایں بادشاہ دادگردیں پرورکہ بمیامن ذات مقدس مبارکش ابواب امن وامان بردے روزگارکشادہ است آراستہ دارادبحق الحق واہلہ۔ کتبہ نوالدا احمد۔

صحن مسجد کے فرش سے اصل مسجد کے دالان پانچ فیٹ اونچے چبوترے پر واقع ہیں جن میں مشرق شمال اورجنوب ہرسہ اطراف سے تین تین سیڑھیاں چڑھ کر اندرداخل ہوتے ہیں۔ مسجد کے تمام اندرونی مستقف حصے میں سنگ مرمر کا فرش ہی جس میں سنگ مرمر کے مصلے سنگ موسیٰ کا حاشیہ دے کر نہایت خوب صورت بنائے گئے ہیں۔ ہر مصلیٰ تین فیٹ لمبا اور ڈیڑھ فیٹ چوڑا ہی اور کل مصلے ۸۹۹ ہیں۔ مسجد کے پچھواڑے جو بڑے بڑے گنڈ ستھے اُن کو چھپانے کے لیے صحن مسجد میں بھراؤ کرکے عمارت کو بہت اونچی کرسی دی گئی ہی جس سے مسجد کی شان وشکوہ اور بھی نکل آئی ہی۔ یہ مسجد ازسرتاپا سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہی البتہ فرش۔ محرابیں اور گنبد سنگ مرمر کے ہیں۔ منبر کے پاس ایک بڑی گہری محراب ہی۔ منبر چار سیڑھیوں کا سنگ مرمر کے ایک ہی پتھر میں تراشا ہوا ہی اس میں کہیں جوڑ نہیں ہی۔ صحن مسجد محاط ہی۔ جس کے ہر طرف محراب دار بیس بیس فیٹ چوڑے اور استنے ہی اونچے دالان ہیں۔ ان دالانوں کے کونوں پر بارہ اضلاع کے برج ہیں جن پر سنگ مرمر کے قبے سنہری کلس لگے ہوئے ہیں۔ شمالی اور جنوبی دونوں دروازے ایک ہی وضع طرح کے نصف مثمن قبے نما ہیں جن کا خط قاعدہ مسجد کے صحن کے جانب ہی اور پانچ ضلعے شہر کی طرف ہیں۔ دروازے پچاس فیٹ اونچے اور اسی قدر چوڑے ہیں اور ان کی گہران ۳۳ فیٹ ہی۔ ان دروازوں کے اندر ایک ایک اور چھوٹا دروازہ دو دو منزلوں میں ہی۔ دروازوں کے اوپر کنگورے اور اُن پر ایک قطار چھوٹی سنگ مرمر کی برجیوں کی ہی جس کے دونوں سروں پر نہایت خوب صورت اور نازک مینار ہیں۔ مسجد کا صدر دروازہ صحن کے مشرق میں ہی یہ دروازہ بڑا بھاری مثمن شکل کا گنبددار

پچاس فیٹ بلند۔ ساٹھ فیٹ چوڑا اور گہرائی میں ۵۰ فٹ ہی۔ اس کی چوکون شکل کے اضلاع کو کاٹ کر ہشت پہلو بنادیا گیا ہی باقی شکل وصورت اس دروازے کی ویسی ہی ہی جیسی کہ دوسرے دروازوں کی ہی۔ مسجد کے تینوں دروازوں کے پٹوں پر پیتل کی موٹی موٹی چادریں چڑھی ہوئی ہیں جن پر منبت کاری کا کام ہی۔ بادشاہ کی سواری بادبہاری قلعۂ معلی کے مشرقی دروازے سے رونق افروز ہوتی تھی۔ جب سے مغلیہ سلطنت کا خاتمہ ہوا یہ دروازہ بھی بند ہی۔ مسجد کے صحن میں سنگِ سرخ کے بڑے بڑے چوکے بچھے ہوئے ہیں جو ۱۳۶ گز مربع ہی۔ باوجود اس وسعت کے اس کا ڈھلاؤ اس خوبی کا رکھا گیا ہی کہ اودھر مینہ برسا اودھر صاف۔ کیا مجال کہ کہیں ایک قطرہ پانی کا کھڑا تو رہ جاے دوسری ندرت اس مسجد میں یہ ہی کہ ساری مسجد میں کبوتر یا ابابیل کا نام نہیں ورنہ ہمیں فتحپوری کی مسجد میں کبوتروں سے ناک میں دم ہی اور حیدرآباد دکن کی مکہ مسجد کو دیکھئے کہ کبوتروں کے مارے دروں میں جال لگا دیئے جب کہیں جاکر امن ملا ہی۔

حوض

زصحنش فیض دیگر می تواں یافت + زحوضش آب کوثر می تواں یافت
زرفعت آسماں یک پایۂ او + سرخورشید زیرِ سایۂ او
رواقش قبلۂ اہلِ یقیں ست + نظیرِ مسجدِ اقصیٰ ہمیں ست

صحن کے بیچوں بیچ فرش سے ایک ہاتھ اونچا پندرہ گز سے بارہ گز خالص سنگ مرمر کا حوض ہی جس میں سنگ موسی کی سیاہ سیاہ تحریریں اور بھی سنگِ مرمر کی سفیدی کو رونق دیتی ہیں۔ سہ دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود۔ گر اشکِ بتانِ سرمہ آلود۔ چاروں کونوں پر چار لالٹینیں اور بیچ میں فوارہ جو جمعہ۔ عیدین اور الوداع کو چھوٹا کرتا تھا حوض کے غربی گوشے پر ایک چھوٹا سا کٹھرا سنگ مرمر کا محمد حسین خاں محلی خواجہ سرا نے بنوا دیا ہی اس واسطے کہ اس مقام پر علی روایت العوام جناب رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیٹھے ہوئے خواب میں دیکھا تھا اور اُس کٹھرے کے اندر یہ اشعار کندہ ہیں

کوثر محمد رسول اللہ ۱۱۸۰ھ

رسول دیدہ اندایں جا ولی واہل اللہ بجاست گر شود ایں سنگ ہم زیارتگاہ
بناے سال بہ تحسین وآفریں ہاتف بگفت احاطۂ جاے نشست رسول اللہ

۱۱۸۰ھ
(۶۷-۱۷۶۶ء)

پہلے یہ حوض رہٹ کے کنوئیں سے بھر جاتا تھا جو مسجد کے شمال و مغرب کے کونے میں تھا باوجود اس قدر اونچائی کے بھی پانی برابر چڑھتا تھا اور اندر ہی اندر صحن مسجد میں پانی پونہچ کر حوض لبریز رہتا تھا۔ یہ کنواں ۱۸۰۳ء میں خشک ہوگیا تھا جس کی مرمت مسٹر سیٹن رزیڈنٹ وقت نے کرادی تھی۔ یہ کنواں بھی شاہجہاں نے پہاڑی کاٹ کر بنایا تھا جس پر رہٹ یعنی چرخ لگا رہتا تھا۔ ہماری یاد تک موجود تھا اب چند سال ہوے کہ اُس سے پانی لینا بند کردیا گیا۔ حوض میں اب نل کا پانی آتا ہے۔ سنا گیا ہے کہ مینار اس صنعت سے بنائے گئے ہیں کہ اگر اتفاقاً کوئی مینار گرے تو صحن میں گرے تاکہ مسجد کی چھت اور گنبدوں کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچے چنانچہ کئی دفعہ کے تجربے سے اس کی تصدیق بھی ہوگئی۔ اس مسجد کی مرمت دفعہ اول میں بزمانہ اکبر شاہ ثانی ۱۸۱۷ء میں ہوئی تھی۔ دوسری مرتبہ ۱۸۵۱ء میں ایک کڑی ٹوٹ گئی تھی۔ تیسری مرتبہ ۱۸۳۳ء میں مسجد کے شمالی مینار پر بجلی گر کر مینار اور نیچے کا فرش دونوں شکستہ ہوگئے تھے مگر عمارت کو کچھ نقصان نہیں پونہچا جس کی مرمت برٹش گورنمنٹ کی طرف سے کرائی گئی۔ چوتھی مرتبہ ۱۸۹۵ء میں جنوبی مینار پر ہماری یاد میں بجلی گری اور برجی کو نقصان پونہچا لیکن اور عمارت محفوظ رہی۔ اس مرتبہ نواب صادق علی خاں صاحب بہادر والی ریاست بہاولپور نے چودہ ہزار کے عطیئے سے مرمت کی گئی۔ نواب کلب علی خاں صاحب بہادر مرحوم و مغفور والی رامپور نے ۱۸۸۶ء میں ایک لاکھ پچپن روپیہ کے گراں قدر عطیئے سے ساری مسجد کی ایسی مرمت کرائی کہ گویا نیا کردیا۔ سید زماں شاہ صاحب کے اہتمام سے ۱۸۸۷ء میں مرمت شروع ہوئی اور ۱۹۰۶ء میں ختم ہوئی۔ بہاولپور کا روپیہ صرف مینار کی درستی میں صرف ہوا۔ یہ مینار دراصل مخروطی ہیں مگر اس میں بھی یہ صنعت رکھی گئی ہے اور ایسی بہتر یا شتی کی ہے کہ نیچے کھڑے رہ کر دیکھیئے تو نیچے سے اوپر تک یکساں نظر آتے ہیں چوں کہ دونوں میناروں پر زینہ ہے لوگ کثرت سے چڑھتے ہیں اوپر جاکر سارا شہر ہتیلی میں نظر آتا ہے۔ الوداع کے جمعہ کو بڑی خلقت جمع ہوتی ہے اور بیرونجات کے لوگ ایسی کثرت سے آتے ہیں کہ مسجد بھر جاتی ہے اور تل دھرنے کو جگہ نہیں ملتی سیڑھیوں پر بھی نمازی ہی نمازی نظر آتے ہیں بلکہ سڑک کے اُس پار محلہ مچھلی والوں کی طرف نیز قلعے کے میدان تک میں نماز ہوتی ہے۔ میرے سامنے کی بات ہے کہ الوداع کے دن ایک گنوار شمالی مینار پر چڑھا

ہوا سے اُس کی چادر اُڑ گئی اُسے لینے کو جھکا۔ جھونک نکل گیا صحن میں آن پڑا۔ دم تو گرتے گرتے ہی نکل گیا ہوگا مگر ساری ہڈیاں چورا چورا ہوگئی تھیں۔

مکبّر چوں کہ مسجد میں نمازیوں کی کثرت مور و ملخ سے زیادہ ہوتی ہے خصوصاً جمعۃ الوداع میں کہ دس بجے دن کے بعد مسجد کے اندر جگہ کا ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مسجد۔ صحن۔ دالان۔ چھتیں۔ چھجے۔ برج۔ سب بھر کر سڑکیں تک رُک جاتی ہیں اور جہاں تک نظر جاتی ہے آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں۔ فی الواقع دلی کی نماز الوداع عیدین کی نماز سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے۔ بھلا اتنی دور تکبیر کی آواز کیسے جا سکتی ہے دو چار صفوں میں آواز گونج کر رہ جاتی ہے۔ اس لیئے شاہزادہ سلیم ابن معین الدین اکبر ثانی نے ۱۸۲۹ء میں پیش طاق یعنی محرابِ وسطی کے سامنے ایک مکبر سنگ مرمر کا بنوا دیا۔ جس وقت مکبر اس پر کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہتا ہے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دل لرز جاتے ہیں تَقْشَعِرُّ مِنْہُ جُلُوْدُ کا سماں بندھ جاتا ہے اور وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ کا نقشہ کھنچ جاتا ہے۔

کرۂ ارض صحن مسجد کے شمال و مشرق کے کونے میں ایک کرۂ ارض بھی سنگ مرمر پر بنا ہوا ہے۔

دھوپ گھڑی اسی کے محاذی ایک دائرہ ہندی یعنی دھوپ گھڑی سنگ مرمر پر نماز کا وقت جاننے کے لیئے بنی ہوئی ہے۔

درگاہِ آثار شریف مرا طاقتِ دیدنِ او کجاست ✦ کہ بے خود شوم ہر کہ نامش برد

اسی طرف کے دالان کے ایک حجرے میں آثار شریف جناب محمد رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام رکھے ہوئے ہیں پہلے یہ تبرکات شمال و مغرب کے دالان کے حجرے میں مسجد کی بائیں جانب تھے جس کے آگے اعلیٰ حضرت عالمگیر کے وقت میں الماس علی خاں خواجہ سرا نے مجر سنگ سرخ کا جالی دار بنوا دیا تھا اور اُس پر یہ تاریخ کندہ تھی۔

پیشِ آثار مبارک سرورِ آخر زماں ✦ در زمانِ شاہ عالمگیر خاقانِ جہاں

با سیاوت ساخت دیوارِ مجر از سنگِ سرخ ✦ بندۂ با اعتقاد و از صدقِ دل الماس خاں

سالِ تاریخ بنا چوں می‌بجستا از عقل و ہوش ✦ گفت ہاتف بہر خود واکرد ابواب جناں

پھر اس کے بعد ۱۸۴۲ء میں ایک سخت آندھی آنے سے یہ مجھر گر پڑا تھا بہادر شاہ بادشاہ

نے از سر نو اُس مجر کی تعمیر کرائی جو اب تک موجود ہے۔

تبرکات

یہ درگاہ شریف اور یہاں کے تبرکات بہت قدیم بتلائے جاتے ہیں، بعض تبرکات امیر تیمور کو بایزید بادشاہ روم سے پہنچے اور بعض قسطنطنیہ سے لائے گئے ہیں۔ موجودہ تبرکات یہ ہیں:۔

(۱) چند پارے کلام مجید کے نوشتۂ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

(۲) چند پارے کلام مجید کے نوشتۂ حضرت امام حسن علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

(۳) کلام مجید نوشتۂ حضرت سید الشہدا امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

(۴) چند پارے نوشتۂ حضرت امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

(۵) موئے مبارک حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۶) نعلین شریف (۷) قدم شریف (۸) غلاف مزار اقدس۔ (۹) پنجۂ شریف حضرت مولی علی شیر خدا۔

(۱۰) چادر مبارک جناب سیدۃ النسا حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۱۱) غلاف مبارک کعبہ شریف۔ یہ سب تبرکات اورنگ زیب کے وقت میں جامع مسجد میں رکھے گئے بادشاہان وقت ہمیشہ زیارت کو آیا کرتے تھے اور جمعۃ الوداع کو بارہ اشرفیاں نذر پیش فرماتے تھے۔ زمانِ سلاطین میں آثار شریف کی زیارت ماہ محرم کے پہلے جمعے۔ آخری چہار شنبہ۔ ماہ ربیع الاوّل میں دس سے بارہ تاریخ تک۔ ماہ ربیع الثانی میں گیارھویں تاریخ۔ جمادی الاولیٰ کی تیرھویں۔ جمادی الثانیہ کا پہلا جمعہ۔ رجب میں ۲۷ تاریخ شب معراج میں رجبی شریف کی مجلس اور میلاد شریف بڑی دھوم دھام سے ہوتا تھا۔ جھاڑ۔ فانوس۔ مردنگ۔ قندیل۔ ہانڈیاں روشن ہوکر ۲۸ کو زیارت ہوتی تھی۔ شعبان کی چودہ۔ رمضان شریف میں جمعۃ الوداع۔ شوال کی بیسویں ذی قعدہ کی چوتھی۔ ذی حجہ کی نویں۔ غرض تمام سال میں بلہ مرتبہ زیارت ہوتی تھی اور ہر جمعہ کو بعد نماز صرف قدم شریف کی زیارت ہوتی تھی۔ زمان شاہی میں اس کی معاش (۲۴۳) مواضع تھے۔ عشرۂ محرم الحرام میں نیاز حضرت سید الشہدا اور بروز عاشورہ بڑے اہتمام سے ہوتی تھی۔ حضرت سید عبد العزیز سجادہ نشین درگاہ آثار سابک قلعۂ معلی میں جاکر بہادر شاہ بادشاہ کے خاص محل میں نیاز دیا کرتے تھے۔ مجلس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ جملہ اقسام کی نعمتیں اور میوے مہیا ہوتے تھے۔ ایک مسند پر گاؤ تکیہ لگا ہوا اور پس پشت مسند ابو ظفر بادشاہ ایک مورچھل لیے اُس

مسند پر مگس رانی کرتے تھے بادشاہ کے قریب ایک چینی کے پیالے میں صندل بھرا ہوا رکھا رہتا تھا اور شبیر برنج کی تفلیاں۔ سجادے صاحب نے صلوٰۃ والسلام اور قرآن شریف پڑھا اور شجرۂ پادشاہان مغلیہ پڑھ کر دعا کی۔ بعد بادشاہ نے سجادے صاحب کے رخسارون پر صندل کی لکیریں بنائیں اور پھر تفلیاں نیاز کی تقسیم ہونے لگیں۔ بارہ خوان خاصے اور میوے کے سجادے صاحب کے پاس آتے تھے غرض یہ کہ بڑے خلوص عقیدت اور اہتمام سے نیاز کی جاتی تھی۔ ۱۸۵۱ء میں گورنر جنرل دہلی میں آئے اور ۲۸ ذی قعدہ کو زیارت کر کے پانسو روپیہ نذر دی۔ کرنل طامسن نے برٹش گورنمنٹ سے دوسو روپیہ سالانہ عیدین کے مقرر فرما سے تھے۔ لارڈ میو۔ لارڈ نارتھ بروک۔ لارڈ لٹن۔ ڈیوک آف کیناٹ۔ لارڈ رپن لارڈ ڈفرن۔ لارڈ لینس ڈون سب تشریف لائے۔ لارڈ کرزن تین مرتبہ آئے۔ لارڈ ہارڈنگ آئے مگر درگاہ کی کسی نے خبر نہ کی پھر دوبارہ خاص کر زیارت کی غرض سے آئے۔ تمام والیان ملک مثل امیر حبیب اللہ خان امیر کابل۔ حضور عالی نظام والیان رام پور۔ جاورہ۔ ٹونک۔ اندور۔ گوالیار۔ میسور سب ہی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اب بھی ہر جمعرات اور ۳-۱۰-۱۱-۱۲-۱۷-۲۰-۲۲- ان تاریخوں میں روشنی اور قرآن خوانی برابر جاری ہے۔ اب اس درگاہ کے سجادے حضرت سید محمد عبداللطیف صاحب حسینی لبابزرگ ہیں۔

مسجد کی ضبطی اور واگزاشت

شاہ جہاں کے بعد ہر بادشاہ کے زمانے میں مسجد عمدہ حالت میں رہی مگر سنتے ہیں کہ ابوظفر بہادر شاہ کے وقت میں کچھ بدنظمی ہو گئی۔ غدر میں مسجد ضبط۔ نماز بند۔ اور سرکاری پہرا چوکی قایم ہو گیا۔ کئی برس یہی حال رہا۔ خدا خدا کر کے ۲۷ر دسمبر ۱۸۶۲ء کو مسلمانوں کی استدعا پر گورنمنٹ نے مسجد کو واگزاشت کر دیا اور ایک منتظمہ کمیٹی کے سپرد اس کا انتظام کر دیا جس کے دس مسلمان معززین دہلی ممبر ہیں۔ چونکہ انگریزوں کے ہاں جوتی پہن کر عبادت گاہ میں جانا معیوب نہیں بلکہ وہ تعظیماً سر برہنہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اس مسجد میں بھی صاحبان انگریزی آیا کرتے تھے اور مسلمانوں کے دل اس حرکت سے آزردہ تھے۔ لارڈ کرزن بڑے دور اندیش اور حق پسند ویسرائے تھے۔ اُن کو تالیفِ قلوب کے ڈھنگ خوب معلوم تھے ۱۸۹۹ء میں جب دہلی تشریف لائے اور مسجد کا ملاحظہ فرمایا تو سب سے پہلے خود ہی جوتی پر موزہ چڑھا لیا

اور مسجد کو دو سو روپئے بھی جیب خاص سے عنایت فرمائے پھر تو یہ حکم ہی ہو گیا اور اور اب اسی پر عمل درآمد ہے۔

مسجد کی آمدنی اور خرچ

مسجد کی آمدنی تہ بازاری اور دکانوں کی قریب دو ڈہائی ہزار روپیہ سالانہ کے ہے۔ اور اسی کے لگ بھگ خرچ بھی ہے۔ رہی متفرق آمدنی جو روؤسا وغیرہ سے ہوتی ہے یا کبھی کوئی جلسہ یا دربار ہوا تو مسجد کی سیڑھیوں پر نشست کا ٹکٹ لگا دیا جاتا ہے یہ تعمیر وغیرہ میں صرف ہوتی ہے۔ یہاں کے امام جناب شمس العلماء حاجی سید احمد صاحب ہیں جن کو ریاست امدمت سرکار عالی نظام سے چار سو روپیہ ماہوار ملتی ہے۔ گو کہ مسجد کو بنے ہوئے (۲۷۷) برس ہو نے آئے مگر کچھ اس ڈھنگ کی نفیس و نادر و خوش وضع عمارت ہے کہ جب دیکھو نئی ہی معلوم دیتی ہے جس پر ہمیشہ نور ہی نور برستا رہتا ہے۔

مسجد میں سور کا ذبح کیا جانا

خدا جانے کس قسی القلب کا کام تھا کہ مسجد کے ممبر پر سور ذبح کر کے ڈال دیا۔ جس پر بڑا ہنگامہ ہوا اور لوٹ پڑ گئی بازار کی دکانیں لٹ گئیں اور دہلی میں غدر مچ گیا جس کی سزا میں دہلی میں تعزیری پولیس مقرر کیا گیا تھا۔

مسجد میں جھاڑ کی چوری

ہز میجسٹی امیر حبیب اللہ خاں صاحب جب دہلی تشریف لائے تھے تو اُنھوں نے پچاس ہزار روپیہ کا ایک چاندی کا بہت بڑا جھاڑ مسجد میں چڑہایا تھا جو بیچ کے در میں لٹکا رہتا تھا۔ خانہ خدا کا بھی ڈر نہ ہوا باوجود پہرے چوکی کے وہ پورا جھاڑ ایسا چوری گیا کہ باوجود پولیس کی سعی و کوشش کے بھی برآمد نہیں ہوا۔

اقتباس از رپورٹ محکمہ آثار قدیمہ بابتہ ۱۸۷۱-۷۲ء

مسٹر جے۔ ڈی بگلر نے جامع مسجد کے متعلق اپنی اس رپورٹ میں حسب ذیل ریمارک کیا ہے " زمانِ مابعد کی باقیات دہلی میں کثرت سے ہیں جن میں سب سے بڑی جامع مسجد ہے جو بلحاظ اپنی وسعت کے لاجواب ہے۔ اصلی مسجد سنگِ مرمر کی ہے جس کے سنگ مرمر ہی کے تین گنبد ہیں اور دونوں جانب دو مینار ہیں سنگ مرمر اور سنگ سرخ کی لمبی لمبی پٹیوں کی اینٹ

دالان۔ دروازے اور باقی تمام تر حصہ مسجد کا سنگ سُرخ کا ہی مسجد کی بڑی تعریف کی جاتی ہی لیکن میرے خیال میں اتنی تعریف بے محل ہی۔ مسجد یقیناً بہت بڑی اور بڑی عالیشان ہی۔ صناعی بہت عمدہ ہی۔ مال مسالا سنگِ مرمر بہت قیمتی ہی لیکن مسجد کی درمیانی محراب بمقابلے ادھر اُدھر کی محرابوں کے اس قدر بڑی ہوگئی ہی کہ اُس کے سامنے ہر دو جانب کی محرابیں دب گئی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہی کہ مسجد کے وسط میں گویا ایک بڑی بھاری اوٹ کھڑی کردی گئی ہی۔ علاوہ اس کے دالانوں میں روشنی کی کمی رہ گئی ہی۔ پھر دونوں جانب کی محرابوں پر ایسی بھاری بھاری اور بھدی اور غیر موزوں سلیں کتبوں میں لگادی ہیں کہ اُن سے محرابیں اور بھی دب گئی ہیں۔ اصل خوبی کی چیزیں جو مسجد میں ہیں وہ اُس کے شان دار دروازے ہیں جن کے ادھر اُدھر ہوادار دالان ہیں اور اندر سے بڑھ کر باہر رونق ہی مسجد کی سیڑھیوں کا ایک ایسا شان دار سلسلہ ہی جو دلی تو خیر اور کہیں بھی نظر نہیں آتا جس سے اس مسجد کو اور چار چاند لگ گئے ہیں مسجد کی مرتفع کرسی اور سیڑھیاں ایسی خوشنما اور دل کش ہیں کہ وہ بجاے خود ایک قابل دید چیز ہی"

دارالشفا مسجد کے شمال میں شاہی دواخانہ موسوم بدارالشفا تھا۔

دارالبقا مسجد کے جنوبی دروازے کی طرف دارالبقا کا دارالعلوم تھا۔ اگلے زمانے میں اس میں طالب العلم رہتے تھے اور معقول و منقول پڑھا کرتے تھے۔ یہ مدرسہ اُسی زمانے میں بالکل خراب و برباد ہوکر ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ مولوی صدرالدین خاں صاحب صدرالصدور نے اپنی عالی ہمتی سے بصرف زرِ خطیر اس کو مرتب کیا اور شاہجہانی طور پر جو جو حجرے اس کے ٹوٹ گئے تھے اُن کو نئے سرے سے بنوایا تھا۔ طلبا کی خبرگیری بایجے کی خود فرماتے تھے۔ دارالشفا اور دارالبقا بہت پہلے ہی سے خراب و خستہ حالت میں تھیں غدر ۱۸۵۷ء کے بعد یہ دونوں عمارتیں گرا کر صاف میدان کردیا گیا۔ یہ دونوں عمارتیں بھی مسجد کے ساتھ ہی بنی تھیں۔

بازار زیر جامع مسجد اسی دروازے کے سامنے ایک بہت بڑا اور وسیع بازار تھا جو اس دروازے سے شروع ہوکر ترکمان دروازہ تک چلا گیا تھا۔ بازار تو اب بھی موجود ہی مگر بالکل معمولی حیثیت کا۔ وہ پہلی سی رونق اب نہیں رہی

ہرے بھرے شاہ صاحب کا مزار
سنہ ۱۰۶۵ھ - ۵۵-۱۶۵۴ء

خاصانِ خدا خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نباشند

جامع مسجد کے شرقی دروازے کی سیڑھیوں سے نیچے اُتر کر کسی قدر جانب شمال لب سڑک نیم کے درخت کے نیچے صوفی سرمد کی قبر سرخ رنگ کے کٹہرے کے اندر ہے اور اُن کے سرہانے سبز رنگ کے چوبی کٹہرے میں شاہ ہرے بھرے صاحب کا مزار ایک چبوترے پر ہے۔ ان دونوں مزاروں کے بیچ میں ایک نیم کا درخت حایل ہے۔ نصف شمالی حصّے میں ہرے بھرے صاحب کی قبر ہے اور نصف جنوبی قطعے میں صوفی سرمد کی۔ ہرے بھرے صاحب کی قبر کے سرہانے ایک پختہ طاق چراغاں کے لئے بنا ہوا ہے۔ آپ کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ مجاورین سے کہتے ہیں کہ آپ صوفی سرمد کے پیر و مرشد تھے جو اپنے وطن سبزوارسے ۱۰۶۵ھ - ۵۵-۱۶۵۴ء میں شاہجہاں کے عہد میں دہلی تشریف لائے تھے۔

صوفی سرمد کا مزار
سنہ ۱۰۷۰ھ - ۶۰-۱۶۵۹ء

مستور و مست ہر دو چو از یک قبیلہ اند
ما دل بعشوۂ کہ دہیم اختیار چیست

کہتے ہیں کہ سرمد پہلے یہودی تھے۔ دہلی کے قیام میں جہاں آپ کو تجارت کا مشغلہ تھا مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ایک عرصہ دراز تک اسی کاروبار میں مصروف رہے۔ آپ بڑے عاشق مزاج تھے۔ ٹھٹھے کے شہر میں کسی ہندو کے لڑکے کو آپ بہت چاہتے تھے مگر فوراً حال نے دامن کھینچا اور آپ پرستی اور محویت کا ایسا عالم طاری ہوا کہ اُن کو اپنے تن من کی بھی خبر نہ رہی جامہ ظاہری تک سے غیریت کی بو آنے لگی۔ وہ لڑکا بھی آپ کی صحبت کے اثر سے مجذوب ہوگیا یعنی آپ ہی کے رنگ میں رنگ گیا۔ دونوں مل کر دلی آئے۔ صوفی صاحب کا جذبہ زوروں پر تھا لوگوں کا جگھٹا ہونے لگا۔ شاہ جہاں کا زمانہ تھا۔ شہزادہ دارا شکوہ قدرتی طور پر مجذوبوں کا دیوانہ تھا۔

صوفی صاحب کا شہرہ سن کر فوراً حاضر ہوا اور پھر ایسی عقیدت بڑھی کہ اکثر آنے جانے لگا۔ صوفی صاحب بھی دارا شکوہ کے معاون بن گئے چنانچہ آپ نے کئی قصائد بھی شاہزادے کی تعریف میں کہے۔ آپ کا کلام معجز نظام زبان زد خاص و عام ہے۔ ادھر تو شاہزادہ خود صوفی صاحب کے ہاں حاضر باش رہتا تھا اُدھر بادشاہ کو بھی چپکے چپکے صوفی صاحب کی ملاقات کے لیئے اُبھارتا رہتا تھا۔ مگر سرمد کے عرض معروض کرنے سے بادشاہ کو بھی خیال ہوا۔ **عنایت خاں** رشتہ کو تفتیش حال کے لیئے مقرر فرمایا۔ عنایت خاں نے ہر چند جستجو کی کہ آپ کا اصلی حال کسی طرح معلوم ہو مگر کچھ پتہ نہ چلا۔

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

آخر مایوس ہو کر عنایت خاں نے بادشاہ کے سامنے یہ شعر پڑھا:۔

برسر بدِ برہنہ کرامات تہمت ست
کشفے کہ ظاہر است ازاں کشف عورت ست

بادشاہ نے فرمایا "بیک گز کرباس دہن خلق تواں دوخت"۔ جب عالمگیر کا زمانہ آیا تب بھی کھلے خزانے آپ دارا شکوہ کا ساتھ دیتے رہے۔ اورنگ زیب آپ سے ناراض ہو گیا۔ دارا شکوہ کے قتل کے بعد اورنگ زیب نے بلا بھیجا اور پوچھا "کیوں جی! کیا یہ بات سچ ہے کہ تم نے دارا سے دلی کی سلطنت دلانے کا وعدہ کیا تھا؟" آپ نے جواب دیا۔ "ہاں میں نے اُس سے ابدی سلطنت دلانے کا وعدہ کیا تھا" عالمگیر نے ایک مرتبہ سرمد کو بلا کر کہا کہ "تم ننگے کیوں پھرتے ہو کپڑے کیوں نہیں پہنتے؟" آپ نے فی البدیہ جواب دیا۔

آں کس کہ ترا اسریر سلطانی داد ۔۔۔ مارا ہمہ اسباب پریشانی داد
پوشاند لباس ہر کرا عیبے دید ۔۔۔ بے عیباں را لباس عریانی داد

ایک دفعہ مُلا عبد القوی نے بادشاہ کے اشارے سے سرمد کو بلایا اور پوچھا کہ "چرا عریاں می باشی؟" سرمد نے جواب دیا کہ "شیطان قوی ست"۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ آپ علی رؤس الاشہاد اپنے آپ کو خدا کہنے لگے۔ اورنگ زیب بھلا ایسے مزخرفات کا کب متحمل ہو سکتا تھا علماء سے فتویٰ لیا۔ سب نے قتل کی رائے دی اور آپ سنہ ۱۰۷۰ھ ۱۶۵۹ء

ملہ روئی کاحکم پہ صفحہ ۱۲۱

میں شہید کیئے گئے۔ صوفی لوگ کہتے ہیں کہ سرمد کا بے گناہ قتل کیا جانا ہی بڑا سبب سلطنت مغلیہ کے زوال کا تھا۔ آپ کے مزار کے سراہنے ایک پتھر کی تختی پر یہ تاریخ کندہ ہی:-

شاہِ سرمد بعہد عالمگیر چوں سفر ساختہ بنجابہ بریں
گفت تاریخ اکبر مسکیں لحد مرقد شہید سرمد ایں
۱۰۷۰ھ

سید شاہ محمد عرف ہینگا مدنی کی قبر

۱۰۸۵ھ
۱۶۷۴ء

نرخا شہرے کہ تو بودی دراں
اے خنک خاکے کہ آسودی دراں

جامع مسجد کے شرقی دروازے کے سامنے صوفی سرمد اور ہرے بھرے شاہ کے مزاروں کے پاس جنوب کی طرف آپ کی قبر ہی جو زمین میں چند انچ دھنس گئی ہی۔ آپ کا حال سوائے اس کے اور کچھ نہیں معلوم کہ آپ صوفی سرمد کے خلیفہ تھے۔

شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کا مزار

۱۱۴۲ھ
۱۷۲۹ء

منکر نتواں گشت اگر دم زنم از عشق
ایں نشہ بمن نیست اگر با دگرے ہست

حضرت قطب العالم مولانا شیخ کلیم اللہ صاحب جہان آبادی علیہ الرحمہ کا مزار جامع مسجد اور قلعے کے بیچ میں ہی۔ جامع مسجد کے شرقی دروازے سے تقریباً تین سو قدم کے فاصلے پر سبز چوبی کٹہرا نظر آتا ہی۔ قبر ڈہرے چبوترے پر ہی۔ اوپر کے چبوترے پر آپ کی قبر ہی اور نیچے کے چبوترے پر دو اور کسی کی قبریں ہیں۔ قبر کا تعویذ سنگ مرمر کا ہی جس کے بیچ کی خلا میں مٹی بھری ہوئی ہی۔ آپ کے اوصاف و کمالات بے شمار ہیں۔ آپ بڑے ذی علم اور مقدس صاحب تفرید و تجرید تھے۔ سب سے الگ تھلگ گوشۂ عافیت میں اس طرح رہتے تھے کہ کوئی آپ کو نہ جانے۔

آپ قریشی النسب تھے - آپ کے والد کا نام شیخ نور اللہ مہندس تھا۔ جامع مسجد کے خوشخط کتبات آپ ہی نے لکھے ہیں - آپ ۲۴ جمادی الثانی ۱۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے لفظ غنی تاریخ ہے - اکتساب علم کے بعد محبت الہی کے جوش کا غلبہ ہوا مرشد کامل کی تلاش میں بیت اللہ شریف پہنچے پھر ایک مجذوب کی بشارت کے موافق مدینۂ منورہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ یحییٰ مدنی علیہ الرحمہ سے بیعت کی - چند روز کے بعد قطبیت ملی - اس کے بعد جہاں آباد (دہلی) میں تشریف لاکر درس وتدریس میں مشغول ہوئے - آپ کو بظاہر قلتِ معاش تھی مگر دل غنی تھا اور اسی پر قانع - صابر اور شاکر تھے - بادشاہ فرخ سیر نے آپ کو مکان اور وظیفہ دینے کی ہر چند تمنا کی مگر آپ نے ہمیشہ انکار کیا اور ڈہائی روپیہ ماہوار جو آپ کا ذاتی کرایہ تھا اسی میں تنگی ترشی سے بسر کرتے تھے - فقر کو فخر سمجھتے تھے - دن کو قال اللہ اور رات کو فقط اللہ اللہ کا شغل تھا - لوگوں کا ہجوم تھا عموم میں خصوص اور خصوص میں عموم تھا - چاروں سلسلوں میں اجازت تھی - ہزاروں مرید ہوئے سینکڑوں طالب بنے - تعلیم کے ساتھ تصنیف کا بھی خیال تھا - سواء السبیل تسنیم - عشرۂ کاملہ - تفسیر کلیمی - کشکول - رد روافض مرقعۂ کلیمی - وغیرہ کتابیں آپ کی تصنیف ہیں - آپ کا وصال محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں ۲۴ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ (۷ اکتوبر ۱۷۲۹ء) میں ہوا - بالائی چبوترے کے شمال میں یہ تاریخ کندہ ہے اور اس کے پیچھے ایک طاق چراغاں کا بنا ہوا ہے -

فضل و کمالِ خویش بود	مرہم قلب ریش بود
سالِ وصالش گفتہ ہاتف	قطبِ زمانہ خویش بود
	۱۱۴۲ھ

سید بھورے شاہ صاحب کی قبر

کو کیم را دیدۂ بیدار بخش
مرقدے در سایۂ دیوار بخش

قلعے کی فصیل کے نیچے خندق کے دوسری طرف مابین لاہوری اور دلی دروازے کے دُہرے چبوترے پر یہ قبر ہے جس کا نیچے کا چبوترا اینٹوں کا حال کا بنا ہوا معلوم دیتا ہے اوپر کا چبوترا - قبر کا تعویذ - چراغاں کا طاق سب چونے گچی کے پختہ بنے ہوئے

ہیں۔ سیّد بھورے شاہ صاحب کون بزرگ تھے اور ان کا انتقال کب ہوا اُس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

سنہری مسجد (زیر قلعہ)

سنہ ۱۱۶۵ھ ۱۷۵۱ء

ای زیارت شہر تو جانم تہی -
بر لبش آرم اگر فرماں دہی

سلطنت مغلیہ کے انحطاط کے زمانے میں احمد شاہ کے عہد میں (۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء) جاوید خاں نامی ایک مشہور با اقتدار امیر تھا جو نواب قدسیہ بیگم کا مشیرِ خاص تھا اور جس کا خاتمہ احمد شاہ کے ہی زمانے میں عبرتناک طور پر ہوا۔ اس شہر میں اس نام کی تین مسجدیں ہیں جن میں سے ایک چاندنی چوک میں کوتوالی کے پاس اور دوسری فیض بازار کے شمال میں جو اب قاضی زادوں کی مسجد کہلاتی ہے روشن الدولہ کی بنوائی ہوئی ہیں جن کا ذکر علیحدہ آچکا ہے۔ جاوید خاں کی مسجد بھی سنہری مسجد ہی کے نام سے مشہور ہے۔ جو قلعے کے میدان میں کوئی سو گز کے فصل سے بنی ہوئی ہے لطافت اور نزاکت اس کی بیان سے باہر خوبی اور خوشنمائی اس کی حد سے زیادہ ہے۔ قطع اُسکی بہت خوب اور وضع اُس کی نہایت مرغوب ہے سر سے پاؤں تک سنگ باسی کی بنی ہوئی ہے اور دو مینار ہیں خوب صورت وہ بھی سنگ باسی کے ہیں۔ تین گنبد تھے سنہرے یعنی کاٹ کے گنبد بنا کر اُس کے اوپر تانبے کی موٹی موٹی چادریں چڑھائیں تھیں اور چادروں پر سونے کے پتر سے منڈھ دیئے تھے اور اسی طرح تمام برجیاں اور کلسیاں اس مسجد کی سنہری ہیں اور اندر سے تمام در و دیوار سونے میں لپٹی ہوئی تھیں۔ امتداد زمانہ اور بارش کے اثر سے گنبدوں کا کاٹھ گل کر برج ٹیڑھے پڑگئے تھے ۱۸۵۲ء میں بہادر شاہ ثانی بادشاہ کے حکم سے وہ برج اُتار کر پختہ چونے گچی کے جن پر سنگ سرخ کی مستطیل پٹیاں پڑی ہوئی ہیں بنوا دیئے گئے برجیاں جوں کی توں اپنی حالت اصلی پر قایم ہیں۔ یہ مسجد ہر کہ بقامت کہتر بقیمت بہتر کی مصداق ہے۔ اگرچہ یہ ایک چھوٹی مسجد ہے جو مشرق سے مغرب تک (۵۰) فٹ اور شمال سے جنوب تک (۱۵) فٹ ہے لیکن بلحاظ عمدگی عمارت اور نفاست ساخت کے اپنا جواب نہیں رکھتی۔ یہ سلاطین مغلیہ کے زمانہ آخر کی عمارات کا

نقشہ سنہری مسجد متصل قلعہ
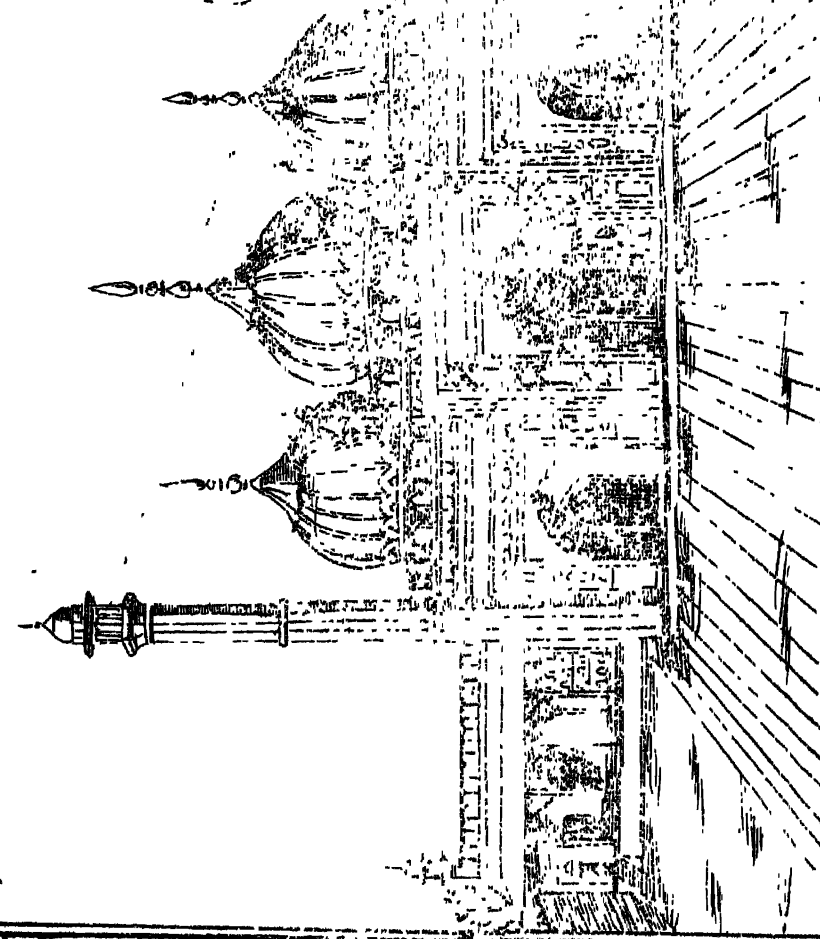
ایک بہترین نمونہ ہے۔ چھٹائی کے ساتھ اس قسم کا حیرت انگیز سڈول بنا ایک عجیب و غریب ترکیب ہے۔ تین شان دار اور خوش نما گنبدوں کے اِدھر اُدھر پتلی پتلی تین کھنڈ کی بینارین ساٹھ ساٹھ فیٹ بلند جن پر ہشت پہلو سونے کے کلس کی بُرجیاں ہیں جن سے مسجد کی خوب صورتی کو اور چار چاند لگ گئے ہیں۔ یہ مسجد کسی زمانہ میں وسط آبادی میں ہوگی اب چوں کہ قلعہ کے اطراف کا میدان بالکل سپاٹ کر دیا گیا ہے بیچاری مسجد اکیلی لب سڑک تیراہے پر کھڑی ہے۔ جنوب رُخ سڑک صحن مسجد کے اونچان کے برابر ہے البتہ مشرق کی طرف کی سڑک اس قدر پست ہے کہ اُدھر خوب صورت اور بلند دروازہ بنایا گیا ہے۔ اِس دروازے کی محراب پر سنگ تراشی کا نہایت عمدہ کام ہے اور دروازے کے پاکھوں پر چھوٹے چھوٹے خوش نما طاق اوپر سے نیچے تک بنے ہوئے ہیں جن پر ہر قسم کے نقش و نگار ہیں۔ یہ دروازہ دُہری محراب کا ہے جس کی بلندی کٹہرا چھوڑ کر (۱۳) فٹ (۵) انچ اور چوڑان (۸) فٹ (۷) انچ ہے۔ دروازے کے اوپر ایک بہت خوش قطع دوہرا کٹہرا صحن مسجد سے پانچ فٹ سات انچ اونچا بنا ہوا ہے جس میں برابر برابر چھوٹے چھوٹے محراب دار در لگا دیئے گئے ہیں جس کے اِدھر اُدھر چار چار سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جن پر سے ہم دروازے کے اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ یہ دروازہ صحن مسجد سے پانچ فٹ ۷ انچ اونچا ہے جس کے ہر دو جانب باہر وار کو دو بڑے بڑے محراب دار طاق ہیں۔ دروازے کے بیچ میں نو سیڑھیاں ہیں جن کو چڑھ کر ہم صحن مسجد میں پہونچ جاتے ہیں جس کے اِدھر اُدھر چھوٹے چھوٹے چبوترے ہیں۔ پہلے اس دروازے کے اِدھر اُدھر ایک ایک مینار بھی تھی جو غدر کے بعد تڑوا دی گئیں۔ صحن مسجد میں بھورے پتھر کے چوکے بچھے ہوئے ہیں۔ جو (۲۸) فٹ مربع اور اٹھارہ انچ اونچا ہے۔ مسجد اکہرے دالان کی ہے جس میں تین در ہیں۔ بیچ کا محراب دار در پندرہ فٹ اونچا اور دس فٹ چوڑا ہے جس کی دونوں طرف اس سے کچھ چھوٹے اور دو در ہیں۔ ان تینوں دروں کے اوپر پانچ فیٹ اونچا کٹہرا ہے۔ بیچ کی محراب کے اوپر کا کنگورہ بہ نسبت اِدھر اُدھر کی محرابوں کے کنگوروں کے کچھ بڑا ہے اور چھوٹے دروں کا اُسی مناسبت سے چھ فیٹ پست اور چھوٹا۔ مسجد کی تین بنگڑی دار محرابی در ہیں جن میں سے بیچ کی محراب اِدھر اُدھر کی

محرابوں سے کچھ زیادہ بڑی ہے۔ ان محرابوں پر عمدہ نقش و نگار ہیں بیچ کی محراب کے سامنے پتھر کا چوڑا چھجا لگا ہوا ہے اور باقی دو محرابوں کے سامنے ان کی بلندی کی مناسبت سے چھجے کی چوڑان کچھ کم رکھی گئی ہے۔ دالان کے تین حصے ہیں اور ہر حصہ پر ایک ایک کوٹھی دار گنبد اُس پر سنہری کلس ہے۔ درمیانی گنبد کی بلندی پینتالیس فٹ ہے اور ادھر ادھر کے گنبد اُس سے پانچ فٹ کم ہیں۔ درمیانی محراب کے ادھر ادھر پتلی پتلی نہایت پتلی پتلی نازک دو مینارین آٹھ فیٹ بلند استادہ ہیں جن پر خوب صورت گلدستہ بنا ہوا ہے اور پہلے سنہری کلس بھی تھا جو اب نہیں ہے جس طرح محاذ مسجد میں صدر محراب کے ادھر اُدھر دو پتلی پتلی مینارین اسی کے جواب میں اُسی طرح کے دو مینار مسجد کی پچھیت میں بھی ہیں۔ مسجد کا دالان شمال اور جنوب کی طرف بھی کھلا ہوا ہے۔ مسجد کی پچھیت کی دیوار کے دونوں سروں پر ایک ایک دیوار دوز بلند مینار ہے جو برجوں کو سہارا دیئے ہوئے ہے ان پر برجیاں تو ہیں مگر کلس نہیں ہیں خدا معلوم بننے کے بعد گر گئے یا بنے ہی نہیں۔ مسجد کی پچھیت کی دیوار میں بھی تینوں محرابوں کے جواب میں زمین سے آٹھ آٹھ فیٹ اونچا ایک طاق بنا ہوا ہے اس مسجد کی دیواروں پر بھی مختلف رنگ کا کام اور سنہری کام تھا جس کی جھلک بعض بعض مقامات پر اب بھی نظر آتی ہے۔ اور ادھر اُدھر کے حصے بیچ کے حصے سے دو محرابوں کے ذریعے سے جدا کر دیئے گئے ہیں۔ ان محرابوں کے پاکھوں اور اندرونی رُخ پر نہایت نفیس نقش و نگار بنے ہوئے ہیں اور بہت کچھ رنگ آمیزی اور سنہری کام تھا چنانچہ اب تک بھی کچھ کچھ باقی ہے۔ اس مسجد کا ممبر جہاں تھا اُس کا صرف نشان رہ گیا ہے ممبر ندارد۔ یہ مسجد ملیٹری (فوجی) حدود میں ہے اذان کا حکم نہیں نماز کوئی اکا دکا کبھی کبھار پڑھ لیتا ہے عمارت کا طرز بتلا رہا ہے کہ کم سے کم اس کا احاطہ ضرور رہا ہوگا مگر اب وہ بھی نہیں۔ مسجد کا اندرونی تمام حصہ سخت مرمت کا محتاج ہے گنبدوں کے اندرونی استرکاری جھڑ گئی اینٹوں نے دانت نکوس دیئے۔ جابجا سے استرکاری کے کھپرے کے کھپرے اُتر گئے۔ اب یہ مسجد بالکل گنجی گنجی اور ننڈی ہے۔ سرسید نے لکھا ہے کہ دراس مسجد کے بائیں طرف ایک کاٹ کا دالان بنا ہوا تھا اور اس میں تبترکات رکھے تھے اور ہر برس اُن کی زیارت ہوتی تھی اور دائیں طرف بہت

خوب صورت حوض اور اُس میں فوارہ لگا ہوا تھا اُس حوض میں اُس کنوئیں میں سے جو اس مسجد کے متصل ہی پانی آتا تھا اور اب بہ سبب بے مرمت ہونے کے پانی نہیں آتا اور فوارہ نہیں چھوٹتا" کنواں تو خیر ہی مگر کاٹ کا دالان کیا ٹک سکتا تھا۔ تبرکات خدا جانے کہاں رُل رلا گئے۔ حوض کا نشان ڈھونڈے بھی نہیں ملتا غالباً پاٹ دیا گیا۔ سرسید نے چشم دید حالات بہتر برس پہلے لکھے ہیں اس مدت مدید میں ساری کایا پلٹ ہوگئی۔ دروں کی پیشانی پر سنگ مرمر کی پانچ تختیاں لگی ہوئی ہیں جن پر سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے یہ اشعار کندہ ہیں۔

شکر حق در عہد احمد شاہ غازی بادشاہ
خلق پرور داد گر شاہان عالم راپناہ

مسجدے کردہ بنا نواب قدسی منزلت
باد دایم فیض عام آں ملایک سجدہ گاہ

سعی نواب بہادر صاحب لطف و کرم
ساخت تعمیرش چنیں جاوید عالی دستگاہ

چاہ و حوض صاف صحنش آب بر روز مست
ہر کہ از آبش طہارت کرد شد پاک از گناہ

سال تاریخش چہ خورم یافت از الہام غیب
مسجد بیت مقدس مطلع نور الہ

اس قطعہ میں دو نام آئے ہیں ایک نواب قدسیہ بیگم کا جو اس مسجد کی بانیہ تھیں اور دوسرا نواب بہادر کا جن کے زیر اہتمام و نگرانی مسجد کی تعمیر ہوئی۔ نواب قدسیہ بیگم احمد شاہ کی والدہ تھیں جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ ایک بازاری عورت تھیں (دروغ برگردن راوی) جو اوائل زمانِ سلطنت محمد شاہ میں (۱۱۳۴ھ۔۱۷۱۹ء) حرم شاہی میں داخل ہوئیں اور جن کو ادھم بائی کا خطاب ملا اور مدتوں تک بادشاہ کی منظور نظر رہیں لیکن چوں کہ زمانہ یکساں نہیں رہتا تقدیر نے پلٹا کھایا اور وہ بادشاہ کی نظروں سے گر گئیں اور اس قسم کی بندش کی گئی کہ اُن کو بیٹے محمد شاہ سے بھی ملنے کی اجازت نہ تھی لیکن یہ حالت چند ہی دنوں رہی پھر تو احمد شاہ کے تخت نشین ہوتے ہی بیگم صاحب کا نیر اقبال ایسا چمکا کہ آپ کا مرتبہ سب بیگمات سے برتر ہو گیا۔ آپ کو پچاس ہزاری منصب ملتا تھا۔ نواب بہادر جاوید خاں سے بیگم صاحب کے بڑے گہرے روابط تھے انھیں کی وساطت سے بیگم صاحب رفتہ رفتہ مہام سلطنت میں ایسی دخیل ہوئیں کہ بادشاہ تو برائے

نام ہی رہ گیا اور سارا کاروبار یہی دو شخص کرتے تھے نتیجہ اس بلند پروازی کا یہ ہوا کہ ابتری پھیلی اور احمد شاہ مع اپنی ماں کے مقید ہوا اور بیگم صاحب کحول کی گئیں۔ باوجودیکہ قدسیہ بیگم ایک معمولی عورت تھیں لیکن اوصاف حسنہ سے متصف تھیں وہ محمد شاہ کی بیگمات اور بچوں پر بڑی مہربانی اور شفقت فرماتی تھیں۔ محمد شاہ کے عہد کا سب سے بڑا خواجہ سرا جاوید خاں تھا جس کے سپرد تمام محلات شاہی کا انتظام تھا۔ اگرچہ جاوید خاں نہ لکھا تھا نہ پڑھا لیکن احمد شاہ کا تخت پر بیٹھنا تھا کہ اُس کا طوطی بولنے لگا۔ دیوان خاص کی داروغگی کی خدمت اور شش ہزاری منصب سے سرفراز ہوا۔ احمد شاہ کے باپ کے زمانے میں لوگوں نے بیگم صاحب اور جاوید خاں کے تعلقات کے نظر کرتے بیگم صاحب کو متہم بھی کر دیا۔ محمد شاہ کے مرنے سے میدان خالی ہو گیا جاوید خاں بیگم صاحب کی آڑ میں حکمرانی کرنے لگا اور خلاف دستور محلات میں رات کو بھی رہنے لگا۔ جاوید خاں کی بیباکانہ حرکات سے امرا بہت برآشفتہ تھے سب نے سازش کر کے آخر کار اُس کو جان سے مروا دیا۔

بگوا باڑی اور بگوا بیگم کی قبر

ہر نفس آئینہ دل سے یہی آتی یہ صدا
خاک تو ہو جا تو حاصل ہو جلا میرے لیئے

سنہری مسجد کے تعقب میں پریڈ گروُنڈ پر بگوا باڑی ہے۔ باڑی کا لفظ باغیچہ پر دلالت کرتا ہے کہ پہلے یہاں کوئی باغ تھا اب زمانے کی گردش سے صرف ایک زنانی قبر بچ رہی ہے جس کا تعویذ سنگ مرمر کا ہے جس کے اطراف ایک ہاتھ بلند ٹوٹا پھوٹا احاطہ ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قبر بگوا بیگم دختر محمد شاہ بادشاہ کی ہے۔ غدر سے پہلے یہ مقام بیگم صاحب کے نام پر سے "بگوا باڑی" کہلاتا تھا۔ یہاں ایک خانہ باغ بھی تھا اور یہاں خاندان شاہی کے لوگ رہا کرتے تھے اور اسی کے پاس گزر راج گھاٹ کا تھانہ تھا۔ اسی مسجد کے مشرق میں ایک اور قبر ہے جو خدا معلوم کس کی ہے قبر کے تعویذ پر مٹا مٹایا یہ کتبہ ہے:- آیتہ الکرسی۔ درود شریف کے بعد .... بیست و نہ سالہ و چہار ماہ سنہ ۱۱۴۱ھ بتاریخ ششم رجب (مطابق ۵ فروری سنہ ۱۷۲۹ء)

خاص بازار

مجلس یاراں پریشاں شد زباد تند دہر
برگ ریزی گوئی اندر گلستاں آمد پدید

جامع مسجد کے شرقی دروازے کے سامنے اس نام کا بازار تھا نہایت وسیع اور دل کشا اور سیدھا۔ اس بازار میں سب طرح کے سودے والوں کی دکانیں تھیں خصوصاً ترکاری بیچنے والے بہت بیٹھتے تھے اور ہمہ اقسام کی ترکاریاں ملتی تھیں غدر کے بعد سب ڈھا کر میدان صاف کر دیا گیا۔ جامع مسجد کے اس دروازے سے لے کر قلعہ کے دلّی دروازے کی طرف جو سڑک جاتی ہے اور سڑک خاص کہلاتی ہے یہ اُسی اُجڑے ہوئے بازار کی نشانی ہے۔

خانم کا بازار

لکھ کر ہمارا نام زمیں پر مٹا دیا
اُن کا تو کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا

خاص بازار میں سے خانم کے بازار اور خاں دوران خاں کی حویلی کو رستہ جاتا تھا۔ خانم کا بازار بھی ایک بہت بڑا اور پُر رونق بازار تھا جو قلعے کی فصیل کے برابر سراوگیوں کے مندر تک چلا گیا تھا جہاں اب ٹھنڈی سڑک ہے۔ یہ سارا میدان بھی صاف ہو گیا۔ غرض یہ کہ جامع مسجد کے دروازۂ شرقی کے محاذ میں جو صاف اور چٹیل میدان نظر آتا ہے یہ حصّہ فوجی اغراض اور دور اندیشی سے عمارات سے صاف کر دیا گیا اسی میں اب ایڈورڈ پارک بنا ہے اور پریڈ گراونڈ ہے۔ جلسوں کے مواقع پر اسی میدان میں آتش بازی چھوڑی جاتی ہے۔ تماشے وغیرہ کی کمپنیاں یہیں اپنے پنڈال بناتی ہیں۔ قواعد پریڈ بھی اسی میدان میں ہوتی ہے۔

سعداللہ خاں کا چوک

گنبد گردندہ وفا کی کند
وای بروکیں طمع ازوی کند

سعداللہ خاں شاہجہاں کے وزیر تھے۔ یہ چوک بہت نفیس اور لطیف پُر رونق جا ہے تھی اور کیوں نہ ہوتی کہ وزیر اعظم کے نام نامی سے منسوب تھی۔ اور

یہ شعر صادق آتا تھا۔ ؎

وزیر سے چنیں شہریارے چناں جہاں چوں نہ گیرد قرارے چناں

غدر کے پہلے تک یہ چوک قایم تھا اور بڑی رونق اور چہل پہل کا مقام تھا۔ اب ہو کا میدان ہی جدھر دیکھو سنسان ہی۔

حوض لال ڈگی
سنہ ۱۸۴۶-۴۷ء

بگر بہ گفت کہ آمد بسے ستارہ بچشم
ستارہ کہ مرا یاد بہ بچشم نیامد

خاص بازار کے آگے قلعے کی فصیل کے نیچے جس مقام پر اگلے زمانے میں گلابی باغ تھا وہاں سرکار دولت مدار انگریزی کی طرف سے ایک چشمۂ فیض بنا ہی جو چشمۂ آفتاب و ماہتاب پر فوق لے گیا ہی۔ اس حوض کو سرتا سر سنگ سرخ کا بنایا ہی اور اسی سبب سے حوض لال ڈگی کہلاتا ہی۔ اس کے چاروں کونوں پہ چار برج کٹہرے دار بہت خوش نما تھے اور دونوں طرف عرض میں سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ یہ حوض بموجب حکم لارڈ الن برو (سنہ ۱۸۴۲-۴۴ء) گورنر جنرل کشور ہند پچاس ہزار روپیہ کے اصرف سے بنا تھا جس کا طول ۵۰۰ فٹ۔ عرض ڈیڑھ سو فیٹ عمق دس گز ہی۔ نیچے حوض کا پانی اوپر درختان سایہ دار کی گنجانی کچھ عجیب لطف دکھاتی تھی۔ اس میں نہر سے پانی آتا تھا وہ نہر بند ہو گئی حوض سوکھا پڑا ہی۔ چاروں کونوں کے برج بھی گر گرا گئے اب کچھ بھی لطف نہ رہا۔

کمپنی باغ جرنیلی حال لیڈی ہارڈنگ پرون باغ یا زنانہ باغ

باغ زر آراستہ شد جائے یار
کردہ بر او ابر جواہر نثار
بستہ بسے دستۂ گل دل فریب
کوشش صد دستہ نمودہ بہ زیب

سامنے سڑک کے دوسری طرف شرق کی جانب کمپنی باغ جرنیلی کا دروازہ ہی جو غدر کے بعد بنا ہی۔ گو یہ باغ کچھ ایسا بڑا نہیں مگر رونق اور بہار اور آراستگی کے اعتبار سے کسی سے کم بھی نہیں خوش نما گملوں کی قطاریں۔ جا بجا دروازے اُن پر بیلوں کی

نقشہ لال ڈگی
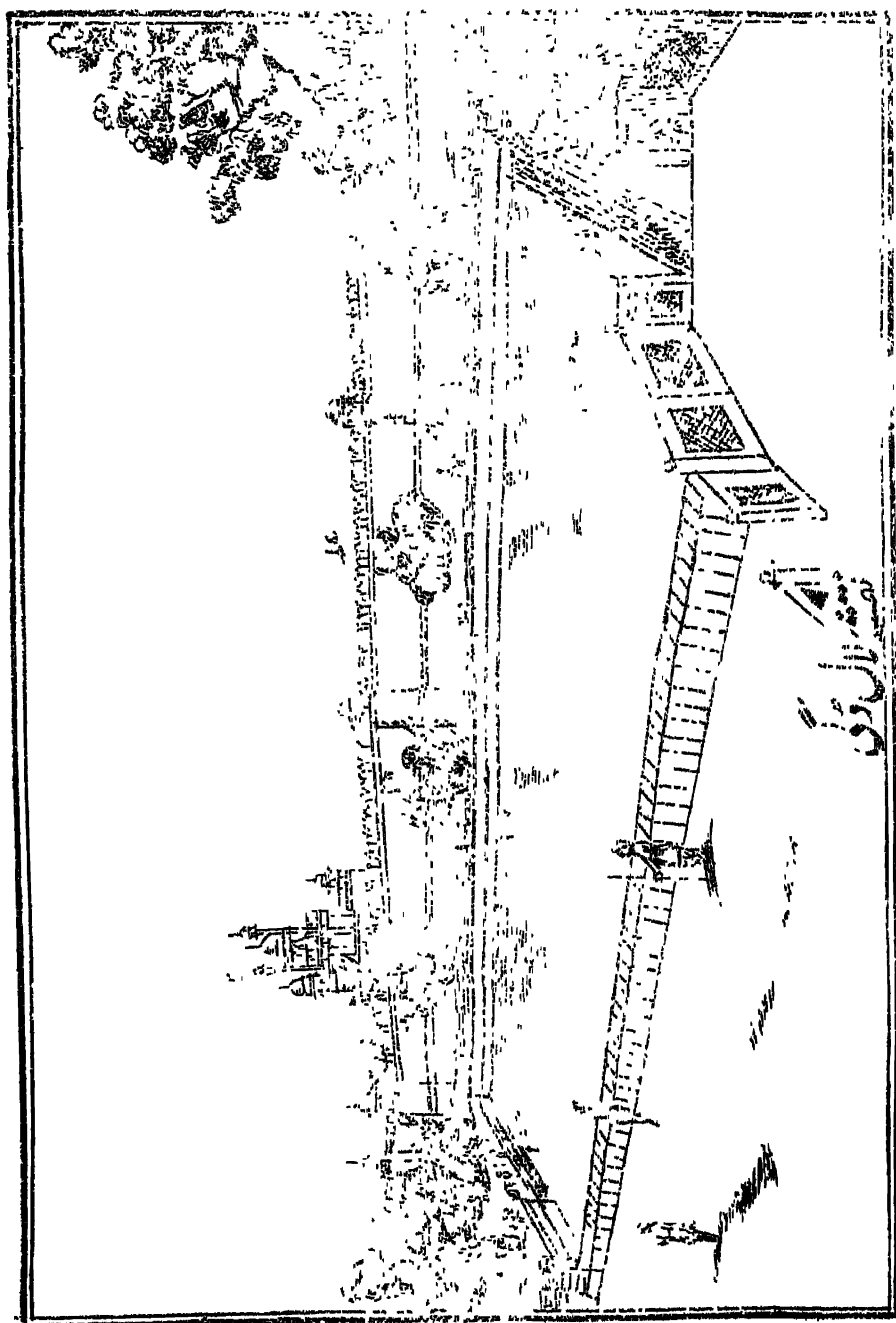
بہار ہیں تفریح اور سیر کے لیئے ایک اچھا مقام ہی۔ گیند بلے کے فیلڈ اور ٹنس کورٹ دل بستگی کا سب ہی کچھ سامان ہی۔ اب یہ زنانہ باغ کر دیا گیا ہو جس کے گرد پردے کے واسطے پختہ دیوار اور کہیں کہیں جعفری کی ٹٹیاں لگا دی گئی ہیں۔ یوں تو روز کھلا رہتا ہو مگر عام طور پر پیر کے دن ہر قوم کی مستورات کثرت سے جمع ہوتی ہیں۔ پردے کا ایسا گہرا انتظام ہی کہ پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ اس کے دروازے پر جس کے آگے غلام گردش کی دیوار ہی یہ نوٹس بخط انگریزی اور اردو لگا ہوا ہی۔ منجانب میونسپل کمیٹی نوٹس۔ "پردہ باغ سرکار کی طرف سے میونسپل کمیٹی کو مستورات شہر دہلی کی سیر و تفریح کے لیئے سپرد کیا گیا ہی بلا اجازت کمیٹی مذکورہ کسی مرد کو اس باغ کے اندر آنے کی اجازت نہیں ہی اگر کوئی مرد بلا اجازت اس میں داخل ہوگا اس پر فوجداری مقدمہ بابت مداخلت بے جا چلایا جاوے گا۔

دریا گنج قلعے کے دلی دروازے کے برابر پریڈ گرونڈ کے پاس سنہری مسجد کے سامنے ایک لمبی سڑک فیض بازار سے دلی دروازے تک چلی گئی ہی۔ اس سڑک کے مشرق جانب میں غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے ایک ڈاک بنگلہ تھا اور اُس ڈاک بنگلے کے مغرب میں بڑی بھاری اکبرآبادی مسجد شاہ جہاں بادشاہ کی بیگم صاحب کی تھی۔ یہ مسجد تو قلعے کے اطراف گولا اندازی کے لیئے میدان صاف کرنے کی نذر ہوئی۔ سنہری مسجد سے ایک سڑک راج گھاٹ دروازے کو بھی گئی ہی۔ اس سڑک کی ادھواڑ پر قدیم پروٹیسٹنٹ چیپل (گرجا گھر) اور اُس کے گرد عیسائیوں کا قبرستان تھا اب اُس مقام کا نشان بتلانے کو صرف ایک بڑی اونچی سنگ باسی کی صلیب بنادی ہی۔ سڑک اس سے آگے تک جہاں کٹنگ (درہ) تھا چلی گئی تھی لیکن یہ اغراض فوجی اس کٹنگ کو بھی بھروا دیا گیا ہی اس لیئے اب راج گھاٹ دروازے سے گاڑیوں کے آنے جانے کا رستہ نہیں رہا۔ اس سڑک کے جنوب میں شہر کی فصیل کے پاس بہت سے چھوٹے چھوٹے مکانات غدر کے اول تھے۔ ایک اُن میں سے اِن اینڈ سڑینبرٹ کمپنی کا مکان تھا جو گھوڑا گاڑی کا ٹھیکہ دار تھا اور چوں کہ کشتیوں کا پُل اس زمانے میں راج گھاٹ دروازے کے سامنے ہی تھا

گھوڑے گاڑی کے ٹھیکے دار کا یہاں ہر وقت رہنا مسافروں کی آرام و آسائش کا باعث تھا فصیل سے ملے ہوئے اور مکانات پادریوں یوریشین ۔ کلارکوں ۔ پنشن یافتہ لوگوں کے تھے جو اپنے بال بچوں سمیت یہاں رہتے تھے اُن سب کا صفایا غدر میں ہوگیا۔ چھاؤنی کا باغ راج گھاٹ کی سڑک کی سیدھی طرف تھا اور یہیں بنگال کی سفرمینا کی پلٹن (جو ۱۸۵۲ء میں رڑکی چلی گئی) رہتی تھی۔ اب اُن کے مکانات جھونپڑیاں وغیرہ سب صاف کردی گئیں۔ باغ کے مشرق کی طرف سڑک ایک دو منزلہ مکان کی طرف جاتی ہی جس میں غدر میں جھجر کے نواب صاحب رہتے تھے اسی کے پاس ہندوستانی پلٹن کا میس ہوس تھا یہ وہ مکان تھا جس میں پہلے فیروزپور کے نواب شمس الدین رہتے تھے اور اُن کے بعد علی بخش خاں رہنے لگے جنھوں نے دریا کے پیٹے میں ایک باغ بھی لگایا تھا۔ میس ہوس اور خیراتی دروازے کے بیچ میں زینت المساجد ہی۔ خیراتی دروازے کے آگے پلٹن کی ہسپتال تھی جس میں عین اُس دن تک جب کہ غدر ہوا رئفل کمپنی اٹھائیسویں لیٹ انفنٹری (پیدل پلٹن) کا پہرہ تھا۔ اس کے پاس مکان نمبر(۵) ہی جس کا دروازہ آڑ میں ہی۔ اس مکان کے باغ کے احاطے میں بادشاہی فوج کے "دیل آف آرمز" بنے ہوئے ہیں۔ یہ مکان ایک پرانی بارہ دری تھی جس میں بعد میں اور کمرے بڑھا دیئے ہیں اسی میں راجہ کشن گڑھ رہتے تھے اور یہی وہی مکان ہی جہاں فریزر صاحب اُسی شام کو دعوت میں آئے تھے جس رات کہ وہ مارے گئے۔ غدر میں اس مکان میں مسٹر آلڈول گورمنٹ پنشنر رہتے تھے اُنھوں نے تھوڑے ہی لوگوں سے باغیوں کا خوب مقابلہ کیا۔ باغیوں کے ساتھ دلّی کے بدمعاشوں کا بھی ایک جم غفیر تھا۔ یہ لوگ کہیں سے کئی توپیں بھی اُٹھا لائے تھے وہ رات برابر مقابلہ رہا باغیوں کا مجمع اور زیادہ ہوگیا اور پانی کا ایک قطرہ محصورین کو نہ ملا آخرکار ان لوگوں نے جان بچاکر بھاگنے کی ٹھیرائی بمشکل مسٹر آلڈول اور ایک اُن کا لڑکا اُن کے نرغے سے جان بچاکر نکلے باقی سب پکڑ لئے گئے اور وہیں اُن کو مار کر اُن کی نعشیں خندق میں ڈال دیں۔ آلڈول کی میم صاحب اور اُن کی لڑکیوں کو پہلے قلعے میں گھسیٹ لے گئے تھے لیکن
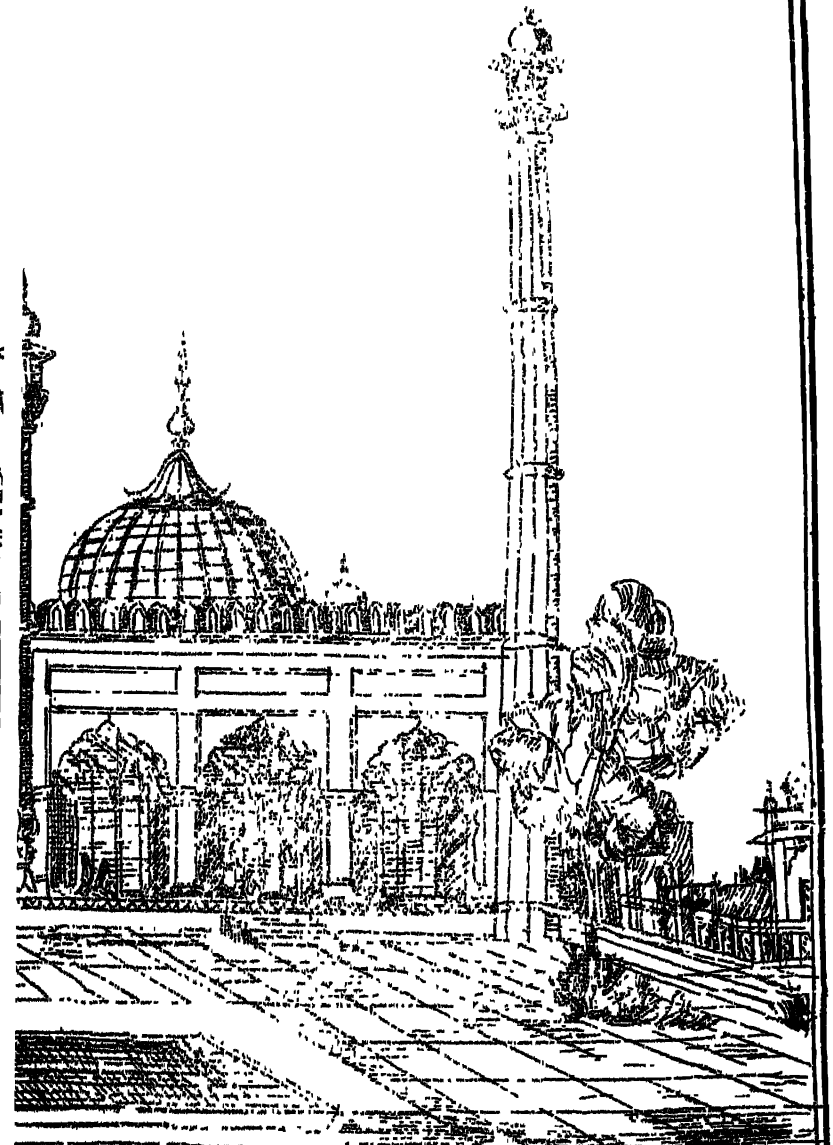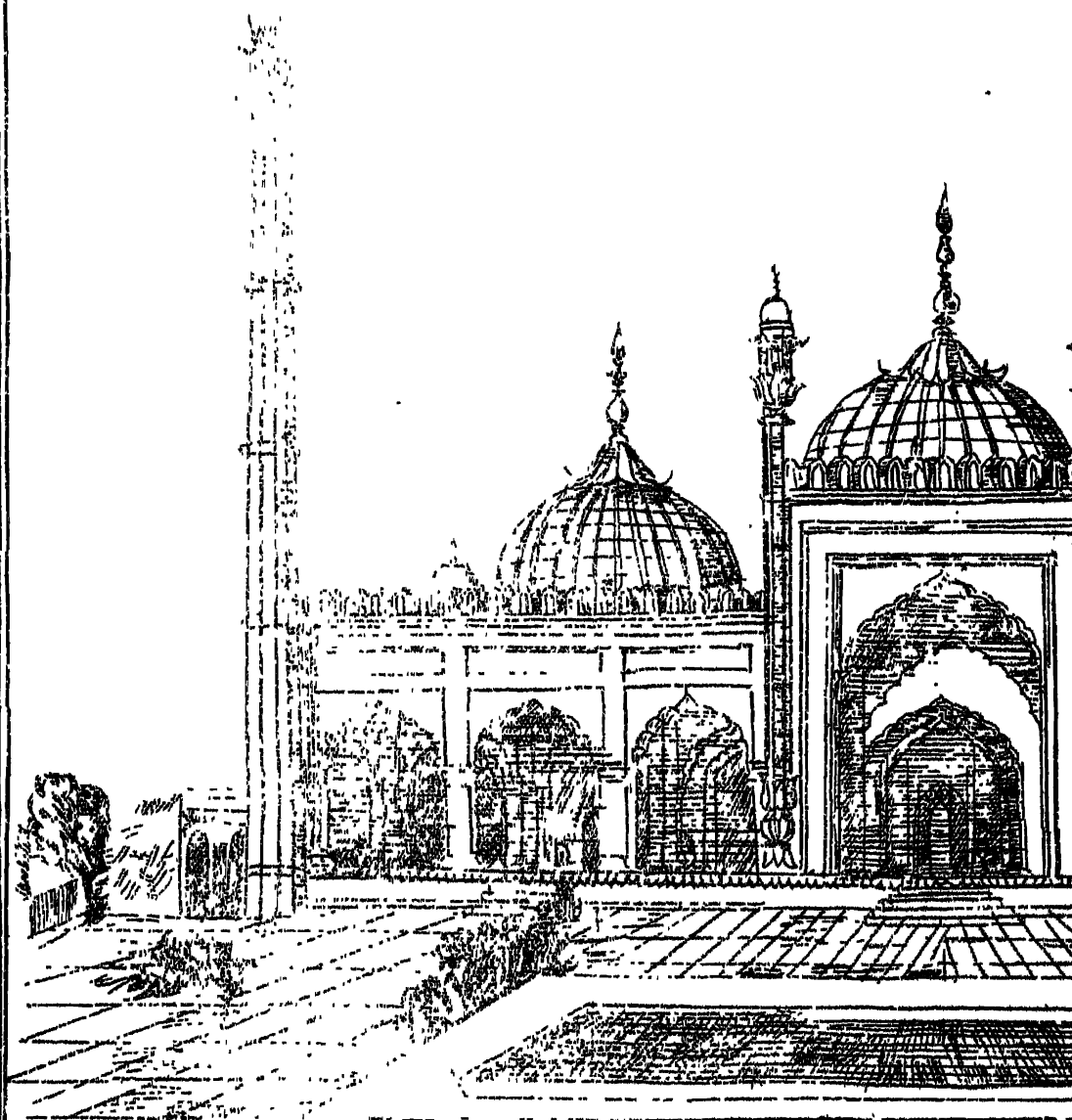
زینت المساجد

رشتۂ حیات مستعار باقی تھا ساری میں اور اُن کے ننھے ننھے بچے نقارخانے کے سامنے قتل کیے گئے مگر یہ وہاں سے بھی بچ کر نکل آئے۔ اس مکان کے محاذ میں قدرے بلندی پر ایک اور مکان ہے جس میں بلب گڈھ کا راجہ تھا۔
فیض بازار کے متعلق اور کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے سوا اسکے اس کے اس بازار میں ایک نہر رواں تھی۔ جس کی نسبت مشہور ہے فیروز شاہ کے عہد میں بنی تھی لیکن نہیں کھلا کہ اس نہر میں پانی کہاں سے آتا تھا۔

صلیب پر کا کتبہ

The Cross marks the site of the ancient cemetery of Duryagunge, and is dedicated to the memory of those whose remains lie round.
MDCCCXI
The dead men shall live together within,
My dead body shall they arise,
Awake and sing ye that dwell in this dust,
For the dew is as the dew of herbs
And the earth shall cast out her dead.

ترجمہ یہ صلیب دریاگنج کے قدیم قبرستان کی جگہ بتلائی ہے اور یہ اُن لوگوں کی یادگار کے نذر ہے جن کی نعشیں یہاں اطراف میں دفن ہیں سنہ ۱۸۶۱ء مردے سب ایک ساتھ مل کر زندہ ہیں اور میرے جسم مردہ کے ساتھ وہ بھی (حشر کے دن) اُٹھیں گے۔ تم جو خاک میں پڑے ہو جاگو اور گاؤ۔ کیوں کہ (قطرات) شبنم جھاڑیوں پر ہوتے ہیں اور زمین اپنے مردوں کو اچھال دے گی۔

زینت المساجد
سنہ ۱۱۱۹ھ
سنہ ۱۷۰۷ء

گرچہ از گردش دَوْرِ سپہر
تافتہ بر سرِ من ہیچو مہر
ور ہمہ آتش زنی از چار سو
روے نتابم ز تو ازیں ہیچ رو

محلہ دریا گنج۔ لب دریا سے جمن خیراتی گھاٹ یا مسجد گھاٹ دروازے کے پاس یہ مسجد ہے شہر شاہجہان آباد کی مسجدوں میں جامع مسجد کے بعد اسی مسجد کا شمار ہوتا ہے۔ اس مسجد کو

موقع اور محل ایسا ملا ہو کہ باید و شاید۔ یہ مسجد جمنا کے جنوبی کنارے پر ایسے مرتفع مقام پر بنائی گئی ہو کہ جمنا کے اُس پار سے جو عمارات شہر کا عجیب و غریب نظارہ ہوتا ہو اُس میں سب سے پیش پیش یہی دلکش عمارت ہو اس کے لال لال منارے دور دور سے دکھائی دیتے ہیں اور یہ مسجد کوسوں سے نظر آتی ہو۔ اول تو کرسی بہت بلند پھر دریا کی طرف اس کے آگے اور کوئی عمارت نہیں۔ یہ مسجد فصیل شہر سے کوئی تیس گز کے فصل سے دریا کی طرف سطح ارض سے چودھا فٹ بلند ہو مگر شہر کی طرف سڑک کے برابر ہو۔ اس مسجد نے خداداد حسن پایا ہو ادھر مسجد کی فضا اور منبت کاری اور پرچین سازی کی بہار۔ اور اُدھر سبزہ زار اور فصیل شہر سے دریا کا ٹکراتے ہوے بہنا اور موجوں کا بل کھانا عجب عالم دکھاتا ہو۔ واقع میں جیسی کیفیت اور لطف اس مسجد میں ہو بہت کم کسی مسجد میں ہوگا۔ سر سے پاؤں تک سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہو اور تینوں بُرج سنگِ مرمر کے ہیں اور اُن میں سنگ موسیٰ کی دھاریاں بنائی گئی ہیں تاکہ چشم بد سے محفوظ رہے اور بُرجوں پر نہایت خوش نما سنہرے کلس ہیں کہ اُن کی دمک آفتاب کی چمک کو مات کرتی ہو۔ مینار اس کے آسمان سے باتیں کرتے ہیں شمسہ اس کا فلک سے بھی گزر گیا ہو۔ اس مسجد کے سات در ہیں بہت خوش نما بیچ کا در بہت بڑا ہو اور ادھر اُدھر کے تین تین در چھوٹے صحن کے بیچ میں ایک حوض ہو دلربا مانند چشمۂ آفتاب کے اور پُر نور مثل ماہتاب کے۔ اس مسجد کے پاس ایک کنواں تھا کہ اُس سے پانی اس حوض میں آیا کرتا تھا اب وہ کنواں بند ہو گیا۔ دریا کے رخ پر اس چبوترے میں شرق رویہ شمال سے جنوب کی طرف تیرہ حجرے ہیں جن میں دو وسہا ہیں اور تین محراب دار حجرے باقی سنگیں چوکھٹ کی کوٹھریاں۔ یہ حجرے مختلف طول و عرض کے ہیں اور ان میں سے بعض میں ایک دوسرے میں رستہ ہو اور بعض میں نہیں ان کی بلندی سطح زمین سے صحن مسجد کے فرش تک چودہا فیٹ ہو اور اُس کے اوپر آدھ فٹ بلند کٹہرا۔ ان کوٹھریوں کے ہر دو جانب شمال و جنوب میں پختہ اور بلند محراب دار دروازے مسجد میں جانے کے ہیں جن میں بتیس بتیس سیڑھیاں ہیں۔ جنوب رخ کا دروازہ مسجد گھاٹ دروازہ فصیل کے پاس ہو اور شمال کی طرف کا دروازہ چُن دیا گیا ہو۔ ان دونوں دروازوں میں بھدی پٹ گئے

ہوئے ہیں۔ مسجد میں آنے جانے کا صدر دروازہ جنوبی ہی تھا جو لب سڑک ہی اور اب آنے جانے کے واسطے ایک چھوٹا دروازہ مسجد کی پچھیت کی دیوار میں نکال لیا گیا ہی جو شاید پہلے کھڑکی رہی ہو اُس کے جواب کا دوسرا دروازہ مسجد کے جنوب میں ہموار کر دیا گیا ہی یہ کوٹھڑیاں غالبًا خدام کے رہنے اور مسافرین کے ٹھیرنے کے لیئے بنائی گئی تھیں۔ اب بہت خراب حالت میں ہیں لوگ چوکھٹوں کے پتھر اُکھاڑ لے گئے ہیں اور بول و براز کرتے ہیں۔ یہ سب کوٹھڑیاں صحن مسجد کے خلا اندر بنائی گئی ہیں اور لداؤ کی ہیں اور اُن کے سامنے ایک نصف دائرے کا وسیع میدان فصیل شہر سے محصور ہی صرف جنوبی طرف ایک دیوار پختہ چونے گچی کی تیس فٹ لمبی اور کوئی دو گز اونچی ہی اس میں ایک چھوٹا سا دروازہ اس صحن میں آنے جانے کے لیئے رکھ دیا گیا ہی جس میں چوبی چوکھٹ اور کواڑ لگے ہوئے۔ یہ دیوار اُس زمانے کی نہیں ہی بلکہ حال کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہی۔ احاطہ کے شمال میں پالیس گز لمبی فصیل شہر چلی گئی ہی جس کے بعد فصیل کے باہر ایک بہت بڑا مدوّر برج جمنا کی ریتی میں ہی جس کے بیچ میں توپ پھرانے کا آہنی محور لگا ہوا ہی بنا ہوا ہی۔ فصیل کا اور اس برج کے بیچ میں غالبًا خندق تھی جو اب بھر گئی ہی اور اب اس میں پتھر کی کریلیں پٹاؤ پڑا ہوا ہی۔ اس برج کے محاذی اندروار کو احاطے میں ایک رپٹ بنی ہوئی ہی۔ مسجد کے محاذ میں شرق کی طرف یہی فصیل ۵۳ گز تک اس احاطے میں شامل ہی اور اس مقام سے وہی پختہ دیوار کھینچ دی گئی ہی جس کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں فصیل آگے کو چلی گئی ہی اور یہیں قریب میں مسجد گھاٹ دروازہ ہی۔ صحن مسجد ایک سو پچانوے فیٹ لمبا اور ایکسو پندرہ فیٹ چوڑا ہی جس میں سنگ سرخ کے چوکے بچھے ہوئے ہیں اور جس میں سے شمال کی طرف کے کچھ چوکے اکھاڑ بھی لیئے گئے ہیں۔ یہ مسجد بہت کس مپرسی کی حالت میں ہی اس سبب سے چوکوں کی درازوں میں جا بجا گھاس اُگ آئی ہی۔ صحن مسجد کے وسط میں ایک مستطیل حوض تینتالیس فیٹ لمبا اور تینتیس فیٹ چوڑا اور چار فیٹ عمیق ہی جس کے اطراف ایک پتلی سی نالی بنی ہوئی ہی اور چو طرف کوئی پانچ فیٹ چوڑے اور ایک فٹ بلند چبوترے پر سنگ مرمر کا حاشیہ لگا ہوا ہی حوض کے اندر پہلے سنگ مرمر کی

بندش تھی اب اُن سلوں کا پتہ نہیں اور اب حوض چونے گچی کا پختہ بنا دیا گیا ہی مسجد کے
صحن کے چاروں طرف سنگِ سُرخ کا دو فیٹ اونچا کٹھرا ہی جو شمال کی جانب کچھ
اُکھڑ گیا ہی۔ مسجد ایک سو پچاس (۱۵۰) فیٹ لمبی اور ساٹھ (۶۰) فیٹ چوڑی ہی اور صحن سے کرسی
چار فٹ اونچی ہی۔ اس مسجد میں سات در بنگڑی دار محرابوں کے ہیں بیچ کے در کے
روکار پاکھوں اور پیشانی پر چوڑی چوڑی سنگ مرمر کی پٹیاں بہت خوش نما معلوم
دیتی ہیں۔ جو فرش مسجد سے ڈیڑھ گز اونچی ہیں بیچ کے در کو چھوڑ کر باقی محرابوں کے
روکار پر جامع مسجد کی طرح کی سنگ مرمر کی لمبی لمبی تختیاں نصب ہیں اور خیال کیا جاتا ہی
کہ ان پر کتابے کندہ کرانے مقصود تھے جو رہ گئے بیچ کا گنبد اٹھارہ فیٹ بلند
ہی سنگ مرمر کا گردنہ بارہ (۱۲) فیٹ کلس سات (۷) فیٹ سب ملا کر گنبد کی بلندی سینتیس (۳۷)
فیٹ ہی۔ ادھر اُدھر کے گنبد چھت سے تیئیس تیئیس (۲۳) فیٹ بلند ہیں جن کے گردنے
آٹھ (۸) فٹ اور گنبد سولہا اور کلس چھ (۶) فیٹ اونچے ہیں۔ مسجد کے ہر دو جانب بڑی
بڑی چار کھنڈ کی سو سو فیٹ بلند مینار ہیں جن کے اوپر سنگ سُرخ کی بُرجیاں
ہیں اور اُن کے سب تینے سنگ مرمر کے آٹھ دروں پر استادہ ہیں اور اوپر سنہری
کلس ہیں۔ مسجد کے اندر کا دالان جو شمال و جنوب دونوں طرف کھلا ہوا ہی بہت چوڑا ہی
البتہ باہر کا دالان جس کی چھت مسطح ہی بمقابلہ اُس کے کم ہی۔ صدر دالان کی چھت
محراب دار ہی اور ان محرابوں ہی محرابوں پر جو بہت چوڑی ہیں گنبدوں کا بوجھ ہی۔
مسجد کا گنبد نما بیچ کا در ٹھہرا بنا ہوا ہی جس کے سامنے پانچ سیڑھیاں ہیں اور ایسی ہی
پانچ پانچ سیڑھیاں دونوں طرف کے بیچ کے در کے سامنے ہیں۔ یہ در (۴۲) فیٹ
بلند اور (۳۵) فیٹ چوڑا ہی جس کے اندر ایک اور محراب (۳۰) فٹ اونچی اور (۲۰)
فیٹ چوڑی ہی اور پھر اس کے اندر ایک محراب (۱۹) فیٹ اونچی اور (۱۲) فیٹ
چوڑی ہی۔ دوسری محراب جو مسجد کے دوسرے دالان میں ہے دائیں بائیں کھلی ہوئی ہی
جس سے اس دالان میں ادھر اُدھر جانے کا راستہ ہو گیا ہی۔ محراب کے دونوں
جانب دو پتلی پتلی مینار ہیں صحن مسجد سے (۵۰) فیٹ اونچی ہیں جن پر ہشت پہلو بُرجیاں
اور سنہری کلس ہیں۔ دونوں میناروں کے درمیان مسجد کی چھت پر جو سطح زمین
سے (۴۶) فٹ بلند ہی کنگورہ ہی۔ ادھر اُدھر کے چھوٹے در (۳۴) اونچے اور (۱۰) چوڑے

ہیں ان پر بھی کنگورہ ہے جو بیچ کی بیرونی محراب کے برابر اونچا ہے اور صحن مسجد سے (۲۴ فٹ) بلند ہے۔ ان دروں کی محرابیں (۱۲ فٹ) اونچی اور تیرہ فٹ چوڑی ہیں۔ ان کے فیل پائے تین تین فٹ چوڑے ہیں۔ صدر دالان میں مسجد کی پچھیت میں حسب معمول دیوار دوز محرابیں ہیں۔ درمیانی صدر دیوار دوز محراب جس کے پاس سنگ مرمر کا ممبر تھا (اب وہ بھی نہیں رہا) یہاں بحالت سکونت باہر وار کو ایک دروازہ پھوڑ دیا تھا اب وہ بند کر دیا گیا مگر اس کے آگے کی تین سیڑھیاں مسجد کے عقب میں موجود ہیں مسجد کے شمال اور مغرب میں پختہ سنگ بست سہ دریاں بنی ہوئی ہیں اور اب اسی میں آنے جانے کا دروازہ ہے۔ یہیں شمال و مغرب کے کونے میں ایک کوٹھڑی بھی ہے۔ اور یہیں سے چھت پر جانے کا ایک چکر دار زینہ بھی ہے جس کی پہلی منزل تک تیرہ سیڑھیاں ہیں اور پھر بارہ۔ او بجنسہ اسی طرح کا قطعہ مسجد کی دوسری جانب جنوب و مغرب میں بھی بنا ہوا ہے۔ یہ مکان غالباً امام۔ موذن۔ جاروب کش یا دیگر خدام مسجد کے لیئے بنا گئے تھے بزمان عمل دخل فوج اس مسجد کے نیچے مسجد کی پچھیت کی دیوار سے ملا ہوا ایک لمبا برآمدہ جس میں تین دروازے تھے بنا ہوا تھا۔ فوج سے جب تخلیہ کرایا گیا غالباً اسی وقت یہ برآمدہ نکال دیا گیا مگر تینوں دروں کے سامنے تین تین سیڑھیاں اور دروازوں کے نشان جن سے مسجد کی دیوار مجروح ہو گئی ہے باقی ہیں۔ مسجد کے پیچھے کچھ کھلی ہوئی زمین محصور کر کے لب سڑک ایک چوبی پھاٹک لگا دیا گیا ہے۔ اس صحن میں ایک پختہ سنٹری روم فوج کے قیام کی نشانی اب تک باقی رہ گئی ہے۔ چوں کہ یہ مسجد بعد غدر عرصہ تک سکونت کے کام میں لائی گئی ہے اس کے اندر جا بجا دیواریں اٹھا کر جدا جدا کمرے بنا لیئے تھے اب غالباً یہ دیواریں لارڈ کرزن کے زمانے میں نکال دی گئیں۔ اسٹیفن صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ "مسجد کے عقب میں چار سنگ مرمر کے کشادہ برج تھے" افسوس ہے کہ اب ان کا کہیں پتہ نہیں اور چوں کہ اس مسجد میں زمانے نے توڑ پھوڑ کی گئی ہے حتی کہ **زینت النسا بیگم** کا مقبرہ بھی اسی زمانے میں بہ اغراض فوجی ڈھا دیا گیا ان کا کون پرسان حال تھا سر سید نے آثار الصنادید میں جو غدر سے پہلے کی ہے لکھا ہے کہ "زینت النساء بیگم کا مدفن بھی اسی مسجد کے صحن میں شمال کی طرف ہے چنانچہ اس کی قبر کے پاس ایک چھوٹا برج تبرکات رکھنے کا بنا ہے۔

اُس کے نیچے دو مجحر ہیں ایک مجحر سنگ باسی کا ہی اور اُس کے اندر ایک مجحر ہی سنگ مرمر کا اُس میں فرش بھی سنگِ مرمر کا ہی اور قبر کے سرہانے کتبہ ہی جو آگے درج کیا جاتا ہی۔ اب اِن عمارتوں کا کہیں پتہ بھی نہیں۔ اس مسجد میں ایک عرصہ تک توپ خانہ رہا پھر برسوں تک اس میں گوروں کا روٹی گودام بھی رہا جس سے رہی سہی رونق بھی جاتی رہی۔ زینت النسا بیگم نے اپنی قبر احاطۂ مسجد میں اپنے حین حیات بنوائی تھی جس میں وہ ۱۱۲۲ھ میں مدفون ہوئیں۔ ایک قبر اب بھی صحن مسجد کے شمال میں ہی جو صرف چونے گچی کی ہی اور یہی بانیہ مسجد کی قبر ہی جس کے اطراف سنگ مرمر کا چھوٹا سا کٹہرا تھا اور لوح مزار پر کتبہ تھا جو اب نہیں رہا۔ ؎

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ اُن کی قبر پر باقی نشاں کچھ بھی نہیں

قل یا عبادی الذین اسرفوا علی	انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ
ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا	انہ ھو الغفور الرحیم
مونس ما در لحد فضل خدا تنہا بس است	سایۂ از ابر رحمت قبر پوش ما بس است
امیدوار حسن خاتمہ فاطمہ زینت النسا بیگم	بنت بادشاہ محی الدین محمد عالم گیر غازی
انا ﷲ و انا الیہ راجعون	سنہ ۱۱۲۲ ہجری

شاہ صابر بخش کی خانقاہ

سنہ ۱۲۳۷ھ
۱۸۲۱ء

طینتِ پاک مسلماناں گوہر است
آب و تابش از یم پیغمبر است

روشن الدولہ کی سنہری مسجد واقع قاضی واڑہ (دریبہ بازار) کے مقابل حضرت شاہ صابر بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ ہی آپ اکبر شاہ ثانی کے عہد میں ایک بڑے بزرگ اور چشتیہ خاندان کے برگزیدہ شخص تھے۔ آپ کے والد ماجد سید شاہ نصیر الدین ابن غلام سادات بن شیخ عبدالواحد عرف نواب بشارت خاں برادر زادۂ حقیقی قطب العارفین حضرت شیخ محمد چشتی قدس سرہ العزیز تھے۔ آپ نے بڑے بڑے مشایخ سے فیض باطن حاصل کیا اور اپنے جد امجد شاہ غلام سادات سے خلافت پائی۔ اور اُنھوں نے شاہ محمد نجیب

اُنھوں نے شیخ محمد چشتی سے اُنھوں نے شیخ ابراہیم رام پوری سے ۲۴ ربیع الاول ۱۲۳۷ھ چار گھڑی رات گئے آپ کا وصال ہوا اور اسی خانقاہ میں مدفون ہوئے ان کے بعد آپ کے صاحب زادے سید عبداللہ سجادہ نشین ہوئے اُنھوں نے ۲۲ شعبان ۱۳۰۴ھ (۲۷ دسمبر ۱۸۲۱ء) کو بہادر شاہ ثانی کے زمانے میں انتقال کیا۔ پھر سید امیر حسن اور سید مظفر حسین سلسلہ بسلسلہ سجادے ہوتے رہے۔ اب شاہ کرار حسین سجادے ہیں۔ بڑا عرس حضرت شیخ محمد صاحب کا تین دن ۲۴ محرم کو ہوتا ہے۔ ۱۱ رمضان کو حضرت غلام سادات کا اور ۱۱ ربیع الاول کو شاہ صابر بخش کا اور ۲۲ شعبان کو سید عبداللہ کا۔ یہ معمولی عرس کیا گویا فاتحہ خوانی ہوتی ہے۔ لب سڑک مسافر خانے کی کھڑکیاں کھلی ہوئی ہیں اور دیوار پر ایک نہایت بدخط کتبہ چونے میں کھدا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسافر خانہ ہمارے آقائے ولی نعمی کی جانب سے تعمیر پایا ہے "مسافر خانہ منجانب نواب میر محبوب علی خاں بہادر شاہ دکن دام ملکہ ۱۳۲۰ھ ہجری" صحن میں فرش چوکوں کا ہے جس کی ایک جانب حضرت کے مزار کا ایک چوبی پیویلین ہے جس کے تین تین در ہیں معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مزار شریف زیر سما تھا یہ چوبی قبہ بعد میں بنایا گیا ہے جو کچھ پائدار بھی نہیں۔ چبوترا دس فیٹ مربع اور سوا دو فیٹ اونچا ہے۔ نیچے کا حصہ سوا فٹ کا چونے پتھر کا ہے اور اس کے اوپر ایک فیٹ کا سنگ مرمر کا چبوترا ہے۔ جس پر دو قبریں ہیں داہنی طرف کی حضرت صابر بخش کی اور بائیں طرف آپ کے صاحبزادے سید عبداللہ کی۔ سرہانے کچھ جگہ چھوڑ کر سنگ باسی کی ایک لمبی لوح دیوار میں لگی ہوئی ہے جس پر بخط نسخ و نستعلیق نہایت خوش خط یہ کتبہ ہے جو بہادر شاہ ثانی نے نصب کرایا تھا

محمد اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قل یا عبادی الذین اسرفوا علے[1] انفسکم

لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب

جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم

[1] کتبے میں ایسا ہی لکھا ہے۔ علیٰ چاہیے۔ ۱۲

بادشاہا جرم ما را درگزار | ما گنہ گاریم تو آمرزگار
تو نکوکاری و ما بد کردہ ایم | جرم بے اندازہ بیحد کردہ ایم
بی گنہ نگذشتہ برمن ساعتے | با حضور دل نکردم طاعتے
بر در آمد بندۂ بگریختہ | آبروی خود ز عصیاں ریختہ
مغفرتؔ دارد اُمید از لطف تو | زانکہ خود فرمودۂ لاتقنطوا
بحر الطاف تو بے پایاں بود | نا اُمید از رحمتت شیطاں بود
نفس و شیطاں زد کریما راہِ ما | لطفِ تو باشد شفاعت خواہِ ما

یہیں تین در کی مسجد پختہ بنی ہوئی ہی لیکن اس مسجد میں تعجب ہی کہ مینار نہیں ہی۔ بیچ کے در کی پیشانی پر کلمہ طیبہ ہی۔ داہنی طرف کی محراب پر اذکروا اللہ کما ھداکم بائیں محراب پر اللہ۔ محمد۔ علی۔ فاطمہ۔ حسن۔ حسین بخط طغرا لکھا ہی۔ مسجد پرانی ہی مگر یہ کتبے ۱۳۱۳ھ نئے روشنائی سے لکھے ہوے ہیں۔ طغری میں ایک لفظ (بو) کا شروع میں ہی جو میری سمجھ میں نہ آیا۔ صحن میں ایک حوض ہی ۲۴ فٹ × ۱۸ فٹ دو فیٹ عمیق بیچ میں فوارہ ہی۔ صحن میں اِملی۔ نیم۔ جامن۔ کھرنی۔ گوندنی گولر کے درخت ہیں جن میں بعض بہت پرانے اور بڑے ہیں۔ اور یہیں ایک کنواں بھی ہی اور بجانب جنوب ایک مجلس خانہ دوہرے دالان کا سامنے برآمدہ پانچ در کا ہی جو قدیم نہیں بعد میں بنا ہوا معلوم دیتا ہی جیسا کہ مسافرخانہ بعد میں بنا ہی۔ مسجد سے ملا ہوا مسافرخانہ ہی جس کی چار کھڑکیاں سڑک کی طرف کھلی ہوئی ہیں۔ یہ مسافرخانہ لداؤ کا ہی جس کا ایک ہال ۲۲ فٹ × ۲۲ فٹ ہی اور ایک کمرہ لداؤ کا اس کے سوا ہی۔

روشن الدولہ کی دوسری سُنہری مسجد المشہور بہ قاضی زادوں کی مسجد

سنہ ۱۱۵۷ھ — ۴۵-۱۷۴۴ع

مسجد و دیر تو ئی کعبہ و بتخانہ یکے ست
ہر کجا گوش نہادم ہمہ غوغاے تو بود

یہ مسجد فیض بازار کے شمالی جانب محلہ قاضی واڑے میں لب سڑک واقع ہی جسے روشن الدولہ نے اسی نام کی چاندنی چوک والی مسجد (جو کوتوالی کے پاس ہی) کے چوبیس برس ۱۱۵۷ھ ۴۵-۱۷۴۴ع میں

نقشہ کعبہ
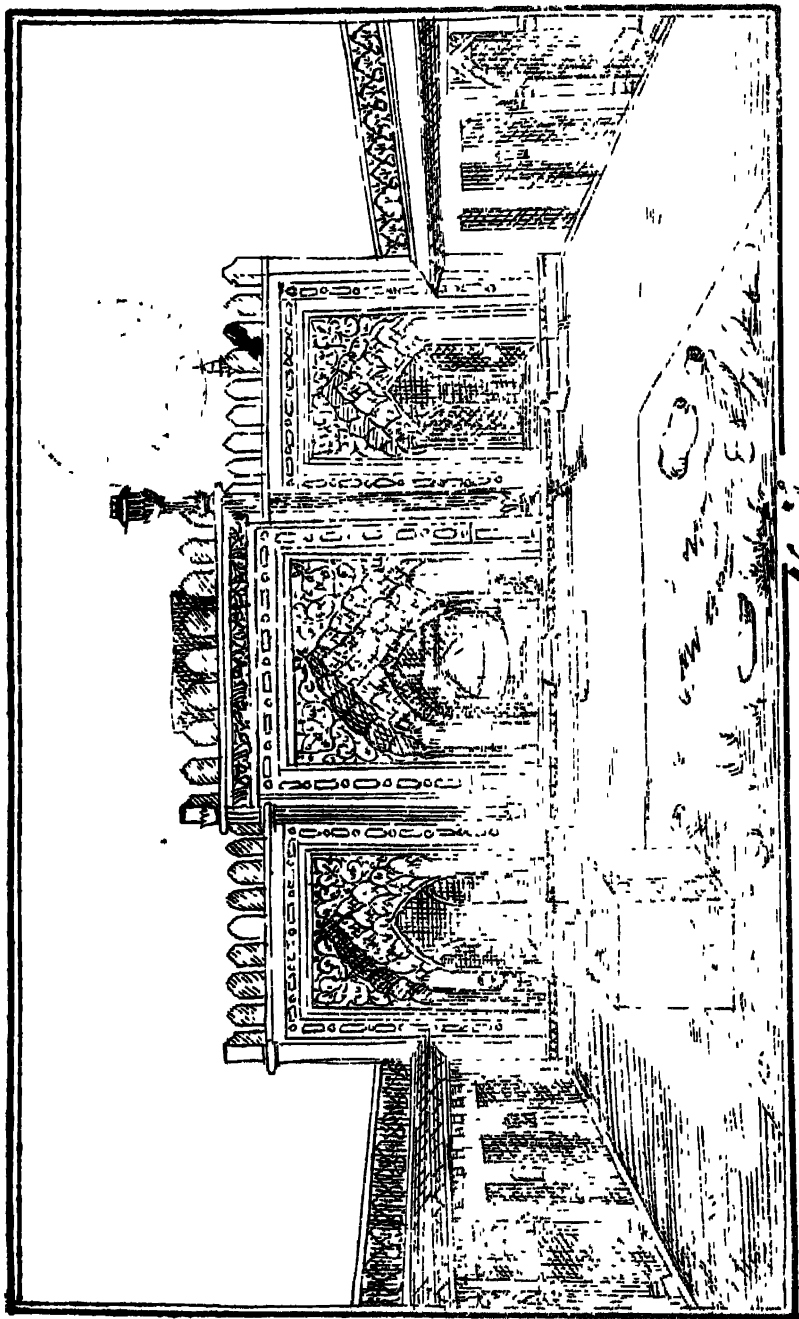
بنایا تھا۔ یہ مسجد فیض بازار کی سڑک سے نو فٹ اونچے چبوترے پر بنائی گئی ہے جو ۵۷ × ۳۲ فٹ ہے۔ صدر دروازہ مشرقی دیوار میں ۱۱ فٹ اونچا اور ۶ فٹ چوڑا اور چھ فیٹ گہرا ہے سات سیڑھیوں کا دوطرفہ زینہ چڑھ کر صحن مسجد میں داخل ہوتے ہیں چونے گچی کا ہے چھت پر چڑھنے کا بھی زینہ دونوں طرف کی بغلی دیواروں میں تیرہ تیرہ سیڑھیوں کا ہے مسجد کے شمال اور جنوب میں طلبا کے رہنے کے دالان بنے ہوئے تھے جن میں سے شمالی دالان تو گر گیا صرف ایک کوٹھڑی سڑک کے طرف کی کھڑی ہے وہ بھی گرنے والی ہو رہی ہے دوسری طرف کا دالان البتہ باقی ہے۔ مسجد تین در کی ہے جس کے دونوں طرف ایک ایک حجرہ امام اور موذن وغیرہ کے رہنے کے لیئے بنا ہوا ہے۔ اصل مسجد کا دالان ۵۵ فٹ × ۱۹ فٹ ہے مسجد کا ارتفاع چبوترے سے چھت تک ۲۴ فٹ ہے اور کنگورے سے اوپر تک اور ۱۸ فٹ بیچ کی محراب نو فیٹ چوڑی ہے اور ادھر ادھر کی آٹھ آٹھ فیٹ تینوں دروں کے سامنے دو دو سیڑھیاں ہیں مسجد کے تین گنبد ہیں۔ بیچ کا بڑا اور ادھر ادھر کے اُس سے چھوٹے۔ گنبدوں پر سنہری پتّر کا خول چڑھا ہوا تھا۔ اسی سے سنہری مسجد کہلاتی تھی۔ یہ خول اُتار کر کوتوالی کے پاس والی مسجد پر جڑ دیا گیا اور یہ گنبد بالکل ننگے بُچے رہ گئے حتی کہ اُن کو کلس تک بھی نصیب نہیں۔ نہ خول نکال لینے کے بعد کوئی پلاستر کیا گیا جس سے کچھ تو ان کی حفاظت ہو جاتی۔ دونوں مینار بھی ٹوٹ کر گر گئے صرف ٹھُنٹھ کھڑے ہیں۔ چھت پر کنگورہ اور بیچ کی محراب کے ادھر اُدھر دو چھوٹی بُرجیاں ہیں جن پر کنول کھِلے ہوئے ہیں۔ غرض مسجد بہت تباہ و خستہ حالت میں ہے۔ مسجد کے روکار پر ایک ہی لمبی سطر میں بخط نستعلیق نہایت خوش خط یہ کتبہ سنگ مرمر کی جدا جدا تختیوں پر ایک ایک مصرعہ کھود کر سنگ موسی سے حروف بٹھلا کر تختیاں جما دی گئی ہیں۔

شکرِ حق کز یمنِ فیضِ سیدِ عرفاں پناہ | شاہ بھیکہ آں مرشدِ کامل ولایت دستگاہ
در زمانِ شاہ اسکندر نشاں فغفور جمشید | معدلت گستر محمد شاہ غازی بادشاہ

یہ چاروں مصرعے ایک ہی سطر میں ہیں۔

روشن الدولہ ظفر خاں صاحب جود و کرم۔ کرد تعمیرِ طلائی مسجدِ عرش اشتباہ۔
مسجدے کاندر فضائے صحنِ قدرش آسماں۔ کردہ از خطِ شعاعِ مہر جاروبی پگاہ

حوضِ صافِ او نشان از چشمۂ کوثر دہد۔ ہر کہ از آبش وضو سازد شود پاک از گناہ۔
سالِ تاریخش رسائی یافت از الہامِ غیب مسجدے چوں بیت اقصیٰ مہبطِ نورِ الٰہ ۱۱۶۵ھ
مسجد میں اب تو کوئی حوض رہا نہیں پہلے تھا جو پاٹ دیا گیا۔
گویہ مسجد نواب روشن الدولہ ظفر خاں کی بنائی ہوئی ہو جو محمد شاہ کے زمانِ سلطنت میں طیار ہوئی مگر باقی نے شاہ بھیک کے نام پر بنائی تھی پہلے روشن الدولہ سے تعارف حاصل کیجئے پھر شاہ صاحب سے۔ روشن الدولہ کا اصلی نام خواجہ مظفر تھا۔ آپ خواجگان خاندان نقشبندیہ سے تھے۔ آپ کے دادا خواجہ محمد نصیر شاہجہاں کے زمانے میں ہندوستان میں تشریف لائے تھے کھجوے کی لڑائی میں جو اورنگ زیب اور سلطان شجاع کے درمیان ہوئی تھی شاہزادے شجاع کے محل کی حفاظت کرنے میں کام آئے۔ خواجہ مظفر کے باپ عبدالقادر کا واقعات تاریخی سے کچھ تعلق نہیں ہو وہ درویشانہ گزران کرتے تھے اور فرخ سیر کے عہد میں مر گئے۔ خواجہ مظفر نے پہلے پہل شاہ عالم بہادر شاہ اول کے فرزند رفیع الشان کی ملازمت اختیار کی ملازمت اختیار کی اور بڑھتے بڑھتے منصب پانزدہ صدی و پانصد سوار کو پہنچے اور ظفر خاں کا خطاب پایا۔ رفیع الشان کے بعد یہ ملازمت چھوڑ چھاڑ شاہ بھیک کی طرف رجوع ہو گئے۔ جب مشہور ہوا کہ فرخ سیر پٹنے سے جہاں دار سے لڑنے کو چلا آ رہا ہو تو یہ بتعمیل ارشاد شاہ صاحب فرخ سیر کے پاس چلے گئے اور سید حسین علی خاں کی بدولت جو ایک امیر ساداتِ[1] بارہ کے تھے بخشی سوم کے

[1] ضلع مظفر نگر میں کہ دوآبہ گنگ و جمن میں واقع ہو صدہا سال سے بارہ گاؤں مشہور چلے آتے ہیں۔ ان میں سادات کی آبادی ہو یہاں کے سید صحیح النسب اور بڑے بہادر تھے۔ سلاطین سلف کے عہد میں انھوں نے بڑے بڑے کارنامے کیے۔ اکبری فوج میں بھی دلاوری کے چہرے کو سرخ رو کرتے رہے۔ اول اُن میں سید محمود بارہہ تھے کہ پہلے سکندر سور کے ساتھ قلعۂ مانکوٹ میں محصور تھے جب اکبری فوج نے محاصرے کا دائرہ بہت تنگ کیا تو سردار ساتھ چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ یہ مع اپنے ہمراہیوں کے اکبری لشکر میں آ گئے اور ملازمت بادشاہی اختیار کی اُن کی خدمات جانفشاں نے منصب کا درجہ چلد ہزاری تک بلند کیا۔ اُن کے بیٹے سید ہاشم بارہہ بہادری منصب تک پہنچے تھے کہ شہادت کا منصب نصیب ہوا۔ سید عبدالمطلب، سید عبداللہ خاں بارہہ وغیرہ نامی سردار اُسی خاندان کے تھے۔ اور ہر میدان میں ایسے بے جگر ہو کر لڑتے تھے کہ اُن کی شجاعت آج تک ضرب المثل چلی آتی ہو۔ مرزا عزیز کوکلتاش کہا کرتے تھے کہ سادات بارہہ دولت اکبری کے فدائیں۔ از دربار اکبری۔ ۱۲

عہدے سے ممتاز ہوئے اور منصب پنج ہزاری و پنج ہزار سوار اور ظفر خاں رستم جنگ کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ جب فرخ سیر نے جہاں دار شاہ پر فتح پائی تو ان کا ستارہ اور چمکا ہفت ہزاری منصب اور ہفت ہزار سوار اور روشن الدولہ کا خطاب ملا۔ محمد شاہ کی بادشاہت میں بادشاہ کی رضاعی بہن (نام مآثر الامراء میں نہیں ہے) کے منہ چڑھ گئے۔ بیگم صاحب کو بادشاہ کے مزاج میں بڑا دخل تھا۔ روشن الدولہ کے خوب گھرے رہے خوب ہاتھ رنگے۔ محمد شاہ کا زمانہ آیا تو اور اُچکے اور "یار وفادار" کا خطاب اور بڑھا۔ یہ "طرہ باز خاں" کے نام سے بھی مشہور رہتے کیوں کہ جب ان کی سواری نکلتی تھی تو کئی کئی طرّے لگاتے تھے۔ غرض آدمی تھے بڑے سکّے جبڑے کے۔ لوگ ان سے خوش نہ تھے کچھ کچھ شکایتیں بھی سنی جاتی تھیں البتہ اتنی بات ضرور تھی کہ اخلاق کے پُتلے۔ خلق مجسم اور فقراء کے بڑے معتقد اور داد و دہش میں بڑھے چڑھے تھے۔ ان کا انتقال ۱۱۴۹ھ (۲۷-۳-۱۷۳۶ء) میں ہوا۔ شاہ بھیک صاحب کا اصلی نام سیّد محمد سعید تھا اور عرف سیّد میراں بھیک تھا آپ شاہ ابوالمعالی کے خلیفہ تھے۔ آپ کے آبا و اجداد کا وطن ترمذ تھا جہاں سے آپ کے مورث اعلیٰ سیّد زید ایک جماعت کثیر کے ساتھ ملک ہند میں کفار سے جہاد کرنے کو تشریف لائے تھے۔ پہلے آکر سیوانے میں اُترے وہاں کے راجہ نے آپ کو حالت نماز میں شہید کر ڈالا۔ آپ کے صاحبزادے راجہ سے خوب لڑے اور اُسے مار ہٹایا اور وہیں رہنے سہنے لگے سلطان شمس الدین التمش نے آپ کے صاحب زادوں کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ سُن کر اپنی ایک لڑکی بھی اُن میں سے ایک سے منسوب کی۔ شاہ بھیک صاحب بڑے صاحب کشف و کرامات تھے۔ آپ کے معتقدین کثرت سے تھے جن میں ایک روشن الدولہ بھی تھے۔ آپ کی ولادت ۹ رجب سنہ ۱۰۴۶ھ (۲۷ مارچ سنہ ۱۶۳۶ء) کو ہوئی اور (۸۴) سال کی عمر میں ۵ رمضان المبارک سنہ ۱۱۳۱ھ (۲۲ جولائی سنہ ۱۷۱۹ء) کو وصال ہوا۔

فیض بازار

ہر سو نہرے دراں گلستاں
خیزاں وفتاں چو فیل مستاں

سنہری [illegible] سے لے کر قلعہ کے نیچے تک یہ بازار تھا جو اب دلّی کے سارے [illegible] بازاروں میں سب سے زیادہ ویران ہے۔ اس بازار کی جو حالت زمانِ شاہی میں [illegible] نظر کرنے [illegible] کی [illegible] ری پر حسرت و افسوس آتا ہے۔ یہ ایک بازار تھا وسیع دو رویہ [illegible] دکانیں [illegible] دل [illegible] کشادہ جس کا طول ایک ہزار پچاس گز اور عرض تیس گز تھا ہر دو جانب [illegible] اونچے اونچے شاندار مکانات بیچ میں نہر بہتی ہوئی ایک نفیس حوض بنا ہوا۔ سایہ دار گھنے درخت چھائے ہوئے جن سے کچھ تازگی اور بہار تھی۔ سبزہ فروشوں کی دکانوں سے دائمی شادابی اور سرسبزی کا نمونہ تھا۔ اس نہر اور حوض میں بیبیانہ در شور پیچ و تاب سے مرغولیں کھاتا لہریں مارتا پانی رواں تھا یہ خوبی شہر میں اور کسی جگہ نہ تھی۔ حقیقت میں یہ باغ ایک بہشت کا ٹکڑا تھا اور اس خوبصورتی کی نہر کسی بازار میں نہ تھی۔ یہ تو اس زمانے کا مذاق تھا اب رت بدل گئی۔ باغوں اور گنجان آبادی کی جگہ اب کھلا میدان چھدری آبادی پسند کی جاتی ہے پس اب وہی حال اس [illegible] کا [illegible] ہے [illegible] کچھ کچھ مکان تو باقی ہیں باقی وہ رونق کہاں ؟

همه [illegible] آمد [illegible] رنگ گل و گلزار برفت　　سرخ روئی ز رخ لالہ و گلنار برفت
سرو بشکست و سمن زرد شد و نرگس خفت　　گو بروایں ہمہ چوں از بر من یار برفت

دلّی دروازہ
سنہ ۳۹-۱۶۳۸ء

یہ دروازہ شہر پناہ کا شہر جنوب رخ کا آخری دروازہ ہے۔ اس کا نام **دلّی دروازہ** اس وجہ سے پڑا ہے کہ یہ شہر میں داخل ہونے کا سب سے بڑا دروازہ یہی تھا۔ یہ دروازہ سادا اور معمولی پتھر کا بنا ہوا ہے اور اب تک قایم ہے۔ اب اس کے آگے دیوار روک کر رستہ ادھر ادھر سے نکالا گیا ہے۔

نواب صاحب پاٹودی کی مسجد اور کوٹھی

کہتے ہیں کہ جس وقت اول **شاہجہاں بادشاہ** تشریف لائے اور **کلاں محل** میں مقیم ہوئے تو عملے کے واسطے یہ مسجد بنوائی۔ غدر کے بعد **نواب صاحب پاٹودی** نے اس کے قریب زمین لی اور کوٹھی بنائی تو یہ مسجد نواب صاحب ہی کے نام سے مشہور ہو گئی۔ یہ مسجد نہایت خوشنما بنی ہوئی ہے اس میں چار حجرے اور بیچ میں ایک حوض نہایت پاکیزہ بنا ہے۔ مگر بالکل بے مرمت پڑا ہوا ہے ریاست سے بہت قلیل رقم ملتی ہے جس سے اس کی خدمت ہوتی ہے مسجد کے شمالی گوشے پر ایک کنواں ہے وہ بھی

بے مرمت پڑا ہوا ہے۔ اس مسجد میں ایک عربی کا مدرسہ شاہزادہ امیر الملک مرزا بلاقی صاحب کے اہتمام سے جاری ہے۔ اس مسجد کے جنوب میں نواب صفا صاحب کی کوٹھی ہے جو اب سلطان سنگھ صاحب نے خرید لی ہے۔

بیپٹسٹ مشن ہال ۱۸۸۵ء

پاٹودی کے نواب صاحب کی کوٹھی کے مقابل بیپٹسٹ مشن ہال ہے جس میں اس فرقے کے لوگ عبادت کرتے ہیں اتوار اور بدھ کو خاص کر کے جلسہ ہوتا ہے۔ یہیں پادری طامس صاحب اس کے مہتمم نہایت خلیق اور ذی مروت ہیں جیسے کہ اکثر پادری ہوتے ہیں۔ یہ عمارت ۱۸۸۵ء میں بصرف تیس ہزار روپیہ طیار ہوئی۔ اس عمارت کے متعلق ایک شفا خانہ ہے جس میں مفت علاج ہوتا ہے۔ جنوب کی طرف فیض بازار ہے دونوں طرف بازار بیچ میں نہر بہتی تھی۔ یہیں محلہ نقار خانہ ہے جو پہلے دروازہ کلاں محل کے نام سے مشہور تھا کوچہ پرمانند کوچہ دکھنی رائے اور ترکاری کی منڈی ہے پھر آگے مسجد روشن الدولہ ہے جو زیادہ تر قاضی زادوں کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ اب پھر بیچ راستے پر آئیے دریا گنج جانے والی سڑک پر چلیئے کونے والی مسجد سے ملا ہوا بیل کا کنواں ہے جس کا پانی بہت شیریں ہے اور لوگ دور دور سے آکر لے جاتے ہیں۔ پھر دریا گنج میں بیس سے بھی زیادہ کوٹھیاں ہیں جن میں فوج کے اور دوسرے انگریز رہتے ہیں۔

وکٹوریا زنانہ ہسپتال ۱۹۰۶ء

زیر جامع مسجد مچھلی والوں میں ایڈورڈ پارک کے مقابل یہ بہت بڑی زنانہ ہسپتال ہے جو اندرون شہر اور وسط آبادی میں ہونے سے عورتوں کے لیئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اس کی عمارت بڑی عالی شان۔ خوش نما اور وسیع ہے۔ اس کے رو کار پر وکٹوریا زنانہ ہسپتال انگریزی میں بخط جلی لکھا ہوا ہے اور پھاٹک کے ایک پاکھے پر انگریزی اور دوسرے پر یہی کتبہ اردو میں ہے۔ اس کتبہ میں آنریری انجنیر ایل بابو مل اور جملہ زر چندہ [illegible] اور اس کے نیچے مستورات کے زر عطیہ کی تعداد [illegible] بتلائی ہے اور اسم واری فہرست معطیان کی بھی دی ہے۔ دروازہ سے ایک پاکھے کی برجی کے نیچے اردو میں اور دوسرے پاکھے پر انگریزی میں بھی یہی کتبہ ہے۔

"بیادگار خدمات پادری ایس ایس طامس صاحب بحیثیت آنریری سکرٹری ہسپتال ہذا ۱۹۰۶ئہ"

ایڈورڈ پارک
سنہ ۱۹۱۱ئہ

شاد بمان خسرو جنت نشیں
باد بجانِ تو زحق آفریں

جامع مسجد کے محاذی اس نام کا ایک پارک بنایا گیا ہے۔ جس کا سنگِ بنیاد خود ملک معظم جارج پنجم قیصر ہند ادام اللہ اقبالہم نے رکھا۔ مجسمہ کے لیئے چبوترہ پارک کے وسط میں بن کر طیار ہے مگر ابھی تک مجسمہ ولایت سے بن کر نہیں آیا۔ جنگ یورپ کی وجہ سے دیر ہو گئی۔ اب چاروں طرف آہنی کٹہرے سے محاط کر دیا ہے اور چوطرف بجری کی سڑکیں ڈال کر ہریالی کے تختے بچھا دیئے ہیں غرض ابھی مکمل نہیں ہے جنوب میں ۹۲ فٹ شمال میں ۱۴۴ مشرق میں ۱۱۴ فٹ ہے اور جنوب کے سوا باقی تینوں طرف دروازے ہیں۔

مسجد اکبر آبادی
سنہ ۱۰۶۰ ھ
۱۶۵۰ ع

بت خانہ کھود ڈالیئے مسجد کو ڈھائیے
دل کو نہ توڑیئے کہ خدا کا مقام ہے

فیض بازار ہی میں یہ مسجد تھی جو غدر کے بعد ڈھایا ڈھوئی کی نذر ہوئی۔ محل وموقع اُس کا موجودہ ایڈورڈ پارک ہے جس وقت اُس کے لیئے زمین ہموار کی جانے لگی تو مسجد کا چبوترہ اور بنیادیں جوں کی توں مثل گنج نہاں کے زمین میں مدفون تھیں ویسے ہی ڈھک دی گئیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے خانۂ خدا اور یہ بے نظیر عمارت نظروں سے پوشیدہ ہو گئی۔ نقشہ اُس کا ملاحظہ فرمایئے اور آثار الصنادید سے اُس کی کیفیت سنیئے "یہ ایک مسجد ہے دل کش و دل ربا فرحت بخش وروح افزا سر سے پاؤں تک سنگ سُرخ کی اور اُس کے مکانات اور حجرے طالب علموں کے رہنے کے لیئے بنے ہوئے ہیں۔ ضلع غربی سے ملحق کرسی دے کر بنائی ہے جس کی رفعت وشان کے آگے گنبد اخضر پست ہے اور جس کی عظمت وجلال کے آگے ملاء اعلی گرد ہے۔ یہ مسجد فیض بنیاد اعزاز النسا بیگم محلِ شاہ جہاں بادشاہ نے ۱۰۶۰ ھ ۱۶۵۰ ع میں مطابق ۲۲ سنہ جلوس بنائی ہے۔ ان بیگم کا خطاب اکبرآبادی محل تھا اسی سبب سے یہ مسجد بھی اکبرآبادی مشہور ہو گئی ہے۔ اس مسجد کے تین گنبد
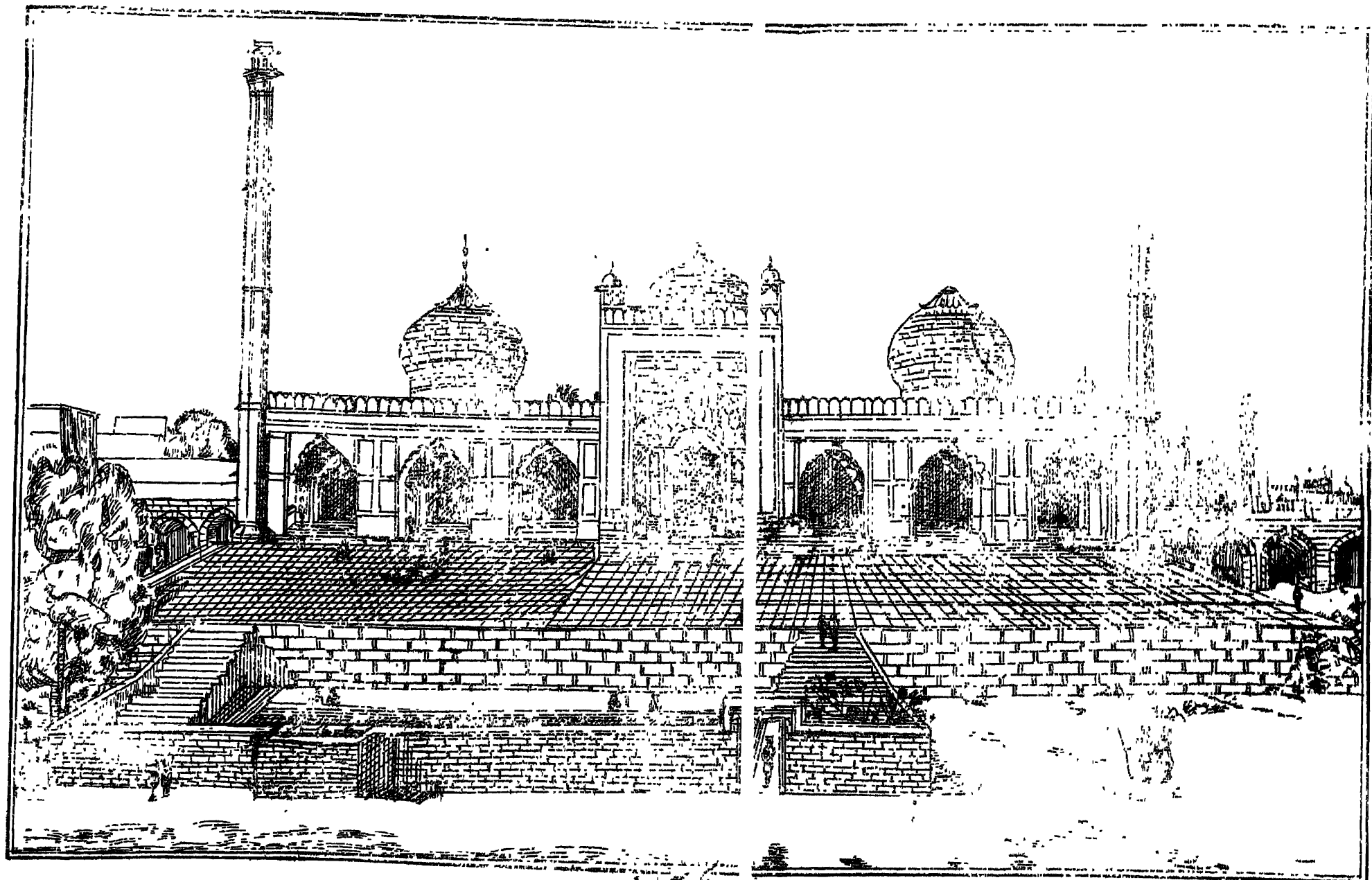
مسجد اکبر آبادی

اور سات در ہیں۔ مسجد کی عمارت ۴۲ گز طول میں اور سترہ گز عرض میں نری سنگ سرخ
کی اور اُس کا پیش طاق سنگ مرمر کا پرچین کار ہے اور اُس کے آگے ایک چبوترا
۴۲ گز طول ستاون گز عرض اور تین گز اونچا اس پر سنگ سرخ کا کٹہرا لگا ہوا ہے
اور اس کے آگے ایک حوض ۱۲ × ۱۲ گز کا چشمۂ آفتاب ماہتاب پر شرف لے جاتا
ہے اور نہر کا پانی اس میں آتا ہے۔ ؎ دراں صحن حوضے بصد آب وتاب۔ درخشندہ چوں
چشمۂ آفتاب۔ اس کے گرد حجرے بنے ہوئے ۴ ۱۵ × ۴ ۱۰ گز اور ہر حجرے
کے آگے ایک ایوان ہے اور اُس کے سامنے سرتاسر چار گز عرض کا چبوترا۔ اس
مسجد کے دو مینار ہیں بہت بلند من جملہ اُن کے شمالی مینار کی بُرجی کے صدمے سے
ٹوٹ گئی ہے۔ مسجد کے دروازے پر یہ کتبہ بخط نسخ یہ ہے۔

این مسجد فیض انتما و سرائے راحت جا و حمام لطافت اما چون دلکشا کہ عبادتگاہ
حق پرستان روزگار و راحت افزاے مترددان اقطار و نزہت کدۂ آسمانیان
و دار النفع زمینیان است در عہد سعادت مہد بادشاہ اسلام کہف انام سایۂ
والا پایۂ پروردگار خلیفۂ بزرگ یداللہ حق دگار رحمت اعم ذی الجلال
مظہر این د دادار بیہمال ابی المظفر شہاب الدین محمد صاحبقران ثانی
شاہجہان بادشاہ غازی پرستار خاص بادشاہی پرستندہ با اخلاص
ظل الٰہی موفقۂ خیرات و مبرات محرزۂ سعادات و حسنات اعز النسا
مشہورہ باکبرابادی محل بفرمان معلی بنا کرد و بجہت ابتغاے مرضاے الٰہی
اقتناے ثوابِ اخروی و حاصلِ سرہی محتوی بر مسجد با حقوق مرافق داخلہ
وخارجہ وقف لازم شرعی نمودہ مقرر ساخت کہ اگر مرمت این امکنہ
احتیاج افتد آنچہ از حاصل این موقوف بعد الترمیم باقی ماند بخدمۂ
مسجد و حمام و طلبۂ علم رسانند و الا تمام را بجماعۂ مسطورہ دہند
این منازل منیعہ در عرضِ دو سال بصرفِ صد و پنجاہ ہزار روپیہ
آخر شہر رمضان المبارک سال ہزار و شصت ہجری مطابق بیست
و چہارم جلوسِ عالم آرا صورتِ انجام پذیرفت این د تعالی اجرِ دین
خیر جاری و نفعِ باقی بروزگار فرخندہ آثار پادشاہ دین پرور حق گزین

حقیقت گستر بانیٔ این مبانی عامرۂ مغانی عائد گرداند آمین یا رب العالمین۔

سنگم تھیٹر

طرفہ عروسے شدہ آراستہ
آئینہ از آب رواں خواستہ

زیر جامع مسجد مچھلی والوں میں وکٹوریا زنانہ ہاسپٹل کے قریب ہی۔ یہ لالہ سنگم لال کھتری کا ہی جو دلی کے کل تھیٹروں میں بڑی عمارت ہی۔ اس میں بھی برقی پنکھے۔ روشنی اور تھیٹر کی کل ضروریات مہیا ہیں۔ اس میں ایک مرتبہ مسلم لیگ کا جلسہ ہوا تھا جس کے پریزیڈنٹ ہزہائنس سر آغا خاں بالقابہ تھے تھیٹر کے تماشوں کے سوا پبلک جلسے بھی اس میں ہوا کرتے ہیں۔

خان دوراں خاں کی حویلی یا کھڑکی

زیر جامع مسجد مچھلی والوں کے محلے میں یہ کھڑکی خان دوراں خاں وزیر محمد شاہ بادشاہ کی حویلی کی تھی اب کھڑکی کا ایک ٹوٹا پھوٹا دروازہ رہ گیا ہی۔ یہاں جو گلی ہو اُس میں متفرق مکانات بن گئے ہیں یہ گلی مولنا شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم کے مدرسے ہوتی ہوئی کلاں محل کے پیچھے سے کوچہ چیلاں ہوتے بنگش کے کمرے جا نکلی ہی۔

بازار مچھلی والاں

زیر جامع مسجد مچھلی والوں کا بازار ہی پہلے یہاں مچھلی والے کثرت سے رہتے تھے اور مچھلیوں کی منڈی تھی اس نام سے یہ بازار مشہور ہو گیا۔

مچھلی والوں کی مسجد

اسی بازار میں یہ مسجد ہی جس میں پچیس تیس برس تک مولوی عبدالرب صاحب مرحوم وعظ کہتے رہے۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں از سر نو تعمیر ہوئی اور میاں عبدالرزاق جنت فروش نے اس میں ایک سنگین حوض بنوا دیا۔

کٹرہ نظام الملک

مسجد کی پشت پر کٹرہ نظام الملک ہی اور یہیں منشی ظہور الحسن صاحب کا قومی پریس پہلے تھا۔ اب یہاں مچھلی کی منڈی ہی۔

شیخ منگلو کا چھتہ (جامع مسجد کے جنوبی دروازے سے چتلی قبر تک)

شیخ منگلو کون تھے کوئی جانتا بھی نہیں۔ جامع مسجد کے جنوبی دروازے کے سامنے یہ چھتہ ہے جس میں سے چوڑی والوں میں رستہ نکل جاتا ہے۔ اس چھتے کے پاس ہی۔

نواب فیض احمد خاں صاحب

کا دولت خانہ ہے۔ اللہ اللہ وہ بھی کیا زمانہ تھا کہ دلی نوابوں جنگ وولاؤں کا مخزن تھا یا آج نام کو ڈھونڈے بھی کوئی نواب اصلی مفہوم میں نظر نہیں آتا۔ یہ نواب صاحب بھی دلی کے نہیں کرنال کے رئیس ہیں۔ ہم اسی میں مگن ہیں کہ ہماری دلی کی ناک سلامت ہے کوئی نواب نظر تو آتا ہے۔ نواب صاحب ممدوح شہر کے رئیس اعظم امیر ابن امیر ابن تعلیم یافتہ ذی خلق صاحب مروت۔ مسلمانوں کے بہی خواہ و ہمدرد ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار نواب محمد نجف خاں صاحب رؤسائے کرنال میں سے تھے یعنی نواب احمد علی خاں صاحب اعظم کرنال کے بھلانجے تھے۔ نواب محمد نجف خاں صاحب نے بہ مقتضائے وقت گورنمنٹ کی ملازمت اختیار کی۔ (۳۵) سال تحصیل دار اور ڈپٹی کلکٹر رہے۔ غدر میں دو تین لڑائیوں میں انگریزوں کا ساتھ دیا جس کے صلے میں سرکار سے جاگیر ملی۔ آپ ملازمت انگریزی سے کنارہ کش ہونے کے بعد سولھا سال تک ریاست ٹونک میں ممبر کونسل اور حاکم اپیل رہ کر پنشن یاب ہوے۔ ٹونک سے آکر چند ماہ کے بعد ۵ ار جون ۱۹۰۲ء کو وہ راستہ اختیار کیا جس پر امیر و فقیر سب کو جانا ہے۔ آپ سید محبوب علی صاحب کے قبرستان میں آسودہ ہیں۔ کیا ہی اچھے ہیں وہ لوگ جو بعد مرگ بھی نیکی سے یاد کیے جائیں۔ آپ کے خلف رشید نواب فیض احمد خاں صاحب ہیں جو اپنے والد ماجد کی نیکیوں اور خوبیوں کی زندہ یادگار ہیں۔ دلی کے قحط الرجال میں آپ کا دم غنیمت ہے۔ قابلیت۔ لیاقت شرافت۔ امارت۔ تہذیب و اخلاق ہر اعتبار سے دلی کے لیے سرمایۂ تفاخر و ناز ہیں۔ اسی گلی میں مولوی سید محبوب علی صاحب کی مسجد ہے جو مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب ؒ کے شاگرد اور خلیفہ تھے۔ آس موڑ پر گلی کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ چھوٹی گلی

مولوی عبدالمجید صاحب کے مدرسے کے سامنے ہوتی ہوئی چاوڑی بازار کے پچھلے دروازے میں جا نکلتی ہے۔ دوسری شاخ چوڑی والوں کے بازار میں گئی ہے۔ یہ بازار ایک طرف املی کی پہاڑی کے متصل تراہے سے جا ملا ہے دوسری طرف جوتے والوں کی مسجد سے آگے بڑھ کر جنوب کی جانب سیتا رام کے بازار سے جا ملتا ہے اور غربی جانب میں سید ھا سیتل داس کے حمام۔ مطبع مجتبائی اور مدرسۂ طبیہ لوہے کے کارخانے پر سے گزرتا ہوا چاوڑی بازار میں جا نکلتا ہے۔

امام جی کی گلی

اس میں ہمیشہ سے جامع مسجد کے امام صاحبان رہا کرتے تھے۔ اس وقت شمس العلماء سید احمد صاحب امام ہیں جن کو سرکار عالی نظام رام پور اور بھوپال کی ریاستوں سے معقول وظیفہ ملتا ہے۔

امام صاحب حال کو حکام مقامی میں بڑا رسوخ حاصل ہے۔ یہ خدمت جلیلہ امامت کی آپ کے خاندان میں عہد شاہ جہانی سے متوارث چلی آتی ہے۔ آپ سید صحیح النسب ہیں آپ کا سلسلہ دسویں پشت میں سید عبدالغفور شاہ امام السلطان بخاری سے ملتا ہے۔ جو امام السلطان حضرت سید جلال الدین عرف سید جلال بخاری کی اولاد میں سے ہیں جو اپنے زمانے کے مشہور اولیاء اللہ تھے جس وقت شاہ جہاں بادشاہ نے جامع مسجد بنوائی جو سید المساجد اور نورٌ علیٰ نور ہے تو اس مسجد کے شایاں امام بھی متقی۔ پرہیزگار اور سید الائمہ ہونا ضرور تھا۔ بخارے میں حضرت سید عبدالغفور شاہ کا شہرہ تھا۔ شاہ بخارا کی وساطت سے ۱۰۶۵ھ میں نہایت اعزاز و احترام سے طلب فرمایا اور ۱۰۶۶ھ میں منصب امامت پر ممتاز فرمایا اور دوگانۂ عید الفطر کا سید صاحب کی اقتدا سے ادا کیا اور خطبہ کے بعد دست خاص سے بیش بہا خلعت دے کر امام السلطان کا خطاب اور جاگیرات عطا ہوئیں۔ اس کے بعد تا قیام سلطنت مغلیہ ہمیشہ شاہانہ دربار اور جشنوں کے مواقع پر امام السلطان کے ساتھ مراسم اعزازی کا پورا لحاظ رہتا تھا۔ دست خاص سے خلعت مرحمت فرمانا۔ مذہبی گروہ میں تقدیم اور خطاب خاص کے ساتھ مخاطب فرمانا۔ سبز لباس کی خصوصیت مثل امراء و امراء کی طرح باریابی جیب خاص سے مصارف کا عطا ہونا یہ سب امام صاحب کی خصوصیات اس زمانے میں تھیں اورنگ زیب نے رسم تخت نشینی کا افتتاح بھی امام جامع مسجد سے کرایا اور خلعت گراں

بہا دیا۔ یہی رسم ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ بادشاہ تک برابر قایم رہی اُن کی تاجپوشی کی تقریب میر احمد علی صاحب امام وقت نے ادا کی۔ اس کے بعد غدر پڑا اور بساط اُلٹ گئی۔ میر احمد علی کے فرزند حال امام صاحب کے والد سید محمد صاحب سر سید احمد خاں کے رشتہ دار اُن کے پاس چلے گئے۔ مسجد ضبط ہو گئی جب فتنہ فرو ہوا اور مسجد ضبطی سے واگزاشت ہوئی تو امام جی اپنی آبائی خدمت پر بحال ہوئے سید محمد صاحب نے (۷۲) برس کی عمر میں ۴ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ کو انتقال فرمایا اور شاہ ولی اللہ صاحب کی درگاہ میں مدفون ہوئے ۱۱ اگست ۱۸۹۹ء

ھوالغفور ۱۳۱۷ھ تاریخ وفات ہے۔ اس میں ایک مناسبت یہ ہے کہ آپ کے دادا کا نام **غفور شاہ** تھا۔ ان کے بعد آپ کے فرزند اکبر مولوی حاجی سید احمد صاحب امام ہوئے جنھوں نے اپنے والد کی زندگی ہی میں ۱۸۹۲ء سے امامت شروع کردی تھی۔ اب امام صاحب حال اس گلی میں نہیں رہتے بلکہ مچھلی والوں میں رہتے ہیں۔ دلّی کے منتخب لوگوں میں آپ کا شمار ہے۔ ایک فضیلت امامت مسجد جامع ہی کی آپ کے تعزز و احترام کے لیئے ایسی کافی ووافی ہے کہ دوسرے کسی اعزاز کو میری راے میں اُس پر تفوق دینا ترجیح بلا مرجح ہے۔

منشی امیر الدین فیض رقم

امام صاحب کے موروثی مکان کے پاس ہی حافظ سید منشی امیر الدین صاحب فیض رقم کا مکان ہے آپ خط نسخ کے وحید العصر اُستاد تھے جو اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اب خط نسخ کے لکھنے والے بہت کم رہ گئے ہیں۔ فن خطاطی روبانحطاط ہے۔ سٹیل نب کے واسطی قلم نے جگہ چھوڑ دی ہے۔ خط نسخ و نستعلیق جاکر اب جنٹلمینی گھسیٹ کی گرم بازاری ہے جو نوک پلک کشش دوائر نشست الفاظ تقطیع باطنی سے عاری ہے۔ نہ وہ روشنائی ہے جس کی صدہا برسوں کے بعد بھی چمک دمک ماند نہ ہوتی تھی نہ وہ خطاطی ہے کہ جس سے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور ہوتا تھا۔ کاپی نویسوں کی قلت۔ خوشنویسوں کی سرد بازاری ٹیپ کے واسطے رستہ صاف کرتی جاتی ہے۔ دو چار خوش رقم اور خوش قلم جو رہ گئے ہیں وہ بڑے چل چلاؤ پر ہیں ان کے بعد مطلع صاف ہے۔ پیٹ کے دھندوں ہی سے فرصت

نہیں خط کو سے کر کیا چاٹیں۔
آپ ٹیا محل کی طرف چلیئے تو چتلی قبر تک یہ گلیاں ملتی ہیں جن کے متعلق کسی خاص تذکرے کی ضرورت نہیں۔ داہنے ہاتھ کی طرف کوچۂ رگھنا تھ داس۔ حویلی بخاور خاں جس میں حسین بخش پنجابی کا مدرسہ ہے۔ بائیں ہاتھ کی طرف گلی کبابی۔ گلی عادل اچار والی۔ کٹڑہ گوکل شاہ جس میں

مولوی محمد حسین فقیر کی مسجد اور مدرسہ

۱۳۲۲ھ

مولوی محمد حسین فقیر کا مدرسہ ہے اور ایک عالی شان مسجد بھی ہے۔ مسجد کی کرسی کو اونچا کروایا ادھر اُدھر حجرے بیچ میں صحن میں بیضوی حوض نہایت پاکیزہ۔ جمعہ جمعہ وعظ ہوتا ہے مولوی ابراہیم صاحب کا وعظ ہوتا ہے۔ اگلی گلی گڑھیا یا احمد علی خاں کی حویلی کہلاتی ہے۔ ادھر بھی مدرسے کا دروازہ ہے ایک کتبہ مسجد کے پیش طاق پر ہے اور دوسرا مدرسے کے دروازے پر۔

ایں مدرسہ از شان عطاے تو خدایا	مرفوع شدایں قصر ہدایت فلک الحمد
در شکر غنی قول فقیر آمدہ تاریخ	ایں جا شدہ محراب عبادت فلک الحمد
آئیں اہل دین حق درس و نماز و وعظ میں	یہ عبادت گاہ خاص و عام مسجد بن گئی ۱۳۱۵
لکھ جناب مصطفی کی سال ہجرت اے فقیر	خوب زیبا رونق اسلام مسجد بن گئی

مدرسہ حسین بخش

۱۲۶۸ھ
۵۲-۱۸۵۱ء

پیش طاق پر "دار الھدیٰ والوعظ ۱۲۶۸ھ ۱۳۲۲ الوقف لا یملک" لکھا ہوا ہے۔ یہ مسجد اور مدرسہ حسین بخش صاحب پنجابی سوداگر نے ۱۲۶۸ھ میں تعمیر کرا کر وقف کیا ہے جس میں علاوہ مسجد کے مدرسے کے سہ درے دالان اور طلبار اور مدرسین کے لیئے حجرے بنے ہوئے ہیں۔ "دار الھدیٰ والوعظ" سے تاریخ نکلتی ہے۔ اس مسجد میں مولوی کرامت اللہ خاں صاحب ایک عرصے سے جمعے کے جمعے وعظ فرمایا کرتے تھے لیکن مولوی ابراہیم سے کچھ مخالفت ہو گئی مولوی صاحب نے بہتر یہی سمجھا کہ ع پاے مرا لنگ نیست ملک خدا تنگ نیست غرض توفیق و ہدایت سے ہی یہاں نہیں کہیں اور سہی اب قابل عطار کے کوچہ کی مسجد

ہیں وعظ فرماتے ہیں۔ دلی میں سچ پوچھیئے تو مولویوں میں سے سوائے مولوی کرامت اللہ خاں صاحب کے اب کوئی نہ رہا۔ آپ ہندوراؤ کے باڑے میں تشریف رکھتے ہیں روز صبح کو کلام مجید کا ترجمہ مسجد میں بیان فرماتے ہیں بہت سن اور بیماریوں سے رنجور ہیں مگر ہمت میں جوان اور عزم میں استقلال ہے برابر سلسلہ رشد وہدایت کا جاری ہے۔ آپ عالم مستند۔ محدث وفقیہ ہیں۔ مولٰنا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولٰنا محمد یعقوب صاحب سے حدیث شریف کی سند حاصل کی ہے۔ ۱۳۰۸ھ میں ملک عرب کو گئے چھ مہینے حرمین شریفین میں مقیم رہے اور جناب مولوی حاجی امداد اللہ صاحب سے بیعت کی۔ اب خود وعظ فرماتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔ آپ کے وعظ میں بڑا مجمع ہوتا ہے اور دل پر اثر ہوتا ہے لوگوں کو بے حد رقت ہوتی ہے۔ غرض یہ کہ آپ کا دم اس زمانے میں دلی کے لیئے لبا غنیمت ہے۔

ٹیامحل عزیز آبادی کی حویلی اور مسجد

جامع مسجد کے جنوبی دروازے کے سامنے جو سڑک چلی گئی ہے وہ ٹیامحل کا بازار کہلاتا ہے یہاں بجانب دست راست اس نام کا ایک بڑا محل تھا سابق میں کچھ مکانات امراء کے بھی رہے ہوں گے اب تو معمولی لوگ رہتے ہیں اور یہ سارے کا سارا محلہ ٹیامحل کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔ مٹیامحل کی وجہ تسمیہ کچھ معلوم نہیں ہوتی۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب قلعہ بن رہا تھا تو شاہجہاں بادشاہ کی عارضی اقامت کے لیئے ٹیامحل بنایا گیا تھا۔ بعد میں یہ محل نواب عزیز آبادی بیگم کو جو کسی شاہزادے کی بیگم تھیں دے دیا گیا۔ اور اسی سبب سے آگے چل کر وہ عزیز آبادی کی حویلی کہلانے لگا کیونکہ ٹیامحل ہی کے سامنے عزیز آبادی بیگم کی حویلی تھی جو مدت تک نواب مغل بیگ خاں کے تصرف میں رہی۔ اس حویلی کے احاطے میں ایک شکستہ مسجد تھی جس کو مولوی صدرالدین خاں صاحب صدر الصدور نے بہ صرفۂ کثیر درست کرا کے ایک کنواں بھی کھدوایا۔ یہ مسجد وسعت میں اچھی خاصی ہے جس کا ایک گنبد اور دو مینار ہیں لیکن اس مسجد کا کوئی خاص نام نہیں ہے البتہ حویلی اور وہ احاطہ جس میں یہ حویلی ہے تاریخی لحاظ سے ایک بڑا مقام ہے کیونکہ اس کے احاطے میں بعض بہت پرانی عمارتوں کے کھنڈر ہیں اور لوگ انھیں کو ٹیامحل کا بچا کھچا حصہ بتلاتے ہیں۔ الغرض

بہادر شاہ ثانی نے یہ حویلی اپنے کسی پوتے کو دیدی۔ غدر کے بعد تمام مکانات شاہی ضبط ہوے اور پھر فروخت کیے گئے تو نواب صاحب دوجانہ نے اس حویلی کو خرید لیا اور مٹیا محل اور عزیز آبادی کی حویلی دونوں نام جاکر اب یہ احاطہ نواب صاحب دوجانہ کے نام سے مشہور ہے۔

مولوی صدرالدین خاں کی حویلی

مٹیا محل سے سید ھے ہاتھ یہ مولوی صدرالدین خاں کی حویلی ہے جو اُن سے پہلے ہزارہ بیگ کی حویلی کہلاتی تھی۔ مولوی صاحب نے اسے خرید کر نئے سرے سے بنوایا۔ یہ حویلی بہت خوش قطع ہے اور اس میں خانہ باغ۔ نہر فوارے۔ سب کچھ تھا۔ اب مکین کے ساتھ وہ رونق بھی گئی اور کچھ بھی نہ رہا۔

مولٰنا مولوی صدرالدین خاں بہادر

کسانیکہ راہ خدا داشتند
چنیں خرقہ زیر قبا داشتند

ایسے مستجمع اوصاف حمیدہ اور خصائل برگزیدہ کے تھے کہ آج اُن کا نام نیک اور شہرۂ معدلت ضرب المثل ہے۔ خدا جانے اس دلی کی سرزمین میں کیا برکت خداوند تعالیٰ نے رکھی ہے کہ ایک سے ایک بڑھ کر لائق وفایق فیض رساں عالم پیدا ہوتا ہے اور ہزاروں کو مستفید کرکے اپنا نام لیوا چھوڑ جاتا ہے۔ زمانہ جو فنا کرنے والا اور مٹانے والا ہے وہ بھی ان کی نیکیوں کو مٹا نہیں سکتا۔ بے شائبہ تکلف و بے آمیزش مبالغہ ایسا فاضل اور ایسا کامل سوائے سرگروہ علمار کے بساط عالم پر جلوہ گر نہ تھا۔ لباس فقر میں مصروف طاعت ہونا اور فراغ عبادت کے لیئے گوشۂ خلوت اختیار کرنا امیروں کے لیئے ایک بہت مشکل معاملہ ہے۔ عدل و انصاف و فریاد رسی عبادا افضل عبادات ہے منصب صدارت کو اپنے ذمے لیا اور بلارو و رعایت اور لگاؤ کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرتے رہے۔ لوگوں کے دلوں پر معدلت راست بادی۔ حق پژوہی۔ دیانت امانت کا نہ مٹنے والا سکہ بٹھا گئے۔ دلِ رنجور کے لیئے مرہم کافور ظالموں شریروں کے لیئے تادیب دہی میں مشہور۔ دبدبہ و شوکت ظاہری سے ان کے دربار میں بار ملنا محال۔ کوئی زبان کھول سکے کیا مجال۔ باوجود مراتب بلند و مناسب ارجمند کے اخلاق

محمدی سے متصف - افادۂ علوم و افاضت مسائلِ دین کے وقت ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو عام آزادی - نہ روک ہے نہ ٹوک سینہ تھا یا علم کا گنجینہ نظم و نثر عربی و فارسی و اردو میں لاجواب کلام آپ کا انتخاب - عربی کے نظم و نثر بلیغ کا نمونہ ہم نے چھوڑ دیا فارسی اور اردو کی ایک ایک غزل کے چند اشعار نمونۃً پیش ہیں - ناظرین پڑھیں اور مزہ لیں -

آتشِ عشقِ فلک در دل و در جانم سوخت	نہ آنکہ از داغ وگر دید کہ نتوانم سوخت
دل ز خوناب جگر سوخت و مژگانم سوخت	آخر ایں شعلہ بہ پیدائم و پنہانم سوخت
پنبۂ مرہم او ہمہ قیامت باشد	عشق آں داغ کہ در سینۂ سوزانم سوخت

لب بند ہو تو روزنِ سینہ کو کیا کروں	تھمتا تو مجھ سے نالۂ آتش عیاں نہیں
ای دل تمام نفع ہو سودائے عشق میں	اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں
ای جذب شوق رحم کہ مد نظر ہے یار	جا سکتی واں تلک نگہ ناتواں نہیں
کیا کچھ نہ کر دکھاؤں پر اک دن کے واسطے	ملتا بھی ہم کو منصب ہفت آسماں نہیں
ناز و نگہ روش سبھی لاگو ہیں جان کے	ہے کون ادا وہ تیری کہ جو جانستاں نہیں
شب اس کو حال دل نے جتایا کچھ اس طرح	ہیں لب تو کیا نگہ بھی ہوئی ترجماں نہیں
وہ شاخ نخل خشک ہوں میں کنج باغ میں	دیکھے بھی بھول کر بھی جسے باغباں نہیں
ملنا ترا یہ غیر سے ہو بہر مصلحت	ہم کو تو سادگی سے تری یہ گماں نہیں
اچھا ہوا نکل گئی آہ حزیں کے ساتھ	اک قہر تھی بلا تھی قیامت تھی جاں نہیں
بے وقت آئی دیر میں کیا شورشیں کریں	ہم پیر دیر میکدہ بھی نوجواں نہیں

آزردہ نے پڑھی غزل اک میکدے میں کل
وہ صاف تر کہ سینۂ پیر مغاں نہیں

روز ہجراں تو می سوخت مرا حسرتِ وصل	در شبِ وصل تو اندیشہ ز ہجرانم سوخت
ہیچ گہ چہرہ رخ جفا پیشہ نمی ساخت بمن	شکر ایزد کہ ز راہ شرر افشانم سوخت
رحمت از بہر غذا ہم نکشد اسے نار جحیم	کہ سراپائے مرا خجلت عصیانم سوخت
شرر دوزخ جانتاب بسے بود بلند	چوں مقابل شدہ با سینۂ سوزانم سوخت

برگ و جمعیت دیوان جزا بہ ہم خورد — جنت از حسنِ تو و دوزخ از افغانم سوخت
باز آں بسترِ خارست و ہماں بالشِ سنگ — سرِ شوریدۂ من زانوے یارانم سوخت
بزم افروز شبستاں نشدم آر شمعم — بخت خوابیدہ سرِ خاکِ شہیدانم سوخت
دل پرورد و خوناب جگر سوخت مرا — آنکہ یک عمر با و ساختہ ام آنم سوخت
ہر نگہ کاں بتِ ترسا بچہ درکارم کرد — آتشکدے بود کز و خرمن ایمانم سوخت
گو نسیمے کہ ز شیرب وزد و سبز کند — خاست از ہند سمومے کہ گلستانم سوخت

گر ز آتش سختی ہیچ کس المم نفزود
لیکن آزردہ از وجان حسودانم سوخت

غزل اردو

نالوں سے مرے کب تہ و بالا جہاں نہیں — کب آسماں زمیں و زمیں آسماں نہیں
قاتل کی چشم تر نہ ہو یہ ضبط آہ دیکھ — جیوں شمع سر کٹا پہ اٹھایاں دھواں نہیں
آنکھوں سے دیکھ کر تجھے سب ماننا پڑا — کہتے تھے جو ہمیشہ چنیں ہے چناں نہیں
کہتا ہوں اس سے کچھ میں نکلتا ہے منہ سے کچھ — کہنے کو یوں تو ہے کہ زباں اور زباں نہیں
اے بلبلاں شعلہ دم اک نالہ آفد بھی — گم کردہ راہ باغ ہوں یاد آشیاں نہیں
اس بزم میں نہیں کوئی آگاہ ورنہ کب — واں خندہ زیر لب ادھر اشک نہاں نہیں
افسردہ دل نہ ہو درِ رحمت نہیں ہے بند — کس دن کھلا ہوا درِ پیر مغاں نہیں

شیدی فولاد خاں کا بنگلہ

مولوی صاحب کی حویلی کے پاس سیدھی جانب شیدی فولاد خاں کا بنگلہ تھا۔ جو محمد شاہ کے عہد میں شہر کا کوتوال تھا۔ مگر مدتیں ہوئیں کہ اس بنگلے کا نام و نشاں تک نہ رہا۔ ہاں نام چلا جاتا ہے۔

چھپتیا میم کا چھتہ

یہ بھی ایک محلہ ہے صحیح وجہ تسمیہ تو معلوم نہیں ہوئی مگر نام پکار رہا ہے کہ کوئی کالی کلوٹی کرسٹانی رہتی ہوگی جس پر سے یہ نام پڑا۔

نواب مصطفیٰ خاں کی حویلی

چھپا میم کے چھتے میں سیدھی طرف بہت اچھا عالیشان مکان اور کمرہ نواب صاحب کا تھا جو اُس کے بانی کی رفعت اور شان کو تبلاتا تھا لیکن اب کچھ نہیں رہا۔ متفرق چھوٹے چھوٹے مکانات بن گئے ہیں۔ ایک ہی کوچے کے دو نام ہیں کوئی چھپا میم کا چھتہ کہتا ہے کوئی نواب مصطفیٰ خاں کی حویلی۔

سیّد رفائی صاحب کی مسجد ۱۲۳۳ھ ۱۸۱۷ء

یہیں یہ مسجد ہے جو بہت قدیم ہے لیکن چوں کہ سید صاحب اس مسجد میں بہت رہے ہیں اور اس مسجد کی مرمت بھی کرائی ہے اس واسطے اُنھیں کے نام سے مشہور ہو گئی۔ یہ سید صاحب بڑے مقتدائے روزگار تھے اور اُن کے ہاں ایک مجلس بنام حضرہ ہوا کرتی تھی جس میں یہ قید تھی کہ اُس کے گرد و پیش کوئی سورت نہ ہو۔ آپ کے مریدین کے ہاتھوں میں چھرے ہوتے تھے اور وہ کلمہ طیبہ پڑھتے جاتے تھے اور اُن پر ایک حالت بے خودی اور وجد کی طاری رہتی تھی آپ کا وصال ۱۲۳۳ھ ۱۸۱۷ء میں ہوا۔ ۱۳۰۲ھ میں نواب مولوی احسان الرحمن خاں صاحب نے اپنی اہلیہ مرحومہ کی وصیت کے موافق اس مسجد کی مرمت کرائی اور تین پختہ دکانیں تعمیر کرائیں جن کے کرایہ سے مسجد کی نگہداشت ہوتی ہے۔ مسجد پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے۔

"محمد احسان الرحمن ابن مرحومی محمد یوسف الرحمن خاں حسب وصیت اہلیہ مرحومہ خود کاکین پختہ و حمام و متوضا و حجرہ و زینہ و غیر ذلک بر قطعہ زمین متعلقہ مسجد رفائی بنا کرد و برائے مصارف مسجد وقف نمود سنہ ۱۳۰۲ھ"

اعظم خاں کی حویلی اور مسجدیں

اب اس حویلی کا جو نواب اعظم کی بنائی ہوئی تھی پتہ بھی نہیں رہا بلکہ جو محلہ یہاں آباد ہے وہ سارے کا سارا اعظم خاں کی حویلی کے نام سے مشہور ہے۔ اس محلے میں دو مسجدیں ہیں دونوں کا کوئی خاص نام نہیں صرف محلے کے نام سے پکاری جاتی ہیں۔ ایک مسجد جس کے متولی منشی یعقوب علی ہیں اُس کی محراب وسطی پر یہ تاریخ کندہ ہے:

اولیا نام زنِ صالحہ اوکر دبنا ‖ رفت و بر بستر آرام تہِ خاک بخفت

چو زوال وزرا و گشت بنا مسجد نو دلِ من سال نبایش "سبب تحسین" گفت

اسی محلے میں ایک چھوٹی مسجد فیروز آباد اور بھی ہے جس میں کوئی خاص بات نہیں۔ ۱۲۶۵ھ ۱۸۴۹ء
اعظم خاں کی حویلی کے پھاٹک کے سامنے چتلی قبر ہے۔ یہاں سے ترکمان دروازے تک دو طرفہ یہ گلیاں ہیں۔ سیدھے ہاتھ کی طرف پہاڑی راجان پہاڑی ورزیاں۔ گلی کمہاران۔ گلی چمڑے والی چھوٹی بڑی۔ اُلٹے ہاتھ کی طرف حویلی مہابت خاں جس کا صرف ایک دالان باقی رہ گیا ہے۔

چتلی قبر سے از بالائے ترکمان دروازہ تا بلبلی خانہ

چتلی قبر
۷۹۳ھ ۱۳۹۱ء

اسی قبر کے نام سے محلہ اور بازار مشہور ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ مزار سید روشن صاحب شہید کا ہے جو کوئی بڑے بزرگ تھے اور کوئی چھ سو برس سے یہاں ہے۔ حال میں یہاں ایک کتبہ ۲۷ رجب ۷۹۳ھ ۱۳۹۱ء کا لگا دیا ہے۔ وجہ تسمیہ چتلی قبر کی یہ ہے کہ اس پر مختلف رنگوں کے نقش و نگار ہیں۔

سید جلال الدین صاحب کا مزار

اسی کے قریب سید جلال الدین کی قبر ہے جو ایک دکان کے اندر آ گئی ہے۔ آپ سید روشن شہید کے برادر زادے تھے آپ کا عرس ۸ شعبان کو ہوتا ہے۔ ایک جانب ترکمان دروازہ اور یہ جگہ جو چتلی قبر اور اعظم خاں کی حویلی کے بیچ میں ہے تراہا ہو گیا ہے اب ہم پہلے ترکمان دروازے کا حال لکھتے ہیں۔

میر محمدی صاحب کی خانقاہ
۱۲۴۲ھ ۱۸۲۶ء

اسی محلے میں آپ کی خانقاہ اور قبر ہے۔ آپ کا اصلی نام مولانا امام الدین تھا مگر مشہور میر محمدی ہی کے نام سے تھے۔ مرزا سلیم خلف اکبر ثانی بادشاہ آپ کے معتقد اور مرید تھے۔ جب آپ کا وصال ۱۲۴۲ھ ۱۸۲۶ء میں ہوا تو مرزا سلیم شاہزادے نے فرطِ عقیدت سے آپ کو اپنے مکان کے صحن میں ہی دفن کیا جو اب مرزا محمدی کی خانقاہ کے نام سے مشہور ہے ایک اونچے چبوترے پر تین قبریں بنی ہوئی ہیں۔ مشرقی جانب کی قبر میر صاحب کی ہے۔ درمیانی مرزا سلیم شاہ کی اور مغربی جانب مرزا صاحب کی اہلیہ خسرو زمانی بیگم کی اور باقی چار قبریں آپ کے مریدوں کی

ہیں۔ پہلے میر صاحب کا عرس بھی ہوتا تھا اب کچھ عرصے سے موقوف ہے۔

میر ہاشم کی حویلی اور شاہ آفاق صاحب کی مسجد

اس محلے میں عہد مغلیہ کی ایک قدیم مسجد ہے جو شاہ آفاق کی مسجد مشہور ہے۔ یہ مقام پہلے ایک تسبیح خانہ تھا جہاں بعد میں مسجد بنا دی گئی اور کچھ حال معلوم نہیں۔

شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ ۱۱۹۵ھ

میر محمدی کی خانقاہ کے آگے دست چپ کو شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ ہے۔ آپ سادات علوی اور اولیاے کرام میں سے تھے۔ آپ کا اصلی وطن موضع بٹالہ امرتسر کے قریب ہے۔ آپ کے والد شاہ عبداللطیف صاحب شاہ ناصرالدین قادری علیہ الرحمۃ کے مرید تھے جن کا مزار عیدگاہ محمد شاہی کے پیچھے شیدی پورے میں ہے۔ شاہ صاحب کے پیدا ہونے کے اوّل آپ کے والد نے حضرت علی کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں کہ تیرے ہاں لڑکا ہوگا اُس کا نام میرے نام پر رکھنا اور آپ کے عم بزرگوار نے حضرت رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا کہ عبداللہ نام رکھنا اس لیئے آپ کا نام عبداللہ عرف غلام علی ہوا۔ آپ ۱۱۵۰ھ میں تولد ہوے۔ "مظہر جود" تاریخ ولادت ہے۔ آپ جب سولہا برس کے ہوے تو آپ کے والد نے شاہ ناصرالدین صاحب سے بیعت کرنے کو بلایا مگر جس رات آپ دہلی پوہنچے اُسی دن اُن کا وصال ہوگیا اس کے بعد آپ نے مرزا مظہر جان جاناں سے بیعت کی اور اُن کے بعد آپ ہی سجادہ نشین ہوے۔ آپ نے ہمیشہ توکل سے بسر کی سینکڑوں طالبان خدا کا کھانا کپڑا اپنے سر رکھا۔ فقہ تفسیر و حدیث کا درس دیتے تھے سالہا سال اسی طرح دروازہ فیض کھلا ہوا اور چشمہ خیر کا جاری رہا ۲۲ صفر ۱۲۴۰ھ ہفتے کے دن سفر آخرت اختیار کیا اور خانقاہ میں اپنے مرشد کے برابر دفن ہوے نور اللہ مضجعہٗ تاریخ وفات ہے۔ آپ کے بعد شاہ ابو سعید صاحب مجددی جانشین ہوے جن کا سلسلہ نسب حضرت مجدد الف ثانی تک پوہنچتا ہے۔ پھر آپ حج کو گئے

لوٹتیوں کو ٹونک میں انتقال ہوا نعش دلی لائی گئی اور اپنے پیر کے پہلو میں آسودہ ہیں۔ ولادت آپ کی مصطفیٰ آباد عرف رام پور اور یہ مصرعہ تاریخ ہے۔ ع۔ حافظ و عالم و ولی بادا۔ عید کے دن کہ روز شنبہ تھا ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی یُنَوِّرُ اللہُ مَضْجَعَہٗ تاریخ وفات ہے۔ آپ کے چار صاحب زادے تھے۔ آپ کے بعد بڑے صاحب زادے **شاہ احمد سعید** صاحب مجددی سجادہ نشین ہوئے۔ مظہر یزداں تاریخ ولادت ہے۔ آپ حافظ تھے۔ مولوی فضل امام اور مفتی شرف الدین وغیرہ ۱۲۱۷ھ سے علوم عقلیہ اور مولوی رشید الدین خاں صاحب شاگرد مولانا شاہ عبد العزیز صاحب سے حدیث پڑھی اور خود مولانا شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین سے بھی شرف تلمذ تھا۔ بعدہٗ آپ کعبۃ اللہ گئے ۲ ربیع الاول سہ شنبہ کے دن ۱۲۷۷ھ میں ظہر اور عصر کے بیچ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے روضے کے قریب مدفون ہوئے۔ آپ کے بعد آپ کے برادر اصغر **مولانا شاہ عبد الغنی** صاحب سجادہ ہوئے۔ جن کی ولادت ۵ شعبان ۱۲۳۵ھ ہے۔ پندرہ سال کی عمر میں مکہ معظمہ جاکر شیخ محمد عابد سندی مدنی سے علم حدیث حاصل کیا۔ حج سے واپس آکر مولانا **شاہ اسحٰق** صاحب نبیرۂ شاہ عبد العزیز صاحب سے تکمیل کی۔ علم حدیث کا درس دینے لگے۔ آپ کے ارشد تلامذہ میں مولانا **رشید احمد** صاحب گنگوہی مشہور محدث اور عالم ہیں۔ غدر کے بعد آپ نے ہجرت فرمائی اور بمقام مدینہ منورہ ۱۲۹۶ھ انتقال فرمایا شاہ احمد سعید صاحب کے قریب مدفون ہوئے شاہ احمد سعید صاحب کے پوتے **شاہ محمد معصوم** صاحب ہوئے۔ جو ۱۲۶۷ھ میں اسی خانقاہ میں پیدا ہوئے تھے بعد حج کو گئے دس حج ادا کیے اور بیس برس کے بعد پھر ہندوستان میں آئے۔ نواب کلب علی خاں صاحب رئیس نے بلا لیا اور وہاں رہو پڑے۔ مولانا **شاہ محمد عمر** صاحب فرزند دوم شاہ احمد سعید صاحب کے صاحب زادے مولانا **شاہ ابو الخیر** صاحب اس وقت سجادہ نشین ہیں جو ۱۲۷۲ھ میں اسی خانقاہ میں پیدا ہوئے۔ حافظ قرآن ہیں۔ غدر میں بیت اللہ تشریف لے گئے مولانا رحمۃ اللہ صاحب کرانوی مہاجر مکی اور مولوی سید حبیب الرحمٰن صاحب مہاجر اور سید احمد صاحب مکی سے علوم متداولہ میں کامل

لیاقت حاصل کی۔ کبھی کبھی شب کو حدیث شریف کا درس بھی دیتے ہیں اکثر ترجمہ کلام پاک بیان فرماتے ہیں۔ خلوت پسند زیادہ ہیں جلوت سے گھبراتے ہیں سوائے اپنے مریدوں کے جو زیادہ تر افغان لوگ ہیں دوسروں سے ملنے میں تامّل کرتے ہیں چنانچہ خانقاہ کا دروازہ بھی اکثر بند رکھتے ہیں۔ اس احاطے میں خانقاہ۔ ایک مسجد اور چند حجرے ہیں۔ صحن خانقاہ میں چار قبریں ہیں۔ جن میں سے تین تو ایک اونچے چبوترے پر ہیں اور ایک نیچے بجانب شرق۔ چبوترے کے وسط میں شاہ صاحب کا مزار ہے۔ مشرق میں مرزا مظہر جان جاناں کا جو شاہ صاحب کے مرشد تھے اور مغرب میں شاہ ابوسعید کا جو شاہ صاحب کے مرید تھے۔ چبوترے کے نیچے والی قبر مولوی رحیم بخش کی ہے جو شاہ ابوسعید کے خلیفہ تھے اور جب شاہ صاحب مکہ معظمہ تشریف لے جاتے تھے تو آپ ہی خانقاہ کے نگراں رہتے تھے۔ آپ کی قبر پر صرف آیات کلام اللہ منقوش ہیں۔ مسجد اور قبروں کی مرمت حال میں ہوئی ہے اور یہاں تین کتبے حسب ذیل ہیں:-

(۱) مزار حضرت مرزا جانجاناں مظہر شہید قدس سرہ ۱۱۹۵ھ تاریخ دہم محرم

(۲) مزار حضرت شاہ عبداللہ معروف بہ شاہ غلام علی قدس سرہ ۱۲۴۰ھ تاریخ ۲۲ر صفر۔

(۳) مزار حضرت شاہ ابوسعید احمدی قدس سرہ ۱۲۵۰ھ تاریخ یکم شوال۔

مرزا مظہر جانجاناں شہید ایک مشہور شاعر ہونے کے علاوہ بڑے مقدس بزرگ بھی تھے۔ آپ سادات اور خاندان تیموریہ سے تھے۔

بھوجلا پہاڑی داہنی جانب بھوجلا پہاڑی کی گلی ہے جو بلبلی خانہ اور شاہ ترکمان کی طرف جانکلتی ہے۔ اس میں متعدد گلیاں پیچ در پیچ ہیں۔ گلی مشعلچیاں گلی حاجی سید احمد حسن۔ گلی نل والی۔ گلی پیپل والی۔ گلی اندھیری۔ گلی پہاڑی کشمیریاں گلی بھوت والی

موم گروں کا چھتہ اسی خانقاہ کے بالمقابل جانب دست راست موم گروں کا چھتہ ہے۔ یہ بھی دلی کا ایک محلہ ہے۔

شاہ کلن کی ڈگڈگی خانقاہ کے پاس یہ بھی ایک محلہ ہے۔ اصل جگہ جو شاہ کلن کی ڈگڈگی کہلاتی ہے وہ ایک دالان تھا جس میں ایک

ایوانِ تختِ طاؤس کا نقشہ
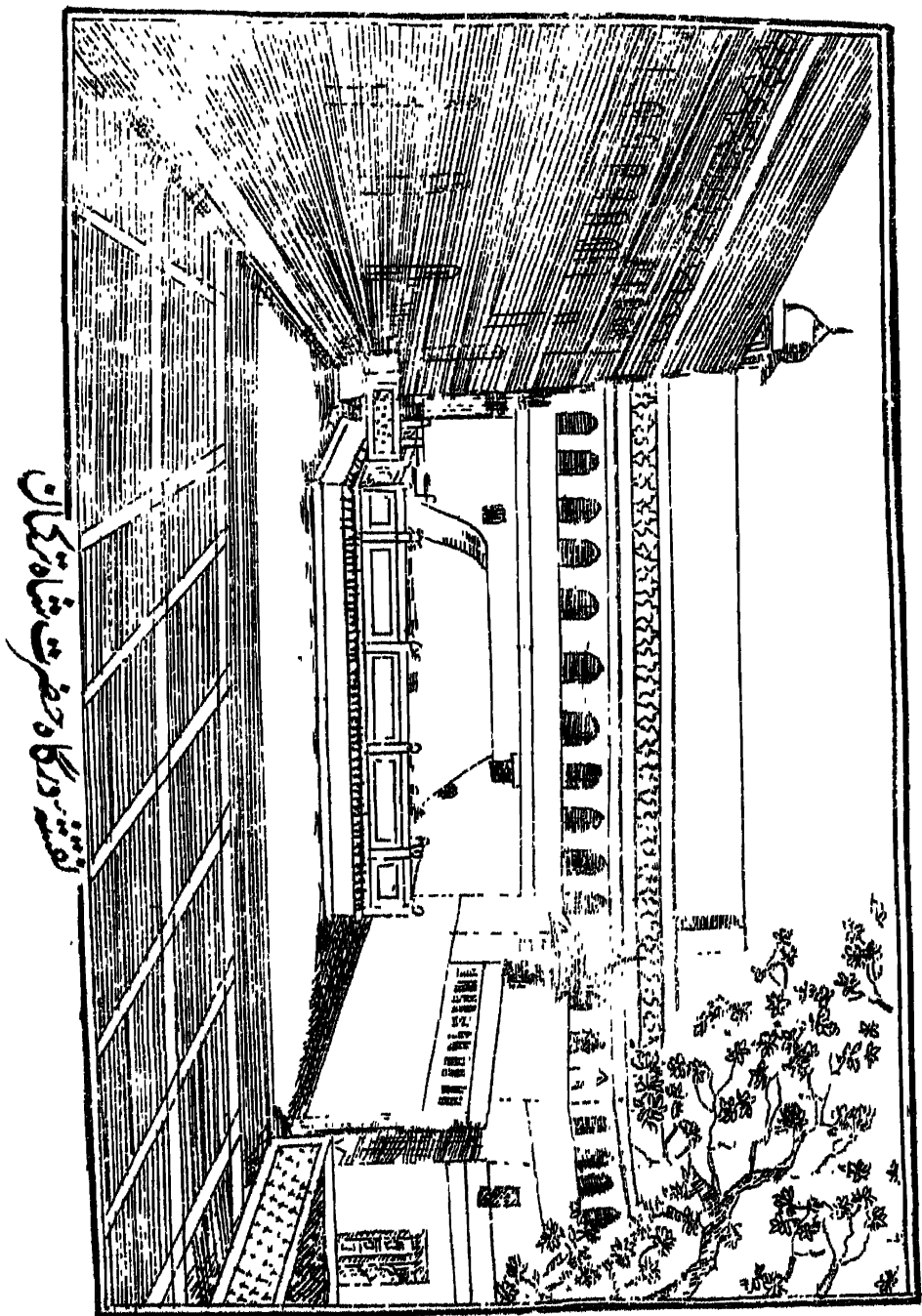
اینٹ اور چونے کی پختہ بنی ہوئی ہے۔ جس کا تعویذ نہایت نفیس اور مجلی سنگِ مرمر کا ہے اسپر یہ کتبہ ہے۔

ووھبنا لہ اسحٰق و یعقوب وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب وآتیناہ فی الدنیا وانہ فی الاخرۃ لمن الصالحین

ھٰذا مرقدِ اسحاق بیگ مخاطب تحقیقخاں ۱۰۷۸

اللھم اغفرلہ ولوالدیہ،،

درگاہِ حضرت شاہ ترکمان شمس العارفین بیابانی ~~۶۳۷ھ~~ ~~۱۲۴۰ء~~

اے دل زغبارِ جسم اگر پاک کنی۔
تو روحِ مجردی بر افلاک شوی
عرش ست نشیمن تو شرمت بادا
کائی و مقیمِ خطۂ خاک شوی

مسلمان فاتحین کے ساتھ جو بڑے بڑے علماء اور مشائخین سرزمینِ دہلی پر تشریف لائے تھے اور جن کے مریدین اور معتقدین کا ایک وسیع حلقہ اُن کے تابع فرمان اور پیرو ہدایت تھا اُن میں حضرت **شاہ ترکمان** صاحب بھی ایک بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ آپ کا اسم شریف **شمس العارفین** تھا اور **بیابانی** اس وجہ سے مشہور تھے کہ آپ تارک الدنیا تھے اور اکثر صحرا و بیابان میں بسر اوقات فرماتے تھے باایں ہمہ لوگ آپ کو گھیرے رہتے تھے اور آپ کے معتقدین کا ایک بڑا بھاری گروہ تھا۔ آپ کا مزار شریف اندرونِ شہر دہلی ترکمان دروازے کے پاس ہے۔ چنانچہ ترکمان دروازہ آپ ہی کے نامِ نامی سے مشہور ہے۔ درگاہ محاط ہے مگر چھت نہیں ہے دیر سا ہے۔ کہتے ہیں کہ قدیم زمانے میں جمنا یہیں بہتی تھی۔ الغیب عند اللہ۔ آپ سہروردیہ خاندان کے سلسلے میں تھے۔ جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا شہرہ ہوا تو آپ کا سنِ شریف (۸۰) سال کا تھا۔ آپ کا وصال ۲۴ رجب المرجب ~~۶۳۷ھ~~ ۱۹ فروری ~~۱۲۴۰ء~~ میں بزمانِ سلطنت **معزالدین بہرام شاہ** ہوا۔ آپ کا عرس شریف اب تک سالانہ ہوتا ہے اور بسنت کا میلا بھی یہیں لگتا ہے۔ آپ کا مزار شریف چبوترے سمیت سنگِ مرمر کا ہے۔ قبر کے گرد ایک پست کٹہرا ہے۔ آپ کے احاطے میں اور

چند قبریں بھی ہیں جو آپ کے مریدوں کی ہیں۔ کہتے ہیں آپ کی درگاہ معز الدین بہرام شاہ کی بنوائی ہوئی ہے لیکن بادی النظر میں قبر اور چبوترا دونوں زمانۂ مابعد کی تعمیر معلوم دیتے ہیں یہاں سے آگے چل کر ڈوموں کی گلی۔ گلی گڈریاں۔ گلی گدھے والاں۔ سیدھی طرف گلی میر مالی۔ گلی ماسٹر شیو پرشاد۔ گلی ڈکوتاں۔ کلیان پورہ۔ احاطہ میر بھکاری بائیں ہاتھ کو اور اس سے آگے ترکمان دروازہ آجاتا ہے۔

پھاٹک حویلی نواب مظفر خاں

ترکمان دروازے کے پاس ہے۔ قدیم مغلیہ عہد کا بنا ہوا عالی شان دروازہ ہے۔ یہ پھاٹک دراصل سیّد مظفر خاں کی حویلی کا ہے جو عہد شاہجہانی کے امیر کبیر تھے۔ اب حویلی کا پتہ نہیں اندرون احاطہ محلہ آباد ہوگیا ہے اور متفرق لوگ جن میں تیلیوں کا غلبہ ہے بستے ہیں۔ خان جہاں لودھی نے سنہ ۳۱-۱۶۳۰ء میں بغاوت کی۔ نواب مظفر خاں لڑے اور خان جہاں کو قتل کیا۔ پنج ہزاری منصب اور اسی قدر سوار ملے اور خان جہاں کا خطاب سرفراز ہوا۔

کلاں مسجد (عرف) کالی مسجد

سنہ ۷۸۹ھ / ۱۳۸۷ء

یہ مسجد اندرون شہر دہلی محلہ بلبلی خانہ اور ترکمان دروازے کے پاس بہت بڑی اور قدیم عمارت ہے۔ جو جونا شاہ المخاطب بہ خان جہاں ابن خان جہاں وزیر اعظم نے فیروز شاہ بادشاہ کے عہد میں ۱۰ جمادی الاخریٰ سنہ ۷۸۹ھ / ۲۸ جون میں بنائی ہے۔ اصل میں کلاں مسجد ہے جسے عوام نے بگاڑ کر کالی مسجد کر لیا ہے اور ایک اعتبار سے کالی مسجد بھی صحیح ہے کہ بسبب کہنگی کے باہر دار ساری عمارت پر کائی جم کر کالی ہوگئی ہے۔ مسجد ایک مستطیل عمارت ہے جو (۱۴۰ فٹ) لمبی اور (۱۲۰ فٹ) چوڑی۔ دیواروں کے آثار بہت بڑے یعنی چھ فٹ کے ہیں۔ اس مسجد کو موقع اور محل ایسا بہتر ملا ہے اور ایسی بلند کرسی دی گئی ہے کہ سوائے جامع مسجد اور قلعے کے اور کوئی عمارت اس شان و شوکت کی شہر میں نہیں ہے۔ یہ مسجد دو منزلہ ہے۔ پہلی منزل کی کرسی (۲۸) فٹ ہے جس میں متعدد دکانیں کرایہ کے واسطے بنائی گئی ہیں۔ دیوار سے ملی ہوئی کوٹھڑیوں میں دروازے اور ایک ایک سیڑھی ہے اور جو برجوں کے نیچے ہیں اُن میں اوپر ہی اندر راستے ہیں۔ بالائی حصہ کنگنی تک (۳۸) فٹ اونچا ہے۔

کالی مسجد
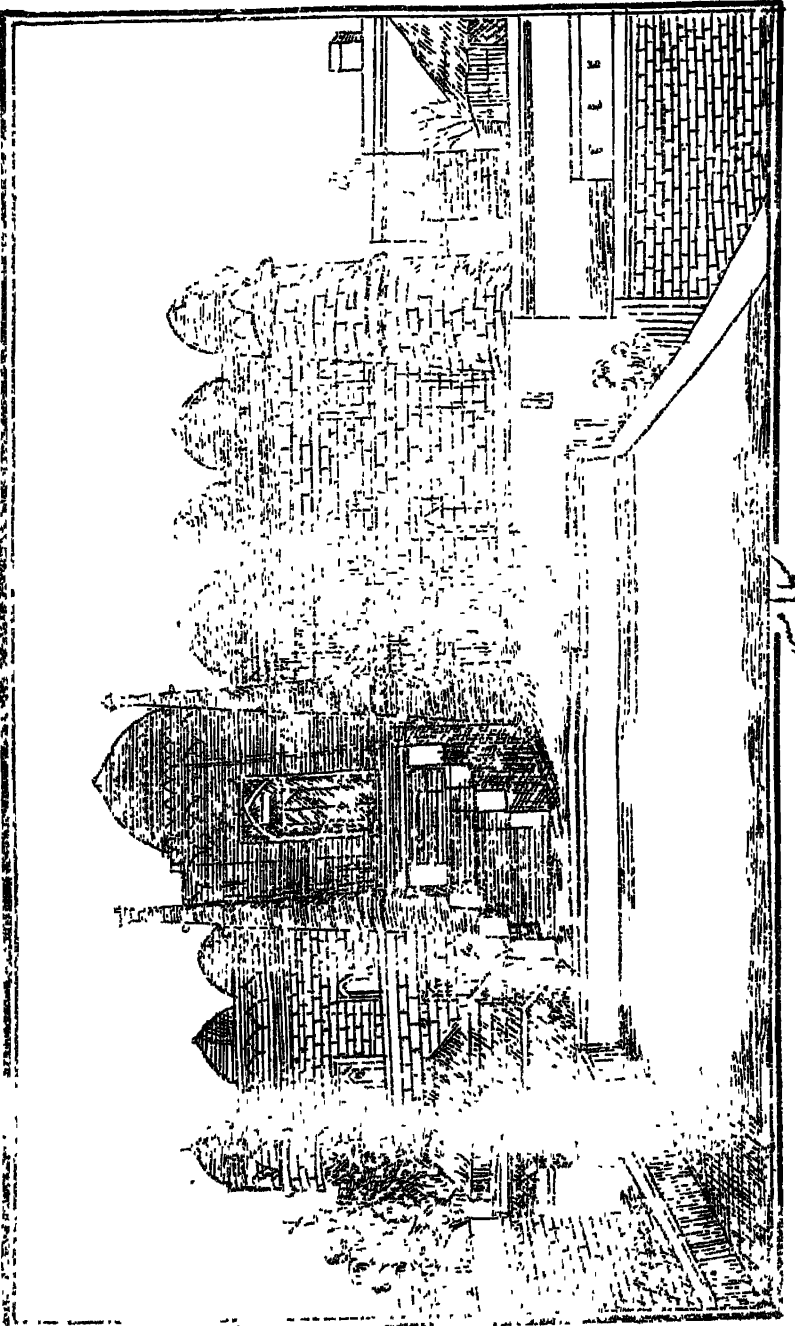
دونوں حصوں کی بلندی ملاکر ہے - یہ مسجد اُس مال مسالے کی بنی ہوئی ہی جو عہد فیروزشاہی
میں مستعمل تھا- بنیاد کے پتھر بہت بڑے بڑے بن گھڑے ڈھیم کے ڈھیم ہیں
جو نہایت عمدہ مسالے وار چونے سے جوڑے گئے ہیں جو ایسے پیوست ہوگئے
ہیں کہ چھت کے گنبد کا سارا بوجھ ان ہی پر ہی اور یہ مسالے ہی کی خوبی ہی کہ پتھر جو بے قاعدہ
لگائے گئے ہیں حتی کہ محرابوں میں ڈاٹیں تک نہیں لگائی گئیں مگر اب تک کسی جگہ سے
ذرا بھی جنبش نہیں کھائی- اس کا مسالا اور چونے کی طیاری اس خوبی کی ہی کہ خدا جانے
اس میں کیا کیا ملا دیا ہی کہ چونا پتھر اور اینٹیں سب ایک جرم ہوگئے ہیں اور چونے کی
ایسی زبردست پکڑ ہی اور ایسا ایک جان کر دیا ہی کہ چونے سے اینٹ یا پتھر کسی طرح جدا نہیں
ہوسکتا- مسجد کے اندر اور باہر دونوں رخوں کی استرکاری بہترین مسالے سے کی
گئی ہی- دروازے کے پاس کی بچی کھچی استرکاری کو غور سے دیکھنے سے کچھ کچھ نشان سیاہی
سے مائل نیلے رنگ کا معلوم دیتا ہی جو غالبًا کوئلے اور ناریل کے تیل- اور دوسرے مسالوں
سے طیار کیا گیا تھا- اب استرکاری کا بہت تھوڑا حصّہ دست برد زمانے سے محفوظ رہا ہی
اور جو کچھ اب تک قایم ہی وہ مسجد کے اندر وار ہی جہاں نگہداشت اچھی ہی اور وقتًا فوقتًا
سفیدی بھی ہوتی رہتی ہی- گنبدوں اور چھت کی بیچ جو آج تک علی حالہ قایم ہی وہ مسالے ہی
کی عمدگی ہی- غرض مسجد اب بھی مستحکم ہی اور موجودہ حالت میں بہت اچھی ہی اور جہاں کہیں
چھلیں گر گئیں ہیں یا دیواروں کی جڑوں میں سے پتھر نکل گئے ہیں وہاں اینٹیں لگا کر داغ دوزی کر دی گئی ہی
مسجد میں جانے کی (۲۹) سیڑھیاں ہیں اور دو سیڑھیاں پٹے ہوے دروازے میں داخل ہونے
کی ہیں- دروازے اور محرابوں کے ستون سب ہی بھاری بھاری بن گھڑے پتھروں کے
بنے ہوے ہیں جیسے کہ اس زمانے میں عمومًا عمارات میں لگائے جاتے تھے جس کی
تفصیل کپتان کاٹلی صاحب نے کی ہی اسی پتھر کی دو دو انچ سے بھی کچھ زیادہ موٹی سلیں چار چار
فٹ مربع مسجد کے صحن میں بچھی ہوئی ہیں اور اسی قسم کی بھاری بھاری سلیں کھجوں میں
لگائی گئی ہیں اور اسی پتھر کے توڑے بھی ہیں ان توڑوں اور ستونوں پر نقش و نگار
بھی بنے ہوے ہیں کھجے کے اندر اور توڑوں کے اوپر سنگ سرخ کی تحریر ہی
جیسا کہ عمومًا شمالی ہندوستان میں رواج ہی لیکن فیروز شاہ کے زمانے میں اس قسم کی
تحریر دیکھنے میں نہیں آئی البتہ اس زمانے سے اسّی یا سو برس پہلے قطب مینار موتی مسجد

غداے براں بندہ رحمت کند ہرکہ دریں مسجد (۴) بیاید بدعا خیر پادشاہ مسلمانان وایں بندہ بفاتحہ واخلاص یاد کند حق تعالیٰ ایں بندہ را بیامرزد (۵) بحرمتہ النبی والہ مسجد مرتب شد بتاریخ دہم ماہ جمادی الآخر سنتہ تسع وثمانین وسبعمائتہ۔

کتبے کے دیکھنے سے ایسا معلوم دیتا ہی کہ حروف کھودتے وقت دوائر کششوں میں چھوٹے چھوٹے گول گول سوراخ بنا کر اُن میں سیسا پلا دیا گیا ہی اور بعد سطح ہموار کر دی گئی ہی اور اسی وجہ سے حروف خوب جم کر دیرپا اور مستحکم ہوگئے ہیں لیکن پھر بھی زمانے نے تباہی کا ہاتھ دکھلایا یہ دکھلایا جا بجا سے سیسا جھڑ گیا ہی اور پہلی اور دوسری سطر کے دو تین حروف جھڑ گئے ہیں باقی اب تک بدستور قایم ہی۔ مسجد میں داخل ہونے کا رستہ ایک چوکون ڈیوڑھی ۱۴ x ۱۳ انچ اور ۱۳ x ۱۴ انچ کی ہی جس کے اوپر گنبد ہی۔ اس ڈیوڑھی کے دو دروازے پرانی وضع کی چولوں پر تھے۔ ایک اندروار ہی اور دوسرا باہروار۔ اب دروازے تو رہے نہیں صرف چولیں باقی ہیں جو بہت قدیم ہیں جن کی بھدی بناوٹ اور بیہنگم کام سے یہ خیال ہوتا ہی کہ یہ دروازہ غالباً مسجد کی بنا سے بھی پہلے کا ہی۔ مسجد کا صحن طول میں ساٹھ فٹ اور عرض میں اکٹھ تالیس فٹ گچ کا بنا ہوا ہی جس کے چاروں طرف دالان ہیں جن کا چھجہ بڑی بھاری چوڑی اور موٹی سلوں کا ہی جو بھدے توڑوں پر ٹکا ہوا ہی۔ صحن مسجد میں تین مردانی اور ایک زنانی قبریں ہیں۔ تین قبروں کے سرہانے چراغ دان ہیں لیکن بظاہر یہ قبریں ایسی پرانی نہیں معلوم دیتیں جیسی کہ روایت کی جاتی ہی کہ خان جہاں کے باپ اور اُسی کے ہم نام اُس کے بیٹے کی ہیں۔ یہ قبریں اینٹوں کی ہیں اور اینٹوں کا ہونا کچھ عجب نہیں کہ خود سلطان محمد تغلق بانی خاندان تغلق کا مقبرہ بھی اینٹوں ہی کا بنا ہوا ہی۔ ان قبروں پر کوئی کتبہ نہیں جس سے کوئی ٹھیک رائے قایم کی جا سکے کہ کن کی ہیں اور کس زمانے کی ہیں۔ مسجد کی اصلی عمارت مغرب کے رُخ پر ہی۔ جس کے تین دالان ہیں اور جو بیچ کے ہیں ہر گہہ میں پانچ پانچ در ہیں اور جنوب شمال کے دالانوں میں چار چار در اور مشرق کی طرف چار در اور ایک دروازہ جس میں ایک سلسلہ محرابوں اور گنبدوں کا ہی جو چھ دُہرے اور اٹھارہ اکہرے ستونوں پر ٹکے ہوے ہیں اور اسی طرح تین طرف دیوار اور دو ستون ہیں۔ پندرہ گنبد تو اصل مسجد کے تہرے دالانوں پر ہیں جن میں سے

سلہ اب صحن مسجد میں کوئی بھی قبر نہیں ہی غدر کے بعد سب صاف کر دی گئیں۔ ۱۲

بیچ کا گنبد اور گنبدوں سے تین فٹ اونچا ہے۔ اور اسی طرح شمال رویہ دالان پر پانچ اور جنوب رویہ دالان پر پانچ اور مشرق رویہ دالان پر چار اور صدر دروازے پر ایک سب ملا کر تیس گنبد ہیں۔ مغرب اور صدر دالان کے شمال اور جنوب یا کچھ حصے میں اور مغرب میں مسلسل لداؤ کی گیاری ہے جس میں روشنی اور ہوا کے لیئے بڑی بڑی سنگیں جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ اور اسی سلسلے میں مسجد کے چاروں کونوں پر ایک ایک حجرہ بھی ہے۔ اس چھتے کے مغرب کے رخ پر چھیت کی طرف تین کوٹھریاں نکالی گئی ہیں جن میں سے بیچ کی کوٹھڑی سب سے چھوٹی ہے۔ اس رستے کے اندرونی دیواریں اور اس میں داخل ہونے کے دروازے کے دائیں اور بائیں اوپر چڑھنے کا زینہ ہے۔ مسٹر ڈیلیں اینڈ کوپ نے اس عمارت کی نسبت حسب ذیل ریمارک کیا ہے۔ "اس عمارت کا گاؤدم طرز یعنی نیچے سے چوڑا اور اوپر سے پتلا اس زمانے کی قدیم عمارت کا ایک خاص طرز تھا۔ گاؤدم ستون جو صدر دروازے کی دونوں جانب ہیں ان سے اس عمارت کا رنگ بالکل مصری طرز کا معلوم دیتا ہے اور یہی طرز اہل ہنود کی قدیم عمارتوں میں بھی پایا جاتا ہے جس کی بابت عام خیال ہے کہ اس ملک میں مصریوں ہی سے لیا گیا ہے۔ اس عمارت کے بالکل سیدھے سادے ستون اور سردل جو محرابوں کو تھامے ہوئے ہیں وہ نہایت غور سے دیکھنے کے قابل ہیں جن میں بعض جگہ ایک اور اکثر جگہ دو کھڑے پتھر یا ستون ایک تیسرے پتھر پر لگا دیا گیا ہے اور جس کے اوپر چوتھا پتھر بطور سردل کے رکھا گیا ہے۔ محرابوں اور گنبدوں کی عجیب وغریب ساخت اور وہ غیر معمولی گرفت کا مسالا جس سے بدون ڈاٹ کے یہ بھاری بھاری پتھر قایم ہیں یہ طرز بھی چودھویں صدی کے مسلمان بادشاہوں کی تعمیر کا تھا" مسجد کے موقعی حالت سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ مسجد ایک گنجان حصہ آبادی میں بنائی گئی تھی اور جہاں کہ اب شہر دہلی آباد ہے یہ مقام یا تو فیروزآباد کے مضافات میں تھا یا شہر فیروزآباد کا خود ایک جزو تھا۔ بشپ ہیبر اس مسجد کی نسبت لکھتے ہیں "کلاں مسجد ایک چھوٹی سی عمارت ہے جس میں کوئی بات بجز اس کی سادگی۔ استحکام۔ اور بڑی قدامت کے توجہ کے قابل نہیں ہے۔ طرز عمارت خاص افغانان فاتحین کا ہے جو قدیم زمانے کے مسلمانوں کی سادگی کا ایک (عمدہ) نمونہ ہے۔ یہ مسجد ملک عرب کی مسجدوں کا ایک نمونہ ہے جس کے صحن کے اطراف دالان ہیں اور جس کی چھت تمام لداؤ کے چھوٹے چھوٹے اور

نہایت مضبوط گنبدوں سے بنی ہوئی ہے جو ایک بالکل سادہ نمونہ ہے جس کی تشبیہ ہم قدیم زمانے کے نامور لوگوں کی عمارات سے دے سکتے ہیں۔ اس مسجد میں مینار نہیں ہیں مؤذن چھت پر چڑھ کے اذان دیتا ہے فیروز شاہ تغلق نے اپنے آخری حصہ عمر میں کئی ایک بڑی بھاری بھاری مسجدیں جو اکثر بڑے نام پیدا کیا ہے۔ یہ مسجدیں خان جہاں وزیر اعظم اور اس کے بیٹے جونا شاہ کی بنوائی ہوئی ہیں جو خود بھی وزیر تھا اور جسے اپنے باپ کا خطاب "خان جہاں" بھی ملا تھا۔ مسٹر ٹرملٹ لکھتے ہیں کہ "خان جہاں اور اس کے بیٹے نے بہت سی عمارتیں بنانے کی وجہ سے بہت بڑی شہرت حاصل کی جس کا مرتبہ بنائے عمارات کے لحاظ سے بادشاہ کے بعد ہی قرار پاتا ہے۔ البتہ یہ سمجھنا مشکل ہے کہ ان پست دالانوں کی عمارتوں میں جن کے اوپر نصف دائرے اور چھوٹے قطر کے گنبدوں کی قطاریں ہیں اس طرح کہ ایک گنبد دوسرے سے بالکل چسپیدہ ہو گیا ہے اور کہیں کہیں دروازوں پر ایک بڑا گنبد بھی بنا دیا ہے کیا خوبی ہے" یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ اب جو یہ مسجدیں کالی کالی بھیانک نظر آتی ہیں ان پر اس زمانے میں رنگ کی استرکاری ہوگی جو امتداد زمانے اور موسمی اثرات سے کالی پڑ گئی۔ مسٹر اے۔ اے رابرٹس لکھتے ہیں کہ عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ خان جہاں اور اس کے بیٹے (جونا شاہ) نے حسب ذیل سات مسجدیں بنوائی ہیں۔

(۱) دہلی سے آٹھ میل بجانب جنوب موضع کھڑکی میں ایک بہت بڑی مسجد۔

(۲) موضع بیگم پور کی مسجد۔ جو موضع کھڑکی کے شمال جنوب میں کوئی دو میل کے فاصلے پر بنی ہوئی ہے۔ یہ مسجد قطب صاحب کو جاتے وقت سڑک سے کوئی پاؤ میل ہٹی ہوئی بائیں ہاتھ کی طرف دکھلائی دیتی ہے۔

(۳) بیگم پور کے متصل کالو سرائے میں ایک چھوٹی سی مسجد۔

(۴) حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے پاس ایک مسجد جس پر ۷۷۷ھ یعنی دلی کی کالی مسجد سے سترہ برس بعد کا کتبہ لگا ہوا ہے۔

(۵) فیروز شاہ کے کوٹلے میں ایک ٹوٹی پھوٹی مسجد۔

(۶) لاہوری اور اجمیری دروازے کے بیچ میں فصیل شہر سے ملی ہوئی ایک مسجد

(۷) کالی مسجد یا کلاں مسجد جو ترکمان دروازے میں ہے۔ ان ساتوں مسجدوں میں سے صرف

تین مسجدیں بڑی اور اچھی حالت میں ہیں یعنی دلّی کی کالی مسجد۔ اور کھڑکی اور بیگم پور کی مسجد ہے
کالی مسجد سے آگے دائیں جانب **نقارچیوں کی گلی** ہے۔ اس سے آگے دائیں طرف
حویلی مظفر خاں کا صرف ایک پھاٹک باقی رہ گیا ہے جس سے معدوم شدہ
حویلی کی رفعت و شان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ خدا کی قدرت کہ وہ حویلی نیست و نابود
ہوکر اب وہاں بہت سے مکانات بن گئے اور ایک محلہ آباد ہوگیا جس میں زیادہ تر تیلی
اور کام پیشہ لوگ رہتے ہیں۔ اس سے آگے **نواب قطب الدین خاں کی گلی** ہے

رضیہ سلطانہ بیگم اور شجیعہ بیگم کی قبریں اور مسجد ۶۳۴-۳۷ھ / ۱۲۳۶-۳۹ء

بہت لوگ ایسے تھے جن کا ہمیشہ معطر کفن تھا شبنم بدن تھا
جو قبریں کہن اُن کی کھولی تو دیکھا۔ نہ تارِ کفن تھا نہ عضو بدن تھا

رضیہ بیگم سلطان التمش کی نہایت لایق اور قابل بیٹی تھی جو بلحاظ اپنی خدا داد قابلیت اور ذکاوت طبعی کے سلطنت کی اہم اور سترگ ذمہ داریوں کے سرانجام دہی کے لیئے اپنے بھائیوں سے کہیں زیادہ اہل اور موزوں تھی۔ چنانچہ اُس کے باپ نے انھیں وجوہ سے اپنے حین حیات اسی کو اپنا ولی عہد مقرر کردیا تھا اور اُسی مطابق یہ بیگم اپنے باپ کی وفات کے بعد ۶۳۴ھ / ۱۲۳۶ء میں زیب دہِ سریر سلطنت ہوئی۔ امرار و اراکین سلطنت ایک عورت کی حکمرانی کے شروع سے مخالف تھے۔ وزرار نے سازشیں شروع کیں اور خوب ہاتھ پاؤں نکالے بھٹنڈے کے حاکم **ملک التونیہ** سے جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ امرار نے مخالفت کی اور میدان جنگ میں ہی ملکہ کو قید کرلیا اور دلّی میں جھٹ **معز الدین بہرام شاہ** کو تخت پر بٹھلا دیا۔ اس کے بعد رضیہ بیگم نے ملک التونیہ سے نکاح کرلیا اور دو دفعہ بہرام شاہ سے لڑی آخر کار ۲۵ ربیع الاوّل ۶۳۸ھ / ۱۲۴۰ء کو ماری گئی۔ رضیہ بیگم مسلمانوں کی پہلی اور آخری ملکہ تھی۔ اُسے تخت پر بیٹھے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ عام ناراضگی پھیل گئی امرار نے اُس کے بھائی معز الدین بہرام شاہ کو اُبھارا اور بہن بھائیوں کو لڑوایا اور آخر بے چاری رضیہ کو قتل کرواکر ٹھنڈک پڑی۔ منہاج السراج میں لکھا ہے کہ رضیہ بیگم ۲۴ ربیع الاول ۶۳۸ھ / ۱۲۴۰ء کو اپنے بھائی سے شکست کھاکر قصبۂ کیتھل کو بھاگی۔ فوج نے ۱۳ اکتوبر ساتھ نہ دیا تن تنہا رہ گئی اور گاؤں والوں کے ہاتھ آگئی اُنھوں نے مار ڈالا۔ ابن بطوطہ

جب سے گا بوئنگی آپ یہ فرماتے ہیں کہ دو کسی کسان نے مار کر اپنے کھیت میں باد یا اور جب وہ ملکہ کا لباس بیچنے بازار میں لایا تو پکڑا گیا۔ قاضی کے سامنے کشاں کشاں لایا گیا اُس کو جرم سے اقبال تھا۔ نعش جہاں گاڑی تھی اُس مقام کی نشان دہی بھی کر دی۔ نعش وہاں سے برآمد کی گئی اور نہلا دھلا کر وہیں جلا بھی دی گئی اور قبر پر ایک چھوٹا سا مندر بنا دیا گیا جسے لوگ ایک متبرک مقام خیال کر کے زیارت کے واسطے جایا کرتے ہیں۔ یہ مقام دہلی سے ایک فرسنگ (۵½ میل) جمنا کے کنارے ہے۔ سبحان اللہ کیا بے تکی اُڑائی ہے جس کا سر نہ پیر۔ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ ابن بطوطہ جن مقامات کو اُس نے پھٹک کر بھی نہیں دیکھا محض سنی سنائی باتوں پر جو جی میں آتا ہے لکھ مارتا ہے اور ایسے ہی بادہوائی تکے چلایا کرتا ہے۔ ابن بطوطہ کا یہ بیان سراسر ہفوات ہے۔ کسی بادشاہِ وقت کا اس کس مپرسی میں مارا جانا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ پھر مسلمان کی نعش کو جلانا اور جمنا کے کنارے مندر بنانا چہ معنی؟ کسی معمولی سے معمولی مسلمان کے ساتھ بھی ایسا بُرا سلوک نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ بادشاہِ وقت اور وہ بھی سلطان التمش جیسے زبردست بادشاہ کی بیٹی۔ ؎

غیروں کو نہ ملا پاس میری قبر کے ظالم مُردے کو مسلماں کے جلایا نہیں کرتے

مسٹر بگلر کو بھی رضیہ بیگم کی قبر کے مقام کی نسبت شک ہے کیوں کہ ابن بطوطہ نے یہ بھی نہیں بتلایا کہ آخر مندر کس نے بنوایا۔ بہرحال سر سید نے ٹھیک لکھا ہے اور دل لگتی بات بھی یہی ہے کہ رضیہ بیگم کی قبر اُس کے بھائی معز الدین بہرام شاہ نے اُسی سال جب کہ وہ قتل کی گئی بنوادی۔ چنانچہ یہ قبر اب تک شہر دہلی ترکمان دروازے کے پاس بلبلی خانے کے محلے میں **رجی سجی کی درگاہ** کے نام سے عوام میں مشہور ہے۔ اور ہر کہ او رمہ کو معلوم ہے کہ یہ کس کی قبر ہے۔ بھلا شہر سے دور جمنا کے کنارے سے رضیہ بیگم کی قبر کو کیا تعلق ہے؟ یہ قبر سنگ سرخ کے ۵۰ مربع احاطے کے اندر ہے۔ قبر کے گرد ۳ فٹ اونچا جنگلا لگا ہوا ہے۔ دروازہ سنگِ سرخ کا ہے۔ ۴ اونچا موجود ہے۔ اس احاطے کی مغربی دیوار سے ملی ہوئی ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس کی محراب ۹ بلند ۸ چوڑی اور ۳ گہری ہے۔ احاطے کے شمال میں ایک سنگِ سرخ کے چبوترے پر برابر برابر دو زنانی قبریں چونے گچی کی پختہ بنی ہوئی ہیں۔ ایک قبر کے سرہانے

پختہ طاق ڈیڑھ فیٹ اونچا چراغ روشن کرنے کا ہے اور اسی قبر کو لوگ رضیہ بیگم کی قبر کہتے ہیں۔ دوسری قبر اس کی بہن شیریں بیگم کی کہی جاتی ہے جس کا نام کہیں تاریخ میں نہیں ہے یہ قبریں ۳-۴ بلند چبوترے پر آٹھ آٹھ فیٹ لمبی ہیں۔ اسی احاطے کے جنوب و مشرقی کونے میں اور دو قبریں بھی ہیں لیکن کسی کو نہیں معلوم کہ کس کی ہیں۔

امیر خاں کا بازار

(چتلی قبر سے نواب سیر خاں تک)

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ چتلی قبر سے سڑک کی دو شاخیں ہوگئی ہیں ایک شاخ جو ترکمان دروازے کی طرف جاتی ہے اس کا حال تو ہم لکھ چکے اب دلی دروازے کی طرف کی شاخ کا حال ملاحظہ ہو۔ چتلی قبر سے آگے بڑھ کر دلی دروازے تک امیر خاں کا بازار کہلاتا ہے۔ نواب امیر خاں عمدۃ الملک محمد شاہ کے دربار میں بڑا مرتبہ اور رسوخ رکھتے تھے اور قمر الدین خاں وزیر اعظم اور نواب آصف جاہ بہادر کے ٹکر کے امیر تھے۔ ان دونوں کی پاس خاطر سے امیر خاں کو الہ آباد کی صوبہ داری پر بھیج دیا گیا۔ لیکن امیر خاں یہاں بھی کب خاموش بیٹھنے والے تھے ان کی بے چین طبیعت اور جاہ و منزلت کی بلند پروازی نے ان کو چین نہ لینے دیا انھوں نے صفدر جنگ کو گانٹھ لیا اور ان کے ذریعے اپنے حریفوں کی چالبازیوں کی توڑ جوڑ کرتے رہے لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور اپنے ہی ایک نمک حرام ملازم کے ہاتھ سے ۲۳ ذی الحجہ ۱۱۵۹ھ (۲۶ جنوری ۱۷۴۷ء) کو شہید ہوگئے اور سارے منصوبے اپنے ساتھ قبر میں لے گئے۔

حویلی نواب بڈھن صاحب

نواب غلام نصیر الدین احمد خاں صاحب عرف بڈھن صاحب خلف نواب حمزہ علی خاں صاحب آپ رؤسائے شیخو پورہ برناوا ضلع میرٹھ میں سے ہیں۔ آپ کے بزرگ مناصب جلیلہ پر دکن میں رہے ہیں۔ نواب صاحب موصوف نہایت متقی پرہیزگار دین دار فقیر دوست رؤسا و شرفائے شہر میں سے ہیں۔ مکان کا بڑا پھاٹک ہے اوپر ایک بہت وسیع کمرہ اور اندر محل سرا ہے۔

کلو خواص کی حویلی

چتلی قبر سے کوئی ڈھائی سو قدم کے فاصلے سے دائیں ہاتھ کی طرف تراہے جاتے ہوئے امیر خاں کے بازار میں یہ حویلی ہے۔ پہلے بہت بڑی حویلی تھی اب ٹوٹ ٹاٹ گئی کچھ دیواریں رہ گئی ہیں۔ جن سے اندازہ اس حویلی کی شان وشوکت کا کیا جاسکتا ہے۔ اب اس جگہ متفرق مکانات بن گئے ہیں۔ اسی کوچے کے سامنے گلی موچیاں ہے جس کا رستہ اعظم خاں کی حویلی کو نکل جاتا ہے۔ موچیوں کی گلی سے آگے بڑھ کر کمہاروں کی گلی ہے اور اس سے اگلی گلی مرلی بانس والے کی ہے۔

مدرسہ مولانا شاہ محمد اسحق صاحب

جس وقت شاہ عبدالعزیز صاحب کی دختر نیک اختر یعنی مولنا شاہ اسحق صاحب کی والدہ کا انتقال ہوا۔ حضرت کو خیال ہوا بھتیجوں کے سامنے نواسے وارث نہ ہوں گے اس لیئے مولنا شاہ اسحق اور مولانا محمد یعقوب صاحبوں نے بھائیوں کے لیئے قطعۂ زمین علیحدہ خرید کرکے اس میں عمدہ پختہ مکانات بنا دیئے اور انھیں کے نام کردیئے چنانچہ مولنا صاحب چند سال ان مکانوں میں رہے اس کے بعد یک بیک خانۂ کعبہ کا شوق پیدا ہوا حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تمام مکان اور اثاثہ بیچ کر سنہ ۱۲۵۶ھ میں مع اہل وعیال کے ہجرت فرما گئے۔ اب اس مدرسے میں چھوٹے چھوٹے مکانات بن گئے ہیں۔ چرہان کسان وغیرہ غریب لوگ رہتے ہیں۔ یہیں ایک چھوٹی سی مسجد آپ ہی کے نام سے مشہور ہے جس میں آپ نماز پڑھا کرتے تھے۔ اب چونکہ یہ کل جائداد رای بہادر لالہ شیو پرشاد صاحب کی ہے اس لیئے اس گلی پر مدرسہ رای بہادر لالہ رام کشن داس کا تختہ لگا دیا گیا ہے۔

سوئی والوں کا محلہ

اس محلے میں دو مسجدیں ہیں (۱) جس کے متولی مولوی عبدالغنی ہیں شمال جنوب ۳۲ فٹ اور مشرق سے مغرب ۱۶ - ۹ ہے۔ (۲) کے متولی حاجی بلاقی ہیں۔ یہ مسجد شمالاً جنوباً ۲۷ فٹ اور مشرق سے مغرب ۱۲ فیٹ ہے۔ گو یہ دونوں مسجدیں سلاطین مغلیہ کے زمانے کی ہیں مگر ان میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں جس کا ذکر کیا جائے۔

محلہ سوئی والوں کا حوض

اس محلے میں سب سے بڑی چیز نواب اعظم خاں خلف نواب امیر خاں عمدۃ الملک کی بارہ دری تھی اب دونوں ندار ہیں حوض ٹوٹ ٹاٹ گیا اور اس جگہ چھوٹے چھوٹے مکانات بن گئے ہیں۔ نواب امیر خاں کے دور دورے کا حال آپ سن چکے ہیں اُن کے بیٹے اعظم خاں کا کیا حشر ہوا تاریخ اور روایات دونوں اس سے ساکت ہیں۔ اس محلے میں حوض والی ایک مسجد ہے جس کے متولی امداد حسین ہیں۔ یہ مسجد شمالاً جنوباً ۶ گز اور شرقاً غرباً ۳ گز ہے۔ یہ مسجد بھی نواب اعظم خاں کی بنائی ہوئی ہے۔ اس مسجد کے شمال میں جس کے سراہنے طاق ہے مشرق والی قبر سید داؤد صاحب کی ہے جو شاہ ترکمان بیابانی کے خلیفہ تھے۔ اور دوسری قبر کے تعویذ اور طاق پر سفیدی کی تہ پر تہ چڑھ گئی ہے معلوم نہیں ہو سکتا کہ اصلی حالت قبر کی کیا تھی۔

بنگش کا کمرہ

یہ عالی شان مکان فیض اللہ خاں بنگش نے صرف زر خطیر بنوایا تھا جو جامع مسجد کے شمالی دروازے کے سامنے اس سڑک پر واقع ہے جو مٹیا محل چتلی قبر۔ ترا ہا بیرم خاں ہوتی ہوئی دلی دروازے کو نکل گئی ہے۔ بنگش دراصل ایک پہاڑ کا نام ہے جو صوبۂ سرحدی شمال و مغرب میں کوہاٹ کے پاس ہے۔ اُس نواح سے جو لوگ دہلی میں آئے اُنھوں نے بنگش کے نام سے شہرت پائی۔ سب سے پہلے بنگش ہندوستان میں شاہ عالم اول کے زمانے میں آئے ان لوگوں کا عروج محمد شاہ کے عہد میں ہوا۔ نواب محمد خاں غضنفر جنگ بنگش فرخ آباد آگرہ۔ اور الہ آباد کے صوبہ دار مقرر ہوئے اور یہ وہی علاقہ ہے جس پر آگے چل کر انھیں کے صاحبزادے نواب احمد خاں غالب جنگ خود مختارانہ حکومت کرنے لگے۔ فیض اللہ خاں نیک نام خاں کے بیٹے تھے جو محمد خاں کی سرکار میں سب سے بڑے پایہ کے آدمی تھے آپ میر عمارت تھے۔ رابعہ بیگم محل خاص محمد خاں کو عمارات کا بہت شوق تھا اس سبب سے فیض اللہ خاں مورد عنایت ہو گئے۔ چنانچہ انھیں کے اہتمام اور نگرانی میں بیگم صاحب نے کئی ایک سرائیں۔ مسجدیں۔ پل اور محلات وغیرہ بنوائے جن میں سے اب بھی بعض بعض موجود ہیں۔ محمد خاں کی وفات کے بعد بیگم صاحب ہی مالک و مختار رہیں اور کل کاروبار فیض اللہ خاں کے سپرد رہا اور فیض اللہ خاں ہی دربار

شاہی میں بیگم صاحب کی طرف سے وکیل تھے۔ اسی سڑک پر آگے بڑھ کر ترابا اور مرزا خجستہ بخت کی حویلی ہے اور اُسی میں سے دائیں طرف امیر خاں کے گنج کو رستہ جاتا ہے اور بائیں طرف چیلوں کے کوچے اور کلاں محل کو۔

رنگ محل زمانِ مغلیہ کا۔ رنگ محل اور اُس کے قرب وجوار کی عمارتوں کی نوعیت اور شکل اب بالکل بدل گئی ہے۔ رنگ محل اور اُس کے ساتھ کی اور عمارتیں بیرم خاں خانِ خاناں ہمایوں کا برادرِ نسبتی اور اکبر کے ریجینٹ خاندان کے کسی ممبر کی بنوائی ہوئی تھیں۔ اب رنگ محل کا بہت ہی تھوڑا حصہ رہ گیا ہے۔ یہیں **گنج میر خاں** ہے جو ایک بازار ہے اس میں **محلہ رکاب** اور **حویلی میر خاں** کا محلہ ہے۔

مرزا الٰہی بخش کا رنگ محل ترا ہے میں یہ بھی ایک محل دورِ آخر مغلیہ کا بنایا ہوا ہے۔ جو اب نواب ملکہ جہاں بیگم اور نواب بادشاہ جہاں بیگم دختر مرزا ثریا جاہ مرحوم اور مرزا الٰہی بخش کے پوتیوں کے قبضے میں ہے۔ یہ محل مرزا جمشید بخت کا بنوایا ہوا ہے جن کو لوگ **مرزا کوڑا** کہتے تھے۔ بعد میں مرزا الٰہی بخش نے خرید لیا جو وراثتہً شاہزادے ثریا جاہ مرزا کیوان شاہ بہادر گورگانی کو پہونچا۔ مرزا صاحب موصوف **مرزا الٰہی بخش** صاحب سمدھی بہادر شاہ بادشاہ کے صاحب زادے تھے۔ گورمنٹ سے آٹھ سو روپیہ ماہانہ وظیفہ پاتے تھے اور خاندان تیموریہ کے **چیف** تھے۔ حکام و اہل شہر آپ کا بڑا اعزاز کرتے تھے افسوس کہ وہ بھی نہ رہے اب صرف اُن کی صاحب زادیاں رہ گئی ہیں جو تباہ شدہ مغلیہ سلطنت کی یادگار ہیں۔ یہ مکان کسی زمانے میں عجیب و غریب ہوگا اب بھی اندر کا دالان بہت آراستہ ہے۔ اب اس میں **دلی تحصیل کی کچہری** ہے۔

چاندنی محل یہ بھی مرزا ثریا جاہ کا ہے اور دورِ آخری مغلیہ میں محمد شاہ کے وقت میں بنایا تھا اور شاہزادہ سلیم شاہ پسر اکبر شاہ ثانی کے قبضے میں تھا۔ پھر مرزا گوہر شاہزادے نے اپنی بہن حسینی بیگم سے جو شاہزادہ سلیم شاہ کی بیوی تھیں لے لیا اور آخر کار مرزا ثریا جاہ کے قبضے میں آگیا اُن کی وفات کے بعد اُن کی دونوں صاحب زادیاں مالک ہیں۔

واقع ہیں کسی زمانے میں عجیب و غریب مکان تھا۔ حوض فوارہ باغیچہ سب کچھ موجود تھا گو اب اس کی حالت خراب ہی مگر پھر بھی شاہی محل ہی اب بھی جو بات ہی لاجواب ہی۔ مرا ہاتھی بھی سومن کا ہوتا ہی۔ ؎

نہ کچھ شوخی چلی بادِ صبا کی
بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

شاہزادہ مرزا بلاقی کا مکان

یہیں شہزادہ امیر الملک مرزا بلاقی گورگانی کا مکان ہی جو نہایت بزرگ اور پاک طینت مرنج و مرجاں شخص ہیں شاہزادے بھی ہیں اور باطن میں فقیر بھی ہیں۔ سرکار عالی نظام سے وظیفہ پاتے ہیں۔ نہ کہیں آتے نہ جاتے ع ہیچ آفت نرسد گوشۂ تنہائی را۔ ان کی آنکھیں دور آخر مغلیہ دیکھ چکی ہیں اب یہ زمانہ بھی دیکھ رہے ہیں۔ شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن کے اصلی مصداق ہیں۔ ع جو کچھ خدا دکھاے سو ناچار دیکھنا۔

رباعی

طفلی دیکھی شباب دیکھا ہم نے
ہستی کو حباب آب دیکھا ہم نے
جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھلا
جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

شیش محل

دور آخری مغلیہ کا بنایا ہوا۔ خراب و خستہ حالت میں ہی۔ یہ بھی محمد شاہ کے زمانے کا بنایا ہوا ہی اور اس زمانے میں مرزا خورشید ایرانی کے قبضے میں تھا۔ بعد اس کا نیلام ہوا اللہ مرزا ثریا جاہ نے خرید لیا۔ اب اس محل کی صرف جنوبی دیوار باقی رہ گئی ہی اور حصہ ندارد ہی۔

کوچۂ فولاد خاں

کمرہ بنگش سے دائیں طرف فولاد خاں کا کوچہ ہی جو خبش خاں کوتوال دہلی کی اولاد سے تھے۔

کوچہ چیلاں

کوچہ فولاد خاں میں داخل ہونے کے بعد کوئی پچاس قدم چل کر دائیں ہاتھ کو کوچہ چیلاں ہے۔ اصل میں اس کا نام چہل کوچہ تھا کیوں کہ اس میں متعدد کوچے تھے عوام میں چیلوں کا کوچہ مشہور ہوگیا گلی اولیا۔ گلی انبیا اب بھی موجود ہیں۔ یہیں خان بہادر شمس العلما منشی محمد ذکار اللہ خاں صاحب فلو آف دی الہ آباد یونیورسٹی کا مکان ہے۔ آپ حافظ ثنا ر اللہ صاحب کے صاحبزادے تھے جو نہایت دین دار پابند صوم صلوۃ تھے اور پنج وقتہ نماز جامع مسجد میں ادا کرتے تھے۔ منشی ذکار اللہ۔ مولوی نذیر احمد۔ مولوی ضیار الدین خاں یہ تینوں ہم جماعت تھے اور خدا کی عجیب قدرت ہے کہ یہ تینوں صاحب اپنی علمی لیاقت کی وجہ سے مشہور زمانہ ہوئے۔ جن کے حالات اپنی اپنی جگہ بیان ہوں گے یہاں منشی صاحب کا ذکر خیر وہ بھی مختصر کیا جاتا ہے۔ فن تاریخ اور ریاضی میں علی الخصوص مسلمانوں میں آپ کا جواب نہ تھا۔ آپ کی تصانیف ایک نہیں دو نہیں سینکڑوں ہیں۔ جتنی ضخیم کتابیں آپ نے تصنیف کیں اور ترجمہ کیں کسی اور نے نہیں کیں۔ مزاج میں بالکل سادگی تھی اور انکسار اس درجے تھا کہ فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ پرانی وضع کے پابند تھے۔ شام کو ٹہلنے ضرور نکلتے تھے۔ بالکل عالمانہ اور فلسفیانہ طرز تھا۔ تعصب پاس نہ پھٹکا تھا۔ چھوٹے بڑے ہر کس و ناکس سے بکشادہ پیشانی ملتے تھے اب۔ ان تینوں صاحبوں میں سے کوئی بھی نہ رہا۔ منشی صاحب نے ۷ رنومبر ۱۹۱۰ء میں انتقال کیا۔ گو شمس العلمار تھے مگر کہلاتے ہمیشہ منشی اور یہ لفظ تھا بھی بہت موزوں اتنا بڑا منشی یعنی لکھاڑ کوئی دیکھنے میں نہیں آیا۔ خدا جانے قلم تھا یا مشین دماغ تھا یہ معلومات کا ایک نامحدود و غیر متناہی ذخیرہ۔ ایسے لوگ کہاں پیدا ہوتے ہیں اور شاید ہوتے ہوں تو ہوتے ہوں مگر فی زمانہ مسلمانوں میں تو نہیں ہوتے اور سارا ہندوستان چھان مارو ایک بھی ان جیسا نہ ملے گا۔ منشی صاحب کے مکان کے آگے کوچہ ناہر خاں ہے۔ اسی کے پاس نواب خواجہ قاسم علی خاں عرف نواب شرف الدین خاں صاحب کی حویلی کا پھاٹک ہے آپ نہایت لایق اور باوضع دلی کے مشہور رؤسا میں سے تھے۔ آپ کے آبا و اجداد

کشمیر سے تاجرانہ دہلی آئے تھے اور دلی میں کشمیری شال اور ریشم کی تجارت کرتے تھے اور دلی ہی میں رہ پڑے۔ شوال سنہ ۱۳۱۱ھ کو آپ نے انتقال کیا۔ بیرون ترکمان دروازہ متصل بوچڑ خانہ چونسٹھ کھمبے میں مدفون ہوئے اس سے آگے دائیں طرف پھول کی منڈی سے رستہ نکل جاتا ہے اور بائیں طرف کالے خاں کی مسجد ہوتا ہوا فیض بازار میں جا ملتا ہے۔

حویلی نواب مصطفیٰ خاں

نواب مصطفیٰ خاں کی ایک حویلی تو چہ سیاہیم کے پھاٹک میں تھی وہ تو رہی نہیں۔ مگر چیلوں کے کوچے میں ایک بڑی بھاری حویلی نواب مصطفیٰ خاں کے نام سے مشہور ہے اس حویلی سے لگی ہوئی علی جان والوں کی ایک عالی شان عمارت ہے جس میں سے پہلے کامریڈ اور اور ہمدرد اخبار نکلتے تھے اور اب عربک سکول کی شاخ ہے۔ اس کے آگے کالے خاں کی مسجد۔ تمدن پریس۔ دفتر رسالہ خطیب و نظام المشائخ ہے۔

گلی راجان

چیلوں کے کوچے میں ایک محلہ ہے اسی میں خواجہ میر درد کی بارہ دری تھی۔ اب بارہ دری تو رہی نہیں۔ خواجہ صاحب کی اولاد میں سید ناصر سعید صاحب نے احاطہ کھینچ کر ایک مکان کی شکل کر لی اور ایک مسجد خواجہ میر درد کی بنائی ہوئی تھی جو اب بھی ہے مگر از سر نو تعمیر پانے سے اس کی شکل و صورت باقی نہیں رہی۔

چھتہ حکیم آغا جان

یہ چھتہ حکیم آغا جان کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا ایک امدادی دروازہ تھا جس کو مخدوش حالت میں ہونے سے میونسپلٹی نے سنہ ۱۳۰۸ء میں گروا دیا۔ اس کا بھی بڑا عبرت خیز واقعہ ہے۔ چھت اس قدر مضبوط تھی کہ ٹوٹتی نہ تھی اور کدالوں کے منہ پھرے جاتے تھے۔ ہمارے ایک عزیز عبدالعزیز نامی اُدھر سے گزرے کوئی دن کے دس بجے ہوں گے ان کی جو شامت آئی سیخی میں آکر مزدوروں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے "ارے میاں کیا تماشہ بنا رکھا ہے لاؤ مجھے کدال دو میں آغا جان کا سر توڑوں" کدال لے اوپر چڑھ گئے ایک دو ہی کدالیں لگائی ہوں گی کہ چھتے کا ایک حصہ دھڑام سے آن پڑا عبدالعزیز صاحب کا نیچے کا دھڑ اس میں ایسا بے طور پھنسا کہ کسی سے بن نہ پڑا کہ انھیں نکال سکے۔ بلیاں کڑیاں سامان لاتے

میں دیر ہوئی کئی گھنٹے وہ معلق رہے بہ ہزار مشکل اُن کو نکالا۔ صدر ڈاکٹر خانے میں لے گئے۔ دونوں ٹانگیں چور ہو گئیں تھیں شام نہ ہونے پائی کہ دم نکل گیا۔ گئے تھے حکیم آغاجان کا سر توڑنے، اور خود دام اجل میں گرفتار ہو گئے بزرگان دین کی بارگاہ میں سوء ادبی کا خوب مزہ چکھا۔ پہلے اس چھتے میں حکیم صاحب کے اعزہ اقربا رہتے تھے اب نہ وہ چھتہ رہا نہ وہ مکین۔ ایک محلے کی حیثیت ہو گئی ہے اور مختلف پیشہ ور لوگوں کے چھوٹے چھوٹے گھر بن گئے ہیں۔

کلاں محل شاہجہانی عمارت ہے۔ قلعۂ معلی کے بننے سے پہلے بادشاہ اس میں ہی مقیم تھے۔ کسی زمانے میں بہت بڑا محل تھا۔ موجودہ محل اُس کے آٹھویں حصے سے بھی کم ہے۔ غدر کے بعد لالہ چھنّامل صاحب نے کوڑیوں کے مول لیا۔ پہلے نارمل سکول تھا۔ پھر ماڈل سکول رہا۔ اب عیسائی لوگ رہتے ہیں۔

املی محل یہیں اس نام کی ایک پرانی مگر عالی شان عمارت املی محل کی ہے۔ یہ مکان بہت مخدوش حالت میں تھا حال میں سلطان سنگھ صاحب رئیس دہلی نے خرید لیا ہے اور اپنے طرز پر بنوا رہے ہیں۔ اس کے آگے ایک گلی ہے جس کا نام کٹڑہ مہرپرور ہے اور آگے بڑھو تو کوچۂ دکھنی رائے اور اُسی سے ملا ہوا محلہ نقارخانہ ہے۔

مدرسہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب یہ مدرسہ کسی زمانے میں نہایت عالی شان اور خوبصورت تھا اور بڑا دارالعلوم سمجھا جاتا تھا اور کیوں نہ ہوتا کہ بادشاہی دور دورہ اور شاہ عبدالعزیز صاحب جیسا نامور عالم و فاضل اس کا مہتمم۔ محمد شاہ بادشاہ نے جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث کو پرانی دلی سے جہاں اب ان بزرگواروں کے مزار ہیں شاہجہان آباد یعنی موجودہ دہلی میں بلاکر ایک بڑا عالی شان مکان دیا تھا۔ درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہوا۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے بعد اُن کے چاروں صاحبزادوں نے وہی مشغلہ جاری رکھا اور اس مدرسے نے تعلیم دینیات میں وہ نام پایا کہ ہندوستان میں شہرہ ہو گیا۔ جب شاہ صاحب کے صاحبزادوں میں سے کوئی نہ رہا تو مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب نے مدرسہ کی خدمت اپنے ذمے لی۔ ۱۲۵۶ھ میں آپ نے ہجرت کی تو مولانا مخصوص اللہ صاحب اور مولانا محمد موسیٰ صاحب خلف حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب اسکی نگرانی فرمانے لگے۔ ان حضرات نے بھی ۱۸۵۶ء میں انتقال فرمایا تو صرف مولوی محمد موسیٰ صاحب کے ایک صاحبزادے میاں عبدالسلام صاحب بہت صغرسن رہے اور ایک صاحبزادی

رہ گئیں - خاندان بھر میں کوئی ایسا نہ رہا جو عبدالسلام صاحب کو پڑھا لکھا تھا - غرض یہ سلسلہ جو کئی پشت سے اس خاندان میں جاری تھا بند ہو گیا - غدر میں مکانات لوٹ لیئے گئے - گرا دیئے گئے کڑی تختہ تک لوگ اُٹھا لے گئے - خانہ خالی را دیو می گیرد - ایک شریف گردی تھی کہ الہی توبہ جس کی لاٹھی اُسکی بھینس جس کا جس پر قابو چلا قابض ہو گیا اب متفرق لوگوں کے مکان اس جگہ بن گئے ہیں مگر محلہ شاہ عبدالعزیز صاحب مدرسے کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے - اس خاندان میں سوائے ایک آدھ خاتون عصمت کے اور کوئی نام لیوا اور پانی کا دیوا نہ رہا - ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جب تک لوگ قدر دان علم تھے اللہ ویسے ہی لوگوں کو پیدا بھی کرتا تھا اب جب کہ علم دین کی قدر ہی نہ رہی تو پھر ایسے لوگوں کے پیدا ہونے یا باقی رہنے کی بھی ضرورت نہ رہی -

کھڑکی تفضل حسین خاں

یہاں کھڑکی تفضل حسین کی تھی جس کا رستہ مچھلی والوں میں جا نکلتا ہے - اب کھڑکی تو باقی نہیں - یہ گلی اس نام سے پکاری جاتی ہے - اور یہیں ایک چھوٹی سی گلی گوندنی والی مشہور ہے -

یتیم خانہ انجمن موید الاسلام

۱۳۱۰ھ

انجمن موید الاسلام اس کی کفالت کرتی ہے یہ انجمن سے قائم ہوئی اس کے اصل بانی جناب منشی محمد کرم اللہ خانصاحب رئیس دہلی تھے - اس انجمن کے اغراض مسلمانوں کے لاوارث بچوں کو پرورش کرنا اور اُن کو دینی و دنیاوی و اخلاقی تعلیم دینا - لاوارث محتاج میت کی تجہیز و تکفین - ویران مسجدوں کو آبادی میں حتی الامکان سعی کرنا ہیں اس یتیم خانے میں لڑکے اور لڑکیاں پرورش پاتی ہیں اور جناب خان بہادر مولوی عبدالاحد صاحب مالک مطبع مجتبائی اس کے انتظام میں کافی دلچسپی لے رہے ہیں -

روح اللہ خاں اور بقاء اللہ خاں کے کوچے

حویلی مرزا خجستہ بخت کے سامنے روح اللہ خاں اور حویلی کے برابر ہی بقاء اللہ خاں کا کوچہ ہے - یعنی دونوں کوچے آمنے سامنے ہیں - جن میں شہر کے لوگ آباد ہیں -

حویلی مرزا خجستہ بخت بہادر

سنہ ۱۲۴۶ھ
۱۸۳۰ء - ۳۱

یہ شاہ عالم ثانی کے بیٹے اور عرش آرامگاہ محمد اکبر شاہ ثانی کے بھائی خجستہ بخت بہادر کی حویلی ہے جس کی

تاریخ بہت خوب ہے۔ "مکان خجستہ بنیاد" ۱۲۴۶ھ

محلہ مفتیان

مفتی اکرام الدین خاں صاحب مرحوم صدر امین کے نام سے مشہور ہے انہیں کی اولاد اس میں بستی ہے جس میں یادہ تر نامی مولوی احسان الحق اور ان کے خلف اکبر خان بہادر مولوی محمد انوار الحق صاحبان تھے۔ ان صاحبوں کا تذکرہ شیخ عبدالحق صاحب کے ضمن میں کیا ہے مولوی انوار الحق صاحب مدتوں ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانے کے میر منشی رہے اور بہت نیک نامی عزت و احترام سے اس ذمے داری کی خدمت کو انجام دیا۔ ذی علم۔ نہایت مقدس و محترم منکسرالمزاج اور فقیر دوست بزرگ تھے بہت دنوں وکالت ریاست بھرت پور پر بھی رہے بعد خودخانہ نشین ہوئے۔ مولوی انوار الحق صاحب نے ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۲۰ھ یوم پنجشنبہ بوقت سہ پہر کو (۲۵ دسمبر ۱۹۰۲ء) انتقال فرمایا اور ۲۵ رمضان المبارک جمعۃ الوداع کے مبارک دن جامع مسجد میں نماز جنازہ ہوئی جس میں ہزارہا مخلوق شریک تھی۔ خوشا نصیب کہ ایسا دن پایا۔ آپ اپنے جدامجد شیخ عبدالحق صاحب محدث کے مقبرے میں دفن ہوئے یہ چار بھائی تھے سب چل بسے اب ان کی اولاد ہے جن میں کئی صاحب سربرآوردہ عہدوں پر ہیں۔ ۲۲ ربیع الاول کو اب تک حضرت شیخ کا عرس شریف کیا جاتا ہے۔ یہیں دائی کی مسجد ہے جس کا ذکر مسجدوں کے ضمن میں آیا ہے۔ دائی کی مسجد سے کوچۂ تاراچند۔ چھتۂ لال میاں۔ محلۂ چوہان۔ کٹڑہ بدہان راؤ۔ کوچۂ جلال بخاری۔ محلۂ دھوبیان۔ کٹڑہ شہاب رائے۔ گلی مالیان۔ گلی گنتا مصر اور تراہے سے پھول کی منڈی جانے والے رستے ہیں فیض بازار تک محلہ وساں۔ کوچۂ نیل کنٹھ۔ راستہ کوچۂ تاراچند جٹواڑہ اولیا مسجد۔ پھول کی منڈی۔ سے ملتے ہیں۔ اسی پھول کی منڈی میں سمیع اللہ خاں صاحب مرحوم کا مکان ہے۔ جن کا ذکر مہندیوں کے ضمن میں آیا ہے۔

تراہہ بیرم خاں

یہاں تین رستے ملتے ہیں اور اسی سبب تراہہ کہلاتا ہے۔ ایک رستہ تو یہی سڑک ہے جو جامع مسجد سے سیدھی دلی دروازے کو چلی گئی ہے۔ ایک رستہ بائیں طرف فیض بازار کو چلا گیا ہے۔ یہ مقام بیرم خاں خانخاناں کے نام سے مشہور ہے جو ہمایوں بادشاہ کا برادر نسبتی اور اکبر بادشاہ کا ریجنٹ تھا۔

دائی والی مسجد
۱۰۶۴ھ
۵۴-۱۶۵۳ء

یہ تین در اور ایک گنبد کی چھوٹی سی مسجد ہے جو ۴ھ × ۶۲ فٹ ہے۔ تاریخی واقعات سے غیر متعلق ہے۔ درمیانی محراب پر یہ کتبہ بہت خوش خط لگا ہوا ہے۔

وَاِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا ۵ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۱۰۳۱ھ

شکر اللہ کہ گشت ایں مسجد　　از شرف سجدہ گاہِ اہل نظر
سال تاریخ او خرد گفت　　گشتہ آباد کعبۂ دیگر

اسی سڑک پر جو دلی دروازے کو جاتی ہے یہ مقامات ہیں کوچہ تارا چند۔ لال میاں کا چھتہ۔ کوچہ جلال بخاری۔ گلی گنا مصر۔

پھول کی منڈی　تراہہ بیرم خاں سے پھول کی منڈی

تراہہ بیرم خاں کے سامنے جو گلی جاتی ہے جہاں پیپل کا ایک بڑا پرانا درخت ہے وہ پھول کی منڈی کہلاتی ہے۔ پہلے یہاں گل فروشوں کی منڈی تھی۔ اور گل فروشوں کی دکانیں کثرت سے تھیں۔ جس سے دماغ عالم کا معطر ہوتا تھا۔ اگرچہ اب یہاں پھلارے نہیں بیٹھتے مگر نام چلا جاتا ہے۔ اسی میں **کوچہ سعد اللہ خاں** - **کوچہ نیلکنٹھ** اور اسی کے اندر ایک چھوٹی سی گلی **تانت والی** کہلاتی ہے۔

اولیا مسجد
۱۲۶۱ھ
۱۸۴۵ء

پھول کی منڈی میں اولیا مسجد ہے جو شمالاً جنوباً ۲۸ اور شرقاً غرباً تیرہ فیٹ ہے۔ باقی کوئی خاص بات نہیں ہے۔

سر سید احمد خاں مرحوم و مغفور کا مکان

مرے پر اپنے اور بیگانے سر سید کو روتے ہیں۔
خدا کے نیک اور مقبول بندے ایسے ہوتے ہیں
انیسویں صدی کے مشہور مسلمانان ہند میں سر سالار جنگ اعظم لیبارک آف انڈیا کے بعد ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر جوادالدولہ عارف جنگ کے۔ سی۔ اس۔ آئی وغیرہ تھے۔ آپ کو کون نہیں جانتا آپ کی لیاقت اور وجاہت کا کوئی مسلمان ہمارے دیکھتے نہیں ہوا۔ مسلمانوں کے فدائی تھے۔ قوم کی بہتری کے لیئے تن من دھن سب وقف کردیا تھا وفاداری سرکار کے ساتھ یہ محب ملک و قوم اور صاحب تصانیف بھی تھے۔

شبیہ سر سید احمد خاں بالقابہ (مرحوم)

اولیا مسجد کے پاس اُن کا دولت خانہ ہے جو اب اُن کے پوتے سید راس مسعود صاحب کے
قبضے میں ہے۔ آپ کے مفصل حالات جو صاحب دیکھنا چاہیں وہ مولوی الطاف حسین حالی کی کتاب
حیات جاوید دیکھیں آپ کی ولادت ۱۸۱۷ء کی ہے اور تاریخ وفات "غفر لہٗ" ہے (۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۸ء) اور آپ علی گڈھ
کالج کی مسجد میں مدفون ہیں - آپ کے آبا و اجداد ملک عرب سے ہرات میں آئے اور بزمان سلطنت
اکبر ہندوستان میں آکر مورد مراحم و الطاف خسروانہ ہوئے - عالمگیر ثانی کے زمانے میں
سر سید کے دادا کو جواد الدولہ کا خطاب ہزار پیدل اور پانسو سوار ملے آپ کے والد ماجد سید
محمد متقی خاں بہادر کو بھی یہی منصب شاہ عالم ثانی کے عہد میں برقرار رہا اور پھر سید علیہ الرحمہ پر
یہ خطاب اور منصب اُترا - جب کہ اُن کا سن شریف اُنیس سال کا تھا مغلیہ سلطنت کے انتزاع کے
بعد ۱۸۳۷ء میں آپ پہلے پہل دہلی کے صدر امین کے سررشتہ دار ہوئے اور درجہ بدرجہ
ترقی پا کر ۱۸۵۵ء میں بجنور کے سب جج مقرر ہوئے - انہی ایام میں غدر ہوگیا اور سید نے
پوری وفاداری گورنمنٹ کی کی اور جتنے انگریز اور میمیں بجنور میں تھیں اپنی جان پر کھیل کر اُن کی
جانیں بچائیں - ایک باغی نواب جس کا نام محمد خاں تھا آٹھ سو آدمیوں کی جمعیت لے کر بجنور پر
چڑھ آیا - یہ غلام قادر روہیلے کا رشتہ دار تھا جس نے شاہ عالم ثانی کی آنکھیں نکلوا ڈالی
تھیں - سر سید اپنی جان ہتیلی پر لے کر اس باغی کے پاس ہنستے ہنستے جا پہنچے اور اپنی
شیریں زبانی سے اُسے شیشے میں اُتار لیا اور اجازت دلوا دی کہ انگریز میرٹھ چلے جائیں ان
باغیوں نے یہ دیکھ کر سر سید انگریزوں کا دم بھرتے ہیں - کئی بار اُن پر حملہ کیا مگر زندگی
تھی بچ گئے - دہلی میں اُن کا مکان اور اسباب لوٹ لیا اور رشتہ داروں کو قتل کر ڈالا
بڑی جوکھوں سے سید کی جان بچی - آخر غدر کا منہ کالا ہوا - گورنمنٹ نے سر سید کو
خلعت کے علاوہ دو سو روپیہ کی ماہوار پنشن دو پشت تک کر دی اور پھر تو بہت سے
خطابات ملے وئسرائے کی کونسل کے آپ ممبر ہوئے بغرض دنیا کا کوئی ایسا اعزاز نہ تھا
جو آپ کو نہ ملا ہو - سب سے بڑا اور بہتر کام علی گڈھ کا بے نظیر کالج ہے جس کی نظیر سارے
ہندوستان میں نہیں ہے جو مسلمانوں کی سلف ہلپ کی دوامی یادگار ہے - سید احمد خاں اب
نہیں رہے لیکن کالج قایم ہے اور اُن کا نام زندہ ہے اور زمانۂ دراز تک مسلمان اُن کے
احسانات کو یاد کرتے رہیں گے - جن کوتاہ اندیشوں نے اُن کی مخالفت کی اور اُن کے
نیک کاموں میں روڑا اٹکایا اور اُن کو کافر ٹھہرایا تھا اب وہی اُن کا ذکر علیہ الرحمہ کہتے ہیں اور اُس کی

موت کو قوم کی موت سمجھتے ہیں ۔ ع انچہ دانا کند ناداں ۔ لیک بعد از خرابی بسیار ۔

نواب دبیر الدولہ کی حویلی

اونیا مسجد کے پاس ۔ یہ مکان اول مہدی قلی خاں کلب تھا جس کو نواب دبیر الدولہ نے خرید لیا تھا ۔
نواب صاحب پچھلی صدی کے ایک بڑے پایہ کے امیر تھے ۔ آپ سر سید مرحوم کے نانا تھے ۔ آپ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے سفیر ہو کر شاہِ فارس کے دربار میں گئے تھے اور انھوں نے اپنے اہم دستبرگ فرائض کو بہت اطمینان بخش طور پر انجام دیا ۔ فارس سے واپس آکر آپ آوا میں پولٹیکل ایجنٹ مقرر ہوئے ۔ اس کے بعد آپ اکبر شاہ ثانی کے وزیر اعظم رہے ۔ بالآخر بمبئی میں کسی ہنگامہ میں شہید ہوئے ۔

عقب جامع مسجد از بالائے بازار پایہ والاں تا ختم اسپلینڈ روڈ

عقب جامع مسجد

کا نظارہ بھی قابلِ دید ہے ۔ جامع مسجد کی سربفلک عمارت کی شان اور اس خانۂ خدا کی عظمت دل میں خود بخود موج زن ہوتی ہے ۔ آسمان سے باتیں کرتی ہوئی ہیبت کی دیوار کی اونچائی سفید سفید برجوں کی گولائی ۔ قطار قطار برجیوں کی خوشنمائی میناروں کی لمبائی ایک عجیب و غریب نظارہ ہے ۔ مسجد کے نیچے موقوفہ دکانیں ہیں جن میں اناج کی منڈی ہے ۔ شمالی گوشے سے لگا ہوا ایک مزار ہے ۔ دھڑ کا الگ اور سر کا جدا ۔ معلوم نہیں کس کا ہے ۔ بعض لوگ صوفی سرمد کا مزار کہتے ہیں اور شرقی دروازے کے سامنے والے مزار کو مصنوعی بتلاتے ہیں ۔ الغیب عنداللہ ۔ مگر شرقی دروازے کے محاذی جو مزار ہے اس پر خلایق کا اژدحام رہتا ہے ایک بڑی دلیل اس کی اصلیت کی ہے ۔

آنریری ہندو گرلز سکول

پایہ والوں کے بازار کی جانب ایک دو منزلہ عالی شان عمارت میں ہندو صاحبان کی لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں ۔

نقشہ عقب مسجد جامع
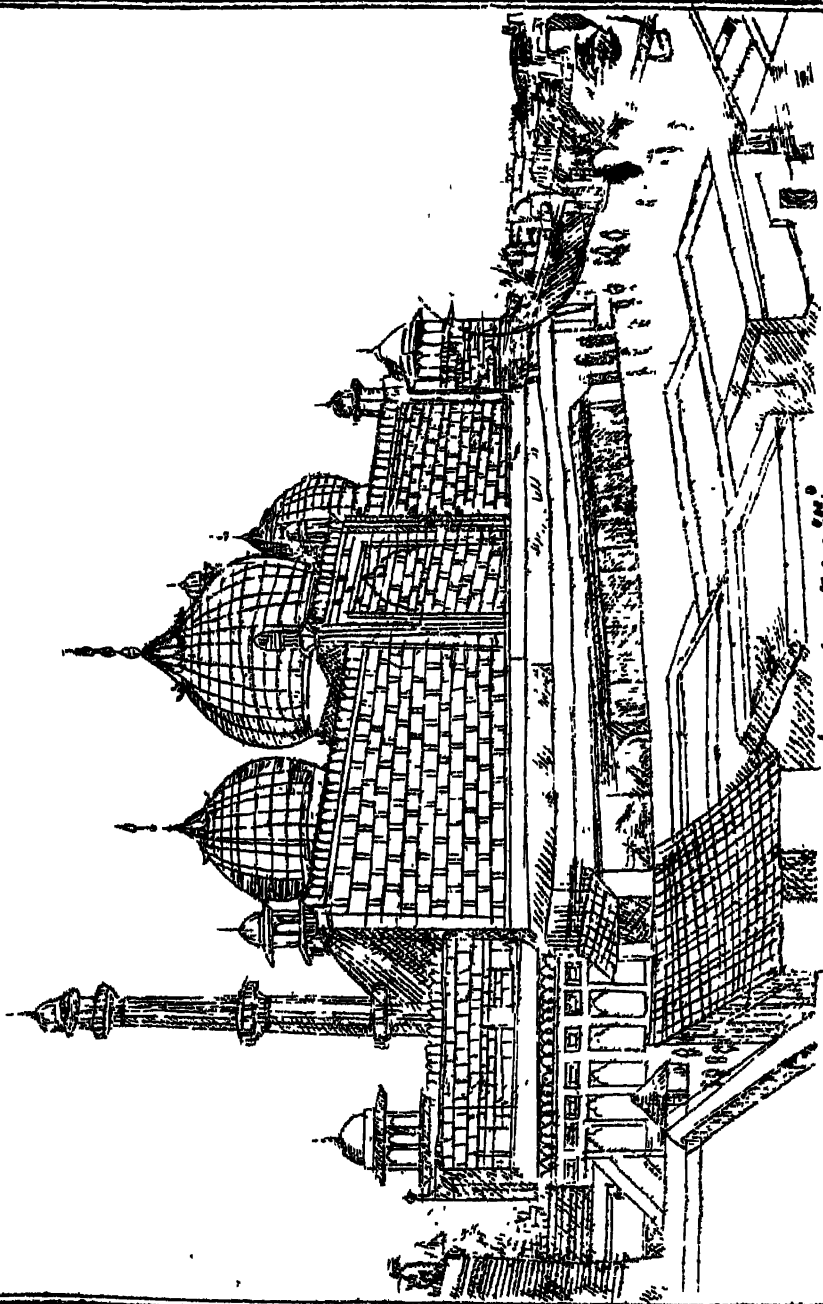
رہٹ کا کنواں بہت پرانا کنواں ہے۔ شاہ جہاں بادشاہ کے وقت میں پہاڑ تراش کر بنایا گیا تھا۔ اسی سے جامع مسجد کے حوض میں پانی جاتا تھا۔ اس کے پاس پانی کے بڑے بڑے خزانے بنے ہوئے ہیں پہلے اُن میں پانی جمع ہوتا تھا پھر جامع مسجد کے حوض میں پانی چڑھایا جاتا تھا۔ اب جامع مسجد کی آب رسانی کا سلسلہ موقوف ہو گیا چوں کہ اس کنوئیں پر رہٹ لگا ہوا ہے لہٰذا اسی نام سے کنواں تو کنواں سارا محلہ موسوم ہو گیا۔

ڈاکٹر شیخ ضیاءالدین خاں اسی محلے میں خان بہادر شمس العلماء مولوی شیخ ضیاءالدین صاحب ایل ایل ڈی کا دولت خانہ ہے۔ منشی ذکاءاللہ۔ مولوی نذیر احمد اور یہ دلی کالج کے نامی گرامی طلباء میں سے تھے۔ ایک ہی ساتھ پڑھے اور سب کے سب شمس العلماء ہو کر چکے۔ ضیاءالدین اور مولوی نذیر احمد دونوں اپنے علمی تبحر کی وجہ سے ایل ایل ڈی بھی ہوئے شیخ صاحب کا انتقال پہلے ہوا باقی دو صاحب آگے پیچھے تھوڑے ہی فرق سے گئے۔ شیخ صاحب داروغہ شیخ محمد بخش ساکن موضع لبسی تحصیل دہلی کے قدیم باشندے تھے آپ اُن کے منجھلے صاحبزادے تھے۔ داروغہ سب انسپکٹر پولیس کو کہتے ہیں فتح دہلی کے دن جب انگریزی فوج دلی میں داخل ہوئی تو وہ اپنے مکان ہی میں تھے قضائے کردگار اجل گولی کی شکل میں آئی۔ یہ خاندان گورنمنٹ کا خیر خواہ تھا۔ غدر میں دھیرج کی پہاڑی پر خبر رسانی کرتے تھے جن کے صلے میں کچھ اراضی انعام ملی ہوئی ہے۔ مولوی صاحب مولوی مملوک علی نانوتوی مشہور عالم کے شاگرد تھے اور مفتی صدرالدین خاں صدر الصدور سے بھی فارسی تحصیل کی تھی۔ ایام غدر میں دہلی کالج میں مدرس ہوئے۔ چندے نارمل سکول میں پڑھاتے رہے پھر اسی کالج میں عربی کے پروفیسر ہو گئے۔ ۱۸۷۷ء میں کالج ٹوٹا تو بلحاظ اپنی اعلیٰ قابلیت کے انسپکٹر اسسٹنٹ ہوئے اختتام مدت پر پنشن لے لی۔ بڑے بھاری ادیب وقت تھے۔ چوں کہ ساری عمر رشتہ تعلیم میں صرف ہوئی پڑھانے ہی کی دُھن رہی۔ تصنیف و تالیف کوئی نہ چھوڑی کئی برس ہوئے انتقال کر گئے اور اپنے ساتھ علم کا دفتر بھی لے گئے۔ آپ کے چار صاحب زادوں میں افسوس ہے کہ کوئی بھی ایسا نہ نکلا جو باپ کے

نام کو روشن کرتا۔

شیش محل قدیم زمانے کی عالی شان عمارت ہے اب اس میں فقیر چند کدار ناتھ کی دکان ہے جس میں ہاتھی دانت اور سنگ مرمر وغیرہ کی نوادرات و عجائبات فروخت ہوتے ہیں۔ اسی سلسلے میں اور کئی دکانیں اسی قسم کی ہیں۔ ان میں وہ چیزیں سجائی گئی ہیں جو کیوریوسٹیز یعنی عجائبات کہلاتی ہیں اور صاحبان انگریز ان مصنوعات اور نوادرات کو اکثر خرید کرکے ولایت بھیجتے ہیں۔

پائے والوں کا بازار یہ ایک بازار ہے وسیع اور دل کشا جامع مسجد کے شمالی دروازے کے سامنے۔ اس بازار میں تراہا ہے کہ اس میں سے خانم کے بازار اور دریبے کو رستہ جاتا ہے۔ خانم کا بازار تو اب رہا نہیں دریبہ البتہ موجود ہے۔ جہیز وغیرہ کے لیے پلنگ چھپر کھٹ چوکیاں۔ لگن۔ گھڑونچیاں مختلف قسم کا چوبی سامان بنتا ہے۔ پائے اور صندوق بنانے والوں کی دکانیں کثرت سے ہیں اسی واسطے پائے والوں کا بازار مشہور ہو گیا۔ لالہ نراین داس صاحب رستگی کا پنج منزلہ کوٹھا نہایت عالی شان بنا ہے۔ دیوالی دسہرے میں شیشے آلات وغیرہ سے سجایا جاتا ہے اور بجلی کی روشنی سے بقعۂ نور بن جاتا ہے۔

سول ہاسپٹل صدر شفاخانہ سرکاری ۱۸۶۹ء جامع مسجد سے اسپلینڈ روڈ پر صدر شفاخانے کی عالیشان اور بہت وسیع عمارت سنگ سرخ کی مغلیہ طرز کی ہے ہالوں پر برجیاں بنی ہوئی ہیں اس کا صدر دروازہ پائے والوں کے بازار کی طرف ہے۔ یہ شفاخانہ ۱۸۶۹ء میں بنایا گیا اور وقتاً فوقتاً بلحاظ ضرورت اور کثرت مرجوعہ مریضین اس میں توسیع ہوتی رہی۔ اس کے متعلق دو برانچ ڈسپنسریاں بھی ہیں ایک لال کنواں بازار میں اور دوسری صدر بازار میں۔ صدر شفاخانے میں ہر قسم کی سہولت اور آرام بیماروں کا ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بیماروں کے لیے کشادہ اور ہوادار کمرے ان میں سجے سجائے آہنی پلنگ اور بچھونے برابر لگے ہیں۔ یہاں کی صفائی اور حسن انتظام دیکھنے کے قابل ہے۔ اب آئی اینڈ ایر ہسپتال بھی کھل گئی ہے جس میں امراض چشم و گوش و بینی کا علاج ہوتا ہے۔ مریضوں کی خوراک اور دیگر اخراجات ملا کر تخمیناً ؏ ۱۲ ملا صرف کا سالانہ

خرچ میونسپل کمیٹی دیتی ہے۔ سول سرجن صاحب روزانہ مریضوں کو آکر دیکھتے ہیں۔ کئی تجربہ کار ڈاکٹر ہر وقت موجود رہتے ہیں۔

لیڈی ڈفرن ہاسپٹل ۱۹۰۳ء

سنہ ۱۹۰۳ء میں اسی ہسپتال میں ایک زنانی ہسپتال بھی کھولی گئی ہے۔ جس کا سنگ بنیاد خود لارڈ ڈفرن گورنر جنرل کشور ہند دستہ ۱۸۸۴ء نے اپنے دست مبارک سے رکھا تھا۔ سرکاری شفاخانوں کے سوا دلی میں پرائیوٹ میڈیکل پریکٹیشنرز کی بھی کچھ کمی نہیں اُن کا کاروبار بھی خوب چلتا ہے جن میں کئی مسلمان۔ ہندو اور بنگالی اور ولایت کے پاس شدہ ڈاکٹر ہیں اور بعض بعض ان میں سے ایسے مقبول انام ہیں کہ بہت لوگ اُن کے زیر علاج رہتے ہیں۔

یونانی اطبار کا مختصر تذکرہ

دلی والے زیادہ تر یونانی علاج کے معتقد ہیں اور میرے خیال میں انگریزی دواخانوں سے بھی زیادہ مرجع یونانی حکیم صاحبوں کا ہے۔ جن میں چوٹی کے حکیموں میں تو جناب حکیم محمود خاں صاحب مرحوم و مغفور کا خاندان ہے جو محتاج کسی تقریب و تعریف کا نہیں ہندوستان کے ہر کونے سے لوگ کھنچے چلے آتے ہیں۔ پہلے تو اسی خاندان میں نصف درجن مطب ہوتے تھے اب جناب مولوی حاجی حافظ حکیم اجمل خاں صاحب نواب حاذق الملک بہادر کا نام اور کام سب سے بڑھا ہوا ہے اور اسی خاندان میں جناب خان بہادر حکیم احمد سعید خاں صاحب اور اُن کے فرزند رشید جناب حکیم غلام کبریا خاں صاحب عرف حکیم بھورے اور جناب حکیم عبدالمجید خاں صاحب مرحوم کے ہر دو صاحبزادگان کے مطب جاری ہیں سچ یہ ہے کہ یہ گھرانا این خانہ تمام آفتاب است کا پورا مصداق ہے۔ موت کے سوا سب بیماریوں کا تیر بہدف علاج اگر ہے تو اسی خاندان میں۔ پھر ہندوستانی دواخانہ ایسا کھولا ہے اور اُس کو ایسی ترقی دی ہے اور وہ وہ ادویہ طیار ہوتی ہیں کہ سارے ہندوستان میں اس کا جواب نہیں۔ خداوند تعالیٰ اس سارے خاندان کو صحیح و سلامت رکھے۔ پھر بے غرض لاطمع خلیق متواضع غریب سے غریب کے گھر دوڑے جاتے ہیں۔ مریض کے ساتھ جان لڑا دیتے ہیں۔ ویسی ہی خدا نے عزت و آبرو بھی دی ہے۔ مدرسۂ طبیہ

الگ جاری ہے۔ یونانی کالج جو بن رہا ہے وہ انہوں کا مدرسہ ان سب سے بڑھ کر ہے غرض خیر و برکت اور نفع خلایق کا سرچشمہ کہوں تو تنقیص مراتب اور کفران نعمت ہے یوں کہو کہ ایک بحر متواج لہریں مار رہا ہے اور سب کو سیراب کر رہا ہے۔ دلی میں اور بھی کئی نامور اور حاذق طبیب ہیں جن کے نام کہاں تک گنواؤں اُن میں ایک فرد فرید جناب حکیم ناصر الدین خاں صاحب عرف چنو میاں خلف الصدق جناب مرحوم و مغفور خاں حکیم رضی الدین خاں صاحب شفاء الملک ہیں جنہوں نے باوجود اس حداثت سن نوجوانی اور عالم شباب کے ایک بہترین نمونہ جوان صالح کا دکھلایا ہے اور لوگوں کو نہ صرف اپنے بے نظیر اخلاق بلکہ اپنے لاجواب علاج معالجہ سے دوہری گراں بار منت سے ممنون احسان فرمایا ہے۔ مختصر یہ کہ باپ کی شہرت اور نام کو قایم رکھنا تو خیر میں اگر یہ بھی کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا۔ آپ کو جناب حاذق الملک بہادر کی طرح قومی کاموں میں بھی شغف اور کامل دلچسپی ہے چنانچہ ۱۹۱۸ء کے آخر میں جو کامیاب جلسے اردو کانفرنس کے ہوئے اُس کی روح رواں آپ ہی تھے۔ اسی کے ساتھ حکیم رضی الدین خاں صاحب مرحوم مغفور کا کچھ تھوڑا سا حال لکھنا ضرور ہے۔ آپ ۱۲۸۶ھ ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے اور ۲ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۶ء کو (۵۸) سال کی عمر میں ہیضے سے انتقال فرمایا حکیم مرحوم سے سال وفات برآمد ہوتا ہے۔ قطعۂ تاریخ وفات کے چند شعر یہ ہیں۔

رضی الدین احمد خان بہادر ۱۳۴۴ھ

رضی الدین احمد خان بہادر — تمہارا کیوں کے جھیلیں رنج فرقت
یہ کیا معلوم تھا کہنی پڑے گی — تمہاری اور مجھے تاریخ نہضت
پڑیں ایسی سخن گوئی پہ پتھر — تمہارا میں نکالوں سال رحلت
کہاں سے لاؤں پتھر کا کلیجہ — کروں کس دل سے اس میں غور و فکرت
تلاش مادے کا ہوش کس کو — کہاں وہ فکر کی اس غم میں جودت
مگر اتنا تو کہہ دیتے ہیں اب بھی — تمہاری تا نہ رہ جائے شکایت
رہے گی یاد لیکن سوگ کے ساتھ — شفاء الملک کی ناگاہ رحلت ۱۳۴۴ھ

حکیم صاحب مرحوم کو اُن کی وصیت کے موافق اُن کے جد بزرگوار نواب عضد الدولہ اعتماد الملک بہادر حکیم غلام نجف خاں صاحب کے پائین قدم شریف میں دفن کیا گیا۔

کوچہ استاد حامد عہد مغلیہ - یہ دروازہ اسی نام کے کوچے کا داخلی دروازہ ہے جس میں پہلے کبھی **استاد حامد** کا مکان تھا - استاد حامد وہ مشہور شخص ہے جس نے شاہ جہاں کے عہد میں بڑی بڑی عمارتیں تیار کی ہیں اور چوں کہ اپنے فن میں کامل تھا اسی سبب سے استاد کہلاتا تھا - اس کوچے میں سادہ کار اور چاندی والے رہتے ہیں -

کوچہ استاد ہیرا عہد مغلیہ - یہاں ایک دروازہ ہے جو **استاد ہیرا** کے نام سے مشہور ہے اور اب یہ کوچہ بھی اسی نام سے پکارا جاتا ہے - استاد ہیرا بھی عہد شاہ جہانی کا بڑا معمار تھا جس نے لال قلعہ وغیرہ بہت سی عمارتیں بنائی ہیں - اب اس میں ہندو رہتے ہیں -

ہاتھی والا کنواں سول ہاسپٹل کے شمالی دروازے اور دریبے کی شرقی انتہا پر اس نام کا ایک بڑا عالی شان کنواں ابھی چند سال ہوئے کہ تھا لیکن چوں کہ وہ بیچ سڑک میں آ گیا تھا راستہ کشادہ کرنے کے لیے پٹوا دیا گیا اور ایسا پٹوایا گیا کہ اب اس کا نشان تک باقی نہ رہا - چوں کہ اس کوئیں پر چھت بھی تھی اور ایک برج سا تھا غالباً جس پر لاؤ چلانے کے چرخ تھے اس کی عمارت کے بڑے ہونے کے خیال سے ہاتھی کنواں کہلاتا تھا -

اسپلینڈ روڈ کے مندر اس سڑک پر پریڈ گراؤنڈ کے مقابل ایک سلسلہ مندروں اور شوالوں کا ہے جن کی تفصیل ہماری فہرست میں ملے گی یہاں صرف نام گنوائے جاتے ہیں - رامچندر جی ست نارائن داؤ جی - نرسنگ جی - جگرناتھ جی - گوپال جی -

کوچہ بلاقی بیگم اس کوچے میں **منشی عمو جان** کا عالی شان مکان ہے - اس کوچے کا مفصل ذکر دریبے کے بیان میں آیا ہے - کہ وہاں بھی یہ کوچہ نافذ ہے - اس میں اب ایک ہندو جینیوں کا یتیم خانہ ہے - اس کے بعد لھسوا کی گلی ہے - اور پھر **بنگالی ہائی سکول** ملتا ہے -

عقب جامع مسجد یعنی چاوڑی بازار سے قاضی کے حوض تک

چاوڑی بازار

کوچۂ یار سے دیتا ہے جو واعظ تفضیل
ایسی جنت میں نرالی وہ فضا کون سی ہے

عقب جامع مسجد سے قاضی کے حوض تک (۷۰۰) قدم لمبا اور سیدھا یہ بازار چلا گیا ہے۔ چوں کہ یہ بازار بہت چوڑا ہے۔ دراصل اس کا نام **چوڑا بازار** تھا جو کثرت استعمال سے **چاوڑی بازار** ہو گیا۔ یہ بازار اس سرے سے اس سرے تک دو منزلہ ہے نیچے بساطیوں۔ جفت فروشوں۔ کسیروں۔ لوہیوں کا غذیوں۔ رفوگروں۔ حلوائیوں۔ غرض ہر قسم کی دکانیں ہیں اور کوٹھوں پہ ارباب نشاط یا شاہدان بازاری حسن فروشی کرتی ہیں۔ خوب گھنا بازار ہے۔ ٹھنڈے وقت یعنی مغرب سے کچھ پہلے اور بارہ بجے رات تک خوب چہل پہل رہتی ہے۔ دلی کے البیلے عاشق مزاج جوان دید بازی کے شوقین بن ٹھن کر خود اپنی آن بان پر مفتوں کوئے جاناں کے چکر کاٹتے رہتے ہیں۔ جس کو دیکھو اس کی نگاہ کوٹھوں کی طرف ہی جمی رہتی ہے۔ پھول والوں کی دکانیں ہیں پھول ہیں موتیا کے "وہ کنٹھا لو موتیا کا" بارہ بجے رات تک برابر یہی آواز چلی آتی ہے۔ پھولوں کی لپٹ اور مہک سے دل و دماغ تازہ ہوتا ہے۔ جوڑیاں گاڑیاں۔ ٹمٹمیں۔ تانگے۔ موٹریں بڑی رات گئے تک کھڑی رہتی ہیں۔ کسی طرف طبلے پر تھاپ پڑتی ہے کہیں سے الاپنے کی آواز آتی ہے۔ چلتے ہوئے لوگ بھی کوٹھوں کے تلے ٹھٹک جاتے ہیں جو اناڑی ہیں ادھر ادھر دیکھ بھال کر جھٹ اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ جن کو دولت کا نشہ ہے اور کسی کا ڈر نہیں بے نکرے ہیں وہ شرم و حیا کو گھر ہی میں چھوڑ آتے ہیں دندناتے کوٹھے پر چڑھ جاتے ہیں۔ ہمارے جیسے مردہ دل اگر کبھی بضرورت ادھر سے گزر گئے تو آنکھیں بند ہوتی ہیں نہ کان بہرے۔ ع یہ سرود خانۂ ہمسایہ حسن رہ گزر رے۔ یہ تقاضائے سن و سال اب اس قابل تو نہ رہے کہ بلند پروازی کریں۔ ہاں اتنا ضروری ہے کہ چور چوری سے گیا تو کیا ہیرا پھیری سے بھی گیا۔ گو گناہ میں براہ راست ملوث نہ ہوں کہ ع عصمت بی بی ست از بیچادری تو بھی کوئلوں کی دلالی میں ہاتھ کالے نامۂ اعمال پر سیاہی کی ایک تہ ضرور چڑھ

جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ چاوڑی نہیں ہے پرستان یا اندر کا اکھاڑا ہے جس کی نسبت مولانا راسخ کے اس شعر پر ہمارا بھی صاد ہے۔

چاوڑی قاف ہے یا خلد بریں ہے راسخ
جگمگھٹے حوروں کے پریوں کے یہ سے ملتے ہیں

چیتلا دروازہ اسی کی بائیں جانب چیتلا دروازہ ہے کہتے ہیں کہ اس کا اصلی نام چہل تن دروازہ تھا کیوں کہ یہاں چالیس تن شہید ہوئے تھے جن میں سے ایک وہ بزرگ تھے جن کی چیتلی قبر مشہور ہے۔ اب کثرت استعمال سے چیتلا دروازہ مشہور ہو گیا۔ اسی میں سے چوڑی والوں اور جامع مسجد کو رستہ نکل جاتا ہے اور سامنے اس دروازے کے چھیپی واڑہ خورد ہے چتلے دروازے کے اندر ہی گڑھیا کا محلہ ہے۔ آگے بڑھ کر چھتہ شاہ جی کا مشہور ہے۔ یہ رستہ سیدھا کھجور کی مسجد ہوتا ہوا بیچ میں دائیں بائیں ذیل کی گلیاں چھوڑتا ہوا اکناری بازار دریبے میں جا نکلتا ہے۔ پہاڑ والی خورد پہاڑ والی کلاں چھیپی واڑہ کلاں ۔ دھرم پورہ ۔ ونری والی ۔ لالہ گردھاری لال و کھیل چیل پوری ۔ رائے بہادر لالہ گنیشی لال کٹڑہ خوشحال رائے ۔ کوچہ میر عاشق چاوڑی بازار میں بائیں جانب ایک بڑا محلہ ہے۔

شاہ جی کا مکان چھتہ شاہ جی میں ۔ دورِ آخر مغلیہ کا ۔ پھاٹک اور سارے کا سارا چھتہ شاہ جی کا مکان کہلاتا ہے جن کا اصلی نام نواب شادی خاں تھا۔ آپ شاہ عالم ثانی کے زمانے میں ہندوستان میں بلخ سے آئے تھے ۔ جب مرہٹے دلی پر قابض تھے تو انہوں نے مرہٹوں سے سازش کرلی اور بادشاہ کو جو وظیفہ مرہٹے دیتے تھے انھیں کی وساطت سے ملنے لگا۔ شاہ جی اور ان کے ساتھ دو تین شخص اور جن میں سے ایک منشی بھوانی شنکر تھے دلی میں مرہٹوں کی طرف سے ایجنٹ مقرر تھے ۔ نواب شادی خاں ناظم تہ بازاری بھی تھے اور جب ایک کثیر مقدار کوڑیوں کی جمع ہو گئی تو انھوں نے بحصول اجازت شاہی "کوڑیا پُل" بنوایا ۔ جس کا اب صرف نام ہی نام رہ گیا ہے ۔ پل کا تو

تو پتہ نہیں مگر وہ سڑک جو فوارے سے ملکہ کے باغ کے برابر برابر ریل کے سٹیشن کی طرف چلی گئی ہے وہ کوڑیا پل کی سڑک کہلاتی ہے۔ شاہ جی کے چھتے ہی میں عبدالصمد کا حمام ہے۔

شاہ بولا کا بڑ

شاہی زمانے میں یہاں ایک بڑا بڑ کا درخت تھا اور شاہ بولا نامی ایک فقیر یہاں رہتے تھے جن کی قبر اب تک یہاں موجود ہے۔ اب وہ بڑ کا درخت تو نہیں رہا مگر قبر سلامت ہے جس پر ایک چھوٹا سا نیم کا درخت سایہ کیئے ہوئے ہے۔ اس کے سامنے ہی گاڑیوں کا اسٹینڈ ہے اور داہنے ہاتھ کو نئی سڑک چلی گئی ہے اور دوسری طرف گھنٹہ گھر کے پاس چاندنی چوک میں جا ملی ہے۔ شاہ بولا کے بڑ کے پیچھے نائی واڑے کا محلہ ہے۔ پھر اجرٹن روڈ یعنی نئی سڑک ملتی ہے۔ آگے اسی بازار میں قاضی کے حوض تک یہ گلیاں ملتی ہیں۔ داہنی طرف محلہ چرخے والاں۔ نیا بازار اس میں سنگ سرخ کی ایک قدیم مسجد از سر نو درست اور آراستہ کی گئی ہے۔ پہلے یہ مسجد نواب صاحب کی مشہور تھی اب پتھر والی کہلاتی ہے۔ اس پر یہ کتبہ ہے:۔

اللہ اکبر

آنکہ رکن الدولہ فیاض زماں — بخشی الملک و امیر اعظم ست
شکر للہ کرد در دہلی بنا — مسجد و چاہے کہ در عالم کم ست
بے تکلف گفت تاریخش نصیر — کعبۂ ثانی و چاہے زمزم ست

۱۲۲۸ھ

تاریخ تعمیر جدید

اس مسجد کو نواب رکن الدولہ۔ وزیر حضرت اکبر شاہ ثانی باہتمام شیخ پیر بخش معمار ۱۲۲۲ھ میں تعمیر کرایا تھا بعد ازاں نصیر الدین احمد خاں نبیرۂ نواب ممدوح نے باہتمام شیخ عبدالحق نبیرہ معمار مذکور ۱۳۳۲ھ میں از سر نو بنوایا۔

(کتبہ فیاض خاں سنگ تراش)

گلی حکیم بقا جس کا دوسرا رستہ قاضی کے حوض پر نکلتا ہے۔ بائیں طرف گلی بتاشاں گلی بابو مہتاب رائے۔ گلی راجہ کدار ناتھ۔ کمرہ حافظ داؤد صاحب جو نواب صاحب دوجانے کی عالی شان کوٹھی ہے۔ جس میں ایک حمام بھی ہے۔ محلۂ کھاری کوئی۔ راستہ

بازار چوڑی والاں جو مٹیا محل۔ بُلبلی خانہ اور جامع مسجد اور چتلے دروازے سے جانکلتا ہی گلی مرغاں۔ گلی روٹا اچار والی۔ گلی چاہ میراں والی۔ حکیم بقا والی گلی اس وجہ سے مشہور ہی کہ یہاں جو حکیم رہتے تھے وہ سب آنکھوں کے علاج کے لیئے مشہور تھے چنانچہ حکیم حسام الدین خاں صاحب عرف حکیم منجھلے اپنے فن میں دستگاہ کامل رکھتے تھے اور دور دور سے لوگ آنکھوں کے علاج کو آیا کرتے تھے۔ حکیم منجھلے کے بعد اُن کے صاحب زادے حکیم قیام الدین خاں صاحب تھے اور اب اُن کے بیٹے حکیم مکرم الدین صاحب ہیں۔ اور اسی خاندان میں حکیم لطیف حسین خاں صاحب تھے۔ دونوں صاحب آنکھ کے علاج میں یدطولی رکھتے تھے۔ اب دونوں کا انتقال ہوگیا۔ حکیم لطیف حسین خاں صاحب علاوہ ایک حاذق طبیب ہونے کے ذی علم تھے اور گورمنٹ ہائی سکول دہلی میں عربی فارسی کے مدرس تھے چنانچہ راقم نے بھی جب کہ میں اس مدرسہ میں پڑھتا تھا آپ سے استفادہ کیا ہی۔ اسی جگہ میران والی گلی ہی اور آگے بڑھکر قاضی کا حوض ہی۔

دہلی پرنٹنگ ورکس چاوڑی کے آخری سرے پر جانب حوض قاضی گلی حکیم بقا کے مقابل یہ بہت بڑا برقی چھاپے خانہ ہی جس میں لیتھو اور ٹیپ اردو انگریزی ہندی سب قسم کی چھپائی کا کام ہوتا ہی۔

چاوڑی بازار میں سے چوڑی والوں کا محلہ اٹلی کی پہاڑی تک

یہ ایک لمبی اور تنگ گلی ہی جو چاوڑی بازار میں جامع مسجد سے آتے ہوئے بائیں ہاتھ کو پھٹ جاتی ہی۔ آگے چل کر ایک سڑک داہنی طرف پھٹ گئی ہی جو پنڈت پریم نارائن کی سڑک کہلاتی ہی جو اندور ریاست میں بہت بڑے عہدے پر تھے۔ اس کے آگے ایک گلی بائیں جانب شیخ منگو کے پھاٹک میں سے جو داہنی جانب پڑتا ہی ہوتی ہوئی جامع مسجد کے سامنے جانکلتی ہی اور یہیں سے بائیں جانب ایک گلی نکل کر چتلے دروازے میں ہوتی ہوئی بازار چاوڑی میں جانکلتی ہی۔ سبحے اینڈ سنز پریس کے آگے داہنے ہاتھ کی طرف ایک بہت تنگ اور پیچدار گلی محلہ بدلیاں میں جاتی ہی جو ایک طرف سڑک پنڈت پریم نرائن میں نکلتی ہی اور دوسری طرف بھوجلا پہاڑی پر اب پھر سڑک پر آگئے تو لکڑی بننے والوں کی چند دکانیں ہیں جن کے سبب سے

یہ حصہ لوکری والوں کا محلہ کہلانے لگا ہے اور اس کے ... املی کی پہاڑی ...
اب یہاں یہ سڑک اس بڑی سڑک سے جا ملتی ہے جو جامع مسجد ... مٹیا محل
بازار میں سے گزر کر تیلی قبر، بازار امیر خاں اور تراہے بیرم خاں ... دلی دروازے ...
جا نکلتی ہے۔ بازار چوڑی والوں میں یہ گلیاں ہیں ... داہنی طرف گلی ... چونڈی ...
کٹڑہ دھوبی مل کاغذی۔ حویلی منشی کبیر الدین تحصیلدار جس میں زنانہ شفاخانہ و مدرسہ
دائیاں جناب حکیم اجمل خاں صاحب حاذق الملک کا ہے۔ ... گلی غلام نجف
والی۔ گلی میگزین اور ایک مسجد۔ سڑک پنڈت پریم نرائن۔ گلی ... والی۔ چھوٹا ...
میر شمس الدین جس میں جے اینڈ سنز پریس ہے یہیں مولوی امیر حمزہ کا مکان تھا۔ محلہ بدلیاں یہیں مولوی ...
راسخ مرحوم تھے۔ گلی سرخ پوشاں و مسجد الف خاں روشنائی فروش۔ املی کی پہاڑی
جہاں سید محمد میر خوشنویس کا مکان تھا۔ اور شاہ محمد علی کا مقبرہ اور ایک برج کی مسجد
بائیں طرف کارخانہ لالہ پھاتا مل گلزاری مل لوہیے۔ حویلی ڈپٹی محمد سلطان خاں صاحب
جس میں حکیم صاحب کا مدرسہ طبیہ ہے۔ حمام سیتل داس۔ گلی منہاریوں والی۔ گلی جوتے والاں
اور مسجد۔ گلی حکیم جی والی جس میں حکیم علی احمد خاں صاحب دو جانے والے مطب کرتے
ہیں۔ محلہ لوکری والاں۔ گلی مرزا ثریا جاہ۔ شاخ مدرسہ زنانہ الاسلامیہ۔

مولوی سید امیر حمزہ مرحوم

سید امیر علی شاہ صاحب کے فرزند تھے۔ آپ عربی فارسی کے منتہی اور باایں ہمہ انگریزی بھی جانتے تھے۔ زہد و تقوی اور شرافت خاندانی کے اعتبار سے آپ دلی کے مشاہیر میں سے تھے۔ شعر گوئی کا بھی شوق تھا اور کلام آپ کا چونکہ درد بھرا اور تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا لوگوں کی زبان پر چڑھا ہوا ہے۔ کچھ دنوں ہندو کالج میں پروفیسر رہے مگر ازل سے ایک آزاد طبیعت لائے تھے بھلا نوکری کی قید کب اٹھا سکتے تھے۔ گھر بیٹھے اور درس و تدریس کا مشغلہ رہا بہت سے لوگ آپ کے شاگرد ہیں جو آج بڑے بڑے عہدوں پر ہیں سخاوت کا لپکا تھا۔ پیسہ ہاتھ میں ٹکتا نہ تھا۔ ادھر ملا ادھر دیا۔ اپنے پر تکلیف اٹھاتے مگر سائل کا سوال رد نہ کرتے تھے۔ مختصر یہ کہ باخدا بزرگ تھے۔ ۸۴ سال کے سن میں رحلت فرمائی۔ آپ کے دو صاحبزادے ہیں بڑے صاحب مولانا سید محمد ناصر فارغ التحصیل ہیں۔

شاعر بھی ہیں جن کے کلام کی خوبی کا اندازہ ان اشعار سے ہوگا ۔

نمی دانم آخر چوں دم دیدار می رقصم ۔ مگر نازم بہ ایں ذوقے کہ پیش یار می رقصم
خوشا رندی کہ پامالش کنم صد پارسائی را ۔ زہے تقویٰ کہ من با جبہ و دستار می رقصم
تو آں قاتل کہ از بہر تماشا خون می ریزی ۔ من آں بسمل کہ زیر خنجر خونخوار می رقصم

دوسرے صاحبزادے قاری سید حامد صاحب کم عمر اور زیر تعلیم اور ہونہار ہیں۔

مولوی عبد الرحمن صاحب راسخ

خلف جناب مولانا محمد حسین صاحب فقیر جن کا مدرسہ و مسجد کٹڑہ گوکل شاہ میں ہے۔ محلہ بدلیاں میں ان کا مکان تھا۔ یہ صاحب علاوہ حدیث۔ تفسیر اور فقہ کے فارسی کے اہل کمال اور شاعر بے نظیر تھے۔ شرح مثنوی مولانائے روم اور ایک ضخیم دیوان مراۃ الخیال آپ کی یادگار ہے۔ عشقیہ اور نعتیہ کلام اردو دیوانوں میں ہے۔ آپ بڑے پایہ کے واعظ بھی تھے اور مولوی عبد الرب صاحب اور ان کے بیٹے مولوی محمد ادریس کے بعد آپ مچھلی والوں کی مسجد میں جمعہ کے جمعہ وعظ کہا کرتے تھے۔ سننے والے کہتے ہیں کہ خوب کہتے تھے۔ آپ کے چند شعر ناظرین کی تفریح کے لیئے لکھتا ہوں۔

دل نشیں ہر تیر ہے وردِ نہانی کی طرح ۔ تیغ قاتل حلق سے اُتری ہے پانی کی طرح
پھر جگر کی چوٹ اُبھر آئی پھر اٹھا درد دل ۔ اُبھرے جوبن کی طرح اُٹھتی جوانی کی طرح

سر بالا می کشد سودائے من ۔ شد قضائے لامکاں صحرائے من
من بایں دیوانگی شیدائے تو ۔ تو بایں فرزانگی لیلائے من
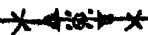
راسخ کی فاقہ مستی کو اللہ کی پناہ ۔ کھاتا ہے سوکھے ٹکڑے بھگو کر شراب میں

سید محمد امیر خوش نویس کا مکان

یہیں سے ایک شاخ سڑک کی چوڑی والوں کے محلے کو پھٹ گئی ہے اسی جگہ کے سید محمد امیر خوش نویس کا مکان تھا جس پر نہایت خوش خط عاقبت بخیر باد لکھا ہوا تھا اور اسی کے پاس بھوجلا پہاڑی کا تھانہ تھا۔

شاہ محمد علی واعظ کا مقبرہ

سنہ ۱۱۳۱ھ
۱۷۱۸ - ۱۹ء

محلہ املی کی پہاڑی - ایک برجی مسجد کے پاس اس مقبرے میں تین قبریں ہیں - دو جو برابر ہیں وہ ایک سنگین کٹہرے کے اندر ہیں - ان میں سے ایک قبر شاہ محمد علی صاحب کی ہے اور دوسری ان کے بھائی اسد اللہ کی - تیسری قبر زمین کے برابر ہو گئی ہے وہ خبر نہیں کہ کس کی ہے غالباً شاہ صاحب ہی کے کسی معتقد کی ہو گی - شاہ صاحب بڑے مقدس بزرگ تھے جنھوں نے اپنی زندگی کا مقصد وعظ اور تلقین مذہب ہی رکھا تھا اور آپ اکثر گجرات میں وعظ فرمایا کرتے تھے - گجرات کے صوبہ دار جینیت سنگھ کے مظالم سے تنگ آ کر آپ مع اپنے ساتھیوں کے دہلی چلے آئے - یہاں آنے کے بعد جینیت سنگھ کی اشتعالک سے فرخ سیر نے آپ کو قلعہ کی چوبی مسجد میں قید کر دیا - بادشاہ کو خواب میں اس حرکت ناشایستہ پر عتاب ہوا اور اس سے متاثر ہو کر آپ کو مع آپ کے ہمراہیوں کے فوراً چھوڑ دیا - تب آپ جامع مسجد میں رہنے لگے اور وہیں درس و تدریس اور وعظ کا سلسلہ جاری رہا - شاہ صاحب نے جو عالمگیر ثانی کے مرشد بھی تھے سنہ ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۸ - ۱۹ء میں انتقال کیا اور ایک برجی مسجد کے پاس دفن ہوئے -

مطبع مجتبائی دہلی

دراصل یہ مطبع منشی ممتاز علی صاحب خوش نویس کا تھا جب سنہ ۱۸۸۳ء میں وہ ہجرت بیت اللہ کو جانے لگے تو مولوی حافظ عبد الاحد صاحب نے خرید لیا - اس وقت مطبع کی ایک بہت معمولی حیثیت تھی - مولوی صاحب نے اپنی ذاتی قابلیت اور محنت اور صرف سے اس کو ایسی ترقی دی کہ اتنا بڑا اور کوئی مطبع اب دلی میں نہیں ہے - اس مطبع میں زیادہ تر دینیات کی کتابیں چھپتی ہیں - اب چھپائی کا کام کم ہوتا ہے - تھوک فروشی زیادہ ہے - مولوی صاحب رضوی سید ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام علی رضا سے ملتا ہے - خود بڑے نیک نفس - منکسر المزاج - ملنسار و خلیق ہیں - بریلی کالج سے سنہ ۱۸۶۹ء میں کلکتہ یونیورسٹی کا انٹرنس کا امتحان پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ سکول بدایوں میں تھرڈ ماسٹر مقرر ہوئے - سنہ ۱۸۷۵ء کو الہ آباد میں امتحان وکالت دے کر درجۂ اول کی سند حاصل کی اور اسی سال انبالے کے رسالے پندرہ بنگال میں

ہیڈ ماسٹر مقرر ہوے - پھر ۱۸۹۳ء میں اس سلسلے کو منقطع کر کے ضلع میرٹھ میں
وکالت کرنے لگے - آخر کار وکالت چھوڑ کر دلی تشریف لاے اور مطبع کا کاروبار
شروع کیا جس میں آپ کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی - اپنی لیاقت اور وجاہت سے تمام
حکام میں بڑا رسوخ حاصل ہے اور بڑی عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں -
دلّی کے نہایت سربرآوردہ اشخاص میں آپ کا شمار ہے - قومی کاموں میں بہت
دلچسپی لیتے ہیں علی گڈھ کالج کے ٹرسٹی ہیں - آنریری مجسٹریٹ ہیں - اسی سال
آپ کو خان بہادر کا خطاب ملا ہے - دہلی میں ایسا کوئی قومی جلسہ یا اہم کام نہ ہوگا جس میں
آپ سب سے آگے نہ ہوں - دل کھول کر قومی کاموں میں جان و مال سے شرکت کرتے
ہیں - جامع مسجد - مسجد فتح پوری - عربک سکول - یتیم خانوں وغیرہ کے ممبر ہیں - رات دن
اسی دھن میں لگے رہتے ہیں بلکہ سچ پوچھیے تو اب مطبع کی طرف زیادہ توجہ نہیں کہ
خداوند تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بہت کچھ دیا ہے - بڑے صاحب جائداد ہیں
مسلمانوں کی فلاح اور اُن کی بہبودی آپ کا نصب العین ہے اور حکام تک اُن کی ضروریات
پونہچانے کے لیے آپ سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں - قوم میں اگر ایسے شیدائی
اور چند لوگ ہو جائیں تو مسلمان نکبت و ادبار سے نکل جائیں -

قاضی کے حوض سے سیتارام کا بازار تا بلبلی خانہ

یہ ایک معمولی بازار ہے حلوائی وغیرہ متفرق دکاندار بیٹھتے ہیں کوئی خاص بات اس بازار
میں نہیں ہے نہ کوئی بڑی عمارت ہے البتہ ادھر اُدھر دو طرفہ گلیاں نکل گئی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے
داہنی طرف شیش محل یہ قدیم زمانہ کا ایک عالی شان محل ہے - گلی تھان سنگھ -
کوچہ پاتی رام - جس کے اندر سر پیرام پیرسٹر ایٹ لا کا حال کا بنا ہوا عالی شان مکان
ہے - گلی نئی بستی - گلی اندر والی - گلی بیری والی - گلی لودھان - املی کا محلہ - کوچہ شریف بیگ
گلی اوگر - مکان ہندو یتیم خانہ - مکان حکیم قاسم علی خاں بوریئے والے مرحوم - کوچہ
شیدی قاسم - اور اس کے اندر گلی کشمیریاں - گلی نیلا والی - چاہ نورنگ رائے ہے
جس میں سے املی کے محلے کو رستہ نکل جاتا ہے اور ایک گلی بوریئے والوں کی ہے یہاں سے
رستہ عقب کلاں مسجد کو چلا گیا ہے - اور عقب کلاں مسجد میں گلی نقارچیاں کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں اس کے علاوہ حوض
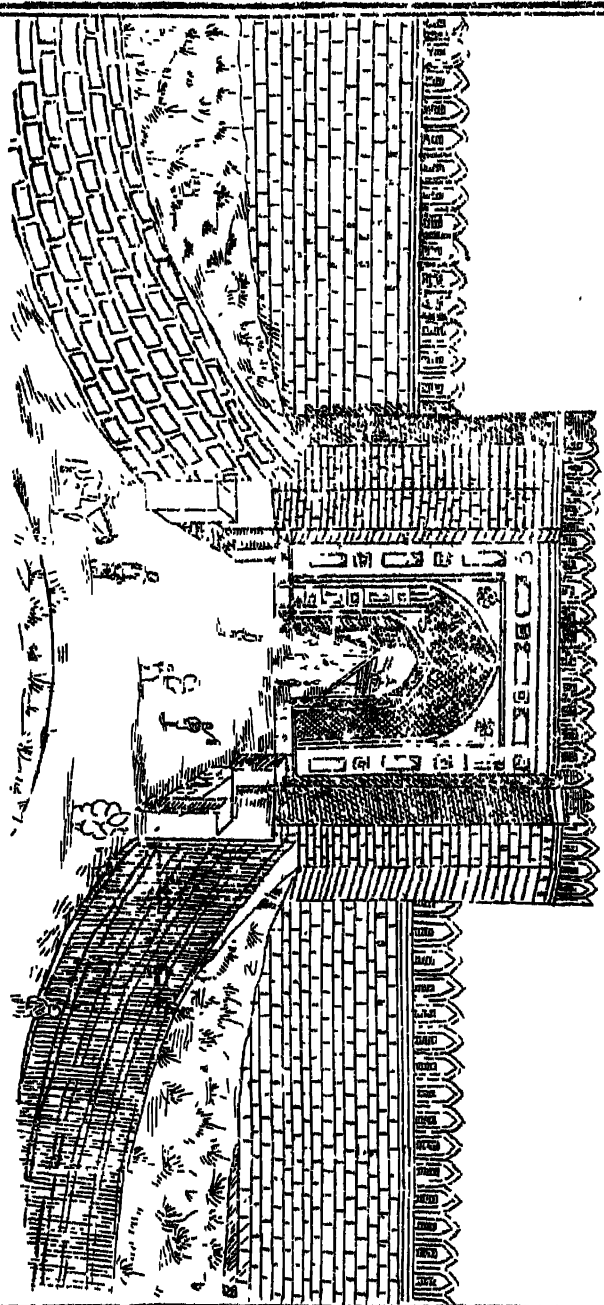
نقشۂ اجمیری دروازہ

قاضی کے حوض سے اجمیری دروازے تک

یہ بھی ایک وسیع اور کشادہ اور سیدھا بازار ہے جس میں موچی۔ بقال۔ لوہار وغیرہ بیٹھتے ہیں

مسجد و مدرسہ مولوی محمد یعقوب صاحب آپ مولانا کریم اللہ صاحب کے صاحبزادے تھے۔ مولوی کریم اللہ صاحب جامع علوم و فنون تھے خصوصاً دینیات میں دست گاہ کامل رکھتے تھے۔ بڑے متوکل اور قانع تھے باوجود عیال داری اور تاہل کے دنیا کی طرف کم رجوع کرتے تھے۔ بیشتر اوقات تدریس طلباء میں مصروف رہتے تھے۔ مولوی کریم اللہ صاحب بھی اپنے باپ کی طرح حنفی مذہب کے جید علماء میں سے تھے یہ بھی متوکل اور درس و تدریس کے شائق تھے۔ فتاوی نویسی میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ جمعہ کے دن وعظ بھی فرماتے تھے۔ اب بھی مدرسہ جاری ہے۔ **داہنی طرف** کوچہ فتح النساء بیگم۔ حویلی رجنا بیگم (رضیہ بیگم) گلی شاہ تارا۔ کوچہ دیوان سنگھ۔ کوچہ مصطفیٰ بیگ۔ گلی بنسی کوئلے والی۔

بائیں طرف کٹڑہ شیخ رانجھا۔ کٹڑہ فیض بخش۔ محلہ کروڑی۔ گلی لوہاراں۔ گلی بندوق والی۔ محلہ بندوق والاں۔ گلی کونڈے والی۔ گلی بیلا والی۔ مادھورام بدھ سنگھ لوہیئے کا کارخانہ۔ (۱) کروڑی محلے میں جانے کا دروازہ ہے۔ دورِ آخری مغلیہ کا بنا ہوا ہے۔ یہ دراصل نواب وزیر کے گنج کا پھاٹک تھا اب یہ مقام محلہ کڑوری کہلاتا ہے۔ (۲) دروازہ کوچہ رجنا بیگم۔ محمد شاہ کے زمانے کا۔ رضی النساء بیگم کو غالباً بگاڑ کر رجنا بیگم کرلیا ہے جو نواب قمرالدین خاں کی صاحب زادی تھیں یہ دروازہ بیگم صاحب کی حویلی کا تھا جو ایک جزو تھی نواب قمرالدین خاں کے مکان کا۔ (۳) کوچہ فتح النساء بیگم کے سرے پر۔ محمد شاہ کے زمانے کا۔ یہ بیگم نواب قمرالدین خاں کی تیسری صاحبزادی تھی یہ دروازہ بیگم صاحب کی حویلی کا تھا جو ایک جزو تھی نواب قمرالدین خاں کے مکان کا اب وہ حویلی تو باقی نہیں مگر اُس جگہ جو مکانات بن گئے ہیں وہ کوچہ انھیں کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔

اجمیری دروازہ ۱۶۴۴-۱۶۴۹ء شہر کے جنوب و مغربی جانب کی فصیل میں تھا۔ اب فصیل تو توڑ تاڑ ڈالی گئی صرف دروازہ برقرار رکھا ہے۔ جو شہر پناہ کے

دوسرے دروازوں کی طرح شاندار ہی۔ دروازے کے سامنے احاطے کی دیوار کھینچ کر آمد و رفت کا رستہ بند کر دیا ہی اور اسی کے سامنے عربک اسکول ہی۔ پہلے اجمیری دروازے کے چوطرف مکان ہی مکان تھے اب جدھر دیکھو صاف سپاٹ میدان ہی۔

قاضی کے حوض سے بازار سرکی والاں۔ لال کنواں۔ کٹرہ پڑیاں سے ہوتے ہوئے نئے بانس تک

قاضی کا حوض ۱۲۶۴ھ

قاضی کے حوض کے تھانے کے پاس چوراہے کے نزدیک یہ حوض تھا جہاں اب حوض پاٹ کر ترکاری کا مارکٹ بنا دیا گیا ہی۔ یہ باؤلی کی طرح کا ایک بہت بڑا حوض تھا جسے معتبر الدولہ نے ۱۲۶۴ھ میں بنوایا تھا۔ اس میں نہر آتی تھی۔ نہر بند ہوئی تو حوض بے کار ہو گیا نہر کے ساتھ وہ بھی نادارد ہو گیا۔ اس پر ایک سنگ مرمر کی تختی پر یہ قطعۂ تاریخ تھا:-

آب در منبعِ ایں نہر چو یہ — کرد چوں معتبر الدولہ رواں
ہاتفِ غیب بوصفِ فیضش — گفت تاریخ بافیض رساں

اب یہ بازار قاضی کے حوض کے نام سے مشہور ہی۔ اس مقام پر جو چوراہا ہی ایک سڑک چاوڑی بازار سے آکر ملتی ہی جو سیدھی اجمیری دروازے کو چلی جاتی ہی دوسری سیتا رام کے بازار سے آتی ہی اور بازار سرکی والاں لال کنوئیں پڑیوں کے کٹڑے سے ہوتی ہوئی نئے بانس سے نکل کر کھاری باؤلی کے بازار کے شارع عام میں جا ملتی ہی۔ اس بازار کے شروع سے آخر تک داہنے بائیں یہ گلیاں آتی ہیں۔

داہنی طرف گلی حکیم بقا جس کا دوسرا رخ چاوڑی کی طرف نکلتا ہی اور رستہ چرخے والوں میں بھی نکلتا ہی۔ محلہ پیپل مہادیو جس میں چھتہ صوفی جی۔ (اسی میں منشی بلاقی داس صاحب کا میوزیم ہی) اس میں سے رستہ شیر افگن خاں کی بارہ دری میں تلی ماروں میں جا نکلتا ہی بکرسٹ ہال۔ گلی جاجم پوریاں۔ لال دروازہ کٹڑہ قاضی۔ حویلی میر افضل۔ دواخانہ ہمدرد جس کے سرپرست حکیم شفاء الملک مرحوم تھے۔ گلی قاسم جان جس کے اندر نواب بڈھن کی

حویلی۔ مکان خان بہادر ہادی حسین خاں صاحب مرحوم۔ کوٹھی نواب صاحب لوہارو۔ مرغ خانہ جس میں نواب احمد سعید خاں صاحب رہتے ہیں۔ احاطۂ کالے صاحب (اس میں پنجابی رہتے ہیں) مکان نواب شجاع الدین خاں۔ کوٹھی نواب احمد سعید خاں جس میں پنجابی رہتے ہیں۔ مدرسہ عنایت اللہ خاں۔ دواخانہ ہندوستانی۔ اب پھر سڑک پر آئیے۔ مدرسۂ میر جملہ اب مدرسہ باقی نہیں ہے صرف نام ہی نام رہ گیا ہے اور محلہ اسی نام سے مشہور ہے۔ لال کنواں بتیچ ڈسپنسری۔ بازار لال کنواں۔ گلی اچار والی۔ گلی میر جملہ۔ گلی چابک سواراں۔ کٹرۂ غلام محمد خاں۔ گلی سید زماں شاہ۔ کٹرۂ بڑیاں میں گلی کندلہ کشاں جس کے اندر ایک بہت پرانی قبر سنگ مرمر کی ہے اور ایک چوبی کٹہرا ابعد کا بنا ہوا ہے لوگ کہتے ہیں کہ پہلے اس قبر کا بہت بڑا چبوترا سنگ مرمر کا تھا لوگوں نے مکان بڑھا بڑھا کر سارا چبوترا داب لیا۔ اس قبر کی لوح سنگ مرمر کی ہے جس پر کتبہ ہے لیکن افسوس ہے کہ پتھر ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے پڑھا نہیں جاتا۔ صاحب قبر کا پورا نام باقی ہے البتہ سنہ صاف ہے۔ قبر کے تعویذ پر طغریٰ کُلُّ مَنۡ عَلَیۡہَا فَانٍ کا ہے جس کے نیچے کلمۂ طیبہ ہے۔ باقی کتبہ یہ ہے۔

هوالله

زہی مرقد خاں خاندا......

سپہدار دارا......سلطان شدہ

...خدا و محمد........تاریخ.....

شد سال رحلت غلا.......

۱۱۶۳ھ

کلن کا حمام۔ اب پھر بڑیوں کے کٹڑے کے نکڑ پر آکر نئے بانس کی طرف چلیے تو یہ گلیاں ملیں گی۔ گلی تماشہ کلاں جس کے اندر کوچۂ نواب مرزا کا دوسرا سرا چھتے میں سے گزر کر گلی کلالاں میں سے ہوتے ہوئے بڑیوں کے کٹڑے میں جا ملتا ہے۔ پھر نئے بانس کی سڑک پر آئیے: یہاں سے بازار نیا بانس شروع ہوتا ہے جس میں گلی تماشاں خورد ہے آگے کھاری باؤلی کا بڑا بازار ہے۔

بائیں طرف۔ منڈی نمک۔ لال مسجد۔ تھانۂ حوض قاضی۔ حویلی بدل بیگ خاں۔ پھاٹک بدل بیگ خاں۔ کوچۂ نور اللہ خاں۔ کوچۂ پنڈت جس میں گلی سوار خاں جس میں خان صاحب مولوی سید احمد صاحب

مصنف فرہنگِ آصفیہ رہتے تھے۔ مسجد سوار خاں۔ گلی چاہ جنگلی جو محلہ نیاریوں میں جانکلتی ہے۔ گلی حافظ عزیز الدین وکیل۔ مکان پیرجی عبد الصمد صاحب۔ مکان مولوی سید عبد اللہ شملے والے۔ کرزن پریس یہیں امراؤ مرزا صاحب حیرت رہتے ہیں۔ محلہ شاہ گنج۔ محلہ گھوسیاں شیش محل۔ گلی شاہ تارا۔ (یہاں اجمیری دروازے کی سڑک ملتی ہے) اب پنڈت کے کوچے کے باہر پھر شارع عام پر آیئے۔ کٹرہ ہیجڑاں۔ کٹرہ آدینہ بیگ خاں جس میں جناب حکیم رضی الدین خاں صاحب شفار الملک مرحوم کا دولت خانہ ہے اور سید محمد میر صاحب وکیل میرٹھ والے بھی یہیں رہتے ہیں۔ دواخانہ ڈاکٹر عنایت اللہ خاں عرف فرانس والے۔ محلہ رودگراں اس کے اندر سید منصور علی کی قبر اور شرف الدولہ کے مدرسے کا دروازہ اور مدرسہ نواب اراوت مند خاں شرف الدولہ کی قبر۔ احاطہ حجن صاحب۔ گلی میر مداری۔ گھنٹے کا کنواں۔ مستنصر پریس جس کے آگے فراش خانے کی کھڑکی ہے۔ پھر شارع عام پر دواخانہ ڈاکٹر عطاء اللہ خاں جس کے پیچھے ایک چھوٹی سی گلی نجاراں کی ہے کٹرہ شیخ چاند۔ گلی بہرام بیگ۔ کٹرہ سپہدار خاں۔ کمرہ زینت محل۔ گلی مردھان فراش خانہ جس کے اندر گلی سموساں۔ نگینہ محل جس میں مدرسہ منظر الاسلام ہے۔ گلی انبا والی۔ گلی راجان۔ گلی چاہ شیریں یا کوچہ حکیم حامد خاں۔ مکان حکیم بدر الدین خاں مرحوم۔ جن کے صاحبزادے حکیم شجاع الدین خاں مطب کرتے ہیں۔ چھتہ راجاں۔ کٹرہ شہنشاہ۔ کٹرہ ھندو۔ مرزا اکبر علی خاں مرحوم قرولی والے کا مکان۔ مکان خان بہادر ڈپٹی ناصر علی خاں صاحب۔ چوہیا کا چھتہ۔ گلی امینہ بیگم۔ سنگی بیگ کا پھاٹک۔ گلی خان بیگ خاں۔ کٹرہ دھوبیاں۔ گلی آخونجی والی۔ فراش خانے کے باہر مسجد تہور خاں کا بازار۔ گلی بیلاں۔ گلی سیرس والی۔ حمام عبد الرحمٰن۔ مسجد تہور خاں۔ گلی کناری والی۔ کوچہ سنجوگی رام جس میں اہل ہنود کے مندر ہیں جس کی تفصیل فہرست میں ہے۔ نیا بانس۔ کھاری باؤلی۔ بڑھیوں کے کٹرے میں بائیں طرف گلی کلالاں۔ گلی کمہاراں۔ حمام بید و زیر مسجد فتح پوری امپیریل ٹرکش باتھ جو دلی کے تمام حماموں میں سب سے بہتر ہے۔ دروازہ جنوبی مسجد فتح پوری۔

بکرسٹ ہال ایک پختہ عمارت کیمبرج مشن کے متعلق ہے اس میں پادری صاحبان لیکچر دیا کرتے ہیں اور لوگوں کو متوجہ کرنے کا سہل لٹکا یہ ہے کہ اخبار

مفت دیکھنے کو ملتا ہے۔ ع چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار کا معاملہ ہے۔

حویلی عبدالرحمٰن خاں کا دروازہ

سنہ ۱۲۲۱ھ ۷-۱۸۰۶ء

بازار سرکی والاں میں اس عالی شان دروازے کی پیشانی پر سنگ مرمر کی تختی پر سیاہ حروف سے "حویلی عبدالرحمٰن خاں صاحب ۱۲۲۱ھ" کندہ ہے۔ عبدالرحمٰن خاں عہد شاہ جہانی کے ایک معزز اور متمول رئیس شاہ جہان آباد کے تھے۔ منشی کرم اللہ خاں عرف ننھے خاں صاحب اس کے مالک تھے اب اُن کا انتقال ہو گیا۔ بی بی اُن کی مالک ہیں۔

لال دروازہ

بازار لال کنواں پنڈت کے کوچے سے ذرا آگے بڑھ کے ہے چوں کہ اس پر سرمچی کا سرخ رنگ ہو رہا ہے اس سبب سے لال دروازہ مشہور ہے۔ دراصل یہ مرزا مغل بیگ خاں کی حویلی کا دروازہ تھا۔ اب یہیں نواب سراج الدین خاں سائل دہلی کے مشہور شاعر کا دولت خانہ ہے۔

نواب سراج الدین خاں صاحب سائل

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

آپ نواب شہاب الدین خاں صاحب مرحوم کے منجھلے صاحب زادے اور جناب نواب فصیح الملک نواب مرزا داغ دہلوی کے داماد ہیں۔ نہایت وجیہ و شکیل جن کے چہرے ہی سے آثار شرافت و نجابت و امارت چمکتے ہیں۔ ذی لیاقت خوش گفتار۔ با مذاق۔ متواضع منکسر المزاج اخلاق حسنہ کے پُتلے ہیں۔ کلام ان کا غالب اور داغ کا رنگ لیے ہوئے ہے مستند اور قادر الکلام اپنے وقت کے باکمال شاعر ہیں۔ کلام میں علاوہ لطف سخن کے ایک بڑی صفت یہ ہے کہ زبان سے نکل کر دل میں اُتر جاتا ہے۔ پڑھنے کا طرز خاص ایسا ہے کہ جس سے اضعافاً مضاعفہ رونق ہو جاتی ہے یہ طرز اور لہجہ کچھ ایسا مقبول خاطر ہوا ہے کہ بہت سے لوگ اس کا تتبع کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اصل اصل ہی ہے اور نقل نقل ہی۔ آپ کی اہلیہ کو ریاست حیدر آباد دکن سے معقول منصب ہے داغ مرحوم

ومغفور کی گودیوں میں پلے ہیں شاعری ان کی میراث ہے۔ اور مجھ سے نسبت خاص
یہ ہے کہ میرے قبلہ وکعبہ والد مرحوم کے عزیز تلمیذ ہیں چندر سالے عربی کے ان سے
پڑھے ہیں اور بیشتر حضوری کا شرف حاصل کیا ہے۔ پبلک جلسوں میں اکثر آپ اپنی
برجستہ نظموں سے آڈنیس کی رونق بڑھاتے اور حاضرین کو محظوظ کرتے ہیں۔
آپ کا کلام سننے سے سیری نہیں ہوتی یہی دل چاہتا ہے کہ کچھ اور پڑھیں۔
آپ کے کلام کا نمونہ دینا ایک مشکل کام ہے کیوں کہ سارا کلام آراستہ اور جواہر میں
تولنے کے قابل ہے جس غزل پر نظر پڑتی ہے وہی دل میں کھب جاتی ہے۔ اس لیئے
انتخاب کو تو میں نے چھوڑا اور آپ کے قلمی دیوان میں سے کوئی سی بھی ایک غزل لے کر
نمونتہً پیش ہے اس سے شائقین اندازہ کرسکتے ہیں کہ شستگی زبان۔ محاورہ بندی۔ نفاست
ونزاکت۔ معاملہ نگاری کونسی بات ہے جو حضرت سائل کی زبان میں نہیں ہے۔

غزل

غیر سے روٹھے رہے تکرار ہو کر رہ گئی — کروٹیں قسمت نے لیں بیدار ہو کر رہ گئی
فیض یاب زخم دامن دار ہو کر رہ گئی — یعنی پھولوں کی چھڑی تلوار ہو کر رہ گئی
اپنے کوچے میں اٹھایا حشر عالم چھوڑ کر — دو قدم ہی شوخیِ رفتار ہو کر رہ گئی
جس جگہ تھے داغ جن جا زخم تھے ناسور تھے — حسرتِ دل بھی وہاں آزاد ہو کر رہ گئی
قتل کی نیت میں قاتل کس لیئے آیا خلل — یہ بتا دے کیوں طلب تلوار ہو کر رہ گئی
غیر کی گردن میں کافر کیش کی بانہیں پڑیں — کیا اجل اس کے گلے کا ہار ہو کر رہ گئی
پہلے تھی بجلی کی جائی اب ہوئی آب سے — نام رو تیغ ستم گلنار ہو کر رہ گئی
آج واعظ نے فقط ذکر قیامت ہی کیا — تیری شرحِ شوخیِ رفتار ہو کر رہ گئی
شرم آتی ہے یہ سن کر دل بتوں کو دے دیا — یوں کہو دل پر خدا کی مار ہو کر رہ گئی
میکشو کیوں ہجو کی پر شیخ کی پگڑی نہ لی — جاؤ بھی تم سے ہمارے یار ہو کر رہ گئی
جھٹپٹا ہوتے ہی قاصد کہہ گیا فرصت نہیں — عیش کی شب میری شام تار ہو کر رہ گئی
ابن عمران کا فسانہ سن کے جی سا چھٹ گیا — دل میں پیدا حسرتِ دیدار ہو کر رہ گئی
آپ فرماتے تھے اب سے ہم کریں گے دیکھ بھال — دل ہی خاطر بیمار ہو کر رہ گئی

قید طاعت کی علامت کا فرو دین دار میں — سبحہ بن کر رہ گئی زنار ہو کر رہ گئی
تا قیامت فتنے اُٹھیں گے ترے کوچے سے روز — ہو گئی اورشوخیٔ رفتار ہو کر رہ گئی
چور گلچیں سے اُڑے بلبل کے اس درجہ حواس — شاخ گل پر نقش بر دیوار ہو کر رہ گئی
اُن کے تیور دیکھ کر سائل کیا ہوتا سوال
بات اتنی اس قدر دشوار ہو کر رہ گئی

پھاٹک بدل بیگ خاں

یہ حویلی بدل بیگ خاں کا ایک دروازہ لب سڑک بازار سرکی والاں ہے جو دور آخری مغلیہ کا بنایا ہوا ہے۔ اب مسٹر جسٹس محمد رفیق کے قبضے میں ہے اس کے اندر ایک وسیع اور خوش نما کشادہ چبوترے پر ایک بارہ دری بنی ہوئی ہے۔

حویلی بدل بیگ خاں

اس حویلی کا دوسرا پھاٹک لب سڑک ہے جس کے مالک محمد سلام اللہ خاں خلف خان بہادر مولوی اکرام اللہ خاں صاحب ہیں۔ اندر بہت بڑی حویلی وسیع صحن اور نہایت دل کشا دالان ہیں۔ موجودہ دروازہ حکیم احسن اللہ خاں صاحب نے ۱۲۷۰ھ؁ میں بنوایا تھا۔ جس پر یہ کتبہ ہے:۔

ھو الحکیم

نہادہ بنا احسن اللہ خاں — سر راہ بہر انساں در دلکشا
کہ غالب پئے سال تاریخ او — رقم زد "درِ دلکش جنّذا"
۱۲۷۰

فقیر محمد امیر رضوی

یہ دروازہ حکیم احسن اللہ خاں صاحب کا بنوایا ہوا ہے جو بہادر شاہ ثانی کے عہد کے طبیب شاہی تھے۔ انھوں نے یہ مکان لے کر یہ دروازہ لب سڑک بنوایا۔ بدل بیگ خاں جن کے نام سے حویلی مشہور ہے اُن کا اصلی نام ترکی جنگ تھا یہ اوائل زمانہ شاہ عالم ثانی (۱۱۷۳ھ-۱۲۲۱ھ / ۱۷۵۹ء-۱۸۰۶ء) میں سمرقند سے آئے تھے اور امیر الامرا مرزا نجف خاں کے تحت میں رسالدار مقرر ہوئے۔ حکیم احسن اللہ خاں کے خاندان والوں سے ہرات کے گورنر سے کچھ ان بن ہو گئی تھی اس لیے ہرات چھوڑ کر دہلی

آئے۔ ان کا موروثی پیشہ طبابت نہ تھا بلکہ آپ کے والد نے طبابت اختیار کی تھی۔ حکیم احسن اللہ خاں صاحب بڑے نامی گرامی اور پایہ کے آدمی تھے۔ آپ کو اکبر شاہ ثانی نے طبیب شاہی مقرر کیا اور خطاب عمدۃ الملک حاذق الزماں کا دیا۔ بہادر شاہ ثانی کے عہد میں آپ کا مرتبہ اور رسوخ اور بڑھا اور آپ کو احترام الدولہ عمدۃ الحکماء معتمد الملک حاذق الزماں ثابت جنگ کا اور خطاب ملا۔ بہادر شاہی عہد میں آپ کا وہ رسوخ اور اعتماد تھا کہ کوئی کام بدون آپ کی صلاح و مشورت کے نہ ہوتا تھا۔ حکیم صاحب کا ایک مکان مہرولی میں بھی ہے۔ دلی والا مکان در اصل نواب قمرالدین خاں کا بنایا ہوا ہے۔ اس حویلی کا کیا ٹھکانا تھا یہاں سے اجمیری دروازے تک اس کا سلسلہ چلا گیا تھا اور اتنے متعدد قطعات تھے کہ نواب صاحب کا سارا خاندان اور حشم خدم سب اسی میں رہتے تھے۔ نواب صاحب کی وفات کے بعد حویلی کے کئی ٹکڑے ہو گئے جن میں کا صرف ایک قطعہ نواب بدل بیگ خاں کو ملا اور اب بھی انہیں کے نام سے مشہور ہے۔

حمام پھر اس مکان کو حکیم احسن اللہ خاں نے لیا اور حکیم صاحب نے اسی کے احاطے میں ایک حمام طیار کیا۔ حمام کے اندر ایک دیوار میں سنگ مرمر کی تختی پہ یہ کتبہ لگا ہوا ہے۔

ھو الحکیم

(۱) مرتب گشت ایں حمام دلخواہ ۔ بتعمیر فقیر احسن اللہ

محمد امیر رضوی

سنگ مرمر کی تختی پہ باہر کی دیوار پہ یہ دوسرا کتبہ ہے:۔

(۲) بد ہلی احسن اللہ خاں بنا کرد	یکے گرما بقدسی نشیمن
پے سالش کہ یارب جاوداں باد	بفرق بانی خود سایہ افگن
بشستم روئے لفظ آں گاہ گفتم	شدہ تعمیر ایں حمام احسن
سمت ۱۹۰۹ ۱سنہ ۱۸۵۲ء	۱۲ج سنہ ۱۲۶۸ھ

وزیر الملک اعتماد الدولہ قمرالدین خاں کے والد کا نام اعتماد الدولہ امین خاں تھا جو مشہور میر جملہ کے بیٹے تھے۔ اعتماد الدولہ امین خاں کی وفات کے بعد نظام الملک عہدہ

جلیلۂ وزارت سے سرفراز ہوئے لیکن تعلقات روبراہ نہ ہونے سے خود دست کش ہو گئے اور قمر الدین خاں کو محمد شاہ نے سنہ جلوس ششم میں قلمدان وزارت سپرد کیا چنانچہ تا بدم مرگ وہ اپنے عہدے پر قایم رہے آخر کار سرہند پر احمد شاہ ابدالی کی لڑائی میں گولی لگ کر زندگی اور وزارت دونوں کا ساتھ ہی ساتھ خاتمہ ہوا۔

کٹڑہ آدینہ بیگ خاں

کٹڑہ آدینہ بیگ خاں کا دروازہ لال کنوئیں بازار میں دور آخر مغلیہ کا بنا ہوا ہے۔ جس کے قابض حال حکیم

ناصر الدین خاں صاحب عرف چھنو میاں

صاحب زادۂ حکیم رضی الدین خاں صاحب شفاء الملک مرحوم ہیں۔ اندر بہت سے مکانات اور چھوٹی چھوٹی تنگ گلیاں ہیں۔ حکیم صاحب موصوف کا دولت خانہ **شفا منزل** اور مطب بھی یہیں ہے۔

گلی قاسم جان

دروازۂ حویلی کالے صاحب۔ دورِ آخر مغلیہ۔ اب کالے صاحب کی حویلی تو باقی نہیں محلہ اسی نام سے مشہور ہو گیا ہے۔ یہ دروازہ اور حویلی نواب قاسم خاں کی بنائی ہوئی تھی جن کا ذکر نواب احمد خاں کی مسجد کے ذیل میں آیا ہے۔ یہ حویلی بعد میں حاجی غلام نصیر الدین کے قبضے میں آئی جن کو لوگ میاں کالے صاحب کہا کرتے تھے اور جو اکبر شاہِ ثانی اور ان کے جانشین کے زمانے میں تھے آپ بڑے پرہیزگار اور مقدس بزرگ تھے۔

نواب احمد سعید خاں صاحب طالب

آپ نواب محمد ضیاء الدین خاں صاحب بہادر سابق رئیس لوہارو کے صاحب زادے ہیں اور جاگیر دار لوہارو ہیں۔ نہایت پابند وضع خوش رو اور خوش خو ہیں۔ ہر شخص آپ کے اخلاق وسیع اور صفت انکسار کا مداح ہے۔ آپ نہایت ذکی۔ ذہین ہیں۔ ذی علم۔ خوش طبع۔ خوش مزاج۔ موزوں طبع۔ شاعر بلند خیال اہلِ زبان امیر ہیں۔ طالب تخلص کرتے ہیں۔ بڑے پرگو شاعر ہیں۔ مرزا غالب مرحوم سے تلمذ رکھتے ہیں۔ پانسو روپیہ ماہوار ریاست لوہارو سے وظیفہ پاتے ہیں۔ بلحاظ تعزز خاندانی گورنمنٹ نے آپ کو اکسٹرا اسسٹنٹ کے عہدۂ جلیلہ پر مقرر کیا تھا مگر نوکری کی پابندی سے خود آزادی حاصل کر لی۔ آپ کا کلام نمونۃً ذیل میں درج کیا جاتا ہے

ناظرین اس سے آپ کی نادرالکلامی کا اندازہ کر سکتے ہیں :-

الف اللہ کا جس دم ہوا عنوان دیواں تھا | تو ہر مصرع مکانِ لامکاں کا سرو بستاں تھا
سنو صاحب دلو پوچھے سے کہ کیا رخسار جاناں تھا | صحیفہ ابن آذر کا۔ ابو القاسم کا قرآں تھا
محمدؐ اور احمدؐ۔ جیسے ہیں الحمد سے مشتق | یوں ہی نورِ محمدؐ اشتقاقِ نورِ یزداں تھا
کھلی احباب پر حق کی طرف سے تیری یکتائی | عدیم المثل تجھکو بھی سمجھنا عین ایماں تھا
شبستانِ حقیقت میں جو بزم انبیا دیکھی | تو سب میں رحمۃ اللعلمیں شمعِ فروزاں تھا
بھلا رازِ محبت کیوں کر چھپتا اُس محفل میں | سراسر سینہ بریاں تھا۔ برابر دیدہ گریاں تھا

نظر افروزِ عالم تھی ازل سے یہ غزل طالب
کہ مطلع مہرِ رخشاں اور مقطع ماہِ تاباں تھا

اگرچہ دل ہمارا آتش فرقت سے سوزاں تھا | ہوا سے ضبط سے لیکن چراغِ زیرِ داماں تھا
کھلی تھیں جب تلک آنکھیں تو یہ عالم گلستاں تھا | مگر جب ہو گئیں وہ بند۔ پھر خوابِ پریشاں تھا
لگی تھی آگ یاں۔ ہر رونگٹے میں سوزش ایسے | مگر اُن کے لیئے نظارۂ سرو چراغاں تھا
بہار آئی۔ یہ سن کر یوں ہوئی محو طرب بلبل | کہ ہر کنج قفس اُس کی نظر میں اک گلستاں تھا
مصیبت کا بھی ہوتی ہی باعث پاک دامانی | فروغِ عارضِ عصمت۔ خسوفِ ماہِ کنعاں تھا
وہ سوتے بے تکلف تھے نگاہِ شوق تھی بیباک | پراگندہ پڑے تھے گل۔ کھلا گلچیں کا داماں تھا
ہمارا جذب۔ ظاہر میں بتاتے تنگ ظرفی ہیں | کہ اُن کا تیر جو دل توڑ کر نکلا پر افشاں تھا
یہ نکتہ ہم نے مضمر پایا۔ ہر اک کام کی تہ میں | نہیں چاہا تو وہ دشوار تھا۔ چاہا تو آساں تھا
بنا ہو آج طالب صوفی صافی۔ مگر کل تک | ہوائے نفس میں اُڑتا تھا۔ غریقِ بحرِ عصیاں تھا

نواب تاج الدین خاں صاحب
تاباں

غیروں کا اختراع و تصرف غلط ہی داغ
اردو ہی وہ نہیں جو ہماری زباں نہیں

آپ نواب شہاب الدین خاں صاحب مرحوم کے خلف اور نواب ضیاء الدین خاں نیر کے نبیرے ہیں۔ نہایت خوش خصال شیریں مقال۔ خوش طبع۔ خلیق۔ فن شعر میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں چار بیاض قلمی ضخیم مختلف اقسام کی نظموں سے مملو آپ کی یادگار ہیں۔ شاعری کا خوب ملکہ ہی۔ فکر سخن کا یہ حال ہی کہ فی البدیہہ دس بیس شعر کہہ دینا آپ کے آگے کچھ بات نہیں

نواب حسین علی خاں مرحوم شاداں اور انور اور داغ سے آپ کو تلمذ ہے۔ اب خود استادی کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ افسوس کہ باوجود کوشش کے بھی کلام کا نمونہ میسر نہ ہوا۔

سید منصور علی کی قبر

محلۂ رودگراں۔ محاذی میدان والی مسجد۔ ایک چھوٹے کٹہرے کے اندر تین قبریں ہیں۔ بیچ میں تحستید منصور علی کی اور ادھر ادھر آپ کے ... اور بیوی کی۔

شرف الدولہ کے مدرسے کا دروازہ اور مدرسہ

رودگروں کے محلے میں ارادت اللہ خاں جن کو لوگ ارادت مند خاں بھی کہتے تھے اُن کے مدرسے کا ایک دروازہ رہنے کی کوئی خاص اہم نہیں ہے۔ یہ محمد شاہ کے عہد کے امرا میں سے تھے اور ان کا خطاب شرف الدولہ تھا۔ اب نرا دروازہ ہی دروازہ باقی رہ گیا ہے۔ مدرسہ کی عمارت تباہ ہو کر اب اس محلے کا نام ہی محلۂ مدرسہ ارادت اللہ خاں پڑ گیا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کسی زمانے میں مدرسہ اس جگہ تھا۔ سلطنت محمد شاہ کے پانچویں سنہ جلوس میں نواب صاحب کو راجہ اجیت سنگھ کی مہم پر بھیجا گیا تھا جس نے علم بغاوت بلند کر کے اجمیر اور سانبھر پر قبضہ کر لیا تھا اور بڑھتے بڑھتے نارنول تک آ گیا تھا۔ نواب صاحب کے ساتھ راجہ جے سنگھ سوائی۔ محمد خاں بنگش۔ گوپال سنگھ راجہ بھدا اور بھی تھے۔ لشکر کی تعداد ایک لاکھ سوار اور دو سو زنجیر فیل تھے۔ راجہ اجیت سنگھ کے آسے گئے ہوش وحواس جاتے رہے۔ سراسیمہ ہو گیا اور سر پہ پاؤں رکھ کر نارنول سے دُم دبا کر بھاگا اور گڑھ بیٹھی کے قلعے میں جا کر پناہ لی اور چند دنوں یہیں چھپا رہا۔ پھر موقع پا سانڈنی کی سواری موجود ھ پور جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اس نے صلح کا پیغام دیا اور اپنے بیٹے دھوکل سنگھ کو بطور یرغمال کے دربار شاہی میں بھیج دیا۔

نواب ارادت مند خاں شرف الدولہ کی قبر

اسی جگہ دوہرے چبوترے پر نواب صاحب کی قبر ہے۔ نیچے کا چبوترا سنگ سرخ کا ہے اور اوپر کا

مع قبر کے تعویذ کے بالکل سنگ مرمر کا ہے۔ قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ نیچے والے چبوترے پر دو قبریں آپ کے اقربا میں سے کسی کی ہیں جن میں سے ایک پر سنہ ۱۱۸۰ھ کندہ ہے

نواب موسیٰ یار خاں کی قبر

سنہ ۱۱۸۸ھ

نواب ارادت مند خاں کی قبر سے مغرب کی طرف اسی نیچے والے چبوترے پر نواب موسیٰ یار خاں کی قبر ہے جس پر یہ کتبہ ہے:-

آیات قرآنی

کتبہ

بجہاں سفر کرد از جہاں نواب موسیٰ یار خاں
کرد ماتم ہر یکے از دوستانش بیگماں

سالِ تاریخش چو جستم از خیالِ خویش گفت
بادیار قصر و گلزار ابد و رآن آں

بتاریخ ششم ربیع الاول سنہ ۱۱۸۸ ہجری از دار الفنا بدارِ بقا رحلت نمود

(۹ از مارچ سنہ ۱۷۷۴ع)

احاطۂ حجن صاحب کا دروازہ

رنگ و دگروں کے محلے ہیں۔ شاہ جہاں کے زمانے کا بنا ہوا ہے۔ احاطہ اب نہیں رہا صرف مکانات ہیں اور یہ دروازہ باقی ہے۔ اس میں رنگ دوز وغیرہ پیشہ ور رہتے ہیں۔

لال کنواں

بدل بیگ خاں کی حویلی کے آگے سنگ سرخ کا بنا ہوا ایک کنواں تھا جو اب بھی ہے مگر اب لال ہرمجی کا رنگ کیا ہوا ہے اور اسی کے پاس لال کنوئیں کی برانچ ڈسپنسری (شفاخانہ) ہے۔ یہ سارے کا سارا بازار اس کنوئیں ہی کے نام سے مشہور ہو گیا۔

کٹرہ سپہدار خاں کا پھاٹک

سنہ ۱۲۶۲ھ
۱۸۴۶ع

دورِ آخری مغلیہ کا بنایا ہوا لال کنوئیں کے بازار میں ہے اب پٹیالے سٹیٹ کے علاقے میں ہے۔ دراصل یہ دروازہ زینت محل کا ہے۔ اب اس کٹہرے میں مکانات ہیں اور ایک محلے کی حیثیت رکھتا ہے۔

زینت محل

سنہ ۱۲۶۲ھ
۱۸۴۶ع

یہ محل باہر سے تو کچھ معلوم نہیں دیتا مگر اندر کی محل سرائیں بہت عالی شان کشادہ اور وسیع ہیں جیسے کہ شاہی عمارات میں ہوتی ہیں۔ لب سڑک صرف ایک دو منزلہ کمرہ ہے جو زینت محل کے کمرے

کے نام سے مشہور ہی۔ اس کا بڑا عالی شان پھاٹک لب سڑک ہی۔ یہ محل سارے کا سارا مع کمرے کے پٹیالہ سٹیٹ کے قبضے میں ہی۔ سُنا ہی کہ غدر کے بعد خیر خواہی سرکار میں ملا ہی۔ اس کے دروازے پر ایک سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ بہادر شاہ بادشاہ آخری کا طبع زاد لگا ہوا ہی۔ زینت محل بہادر شاہ ثانی سلطنت مغلیہ کے آخر بادشاہ کی بیگم تھیں۔

کرد اے ظفر زینت محل تعمیر قصر بے بدل۔ شد بر محل سال بنا "این خانہ زینت محل"

فراش خانہ

لال کنوئیں بازار کی سڑک پر صرف دروازہ ہی دروازہ رہ گیا ہی اندر ایک وسیع محلہ ہی جس میں مختلف محلے ہیں آخری سرے شہر کے جنوب مغرب کی طرف فراش خانے کی کھڑکی تھی جس میں سے پہاڑ گنج اور قدم شریف کو رستہ جاتا تھا اب یہ کھڑکی اور فصیل سب توڑ کر میدان صاف کر دیا گیا اور ایک چوڑی سڑک لاہوری دروازے سے اجمیری دروازے تک نکال دی۔

قلعے کے لاہوری دروازے سے چاندنی چوک ہوتے ہوئے فتح پوری کی مسجد تک

بازار جانب دار السلطنت لاہور

یہ ایک بازار تھا ایسا وسیع کہ عرصۂ جہان بھی اُس کے آگے تنگ معلوم ہوتا تھا۔ اس میں ہر قسم کے سودے والوں کی دکانیں تھیں اور سال و اسباب اور تحفہ نادرہ سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ یہ بازار قلعے کے لاہوری دروازے سے فتح پوری کی مسجد تک تھا مگر پہلے اس کے حصوں کے نام الگ الگ تھے۔ پہلا حصہ اردو بازار کہلاتا تھا اُس کے آگے ترپولیہ اور کوتوالی کا بازار تھا پھر چاندنی چوک اور اُس سے بڑھ کر بازار فتح پوری۔ غرض یہ کہ یہ بازار من اولہا الی آخرہا چالیس گز عریض تھا۔ بیس گز اِدھر اور بیس گز اُدھر اور بیچ میں سرتا سر نہر جاری تھی

اور گرد نہر کے دو طرفہ درختان سایہ دار کی قطار یہاں سے وہاں تک تھی اور اس بازار میں علاوہ دکانوں کے بڑے بڑے محل اور عجیب و غریب عمارات تھیں۔

اُردو کا مندر
سنہ ۱۲۵۶ء

قلعے کے لاہوری دروازے کے پاس لالہ رام چند کی تولیت میں مندر ہے جو شاہجہاں کے عہد کا کہا جاتا ہے اور اس شہر میں جینیوں کا یہ سب سے قدیم مندر ہے۔ چونکہ یہ مندر بادشاہی جینی فوجی لوگوں کا تھا اس سبب سے اردو کا مندر کہلانے لگا۔ کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب نے ایک مرتبہ یہاں کی نوبت بند کرا دی تھی لیکن باوجود حکم شاہی کے بھی نوبت بجا کی۔ مگر کوئی شخص نوبت بجاتا ہوا نظر نہ آتا تھا۔ بادشاہ سلامت خود بہ نفس نفیس ملاحظہ کو تشریف لائے اور جب اطمینان ہو گیا کہ واقعی اس مندر میں کوئی بھی نہیں رہتا تو حکم صادر فرمایا کہ یہ نوبت بدستور بجا کرے کسی مزاحمت کی ضرورت نہیں۔ اس مندر کی بنا کی نسبت یہ مشہور ہے کہ پہلے یہ لشکری مندر تھا اور صرف ایک راؤٹی میں کسی جینی سپاہی نے اپنی ذاتی پوجا کے لیئے ایک مورت رکھ لی تھی بعد میں یہاں مندر کی عمارت بن گئی۔ بہر حال یہ مندر مقامی لوگوں کے نزدیک بڑی مقدس جگہ خیال کی جاتی ہے۔ بائیں ہاتھ کی طرف جو ایک بڑا مندر بنا ہوا ہے وہ سمت ۱۹۳۵ میں سنگ مرمر کا بنایا گیا اور اس میں جو مورتیں ہیں سب زمانہ حال کی ہیں۔ ہمارے محاذ میں پرانا مندر ہے جس میں تین مورتیں ہیں۔ بیچ والی مورت پارس ناتھ کی ہے۔ یہ سب سمت ۱۵۴۸ کی ہیں جو سوا چار سو سال کی قدامت کی پائی جاتی ہیں۔

اپا گنگا دھر کا مندر
غالباً سنہ ۱۷۶۱ء

قلعے کے لاہوری دروازے کے پاس یہ مندر ہے جو لالہ بھولو ل کی سپردگی میں ہے۔ مندر کے پھاٹک پر دائیں بائیں یہ کتبہ ہے:-

"جینی دروازہ۔ کھنّا (بخط ناگری اور صرافی خط میں بھی یہی الفاظ ہیں) سیدھے ہاتھ کی طرف: انگریزی۔ Stairs and gate built by Madho Ram Khanna

ترجمہ۔ مادھو رام کھنّا کا بنایا ہوا دروازہ اور سیڑھیاں۔ (بخط ناگری) یہ زینہ اور دروازہ لالہ سربوئل جی کے پوتے لالہ کشن چندر جی کے بیٹے مادھو رام کھنّا نے بنوایا۔ یہیں ایک سطر اُردو کتبے کی بھی ہے جو اسی مضمون کا ہے۔ گیارھویں سیڑھی پر بخط ناگری (۱) زینہ اور دروازہ بشمبر دیال کی یاد میں بنوایا گیا سُرگباس ہوئے شراون شکلا سمت ۱۹۴۶ نویں سیڑھی پر بخط انگریزی۔ Stairs and gate built in memory of

ف۱ یہ مندر باہر سے سرخ رنگ کا ہے جس پر انگریزی میں "جین ٹیمپل ویگا مبری" لکھا ہوا ہے۔ ۱۲

Bishambhar Dial Died on 16th August 1907

تو یہ سیڑھیاں اور دروازہ بشمبر دیال کی یادگار میں بنایا گیا جنھوں نے ۱۶ اگست سنہ ۱۹۰۷ء کو
وفات پائی - منڈپ کے پاس کی سیڑھی پہ بخط انگریزی: - مدن موہن لال کھتری سنہ ۱۹۰۳ء
اس کے نیچے یہی نام بخط صرافی ایک سطر میں لکھا ہوا ہے اور چاروں برجی دروازوں پر نام
بشمبر دیال کا ناگری میں کندہ ہے - یہ مندر ابتدا رسیندھیا مہاراج کی ملازمت میں ایک
مرہٹہ برہمن آپا گنگا دھر نامی کا بنایا ہوا ہے - یہ مندر گوری شنکر یعنی پاروتی اور شیو کا ہے اور
انھیں دونوں کی مورتیں اس میں ہیں اور ان کے نیچے شیو کا لنگ اور پاروتی - گنپتی -
نندی - گروڑا کی مورتیں ہیں اور ایک طاق میں ہنوماں کی مورت ہے - اس مندر کے
ہر سہ جانب مختلف قسم کی شیشہ کاری کا کام ہے - داہنی طرف ایک چھوٹا سا مندر رادھا
اور کرشن کا بنا ہوا ہے - بائیں جانب جمناجی کا مندر ہے اور وہیں قریب ایک طاق میں گنپتی کی
مورت رکھی ہوئی ہے - یہ مندر تاریخی لحاظ سے اس واسطے زیادہ وقیع ہے کہ مرہٹوں نے
جو دہلی پہ چند روزہ تسلط کر لیا تھا اس زمانے کی ان کی بنائی ہوئی صرف یہی ایک یادگار اس
شہر میں ہے - یہ مندر بڑے موقع سے عمدہ مقام پر بنایا گیا ہے کیوں کہ یہ اس سڑک پر
واقع ہے جو دریائے جمنا کے اشنان کے گھاٹوں کو جاتی ہے - اس میں سارے دن مرد
اور عورتیں برابر درشن کو جاتی رہتی ہیں - عمارت کے تین حجرے ہیں اور تینوں میں بافراط
سنگ مرمر لگایا گیا ہے جن کے اندر تمام سنہری ملمع چڑھا ہوا ہے - اصلی مندر تو ایسا کچھ
بڑا اور عمدہ نہ تھا مگر بعد میں اس میں بہت اضافہ اور آراستگی کی گئی ہے -

پتھروالاں کنواں

آسپلینڈ روڈ کے اختتام پہ جہاں وہ چاندنی چوک کو مڑتی ہے
سراوگیوں کے مندر کے محاذی کرشنا تھیٹر کے پاس ایک
قدیم کنواں ہے - اس کا پانی نہایت ہلکا اور شیریں ہونے سے
اکثر رؤسائے شہر یہیں کا پانی پیتے ہیں - ہر وقت اس پہ بھیڑ لگی رہتی ہے - اس کے پاس
ایک کھلا ہوا قطعہ اراضی ہے جس میں اکثر تماشے کی کمپنیاں سرکس وغیرہ آکر ٹھیرتے
ہیں اور نیشنل کانگرس کا وسیع پنڈال بھی سنہ ۱۹۱۸ء میں یہیں بنا تھا طبیہ کانفرنس اور
اس کے متعلق نمایش بھی یہیں ہوئی تھی - قومی جلسے پکنک پارٹیز اور ایٹ ہوم
وغیرہ کی تقاریب اسی میدان میں ہوتی ہیں - چوں کہ یہ زمین ملیٹری حدود میں ہے اس کی

نوٹ بجانب سڑک یہ عبارت ہے یہ مندر کا شیوالا گوری شنکر ماتھر مل کا نندی سنہ ۱۹۱۵ء یہی عبارت انگریزی اور ناگری میں ہے - ۱۲

اجازت بھی وہیں سے ملتی ہے۔

آمد بہار و شد چمن و لالہ زار خوش
وقتے ست خوش بہار کہ وقت بہار خوش

بنارسی کرشنا تھیٹر و کرشنا بلڈنگز

سنہ ۱۹۱۱ء

یہ تھیٹر نہایت وسیع اور عالی شان دہلی لندن بینک کے پاس ہے اور یہیں عمارت کا ایک بہت بڑا وسیع دومنزلہ نئی تعمیر کا خوشنما بلاک ہے جس میں رمنگٹن ٹائپ رائٹر۔ لارنس اینڈ میو عینک ساز اور غیرہ اور کئی یورپین تجار کی دکانیں ہیں۔ کرشنا تھیٹر کی عمارت میں بڑی وسعت اور گنجایش ہے چنانچہ حال میں مسلم لیگ کے اجلاس اسی میں ہوئے۔ میرے خیال میں پانچ ہزار آدمی کی اس میں سمائی ہو سکتی ہے کہ نیچے کی نشستوں کے علاوہ ایک کشادہ گیلری بھی ہے۔ برقی پنکھوں اور روشنی کے علاوہ ہر طرح کا سامان آسایش ہے۔ اس سارے بلاک کے دو مالک ہیں بالک رام کھتری اور نول کشور صاحب وکیل۔ اس سڑک کے بائیں جانب کوچہ چودھری ہے جس میں مطبع قیصر ہند ہے اس کے آگے کوچہ سکھانند ہے۔ اور سڑک پر پیارے لال صاحب وکیل کا مکان امپیریل بک ڈپو کی دکان ہے

ای زر تو خدائی ولیکن بخدا
ستار عیوبی و قاضی الحاجاتی

شمرو کی بیگم کی کوٹھی دلی لندن بینک شملہ الائنس بینک پنجاب بینکنگ کمپنی

یہ کوٹھی چاندنی چوک کے شمال میں ہے جو پہلے شمرو کی بیگم کی کوٹھی تھی یہ ایک کوٹھی نہایت دل کشا اور فرحت بخش بڑی عالی شان بہت عمدہ۔ بہت اونچی کرسی دے کر بنائی ہے اور اس کرسی میں کمرے اور گودام اور شاگرد پیشہ کے لئے بیوتات بنوائے ہیں اس پر یہ کوٹھی ہے کہ ایک وجہ سے اس کا رشک ارم ہے جس میں بڑے بڑے ہال اور برآمدے ہیں علاوہ خوبی عمارت کے ایک وسیع اور پرفضا باغ ہے جس میں سرو کے درختوں کی خوشنمائی اور نہر کے زور و شور سے بہنے کا عجیب لطف ہے۔ اب نہر تو نہیں رہی باغ البتہ موجود ہے۔ اس کوٹھی میں

قدیم سے دلی لندن بنک ہی اسی کوٹھی کے ایک مکان متعلقین سے بنک کے منیجر مسٹر برسفرڈ ان کی میم صاحب اور لڑکیوں نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو باغیوں سے سخت مقابلہ کیا جس میں مارے گئے کا سارا خاندان مارا گیا جو سب کے سب کشمیری دروازے کے پاس والے گرجا میں مدفون ہیں۔ اب حال میں اس میں شملہ الائنس بنک اور پنجاب بینکنگ کمپنی بھی شامل ہوگئے ہیں۔

سمرو کی بیگم یہ بیگم میرٹھ ضلع کے ایک مسلمان کی لڑکی تھیں جو ۱۷۵۰ء میں پیدا ہوئی تھیں۔ بیگم صاحب نے ایک سیاح والٹر رین ہارڈٹ (Reinhardt) سے شادی کر لی تھی جو سمرو کے نام سے مشہور تھا۔ سمرو صاحب نے جو فوج کھڑی کی تھی ۱۷۷۸ء میں انھوں نے بادشاہ دہلی کی خدمت میں پیش کر دی اور خود میرٹھ کے قریب سردھنے میں رہنے لگے۔ اسی سال سمرو صاحب نے آگرے میں انتقال کیا جن کی قبر وہاں اب تک موجود ہے اور بیگم صاحب ان کی جگہ سٹیٹ کی مالک بنیں ۱۷۸۱ء میں بیگم صاحب نے رومن کیتھولک فرقہ عیسائیان کا مذہب قبول کیا۔ ان کی فوج کے سردار یورپین تھے اور ۱۷۸۷ء-۱۷۹۲ء میں جارج طامس ان کی ملازمت میں تھے ۱۷۹۳ء میں بیگم صاحب نے پوشیدہ طور پر اپنے ایک عہدہ دار لی ویسو یا ویسولٹ le Vaiseau or Vaisoult سے شادی کر لی۔ یہ بڑا تند خو اور سخت گیر تھا جس کے طرز عمل سے بلوہ ہوگیا۔ لی ویسو جان بچا کر بیگم کو لے کر بھاگا لیکن دونوں گرفتار ہوگئے۔ بیگم نے خنجر بھونک لیا اور ان کے شوہر نے سمجھا کہ ان کا خاتمہ ہوگیا تو انھوں نے گولی مار کر اپنے سر کو پاش پاش کر دیا۔ بیگم کا زخم کاری نہ تھا بچ گئیں۔ ان کو گرفتار کر کے نہ صرف معزول کیا بلکہ کئی دن تک توپ کے منہ کو باندھا رکھا۔ طامس صاحب جن سے غدر میں یہ لڑنے کی طیاریاں کر رہی تھیں انھوں ہی نے بیگم کی جان بچائی اور پھر ان کو اپنے مرتبہ سابق پر قایم کرا دیا۔ ۱۸۰۳ء میں ان کی فوج نے اسائی مقام پر انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن سیندھیا کی بربادی کے ساتھ انھوں نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ بیگم صاحب نے ۸۰ سال کی عمر میں ۳ رشوال ۱۲۵۱ھ ۲۷ جنوری ۱۸۳۶ء میں انتقال کیا جن کی ایک عمدہ یادگار سردھنے کا سینٹ نظیر گرجا ہے جس میں

وہ مدفون ہیں بشپ ہیبر بیگم صاحب سے ۱۸۲۵ء میں ملے تھے وہ لکھتے ہیں کہ "یہ ایک بہت چھوٹی سی عجیب وضع قطع کی بڑھیا عورت تھی جس کی چمک دار آنکھوں میں شرارت بھری ہوئی تھی۔ باایں ہمہ حسن جمال کی جھلک اب بھی شکل و شمائل میں موجود تھی" یہ ایک بڑے حوصلے اور جرأت اور ہمت کی عورت تھی اور کئی بار اس نے بہ نفس نفیس فوج کی سرگردگی کی ہے۔ اس کی خیرات و مبرات کی طول طویل فہرست سے اس کی دین داری کا ثبوت ملتا ہے لیکن مزاج آگ بگولا تھا ایک مرتبہ دو باندیوں کو اتنے کوڑے لگوائے کہ وہ بے ہوش ہوگئیں اور اسی حالت میں ان کو زندہ گڑوا دیا۔ بیگم صاحب کے مرنے کے بعد جاگیرات ضبط ہو کر کمپنی بہادر کے قبضے میں آگئیں اور متروکہ واثاث البیت جو تقریباً پچاس لاکھ روپیہ کی مالیت کا تھا وہ ان کی وصیت کے بموجب بیگم صاحب کی آغوشی لڑکی کے شوہر کو دیا گیا۔

تاریخ وفات

شمرو بیگم عفیفۂ نیک سرشت	جنت بگزید کرد آں جا منزل
آمد ز سما ندا بگوشم ناگاہ	تاریخ وفات اوست داغے بر دل

۱۲۵۱ھ

بیپٹسٹ چرچ (گرجا)

شمرو کی بیگم کی کوٹھی سے آگے بڑھ کر اس نام کا ایک گرجا فرقہ بیپٹسٹ کا ہے جس کی عمارت بڑے بڑے اونچے کٹاوہ دروں کی بہت خوش نما اور خوب صورت ہے۔ یہ گرجا بھی قدیم ہے۔

خونی دروازہ

چکا چاک خنجر ز میدان کیں
بہفتم فلک شد ز روئے زمیں

بازار دریبہ کلاں کے سرے پر چاندنی چوک کے طرف یہ دروازہ دور آخری مغلیہ کا بنا ہوا ہے۔ اب دروازہ اور محراب تو باقی نہیں صرف ادھر ادھر کے دو پاکھے اور ان پر دو چھوٹی چھوٹی برجیاں رہ گئی ہیں۔ خونی دروازہ اس وجہ سے نام پڑا ہے کہ نادر شاہ نے جب ۱۷۳۹ء میں دلی کو لوٹا تو اسی دروازے کے سامنے باشندگان دہلی کا بڑا قتل عام ہوا۔ پہلے اس دروازے کا سامنے والا حصہ بازار کا

نقشہ مسجد شرف الدولہ
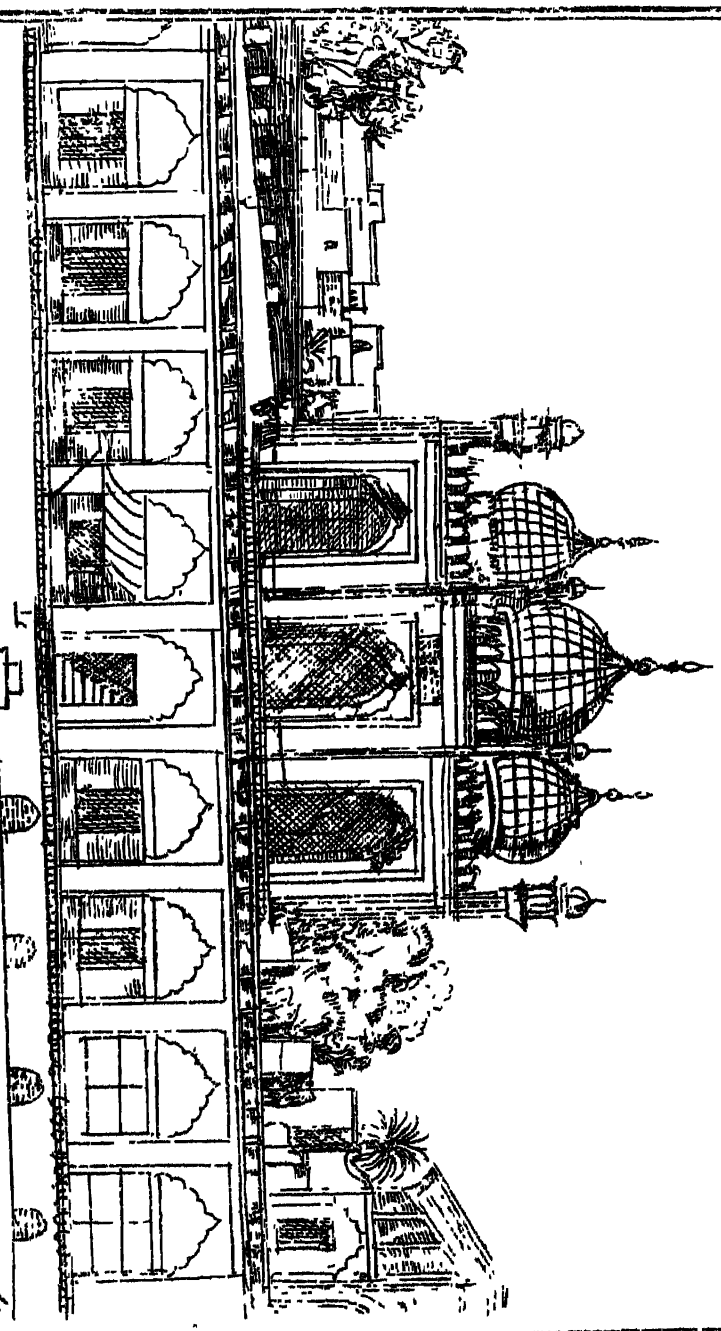
لاہوری بازار یا اردو بازار کہلاتا تھا اب سارے کا سارا چاندنی چوک ہی کہلاتا ہے
یہ تفریق جاتی رہی۔ اس کے اندر بہت بڑا مگر گھچ پچ اور تنگ بازار اس نام کا ہے جس کا
دوسرا سرا **سول ہسپتال** کے سامنے **پارے والوں** کے بازار میں نکلتا ہے
یعنی جامع مسجد کی طرف۔ دراصل اس بازار کا نام دُرِ بے بہا تھا کثرت استعمال
سے **دریبہ** ہو گیا اور بازاروں کی طرح وسیع نہیں بلکہ لکھنؤ کے چوک کی طرح تنگ ہے
دو گاڑیاں مشکل سے نکل سکتی ہیں۔ عموماً زرکوب۔ گوٹے کناری والے۔ جلدساز۔
کتب فروش۔ سادہ کار۔ صراف۔ عطر فروش۔ کنگھی فروش۔
سُرمے والے۔ کلاہ فروش۔ کھلونے والے۔ وغیرہ پیشہ وروں کی دکانیں اس کثرت
سے ہیں کہ ع جائے تنگ ست و مردماں بسیار کا مقولہ یہیں صادق آتا ہے۔
گلاب گندھی مشہور عطر ساز **الف خاں** مشہور سیاہی اور واسطی قلم فروش
کی دکان اسی بازار میں ہے۔ **دریبہ کلاں** کے اندر یہ گلیاں ہیں:۔
داہنی طرف کوچہ لٹو شاہ۔ کوچہ جیٹ مل۔ کناری بازار۔ گلی پہاڑ والی۔ کوچہ
سیٹھ جس میں سے شاہ جی کے چھتے میں رستہ نکل جاتا ہے۔ کوچہ سیٹھ میں سراوگیوں کا
ایک مندر بھی ہے۔ **بائیں طرف** کوچہ سکھانند۔ کٹرہ مشرف۔ گلی کنجس۔ گلی کنجڑاں والی۔
گلی سنگ تراشاں۔ بلاقی بیگم کا کوچہ۔

مسجد شرف الدولہ
سنہ ۱۱۳۵ھ ۲۳-۱۷۲۲ء

بازار دریبہ کلاں میں سر راہ یہ مسجد ہے جو عموماً نواب صاحب کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مسجد نہایت دل کشا اور بہت خوب صورت ہے۔ اگرچہ یہ مسجد ساری چونے اور اینٹ کی بنی ہوئی ہے لیکن سطح اُس کے سنگین
ایک خاص قسم کے سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں جس میں زردی کی جھلک مارتی ہے اور
اس کی سنہری کلسوں اور پتھر کی رنگت میں ایک لطف آمیز مناسبت ہے۔ اس مسجد میں
ندرت یہ ہے کہ دو منزلہ ہے۔ نیچے دکانیں ہیں اور اوپر مسجد۔ دکانوں ہی کے کرائے سے
مسجد کی نگہداشت ہوتی ہے۔ متولی اس کے **نواب احمد سعید خاں** اور نواب
احمد رشید خاں صاحبان ہیں۔ مسجد کے تین گنبد سنہری کلس کے ہیں۔ پندرہ
سیڑھیاں چڑھ کر صحن مسجد میں داخل ہوتے ہیں جس میں پتھر کا فرش ہے۔ مسجد کی

پیشانی پہ کتبہ ہے :-

در زمانِ شہِ خورشید سریر
ناصر الدین کہ محمد شاہ است
شرف الدولہ بنا فرمودہ
ایں دو بیت الشرف علم و عمل
سالِ تاریخ بنا گفت خرد

ظلِ حق ماہِ زمین شاہِ زماں
تیغ او کفر شکن در دوراں
مسجد و مدرسۂ عالی شاں
ہمچو سعدینِ فلک کردہ قراں
قبلۂ حج ارادت کیشاں

۱۱۳۵ھ

اس مسجد کے پاس جو مدرسہ ہے اس کو بھی نواب شرف الدولہ محمد شاہی نے ۱۱۳۵ھ میں بنایا تھا۔ نواب صاحب کا مفصل حال رودگراں کے محلے میں جہاں انھیں کا مدرسہ اور دروازہ ہے آیا ہے۔

کناری بازار یا دریبہ خورد

دریبۂ کلاں میں سے گلاب گندھی کی دکان سے کوئی سو قدم کے فاصلے پر دائیں جانب یہ بازار ہے گو یہ بھی تنگ ہے۔ مگر بہت آباد ہے اس میں گوٹے کناری والے ٹوپی فروش تے کانٹے والے۔ اور بہت قسم کے اہل حرفہ بیٹھتے ہیں اس کے اندر کئی محلے ہیں اول بائیں جانب کوچۂ عالم چند پھر گلی انار جس کے ختم پور سے کو رستہ جاتا ہے اس سے بائیں جانب چھتہ پرتاب سنگھ ہے۔

موتی بازار

اسی میں سیدھے ہاتھ کی طرف ایک پھاٹک کے اندر ایک گلی چلی گئی ہے جس کا دوسرا پھاٹک چاندنی چوک میں نکلتا ہے یہی موتی بازار کہلاتا ہے اس میں پہلے موتیوں کی جلا کرنے والے اور نگینہ ساز بھی بیٹھتے تھے اب کچھ گھڑی ساز ہیں باقی کاچھیوں کی دکانیں ہیں جو سبزی ترکاری بیچتے ہیں۔

لال مسجد

دریبے میں سر راہ کے موڑ پر دو چار قدم بڑھ کر بائیں طرف دکانوں کے اوپر یہ مسجد ہے۔ یہ دکانیں رہن تھیں حاجی محمد اسحٰق صاحب سوداگر صدر بازار نے دکانیں چھڑائیں اور اپنے ذاتی صرفے سے اس مسجد کو پختہ اور سنگین بنوا دیا نیچے تین دکانیں بھی بنوا دیں جن کا کرایہ بارہ روپیہ مہینا آتا ہے جس کی نگرانی انجمن موئید الاسلام کے ذمے ہے۔

کوچہ بلاقی بیگم

لال مسجد سے نکل کر دائیں جانب یہ کوچہ ہے۔ غدر سے پہلے خوب آباد تھا۔ اب وہ چہل پہل اور آبادی کی کثرت نہ رہی۔ اس کوچے میں ہندو مسلمان سب ملے جلے رہتے ہیں۔

بدرالدین علی خاں مہرکن کی مسجد
۱۲۸۷ھ

یہاں بدرالدین علی خاں مہرکن کی ایک مسجد ہے جو نہایت ہوادار جگہ ہے۔ اس میں اُن کے صاحب زادے **سعادت اللہ خاں** نے ایک مختصر سا عربی مدرسہ بھی جاری کر رکھا ہے۔ مسجد کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے:

برائے حضرت سبحان و رحمٰن
شد این مسجد بنا صد شکر و احسان

تمامی مِلکِ خود زرعی و سکنی
نمودم وقف آنرا از دل و جان

ازاں نصفے برائے وارثان ست
دگر بہر سا کین مستحقان

بریں تقسیم اگر حجت کند کس
ز حاکم منع کردندش مسلمان

الٰہی تا بحشر ایں رانگہدار
ز بیع و رہن غصب و جملہ نقصان

بگو سال از سرِ لِلّٰہ لِتقتفی
ساکین جائے بدرالدین علی خاں

۱۲۵۷ + ۳۰ = ۱۲۸۷ھ

گردوارہ سیس گنج
سری گرو تیغ بہادر صاحب جی
۱۶۷۵ء

کوتوالی کے پاس (۳۱۰) برس اوّل کا بنا ہوا سکھوں کا مندر ہے۔ اس میں زمانہ حال کے تین گورمکھی کتبے ہیں جن میں کوئی تاریخی بات نہیں۔ یہ گردوارہ گرو تیغ بہادر کی یادگار میں بنا ہے جس میں اُن کا سمادھ ہے اور سکھوں کی متبرک کتابیں گرنتھ صاحب رکھی ہیں۔ مہاراجہ صاحب پٹیالہ و راجہ صاحب جیند و نابھہ اس کے خرچ کے متکفل ہیں۔ گروجی کا سر ۱۶۷۵ء پوس سدھ (۵) بکرم سمت ۱۷۳۲ میں . . . . گیارہ بجے دن کے اورنگ زیب کے حکم سے قلم کیا گیا تھا۔ اورنگ زیب نے گرو صاحب کو چالیس دن تک قید کر رکھا مگر وہ برابر آدی گرنتھ سے حمد کے گیت گاتے رہے۔ آپ گرو ہرگوبند کے

صاحب زادے اور سکھوں کے نویں گرو تھے۔ گرو ہر کشن کی وفات کے بعد بڑے جھگڑے سے ان کو گدی پر بٹھایا تھا۔ اُنھوں نے شہرت اور عروج میں اپنے نامور والد سے بھی زیادہ نام پایا۔ گدی کے لیئے آپ کا بالمقابل دعوے دار آپ کا بھتیجا رام رائے تھا لیکن جب اُسے ناکامیابی ہوئی تو اُس نے اپنے کامیاب حریف تیغ بہادر سے جن کا اب بڑا عروج تھا یوں بدلہ لیا کہ بادشاہ سے جا لگائی کہ گرو صاحب کے ارادے سلطنت کے خلاف ہیں۔ بادشاہ نے تیغ بہادر کو دہلی بلوا بھیجا لیکن راجہ جے پور کی سفارش سے جان بچ گئی اور وہ پٹنے میں جاکر پانچ چھ برس رہے۔ اس کے بعد پھر وہ پنجاب کو واپس آئے اور پھر کچھ ریشہ دوانیاں اور لوٹ مار کرنے لگے اس وجہ سے اورنگ زیب نے اُن کو گرفتار کر کے سر قلم کرا دیا۔ بڑ کا درخت جہاں سر قلم کیا گیا اُسی زمانے کا ہے۔ گورو صاحب کی تصویر مندر کے اندر آویزاں ہے جہاں جہاں خون کے قطرے گرے سکھ لوگ اُس کو بہت متبرک مقام مانتے ہیں۔ ان کا سر کوئی انھیں کا چیلہ اورنگ آباد دکن لے گیا اور دھڑ موضع رکاب گنج بیرون اجمیری دروازے میں مدفون ہے وہاں بھی ایک مندر بنا ہوا ہے۔ سُنتے ہیں کہ اسی مندر کے مغربی گوشے میں ایک مسجد تھی جو غدر کے بعد منہدم کر دی گئی اور وہ جگہ مندر میں شامل کر لی گئی۔

کوتوالی چبوترا

گندم از گندم بروید جو ز جو
وز مکافات عمل غافل مشو

سنہری مسجد سے لگی ہوئی چاندنی چوک میں یہ ایک قدیم عمارت ہے جو بالعموم **کوتوالی چبوترہ** کہلاتی ہے۔ بادشاہی زمانے میں بھی اسی عالی شان عمارت میں شہر کی کوتوالی تھی اور اب بھی اس کے اگلے حصے میں دلی کا صدر پولیس سٹیشن ہے اور یہاں جو انسپکٹر پولیس متعین ہے وہ قدیم دستور کے موافق **کوتوال شہر** ہی کہلاتا ہے۔ اس عمارت کی اصلی حالت یہ تھی کہ یہاں ایک چوک تھا اسی گز مربع اور اُس میں حوض اور اُس کے جنوب میں کوتوالی چبوترا تھا اور جانب شمال ترپولیہ تھا اور رستہ جاتا تھا اب نہ وہ چبوترا باقی ہے نہ ترپولیہ۔ کہتے ہیں کہ یہ مقام ہمیشہ آفت خیز رہا ہے ایک زمانہ تھا کہ یہاں دریا بہتا تھا اور اس مقام پر بھنور پڑتا تھا کہ ہزارہا کشتیاں غرق ہوتی تھیں پھر ایک زمانہ آیا کہ یہاں گھنا جنگل ہو گیا اور شیروں کا مسکن ہو گیا کہ کسی ذی روح کو زندہ

نقشہ مسجد سنہری کوتوالی
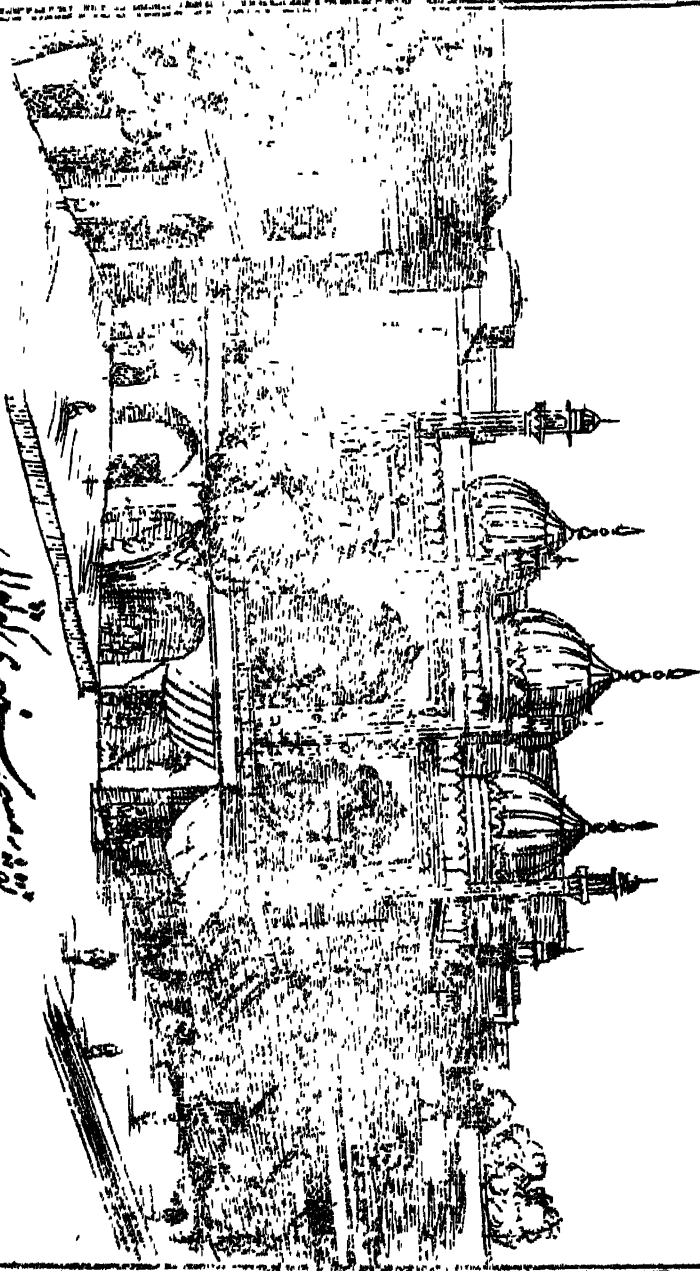
نہیں چھوڑتا تھا اب یہاں شہر کی کوتوالی ہی چور ڈاکو پکڑے جاتے ہیں اور طرح طرح کی عقوبتیں بھگتتے ہیں اور اسی چبوترے سے ملی ہوئی سنہری مسجد ہی۔ ~~ ۵

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیئے
بھوں پاس آنکھ قبلہ حاجات چاہیئے

اس مکان کے پچھلے حصے میں ایک مشہور عالم مولٰنا فخر الدین کا مکان سکونہ تھا جو قطب صاحب کی درگاہ میں مدفون ہیں۔ ایام غدر میں یہ بڑا معرکۃ الآرا مقام ساہی کوتوالی چبوترے کے سامنے ہی اُن تین شاہزادوں کی نعشیں لٹکائی گئی تھیں جن کو غدر ۱۸۵۷ء میں ہڈسن نے گولی کا نشانہ بنایا تھا اور یہیں برابر برابر پھانسیاں گاڑی گئیں تھیں جن پر باغیوں کو سر جان تھیا فلس مٹکاف صاحب کے سامنے لٹکایا جاتا سر تھیا فلس کا عالی شان محل مع بیش بہا مال و اسباب کے غدر میں لوٹ لیا گیا تھا اس سبب سے صاحب موصوف بہت برافروختہ تھے۔

روشن الدولہ کی پہلی سنہری مسجد ۱۱۳۴ھ ۱۷۲۱ء

وہ بھی برہم ہیں بھی راضی قتل کا ساماں درست
اب رواں گردن پہ گر شمشیر اُلٹی ہو تو ہو

جنرل کننگھم نے عمارات قدیمہ کے متعلق جو یادداشت گورمنٹ آف انڈیا میں بھیجی تھی اُس میں اس مسجد کے لیئے یہ ریمارک کیا ہی۔ بعض عمارات فی الاصل ایسی شاندار اور رفیع نہیں ہیں کہ گورمنٹ اُن کی نگہداشت کرے مگر اُن میں واقعات تاریخی کی ایک ایسی خصوصیت ہی کہ اُن کا بقا ضروری ہو جاتا ہی۔ چنانچہ مثلاً شہر دہلی کے بازار چاندنی چوک میں ایک چھوٹی سی مسجد روشن الدولہ (ظفر خاں) کی ہی جسے اُس نے ۱۱۳۴ھ ۱۷۲۱ء میں بعہد محمد شاہ (۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء) شاہ بھیک کے لیئے بنایا تھا۔ جہاں ۱۱ ذی الحجہ ۱۱۵۱ھ ۲۲ مارچ ۱۷۳۹ء نادر شاہ نے چند گھنٹے بیٹھ کر شہر کی لوٹ اور قتل عام کا تماشہ جو اُس مسجد کے اطراف میں ہو رہا تھا دیکھا تھا۔ یہ مسجد (۴۸) فٹ لمبی اور (۱۹) فٹ چوڑی ہی۔ اس کا چبوترا

ل‍ه اس واقعہ کی تاریخ "کل مغل بے حیا"۔ "دلی خراب شد"۔ "نغم عام" سے نکلتی ہی۔
۱۱۵۱ھ ۱۱۵۱ھ ۱۱۵۱ھ

سے زمین سے گیارہ فٹ بلند ہے اور لب سڑک واقع ہے۔ اس مسجد کا دروازہ کچھ شان دار نہیں ہے بلکہ صرف (۶) فٹ اونچا اور ۳ فٹ (۷) انچ چوڑا سادہ محراب کا ہے۔ یہاں سے آٹھ تنگ سیڑھیاں چڑھ کر صحن مسجد میں پہنچتے ہیں جہاں کھردرے پتھر کے چوکے بچھے ہوئے ہیں صحن مسجد پچاس فٹ لمبا اور بائیس فٹ چوڑا ہے یہ مسجد تمام سنگ بست اور پختہ ہے۔ مسجد کے تین محراب دار در ہیں بیچ کی محراب دس فٹ اونچی ہے اور ادھر اُدھر کی محرابیں اس سے ایک ایک فٹ نیچی ہیں بیچ کی محراب کے ادھر اُدھر پتلے پتلے دو منار ہیں جن کے اوپر ہشت پہلو برجیاں ہیں جن کے گنبد اور کلس سنہری ہیں۔ ان مناروں کی بلندی بیس فٹ ہے۔ مسجد کی دونوں جانب پینتیس پینتیس فٹ بلند منار ہیں جن کے اوپر چار چار ستونوں کی سنہری برجیاں اور کلس ہیں۔ دو بلند مناروں کے جواب میں مسجد کی پچھیت میں دو منار ہیں مگر بلندی میں کم پچھلے جن میں سے جنوبی رخ کا منار ٹوٹ کر برج انگشت بریدہ ہوئی ہے شمالی رخ کا اپنی حالت پر قایم ہے۔ مسجد کے دالان کے تین قطعے ہیں اور تینوں دالانوں پر تین سنہری گنبد ہیں جن میں سے بیچ کا گنبد بہ مقابلہ ادھر ادھر کے گنبدوں کے بڑا ہے۔ اس کے برج نقش بازار کی مسجد کی طرح ٹوٹ گئے تھے لیکن ان دونوں مسجدوں کے برجوں کو ملا کر اس مسجد کے برج پھر نئے سرے سے بنا دیئے گئے ان پر تانبے کی چادروں کا خول چڑھا کر بہت گہرا سنہرا ملمع کر دیا گیا ہے جس کی چمک دمک آج تک بھی ویسی کی ویسی ہی قایم ہے۔ بیچ کا گنبد مسجد کی چھت سے اٹھارہ فٹ اونچا ہے اور ادھر اُدھر کے گنبد پندرہ پندرہ فٹ بلند ہیں اور صحن مسجد سے ان کی بلندی (۵۴) اور (۴۲) ہے۔ مسجد کی پیشانی پر لمبی ایک سطر میں سنگ مرمر کی ایک پتلی سی تختی پر یہ کتبہ ہے:-

بہ عہد بادشاہ ہفت کشور   سلیمان فر محمد شاہ داور
بہ نذر شاہ بھیکہ آں قطب آفاق   شد ایں مسجد بہ زینت در جہاں طاق
خدایا نیست لیک از روے احسان   بنام روشن الدولہ ظفر خان
بتاریخش ز ہجرت تا شمار است   ہزار و یکصد و سی و چہار است

۱۱۳۴

مسجد کے متعلق ایک چھوٹا سا مکان مدرسہ کا بھی ہی جو قدیم نہیں ہی۔ مسجد کے جنوب میں اُس کا دروازہ ہی بارہ سیڑھیاں چڑھ کر اُس کے کوٹھے پر پونہچ جاتے ہیں۔ مسجد کے داخلی دروازے پر ایک نئے پتھر پر یہ کتبہ لگا دیا ہی:-

الوقف للہ تعالیٰ

مدرسہ[1] اسلامیہ مسجد سنہری ۱۳۱۵ ہجری

روشن الدولہ اور شاہ بھیکہ دونوں کے حالات ہم سنہری مسجد واقع فیض بازار کے ضمن میں لکھیں گے۔ نادر شاہ درانی نے ۱۷۳۹ء میں جو ہیبت ناک قتل عام دہلی میں کیا اُس کی کیفیت حسب ذیل ہی:- اورنگ زیب کا پوتا محمد شاہ تخت پر بیٹھا اور ناچ رنگ و لہو و لعب میں مشغول ہو گیا۔ مہتاب باغ اور حیات بخش دونوں باغوں کو سجا کر طلسمات کا نمونہ کر دیا۔ نہروں میں نواڑے پڑے رہتے تھے ان میں بیٹھتا اور سیر کرتا۔ برسات کے موسم میں قطب صاحب کے ہرے بھرے جنگل میں جا رہتا۔ حکم تھا کہ ابر سیاہ ہمارا نقیب ہی جب گرجنے کی آواز آے فوراً کمر بندی ہو جایا کرے۔ ملک میں بدنظمی پھیل گئی۔ نظام الملک آصف جاہ کو انتظام کے لیے دکن سے بلایا مگر وہ سلطنت کا رنگ بدلا دیکھ کر واپس چلے گئے۔ آصف جاہ کا جانا تھا کہ نادر شاہ درانی کابل ہوتا ہوا دلّی کے ارادے سے آگے بڑھا جب بہت ہی قریب آ گیا تو شہر میں کھلبلی پڑ گئی۔ بادشاہی آرام طلب فوج نے یہ دن کا ہے کو دیکھا تھا سنتے ہی سٹپٹا گئے جوں توں کر کے جنگ کا سامان فراہم کیا خدا خدا کر کے دو مہینے میں کرنال پونہچے اور بارات کی طرح جا اُترے مغلوں کے لشکریوں کا لباس کچھ ایسا عجیب و غریب تھا اور اُن کی شکل و شمائل بھی ایسی بد قطع تھی کہ دلّی والے اُن کا ٹھٹھہ اُڑانے لگے۔ آخر نادر شاہی فوج سے مقابلہ ہوا عیش پرورده فوجیں پریشان ہو کر بھاگیں خان دوران زخمی ہوا۔ برہان الملک شجاعت کی داد دے رہا تھا اور دل کھول کر لڑ رہا تھا۔ ہاتھی پر بیٹھا تیر چلا رہا تھا کہ قزلباشوں نے چاروں طرف سے آ گھیرا۔ ایک نیشاپوری اُس کا ہم وطن گھوڑا دوڑا کر پونہچا اور آواز دی کہ اے محمد امین! دیوانہ شدۂ

[1] اب یہ مدرسہ اُٹھ کر کے مسجد پانی پتیاں واقع کشمیری دروازے میں چلا گیا ہی۔ ۱۲

بلکہ جنگ ہی کی وجہ اعتمادی کی نذر ہوگئی۔ برہان الملک نے ہاتھ روک لیا اور نادر شاہ کے پاس لے گیا۔ اس نے جرم بخشی کر کے بہت عنایت کی اور دو کروڑ روپیہ مصارف جنگ لے کر یہیں سے لوٹ جانے پر راضی ہوگیا۔ برہان الملک نے نادر شاہ کو بادشاہ سے ملایا بڑے لطف سے ملاقات ہوئی۔ نادر شاہ نے لوٹ جانے کا سامان کر دیا بعض بد اندیشوں نے برہان الملک کی خیر خواہیوں کو اپنی طرف منسوب کر کے محمد شاہی دربار میں خطابات پائے جس سے برہان الملک کو برہمی پیدا ہوئی اور اس نے نادر شاہ کو خزانے کے بے شمار جواہرات کی طمع دلائی۔ نادر شاہ یہ سن کر شہر میں آیا اور شہر پر قبضہ کیا۔ نادر شاہ کے دہلی فتح کرنے کے بعد تیسری رات کو شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ محمد شاہ نے نادر شاہ کو قلعے میں قتل کر ڈالا۔ قزلباش جو نادر شاہ کی فوج کے لوگ تھے اُن پر شہری ٹوٹ پڑے رات بھر شہر میں تلوار چلی اور تین ہزار سپاہیوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ آدھی رات کو یہ خبر نادر شاہ بادشاہ کو پہنچائی گئی۔ اُس نے اس خبر کو بالکل غلط اور ناممکن الوقوع سمجھ کر بغرض دریافت اصل حقیقت ایک سوار کو دوڑایا وہاں جا کر معلوم ہوا کہ واقعی نادر کی فوج کے چند لوگ مارے گئے۔ نادر شاہ کو بہت غصہ آیا اور اُس نے اپنے دو ہزار جزائرچیوں کو حکم دیا کہ قلعہ کے دروازے پر قبضہ کرلیں اور عوام الناس پر گولی چلائیں چنانچہ جو جمعیت دروازے پر تھی ماری گئی اور تھوڑے عرصے کے لیے شہر کا ہنگامہ فرو ہوا لیکن صبح ہوتے آگ پھر بھڑک اُٹھی۔ نادر شاہ تب قلعے سے سوار ہو کر روشن الدولہ کی مسجد میں آیا اور بہت سے اپنے آدمی بچشم خود قتل ہوئے دیکھے آنکھوں میں خون اُتر آیا اور اس ہنگامے کی حالت کو دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا اور اپنے جزائرچیوں اور تین ہزار فوجیوں کو جو اور ساتھ تھے صبح کے سات بجے حکم دیا کہ اپنی اپنی تلواریں سونت لیں اور شہر میں جو ہندی ملے اسے قتل کریں کوئی بچنے نہ پائے جو شخص ملبوس ملے اُس کا لباس زندگی قطع کریں۔ قتل۔ غارت گری۔ لوٹ مار اور اُس کے ساتھ کسی طرح کا ظلم اُٹھا نہ رکھا جائے غرض یہ کہ کوئی شخص بچ نہ سکے"۔ سات بجے صبح سے چار بجے شام تک مسلسل قتل عام ہوتا رہا۔ گلی کوچوں میں خون کے ندی نالے بہ گئے گھروں میں آگ لگ گئی۔ بڑے بوڑھوں کی فریادیں آسمان تک جانے لگیں بدمعاش تو شہر چھوڑ کر بھاگ گئے ساری بلا شرفائے شہر کے سر پڑی میش خان کوتوال شہر نے ہزاروں جانوں کے تہ تیغ ہو جانے کی رپوٹ گزرانی۔ قتل کا ہیبت ناک

منظر مقامات ذیل میں کالے آسمانی کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ شہر کے لاہوری دروازے
سے پرانی عیدگاہ تک جو جہاں نما کے قریب ہی۔ شمال میں پاری مسجد تک۔ جنوب
میں شہر کے دہلی دروازے کے باہر جامع مسجد اور پہاڑ گنج کے اطراف خوب گھمسان
قتل ہوا اور جو لوگ زندہ پکڑے گئے اُن کے سر جمنا کے کنارے لے جا کر
اُڑا دیئے گئے۔ سب سے پہلے جوہریوں۔ صرافوں۔ ساہوکاروں اور سوداگروں
کی دکانیں لوٹی گئیں۔ دریبہ کا بازار جس میں جوہری اور تاجر کثرت سے تھے
خوب دھڑی دھڑی کر کے لوٹا گیا اور اسی وجہ سے اس بازار کا مغربی دروازہ
آج تک "خونی دروازے" کے نام سے مشہور ہی۔ خال خال امرائے شہر جو
ہمراہیاں نادر شاہ سے بحسن سلوک پیش آئے تھے وہ اور اُن کے معدودے
چند اڑوسی پڑوسی قزلباشوں کی مدد سے اس لوٹ مار سے بال بال بچے رہے
ایک بڈھے خواجہ سرا نے محمد شاہ سے تمام حال عرض کیا جب بادشاہ نے
قتل عام کی خبر سنی تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے آبدیدہ ہوا اور یہ شعر پڑھا؎
دیدۂ عبرت کشا قدرت حق را ببیں۔ شامت اعمال ما صورت نادر گرفت اور پھر گھبرا کر
اپنے ایک معتمد کو نادر شاہ کے پاس بھیجا اور خواہان عفو تقصیر ہوا۔ نادر شاہ کا دل
کچھ پسیجا اور محمد شاہ کی خاطر سے قتل سے ہاتھ روک لیا؟ ایک دوسری روایت
یہ ہی کہ دوپہر کے قریب جب عالم میں کہرام مچ گیا اور کوئی صورت امن کی نظر نہ آئی
تو آصف جاہ وزیر اعظم نادر شاہ کے وزیر کی طرف دوڑے اور تلوار گلے میں ڈال سر برہنہ
نادر شاہ کے پاس گئے۔ نادر شاہ کا طبیب خاص مرزا مہدی مسجد کی سیڑھیوں پر
بیٹھا ہوا تھا کہ آصف جاہ ایک بڑی لمبی چوڑی عرضی لے کر پہنچے جس میں رحم کی
درخواست کی گئی تھی۔ حکیم جی نے آصف جاہ سے کہا کہ بھلا اس طول طویل عرضی کا
یہ کیا موقعہ ہی اس کے پڑھنے پڑھنے تک تو دلی کا صفایا ہو جائے گا آپ اسے
مختصر کیجئے۔ آصف جاہ نے بحالت سراسیمگی کہا اچھا پھر آپ کو جو مناسب معلوم ہو
وہی کیجئے۔ مرزا مہدی آصف جاہ کو بادشاہ کی حضوری میں لے گئے۔ آصف جاہ
ترساں و لرزاں بادشاہ کے سامنے خاموش کھڑے ہو گئے ان کی حالت خود
صورت سوال تھی نادر شاہ کے دل میں بھی خدا نے رحم ڈالا اور غصہ ٹھنڈا پڑا نادر شاہ نے

فرمایا چہ می خواہی؟ وزیر نے یہ شعر پڑھا ع کسے نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی - مگر کہ زندہ کنی خلق وا و باز کشی - نادر شاہ نے شرما کر سر جھکا لیا اور تلوار نیام میں کی اور فرمایا کہ "بریش سفیدت بخشیدم" یہ سنتے ہی ایرانی فقیر "امان امان" کہتے ہوئے دوڑے شہر میں امن ہوگیا۔ مورخ لکھتا ہے کہ "فوج کے نظم ونسق کی یہ حالت تھی کہ ادھر بادشاہ کے منہ سے یہ حکم نکلا اُدھر اس سختی اور اہتمام سے قتل بند ہوا کہ جو جہاں تھا اور جس حال میں تھا وہیں اُس نے اپنا ہاتھ تھام لیا حتیٰ کہ جن لوگوں کے گلے پر تلوار رکھی تھی فوراً ہٹالی گئی" بعد اس کے محمد شاہ نے نادر شاہ کی دعوت کی کھانے کے بعد عمدۃ الملک نے چاے کی پیالی بھری مگر سوچنے لگا کہ پہلے کس کو دوں اگر اپنے بادشاہ کو دیتا ہوں تو نادر کا غصہ معلوم کہیں ایسا نہ ہو کہ سر بھٹے کی طرح اڑا دے اور اگر نادر کو دوں تو میرے آقاے ولی نعمی کے کشیدہ خاطر ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ آخر اس کی تیزی طبع اور فتانت نے جوہر دکھاے اور اُس نے محمد شاہ کے سامنے پیالی پیش کر کے عرض کی کہ "شاہاں بہ شاہاں می دہند" اس لیاقت اور سنجیدگی پہ دونوں بادشاہ بہت مسرور ہوے۔ **لطیفہ** نادر شاہ نے محمد شاہ کے دربار کی ایک طوائف نور بائی کا گانا سنا اور بہت محظوظ ہوا اور بہت کچھ انعام اکرام سے سرفراز فرما کر ارشاد ہوا "نور بائی! روے ہند را سیاہ کن بیا کہ بہ ایرانت بریم" نور بائی سنتے ہی حیران ہو گئی اب کیا کروں میری جان کی خیر نہیں فی البدیہہ اُس نے ایک غزل شروع کی جس کے دو شعر یہ تھے:۔

من شمع جاں گدازم تو صبح دل کشائی	سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی
نزدیکت ایں چنینم دورت آں چناں کہ گفتم	نی تاب وصل دارم نی طاقت جدائی

نادر شاہ بہت خوش ہوا اور اس کا مطلب سمجھ کر اپنے ارادے سے درگزرا۔ جاتے وقت نادر شاہ جتنا خزانہ اور جواہر دستے تھے مع تخت طاؤس کے اپنے ساتھ لے گیا۔ محمد شاہ رنگیلے ہی مشہور ہو گئے تھے پھر عیش و عشرت میں پڑ گئے اور تیس برس سلطنت کر کے ۱۷۴۸ء میں دنیا سے رخصت ہوے۔

فوارہ لارڈ نارتھ بروک

غم زدگاں را بطرب دل کشاے
گم شدگاں را بکرم رہ نماے

کوتوالی کے سامنے ترا ہے پر ایک بلند اور شاندار خوش نما فوارہ لارڈ نارتھ بروک (سنہ ۷۲-۱۸۷۶ء) کے زمانے کا بنا ہوا ہے۔ جس کے بنانے میں دس ہزار روپیہ صرف ہوا اس کے اوپر دہات کا نہایت وزنی پیالہ لگا ہوا ہے۔ پھول پتے بھی نفیس بنے ہوئے ہیں۔ تمام فوارے پر سیمنٹ کی استر کاری ہے۔ یہاں سے ایک سڑک ملکہ کے باغ کے برابر کوڑیا پل سے ہوتی ہوئی ریلوے سٹیشن کی سڑک سے جاملی ہے اور دوسری قلعے سے سیدھی فتح پوری کی مسجد کو چلی گئی ہے۔ فوارے کی سیڑھیوں سے پہر کو اکثر عیسائی اور آریا لوگ وعظ کہا کرتے ہیں۔ بڑا جمگھٹا رہتا ہے۔

راما تھیٹر
سنہ ۱۸۹۸ء

در باغ با ترانۂ بلبل دریں ہوا
مستی خوش ست و بادہ خوش ست و خمار خوش

یہیں فوارے کے مشرق میں راما تھیٹر کی نہایت خوش قطع عمارت ہے رائے بہادر لالہ رام کشن داس صاحب نے بصرف کثیر بنوایا تھا جس میں عمدہ عمدہ رنگ برنگ آمیزی کی تصویریں بنی ہیں اور برقی روشنی اور پنکھے غرض ہر قسم کا سامان آسایش موجود ہے۔ اکثر تھیٹریکل کمپنیاں اس کو کرایہ پر لے کر اس میں تماشہ کرتی ہیں۔ تماشوں کے لیئے یہ مکان بہت موزوں ہے خصوصًا اس وجہ سے کہ وسط شہر میں گھنی آبادی کے اندر ہے۔

اندر پرست بنگالی سکول
سنہ ۱۸۹۹ء

اس میں صرف بنگالیوں کے لڑکے تعلیم پاتے ہیں اسکا تعلق کلکتہ یونیورسٹی سے ہے۔ کوئی پچاس ساٹھ لڑکے ہیں اور پانچ مدرس وہ بھی بنگالی ہیں۔ اس کے بانی ڈاکٹر ہیم چندر سین تھے جو ایک بورڈ کے زیر اہتمام چلتا ہے۔ یہیں ڈاکٹر صاحب موصوف کا امپیریل مڈیکل ہال ہے۔ جو ڈاکٹر صاحب کی زندگی میں بڑی رونق پر تھا اب اُن کے عزیز چلاتے ہیں مگر وہ رونق تو اُن کے دم کے ساتھ تھی سدہ گئی۔

بازار کوڑیا پل

ملکہ کے باغ کے برابر جو سڑک گئی ہے وہی بازار کوڑیا پل کہلاتا ہے جس میں مچھی کثرت سے بیٹھتے ہیں۔ دائیں طرف کٹڑہ سائستہ خاں۔ برف خانہ۔ کٹڑہ چاہ اندارا۔ کلن کی چھوٹی سرائے۔ توپ خانے کی سرائے۔ برف خانے کی سرائے ہیں اسکی وجہ تسمیہ ہم شاہ جی کے مکان کے ضمن میں لکھ آئے ہیں کہ نواب شادی خاں مہتمم تہ بازاری تھے۔ تہ بازاری کے محصول میں کوڑیاں کثرت سے جمع ہوتی تھیں۔ شاہ عالم ثانی کے عہد میں نواب صاحب نے بادشاہ سے اجازت لیکر ان کوڑیوں سے ایک پل بنایا تھا لیکن اب پل کا وجود نہیں رہا پل جاکر سارے بازار کا یہی نام پڑ گیا۔

مور سرائے

دنیا ہم نے سرائے فانی دیکھی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی

غدر سے پہلے یہاں کاغذی محلہ تھا۔ غدر کے بعد سنہ ۱۸۶۱ یا ۶۲ء میں ہیملٹن صاحب کمشنر نے بصرف ایک لاکھ پانسو سترہ روپیہ سرائے بنائی اور ابتدا اس کا نام ہیملٹن سرائے مشہور رہا اس کے بعد مور صاحب انجنیر نے اس کی برجی پر مور کی تصویر لگائی لوگ مور سرائے کہنے لگے چاہے اسے مور کی شکل سے منسوب کردیا انجنیر صاحب کے نام سے سنہ ۱۹۱۰ء میں میونسپل کمیٹی نے اس کو ایک لاکھ پینسٹھ ہزار میں ایسٹ انڈیا ریلوے کے ہاتھ فروخت کردیا۔ اس میں ریلوے کے ملازمین رہتے ہیں۔ عمارت بہت وسیع عمدہ اور پختہ ہے۔

پون ٹوٹی یعنی چنگی کی چوکی

اس کے متصل تراہے پر چنگی کی چوکی ہے جو پون ٹوٹی کہلاتی ہے ہے۔ یہاں سے ایک سڑک دریا کی طرف جاتی ہے اور صدر ڈاک خانے کے قریب ریل کے ڈاٹ والے پل کے پاس چوراہے سے مل جاتا ہے۔ چنگی کی چوکی کے سامنے شمالی جانب ریل کے کاٹ کا اور برج ہے۔ یہ پل بہت

بڑا ہی ریلوے سٹیشن کے ساری چوڑان کو قطع کرتا ہے اس وجہ سے بہت لمبا ہے جو اُس طرف صدر ڈاک خانے۔ پھر یوں۔ کشمیری دروازے گندے نالے وغیرہ کے رستے پر جا نکلتا ہے چنگی سے کے پاس ہی ملکہ کے باغ کا ایک دروازہ بھی ہے۔

ریلوے سٹیشن

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں
ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

دراصل یہ اسٹیشن ای آئی آر کا ہے۔ پہلے سندھ پنجاب دہلی ریلوے جواب ان ڈبلیو آر کہلاتی ہے اُس کا سٹیشن ہیملٹن روڈ پر تھا جہاں اُس کا مال گودام ہے اور راجپوتانہ مالوہ ریلوے کا سٹیشن موری دروازے کے پاس تھا۔ یہی تین ریلیں تھیں۔ اسٹیشن الگ الگ اور دور دور ہونے سے مسافروں کو بڑی مصیبت کا سامنا تھا۔ ساری لینوں کا اب ایک جائنٹ سٹیشن ہو گیا۔ میرے خیال میں سوائے بمبئی کے وکٹوریا ٹرمنیس سٹیشن کے دلی سے بڑا کوئی سٹیشن نہیں۔ سنہ ۱۹۰۳ء سے بجلی کی روشنی سے بقعہ نور بنا رہتا ہے۔ وسیع اور کشادہ پلیٹ فارم ہیں۔ رات دن یکساں ہے ہر وقت ٹکٹ ملتا ہے۔ مسافروں کے ٹھیرنے کے بڑے بڑے ہال ہیں۔ لمبان اسکی یوں سمجھیئے کہ ڈفرن برج سے شروع ہو کر ڈاٹ کے پل تک چلی گئی ہے اور چوڑان ملکہ کے باغ سے لے کر اُدھر ہیملٹن روڈ تک ہے۔ شہر میں بھی چاندنی چوک کا بکنگ آفس ہے جس سے مسافروں کو بڑی آسانی ہے۔ پارسل بھی یہیں سے لیتے ہیں۔ یہ سٹیشن اس وقت ذیل کی ریلوں کا مبدا اور منتہا ہے۔ ای آئی آر یعنی پورب لین دلی سے دُھر کلکتے تک۔ ان ڈبلیو آر یعنی پنجاب لین۔ جو پہلے سندھ پنجاب دلی ریلوے کہلاتی تھی۔ اودھ رُہیلکھنڈ ریلوے کا غازی آباد مراد آباد سکشن جی آئی پی آر یعنی بمبئی لین۔ بی بی اینڈ سی آئی آر براڈ گیج یعنی چوڑی پٹڑی کی جو متھرا ناگدا لین کہلاتی ہے اور میٹر گیج یعنی چھوٹی پٹڑی کی جو پہلے راجپوتانہ مالوہ ریلوے کہلاتی تھی اور دہلی سے احمد آباد تک ہے۔ سدرن پنجاب ریلوے۔ ہندوستان بھر میں دلی سے

بڑا کوئی جنکشن نہیں ہے۔ اسٹیشن کے اندر جانے کے لیئے آدھ آنے کا پلیٹ فارم ٹکٹ ہے۔ دلی کے سٹیشن کے اندر بڑے بھاری بھاری ویٹنگ روم ہیں اور ان کے علاوہ رٹائرنگ روم بھی ہیں جن میں فرسٹ سکنڈ کلاس کے مسافر شب باش رہ سکتے ہیں۔ یہاں کے ریفرشمنٹ روم بھی اعلیٰ پیمانے پر ہیں مختلف بک سٹال بھی ہیں جن میں تازہ بتازہ اخبار رسالے منتخب انگریزی ناول کثرت سے ملتے ہیں۔ غرض مسافروں کی دلچسپی کا کافی سامان ہے جس سے سفر جو بصورت سقر کہلاتا تھا اب سفر بسیل الظفر ہو گیا۔ سب سے بڑھ کے ندرت یہ ہے کہ مختلف پلیٹ فارموں پر زینوں کے اندر سامانوں کے ٹھیلے پر پہنچانے کا نادر اپیرٹس لگا ہوا ہے جو بڑے صرفہ سے بنا ہے اور جس سے سامان کے حمل و نقل میں بے انتہا سہولت ہو گئی ہے۔ گھڑیاں متعدد ہر پلیٹ فارم پر لگی ہوئی ہیں جن میں بجلی کا تار لگا ہوا ہے اور ان سب کا وقت اسی تار سے یکساں رہتا ہے۔ ٹکٹ ہر درجے کا ہر وقت ملتا ہے۔ شبانہ روز ٹکٹ گھر کھلا رہتا ہے جب چاہو ٹکٹ لو اور بفراغت و اطمینان سفر کرو

گرجا رومن کیتھولک

۱۸۶۶ء

عیسائی فرقہ رومن کیتھولک کا یہ گرجا اس سڑک کے اخیر پر واقع ہے جو ریلوے سٹیشن سے نگمبود گھاٹ کو جاتی ہے۔ یہ عمارت نہایت خوشنما اور عالیشان ہے چھیاسٹھ ہزار روپیہ کی لاگت سے یہ گرجا بنا ہے جس کے چوطرف ایک عمدہ باغ لگا ہوا ہے اسی احاطے میں پادری صاحب کے رہنے کی کوٹھی بھی ہے اس کے آگے ہی چوراہہ ہے ایک سڑک ریلوے کے ڈاٹ دار پل کے تلے سے نکل کر سیدھی دلی دروازے کو چلی گئی ہے۔ اس چوراہے کے شمالی جنوبی گوشے میں ایک چھوٹے سے مثلثی ٹکڑے میں ایک مختصر سا غنچہ لگا دیا ہے جس کے تینوں طرف پتھر کا کٹہرا ہے اور بیچ میں ایک فریزل فوارہ لگا ہوا ہے ریل کے پل کی نہایت مستحکم ڈاٹ لگی ہوئی ہے پہلے یہ پل ۱۹ گز کا تھا بعد میں (۱۹) فیٹ اور بڑھایا گیا اور چوڑا ایسا لگایا ہے کہ معلوم نہیں دیتا۔ اس پل کا نام لوتھین برج ہے۔

شاہ آبادانی صاحب کا مزار

۱۲۳۰ھ

پنچکیوں کے سامنے میدان میں جانب غرب نہر کے شمالی کنارے پر شاہ آبادانی علیہ الرحمۃ کا

مزار ہی۔ آپ مستند اولیاء میں سے مانے جاتے ہیں چشتیہ مجددیہ نقشبندیہ ہر سہ سلسلہ میں آپ اجازت رکھتے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت صدیق اکبرؓ سے ملتا ہی آپکے والد بزرگوار میاں نور جمال سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ شاہ صاحب ۱۱۵۱ء میں پیدا ہوئے سن رشد کو پونچنے کے بعد دہلی تشریف لائے اور مولنا محمد ذکریا علیہ الرحمۃ کے مرید ہوئے جو اپنے زمانے کے عارف کامل تھے۔ مولنا کے وصال کے بعد شاہ صاحب مرجع خلایق بنے مولنا فخر الدین علیہ الرحمۃ سے صحبتیں رہیں۔ آپنے ۶۹ سال کی عمر میں ۱۸ ربیع الثانی ۱۲۲۰ھ میں وفات پائی۔ اب تک آپ کا عرس ہوتا ہی۔ چوں کہ آپ کا مزار فوجی حدود میں ہی اجازت لینی پڑتی ہی قلعے کے لاہوری دروازے سے نکل کر ایک رستہ قلعے کے پاس شمالی جانب میں دریا کی طرف چلا جاتا ہی دوسری سڑک خندق سے ملی ہوئی جنوبی دروازے کی طرف آتی ہی۔ تیسری بیچ والی سڑک نہایت چوڑی اور وسیع سیدھی مسجد فتح پوری تک چلی گئی ہی۔ سوائے گھنٹہ گھر کے اور کوئی چیز بیچ میں حائل نہیں یہی چاندنی چوک کا شارع عام ہی سراوگیوں کے مندر کے پاس چورا ہہ پڑتا ہی۔ چاندنی چوک والی سڑک کو چھوڑ دیجئے ٹھنڈی سڑک کو لیجئے جو پنچکیوں سے ہوتی ہوئی کشمیری دروازے کو نکل جاتی ہی۔ یہیں پنچکیاں تھیں جو نہر کے زور سے چلتی تھیں اور دہلی میں شہر بھر کا آٹا پستا تھا۔ یہ وہی نہر تھی جو چاندنی چوک میں اسی نام سے مشہور تھی اور کہیں سعادت خاں کی نہر بن جاتی تھی۔ اب یہ چکیاں بے کار ہیں شہر بھر میں متعدد آیل انجن ہیں اور سب سے بڑھ کر گنیش فلور ملز اور کئی اور ملز۔ آٹا تو آٹا سٹیم میں وہ طاقت خدا نے دی ہی منٹوں میں سارے شہر کو پیس کر دھر دے۔ پرانا زمانہ گیا بادی اور آبی چکیوں کی جگہ اب بھاپ اور اس سے بڑھ کر برقی قوت وہ کام کر رہی ہی کہ انسان کی عقل دنگ ہی۔ یہ زمانہ آسمان پھاڑ کے تھگلی لگانے کا ہی۔ جو بات نہ ہوجائے عجیب نہیں۔ اب پھر چاندنی چوک میں آئے تو بائیں جانب حویلی جگل کشور۔ کٹڑہ شہنشاہ۔ دریبۂ خورد ہی۔ اس سے آگے موتی بازار کا دروازہ ہی جو دریبۂ خورد میں نکل جاتا ہی اور دوسرا رستہ الیوا رڈ سے ہوتا ہوا نئی سڑک پہ

جانکاہی اور مالی وراثت میں رائے بہادر لالہ سری کشن داس صاحب ساہوکار
جو گڑوالے مشہور ہیں عالی شان مکان ہے جو دہلی کے مشہور ساہوکار
اور رئیس ہیں۔

بنک آف بنگال سکہ شہ کا ہوا ہے روشناس۔ اب عیارِ آبروئے زر کھلا
منتقل ہوتا رہا ہے پہلے موری دروازے تھا پھر
کشمیری دروازے رہا پھر چاندنی چوک کے ایک کوٹھے پر تھا آخر کار بینک نے
سینٹ اسٹیفنز زنانہ ہاسپٹل کی عمارت خرید لی جو سنگ سرخ کی بہت
سنگین سہ منزلہ نہایت خوش نما بنی ہوئی ہے ہسپتال کی عمارت ۱۸۸۴ء میں
بہ صرف زر کثیر پادری ونفٹر صاحب کی میم کی یادگار میں بنائی گئی تھی۔ اس کا
تعلق بھی ایس پی جی مشن سے تھا۔ اب ہسپتال شہر کے باہر تیس ہزاری
باغ کے میدان میں چلی گئی ہے۔ شہر کی بعدت بیماروں کی زحمت پھر عورتوں کی
نقل و حرکت کا کچھ لحاظ نہ کیا گیا۔ پردہ نشین عورات کے لئے ہوئی نہ ہوئی برابر ہے
"تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود۔ اسی طرح چاندنی چوک میں اور
بہت سے بنک ہیں جن میں سے بعض مشہور بنکوں کے نام یہ ہیں:۔ چارٹرڈ بینک
الہ آباد بینک۔ نیشنل بینک آف انڈیا۔ کمرشل بینک۔ بینک آف اپر انڈیا
پنجاب نیشنل بینک۔ مرکنٹیل بنک۔

کٹرہ دھولیا یہ وہ مقام ہے جہاں سے دسمبر ۱۹۱۲ء میں لارڈ ہارڈنگ پر
بم پھینکا گیا تھا۔ اس کے آگے بائیں جانب کٹرہ
گوری شنکر۔ کٹرہ نواب صاحب یعنی
رکن الدولہ۔ داہنی طرف کوچہ سنگھیاں۔ کچا باغ۔ بائیں طرف
کٹرہ چوبان۔

اشرفی کا کٹرہ بائیں طرف یہ کٹرہ ہے جس میں کپڑہ فروشوں کی تھوک
فروشی کی دکانیں ہیں۔ اور اسی سے ملا ہوا ہے کٹرہ
بھنگی ہے۔

نقشہ گھنٹہ گھر و ٹاؤن ہال وغیرہ
ٹاؤن ہال
فوارہ
فوارہ
سڑک
سڑک
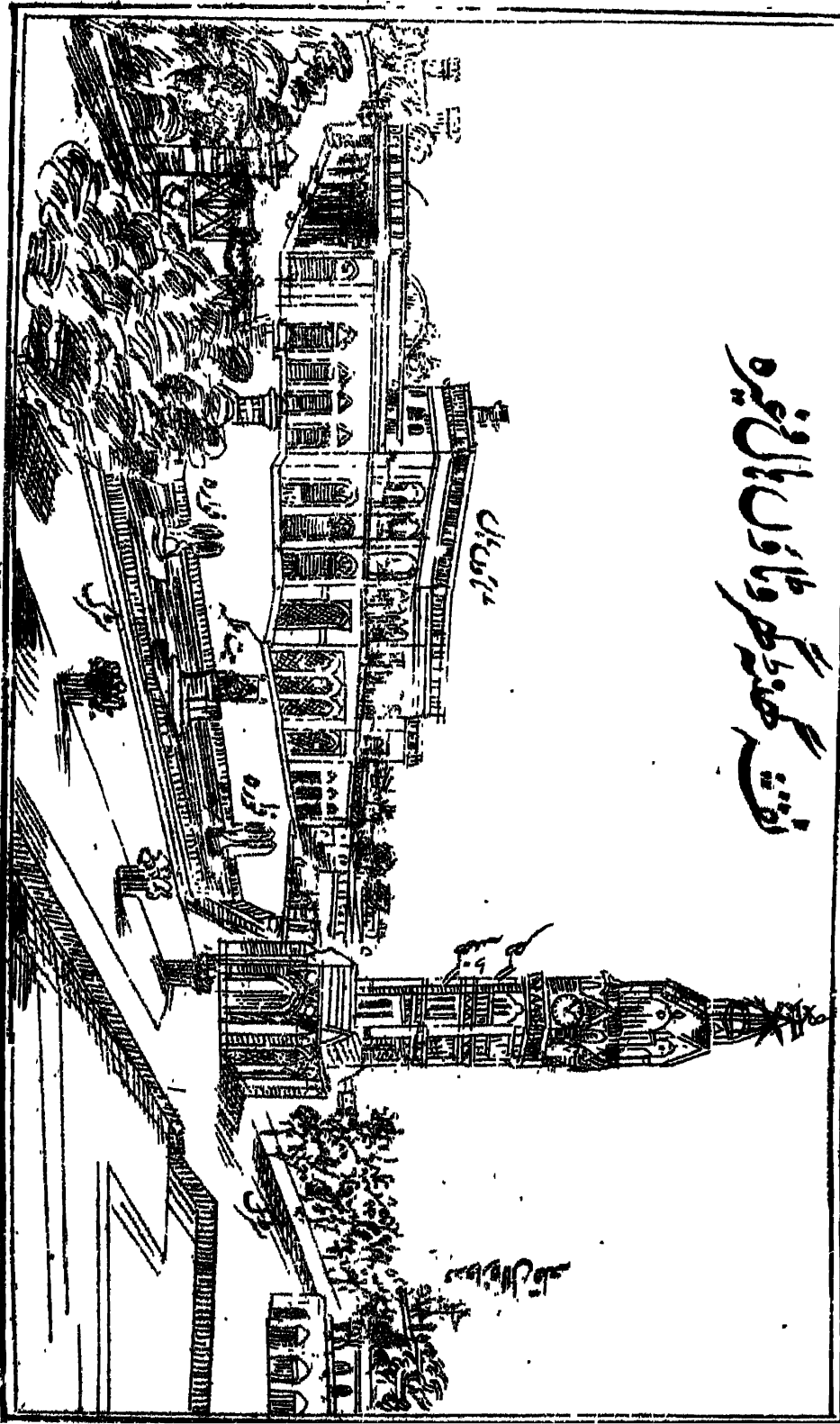
نٹووں کا کوچہ

گھنٹہ گھر سے پہلے ملکہ کے باغ کی مشرقی دیوار سے ملا ہوا داہنے ہاتھ کی طرف یہ ایک بڑا محلہ ہی جس میں اہل ہنود اور مسلمان دونوں رہتے ہیں۔ مسلمانوں میں سادہ کار۔ مصور رہتے ہیں اور چند کارخانے ڈھلیتوں کے ہیں۔

گھنٹہ گھر

سنہ ۱۸۶۸ء

غافل تجھے گھڑیال یہ کرتا ہی منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹادی

قلعے کے لاہوری دروازے سے لے کر فتح پوری تک سارے سایہ دار درخت کاٹ کر میدان صاف ہوگیا ہی۔ سایہ کا اب نام نہیں رہا۔ گرمیوں کے دنوں میں غالب کے یہ شعر بے ساختہ زبان سے نکلیں آگئے ؎

رات کو آگ اور دن کو دھوپ
بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار

آگ تاپے کہاں تلک انسان
دھوپ کھاوے کہاں تلک جاں دار

دھوپ کی تابش آگ کی گرمی
وقنا ربنا عذاب النار

آدمی سایے کو ترسیں گے ؎

جانب سایہ شدہ مردم رواں
سایہ بدنبال مردم دوان

اب اس حق ہو کے میدان میں حضرت گھنٹہ گھر صاحب تن تنہا ٹنٹر ول ٹول کھڑے ہوے حق اللہ پاک ذات اللہ پکار رہے ہیں۔ گھنٹہ گھر کے مشرق اور مغرب میں دو چھوٹے چھوٹے سنگ مرمر کے لمبوترے حوض کنڈالیوں کی طرح کے بنے ہوے ہیں جن پر ذیل کے کتبے اردو وانگریزی میں ہیں۔
مشرق کی طرف۔ یہ کھیل واسطے مویشیوں کے پانی پینے کے لالہ اسبے پرشاد صاحب آنریری سکرٹری پنجراپول و آنریری مجسٹریٹ دہلی نے سنہ ۱۹۱۶ء میں تیار کرائی۔ مغرب کی طرف۔ یہ کھیل لالہ مدن موہن لال کھتری خلف لالہ رام چند صاحب نے سنہ ۱۹۱۶ء میں تعمیر کرائی۔ یہ گھنٹہ گھر نہایت بلند اور خوب صورت مربع مینار ہی جس کے نیچے کے حصے میں چاروں طرف در ہیں

اس میں تخمیناً پچیس ہزار پانسو روپیہ لاگت آئی ہے۔ اس میں بہت بڑا گونجنے والا گھنٹہ لگا ہوا ہے جس کے ڈایل یعنی سوئیاں چاروں طرف ہیں۔ پاؤ آدھا پونا سب بجاتا ہے۔ گھنٹے کی قیمت پانچ ہزار اٹھارہ روپیہ ۳ ر ۲ پائی دلّی آکر پڑی گو گھنٹے کی آواز بلند ہے اور ہوا کے رخ پر دور دور جاتی ہے مگر اتنے بڑے شہر میں صرف ایک گھنٹہ گھر سارے شہر کو چوکنا رکھنے کو بالکل ناکافی ہے۔ اس کے اوپر ایک مچھلی بنی ہوئی ہے۔ جو اسمات اربع تبلاتی ہے۔ جہاں اب گھنٹہ گھر ہے کسی زمانے میں یہاں ایک ہشت پہلو حوض تھا جس کے چاروں طرف سو سو گز میں مثمن بازار تھا دراصل یہی چاندنی چوک تھا۔ اس چوک کے گرد نصف دائرے کی شکل میں اب بھی بزازوں کی دکانیں ہیں اور شام کو سودے والے بیٹھتے ہیں۔ جب سے نہر بند ہو گئی اور بیچ کی پٹڑی توڑ دی گئی بازار کی رونق جاتی رہی ورنہ اس پٹڑی پر قلعے کے لاہوری دروازے سے لے کر فتح پوری کی مسجد تک سودے والے۔ ترکاری فروش۔ میوہ فروش۔ ٹکڑے والے شربت والے کثرت سے بیٹھتے تھے پٹڑی کے ٹوٹ جانے سے اُن کا شیرازہ بکھر گیا جس کے سینگ جہاں سمائے چلا گیا چاندنی چوک میں جو جامعیت تھی اور زبان زد خلایق تھا کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا وہ سب اب خواب خیال کی سی باتیں ہیں۔ بیچ کی چوڑی سڑک سواریوں کی آمدورفت کے لیئے ہے دائیں بائیں دکانوں کے سامنے چوکوں کی پٹڑیاں بنا دی ہیں وہ پیدل رہ رووں کے واسطے مخصوص ہیں۔

نئی سڑک (ایجرٹن روڈ)

چاندنی چوک میں گھنٹہ گھر سے جنوب کو یہ نئی سڑک نکلی ہے جس کا انگریزی نام ایجرٹن روڈ ہے۔ یہ بھی دلّی کا پُر رونق بازار ہے جو دوسری طرف شاہ بولا کے برگد کے پاس جا نکلی ہے۔ اس میں۔ بزاز۔ گھڑی ساز۔ درزی وشال دوز وغیرہ پیشہ وروں کی دکانیں ہیں۔ گھنٹہ گھر سے جاتے ہوئے داہنے ہاتھ کو کٹرہ موتی رام مسجد حوض والی۔ کوچۂ خان چند۔ گلی حاجی علی جان پٹوے۔ گلی پیپل والی۔ بائیں ہاتھ کو کٹرہ بھنگی۔ کٹرہ چھیپی واڑہ۔ گلی جوتے والاں۔ مالی واڑہ۔ کٹرہ غفور بخش معروف بہ کٹ پیس مارکٹ جسے عموماً کٹرہ سٹے والاں کہتے ہیں۔ روشن پورہ جو ایک وسیع محلہ تھا جس کے بیچ میں سے نئی سڑک نکل جانے سے کچھ حصہ سڑک کے

اس طرف رہا کچھ اُس طرف محاذ میں ہو گیا - اور اسی میں چھتہ تن سکھ رائے اور پھر چیرے خانہ ہی - جس میں حضرت شاہ صدر جہاں علیہ الرحمہ کا مزار ہے آپ قادریہ خاندان کے بزرگ ہیں - آپ کا وصال ۱۱۸۲ھ میں ہوا - ۱۲ - ۱۳ ذی قعدہ کو عرس ہوتا ہی - روشن پورے میں لبِ سڑک داہنی طرف بابو مدن گوپال بیرسٹر کی کوٹھی ہی - جن کے صاحب زادے لالہ سری رام ایم اے مشہور مصنف خم خانۂ جاوید ایک لائق باپ کے لائق بیٹے ہیں - اس سے آگے بڑھ کر بائیں جانب میونسپل بورڈ سکول ہی - اب نئی سڑک ختم ہوئی اور ہم شاہ بولا کے بڑ کے پاس چاوڑی بازار میں نکل آئے ۔

بیگم یا ملکہ کا باغ

سنہ ۱۰۶۰ھ
۱۶۵۰ء

بعالم چنیں باغ نامد پدید ۔ نہ قصر این چنیں چشم افلاک دید
خیاباں کز و چشم بد باد دور ۔ کتاب چمن راست بین السطور
ز ہر مصرعہ شاخ گل بے ورنگ ۔ برآورد سر معنی رنگ رنگ

صبا تکمۂ غنچہ وا می کند ۔ گریبانِ صبرم قبا می کند
کہ اندر شاخ چمن بستہ صف ۔ دلم در رہِ تیر حسرت ہدف
شکر خندۂ غنچۂ یاسمن ۔ نمک می زند بر دلِ ریش من
ز فیض ہوائے لطافت نقاب ۔ ز شبنم شود شکرِ صبح آب
ز خاکش اگر اوج گیرد غبار ۔ ہوا رہ کند ابرِ یاقوت بار
ز کیفیتِ اعتدالِ ہوا ۔ دم روح در آستینِ صبا

یہ باغ دراصل شاہ جہاں بادشاہ کی چہیتی اور تیسری صاحب زادی جہاں آرا بیگم[۱] نے سنہ ۱۰۶۰ھ ۱۶۵۰ء میں بنوایا تھا جو چاندنی چوک کے بازار میں

[۱] جہاں آرا بیگم شاہ جہاں بادشاہ کی بیٹی تھی اس کی ماں ممتاز محل کے نام کو تاج بی بی کے روضے نے غیر فانی بنا دیا ہی ۲۱ رصفر سنہ ۱۰۲۳ھ ۱۶۱۴ء بدھ کو جب یہ پیدا ہوئی اس کا باپ شہزادگی کے عالم میں چتوڑ فتح کرنے گیا تھا - اس تقریب پر اس کے دادا جہاں گیر بادشاہ نے بہت خوشی منائی ہوش سنبھالنے پر جہاں آرا کو مذہبی تعلیم دی گئی اور اس کے بعد اس نے فارسی عربی میں دست گاہ حاصل کی - یہ شاہزادی اپنے باپ کو بہت عزیز تھی (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

گھنٹہ گھر کے سامنے ہے۔ اس باغ کی وضع قطع میں بسبب مرور زمانہ کے بہت کچھ تغیر و تبدل ہو گیا ہے۔ باغ کا طول (۹۷۰ گز) اور عرض

جب اس کی ماں کا وقت آخر ہوا تو وصیت کی کہ اس کے متروکہ میں سے نصف جہاں آرا کو دیا جائے اور باقی نصف چاروں بیٹوں شجاع۔ مراد دارا شکوہ اور رنگ زیب میں تقسیم کر دیا جائے۔ سنہ ۱۰۵۳ھ میں شاہ جہاں نے حکم دیا کہ اس کا جشن سالگرہ منعقد کیا جائے۔ قلعۂ معلی کی خاص طور پر سجاوٹ کی گئی اور دارالخلافہ میں نہایت اعلیٰ پیمانے پر طیاریاں شروع ہوئیں کہ عین سالگرہ کے دن محل میں جہاں آرا کا دامن شمع کی لَو سے چھو گیا جس سے تمام کپڑوں میں آگ لگ گئی اور سارا بدن جل گیا۔ شاہ جہاں نے جو سنا تو گھبرایا ہوا اندر آیا اور جہاں آرا کا سر اپنے گھٹنے پر رکھ کر بہت رویا۔ خوشی کے بدلے کہرام مچ گیا۔ بادشاہ نے رد بلا کے لیئے ساٹھ ہزار روپیہ اُسی وقت خیرات کیا اور بڑے بڑے حاذق اطبا کا علاج معالجہ خاص اہتمام سے شروع ہوا۔ ایک انگریز ڈاکٹر بوٹن نامی جو اپنے فن میں کمال رکھتا تھا سورت کے بندر میں آیا ہوا تھا بادشاہ نے اُسے طلب فرمایا ہر رات ایک ہزار روپیہ کا توڑا شاہزادی کے سرہانے رکھا جاتا اور صبح کو فقیروں کو بانٹ دیا جاتا۔ جہاں آرا بیچاری پورے پانچ مہینے صاحب فراش رہی اور بادشاہ متواتر خبرگیراں رہا۔ خدا خدا کرکے شاہزادی کو صحت ہوئی جس کی خوشی میں بادشاہ نے دو عظیم الشان جشن کیئے۔ جس میں ایک کروڑ روپیئے کے قریب خرچ ہوا۔ ڈاکٹر کو جس کے علاج سے غسل صحت ہوا تھا چاندی میں تُلوایا گیا اور اس خدمت کے صلے میں ایک فرمان ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام شرف صدور پایا کہ ملک بنگال میں بلا مزاحمت اصرے کوٹھیاں کھول کر تجارت کریں۔ شہزادی کے غسل صحت کی تہنیت میں حاجی محمد خاں قدوسی نے بادشاہ کے حضور میں ایک قصیدہ گزرانا پانچ ہزار روپیہ سرفراز ہوئے۔ اس قصیدے کی ایک بیت یہ ہے:۔

تا سر زدہ از شمع چنیں بے ادبی پروانہ ز عشق شمع را سوختہ است

اگرچہ جہاں آرا ناز و نعم کی پلی ہوئی اور لاڈلی بیٹی تھی اور سب سے بڑھ کے یہ کہ شاہزادی تھی جتنا غرور کرتی اور کھنچتی اور جتنے خرابی کے چھچھن اختیار کرتی کم نہ تھا مگر اچھوں کے اچھے ہی ہوتے ہیں لیکن اس میں غرور نام کو نہ تھا اور ملنساری اور انکساری کا خاص جوہر تھا۔ محل میں ادنی اور اعلیٰ سب اس کے اخلاق حسنہ کے گرویدہ اور ثناخواں تھے۔ یہی سبب تھا بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ

(۱۶۴۴ء) تھا۔ اس باغ کی وہ چار دیواری تو اب رہی نہیں جس میں جا بجا برج بنے ہوئے تھے۔ غدر کی لوٹ کھسوٹ میں ٹوٹ پھوٹ گئے۔ اب صرف چار برج رہ گئے

کہ اس نے تمام محل کے لوگوں کے دل مٹھی میں لے لیئے تھے۔ چھوٹے بڑے سب اس کی راہ میں آنکھوں کا فرش بچھاتے اور جہاں اس کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون بہانے کو طیار رہتے تھے۔ یہ شاہزادی پرلے سرے کی فیاض۔ مہمان نواز۔ اور بردبار تھی۔ نفاست پسندی اور نازک مزاجی کے باوجود فضول تزک و احتشام پسند نہ کرتی تھی۔ طرز معاشرت اور لباس میں سادگی کا خاص طور پر لحاظ رکھتی تھی۔ جہاں آرا اس قدر صائب الرائے تھی کہ اس فہم و فراست کی عورتیں اس ملک میں کم نکلیں گی۔ ہر بات کے دونوں پہلوؤں پر غور کرتی تھی اور اُن سے صحیح نتیجہ نکالتی تھی اس سبب سے بادشاہ کے مزاج میں بہت دخیل تھی اور سلطنت کے اکثر اہم معاملات اس کے ہاتھ میں تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ شاہجہاں کسی بات پر اورنگ زیب سے ناراض ہو گیا اور شاہزادے کی جاگیر ضبط کر لی اور دکن کی صوبہ داری سے معزول کر دیا گیا۔ تمام امرائے دربار اور بیگمات نے سفارش کی مگر شاہجہاں کے کان پر جوں نہ چلی۔ جہاں آرا مزاج شناس تھی موقع و محل مناسب پر اس طرح سلسلہ جنبانی کی کہ معاملہ صاف جاگیر بحال اور صوبہ داری پھر مل گئی۔ اس کی سخاوت کے بھی بہت سے قصے مشہور ہیں۔ بڑی عالی حوصلہ بلند خیال تھی۔ مذہب کی سخت پابند تھی۔ قرآن شریف کی تلاوت اور حدیث پاک کا مطالعہ کبھی ناغہ نہ ہوتا۔ خدا ترسی اس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ یہ شہزادی اپنی مادری زبان ترکی تو جانتی ہی تھی مگر عربی فارسی میں بھی اچھی دستگاہ رکھتی تھی۔ انشاپردازی اور شعر گوئی کا بھی چسکا تھا۔ زیادہ تر فارسی اور کبھی کبھی عربی میں طبع آزمائی کرتی تھی۔ اس کا فارسی کلام فصاحت اور سلاست کا اعلیٰ نمونہ بیہودہ بندش سے پاک۔ مضامین اخلاق و مذہب پر ہے۔ اس کا زیادہ تر وقت پڑھنے لکھنے ہی کے مشغلے میں گزرتا تھا۔ ایک روز شہزادی باغ کی سیر کو گئی میر صدی طہرانی لب بام کھڑا تھا۔ بآواز بلند اپنا یہ مطلع پڑھا۔ **مطلع** برقعہ برخ افگندہ برد ناز بباغش۔ تا نکہت گل بیختہ آید بدماغش۔ شہزادی سن کر مسرور ہوئی اور پانسو روپئے دیئے۔ مرزا محمد علی ماہر نے ایک مختصر مثنوی شہزادی کی مدح میں لکھ کر عنایت خاں استاد کے ذریعے سے گزرانی۔ اس پر بھی پانسو روپئے انعام دیئے۔ جس کی ایک بیت یہ ہے:۔

بذات او صفات کردگار است

کہ خود پنہاں و فیضش آشکار است

بقیہ صفحہ ۲۳۲

ہیں - جن میں سے دو تو باغ کے احاطے کے شمالی رُخ پر موجود ہیں تیسرا نیل کے کٹرے کے پاس ہے اور چوتھا اُس مقام پر ہے جہاں عجائب خانے کے شیر وغیرہ رکھے جاتے تھے - یہ برج بیس فیٹ اونچے اور پندرہ فیٹ بلند چبوترے پر بنے ہوئے ہیں - شہر دہلی کی نہر جس کا ذکر علیحدہ کیا گیا ہے سارے باغ میں پھیلی ہوئی تھی جو اب بند کر دی گئی - اس باغ میں عجیب و غریب مکانات سیرگاہیں - بارہ دریاں نشیمن بنے ہوئے تھے جن میں سے صرف ایک بارہ دری باقی رہ گئی ہے اور وہ وہی ہے جس میں حیوانات رکھے جاتے تھے اب اس عمارت کا صرف اتنا حصہ وست برد زمانے سے بچ رہا ہے کہ چاروں ایک کمرہ ۵۰ فٹ × ۲۰ اور اُنیس فیٹ اونچا ہے جس میں کچھ دنوں لیبریری (کتب خانہ) رہی اب میونسپل کمیٹی کے دفاتر ہیں - گو اس باغ کی وہ شان اب نہیں رہی مگر پھر بھی خوش منظر مقام ہے اور شہر کے وسط میں اس سے بہتر سیرگاہ اور کوئی نہیں - پرانے درخت کاٹ دیئے گئے نئے نئے چمن لگے ہیں جگہ جگہ بنچیں پڑی ہیں بیچوں بیچ میں ایک نہایت خوبصورت گول چبوترہ بنا ہوا ہے - جس کے ادھر اُدھر ہری گھانس کے تختے ہیں - چبوترے کے گرد پھولوں کے گملے دھرے ہیں بیچ میں

شاہجہاں کی زندگی میں تخت کے لیئے بیٹوں میں کٹا چھنی اور خونریز خانہ جنگیاں ہوگئیں مگر آخر اورنگ زیب کو فتح نصیب ہوئی اور شاہجہاں کنج عزلت میں بٹھا دیے گئے تو جہاں آرا نے اپنی بہن روشن آرا کے خلاف دنیاوی جاہ و ثروت کو لات مار کر اپنے بوڑھے باپ کا ساتھ دیا اور اُس کی خدمت گزاری سے سعادت دارین حاصل کی جہاں آرا کو صوفیائے کرام سے بڑی عقیدت تھی خود بھی خاندان چشتیہ میں مرید تھی - اس نے فارسی میں ایک کتاب مونس الارواح لکھی ہے جو کہ حضرت خواجہ غریب نواز کی لاجواب سوانح عمری ہے - ۵ ستمبر ۱۶۸۱ء (۳ رمضان ۱۰۹۲ھ) کو جہاں آرا نے اس جہان کو چھوڑا اور اس کا تن نازک منوں مٹی کے تلے اسی کے تعمیر کردہ مجرے میں سپرد خاک کیا گیا اور اس کا خطاب نواب جنت مآب صاحبۃ الزمانی مقرر ہوا - یہ مجرہ درگاہ حضرت سلطان المشائخ میں خالص سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے - یہ چھوٹی سی نفیس عمارت زبان حال سے اپنی آغوش میں ابدالآباد تک سونے والی کی نفاست مزاجی کا اعلان کر رہی ہے - اس نے وصیت کی تھی کہ میرا تین کروڑ کا اثاثہ درگاہ شریف کے خادموں کو دے دیا جائے - مگر اورنگ زیب کی کفایت شعار طبیعت نے اس عذر شرعی کی بنا پر کہ وصیت ایک ثلث سے زیادہ پر نافذ نہیں ہوسکتی صرف ایک کروڑ کا اسباب دیا - سنگ مزار پر خاص اسی کا لکھا ہوا شعر کندہ ہے جو کہ یاس اور بے کسی کی زندہ تصویر ہے :- بغیر سبزہ نپوشد الخ

(دیکھو مجرہ جہاں آرا کا بیان)

نیچ پڑے ہیں ۔ پہلے بینڈ بجتا تھا اب موقوف ہو گیا ۔ یہیں ایک حوض تھا اور اُسی کے پاس وہ سنگ مرمر کا حوض تھا جو اب قلعے میں ہی۔ اس حوض میں فوارہ لگا ہوا تھا اور بیچ میں سے نہر رواں تھی ۔ اب تمام چھوٹی چھوٹی نالیوں سے پانی دوڑتا ہی جا بجا لان یعنی ہری دوب کے تختے مثل فرش مخملیں کے بچھے ہوئے ہیں جن کی گھاس مشین سے کتر کر ہموار کی جاتی ہی ۔ ایک طرف چھوٹا سا مکان بنا ہوا ہی جس میں آنریری مجسٹریٹ کچہری کرتے تھے اب خالی پڑا ہی ۔ کسی زمانے میں اس مکان میں چڑیا گھر تھا ۔ اس باغ کے چھ دروازے ہیں ۔ ایک دروازہ ڈاکٹر ہیم چندر کی دکان اور فوارے کی طرف تھا وہ بند کر کے ہارڈنگ لیبریری کے سامنے لگا دیا ہی ۔ دوسرا کاٹ کے پل کے سامنے تیسرا احمد پائی کی سرائے کے سامنے اور یہیں بیڈن کلب ہی اور دو دروازے چاندنی چوک میں گھنٹہ گھر کے سامنے ۔ حال میں ریلوے سٹیشن کے سامنے سے ایک سڑک نکالی گئی ہی اور چوں کہ کلارک صاحب کمشنر کی راے سے نکالی گئی ہی لہذا کلارک روڈ کہلاتی ہی ۔

قیصرۂ ہند ملکہ وکٹوریا آں جہانی کا مجسمہ ۱۹۰۱ء

ناصر حق شاہ فرشتہ سرشت
یاد بجان تو ز حق آفریں

ملکہ کے باغ میں ٹون ہال اور گھنٹہ گھر کے بیچ میں لب سڑک چاندنی چوک ملکہ وکٹوریا آں جہانی کا یہ رونین مجسمہ جیمس کوزنز سکنر صاحب نے بنوایا ہی جو ایک بیٹھی ہوئی تصویر ہی ۔ جس کے چاروں طرف کتبہ بخط انگریزی و اُردو وناگری ہی :-

انگریزی کتبہ جنوبی رخ پر گھنٹہ گھر کی طرف

Victoria Regina et Imperatrix Given to Delhi by James Cousons Skinner Son of Major James Skinner and grandson of Colonel

James Skinner C. B. February A.D. 1901

(ترجمہ) ملکہ وکٹوریا قیصرہ ہند - دہلی کو عطا کیا جیمس کو زنر سکنر ولد میجر جیمس سکنر و نبیرہ جیمس سکنر سی - بی - فروری سنہ ۱۹۰۱ع -

انگریزی کتبۂ شمال کی طرف

In their prosperity will be our strength, in their contentment our security and in their gratitude our best reward and may the God of all power grant to us and to those in authority under us, strength to carry out these our wishes for the good of our people.

اُردو کتبۂ مشرق کی طرف

اُن کی مرفہ الحالی ہماری سلطنت کا استحکام - اُن کی رضامندی ہمارا اطمینان اُن کی احسان مندی - ہمارا نہایت عمدہ صلہ ہی × خدا اسے قادر مطلق - ہمکو اور ہمارے ماتحت حکام کو توفیق دے کہ رعایا - کی فائدہ رسانی کے بارے میں ہماری نیت ہی اُس کو × پورا کریں +

یہ بت ولایت کے ایک نامور کاریگر کی دستکاری کا عمدہ نمونہ ہی جس کے نصب کرنے میں ڈہائی ہزار روپیہ صرف ہوا - اس مجسمے کی دائیں بائیں طرف دو دل ربا چمن بنے ہیں جن میں دو حوض مع فوارے کے ہیں - ٹون ہال کے سامنے یہ چھوٹا سا ٹکڑا ابھی اچھی خاصی تفریح گاہ بن گیا ہی -

فیض نہر

سنہ ۱۲۹۱ھ

۹۲-۱۲۹۱ع

دیکھتے ہیں جلوۂ گلہاے رنگا رنگ ہم
شل نرگس جب تلک ہی اس چمن میں چشم وا
آخرش ہوگا یہی اک دن خزاں کے ہاتھ سے
جو کہ عالم اپنا اس نشو و نما سے پہلے تھا

ہی غنیمت کوئی دم نطق رۂ رنگ بہار
پھر کہاں یہ گلشن اور گل اور یہ سبزہ یہ ہوا

اصل نام اُس نہر کا جو شہر میں جا بجا تھی فیض نہر تھا لیکن یہی نہر عام طور پر سعادت خاں کی نہر کہلاتی تھی مگر کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ سعادت خاں کون صاحب تھے اور ان کے نام پر یہ نہر کیوں مشہور ہوئی۔ یہ نہر ۶۹۱ھ مطابق ۱۲۹۱ع میں بزمان جلال الدین فیروز شاہ خلجی موضع خضر آباد سے سفیدوں تک جہاں شاہی شکارگاہ تھی کھولی گئی۔ سنہ ۶۶۹ھ مطابق ۱۵۶۱-۶۲ع میں شہاب الدین خاں صوبہ دار دہلی نے اس کی مرمت کرا کے "نہر شہاب" نام رکھا۔ ظن غالب ہی کہ امتداد زمانے سے نام میں کچھ تغیر تبدل ہو گیا ہی۔ ۱۰۴۸ھ مطابق ۱۶۳۸-۳۹ع میں شاہ جہاں بادشاہ نے پھر اس کی مرمت کرائی اور سفیدوں سے قلعۂ معلّٰی تک اس کی توسیع کرائی۔ پھر سنہ ۱۸۲۰ع میں گورمنٹ انگریزی کی جانب سے مرمت ہوئی اور حال میں بلحاظ حفظان صحت نہر بالکل پاٹ کر بند کر دی گئی۔

جہاں آرا بیگم کی سرای

سنہ ۱۰۶۰ھ مطابق ۱۶۵۰ع

عبث دُنیائے فانی سے مری جاں دل لگانا ہی
نہیں جائے گا کچھ ساتھ یاں سب چھوڑ جانا ہی
مسافر تو ہی اور دُنیا سرا ہی بھول مت غافل
سفر ملکِ عدم کا کوئی دم میں کر کے جانا ہی

بیگم کے باغ کے ساتھ یہ سرا بھی بنی تھی۔ باغ تو خیر اُجڑا پجڑا موجود ہی مگر سرائے کا سِرے سے پتہ ہی نہیں۔ سنہ ۵۷ع کے غدر کے بعد اسے گورمنٹ نے ڈھوا کر سارا میدان صاف کرا دیا۔ کیا کرشمۂ قدرت الٰہی ہی۔ کوئی بناتا ہی اور کوئی ڈھاتا ہی اب سرائے کی جگہ دہلی انسٹیٹیوٹ کی عمارت بنی ہوئی ہی۔ گو وہ سرا صفحۂ دُنیا سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دی گئی مگر ہم سے کچھ اُس کا حال سن لیجیے۔ اس سرائے کے دو دروازے تھے۔ جنوب رُخ کا دروازہ بازار چاندنی چوک کے سامنے تھا دوسرا شمال میں گویا باغ ہی کا دروازہ تھا۔ سرائے کے صحن

میں دو بڑے بڑے کنوئیں اور ایک مسجد تھی۔ صحن کے چاروں طرف دومنزلہ بڑے بڑے کمرے تھے جن میں مسافر کثرت سے اترا کرتے تھے اور پھیری والے سوداگر بھی دکانیں لگاکر سامان فروخت کیا کرتے تھے۔ برنیر نے اس سرا کا حال یوں لکھا ہے کہ "یہ کاروانسرا ایک بڑی چوکون عمارت ہے جس کے چاروں طرف دومنزلہ حجرے ہیں جن کے پیش میں برآمدے ہیں۔ یہ سرائے ممالک غیر از بک وغیرہ کے تجار کی فرودگاہ ہے۔ یہ لوگ سرائے کے حجروں میں بہ آرام و آسایش بڑی حفاظت سے رہتے ہیں اور چونکہ سرا کا دروازہ رات کو بند ہوجاتا ہے لہٰذا کسی قسم کا کھٹکا باقی نہیں رہتا۔"

ٹاؤن ہال
سنہ ۱۸۶۳ء

طاقِ بلندش بفلک گشت جفت ۔ حاصل او شد فلک اندر نہفت
کنگر طاقش بزبان دراز ۔ پیش فلک گفت سخنہائے راز

یہ بہت خوش نما اور عالی شان ہال ہے جو سنہ ۱۸۶۳ء میں بنایا گیا۔ آٹھ برس کے عرصے میں کل عمارت مع دوسرے کمروں کے سنہ ۱۸۷۱ء میں مکمل طیار ہوئی ٹاؤن ہال کے شمال میں بڑی بڑی محرابیں بنی ہوئی ہیں دیواروں پر بہت عمدہ کام کیا ہوا ہے۔ فرش پہلے پختہ تھا مگر سنہ ۱۹۰۳ء کے دربار میں ساڑھے چار ہزار روپیے کی لاگت سے سنگ مرمر کا فرش بنایا گیا۔ چوطرفہ بڑی بڑی چوکھٹوں اور گیلریوں میں بڑے بڑے نامور انگریزوں اور بعض ہندوستانیوں کی بڑی بڑی تصویریں جس میں بعض لیف سائز کی ہیں آویزاں ہیں اسی ٹاؤن ہال میں سرکاری جلسے اور میٹنگ۔ بڑے بڑے لکچر اور اجلاسیں ہوتی ہیں اس کی بالائی منزل پر پبلک لیبریری تھی جو اب ہارڈنگ لیبریری میں ضم کردی گئی اور اسی عمارت کے شمال میں ایک کمرے میں ایک مختصر ذخیرہ مردہ جانوروں۔ عجیب عجیب چیزوں اور نادر تصاویر کا ہے۔

ہارڈنگ لیبریری (کتب خانہ)
سنہ ۱۹۰۳ء

ملکہ کے باغ میں شرقی جانب بازار کوڑیا پل کی سڑک پر فوارے سے کچھ آگے بڑھ کے لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل (سنہ ۱۹۰۵ء) کی یادگار میں یہ

لیبریری حسب تحریک جناب ہیلی صاحب بہادر چیف کمشنر صوبۂ دہلی یہ عالی شان اور وسیع عمارت جس پر ایک گنبد ہے بصرفہ (...) بنائی گئی ہے جس سے پبلک مستفید ہوتی ہے اور دلی جیسے شہر کے لیئے ایسی ہی ایک بڑی اور عمدہ لیبریری کی جو اعلیٰ پیمانے پر ہو سخت ضرورت بھی تھی۔

قابل عطار کا کوچہ ملکہ کے باغ کی مغربی دیوار سے ملا ہوا داہنی طرف ہے۔ اس میں ٹوپی والے پارچہ فروش اور پراچے رہتے ہیں۔ اس میں ایک بڑی مسجد بھی ہے۔

کوچۂ رایمان جو عموماً رحمن کا کوچہ کہلاتا ہے۔ اس کوچے کا دوسرا دروازہ جوہلی ہاروں میں نکلتا ہے دورِ آخری مغلیہ کا بنا ہوا ہے اور اب حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب حاذق الملک بہادر کی ملکیت میں ہے۔ اس محلے میں دنداں ساز اور مصور اور زیادہ تر مسلمان رہتے ہیں۔ یہ رستہ ایک برج کی مسجد کے پاس ہوکر بازار بلی ماراں میں جانکلتا ہے۔ شروع کوچے پر ایک مسجد ہے۔ پہلے یہ مسجد چھوٹی تھی ۱۳۱۷ھ میں عفور بخش صاحب سوداگر چھپرے والے نے اس کو وسعت دے کر دومنزلہ بنوایا اوپر کے درجے میں مدرسہ ہے چھوٹے چھوٹے بچے قرآن شریف پڑھتے ہیں اس مسجد کے جنوب میں ایک بڑا حوض سنگین بنا ہوا ہے جس کے اوپر مکانات ہیں جس میں طلبا رہتے ہیں۔ اس مسجد کی کفالت عفور بخش صاحب ہی کرتے تھے۔ اب ان کے بیٹے محمد فضل عظیم و محمد کریم الدین متکفل ہیں۔ اسی محلہ میں مولوی جمیل الرحمٰن صاحب راشد کا مکان ہے جو ایک ذی علم فقیر دوست صوفی منش شخص ہیں۔ آپ سنیٹ سٹیفنز مشن کالج میں عربی کے پروفیسر تھے اب اجمیر شریف میں رہنے لگے ہیں آپ مولوی حافظ حاجی شاہ محمد عبدالرحیم صاحب ہادی قادری کے صاحب زادے ہیں جو بہت بڑے عالم اور صاحب تقویٰ تھے اور آپ نے کئی کتابیں جیستان صرفیہ مرآۃ القرآن قرأت وتجوید میں۔ روضۃ النعیم تزویج الایامیٰ میں وغیرہ وغیرہ لکھی ہیں ملک ہریانہ میں آپ نے بہت کفر و بدعت کو دور کیا اور جھجر ضلع رہتک میں جامع مسجد

اور مدرسۂ قوت الاسلام رحیمیہ آپ ہی کی سعی موفور کا نتیجہ ہے۔ آپ نے ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۰۵ھ میں (۵۵) سال کی عمر میں انتقال کیا قد رضی اللہ عنہ تاریخ وفات ہے ۱۳۰۵ھ۔ آپ درگاہ حضرت خواجہ باقی اللہ میں آسودہ ہیں لب سڑک بائیں طرف کوچۂ نیچہ بنداں اور کٹرہ بنارسی، داس دیا شنکر ہیں اور داہنی طرف گلی سیدانیاں۔

کٹرہ حاجی قطب الدین

اس میں بھی کپڑہ فروشوں کی تھوک فروشی کی دکانیں ہیں۔

محلے بلّی ماراں

گھنٹہ گھر سے فتح پوری جاتے وقت بائیں ہاتھ کی طرف ایک سڑک پھٹتی ہے۔ یہ بھی شہر کا ایک بازار ہے جس میں متفرق قسموں کی دکانیں ہیں۔

وجہ تسمیہ اس کی کوئی تو کہتا ہے کہ پہلے یہاں دریا بہتا تھا اور بلّی لگتی تھی اس واسطے بلّی ماراں ہوا لیکن زیادہ تر یہ روایت دل لگتی ہے کہ اس محلے میں کثرت سے ملاح رہتے تھے اُن کی وجہ سے یہ نام پڑا۔ لیکن دلّی والے عوام زیادہ تر بِلّی ماراں بکسر الراء بولتے ہیں جو یقیناً غلط العام ہے۔ سب سے بڑے رئیس اس محلے کے ہمارے مخدوم و مکرم جناب حکیم محمد اجمل خاں نواب حاذق الملک بہادر ہیں اُن کا آبائی مکان جو بجائے خود ایک محلہ ہے یہیں ہے۔ نیز شمس العلماء مولوی محمد عبدالحق صاحب مرحوم مفسر تفسیر حقانی کا مکان بھی یہیں ہے۔ جو نواب صاحب لوہارو کی کوٹھی کے نام سے مشہور ہے۔ اب نواب صاحب لوہارو قاسم جان کی گلی میں رہتے ہیں۔ رئیس حال آنریبل ہز ہائینس نواب سر امیر امیر الدین احمد خاں بہادر فخر الدولہ کے۔ سی۔ آئی۔ ای ہیں۔ آپ سنہ ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ اس خاندان کے بانی نواب احمد بخش خاں تھے وہ مرزا عارف جان بیگ بخاری مغل کے بیٹے تھے۔ مرزا عارف جان بیگ شاہ عالم بادشاہ کے عہد سلطنت میں ہندوستان آئے اور شاہی ملازمت میں داخل ہوئے۔ اُن کی شادی مرزا محمد بیگ صوبہ دار اٹک کی لڑکی سے ہوئی اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ وہ اپنے خسر کے قایم مقام بھی ہوگئے تھے۔ نواب احمد بخش خاں صاحب نے چند سال تک مرہٹوں کی ملازمت کرنے کے بعد راجہ صاحب الور کی

رفاقت اختیار کی - راجہ صاحب موصوف نے اُن کو لوہارو کا علاقہ عطا کیا اور لارڈ لیک کے یہاں سفیر مقرر کرکے بھیج دیا - نواب احمد بخش خاں کمانڈر ان چیف موصوف کے ساتھ اکثر معرکوں میں شریک رہے اور اُن کی شجاعانہ کارروائی اور اعلیٰ خدمات خصوصاً معاملۂ عہد نامۂ الور کے صلے میں ضلع فیروز پور میں پانچ محال کی جاگیر مع سند عطا ہوئی - مرزا احمد بخش خاں کو خطاب فخر الدولہ دلاور الملک رستم جنگ بھی عطا ہوا تھا - اُنھوں نے سنہ ۱۸۲۷ء میں انتقال کیا اور قطب مینار دہلی کے قریب مدفون ہوئے - اُن کے بعد اُن کے بیٹے نواب شمس الدین خاں اُن کے جانشین ہوئے مگر بدقسمتی سے فیروز پور والی جاگیر ضبط ہوگئی - صرف لوہارو جو راجہ صاحب الور کی طرف سے ملا تھا اس خاندان کے قبضے میں رہ گیا - وہ لاولد فوت ہوئے اُن کے بعد لوہارو نواب امین الدین احمد خاں و نواب ضیاء الدین احمد کے تحت حکومت رہا - من بعد باہمی نااتفاقی ہونے سے ضیاء الدین احمد خاں کو اٹھارہ ہزار روپیہ سالانہ کا گزارا دے کر گورنمنٹ نے ریاست سے سبکدوش کر دیا - نواب امین الدین احمد خاں سنہ ۱۸۲۷ء میں اپنے والد کے جانشین ہوئے اور سنہ ۱۸۶۹ء تک حکومت کرکے انتقال کیا جن کے بعد اُن کے بیٹے نواب علاء الدین احمد خاں جانشین ہوئے اُن کو سنہ ۱۸۷۴ء میں ارل نارتھ بروک گورنر جنرل نے خطاب نوابی عطا کیا اور اُس کے ساتھ ہی خطابات فخر الدولہ دلاور الملک رستم جنگ بھی تسلیم کیے گئے - نواب علاء الدین خاں نے سنہ ۱۸۸۲ء میں انتقال اور سنہ ۱۸۸۵ء میں نواب امیر الدین احمد خاں مسند ریاست پر بیٹھے - آپ کے حسن انتظام اور اعلیٰ قابلیت کی قدر دانی میں گورنمنٹ سے آپ کو ۲۲ رجون سنہ ۱۸۹۷ء میں کے سی آئی ای کا خطاب مرحمت فرمایا - آپ نے وائسریگل کونسل اور پنجاب لیجسلیٹو کونسل کی ممبری کی کرسی کو بھی زینت دی ہے - آپ کا دار الحکومت لوہارو ہی مگر دلی کے باشندے ہیں اور یہاں بھی رہتے ہیں -

آبادی پندرہ ہزار اور محاصل ریاست کا (۲۷) ہزار روپیہ سالانہ ہے -

جمال الدین اور فیض الحسن صاحبان عطاران اور ہندوستانی دواخانہ سب یہیں ہیں - اس محلے میں یہ گلیاں ہیں :- **داہنی طرف گلی سوداگراں** -

گلی گپتے والاں - حویلی حسام الدین حیدر - کٹڑہ بجواریاں - یہیں سے قاسم جان کی گلی کو رستہ جاتا ہے - کٹڑۂ عالم بیگ - مدرسۂ حقانی امینیہ نواب صاحب لوہارو کی کوٹھی کے بالاخانے پر ہے - بارہ دری شیر افگن خاں - بارہ دری اب نہیں رہی گلی اسی نام سے مشہور ہے - گلی رائے بہادر شیو سہائے مل - گلی میراں والی گلی لالہ دل سکھ رائے خزانچی - گلی اور مسجد قطبی بیگم - نیا بازار جہاں لوہیئے بیٹھتے ہیں اور جو چاؤڑی بازار میں جا نکلتا ہے - **بائیں طرف** :- گلی اٹو - دار العلوم اسلامیہ نعمانیہ دہلی سنہ ۱۳۰۱ھ - مکان حکیم غلام رضا خاں صاحب مرحوم جہاں اب حکیم غلام کبریا خاں صاحب عرف حکیم بھورے فرزند جناب خان بہادر حکیم احمد سعید خاں صاحب مطب کرتے ہیں - مکان جناب حکیم محمود خاں صاحب مرحوم - کوچۂ رائیان کا دوسرا پھاٹک - گلی بٹو خاں - پھاٹک رشید خاں جس میں سے مالی واڑے اور نئی سڑک کو رستہ جاتا ہے - کٹڑۂ بلاّمل - اب چرخے والوں کا بازار شروع ہوا - گلی اِسپیاں - گلی کالیستھاں - محلہ چرخے والاں اس میں مکان حکیم نواب جان صاحب کا ہے - کوچۂ بی بی گوہر - مسجد ستہ وگھوسن - آگے چاؤڑی بازار -

حویلی حسام الدین خاں حیدر کا پھاٹک

دورِ آخر مغلیہ کا بنا ہوا ہے - حسام الدین حیدر لکھنؤ کے کوئی رئیس تھے - پھر دہلی میں رہنے لگے - ان کے دو بیٹے منظفر الدولہ اور نواب حسین مرزا بہادر شاہ ثانی کے عہد میں بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز تھے - نواب حسین خاں لال قلعے کے ناظر تھے -

نیل کا کٹڑہ

عموماً کھتری صاحبان متمول اور خوش حال لوگوں کے مکانات ہیں - اس میں کئی مندر اور دو مسجدیں ہیں جن میں کی ایک بڑ والی مسجد کہلاتی ہے نیل کے کٹڑے کا ایک رستہ باغ دیوار میں نکل جاتا ہے - لالہ شیو پرشاد صاحب سی - آئی - ای جو چھنا مل والے مشہور ہیں اُن کا ایک عالی شان مکان بھی اسی کٹڑے میں ہے - جس کے

لمبے لمبے کوٹھے چاندنی چوک بازار کی بہترین عمارت سمجھی جاتی ہیں اور جلسوں وغیرہ کی تقاریب میں اُن پر رنگ برنگ کی بجلی کی روشنی ہوتی ہے۔ لالہ شیو پرشاد صاحب سی آئی ای دلی کے بڑے رؤسا میں سے ہیں۔ آپ کھتری صاحبان میں سب سے معزز اور ممتاز خاندان کے ممبر ہیں یعنی راے بہادر لالہ رام کشن داس صاحب متوفی کے جانشین ہیں۔

کٹڑہ ریوڑی

بائیں طرف۔ پہلے یہاں ایک بڑا محلہ تھا جس میں تارکش کثرت سے رہتے تھے۔ اب تھوڑے مکان رہ گئے باقی مکانات توڑ کر ایک کٹڑہ بنا دیا ہے جو الہ دیا والوں کا کٹڑہ کہلاتا ہے اس میں مارواڑی کپڑے والے آڑھتیوں کی دکانیں ہیں۔ کٹڑے کے ایک کونے پر ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے جو کٹڑہ ریوڑی کی مسجد کہلاتی ہے۔ اور اسی میں میونسپل برانچ سکول ہے۔ داہنی طرف کوچہ مہر ناتھ ہے۔

کوچہ گھاسی رام

عہد مغلیہ کا پھاٹک داہنی طرف ہے۔ جس پر اب مسماۃ درگی دختر کلیان سنگھ قابض ہے۔ اس میں ہندو ہی ہندو رہتے ہیں۔ جن میں زیادہ تر کھتری ہیں۔

حویلی حیدر قلی خاں

بائیں طرف دورِ آخر مغلیہ کا پھاٹک ہے۔ اب یہاں بھی محلہ بستا ہے جو اس حویلی کے نام سے مشہور ہے اور اس عالی شان دروازے کے مالک چودھری نارین سنگھ ہیں۔ سید حسین علی صاحب سادات بارہ میں سے تھے جو محمد شاہ اور اس کے قبل کے دو بادشاہوں کے عہد کے بڑے مقتدر وزیر تھے انھوں نے حیدر قلی خاں کو محمد شاہ کے عہد میں توپ خانے کا کمانڈر مقرر کر دیا حسین علی اور اس کے بھائی سید عبد اللہ کی غیر محدود طاقت اور خود مختاری کی وجہ سے امراء کشیدہ خاطر اور بددل تھے اور حیدر قلی بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھا۔ لوگوں کو گمان ہے کہ حسین علی کے قتل میں بھی شریک تھا۔ یہ بات صحیح ہو یا نہ ہو مگر اتنی بات تو ضرور تھی کہ یہ کھلے خزانے سادات بارہ کی مخالفت پر ہر وقت آمادہ رہتا تھا اور سادات بارہ اس فکر میں لگے رہتے تھے کہ حسین علی کے قاتل سے بدلہ لیں لیکن حیدر قلی خاں

زبردست تھا اُس نے اپنی خصومت کا اظہار اس طرح پر کیا کہ سید عبداللہ کو قید کردیا وہ بے چارہ قید کاٹتے کاٹتے اور مصیبت جھیلتے جھیلتے چندہی دنوں میں قیدخانے میں مرگیا۔ حیدر قلی خاں بجلدوِ اپنی خیر خواہی کے ہفت ہزاری منصب اور اسی قدر سواروں کے مرتبے پر پہنچے اور معزالدولہ ناصر جنگ کا خطاب پایا۔

مسجد فتح پوری

سنہ ۱۰۶۰ھ
۱۶۵۰ء

بستہ مکاں را بجہات وصفات۔ ہم زمکاں فارغ وہم ازجہات
بے ہمہ جاؤ بہمہ جادروں۔ در ہمہ جاؤ زہمہ جابروں

چاندنی چوک کے مغربی سرے پر نواب فتح پوری محل صاحب بیگم شاہ جہاں بادشاہ کی بنوائی ہوئی نہایت عمدہ شاندار۔ خوب صورت۔ سرسے پاتک سنگ سرخ کی بنی ہوئی مسجد ہے۔ سارے شہر میں یہی مسجد ایک گنبد کی ہے جس کے دونوں جانب اونچی اونچی مینار یں ہیں۔ یہ عمارت نہایت مضبوط ہے جس کا بڑا بھاری گنبد دور سے بہت بھلا دکھائی دیتا ہے۔ یہ مسجد پہلے زمانے میں بڑی پررونق تھی اور جس مقام پر بنی ہے وہ بھی شہر کا مرکز تھا اب بھی اس مسجد کی حالت اچھی ہے اور اس کے گرد پیش بازار ہے جہاں ہر وقت بھیڑ بھاڑ لگی رہتی ہے۔ مسجد کے تین بڑے بڑے دروازے ہیں جن پر سنگ سرخ کا کنگورہ اور ادھر ادھر برجیاں ہیں ان میں سے ہم مسجد کے وسیع صحن میں داخل ہوتے ہیں جو اسی گز مربع ہے اور جس میں تمام سنگ سرخ کے چوکے بچھے ہوئے ہیں۔ شمال اور مشرق کی طرف کے دروازے تیس فیٹ اونچے اور ستائیس فیٹ چوڑے ہیں۔ جنوب کی طرف کا دروازہ ستائیس فیٹ مربع اور صرف دس فیٹ گہرا ہے۔ اس دروازے کی ڈیوڑھی آٹھ فیٹ چوڑی اور گیارہ فیٹ اونچی ہے۔ مغرب کی طرف اصل مسجد کے دہرے دالان ہیں جس کے دائیں بائیں بڑے بڑے کمرے ہیں۔ مسجد کی ہر سہ جانب مسلسل دکانیں ہیں جن میں سے مشرق اور شمال کی طرف علاوہ دکانوں کے دومنزلہ بڑے بڑے شاندار کمرے بعد میں بنائے گئے ہیں جن میں مختلف تاجروں وغیرہ کے آفس رہتے ہیں اور بیش قرار کرائے پر

نقشۂ مسجد فتحپوری
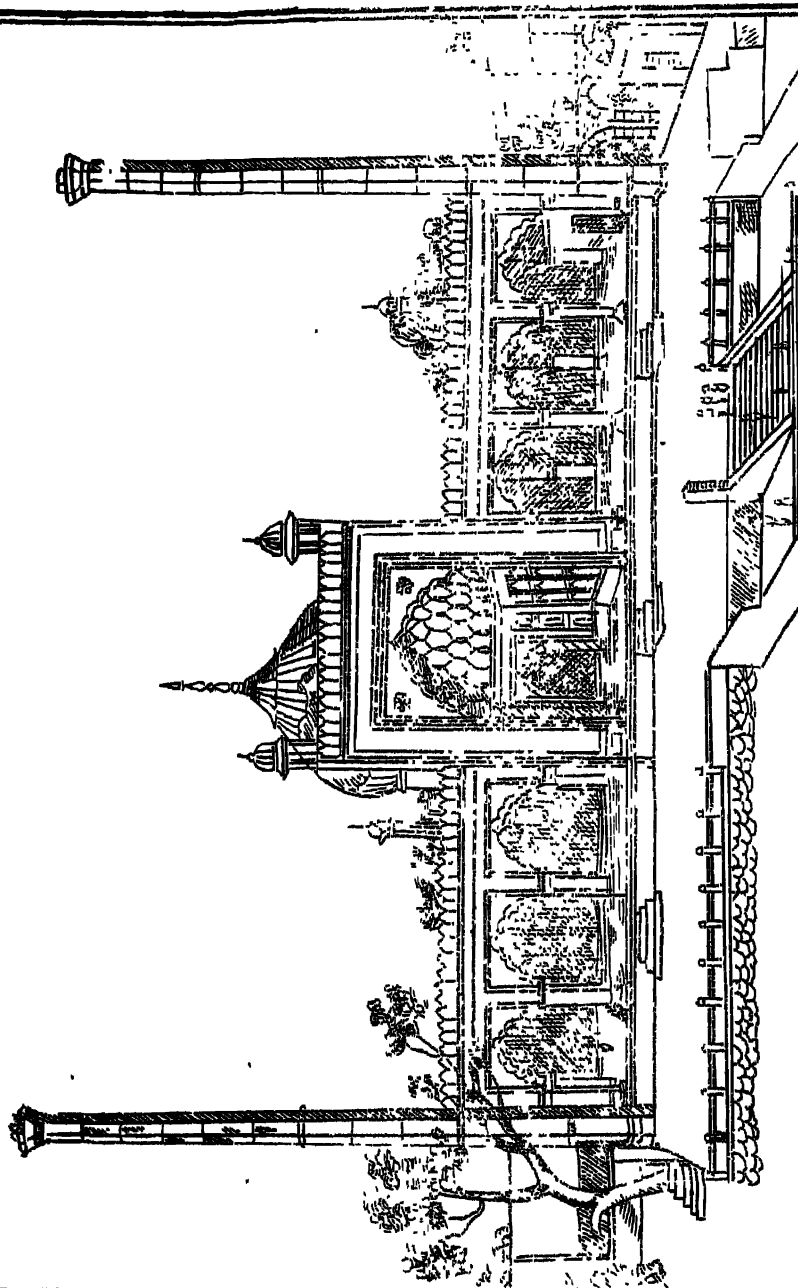
دیئے جاتے ہیں۔ صحن مسجد میں ایک بہت بڑا حوض ۱۶ گز × ۴۶ گز ہے۔ حوض اور مسجد کے درمیان کا چبوترا ۱۳ فٹ × ۹۰ فٹ ہے۔ اب تو سارے صحن میں فرش ہوگیا ہے اور جتنی دکانیں مسجد کے احاطے کے اندر تھیں سب نکال کر کل حصّہ مسجد میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اصل مسجد ۳ ½ فٹ اونچے چبوترے پر بنی ہوئی ہے۔ جس کے دالان ۱۳۰ فٹ × ۴۰ فٹ ہیں۔ پیش طاق یا صدر محراب بہت اونچی اور گہرائی میں ۱۶ فٹ ہے۔ اس پر بھی کنگورا اور دونوں طرف بڑی بڑی بُرجیاں ہیں اور اسی طرح مسجد کی پچھیت میں چار چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں۔ محراب اور برجیوں پر سنگ مرمر کی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ مسجد کا ایک ہی بڑا بھاری گنبد ہے جس پر بڑی نفاست سے استرکاری کی ہوئی ہے اور سیاہ اور سفید دھاریاں پڑی ہوئی ہیں۔ اس گنبد کا کلس بھی چونے گچی ہی کا ہے۔ پیش طاق کے ہر دو جانب بارہ فیٹ کے فصل سے دو دو دالان تین تین دروں کے بنگڑی دار محرابوں کے ہیں جو تیس فیٹ اونچے اور دس فیٹ چوڑے ہیں۔ ان کی چھتوں پر بھی کنگورا ہے۔ مسجد کے دونوں مینار اسی اسی فیٹ بلند ہیں جن کی برجیاں پہلے پتھر کی کھلی ہوئی تھیں بعد میں چونے گچی کی بنا دی گئیں۔ مسجد کی چھت کے تینوں طرف کنگورا ہے۔ مسجد کے عقب میں چار مینار سنگ سرخ کے صرف دس دس فیٹ اونچے ہیں جن پر کنول بنے ہوئے ہیں۔ کنگورے کے نیچے چوڑا سنگین چھجہ ہے لیکن پیش طاق کے سامنے بکثر ہونے سے نہیں ہے۔ مسجد کے پیش طاق اور نیز دوسرے دروں کے سامنے تین تین سیڑھیاں ہیں۔ تمام ستونوں کے بالائی اور زیرین حصّے پر نقش ونگار کھدے ہوئے ہیں۔ مسجد کا گنبد پھیلا ہوا کوٹھی دار وضع کا ہے۔ جو پتھر اور گچ کے چار فیٹ اونچے اسطوانے پر قایم ہے۔ گنبد سنگ خارا کا ہے جس پر ایسی استرکاری کی گئی ہے کہ دور سے سنگ مرمر کا معلوم دیتا ہے اور سیاہ اور سفید آڑی دھاریوں نے اسے اور پُر رونق کر دیا ہے۔ ممبر سنگ مرمر کا ہے جس کی چار سیڑھیاں ہیں۔ اس مسجد میں بس خالص سنگ مرمر کی یہی ایک چیز ہے۔ مسجد کے صدر دالانوں میں کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ مسجد کی دونوں جانب سنگ سرخ کے ستونوں کی قطاریں تھیں جس سے مسجد کے دو طرفہ دو حصّے الگ الگ ہو گئے ہیں

کچھ عرصہ ہوا کہ مسجد کی چھت کی حالت مخدوش ہوگئی تھی اس لیئے پتھر کے ستونوں کی اور دو قطاریں بیچ میں بطور اڑواڑ دے کر مضبوط کردی گئی ہے قدیم ستون سنگ سرخ کے ہیں اور اُن کے بیچ میں یہ ستون جو لگائے گئے ہیں وہ سفیدی مائل سنگ خارا کے ہیں گو ذرا پتلے ہیں مگر شاندار ہیں اسی طرح پیچھے وار کو دوسری قطار لگائی گئی ہے اور چھت کی دیوار میں بھی اڑواڑ کے ستون اس خوبی سے لگائے گئے ہیں کہ کوئی بدنمائی نہیں معلوم دیتی جس طرح ممبر کے پاس گہری محراب ہے اسی طرح دونوں جانب کے قطعات میں بھی ایک ایک دیوار دوز محراب ہے۔ مسجد کا درمیانی حصّہ جو گنبد کے نیچے ہے چالیس فیٹ مربع ہے اور اس کے دونوں جانب کے حصّے کچھ زیادہ لمبے ہیں مسجد کے شمال اور جنوب میں دونوں طرف سے آنے جانے کا ایک ایک دروازہ بعد میں نکالا گیا ہے جو ۱۹ اونچا اور دس فیٹ چوڑا ہے۔ کتبۂ ذیل مرمت کے بعد پیش طاق کے اوپر سنگ مرمر کی تختی پر کھدا ہوا ہے:۔

قطعہ ۱۲۸۹ھ

دید چوں ایں مسجد رفیعت پناہ (۱۸۷۲-۳ء) پشتِ گردوں خم پئے تعظیم شد
سالِ ترمیم از سرِ وحشیؔ بگفت		مسجدِ عالی نکو ترمیم شد

منجانب حاجی محمد تقی باہتمام حاجی قطب الدین وغلام محمد طالبان دعائے خیر بانیہ مسجد جزاہا اللہ احسن الجزا۔ اسے بڑی پیش بینی کی کہ مسجد کے تینوں طرف متعدد دکانیں بنوا دیں جس کی معتدبہ آمدنی سے مسجد کے مصارف باحسن الوجوہ چلتے ہیں ورنہ آج اس مسجد کی حالت بھی دوسری مساجد کی طرح چندوں اور خیرات کی محتاج ہوجاتی۔ غدر کیا آیا تھا گویا دلی پر قہر خدا تھا یہ خانۂ خدا بھی اس کی زد میں آگیا اور نہ صرف دکانیں ضبط کرلی گئیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ انتیس ہزار کو نیلام بھی ہوگئیں؟ بھلا مسلمانوں میں اتنا دم کہاں تھا کہ لیتے لالہ چھنّامل صاحب نے جن کا شمار دلی کے بڑے رئیسوں میں تھا انھوں نے جھٹ خریدلیں مسلمان منہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ تازہ تازہ غدر ہوا تھا انگریزوں کے دلوں میں بھی غصّہ بھرا ہوا کسی نے داد فریاد نہ سنی ۱۸۹۳ء میں انجمن راشد بن صلح کل اسلامیہ کی طرف سے جائداد وقفی اور تنسیخ نیلام کی درخواست دی گئی۔ حاکم وقت تھا

رحم دل اور مہربان چل گئی - گورنمنٹ نے لالہ کو پانچ آنے سیکڑا سود کے
حساب سے ایک لاکھ دس ہزار روپیہ دے کر دکانیں خریدنا چاہیں اور اس کے معاوضہ میں
ایک موضع تحصیل پلول میں دینا چاہا مگر لالہ صاحب نے انکار کیا ۔ سنہ ۱۸۹۴ء میں اس جائداد
کا کرایہ بذریعہ تحصیل وصول ہوکر سرکار میں جمع ہونے لگا ۔ سنہ ۱۲۹۵ھ میں کرایہ مجتمعہ
اور اس موضع کی آمدنی سے جو پچیس ہزار میں نیلام ہوا ایک لاکھ دس ہزار
روپیہ اصل وسود لالہ صاحب کو دے کر باقی پندرہ سو روپئے اور مسجد کی کل جائداد
واگذاشت کرکے مسلمانوں کو بن داموں خرید لیا ۔ ع شکر نعمت ہائے تو چندان
کہ نعمت ہائے تو - مسجد کا انتظام ایک کمیٹی کے سپرد فرمایا جس کے دس ممبر مسلمانوں
میں کے سربرآوردہ لوگ مقرر ہوئے اور نگرانی ڈپٹی کمشنر صاحب ضلع کی ہے ۔
حساب باقاعدہ رہنے لگا - اور اب تک وہی کمیٹی ہے جو مسجد کا کام نہایت حزم
واحتیاط سے باحسن الوجوہ چلا رہی ہے - ہم نے مسجد کی پہلی حالت دیکھی ہے کہ احاطے
کے اندر لوہیوں کی دکانیں تھیں اور اونٹ گاڑی کا اڈا کوڑے کرکٹ کے ڈھیر
غرض مسجد میں گھسنے ہی دم خفا ہوتا تھا یا اب دیکھتے ہیں کہ سارے میں پختہ
فرش ہیں نئے دالان بن گئے ہیں - جدھر دیکھو ادھر صفائی یا پہلے کوڑے
کے ڈھیر لگے تھے یا اب خلال کو تنکا ملنا مشکل ہے - فرش فروش درست جھاڑو بہارو سے
نکھری ستھری - بجلی کی روشنی پانی کے نل - سرد و گرم پانی کے سقایے کورے
کورے مٹکے اور بدھنیاں دھری ہوئی - طہارت خانے دھلے دھلائے صاف
غرض کمیٹی نے اپنے فرض کو اس خوبی سے ادا کیا کہ جس کی مثال مسلمانوں میں ڈھونڈے
نہ ملے گی ۔ سنہ ۱۳۱۱ھ میں تمام صحن میں چوکے بچھا دیئے گئے اور وضو کی نالیاں
پختہ بنائی گئیں - مسجد کے اندر وار کی ساری دکانیں کرایہ داروں سے خالی کرا کے
اس میں لڑکے قرآن شریف پڑھتے ہیں - صحن مسجد میں چند قبریں ہیں جن میں
حضرت نانو شاہ اور شاہ جلال صاحب کے مزار بھی ہیں - قبروں کے گرد تین فیٹ اونچی
خام دیوار کا احاطہ تھا جو ازحد بدنما معلوم دیتا تھا اسے تڑوا کر چار فیٹ چھ انچ
اونچی سنگ سرخ کی جالیاں لگوا کر اندر فرش بھی چوکوں کا کرا دیا گیا اور ایک خوشنما
اور سنگین دروازہ ۹ فٹ ۲ انچ اونچا لگا کر مسجد کے صحن کو دلکش بنا دیا - احاطے کے

اندر جو عارضی دکانیں لکڑی کے تختوں کی بنا کر اوپر جست کی چادریں ڈال دی تھیں وہ آخور کی بھرتی سب نکال کر نیلام کر دی گئی یہ سارا کام ۱۳۳۲ھ تک پورا ہوا اور مسجد کی ایک شکل نکل آئی۔ میں نہیں سمجھتا کہ شہر بھر میں اور کوئی مسجد ایسی آراستہ ہے۔ یہ تو بمبئی اور مدراس کی مسجدوں کی طرح دلہن بنی ہوئی ہے۔ ۱۳۳۵ھ میں شمالی رُخ پر ایک سنگ بست دو منزلہ دالان بہ صرفہ ساڑھے چودہ ہزار اور ۱۳۳۶ھ میں مسجد کے مغربی شمالی کونے میں دوسرا ایک اور دالان بہ صرفہ پندرہ ہزار چارسو چار روپیے کے بن کر طیار ہو گئے جن میں مدرسہ ہے اس کے علاوہ اور جا بجا چھت کے سلیں غدر میں گولوں کے صدمے سے چٹخ گئی تھیں وہ سب درست کرا دی گئیں۔ یہ ساری مرمت اور کام امانی میں زیر نگرانی ممبر صاحبان ہی ہوئے ہیں اور اس خوبی سے ہوئے ہیں کہ کمخواب میں کمخواب ہی کا پیوند لگا ہے یعنی جوڑ میں جوڑ ملا دیا یہ کام چغلی نہیں کھاتا بلکہ ایسا معلوم دیتا ہے کہ یہ دالان مسجد ہی کے ساتھ کے بنے ہوئے ہیں۔ پھر کفایت ایسی کہ اس سے بڑھ کے ناممکن۔ دکانات کا کرایہ پہلے السام کے ۱۵۰ ما نہ تھا اب السام کے ہے۔ مسجد اور مدرسہ کا خرچ جا کر بھی کمیٹی کے پاس دس پانچ ہزار کی سلک ہی رہتی ہے جس کا خازن بنک بنگال ہے۔

مزار حضرت میراں شاہ نانوں تخمیناً سنہ ۱۰۶۰ھ

آپ حضرت کلیم اللہ جہان آبادی علیہ الرحمہ کے ہم عصر تھے۔ آپ کا وطن تھانیسر تھا اور سلسلہ نسب کئی واسطوں سے شیخ جلال تھانیسری علیہ الرحمہ سے ملتا ہے۔ آپ ظاہری و باطنی کمالات حاصل کر کے دہلی تشریف لائے اور حریم مسجد فتح پوری میں ایک حجرے میں رہا کرتے تھے۔ کثرت سے لوگ آپ سے فیض یاب ہوتے تھے۔ تقریباً اسی سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا اور اسی احاطے میں آپ آسودہ ہیں۔

مزار حضرت شاہ جلال

آپ حضرت نانوں شاہ صاحب کے خلیفہ تھے اور آپ ہی کے حجرے میں بیٹھ کر ساری عمر یاد الٰہی اور توکل میں بسر کی با این ہمہ مساکین اور فقرا کو آپ کی طرف سے کھانا تقسیم ہوتا تھا اور لنگر جاری تھا۔ بعد وفات آپ بھی

اپنے مرشد کے پاس دفن ہوئے - باقی اور مزار آپ کے مریدوں اور عقیدت مندوں کے ہیں - اِن دونوں بزرگوں کا عرس ربیع الاول کی آٹھویں شب اور نویں کو دن میں ہوتا ہے پچیس روپیہ سالانہ بابت مصارف عرس اور دو روپیہ ماہوار جاروب کشی وغیرہ مسجد فنڈ سے دیئے جاتے ہیں -

مدرسہ عربی

اس میں چار مدرس فارسی ایک عربی اور ایک مدرس قرآن کل چھ مدرس ہیں - ڈھائی سو روپیہ ماہانہ کا خرچ ہے - مذہبی تعلیم انتہائی درجے حدیث شریف اور فقہ معقول و منقول کی ہوتی ہے - بیرونجات کے طلبار کثرت سے ہیں اُن کے روٹی کپڑے کا کوئی سہارا نہیں - گھر گھر سے روٹیاں مقرر ہیں - مسجد فتح پوری کا صحن بہت کشادہ ہے جس میں مغرب کی طرف چھوڑ کر تین طرف حجرے بنے ہوئے ہیں - بازار کھاری باؤلی کی طرف شمالی دروازہ ہے ادھر پندرہ در کا دو منزلہ دالان ہے جس میں مدرسہ ہے اس کے محاذی بٹیوں کے کٹڑے کی طرف جنوبی دروازہ ہے جس کے دونوں جانب آٹھ آٹھ در کے دالان اور حجرے ہیں شرقی دروازہ چاندنی چوک کی طرف ہے جس کے اوپر سفید سنگ مرمر کی تختی پر **مسجد فتح پوری** لکھا ہوا ہے اس دروازے کے دونو جانب چودہ چودہ در کے دالان ہیں صحن کے بیچ میں سنگ مرمر کا نہایت خوش نما حوض ہے اور اسی کے پاس نانو شاہ جلال شاہ صاحب کے مزارات ایک احاطے کے اندر ہیں - جنوبی دروازے کے پاس آبدار خانے اور طہارت خانے ہیں اور یہیں ایک خام کیاری اور قدیم کنواں بھی ہے صحن میں چھ بڑے بڑے درخت ہیں

منشی بھوانی شنکر کا مکان نمک حرام کی حویلی

مشن روڈ

کوچہ گھاسی رام - دورِ آخر مغلیہ - یہ بڑی عالی شان حویلی ہے جس کے دو پھاٹک جنوب و مغرب رویہ میں مغرب کی طرف کا پھاٹک بہت بلند اور شان دار ہے جس پر سنگین نشین بنے ہوئے ہیں - منشی بھوانی شنکر ذات کے کھتری تھے اور مرہٹہ گردی میں منشی صاحب ہی

بڑے سربرآوردہ رئیس اور دولت مند تھے۔ منشی صاحب پہلے ریاست گوالیار میں بخشی تھے۔ جب مرہٹوں نے دلی پر تسلط کیا تو منشی جی کو ایک بڑی ذمہ داری کی خدمت پر دلی بھجوادیا۔ لیکن منشی جی انگریزوں سے مل گئے اور مرہٹوں نے انھیں اس سازش کے الزام میں موقوف کردیا۔ لیکن انگریزوں نے منشی جی کو پنشن دی جو اُن کی اولاد پر جاری رہی۔ چوں کے انگریزوں سے وہ مل گئے تھے مرہٹے انھیں نمک حرام کہنے لگے اور ان کا مکان نمک حرام کی حویلی مشہور ہوگیا۔ منشی جی کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی اور انھوں نے انگریزوں سے شکایت کی جو اُس زمانے میں دلی پر قابض تھے۔ چنانچہ برٹش گورنمنٹ کی طرف سے احکام جاری ہوے اور عام منادی کی گئی کہ نہ تو کوئی منشی جی کو نمک حرام کہے نہ ان کے مکان کو نمک حرام کی حویلی۔ لیکن یہ منادی بمصداق الانسان حریص علی ما منع اور رنجک کا کام دے گئی اور ہر شخص کی زبان پر یہی چڑھ گیا۔ بھلا خلق کا حلق کوئی بند کرسکتا ہے۔

کچہری بھوانی شنکر

دورِ آخر مغلیہ۔ بازار فتح پوری۔ چھتہ بھوانی شنکر۔ یہ مکان منشی جی کی کچہری کا تھا یہ نہایت عمدہ شاندار دومنزلہ مکان ہے جس میں متعدد دالان اور کمرے ہیں سٹیشن کی طرف سے جو بڑی سڑک ملکہ کے باغ کے برابر فتح پوری کو آتی ہے اُسی پر یہ حویلی ہے۔ دومنزلے کوٹھے کے بیچ میں ایک برآمدہ نشیمن کی طرح کا آگے کو نکلا ہوا بہت خوش نما سنگین بنا ہوا ہے جس میں پچیکاری کا کام بھی ہے۔ اس حویلی کے دروازے میں ایک بجانب مغرب دوسرا جنوب رویہ چاندنی چوک کی طرف۔ پہلا دروازہ بڑا عظیم الشان ہے اور یہی بھوانی شنکر کے چھتے کا صدر دروازہ ہے۔

گندی گلی

مسجد فتح پوری سے احمد پائی کی سرائے کو جاتے ہوے بائیں ہاتھ کی طرف ایک بہت لمبی گلی ہے۔ یہاں زیادہ کھتری لوگ رہتے ہیں۔ یہ گلی حبش خاں کے پھاٹک میں جاکر نکلتی ہے۔ اس کے بعد گلی لاہوریاں ہے۔

دھرم سالہ لالہ چھمی نارائن

اسی گلی کے محاذ میں داہنے ہاتھ کو چھمی نارائن کا دھرم سالہ ہی - یہ صاحب آنریری مجسٹریٹ اور میونسپلٹی کے وائس پریزیڈنٹ تھے - اس دھرم سالے میں ہندو مسافر اترا کرتے ہیں - آگے چھتہ جاں نثار خاں ہی

گلی باغ دیوار

گرجا کے سامنے ملکہ کے باغ کی جنوبی دیوار سے لگی لگی جو گلی چلی گئی ہی وہ گلی باغ دیوار کہلاتی ہی یہ گلی نیل کے کٹرے میں نکل گئی ہی - اس کے اندر نہایت عالی شان دھرم سالہ چھنا مل والوں کا ہی جو لالا امراؤ سنگھ صاحب نے بنوایا ہی یہ نہایت خوبصورت اور مستحکم عمارت ہی اکثر اہل ہنود بیرونجات سے یہاں آکر ٹھیرتے اور آرام پاتے ہیں غربا کے لیئے سدا برت جاری ہی

گرجا سنہ ۱۸۶۵ء

مشن روڈ پر ایس پی جی مشن کا ایک خوش نما گرجا ہی جس کا سنگ بنیاد بشپ صاحب کلکتہ نے سنہ ۱۸۶۵ء میں خود تشریف لاکر رکھا اس کی تعمیر میں ساڑھے اٹھارہ ہزار روپئے صرف ہوے اور ایک ہی سال میں اتنی بڑی عمارت بن کر طیار ہو گئی - اس پر ایک نہایت اونچا چو پہلو منار ہی جس پر ایک بڑا گونجنے والا گھنٹہ لگا ہی - اسی کے پاس سنیٹ اسٹیفن کا کتب خانہ بھی ہی جس میں عیسائی مذہب کی کتابیں فروخت ہوتی ہیں -

شب سہائی کی سرائے

جس طرح احمد پائی کی سرا مسلمانوں کی ہی اسی طرح شب سہائے کی سرا سے ہندو صاحبوں کی ہی اور دونوں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں -

---

رہ رو ہمیشہ چاہیئے باندھے کمر رہے
دنیا وطن نہیں ہی کہ اسے لپٹ رہے

احمد پائی کی سرائے سنہ ۱۳۰۲ھ ۱۸۸۴ء

یہ سرائے شیخ احمد پائی پنجابی کی بنوائی ہوئی ہی اس کا

صدر دروازہ ملکہ کے باغ کے غربی دروازے کے سامنے ہے۔ صدر دروازہ اس کا ۲۸ فٹ عمق میں اور گیارہ فیٹ عریض بہت بلند اور شاندار ہے جس کے اوپر کمرہ ہے اور دروازے کی دونوں جانب ایک ایک آدرا ہے صدر دروازے کی پیشانی پہ ایک سنگ مرمر کی تختی پر صرف سرائے شیخ احمد پائی کندہ ہے۔ دونوں سہ دریوں پر یہ اشعار روشنائی سے لکھے ہوئے ہیں :-

شمالی صحنچی پر

سرائے شیخ احمد پائی از بس اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من اگر تاریخ تعمیرش بپرسی
خجستہ بنا شد بہجت آباد کل شیطان الھامۃ ومن عین لامۃ تفرح سرا جان فزا باد

جنوبی صحنچی پر

جب یہ عمارت دلکشا بن چکی اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من سال یوں لکھا از سرِ جانِ خرد
یاس اسدم طبع نے مجھ سے کہا کل شیطان الھامۃ ومن عین لامۃ شیخ احمد پائی کی ہے یہ سرا
۱۳۰۲ھ

سرائے کے اندر غرب میں دس کوٹھریاں نیچے اور اسی قدر اوپر ہیں سامنے برآمدہ ہے۔ یہ برآمدہ ۷ فٹ × ۲۴ فٹ ہے۔ جس کی دونوں جانب شمال جنوب میں چھ چھ کوٹھریاں دو منزلہ ہیں ان کے سامنے بھی ۵۳ فٹ × ۷ فٹ کا برآمدہ ہے۔ صحن ۷۰ فٹ × ۲۸ فٹ ہے۔ صدر دروازے کے دائیں طرف لب سڑک پانچ دکانیں اور اوپر دو بالاخانے ہیں اور اسی طرح بائیں طرف دکانیں اور اوپر ایک کمرہ ہے۔ سرائے سے لگی ہوئی ایک مسجد ہے جو احمد پائی کی مسجد کہلاتی ہے اُس کے کنوئیں پر سنگ سُرخ کی تختی پر یہ کتبہ ہے۔
"مسجد و چاہ موقوفہ شیخ احمد پائی" یہ مسجد سرائے کے ساتھ بنی تھی یہ تاریخ دوبارہ
۱۳۳۶ھ
مرمت کی ہے۔ اب اس سرائے کے مالک شیخ حاجی **محمد یعقوب** سوداگر خلف شیخ احمد پائی مرحوم ہیں۔

احمد پائی کی سرائے کے نکڑ پر سے کابلی دروازے تک (کوئینز روڈ)

دلی کی سڑکوں میں چاندنی چوک چھوڑ کر یہ بڑی کشادہ اور سیدھی سڑک ہے جس کو کوئینز روڈ یعنی ملکہ کی سڑک کہتے ہیں۔ ریل کے ڈاٹ والے پل لوتھین برج سے لے کر کابلی دروازے تک ناک کی سیدھ چلی گئی ہے اور صفائی کے لحاظ

سے جا ملی ہی۔ کابلی دروازہ اب نہیں رہا۔ اس طرف کا دروازہ اور فصیل دونوں میدان صاف کرنے کو توڑ دیئے گئے اب کابلی دروازے کا پتہ یہ ہی کہ لاہوری دروازے کے باہر جو نیا بازار بنا ہی اور ایک چوڑی سڑک برٹن بیچین روڈ نکل گئی ہی اُس کے خاتمے پر کوئینز روڈ آکر ملتی ہی یہ دروازہ تھا۔ احمد بائی کی سرائے کے نکڑ پر سے یا یوں سمجھیئے کہ ملکہ کے باغ کے مغربی دروازے کے سامنے سے جہاں مشن روڈ اور کوئینز روڈ ملتی ہیں داہنی طرف تو سارے میدان میں ریل پھیلی ہوئی ہی اور ڈفرن برج ہی۔ بائیں طرف الفنسٹن ایجوکیشنل پیلس ہی جس میں مستقلاً بائسکوپ کا تماشہ ہوتا ہی۔ اس کے نہر سعادت خاں کا نام رہ گیا ہی نہر تو بند کر دی گئی۔ نہر پر کیمبرج مشن کی عالی شان کوٹھی اور نواب وزیر کی بارہ دری کا پھاٹک۔ مولوی حفیظ اللہ خاں کی مسجد۔ آم والی مسجد اور ان کے بیچ میں نراین داس کا مندر اور شوالا ہی۔ ان کے پیچھے گولر والی مسجد ہی یہیں پولیس سٹیشن ہی یہاں میونسپلٹی نے دو مارکٹ بنائے تھے اُن میں سے ایک میں گوشت فروخت ہوتا ہی دوسرا خالی پڑا ہی۔ اور اسی کے پاس ایک گلی بتوں والی ہی۔

کیمبرج مشن
سنہ ۱۸۵۰ء

احمد بائی کی سرائے کے پاس ترا ہے ملتا ہی۔ سٹیشن کی طرف کا رستہ چھوڑ کر شرقی رخ پہ کابلی دروازے کی طرف چلیئے۔ بائیں ہاتھ کے رُخ پر نہر سعادت خاں کے اُس طرف کیمبرج مشن کی بڑی عالی شان سُرمئی رنگ کی وسیع کوٹھی ہی جو سنہ ۱۸۵۰ء میں قایم ہوا اگر غدر میں سب معاملہ درہم برہم ہو گیا۔ پھر سنہ ۱۸۵۸ء سے از سر نو سلسلہ شروع ہوا۔ مشن نے یہ کوٹھی نیلام میں کوڑیوں کے مول بارہ ہزار میں خرید لی یہ کوٹھی اوائل میں نواب بہادر جنگ کی تھی جو ضبط ہو گئی تھی۔ اس مشن کے متعلق سنہ ۱۸۵۹ء میں پادری سکلٹن صاحب نے کلاں مسجد کی طرف ایک مشن کھولا جس کی شاخیں ریواڑی۔ کرنال شملہ وغیرہ مختلف مقامات میں تھیں۔ اسی کے متعلق سنہ ۱۸۶۴ء میں ایک زنانہ شفاخانہ کھولا گیا اور سنہ ۱۸۸۴ء میں شفاخانے کے لیئے چاندنی چوک میں ایک عالی شان عمارت طیار کی گئی جس میں اب بنک بنگال ہی اور شفاخانہ تیس ہزاری کے باغ

کے میدان میں مٹھائی کے پل کے پاس ایک نئی عمارت میں جو اسی کے واسطے بنائی گئی تھی چلا گیا ۱۸۸۲ء میں ہائی سکول میں جو چاندنی چوک میں تھا کالج کلاس کھولی گئی جو آگے چل کر سینٹ اسٹیفنز کالج ہوگیا اور کشمیری دروازے کے پاس اس کی عمارت ہے۔ ۱۸۸۳ء میں عیسائیوں کے لیے متعدد جگہ بستیاں بنائی گئیں۔ پہلی بستی پادری لیفرائے صاحب[1] نے دریا گنج میں تعمیر کرائی دوسری بستی مع گرجا اور مکان کیٹیکسٹ پادری میٹ لینڈ صاحب نے اجمیری دروازے کی طرف طیار کرائی۔ تیسری بستی سبزی منڈی میں بنی۔ اسی مشن کی میمیں اور نیٹیو ہندوستانی عورات کو گھر گھر پھر کر تعلیم دیتی ہیں۔ سینا پرونا اور موزے گلوبند بننا اور طرح طرح کا کاڑھنا بھی سکھاتی ہیں اور مقصد اصلی اُن کا یعنی انجیل پڑھانا اُس کی بھی ترویج دیتی ہیں۔

پھاٹک نہر سعادت خاں

یہ نواب وزیر کی حویلی کا صدر دروازہ ہے۔ دور آخری مغلیہ کا بنا ہوا ہے۔ رای بہادر شیو پرشاد سی آئی ای رئیس دہلی کی ملکیت ہے۔ یہ دروازہ دو منزلہ تھا جس کی چھت مخدوش ہونے سے اُتار دی گئی۔ اس پر دو منزلہ کمرے بنے ہوئے ہیں اور رائے صاحب کی طرف سے اُن کی ترمیم و نگہداشت ہوتی ہے۔ چونکہ نہر سعادت خاں پر واقع ہے اس واسطے اسی نام سے مشہور ہے اسی کے آگے الفنسٹن پکچر پیلیس ہے جس میں روزانہ بائسکوپ کا تماشہ دکھلایا جاتا ہے۔

بارہ دری نواب وزیر

دور آخر مغلیہ پھاٹک نہر سعادت خاں کے پاس حویلی نواب وزیر کے متعلق ایک بارہ دری بنی تھی جس کے درمیانی دالان کا کچھ حصہ۔ محراب دار پھاٹک اور چند ملحقہ حجرے اب تک موجود ہیں اس کی حال میں رائے بہادر شیو پرشاد صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ نے بڑے وسیع پیمانے پر درستی کرائی

[1] یہ صاحب بہت برسوں تک پنجاب کے لاٹ پادری تھے پھر کلکتہ کے بشپ یعنی سارے ہندوستان کے مٹراپولیٹن یعنی سب سے بڑے لاٹ پادری رہے اسی سال مارچ کے مہینے میں اُن کا انتقال ہوا ہے۔

رنگ محل کے شمالی و مغربی دروازے

پھاٹک نہر سعادت خاں کے پاس۔ رنگ محل کا شمالی دروازہ۔ دورِ آخر مغلیہ کا بنا ہوا لالہ امیر سنگھ وغیرہ کے قبضے میں ہے۔ یہ دروازہ دو دہرونگا ہے یہ دروازہ رنگ محل کا تھا جو نواب وزیر کی حویلی کا زنانہ حصہ تھا۔ رنگ محل کے آثار تک بھی اب باقی نہیں رہے بلکہ ساری کی ساری جگہ میں مکانات بن گئے ہیں رنگ محل کے نام کے ساتھ جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ صرف یہ دو دروازے ہیں اور کچھ حصہ دیوار کا باقی رہے نام اللہ کا۔ ؎

دل ہی نہ رہا امید کیسی؟
جڑ کٹ گئی نخلِ آرزو کی

ڈفرن برج سے موری دروازہ۔ چھوٹا دروازہ اور فصیلوں کے برابر برابر والی گلی

ڈفرن برج

لارڈ ڈفرن ۸۸-۱۸۸۴ء میں گورنر جنرل رہے۔ انھیں کے نام پر یہ پُل بنا ہے۔ کوئینز روڈ پر ایس پی جی مشن کے آگے داہنے ہاتھ کی طرف ایک چوڑی سڑک موری دروازے کو چلی جاتی ہے اسی کے شروع میں ایک بڑا لمبا پُل ریلوے کی مختلف لینوں پر بنا ہوا ہے۔ پھر کوئینز روڈ آگے وار کابلی دروازے کو چلی جاتی ہے۔

موری دروازہ

ڈفرن برج سے اترتے ہی تراہہ ملتا ہے داہنے ہاتھ کی طرف کی سڑک ہیملٹن روڈ کہلاتی ہے اور بائیں ہاتھ کی چھوٹے دروازے کو چلی گئی اور ڈفرن برج کی سڑک سیدھی چلی گئی ہے جہاں فصیل کا سلسلہ ٹوٹ گیا ہے وہیں موری دروازہ تھا جو رستہ کشادہ کرنے کو غدر کے بعد گرا دیا گیا۔ موری گیٹ کی سڑک پر یہ مقامات ہیں:۔

ڈفرن برج سے اُترتے ہی بائیں طرف دی کراؤن فلور ملز آٹا پیسنے کی گھرنی۔ آگے بڑھ کر اسی سڑک پر راجپوتانہ ریلوے کے قدیم سٹیشن کی عمارت۔ ریل والوں کے کچھ کوارٹر فصیل کے پاس چھوٹا دروازہ جہاں اب کوئی دروازہ نہیں صرف نام باقی ہے اور اسی نام کا ایک بورڈ لگا دیا گیا ہے اب بیرون شہر آ گئے۔ اب پھر پلٹ کر ڈفرن برج کو آئیے اور موری دروازے کی طرف چلئے تو۔ داہنی طرف سنیٹ سٹیفنز سکول اندر گلی میں نیا دریل رنگی لال موٹر سیکل ایجنٹ کی بڑی بھاری دکان جس میں پہلے نارتھ بروک ہوٹل تھا۔ بائیں طرف مسجد راے بیل کوچۂ معظم خاں۔ اونچی مسجد اور مدرسہ حمیدیہ رحیم اللہ سوداگر بمبئی کی بنائی ہوئی کوچۂ ٹیلان شیعوں کی مسجد (نواب احمد مرزا صاحب کی) کوچۂ مغلان رام پور سٹیٹ فیکٹری فرنیچر۔ موری دروازے کے پاس داہنی طرف فصیل کے برابر ایک لمبی سڑک چلی گئی ہے جو اس سرے پر کشمیری دروازے کے پاس جا نکلتی ہے۔ اس گلی کا کوئی خاص نام نہیں اس میں بائیں ہاتھ کو تو مسلسل فصیل چلی گئی ہے داہنے ہاتھ کی طرف یہ عمارتیں ہیں۔ بھارت نیشنل کول ٹریڈنگ کمپنی ڈنلاپ ربڑ ٹایر کمپنی۔ خان بہادر حاجی بخش الٰہی صاحب سی آئی ای سوداگران سگرٹ سول ایجنٹ مسرز ڈبلیو۔ ڈی اور ایچ۔ او ولز وایجنٹ لپٹن کمپنی جہانگیر منزل۔ فرحت منزل ایک معمولی سی اپولو ہوٹل۔ بیچ بیچ میں اور کچھ کوٹھیاں بھی ہیں۔ یہاں ایک گلی ہے جس میں دلی کے مشہور حکیم اشرف علی صاحب کا مطب تھا اب اُن کے صاحبزادے نذیر احمد صاحب مطب کرتے ہیں باپ بیٹے دونوں دہلی کے مشہور معالجین میں شمار کیئے جاتے ہیں۔

بازار کھاری باؤلی

دلی کے مشہور بازاروں میں کا ایک بازار یہ بھی ہے۔ جو اناج کی بڑی بھاری منڈی ہے۔ جس میں لاکھوں روپیہ کا بیوپار ہوتا ہے۔ یہ بازار بہت کشادہ ہے جو مسجد فتح پوری کے شمالی نکڑ سے شروع ہو کر لاہوری دروازے پر ختم ہوتا ہے۔

اس بازار میں زیر مسجد فتح پوری لوہیوں اور سبزی فروشوں کی دکانیں ہیں پھر اناج والوں اور پنساریوں کا سلسلہ ہے۔ اب اس بازار کی سیر کیجئے۔
داہنی طرف۔ مزید بارچہ (ایشور بھون) اس میں آڑھتی رہتے ہیں۔ کٹڑہ میدگراں۔ کٹڑہ حسین بخش جس میں پنساریوں کے گودام ہیں۔ پھاٹک حبش خاں۔ کٹڑہ تمباکو۔ صدر دروازہ۔ کوچۂ چیلاں۔ کٹڑہ دیا شنکر۔ کٹڑۂ بنسی دھر۔ لاہوری دروازہ۔

پھاٹک حبش خاں

شاہ جہاں کے عہد کا بنا ہوا ہے۔ کھاری باؤلی کے بازار میں ہے اس پھاٹک کے نام سے ہی محلہ مشہور ہو گیا ہے۔ اب اس محلے میں پنجابی کثرت سے بستے ہیں۔ یہ پھاٹک حبش خاں کا بنایا ہوا ہے جن کا اصلی نام سیدی مفتاح تھا۔ یہ شاہجہاں و اورنگ زیب کے عہد میں تھے۔ اس دروازے کی مرمت بعد میں فولاد خاں نے کی جو حبش خاں ہی کی اولاد میں اور جب نادر شاہ نے دہلی پر تاخت کی تو یہی حبش خاں شہر دہلی کے کوتوال تھے۔ سدی مفتاح حبشی النسل تھے اور در اصل وہ نظام شاہی بادشاہانِ احمد نگر کے غلام تھے۔ ان کا بڑا اعتماد تھا اور قلعہ اودگیر ضلع بیدر مملکت سرکار عالی نظام کے قلعہ دار بھی رہ چکے ہیں۔ سدی مفتاح نے نظام شاہیوں کی طرف سے افواج شاہجہانی کو قلعۂ اودگیر میں گھسنے نہ دیا اور خوب مقابلہ کیا آخر کار مغلوب ہوا اور قلعہ حوالہ کرکے سنہ ۱۰۶۴ھ میں زمرہ ملازمین شاہجہانی میں شریک ہو گیا۔ دربار شاہجہانی سے حبش خاں کا خطاب۔ سہ ہزاری منصب اور پندرہ سو سوار ملے۔
حبش خاں کے پھاٹک کے اندر بہت گنجان اور ٹھساٹھس آبادی ہے۔ رستہ بالکل تنگ ہے۔ دو گاڑیوں کا گزرنا ناممکن۔ گلیاں اس سے بھی زیادہ سکڑی۔ بنارس کی کیفیت نظر آتی ہے۔ پھاٹک کے اندر دو طرفہ زیادہ ورق کوبوں اور عطاروں حلوائیوں وغیرہ کی دکانیں ہیں اور پھر اندر جاکر بڑے بڑے متمول پنجابیوں کے مکانات ہیں۔ دلی کی تجارت کا بڑا حصہ پنجابیوں کے ہاتھ میں ہے۔ دیکھنے کو ان کی دکانیں معمولی نظر آتی ہیں مگر لاکھوں روپئے کے وارے نیارے ہوتے ہیں۔ ولایت سے براہ راست مال منگوا سکتے اور ہول سیل اور ریٹیل کی بڑی منڈی ہے۔ **داہنی طرف** مسجد ایک برج۔ کٹڑہ پیڑاں گلی

سرس والی جس میں میاں صاحب کا مکان تھا۔ گلی مولوی عبدالحکیم اسی میں میاں صاحب کا مدرسہ ہے۔ مکان مولوی عبدالرشید صاحب۔ اب یہاں چوراہہ ہے۔ سامنے دار تیلیوں کا پھاٹک اور اندر اسی نام کا محلہ اور اُس کے آگے بارہ دری نواب وزیر اور پھر بارہ دری کے مقابل ایک پھاٹک کے اندر پنجابیوں کے مکانات ہیں۔ یہ پھاٹک "طوطا میدا کا تیج" کہلاتا ہے۔ یہی رستہ نہر سعادت خاں کے پھاٹک کو نکل جاتا ہے۔ تیلیوں کے پھاٹک سے اندر ہی گھی کا کٹڑہ ہے جس میں اب مکانات ہیں۔ **بائیں طرف**۔ تمباکو کا کٹڑہ۔ گلی ہینگا بیگ اور اسی کو دھوبیوں کا کٹڑہ بھی کہتے ہیں اور یہیں میاں صاحب کی مسجد ہے۔ اس کے آگے کوچۂ مولوی قاسم ہے اس میں بہت ہی گلیاں ہیں۔ داہنی طرف گلی محمد ذکریا محتسب کی مسجد۔ گلی امیر بخش۔ باغیچی گیندا مل۔ رنگ محل جس کی اونچی اونچی دیواریں اور کچھ دالان باقی ہیں۔ بائیں جانب۔ گلی نواب محمد باقر۔ گلی حاجی انعام اللہ۔ گلی ساگ والاں۔ مسجد رمضان شاہ۔ چھوٹا رنگ محل۔ چھوٹا چیر وارٹا۔ گلی چمڑے والاں۔ اب نہر سعادت خاں آگئی۔ کوٹھی ایس پی جی مشن ہو اسکے غرب میں ایک چھوٹی سڑک ہے جو نہر سعادت خاں کی بڑی سڑک سے آن ملتی ہے۔ تیلیوں کے پھاٹک کے سامنے ایک اور چھوٹی سی گلی ہے جو گندی گلی کہلاتی ہے جو مشن روڈ پر جا نکلتی ہے۔

گلی تیلیاں

اس گلی کا دروازہ دور آخری مغلیہ کا بنا ہوا ہے۔ اب بہادر شیو پرشاد سی۔ آئی۔ ای کے قبضے میں ہے۔ یہ دروازہ نہایت خوش نما بنا ہوا ہے جس کے دونوں جانب پہرے والوں کی نشست کے لیئے حجرے بنے ہوئے ہیں۔ **حویلی نواب وزیر** کی وسیع عمارت کا یہ بھی ایک دروازہ ہے۔ **نواب وزیر** کا اصلی نام معلوم نہیں ہوتا روایت یوں ہے کہ نواب اودھ نے یہ حویلی کسی گوئیے کو دے دی تھی۔ قیاس اس بات کا مقتضی ہے کہ ابوالمنصور صفدر جنگ نواب وزیر اودھ نے یہ حویلی بنائی ہو تو کچھ دور نہیں۔ اس قیاس کی وجہ یہ ہے کہ صفدر جنگ ہی اودھ کا پہلا گورنر تھا جسے نواب وزیر کا خطاب ملا تھا مگر اُس کی سکونت دہلی میں نہ تھی۔ اس دروازے کی

شان و شوکت اور حسن مقام پر حویلی تھی اُس کی وسعت کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ ہو نہ ہو ایسی عمارت ایسے ہی پایہ کا ایک امیر بنا سکتا ہے۔ چوں کہ صفدر جنگ اور دوسرے اودھ کے نواب جو اُن کے بعد ہوئے کبھی دلی آئے نہیں اور نہ اُن کو ایسی عظیم الشان حویلی کی کوئی ضرورت تھی تو یہ بہت قرین قیاس ہے کہ کسی گویئے کو بخش دی گئی ہو۔

گلی تیلیاں گھی کے کٹڑے کی طرف سے

دورِ آخر مغلیہ۔ یہ بھی نواب وزیر کی حویلی کا ایک سہ درہ دروازہ ہے جس کی چھت گر گئی ہے۔ دیوار کی دونوں جانب پہرے والوں کی نشست کی بیٹھکیں بنی ہوئی ہیں۔

گلی تیلیاں گھی کے کٹڑے کا داخلی دروازہ

دورِ آخر مغلیہ۔ خراب وخستہ۔ ایک احاطے کا دروازہ ہے جو غالباً نواب وزیر کی حویلی کا ہوگا پہلے اس احاطے میں گھی کی منڈی تھی اسی سبب سے گھی کا کٹڑہ مشہور ہوگیا

شمس العلما مولنا سید نذیر حسین عرف میاں صاحب محدث دہلوی

۱۲۲۰-۱۳۲۰ھ
۱۸۰۵-۱۹۰۲ء

حبش خاں کے پھاٹک میں سرس والی گلی کے اندر متصل مکان مولوی حفیظ اللہ خاں صاحب واعظ دہلی آپ کرایہ کے مکان میں رہتے تھے ذاتی مکان آپ کا کوئی نہ تھا۔ آپ سورج گڈھہ ضلع مونگیر کے رہنے والے تھے اور ماں باپ دونوں طرف سے سید تقوی تھے آپ کے والد ماجد کا نام سید جواد علی تھا آپ کے بزرگ اورنگ زیب کے زمانے میں عہدۂ قضا پر مامور تھے ۱۲۳۶ھ میں جس وقت مولنا شاہ سید احمد صاحب بریلوی اور مولنا شاہ اسمعیل صاحب شہید دہلوی پٹنے تشریف لے گئے تو آپ وہاں موجود تھے کچھ دنوں الہ آباد میں رہ کر علم حاصل کیا بالآخر ۱۲۴۲ھ میں دہلی تشریف لائے پنجابی کٹڑے کی اورنگ آبادی مسجد میں رہا کرتے تھے اور مولوی محمد عبدالخالق صاحب سے جو مولنا شاہ اسحق صاحب کے ارشد تلامذہ سے تھے چند کتب عربی پڑھیں اور اسی طرح

مولنا شاہ عبدالقادر اور مولنا شاہ رفیع الدین صاحبان بن شاہ ولی اللہ
صاحب سے پڑھا اور کئی علماے جید و نامور سے استفادہ کیا۔ جب آپ نے
تحصیل علوم سے فراغ حاصل کیا مولوی عبدالخالق صاحب (راقم کے نانا مولوی
عبدالقادر صاحب کے والد) کے اس قدر منظور نظر ٹھیرے کہ انھوں نے اپنے
اُستاد مولنا شاہ محمد اسحاق صاحب اور اُن کے بھائی مولنا محمد یعقوب
صاحب رحمۃ اللہ علیہما کی راے اور مشورے سے سنہ ۱۲۴۶ھ میں اپنی صاحبزادی کا
نکاح آپ سے کردیا۔ اس کے بعد آپ نے مولنا شاہ محمد اسحاق صاحب
علیہ الرحمۃ سے حدیث و تفسیر پڑھی اور تیرہ برس تک آپ کی خدمت میں رہ کر بہت
سے فیوض اور برکات حاصل کیے۔ غرض آپ ایسے مرتبۂ کمال کو پہنچ گئے
کہ اپنے استاد علام کے سامنے فتویٰ دیتے اور فیصلے کرتے تھے اور
حضرت اُستاد اُن کو پسند کرتے اور خوش ہوتے تھے اور آخر ایسا ہوتا تھا
کہ حضرت اُستاد الاساتذہ بعض مشکل اور ادق مسائل میں آپ کا امتحان کرتے
تھے اور آپ کا جواب شافی سن کر مطمئن ہو جاتے تھے ماہ شوال سنہ ۱۲۵۸ھ میں
حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب نے آپ کو اجازت علوم حدیث وغیرہ سے مُسند
فرماکر مسند الوقت کردیا اور اسی سنہ میں جب آپ ہند کو خیرباد کہہ کر مہاجر
بیت اللہ ہونے لگے افادہ اور افتار اور وعظ اور تذکیر اور درس و تدریس
کے لیے آپ ہی کو اپنا نائب اور خلیفہ مقرر فرمایا جس منصب عالی کو آپ نے مدۃ العمر
اس عمدگی اور خوبی اور نیک نامی سے نباہا کہ ہر شخص آپ کا ثنا خواں رہا چنانچہ آثار الصنادید
میں لکھا ہے کہ "زندۂ اہل کمال واسوۂ ارباب فضل و افضال مولوی نذیر حسین بہت صاحب
استعداد ہیں خصوصاً فقہ میں ایسی استعداد کامل بہم پہنچائی ہے کہ اپنے نظائر و
اقران سے گوے سبقت لے گئے ہیں روایت کتب میں آج بے نظیر ہیں باوجود
اس کمال اور استعداد کے مزاج میں خاکساری اور حلم گویا کوٹ کوٹ کر بھرا ہے باعتبار
سن کے جوان اور بہ اعتبار طبیعت حلم اور وضع متین کے پیر" سنہ ۱۲۷۰ھ تک
آپ کو فقہ وغیرہ تمامی علوم و فنون سے ایک خاص مذاق اور لگاؤ تھا لیکن
اس کے بعد قرآن اور حدیث کے درس و تدریس کی محبت آپ پر ایسی غالب ہو گئی کہ

آپ اس کے مصداق ہو گئے۔ ؎

ما آنچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم از حدیث دوست کہ تکرار می کنم

ایسے ہی مشتغلین بالحدیث کو اہل النبی اور اصطلاح صوفیہ صافیہ میں اس مقام کو فنا فی الرسول کہتے ہیں ولنعم ما قیل۔[1]

أَهْلُ الْحَدِيْثِ هُمُ أَهْلُ النَّبِيِّ وَإِنْ لَمْ يَصْحَبُوْا نَفْسَهُ أَنْفَاسَهُ صَحِبُوْا

سارے ہندوستان اور نیز ہندوستان کے باہر بھی یمن۔ نجد۔ سنوس۔ اندلس افغانستان۔ کشمیر۔ خراسان۔ کاشغر۔ برہما۔ چین۔ جاوا تک آپ کے ہزارہا شاگرد پھیلے پڑے ہیں۔ آپ کا علمی تبحر اور تقدس محتاج بیان نہیں۔ خاکسار کی والدہ کے حقیقی پھوپھا تھے۔ عرصے سے آپ کا یہ معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد مولانا شاہ عبد القادر صاحبؒ کے ترجمۂ قرآن شریف کے دو تین رکوع روزانہ سب کو پڑھایا کرتے تھے اس کے بعد حدیث شریف کا درس ہوتا تھا۔ اس ترجمہ خوانی میں آپ بعض ایسے نکات قرآنی و مطالب ایمانی بیان فرماتے تھے کہ سامعین و حاضرین کو ایک لطف خاص حاصل ہوتا تھا جس سے طلبا بہت سے مطالب حل کر لیتے تھے اور بہت سے خطرات و شکوک رفع کر لیتے تھے۔ دس بجے آپ مسجد سے سیدھے اپنی صاحبزادی کے گھر تشریف لاتے اور تخت پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے۔ کثرت اشغال علم حدیث اور جواب استفتا وغیرہ سے آپ کو تالیف و تصنیف کی زیادہ فرصت نہ ملی لہذا محض ضرورت وقتی کے لحاظ سے چند رسالے آپ نے لکھے ہیں معیار الحق واقعۃ الفتوی۔ واقعۃ الہلوی۔ ثبوت الحق الحقیق۔ فلاح الولی باتباع النبی۔ ابطال عمل المولد۔ اور ایک رسالہ عورتوں کے زیوروں کے بیان میں اور کوئی تصنیف دیکھنے میں نہیں آئی۔ ہاں اگر آپ کے فتاوے جمع کیے جائیں تو اس قدر ہیں کہ کئی جلدوں میں بھی نہ سماتے۔ بزرگان دین کی ایک یہ بھی علامت ہے کہ ان پہ کفر کا فتوی ہو جاوے۔ یہ سلوک بھی آپ کے ساتھ ہو چکا سنہ ۱۳

[1] حلقۂ فن حدیث کا شہرہ حضرت ... سلسلہ مجدول کے ساتھیوں میں ہوا وہ گو انہوں نے آپ کی جسمانی صحبت نہ پائی ہو تو بھی روحانی فیضان سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔ ۱۲

میں جب آپ حج کو تشریف لے گئے تو وہاں بہت کچھ ادہم بھی مگر الحق یعلو ولا یعلیٰ سارے فتاوے تار عنکبوت کی طرح بے بنیاد ثابت ہوئے، اور آپ اس آزمائش میں بھی پورے اترے۔ جب آپ مع الخیر والعافیۃ حج کرکے واپس تشریف لائے تو ریلوے سٹیشن پر خلقت کا ایسا ہجوم تھا کہ کم دیکھنے میں آیا ہے اور کیوں نہ ہوتا کہ یہ استقبال ایک ایسے بزرگ کا تھا جو کہ لاکھوں مسلمانوں کا مقتدیٰ تھا۔ موافق و مخالف دونوں آپ کے علم و فضل کی شہادت میں متفق اللسان تھے۔ دوست و دشمن دونوں آپ کے مناقب و محامد سے رطب اللسان۔ یہ جلال و اعزاز اس اخلاق کا ثمرہ تھا جو حق تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا تھا اور یہ عام قبولیت اس قبولیت خداوندی کا عکس ہے جس کا حدیث شریف میں ذکر وارد ہے کہ جب خداوند تعالیٰ کسی بندے کو دوست بنا لیتا ہے تو اس سے محبت کرنے کا تمام آسمان و زمین والوں کو حکم دیتا ہے اور اس کی قبولیت کو عام میں پھیلا دیتا ہے۔ میں نے خود اچھی طرح میاں صاحب کو دیکھا ہے۔ سارے شہر میں اسی پیارے نام سے پکارے جاتے تھے۔ لباس بالکل سادہ تھا اکثر لنگی اوڑھتے تھے شہر میں پاپیادہ پھرتے تھے مگر سبحان اللہ کیا خداداد عزت تھی کہ جدھر سے گزر جاتے تھے لوگ کھڑے ہو جاتے تھے میرے دیکھتے تو قدرت خدا کا ایک جلوہ تھا ایسی عزت ایسی توقیر کسی بادشاہ وقت کی ہوتی ہو تو ہوتی ہو۔ بھلا ایسے شخص کو خطاب کی کیا ضرورت تھی مگر سرکار نے شمس العلماء کا خطاب آپ کو گھر بیٹھے دیا۔ خطاب کی سنکر آپ نے فرمایا "میاں خطاب سے کیا ہوتا ہے ہمارے لیئے پورا خطاب قرآن مجید میں حنیف مسلم موجود ہے۔ دنیاوی خطاب سلاطین سے ملا کرتا ہے یہ گویا ان کی خوشنودی کا اظہار ہے مجھے کوئی نذیر کہے تو کیا اور شمس العلماء کہے تو کیا میں نہایت خوش ہوں کہ ہر ایک میاں صاحب کہتا ہے۔ بھائی سادات کے لیئے اس سے بڑھ کر پیارا لفظ نہیں اس لفظ کی برکات سے میری درویشانہ طرز میں فرق نہ آئے یہی خدا کا فضل ہے" آپ کے ایک ہی صاحبزادے مولوی سید

شریف حسین صاحب تھے جو علم و فضل اور تقویٰ میں باپ کے قدم بقدم تھے اور درس و تدریس کا سارا بار خود اُٹھائے ہوئے تھے وہ باپ کی حیات میں ہی قضا کر گئے۔ اُن کے دو صاحب زادے تھے بڑے مولوی عبد السلام اور چھوٹے مولوی ابو الحسن۔ دونوں میں بلا کم و کاست میاں صاحب کے صفات حسنہ تھیں کیوں کہ خود اُنھیں سے تعلیم پائی تھی اور اُن ہی نے پالا پوسا مولوی عبد السلام صاحب نے سال گزشتہ فلج سے انتقال کیا اب صرف مولوی ابو الحسن صاحب باقی ہیں۔ خدا اُن کو رکھے کہ میاں صاحب کی نشانی ہیں اور انھیں سے اُن کا نام چلتا ہے مولوی ابو الحسن صاحب بھی حدیث شریف کا درس دیتے ہیں اور جس طرح میاں صاحب کے زمانے میں مدرسہ تھا ویسا ہی چلا رہے ہیں۔ ابو الحسن صاحب کے سوا میاں صاحب کی ایک صاحب زادی ہیں جو تواتر صدمات سے بہت ناتواں ہیں مرض الموت میں مجھے کئی دفعہ میاں صاحب کی قدم بوسی کا اتفاق ہو بجز کبر سنی کے کوئی خاص مرض نہ تھا۔ پلنگ پر لیٹے رہتے تھے اور ہاتھ میں تسبیح رہتی تھی ہر وقت عالم بے خودی اور استغراق کا رہتا تھا۔ نماز کے وقت خود ہشیار ہو جاتے تھے۔ کروٹیں بدلتے اور بے چین ہو جاتے۔ اُٹھا کر سہارا دے کر بٹھا دیا نماز پڑھ لی پھر سکوں کی حالت ہو جاتی تھی۔ یہی حال تسبیح و تہلیل کا تھا اگر تسبیح ہاتھ سے چھٹ گئی تو بس بے چین ہو گئے پھر دے دی پڑھنے لگے۔ ۱۰ رجب روز دوشنبہ سر مغرب ۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء کو انتقال فرمایا اور شیدی پور ۱۳ ارا کتوبر کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ ایسے بڑے عالم اور فاضل اجل کی وفات کے سینکڑوں قطعات و قصائد عربی و فارسی لکھے گئے ہم صرف اُن میں سے ایک دو قطعے اور چند مادے یہاں لکھتے ہیں۔

شیخنا الامعی نذیر حسین	من بنی ہاشم بنی غالب
زبدۃ الاتقیاء شیخ الکل	مرشد الناس صادق صائب
آخذ بالکتاب والسنۃ	آمرا بالفروض والواجب

ماحی المنکرات والبدعة قلبه فی الضیاء و القالب
مظهر العلم حاجی الحرمین دائما نحو ربه راغب
قد توفی خلال شهر رجب غاب نجم الهدایة الثاقب
اختفی النور اظلم الدهلی کسفت شمس دیننا الواصب
اسئلوا الله اخوانی الرحمه ثم صلوا اخبارة الغائب

قلت فی عام سه باخلاص
دخل الجنة میاں صاحب

من رحلة سیدی نذیر القمقام ۱۳۲۰ھ علیها دوامع ودمعی قد دام
ارخت لعامه بقلب حزن قد مات محدث امام علام
توفی هادی الناس مجتهد حبر قضی نحبه هادی البریة عاید
عام الوفاة اتی لی ملتجاء بجا رضی الاله عن الامام مجاهد

قطعۂ تاریخ از آغا سنجر طہرانی

ای دریغا محدث دہلی - سید قوم و عالم و فاضل - حضرت مولوی نذیر حسین - شد بنزم وصال حق واصل کشتی عمر رست از طوفاں - بسلامت رسید بر ساحل - ہم بہ منزل رساند بارے را - کہ بیک عمر بودیش حامل کرد جا در حریم قرب الہ - کش بُد از جان و ہم ز دل مائل - شد بہ بزم وصال لم یزلی - اجار شاد و نشد باطل گشت با شوق باقی باسر - شد چو نقش فنا از و زائل - نقش امکاں ز لوح ہستی شست پس بہ بزم وجوب شد قابل - تا ز خود رست با خدا پیوست - آں خدا جوے عالم عامل عین معشوق گشت تا بر خاست - آنچہ می بود درمیاں حائل چشم بد دور ای تعالی اللہ جوہر جاں شد و چکیدۂ دل - بندۂ خاص کبریا امروز - شد بالطاف کبریا نائل از مجوہر[1] بجوے سال وفات - سنجر ای مرد زیرک و عاقل - سال تاریخ آں مجستہ خصال - مرا زیں شعر می شود حاصل - مرد والا گہر نذیر حسین - عالم با محدث کامل -

۹۲۰
۵۰۰

[1] مجوہر سے مراد حروف منقوطہ ہیں - ن ذ ی ی ن ث - ۱۲

از مولوی سید جمیل احمد سہسوانی

دریغ رحلت شیخ زماں نذیر حسین　　کہ جس کی ذات سے روشن تھا نام علم حدیث
کیا زمانے کو علم حدیث سے روشن　　زمین پر تھے وہ ماہ تمام علم حدیث
ہزاروں ہند میں گزرے حدیث داں لیکن　　انھیں کے حصہ میں تھا فیض عام علم حدیث
جہاں کو مست کیا اتباع سنت کا　　پلا کے کیف سے لبریز جام علم حدیث
حدیث پڑھنے کو آتے تھے دور دور سے لوگ　　ہزاروں کر گئے آکر تمام علم حدیث
فقیہ و فلسفی و منطقی زمانے کے　　ہوئے سب ان کی بدولت غلام علم حدیث
انھیں کی ذات سے شہرت تھی اس کو شہر بشہر　　انھیں کے دم سے تھی دلی مقام علم حدیث
الٰہی ان پر ہیں تیری رحمتیں نازل　　ہے اہل شرع میں تا احترام علم حدیث

جمیل ورد زباں رات دن ہے یہ تاریخ
جہاں سے اُٹھ گیا اچھا امام علم حدیث

۱۳۲۰ھ

سزد بماتم شیخ جہاں نذیر حسین　　سرشک خوں بفشانند گر صغار و کبار
یتیم شد ز وفاتش دریغ علم حدیث　　ز رحلتش فن تفسیر حیف شد بے یار
اصول و فقہ فغاں می زنند در غم او　　بسان بلبل شیدا بہ ہجر فصل بہار

نوشت نکہت محزوں دعائیہ تاریخ
بود جلیس بخاری و مسلم و بزار

۱۳۲۰ھ

جان کھو کر کیوں نہ روئیں اہل دیں　　آج تک دیکھی نہیں اس غم کی موت
کون ہے جس کو نہیں سوہان روح　　نائب فخر بنی آدم کی موت

ورد خلقت ہے یہ تاریخ وکیل
موت اس عالم کی ہے عالم کی موت

چو شد بخلد رواں شیخ کل نذیر حسین　　بعلم و فضل ز اہل زمانہ بردہ سبق
لیغفر از پے سال رحیل او گفتم　　لیغفر است بہ پس ماندگاں اشا حق
۱۳۲۰ھ　　۱۳۲۰ھ

سال رحلت کہا یہ تمکیں نے	بجھ گیا اب چراغ دہلی کا
قدمات محدث امام علام	۱۳۲۰ھ
۱۳۲۰ھ	رحلت جناب سید محدث
	۱۳۲۰ھ
انتقال امام و محدث زماں	رفت اے وائے محدث دہلوی
۱۳۲۰ سیدی جناب محمد نذیر حسین	۱۳۲۰ محدث مکمل محقق نقیبر
۱۳۲۰ھ	۱۳۲۰ھ

مولانا سید نذیر حسین صاحب قبلہ کا بہت مختصر حال ہم نے لکھا ہے۔ گنجایش مانع طوالت ہے۔ جن صاحبوں کو اس علامۂ دہر کے مفصل حالات دیکھنے کا شوق ہو وہ **الحیاۃ بعد المماۃ** مصنفہ **فضل حسین** صاحب مظفرپور صوبۂ بہار ملاحظہ فرمائیں۔ یہ کتاب بڑی کاوش و تفتیش سے لکھی گئی ہے جس میں میاں صاحب کی لائف کے ہر پہلو پر عمدگی سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ علاوہ اس کے ایک اور مختصر سوانح عمری **حسرۃ العالم بوفاۃ محدث العالم** بھی ہے جس کو مولوی سید محمد عبدالرؤف صاحب نے چھپوایا ہے جو نواسے ہیں مولوی سید شریف حسین صاحب ابن مولانا شیخ مرحوم کے۔

مولوی حفیظ اللہ خاں صاحب

مولوی صاحب موصوف حبش خاں کے پھاٹک کی سرس والی گلی میں رہتے ہیں۔ مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کے سمدھی تھے یعنی مولوی شریف حسین صاحب مرحوم کے خسر تھے۔ آپ کے والد کا نام **گاماں خاں** تھا۔ آپ کی ولادت کی تاریخ معلوم نہیں ۳ر رمضان ۱۳۲۴ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کے والد ماجد مولانا شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی کے مرید تھے۔ آپ نے نو برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔ ایک روز کسی موقع پر مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی آپ کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ میاں قرآن شریف کا کوئی رکوع سناؤ۔ آپ کے والد نے کہا کہ حضور جہاں سے آپ فرمائیں میں سنائے۔ مولانا شہید نے ایک مشکل رکوع جہاں بہت متشابہ تھے بتایا تو

آپ نے بالکل صحیح پڑھ کر سنایا۔ مولٰنا شہید خوش ہوئے اور گلے لگا کر خوب بھینچا اور دعا کی آخر نوبت بہ ایں جا رسید کہ آپ عالم جید اور ایک بے نظیر واعظ ہوئے۔ آپ نے بعد حفظ قرآن مجید کے کچھ کتابیں مولوی عبد الخالق صاحب خسر مولوی نذیر حسین صاحب سے پڑھیں۔ اور کچھ شاہ اسحاق صاحب دہلوی سے بھی پڑھیں اور آخر میں فقہ۔ تفسیر اور حدیث شیخ الکل حضرت میاں صاحب (مولوی نذیر حسین صاحب) سے پڑھی اور سند حاصل کی۔ اس زمانے میں دلی میں بڑے نامور واعظ دو ہی تھے احناف میں مولوی عبد الرب صاحب اور اہل حدیث میں آپ۔ آپ کا وعظ عالمانہ اور بڑا پُر تاثیر تھا یہ معلوم ہوتا تھا کہ قرآن و حدیث کا دریا بہ رہا ہے یا یوں کہیے کہ سمندر میں سے دُر بے بہا نکال کر سامعین کے سامنے بکھیر رہے ہیں۔ خاکسار اپنی خوش نصیبی سے دونوں صاحبوں کی مجالس وعظ میں بارہا حاضر رہا ہے۔ واقعی بات اور حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ دونوں صاحب اپنی اپنی جگہ لاجواب تھے۔ ان صاحبوں کی زبان میں ایک ایسا اثر تھا کہ لوگوں کے دل اپنے قابو میں کر لیتے تھے اور بھٹکے ہوؤں کو راہ راست پر لگا دیتے تھے۔ حافظہ اور سلسلہ سخن کا یہ حال تھا کہ بحر متواج لہریں مار رہا ہے۔ آمد تھی آورد نہ تھی۔ تقریر اور طرز بیان ایسا شستہ اور مسلسل کہ مضامین اُمڈے چلے آتے تھے۔ تامل۔ غور۔ کی ضرورت نہ تھی۔ نہر سعادت خاں پر آپ کے والد ماجد نے ایک مسجد آباد کی تھی جس کے نیچے نہر جاری تھی اور اوپر مسجد تھی اور اُسی کے ساتھ ایک پُر فضا کمرہ بھی تھا۔ مسجد میں ایک شیریں اور ٹھنڈا کنواں تھا اُس پر درختوں کا گھنا سایہ دلی کی گرمیوں میں یہ جگہ بلا مبالغہ جنت کا ایک ٹکڑا معلوم دیتا تھا۔ ہر دوشنبہ کو صبح کو آپ کا وعظ اُسی مسجد میں ہوتا تھا۔ مسجد کھچا کھچ لوگوں سے بھر جاتی تھی۔ دربار شاہی میں بھی آپ کی بڑی توقیر و احترام تھا لال قلعے سے ہمیشہ پالکی آپ کے لیئے آیا کرتی تھی اور قلعے کے شاہی محلات میں آپ کا وعظ ہوا کرتا تھا۔ بہادر شاہ بادشاہ آپ کی بہت وقعت اور تعظیم کرتے تھے اور تحفہ تحائف بھی بھیجا کرتے تھے اور خلا ملا تھا۔ آپ نے کچھ بیٹے

اور چار بیٹیاں چھوڑیں جن میں سے اب صرف دو بیٹے ہیں اور ایک بیٹی جو مولوی شریف حسین صاحب مرحوم کی زوجہ ہیں غرض آپ کا دم غنیمت تھا اور پرانے لوگوں کی طرح اپنی وضع کے بڑے پکے اور سادی وضع کے بزرگ تھے۔ آپ بھی میاں صاحب کے ساتھ شیدی پورے کے قبرستان میں آسودہ ہیں۔ سمدھی سمدھی دنیا میں بھی ساتھ ساتھ تھے وفات کے بعد بھی ساتھ ہیں۔ افسوس ہے کہ آپ کے صاحبزادوں میں سے کسی نے باپ کی جگہ نہ سنبھالی اور یہ فیض کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کو بند ہوگیا ؎

میراث پدر خواہی علم پدر آموز
کیں مال پدر خرچ تواں کرد بدہ روز

کھاری باؤلی کے بازار کا داہنا رخ ختم ہوا۔ **بائیں طرف** بنگش کی سرائے وہ باؤلی جس کے نام سے یہ بازار مشہور ہے۔ گلی بتاشاں۔ بازار نئے بانس کا شمالی آخری سرا۔ اس کے آگے کٹڑہ فضل عظیم چھپرے والے۔ لاہوری دروازہ جہاں سے فصیلوں میں رستہ جاتا ہے اور اب بیرون شہر صدر بازار وغیرہ ہے جس کا بیان علیحدہ کیا جائے گا۔

سرائے بنگش مسجد فتح پوری کے قریب۔ دورِ آخری مغلیہ۔ لالہ نراین داس کے قبضے میں ہے۔ اب سرا کا کام نہیں دیتی بلکہ اس میں مختلف قسم کی دکانیں۔ اناج کی آڑھتیں لگ گئی ہیں۔ لوگوں نے مال گودام بنا لیئے ہیں۔ اس کا دروازہ جو لب سڑک بازار کھاری باؤلی میں ہے بہت عالی شان ہے یہ دروازہ کا ہے کو ہے بجائے خود ایک عمارت ہے جس کے آگے ہشت پہل صحن ہے۔ بنگش کا حال بنگش کے کمرے کے بیان میں دیکھو۔

کھاری باؤلی سنہ ۹۵۳ھ ۱۵۴۵ء کوچۂ نواب مرزا میں جو قدیم مسجد شیر شاہ کے زمانے کی بنی ہوئی ہے (۹۴۵-۹۵۲ھ ۱۵۳۹-۱۵۴۵ء) اس کے احاطے کی شمالی دیوار سے ملی ہوئی یہ باؤلی تھی جو اب

دب گئی اور دکانوں میں دب گئی لیکن اُس کا پتہ اور نشان بلکہ باؤلی کی صورت بھی اب تک معلوم دیتی ہے یہ باؤلی بہت قدیم اور شاہ جہاں آبادی کی آبادی سے بہت پہلے کی ہے یعنی ۹۵۲ھ ۱۵۴۵ء عہد اسلام شاہ بن شیر شاہ میں عماد الملک خواجہ عبداللہ نے ایک کنواں بنایا تھا چھ برس بعد یعنی ۹۵۸ھ ۱۵۵۱ء میں اس کنوئیں کو باؤلی بنا دیا۔ جب شاہ جہاں نے شہر بسایا تو یہ باؤلی بھی شہر میں آگئی۔ اب یہاں بازار کے علاوہ بہت سے مکانات بن گئے ہیں اور یہ دلی کا ایک مشہور محلہ ہوگیا ہے۔ اس باؤلی پر حسب ذیل کتبے تھے:

کتبۂ دروازہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ یا اللہ

کتبۂ اندرونی پیشانی چوکھٹ یہ کتبہ برابر پڑھا نہیں جاتا ہے جو الفاظ پڑھے نہیں گئے وہ بعینہٖ نقل کردیئے گئے۔ پہلے کتبے میں لاور ہے اور دوسرے میں لاذر۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و به باشنفنے رب لعونت تمام شد این باوری وچاہ درماہ رمضان سنہ نهصد و پنجاہ وہشت ہجری بروح محمد مصطفیٰ رسول درگاہ حضرة الدوله درزمان عادل اسلام شاہ بن شیر شاہ بناکردہ کارکردیں از جلہ بشے خواجہ عماد الملک عرف عبداللہ لاور قریشی بندگان کن باوری آمیدوار عنایت و مرحمتک گردد باین سرے بالتلک۔

کتبۂ دیوار شمالی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

در عہد زمان سلطان السلاطین ابو المظفر اسلام شاہ بن شیر شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ و سلطانہ بناکرد این چاہ بتوفیق بروح رسول اللہ ملک عماد الملک عرف خواجہ عبداللہ لاذر قریشی مدار الملک حضرت دہلی فی سنۃ اثنین و خمسین و تسعمائۃ۔

گلی بتاشاں (کلاں) اس گلی کے دوسرے سرے پر ہیں شمالی رخ کھاری باؤلی میں ہے اور جنوبی سرے بانس میں۔ اس میں اچار والے کھانڈ والے بیٹھتے ہیں۔ چوں کہ مٹھائی کے کھلونے اور بتاشے کثرت سے

بنتے ہیں اسی وجہ سے بتاشوں کی گلی کہلاتی ہے۔ اس میں سے اگر کھاری باؤلی کی طرف سے آئیں تو داہنے ہاتھ کو گلی بتاشاں خورد ہے جس کا دوسرا سرا مئے بانس میں جا نکلا ہے اور بائیں ہاتھ کو کوچۂ نواب مرزا ہے جس کا دوسرا رستہ گلی کلالاں پر سے ہوتا ہوا بڑیوں کے کٹڑے میں جا نکلا ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب

به ابرِ ہندیِ تیزی دہد به آبِ سخن
ز تیغِ مصریِ گوہر دہد زکانِ بیاں

به نثر داغ نہد بر جبینِ نظمِ حریر
به نظم باج ستاند ز گفتۂ سحباں

خرد پناہ فروزانہ کہ در آفاق
چنیں یگانہ نیا مدپس از ہزار قراں

چناں نگارِ سخن را بدانش آرا ید
کز نوکِ خامۂ معنی رخِ نگارستاں

کوچۂ نواب مرزا ہی میں جناب خان بہادر شمس العلماء ڈاکٹر مولوی حافظ محمد نذیر احمد صاحب مرحوم و مغفور ایل ایل ڈی۔ ڈی او ایل کا دولت خانہ ہے۔ جو دلی کے مشاہیر میں سے تھے۔ آپ کے مفصل حالات جس کسی کو دیکھنا ہو حیات النذیر ملاحظہ فرمائیں۔ مختصر یہ ہے کہ ۲۳ رجادی الاولی ۱۲۵۲ھ ۶ دسمبر ۱۸۳۶ء میں پیدا ہوئے اصلی وطن بجنور تھا۔ بچپن سے تحصیل علم کا شوق تھا۔ پہلے جناب مولوی نصر اللہ خاں خورجوی سے جو بجنور میں ڈپٹی کلکٹر تھے عربی پڑھتے رہے بعد ۱۸۴۸ء میں دہلی آئے اور پنجابی کٹڑے کی مسجد میں مولوی عبد الخالق صاحب کے پاس پڑھتے رہے پھر دلی کالج میں داخل ہو کر تکمیل علوم کی۔ گجرات میں مدرس ہوئے پھر الٰہ آباد میں سب انسپکٹر مدارس اور کانپور ضلع میں تحصیلدار بعد مدتوں ڈپٹی کلکٹر رہے اور آخر کار ریاست حیدرآباد دکن میں کمشنر اور بورڈ آف رونیو کے عہدہ جلیلہ سے پنشن لے کر خانہ نشین ہوئے اور تیس سال برابر پنشن سے مستفید ہوتے رہے اور ۱۵ رجادی الاولی سنہ ۱۳۳۱ھ روز جمعہ کو اس جہان فانی سے ملک جاودانی کو سدھارے ۳ مئی ۱۹۱۲ء ملازمت کی حالت میں سب سے پہلے مجموعہ تعزیرات ہند کا ایسا بے نظیر ترجمہ کیا جو آج تک مسلم و مستند اور مروج و معمول ہے

شمس العلماء ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل - ایل - ڈی ڈی - او - ایل

مطبوعہ انڈین پریس دہلی

اسی کے صلے میں ایک طلائی گھڑی اور ڈپٹی کلکٹری ملی۔ سر ولیم میور صاحب بالقابہ لفٹنٹ گورنر ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کے عہد میں مراۃ العروس۔ بنات النعش۔ توبۃ النصوح۔ مبادی الحکمت وغیرہ کتب لکھ کر ہزار ہا روپیہ اور ایک بیش قیمت ٹیم پیس گورنمنٹ سے انعام پایا اور علمی دنیا میں شہرت لازوال حاصل کی۔ خانہ نشینی کے بعد بھی کئی کتابیں مثل ابن الوقت۔ محصنات۔ رویائے صادقہ۔ ایامیٰ وغیرہ کے لکھیں۔ پھر اس کوچے کو چھوڑ دینیات کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوئے۔ سالہا سال کی محنت شاقہ کے بعد کلام مجید کا بے نظیر اردو ترجمہ کیا جو ہندوستان بھر میں مقبول خاص و عام ہوا خدا کرے کہ جس کا کلام پاک ہے اس کی بارگاہ اقدس میں بھی مقبول ہو۔ الحقوق والفرائض کے تین حصے۔ اجتہاد یہ سب مذہبی کتابیں لکھیں۔ سر سید کے ساتھ لکچر دینے شروع کئے انجمن حمایت الاسلام مدرسۂ طبیہ دہلی ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ جلسوں میں جاتے اور اپنے پرزور اور لاجواب بیان سے فیض عام پہنچاتے چنانچہ چالیس لکچروں کا ضخیم مجموعہ دو جلدوں میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ گھر بیٹھے شمس العلماء ایل ایل ڈی۔ ڈاکٹر اول ہوئے۔ جہاں یہ سب عروج ہوا وہاں چاند کو ایک داغ بھی لگا کہ اُمّہات الاُمّہ کا قضیہ نامرضیہ پیش آیا جس کے سبب سے اواخر عمر میں لکچر دینا بالکل ترک کر دیا۔ اُمہات الامۃ کے مندرجہ واقعات سے تو کسی کو انکار ہو نہیں سکتا تھا لیکن طرز عبارت پر اعتراض تھا جس کو حاسدین اور مخالفین نے نمک مرچ لگا کر میں کا بیل بنا دیا۔ کفر کا فتویٰ دیا ؎

یک مومن با صفا و دہم کافر
پس در ہمہ ملک یک مسلماں نبود

جو گروہ علماء کا معراج الکمال ہے۔ بڑے بڑے بزرگان دین پر کفر کے فتوے ہوئے قید کئے گئے۔ دار پہ کھینچے گئے کوڑے لگائے گئے۔ حتیٰ کہ قتل کئے گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خوارج کیا کہتے ہیں۔ حضرت ذو النون مصری حسین ابن حلاج (منصور)۔ حضرت جنید بغدادی۔ حضرت امام غزالی۔

مولانا شاہ ولی اللہ صاحب سرسید احمد خاں - شمس العلماء مولوی سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی - مولانا اشرف علی صاحب تھانوی - غرض اسی طرح ساٹھ سے اوپر بزرگان اور اکابرین دین کے ناموں کی فہرست میرے پاس موجود ہے جو کافر اور مرتد ٹھیرائے گئے تو بے چارہ نذیر احمد کس شمار قطار میں تھا۔ اگر ان میں سے کسی ایک کا فر (نقل کفر نباشد) کے ساتھ بھی نذیر احمد کا حشر ہو جائے تو یہ فتوائے کفر يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي [51] کا فرمان خداوندی ہو جائے ندوۃ العلماء کا سالانہ اجلاس مارچ ۱۹۱۰ء میں دلی میں ہوا تھا اور جناب نواب سراج الدین خاں صاحب سائل نے ایک نظم لکھی تھی مگر عین وقت پر اُن کو پڑھنے سے بہ حکمت عملی باز رکھا گیا اب ہم چند بند اس کے جو امہات الامہ سے متعلق ہیں لکھ دیتے ہیں اہل انصاف ملاحظہ فرمالیں - میں چونکہ مرحوم کا بیٹا ہوں ایک امر مابہ النزاع میں میرا کچھ لکھنا باپ کی حمایت پر محمول ہوگا حالانکہ راستی موجب رضائے خدا ست باپ ہو یا کوئی ہو حق بات نگی نہیں جا سکتی لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ [52]۔

دسمبر میں سنا تھا ندوہ بھی دلی میں آئے گا
کوئی بنیاد ڈالے گا کوئی تعمیر ڈھائے گا
غرض چرچے پڑے کانوں میں اس کی آمد آمد کے
بہت سے ہمتم تائید کے دیکھے بہت روتے
یہاں ندوہ جو آیا ہے بتادوں کس طرح آیا
کیا تھا بانچ دل کھول کے دعوت کے لئے ایما
تھی خدمت اہل دیں کا مدعا بالطن کچھ منشا
صراحت جو نظم ونثر میں ہو جائے گا افشا

تمامی اہل ندوہ کو توجہ چاہیئے اس پر
وگرنہ ابتری کا مرتبہ ہو جائے گا بد تر

حسد کی آگ بھڑکی ہے جہان آباد میں ایسی
بپا آفت ہوئی کوئی نہ مہری یاد میں ایسی
نہ دوری آنکھ نے دیکھی کبھی ابعاد میں ایسی
نہ ضد ثابت ہوئی باہم کبھی اضداد میں ایسی

---

[51] اے روح کو خدا کی طرف سے اطمینان وتسلی ہو اُس سے کہا جائے گا) اے روح مطمئن اپنے پروردگار کی طرف چل تو اُس سے راضی (اور) وہ تجھ سے راضی۔ پھر (خدا اُس کو حکم دے گا کہ) ہمارے (خاص) بندوں میں جا مل اور ہماری بہشت میں جا داخل ہو۔

[52] ہم کو ہمارے عمل تم کو تمہارے عمل - ۱۲

فسادوں نے نفاقوں سے کمر باندھی ہے غارت پر
یہ غارت گر پڑے ہیں ٹوٹ کر دیں کی عمارت پر

فساد اب دین کے دُنیا میں بھی ہونے لگے برپا — کہ عالم عالموں پر دے رہے ہیں کفر کا فتویٰ
پھر ایسے اشتلم میں مقتدیوں کا ٹھکانا کیا — کسے یہ راست گو سمجھیں کسے جانیں ہیں جھوٹا

اصولِ دین میں افراطاً فروعِ دیں تو تھے داخل
مگر ایجادِ ذاتی نے کیئے اغراض بھی شامل

اگرچہ ندوہ کو ایسے قضایا سے نہیں مطلب — مگر کیا لطفی کا بھی نہیں ہے یاد کوئی ڈھب
زباں سے لا ابالی کہنے کا بھی حاصل نہیں منصب — فقط یہ دیکھنے ہی دیکھنے کے مولوی ہیں سب

تمہارا مدعا تعلیم ہے تعلیم میں دیں ہے
نصابوں میں کہیں بغض و حسد یا فتنہ کیں ہے

نذیر احمد ایل ایل ڈی پہ چلا ہے کفر کا خنجر — ہے اس کا سو لسو چرچا ہے اس کا شور و غل گھر گھر
کسی ملا نے مفتی سے کبھی پوچھا بھی گھر جا کر — قدم کیوں دین کی حد سے نکالا آپ نے باہر

اگر سہواً خطا یہ ہو گئی ہے توبہ کر لیجئے
وگرنہ بحث سے تسکینِ اطمینان کر دیجے

فقط عبدالاحد[1] نے حاذق[2] دوراں سے باتیں کیں — نتیجہ یہ ہوا وہ موجبِ فتنہ کتابیں لیں
نہیں تصدیق کرتے یہ نہیں دیں یا انہوں نے دیں — اسی تصنیف پر بس تہمتیں تکفیر کی سب تھیں

پھر اس پر احتیاطاً مولوی صاحب نے توبہ کی
مگر تکفیر باقی ہے اس صورت سے جیسی تھی

ہوا اعلاں نہ اس فتوے کی صورت اُن کی توبہ کا — جناب مولوی عبدالاحد نے کیا کیا بدلا
جو کچھ وعدہ کیا تھا اُس کا ہونا چاہیئے ایفا — وہی انساں ہے جو ہو اقرار کا پورا

نذیر احمد کو صدمہ کیوں نہ ہوگا اس تغافل سے
علاقہ کیا تھا ایسے کام میں نکس و قلاں سے

اسی کے تحت میں نقصاں ہے اک بھاری خلائق کا — کہ بالکل درس ہے موقوف ایسے مردِ فائق کا
ہے دل دکھا ہوا اس ایل ایل ڈی جیسے لائق کا — لحاظ و پاس رکھنا چاہیئے رسم و علائق کا

[1] مولوی عبدالاحد صاحب مالک مطبع مجتبائی۔ [2] حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب حاذق الملک بہادر ۱۲

کسی صورت سے یہ الجھن سلجھ جائے تو اچھا ہی
مرے نزدیک اس میں دیر جتنی ہو وبے جا ہی

شکایت کا فسانہ تابکی ندوے سے کہنا ہی | کہاں تک مبتلا اس ابتلا میں تم کو رکھنا ہی
عذاب اس قسم کا تا زیست مردوں کو سہنا ہی | جو رسوائی کا دھبہ تھا وہ دیں داروں کا گہنا ہی

کلہاڑی مارتے ہیں پاؤں پر یہ اپنے ہاتھوں سے
رہے جاتے ہیں ندوے کے مطالب ایسی باتوں سے

مخالفین نے کتاب کو جلوا دیا جب بھی کلیجے میں ٹھنڈک نہ پڑی۔ مرحوم کی وفات پر سارے ملک ہندوستان میں رنج و افسوس کا اظہار کیا گیا اخباروں میں کالم کے کالم نکلے۔ انجمنوں نے جلسے کرکے تعزیت کے رزولیوشن پاس کیئے۔ سینکڑوں تاریخیں وفات کی ہوئیں اُن میں سے صرف چند تاریخیں یہاں لکھی جاتی ہیں۔ آپ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں اندرون احاطہ آسودہ ہیں اور لوح مزار پر یہ دو تاریخیں کندہ ہیں۔

عربی

فجع الوری موت الادیب الفاضل | وھو المحقق للخفی و للجلی
قال الولا تاریخہ بیداھۃ | وصل الذین یا احمد ھوالعلی

۱۳۳۰ھ

فارسی

علامۂ دیں نذیر احمد | بُد رحمت کبریا حیاتش
خواجہ زِ سِشیر گفتہ برخواں | واغفرالہٰی سن وفاتش

۱۳۳۰ھ

اور چند مادّے یہ ہیں :-

(۱) سرِ ایمان وقلب دیں بریدہ | رفعتاً ذکرِ لک آمد وفاتش
(۲) سرِ اصلاح قومی حیف رفتہ | ھو خبر نوا بًا الیٰ اللہ اسال حلت
(۳) سالِ وفات از سرِ ویاے کتاب | انی لکم منہ نذیر مبین

۱۳۳۰ھ

(۴) لا بوبی اغفر

۱۳۳۰ھ

(۵) کرچکے نقل مکاں شور ہے اکبرتہ خاک | ہوچکی منزلِ اول ارم پاک کی طے
اس پہ اب فاتحہ پڑھ سال و نشاں چھوڑ لطیف | کس کو معلوم نہیں قبر نذیر احمد ہے

۱۳۳۰ھ

(۵) جب آئیں تو کچھ درود پڑھ کر جائیں
ملحوظ رہے لطیفہ یہ مصرعۂ سال
(۶) لطیف ازپئ تام نشان کلِ رحیل
(۷) آه از مرگ نذیر احمد کہ او
بذلہ گو نکتہ سخن و خوش بیاں
معنی قرآں بہ تفصیلے نوشت
زیست کرد یک چوں فرزانگاں
پانزدہ روز از جمادی آخر
عصر ایں جاکرد و مغرب در جناں
چوں بہ یوم جمعہ رحلت یافتہ
(۸) داغ دین نبی ۱۳۳۰ھ

حق ہے مسلمانوں پر اس تربت کا
دفن ہے مولوی نذیر احمد کا
ہمیں بس است - مزار نذیر احمد خاں ۱۳۳۰ھ
نیک خصلت بود و خوش افعال ہم ۱۳۳۰ھ
سر برآوردہ بہ قیل و قال ہم
بود آساں پیش او اشکال ہم
در نگاہش بود قدر مال ہم
ماند با اہل جہاں خوش حال ہم
ہست فرخ بنگر و اعمال ہم
دال بر مغفور آمد سال ہم ۱۳۳۰ھ
(طالب دہلوی)

کشمیری دروازے سے لوتھین روڈ پر سے ریل کے پل (لوتھین برج) تک

کشمیری دروازہ
۳۹-۱۶۳۸ء

شہر میں داخل ہونے کا شمالی دروازہ۔ شاہ جہاں کے وقت کا بنا ہوا ہے۔ چوں کہ اس دروازے پر غدر میں بہت بڑا معرکہ رہا لہٰذا بطور یادگار جوں کا توں برقرار رکھا ہے کیوں کہ گولوں کی مار سے فصیل اور دروازے کا کنگورا چھلنی ہو گیا ہے۔ یہ دروازہ دو دروں کا یعنی ڈبل ہے۔ ایک محراب میں سے لوگ داخل ہوتے ہیں اور دوسری میں سے باہر نکلتے ہیں۔ یہاں ایک پتھر کی بڑی سل پر دونوں محرابوں کے بیچ کے پاکھے کی دیوار پر یہ کتبہ ہے:-

On the 14th September 1857 the British force stormed Delhi. It was after sunrise on Thursday that this undermentioned party advancing from Ludlow Castle in the face of a heavy fire and crossing the bridge which had been

almost totally destroyed, lodged powder bags against and blew in the right leaf of the gate, thus opening the way for the assaulting Column.

Lieutenant Duncan Home	Bengal Engineers
" Philip Salkeld	" " Mortally wounded
Sergeant John Smith	Bengal Sappers ...
" A. B. Carmicheal	and ... Killed
Corporal F. Burgess	Miners ... Killed
Bugler Hawthorne	(52nd foot)
Soobadar Toola Ram	Bengal Sappers
Jemadar Bis Ram	and
Havildar Madhoo	Miners ... Wounded
Tilok Singh	... Mortally Wounded
Sepoy Ram Heth	... ... Killed

This memorial is placed here as a tribute of respect to these gallant soldiers by General Lord Napier of Magdala Colonel Royal Engineers and Commander-in-Chief in India 1876.

— ooo —

ترجمہ - ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو افواج انگریزی نے دہلی پر حملہ کیا۔ اس دن طلوع آفتاب کے بعد مصرحۂ ذیل پارٹی لڑ و کیل سے ایک شدید گولہ باری کا مقابلہ کرتے ہوئے اس پل پر سے جو بالکل برباد کر دیا تھا عبور کر کے بارود کے تھیلے دروازے کے سامنے جما کر اس کا دروازہ کا داہنا پٹ اڑا کر حملہ آور پارٹی کے لیئے رستہ کھول دیا۔

لفٹننٹ ڈنکن ہوم	انجنیر بنگال	
فلپ سالکلڈ	ایضاً	سخت مجروح
سارجنٹ جان سمتھ	بنگال سیپرز	مقتول
سارجنٹ اے بی کارمکایل	”	مقتول
کارپورل ایف برجس	مینرز	مقتول
بگلر ہاتھورن	(۵۲) پیدل	
صوبیدار تلارم	بنگال سیپرز	زخمی
جمعدار بسرام		
حوالدار مادھو	”	زخمی
حوالدار تلوک سنگھ		مہلک طور پر زخمی
سپاہی رام ہیتھ	مینرز	مقتول

یہ یادگار بطور فریضۂ تعظیمی ان بہادر سپاہیوں کے جنرل لارڈ نیپیر آف میگڈالا کے-سی-بی رائل انجنیرز و سپہ سالار افواج ہند نے سنہ ۱۸۷۶ء میں نصب کی - کشمیری دروازے سے بائیں ہاتھ کو جو سڑک چلی گئی ہی وہ کچہریوں کی طرف جاتی ہی ضلع کی ساری کچہریاں اسی جگہ ہیں جن میں سے ایک وسیع قطعہ گھرا ہوا ہی - کشمیری دروازے ایک سڑک سیدھی لوتھین برج تک چلی گئی ہی یہ لوتھین روڈ کہلاتی ہی اور اس پر کشمیری دروازے کے متصل دو طرفہ یورپین سوداگروں کی بہت سی دکانیں ہیں اور جو دوسری عمارات ہیں اُن سب کی تفصیل حسب ذیل ہی - **داہنی طرف** - میوزیم آف انڈین آرٹس - کنگ کنگ اینڈ کو - رینکن اینڈ کو سنہ ۷۲ء - میڈم کلیر زنانہ درزی - دہلی موٹر اینڈ انجنیرنگ کمپنی - رام چندر اینڈ سنز خیاط - ڈاکٹر سمتھ دنداں ساز - پیارے لال اینڈ سنز موٹر انجنیرز - حسین بخش اینڈ کو مالک الیثریم ہوٹل دہلی و شملہ - ایس عبدالغنی سیکل سٹور و ساز و سامان چرمی دہلی اور میرٹھ - الیثوری پرشاد اینڈ کو موٹر اینڈ سیکل فروشندہ - نجارا ہوس - گک اینڈ موڈی مصور - گوپی ناتھ نیلام والے - ٹی آر پیٹ گارج (کارخانہ موٹر) **بائیں طرف** - ای بلومر اینڈ کو

گرجا گھر
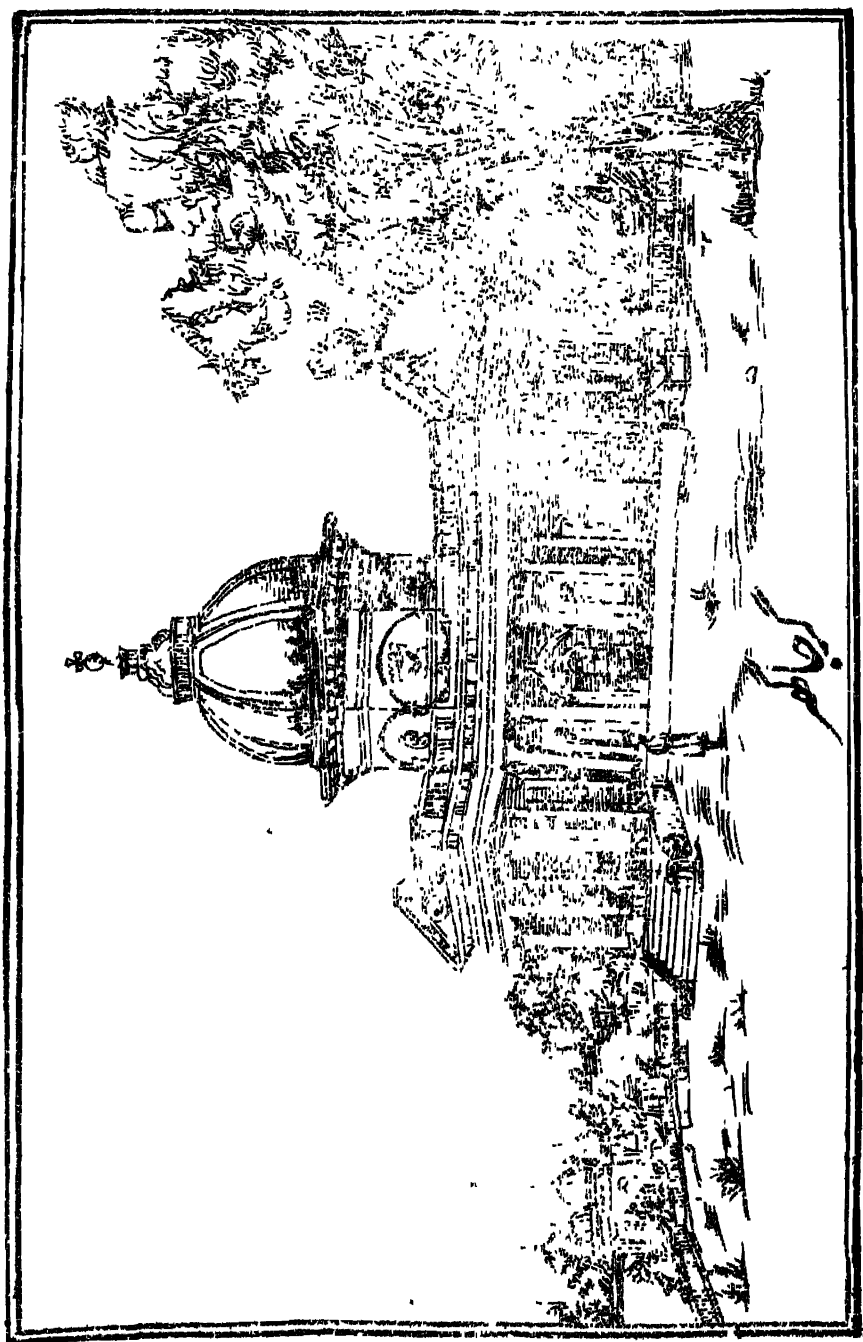
سے لڑنے کو کھڑے ہوئے تو سکنر صاحب ان کی نوکری چھوڑ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں آگئے اور یہاں اُنھوں نے ایک رجمنٹ سواروں کی کھڑی کی جو سکنر صاحب کے رسالے کے نام سے آج تک مشہور ہی۔ جب سکنر صاحب بھرت پور کی لڑائی میں سخت زخمی ہوئے تو اُنھوں نے منت مانی تھی چنانچہ اُنھوں نے یہ گرجا ۱۸۲۶ء میں بنوانا شروع کیا جو دس برس میں بن کر تیار ہوا۔ اس کی تعمیر میں نوّے ہزار روپیہ خرچ ہوا یہ سارے کا سارا روپیہ جیمس سکنر صاحب نے اپنی جیب خاص سے دیا۔ بعد ان کے ان کی اولاد نے اس گرجا میں بہت کچھ صرف کیا۔ یہ عالی شان عمارت دو بنگالی انجنیروں کی عقل رسا کا نمونہ ہی۔ میجر رابرٹ سمتھ نے بنیاد سے لے کر کارنس تک بنایا اور کپتان ڈی بوڈی Captain De Bude نے باقی ماندہ کام پورا کیا۔ یہ عمارت بہت خوش قطع اور شان دار ہی گنبد کمر کی ہی جس پر سنہری صلیب ہی۔ کمروں میں سنگ مرمر کا فرش ہی۔ غدر کی گولہ باری سے خاص کر اس وجہ سے کہ کشمیری دروازے کے نزدیک تھا گرجا کے گنبد کو بہت صدمہ پہنچا۔ یوں تو کئی گولے اس پر گرے مگر ایک گولہ عین گنبد پہ پڑا اور گنبد کو توڑ دیا چنانچہ ۱۸۶۵ء میں اس کی درستی کرادی گئی اور چھت میں لوہے کے گرڈر جب ہی ڈالے گئے۔ غدر میں گرجا کے گنبد پر بجائے کلس کے ایک بڑا بھاری گولہ تانبے کے پتر کا تھا اور اُس پر صلیب بنی ہوئی تھی اُس کا تو گولیوں سے ستھراؤ کر دیا ناچار اُسے اُتارنا پڑا اور اُس کی جگہ دوسرا گولہ چڑھا دیا گیا۔ یہ گولہ اب گرجا کے صحن میں ایک چبوترے پر بطور یادگار کے رکھدیا گیا ہی جس میں (۷۹) سوراخ گولیوں کے ہیں اور صلیب میں (۱۳) سوراخ پڑے ہوے ہیں۔ اس چبوترے پر یہ کتبہ بخط انگریزی لگا ہوا ہی:

پہلا کتبہ

This Cross Ball which formerly crowned the adjacent church remained unmoved throughout the stress and storm of the seige of Delhi.

When the Church was repaired they were removed and placed here in 1883, by the Rev: H. W. Griffith, M. A. Chaplain.

(ترجمہ) یہ صلیب اور گولہ جو پہلے ملحقہ گرجا کی چوٹی پر تھا۔ دلی کے محاصرے کے سارے شدید طوفان کے زمانے میں اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔ گرجا کی مرمت کے وقت ۱۸۸۳ء میں انھیں ریورنڈ۔ ایچ۔ ڈبلیو گریفتھ صاحب ایم۔ اے پادری نے یہاں اُتروا کر رکھوا دیا۔

دوسرا کتبہ جو گرجا کے ایک دروازے کے روکار پر ہے:-

The peal of 4 Bells in this belfry was presented to Saint James Church, Delhi, By Stanley Edgar Skinner 1st (D. Y. O.) Lancers "Skinner's Horse" and Alice Georgiana Skinner grandchildren of the late Colonel James Skinner C. B. by whom this Church was built. 1902

(ترجمہ) اس ممٹی کے چار گھنٹے سٹینلی ایڈگار سکنر فرسٹ (ڈی۔ وائی۔ او) لانسرز (سکنرز ہارس) اور ایلس جارجی اینا سکنر جو مرحوم کرنل جیمس سکنر سی۔ بی۔ اس گرجا کے بانی کے پوتے (پوتیوں) نے ۱۹۰۲ء میں سینٹ جیمس گرجا واقع دہلی کو نذر دیئے۔

مسٹر فریزر کی قبر ۱۸۳۵ء گرجا کے صحن میں مغرب کی طرف سڑک کے رُخ پر مسٹر فریزر کی قبر ہے جو ۱۸۳۵ء میں قتل ہوئے۔ جن کا مفصل ذکر ہندو راؤ کے مکان کے ضمن میں آیا ہے۔ یہ قبر سنگ مرمر کی ہے جس پر دو شیر بٹھائے گئے تھے اور قبر کے گرد آہنی کٹہرا تھا۔ یہ قبر بھی فریزر صاحب کے دوست کرنیل سکنر صاحب نے بنوائی تھی۔ غدر میں کٹہرا وٹہرا سب توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا اور سنگ مرمر

کے ستون جو بعد غدر مدتوں تک بکھرے پڑے تھے وہ غالباً اسی قبر کے رہے ہوں گے اب اس قبر پہ انگریزی کے دو کتبے حسب ذیل ہیں:-

تیسرا کتبہ

Sacred to the Memory of William Fraser Esquire Late Commissioner and Agent to the Lieutenant Governor, at Delhi and a Local Major of Skinner's Horse, cruelly murdered by an assasin 22nd March 1835.

(ترجمہ) یادگار مقدس ولیم فریزر صاحب کمشنر و ایجنٹ لفٹنٹ گورنر بمقام دہلی اور مقامی میجر سکنرز ہارس کے ۲۲ر مارچ ۱۸۳۵ء کو بے رحمی سے ایک قاتل کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے۔

چوتھا کتبہ

The remains interred beneath this Monument were once animated, by as brave and sincere a Soul, as was ever vouchsafed by his Creator. A brother in friendship, has caused it to be erected, that when his own frame is dust, it may remain as a Memorial for those who can participate in lamenting the sudden and melancholy loss of one dear to him as life.

William Fraser. Died 22nd March 1835

(ترجمہ) اس یادگار کے نیچے اس شخص کی خاک ہے جس کے جسد خاکی میں خالق نے ایسی ایک روح ودیعت کی تھی جو شاید ہی کسی کو دی گئی ہو۔ ایک بھائی نے بادا ے حق دوستی یہ (یادگار) بنوائی ہے کہ جب خود اس کا اپنا جسد خاک

ہو جاسے تو یہ ایک یادگار اُن لوگوں کے لیئے باقی رہے جو ایک ایسے شخص کے اچانک اور رنج دہ نقصان میں جو اُسے جان سے بھی زیادہ عزیز تھا شرکت رکھتے ہیں - ولیم فریزر - تاریخ وفات ۲۲ مارچ ۱۸۳۵ء

یادگار مقتولین غدر ۱۸۵۷ء

فریزر صاحب کی قبر سے ملی ہوئی پیچھے وار سڑک کی طرف ایک چبوترا اور اُس پر سنگ مرمر کی ایک خوب صورت اور مثمن صلیب بہ یادگار مقتولین غدر کھڑی کی گئی ہے - اس صلیب کے چاروں طرف انگریزی - فارسی - عربی - ہندی میں ایک ہی کتبہ ہے جس کی نقل نیچے آتی ہے - اس میں مسٹر برسفرڈ مینیجر دلی بنک کے سارے کا سارا خاندان میٹھی نیند سو رہا ہے اور مسٹر کالن بھی یہیں ہیں غرض سب پچیس نفر مظلومین مقتولین کی نہایت الم ناک یادگار ہے - باغیوں نے چُن چُن کر جہاں جو انگریز ملا مارا لیکن تاہم بعض رحم دل خدا کے بندے ایسے بھی تھے جنھوں نے اپنی جان پر کھیل کر انگریزوں کو پناہ دی - مسٹر ہرن نے جو اپنی کتاب کے صفحہ (۴۸) پر لکھا ہے کہ ایک میم کو ۱۹ اگست تک چھپا رکھا اور اسی تاریخ اُسے برٹش کیمپ میں پونہچا دیا یہ ذکر مسز لیسن کا ہے جن کی جان راقم کے نانا مولوی عبدالقادر صاحب نے بچائی تھی اور کئی مہینے تک اُن کو اپنے گھر میں چھپا رکھا اور اُن کے زخموں کی مرہم پٹی کی اور اپنی جان ہتیلی پر دھر کے اُن کو انگریزی کیمپ میں پونہچا دیا -

صلیب پر کا کتبہ

(۱) انگریزی

Sacred to the Memory of those who were murdered at Delhi in May MDCCCLBII and in gratitude to GOD for the mercy in having spared a remnant of his people to erect the Cross. Psalm CTXXTi

اس صلیبی یادگار کے نیچے چبوترے کی زہ پر ایک کتبہ اُن لوگوں کے نام کا ہے جو برسفرڈ صاحب کے خاندان سے مارے گئے یعنی اُن کے صرف نام کندہ کردیئے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں :- جارج برسفرڈ۔ سارا برسفرڈ۔ ریڈیکا برسفرڈ۔ شارلٹ برسفرڈ۔ اینگنش برسفرڈ۔ کیتھرین برسفرڈ۔ (فارسی) بیادگاری آں نصرانیاں کہ بماہ مئی در سنہ یک ہزار وہشت صد و پنجاہ وہفت عیسوی در دہلی بظلم مقتول شدند و بشکر گزاری ایزد تعالیٰ کہ چند از بندگان خود را از راہ رحم نگہداشت ایں صلیب را تیار کردند۔ زبور ۱۲۶ (عربی) هٰذا التذکرۃ النصاری الذین قتلوا فی شہر مئی من سنۃ سبع وخمسین بعد الف وثمان مائۃ فی المدینۃ دہلی والشکر للہ الرحیم الذی ابقی قلیلاً من عبادہٖ فبنوا ہذہ الصلیب۔ زبور ۱۲۶

طامس مٹکاف کی قبر

سنہ ۱۸۵۳

گرجا کے شمال و مشرق کے کونے میں سر طامس تھیافیلس مٹکاف بارٹ۔ بی۔ سی۔ ایس کی قبر سرتاپا سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے جو سر جان تھیافیلس مٹکاف کے والد تھے اور آخر الذکر صاحب غدر میں دلی کے جائنٹ مجسٹریٹ تھے۔ جن کی جان بڑی مشکل سے بچی۔ اس قبر کے گرد ایک نہایت نفیس سنگ مرمر کا جالی دار کٹہرا ہے۔

۱؎ سر چارلس تھیافیلس بیرن مٹکاف سنہ ۱۷۸۵ء میں کلکتہ میں پیدا ہوئے اور کمپنی کی ملازمت میں سنہ ۱۸۰۰ء میں داخل ہوئے۔ ہلکر اور بھرت پور کے مقابلے میں جو جنگ سنہ ۱۸۰۴ء میں ہوئی تھی اس میں لارڈ لیک کے لشکر کے ساتھ یہ پولیٹیکل آفیسر تھے اور ڈیگ میں گولہ باری کے وقت فصیل کے شگاف پر سب سے پہلے یہی پہنچے۔ سنہ ۱۸۰۶ء میں یہ دلی کے رزیڈنٹ کے مددگار تھے۔ سنہ ۱۸۰۸-۹ء میں رنجیت سنگھ کے پاس سفیر بنا کر بھیجے گئے۔ سنہ ۱۸۱۱-۱۹ء میں دلی کے رزیڈنٹ رہے اور دوبارہ سنہ ۱۸۲۵-۲۷ء میں پھر رزیڈنٹ تھے۔ سنہ ۱۸۳۴ء میں آگرے کے گورنر رہے اور سنہ ۱۸۳۵-۳۶ء میں قائم مقام گورنر جنرل رہے۔ سنہ ۱۸۳۶-۳۸ء میں لفٹننٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی گورنر جمیکا سنہ ۱۸۳۹-۴۲ء۔ گورنر جنرل کنیڈا سنہ ۱۸۴۳-۴۵ء [illegible] گئے اور سنہ ۱۸۴۶ء میں انتقال کیا۔ مٹکاف صاحب کے خاندان [illegible]
زیادہ [illegible] کے باقی [illegible]

یہ وہی کٹہرا ہی جس کا ذکر قطب صاحب کی درگاہ کے بیان میں نوابان جھجر کے ضمن میں آیا ہی۔ یعنی یہ تعویذ مع کٹہرا سارے کا سارا جھجر والوں نے اپنی ہڑواڑے کے لیے خریدا تھا لیکن غدر ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں معاملہ کچھ ایسا درہم برہم ہوا کہ مسلمان کی قبر کا تعویذ ایک انگریز کی قبر پر لگا دیا گیا۔ اس پر یہ کتبہ بخط انگریزی ہی

Here rests the body of Sir Thomas Theophilus Metcalf Bart Bengal Civil Service. Died the 3rd of November 1853. Aged 58.

ترجمہ یہ مرقد سر طامس تھیافیلس مٹکاف بارٹ بنگال سول سروس کا ہی (جنھوں نے) ۳ رنومبر ۱۸۵۳ء میں بعمر ۵۸ (سال) انتقال کیا۔

خاندان سکنر کی ہڑوار گرجا ہی کے احاطے میں سکنر صاحب کے خاندان کی ہڑوار ہی۔ جس میں کئی نہایت نفیس قبریں سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہیں۔ اطراف آہنی جنگلا لگا ہوا ہی۔

اس کے احاطے کی منڈیر میں یہ کتبہ ہی:

The Sepulchral family vault and Monument of the "Skinner Family" alloted by the Lord Bishop of Calcutta and Metropolitan in India; agreeably to his Lordship's Faculty.

Dated 12th March 1856.

ترجمہ یہ ہڑواڑ خاندان سکنر کی کلکتے کے لارڈ بشپ اور ملک ہند کے مٹروپالیٹن نے حسب اقتدار حاصلۂ خود ۱۲ مارچ ۱۸۵۶ء کو مقرر کی۔ کٹہرے کے پاس ایک بہت خوب صورت زنانی قبر سنگ مرمر کی بڑی شان دار بنی ہوئی ہی۔

سردار بہو کی قبر
سنہ ۱۸۸۱ء

یہ قبر ایلس اینی - الگزینڈر سکنر کی زوجہ کی ہی جنھوں نے ۲۳ جنوری سنہ ۱۸۸۱ء کو ۳۲ سال کی عمر میں انتقال کیا - اس پر کی انگریزی اور اردو نظم بہت دل چسپ ہونے سے نقل کر دی گئی -

Deeply regretted by all

"The Lord gave and the Lord hath taken away, blessed be the name of God" Job. 1. 21.

Where the silent willow weeps
A friend, a wife, a mother sleeps
Her infant image here below
Sits smiling at her father's woe

This Memorial is erected by her
disconsolate husband 1884

ترجمہ سب کو نہایت رنج ہوا "خدا ہی نے دیا اور خدا ہی نے لے لیا - مبارک ہو خدا کا نام - جوب (۱) - (۲۱) "جس مقام پر کہ خاموش ولو (ایک قسم کی جنگلی جھاڑی) رو رہی ہی - (اس مقام پر) ایک دوست - ایک بیوی - ایک ماں (خواب غفلت میں) سو رہی ہی - اس کی چھوٹی سی شکل جو اس کے نیچے ہی اپنے باپ کے غم (و اندوہ) کو (دیکھ دیکھ) مسکرا رہی ہی" یہ یادگار (مرحومہ کے) بے قرار شوہر نے سنہ ۱۸۸۴ء میں بنوائی -

اشعار اردو

کدبانوے اسکنر الکزنڈر آنکہ — بگزیدہ طریق عیسوی بہر نجات
سردار بہو خطاب ایلس اینی — صد حیف کہ از قضای یافت وفات
در بست و سوم ز جنوری یکشنبہ — ہجدہ صد و ہشتاد و یکم از سنوات

جس نے دل کی ترے گدائی کی — اُس کو خواہش نہ بادشاہی کی
جس نے سینہ کیا نہ صاف اپنا — اُس نے کیا خاک پارسائی کی

کاریگری سے درگزر مت کر اس میں جو ہو رضائے الٰہی کی
اس سے بہتر ہے سکندر تیرا نکلے دم یاد میں الٰہی کی

انگریزوں کی ساری قبروں پہ کتبے بالالتزام ہوتے ہیں۔ اور قبریں بھی اسی احاطے میں اور اس کے باہر بھی ہیں گرچوں کہ اُن میں کوئی خاص بات نہ تھی ہم نے اُن کو چھوڑ دیا۔ سکنر صاحب کا خاندان دلی میں الک صاحب والوں کے نام سے مشہور رہی۔ ان کی مستورات میں سے اکثر پیرو اسلام اور پابند صوم وصلوٰۃ تھیں اور بعض تیتر بٹیر کچھ ادھر کچھ اُدھر غرض یہ خاندان عیسائیت اور اسلام کی ایک عمدہ معجون مرکب تھی۔ جن سے بہت سے کار خیر ہوئے۔ اب بھی اس خاندان کے چند ممبر ہیں جو پیرو اسلام ہیں۔

ملحقہ مکانات گرجا کے پیچھے جو مکانات ہیں وہ سو سوا سو برس کے اُدھر کے ہیں۔ سول کورٹ کے پاس والا مکان ۱۸۳۵ء میں سمتھ صاحب کا مکان کہلاتا تھا جس میں غالباً مسٹر جارج ہنری سمتھ کلکٹر کمشنر سرحد شمال مغرب رہتے تھے۔ اس مکان میں کئی تہ خانے ہیں۔ سینٹ جیمس کے چرچ کے پاس دہلی گزٹ چھپتا تھا جس کے ایڈیٹر مسٹر پلیس اور نایب ایڈیٹر مسٹر ویگن ٹریبر Wagentreiber تھے اور یہیں سے ڈیلی سکیچ بک یا انڈین پنچ بھی نکلتا تھا۔ اس مکان کے سامنے جو کھلا ہوا ٹکڑا اراضی کا ہے وہ ریزیڈنسی کا باغ تھا جس میں گورنمنٹ کالج اور اب ڈسٹرکٹ بورڈ سکول ہے۔ کشمیری دروازے سے جو سب سے زیادہ قریب مکان ہے اُس میں میجر فلر ڈائرکٹر تعلیمات عامہ رہتے تھے۔ کرنل سکنر کا مکان وہ تھا جس میں مدتوں بنگال بنک تھا۔ اب یہ مکان ای آئی آر والوں نے لے لیا ہے۔ اب جہاں سینٹ سٹیفنز کالج ہے اس کے پیچھے احمد علی خاں کا مکان تھا جس کی جگہ اب چھوٹے چھوٹے کئی مکانات بن گئے ہیں لیکن غدر کے بعد کچھ دنوں یہاں فوج کی بارکیں تھیں۔ یہاں پہلے سڑک کو بہت گھما دینا پڑا تھا کہ ۱۸۴۵ء میں یہیں کمپنی کے چیف جج کے رہنے کا مکان تھا لیکن ایام غدر میں اس مکان میں مسٹر رابرٹس گورنمنٹ کالج کے ہیڈ ماسٹر رہتے تھے

سینٹ سٹیفنز کالج
سنہ ۱۸۹۰ء

اتنا بڑا شہر اور سرکاری کالج ندارد جو قدیم کالج تھا وہ سنہ ۱۸۷۷ء میں توڑ دیا گیا۔ ضرورت تعلیم کی مسلم تھی سنہ ۱۸۹۰ء میں یہ مشن کالج قایم ہوا جس کا بنیادی پتھر سر جان الیٹ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی نے رکھا اور سنہ ۱۸۹۱ء میں پنجاب کے لفٹننٹ گورنر سر جیمس لائل صاحب بالقابہ نے افتتاح فرمایا۔ یہ کالج ریورنڈ آلنٹ صاحب پادری نے بڑی کوشش سے کئی ہزار روپیہ چندہ جمع کرکے بنوایا ہے۔ اور خوب چل رہا ہے اس کے متعلق بورڈنگ ہوس بھی ہے اور کالج کی بڑی عمارت دو منزلہ نہایت خوش وضع اور سنگین کشمیری دروازے کے پاس لب سڑک ہے۔ مدتوں آلنٹ صاحب خود پرنسپل رہے پھر پادری ایف سی اینڈ روز پرنسپل رہے اب پادری رُودرا صاحب ایم۔ اے پرنسپل ہے۔ اس کالج کے متعلق شہر میں کئی برینچ سکول ہیں جن میں کثرت سے لڑکے پڑھتے ہیں۔ مسلمانوں میں ظاہری ٹیم ٹام بہت ہے ان کا کوئی کالج نہیں۔ ؎

گر جان طلبی مضایقہ نیست　　　گر زر طلبی سخن درین ست

جناب حکیم محمد اجمل خاں صاحب حاذق الملک بہادر کچھ لوگوں کو ابھار رہے ہیں مگر ہنوز روز اول ہے۔ ؎

کالج و مدرسے کے بیاں کر کے فائدے　　　چندے کی اس سے آرزو و التجا کروں
وہ یا تو چھوٹتے ہی ٹکا سا جواب دے　　　یا چپ رہے کہ میں اُسے بیٹھے منا کروں
یا وعدہ جو کہ تا بقیامت وفا نہ ہو　　　میں خضر تو نہیں کہ ہمیشہ جیا کروں
گر سکھنے پاؤں قوم کی خانہ خرابیاں　　　محفل میں شور شیون و ماتم بپا کروں
دیوار و در کو وجد ہو لگ جائیں ہچکیاں　　　گر حال زار قوم پہ قصد بکا کروں
ای قوم تیری ہمت و غیرت کو کیا ہوا　　　تو ہی قصور وار تو کس کا گلہ کروں
یہ قوم ہمارے قوم ہے مصداق صم و بکم　　　ناخن کہاں سے لاؤں کہ عقدہ وا کروں

ہندوؤں نے اپنا کالج مدتیں ہوئیں کہ بنا بھی لیا اور ہم ابھی منصوبے ہی گانٹھ رہے ہیں ہندوؤں نے یونیورسٹی بنا لی اور ہم ابھی قواعد ہی بنا رہے ہیں۔ البتہ

حکیم صاحب ممدوح کی ان تھک کوشش سے قرول باغ میں طبیہ کالج بڑے بھاری سکیل پر بڑی سرگرمی اور اعلیٰ پیمانے پر بن رہا ہے۔ اب رہا اسلامیہ کالج اگر کبھی دیر سویر بنے گا بھی تو جناب حکیم صاحب ہی کی کوشش سے بنے تو بنے ورنہ اور کسی کو نہ اس طرف توجہ ہے نہ شوق۔ حکیم صاحب تن تنہا کیا کر سکتے ہیں - ایک سور ما چنا کیا پھاڑ کو پھوڑ سکتا ہے؟ -

سینٹ اسٹیفنز کالج کے صدر دروازے کے سامنے پورچ (برآمدہ) ہے دروازہ دو منزلہ اور بہت شاندار ہے جس کے دونوں جانب چوپہل برجیاں ہیں۔ اور بیچ میں ایک گھڑیال لگی ہوئی ہے اور اس پر ایک صلیب بنی ہوئی ہے۔ اس کالج کے صدر دروازے پر یہ کتبہ ہے:-

ADDIE GLORIAM

St: Stephen's College

محراب کی داہنی طرف - (اردو میں) اپنے سارے دل خداوند کریم پر توکل کر اور اپنی سمجھ پر تکیہ مت کر اپنی ساری راہوں میں اس کا اقرار کر اور وہ تیری رہنمائی کرے گا۔ محراب کی بائیں طرف خداوند کا خوف دانا[۱](ل) کا شروع ہے ان سب کی جو اس پر عمل کرتے ہیں اچھی سمجھ ہے اسکی ستایش ابد تک قایم ہے۔

روکار پر بائیں طرف - آؤ سب . . . . بوڑھے . . . . لے ہو - ناگری کتبہ مٹ گیا۔ روکار پر داہنی طرف - جوان اننی . . . کس طرح . . . . کیے (ناگری) میرے کلام کے مطابق پر خوب توجہ کرنے سے - دروازے کے پاکھے پر شمال کی طرف سنگ مرمر کی تختی پر

To the Glory of God and for the advance-
ment of sound learning and religious
education
St Stephen's College DELHI
This stone was laid by Sir Charles A. Elliot
K.C.S.I. on Friday April 11th 1890.

[۱] یہاں کچھ پانی ٹپکنے سے اڑ گیا ہے جس کے آخر کا صرف (ل) رہ گیا ہے - ۱۲

ترجمہ جلّ وعلیٰ شانہ۔ بجز علم کی ترقی اور مذہبی تعلیم کے لیئے سینٹ سٹیفنز کالج کا یہ سنگ (بنیاد) سر چارلس اے ایلیٹ کے سی ایس ای نے (برونا جمعہ اپریل رکّی) گیارہ صدی سنہ ۱۸۹۱ء کو رکھا۔ گرجا کے اندر ہال میں (جنوب کی طرف

Jesus said. I am the Light of the world
he that followeth Me shall not walk
in darkness but shall have the
Light of Life

ترجمہ یسوع نے کہا کہ میں دنیا کی روشنی ہوں جو میری پیروی کرتا ہے وہ تاریکی میں نہیں چلے گا بلکہ اُس کو زندگی کی روشنی ملے گی۔ ہال کے شمال کی طرف (اُردو میں)

یسوع نے کہا راہ اور حق اور زندگی میں ہوں	جب وہ یعنی روح الحق آئیگی تو وہ ساری سچائی کی راہ بتائیگی	سچائی جانوگے اور سچائی تمھیں آزاد کریگی

سائنس لیبارٹری پر (سنگ مرمر کی تختی)

To the glory of God
and
For the advancement of Science
By
R. Humphreys Esqr. I. C. S.
16th July 1907

ترجمہ جلّ وعلا شانہ۔ ترقی تعلیم سائنس کے لیئے (یہ سنگ بنیاد) آر ہمفریز صاحب آئی سی ایس نے ۱۶ر جولائی سنہ ۱۹۰۷ء کو رکھا۔

کالج کے سامنے سڑک پار ایک عمدہ اور وسیع بورڈنگ ہوس (دارالاقامہ) ہے جس کے دروازے کے ادھر اُدھر دو برجیاں ہیں۔ بورڈنگ ہوس پر سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ ہے:-

This wing of the Boarding House was projected
by The Reverend John W. T. Wright M. A. of the

Cambridge Mission, Professor in St. Stephen's College from 1883 and Principal from 1898 till his unexpected death, at Dalhousi Sept. 1902. It was erected in fulfilment of his purpose by his family and European friends in token of their affectionate regard.

ترجمہ - بورڈنگ ہوس کا یہ ضلع کیمبرج مشن کے پادری جان - ڈبلیو - ٹی رائیٹ ایم - اے نے بڑھوایا جو ۱۸۸۳ء میں سینٹ سٹیفنز کالج کے پروفیسر تھے اور ۱۸۹۸ء سے اُن کی غیر متوقع وفات تک جو ڈلہوزی میں ستمبر ۱۹۰۲ء کو واقع ہوئی پرنسپل (بھی) رہے - یہ (ضلع) اُن کے مقصود کی تکمیل کے لیئے اُن کے خاندان کے (لوگوں) اور یورپین احباب نے (مرحوم کی محبت کے اظہار کی نشانی (کے طور پر) بنوایا -

کتب خانۂ دارا شکوہ گورنمنٹ کالج میونسپل بورڈ سکول

توتھین روڈ پر - عہد شاہجہانی - دارا شکوہ شاہجہان کا فرزندِ اکبر تھا - جس سے شاہجہاں کی حیات میں تخت پر اورنگ زیب سے لڑائی ہوئی - جس میں دارا شکوہ نے شکست پائی اور مارا گیا - اس عمارت کے بڑے بڑے نہایت اچھے اونچے کھلے در ہیں جن کے بالائی حصے میں تختہ بندی کر دی گئی ہے اس کے دروازے کے ستون پر ایک تختی پر یہ کتبہ بخط انگریزی لگا ہوا ہے:-

گورنمنٹ ہائی سکول

سابقاً

کتب خانہ دارا شکوہ خلف شاہجہان	۱۶۳۷
مکان مسکونہ علی مردان خان مغل ویسرائے پنجاب	۱۶۳۹
سرڈیوڈ اختر لونی بارسٹ کی رزیڈنسی	۱۸۰۳

گورنمنٹ کالج ۱۸۰۴-۱۸۷۷

مدرسۂ ضلع ۱۸۷۷-۱۸۸۶

میونیسپل بورڈ سکول ۱۸۸۶-۱۹۰۴

دارا شکوہ کا کتب خانہ گیا۔ علی مرداں خاں کا کچھ دخل نہ رہا۔ رزیڈنسی نہ رہی کالج کا پتہ نہیں سب جا جو کے ضلع کا مدرسہ تھا اب وہ بھی میونسپل بورڈ سکول رہ گیا۔ انٹرنس یعنی میٹریکیولیشن تک کی پڑھائی ہی آگے پڑھو تو مشن کالج میں جاؤ یا ہندو کالج میں۔ لیکن ایک پرانا مقولہ ہی کہ ہسٹری ریپٹیس اٹ سلف یعنی واقعات لوٹا پوٹا کرتے ہیں۔ کیسے اُمید تھی کہ دلی پھر اُجاڑ ہو کر دارالسلطنت ہو جائے گی تو کیا عجب ہی کہ دارالسلطنت کی پاس خاطر سے پھر گورنمنٹ کالج بھی بن جائے حکام وقت کی توجہ شرط ہے۔ اگر ایک نگاہ کرم ادھر ہو جائے تو بس بیڑا پار ہی

گل پھینکے ہے اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی

اے ابر کرم بحر سخا کچھ تو ادھر بھی

تار گھر کلکتہ دروازے سے نصف میل کے قریب جو دلی کا قدیم ڈاک بنگلہ تھا اور یہی نام پرانے لوگوں کی زبان پر اب تک چڑھا ہوا ہی اسی میں صدر تار گھر تھا۔ اسی کے سامنے ایک ستون اُن تار کے عہدہ داروں کی یادگار میں کھڑا کیا گیا ہی جو غدر میں کام آئے۔ اور جس سے نیز اُن دو کم عمر سگنلروں کی یاد تازہ کرنا مقصود ہی جو اس معرکۂ عظیم میں جب کہ موت سامنے کھڑی تھی ذرا بھی ہراساں نہ ہوئے اور انبالے کو وہ مشہور پیغام تار برقی دوڑا دیا جس کی بدولت ملک پنجاب بال بال بچ گیا۔

تختی کے سامنے وار

Erected on the 19th April 1902
by the Members of the Telegraph Department
to commemorate the loyal and devoted
services of the Delhi Telegraph Office Staff

on the eventful 11th May 1857. On that day two Young signallers,
William Brandish and J.W. Pilkington, remained on duty till ordered to leave, and by telegraphing to Amballa information of what was happening at Delhi, rendered invaluable service to the Punjab Government.
In the words of Sir Robert Montgomery:—
"The electric telegraph has saved India".

ترجمہ ممبران محکمۂ تار نے اُن خیر خواہانہ اور وفادارانہ خدمات کے انصرام کی یادگار میں بنائی جو دہلی تار برقی آفس کے سٹاف نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کے ہولناک دن کیں۔ اُس دن دو نوجوان سگنلر ولیم برنڈش اور جے ڈبلیو پلکنگٹن جب تک اُن کو چلے جانے کا حکم نہیں دیا گیا اُس وقت تک وہ اپنی ڈیوٹی پر مستعد رہے۔ دہلی میں جو کچھ گزر رہا تھا ان واقعات کی اطلاع بذریعہ تار انبالے دینے سے انھوں نے پنجاب گورمنٹ کی انمول خدمت گزاری کی۔ سر رابرٹ منٹگمری صاحب کے الفاظ یہ ہیں:۔ "تار برقی نے ہندوستان کو بچا لیا"۔

The Delhi Telegraph Office Staff	پیچھے وار

on the 11th May 1857 consisted of the following:-
Dharles Todd, Assistant-in-Charge, Killed near Cable House, on left bank of river Jumna, on the morning of the above date, while endeavouring to restore telegraphic communication with Meerut
W. Brendish, Signaller, retired 1st Septem

-ber 1896. J. W. PilKington, Signaller, voluntarily returned to Telegraph Office from Staff Towers and signalled despatch to Commander-in-Chief. TaKen prisoner after doing so, but escaped. Died, RoorKie, 24th March 1867.

ترجمہ - ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو دہلی کے تار گھر میں یہ لوگ تھے :- ڈھارلس ٹاڈ - اسسٹنٹ انچارج - جو جمنا کے بائیں کنارے کیبل ہوس کے پاس اسی تاریخ صبح کو ایسی حالت میں مارے گئے کہ وہ میرٹھ سے تار گھر کا سلسلہ درست کرنے کی کوشش میں مصروف تھے - ڈبلیو بریندش سگنلر - جو کیم ستمبر ۱۸۹۶ء میں پنشن لے کر سبک دوش ہوئے تھے - جے ڈبلیو - پلکنگٹن سگنلر جو سٹاف ٹور سے از خود تار گھر میں چلے آئے اور انھوں نے کمانڈر ان چیف کو وہ مراسلہ تار پر روانہ کیا جس میں دلی کے غدر کا حال تھا - اس کے بعد ہی ان کو (باغیوں نے پکڑ کر) قید کر دیا لیکن پھر نکل بھاگے - رڑکی میں ۲۴ مارچ ۱۸۶۷ء کو وفات پائی -

Dated 11th May 1857 | تار کی نقل

We must leave office. All the bungalows are being burnt down by the sepoys of Meerut. They came in this morning. We are off don't roll today. Mr C. Todd is dead - we think he went out this morning and has not returned yet. We heard that nine Europeans were Killed. Good bye.

— ooo —

ترجمہ مورخہ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء ہم کو آفس چھوڑنا ضروری - میرٹھ کے سپاہی سارے بنگلے جلا رہے ہیں - یہ لوگ آج صبح یہاں پہنچے - ہم جا رہے ہیں آج گھنٹی نہ بجانا - ہمارا خیال ہے کہ مسٹر سی ٹاڈ مر گئے کیوں کہ آج صبح باہر گئے

غدر میں باغیوں کو یہ آسانی ایسی بڑی بڑی توپیں ہاتھ آگئیں جو کہ اپنے ساتھ کبھی نہ لا سکتے تھے۔ اب جہاں صدر ڈاک خانہ ہے یہ **اسلحہ خانہ** تھا جس کے پاس ہی بارود کا کوٹھا تھا اور اس میدان میں جہاں کہ بڑا تار گھر ہے یہیں توپیں رکھی جاتی تھیں۔ اس کے پیچھے اور دو چھوٹے میگزین تھے جن کو غدر میں اپنی جان پر کھیل کر خود اُن نو بہادر انگریز سورماؤں نے اڑا کر بارود پر اپنی جان قربان کردی جن کی یادگار کا کتبہ صدر دروازے پر لگا ہوا ہے۔ اب پُرانی عمارت کا حصّہ صرف یہی ایک دروازہ باقی رہ گیا ہے۔ یہیں دو دالان اس جگہ تھے جہاں کہ اب اگزیکیوٹو انجنیر کا آفس ہے جن میں مختلف قسم کا سٹور تھا۔ سڑک کی اُس طرف جس پر پتھر کی فرش تھی اور جس پر میگزین کی وجہ سے حقہ یا چرٹ پینے کی سخت ممانعت تھی **ورک شاپ** تھی جس کے دو پھاٹک میگزین کے احاطے کے سامنے ہی تھے۔ ورکشاپ کی پشت پر جو مقامات تھے وہ سارے کے سارے ریل میں آگئے ہیں۔

کتبہ

On 11th May 1857
Nine resolute Englishmen
Lt: Geo: Dobree Willoughby, Bengal Artillery
In Command
Lieutenant William Raynor.
Conductor G. William Shaw.
Conductor Jhon Scully.
Sergeant Bryan Edwards.
Lieutenant Geo: Forrest.
Conductor John Buckley.
Sub Conductor William Crow.
Sergeant Peter Stewart.
Defended the Magazine of Delhi for

more than four hours against large number of the rebels and mutineers, untill walls being scaled, and all hope of success gone, these brave men fired the Magazine. Five of the gallant band perished in the explosion, which at the same time destroyed many of the enemy.

This Tablet

Making the former entrance gate to the Magazine, is placed by the Government of India.

ترجمہ - ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو - نو ارادے کے مستقل انگریزوں - لفٹنٹ جارج - ڈوبری ویلوبی - توپ خانۂ بنگال - کی کمان میں لفٹنٹ ولیم رینار - کنڈکٹر جی ولیم شا - کنڈکٹر جان سکلی - سارجنٹ بریان ایڈورڈز - لفٹنٹ جاسج فارسٹ کنڈکٹر جان بکلے - سب کنڈکٹر ولیم کرو - سارجنٹ پیٹر سٹیوارٹ نے دہلی کے میگزین کو بلوائیوں اور باغیوں کے جم غفیر کے مقابلے میں چار گھنٹے سے اوپر سنبھالے رہے لیکن جب کہ باغی سیڑھیاں لگا لگا کر دیواروں پر چڑھنے لگے اور امداد کی اور کوئی اُمید باقی نہ رہی تو ان بہادروں نے میگزین کو پھونک دیا - جس دھماکے میں اس بہادر گروہ کے پانچ آدمی ہلاک ہوئے لیکن ساتھ ہی اس کے دشمنوں کے بھی بہت سے آدمی برباد ہوئے - یہ تختی قدیم میگزین کے دروازے پر اس جگہ سرکار انگریزی نے نصب کرائی ہے -

انگریزوں کا سب سے پرانا قبرستان

صدر ڈاک خانے کے احاطے سے جانب جنوب ملا ہوا انگریزوں کا سب سے پہلا اور پرانا قبرستان ہے جو ۱۸۵۵ء میں چھوڑ دیا گیا اور نیا قبرستان کشمیری دروازے کے باہر بنا لیا گیا - پرانے قبرستان میں دو قبریں خاص ذکر کے قابل ہیں ایک طامس مٹکاف کی ہے جس کے

کتبے سے معلوم ہوتا ہی کہ سکنر صاحب نے بنوائی تھی اور اس پر ایک سائبان بھی ہی۔ دوسری لفٹنٹ رنیار کے چھوٹے بچے کی ہی۔ یہ وہی رنیار صاحب ہیں جو میگزین کی حفاظت میں جان پر کھیل گئے۔

کشمیری دروازے سے سڑک نصیر گنج جو کشمیری دروازہ بازار مشہور ہی ہملٹن روڈ تک

اس سڑک کے ابتدائی حصے پر داہنی جانب کچھ یورپین تجار کی دکانیں ہیں فخر المساجد ہندو کالج۔ مسجد پانی پتیاں ہیں۔ بائیں طرف نواب حامد علی خاں صاحب کا بہت بڑا بھاری امام باڑہ ہی جس میں اب محمد مصطفیٰ محمد یوسف کا گاڑی کا بہت بڑا کارخانہ ہی۔ یہ امام باڑہ شہر میں سب سے بڑا ہی۔ کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ ہردیان سنگھ والوں کے قبضے میں کیسے آیا۔ سنتے ہیں کہ انھوں نے پچاس ہزار کو خرید لیا۔ یہ عمارت ایسی پختہ عالی شان شاہی زمانے کی بنی ہوئی ہی اور ایسے وسیع احاطے کے اندر ہی کہ پچاس ہزار تو اس پر سے نچھاور کر دیئے جائیں۔ بیچنے والوں کو خدا جانے ایسی کیا مجبوری تھی کہ کوڑیوں کے مول دے دیا۔ بڑے کشادہ کرسی دار دالان اور شہ نشین سہ دریاں چبوترے ہیں کہ باید و شاید۔ دالانوں کی چھتوں پر نقاشی کا ایسا نفیس کام ہی کہ جس کا جواب نہیں یہ امام باڑہ لکھنؤ کے حسین آباد کے مشہور امام باڑے کی وضع قطع کا ہی مگر اب تو بالکل ویران اور تباہ حالت میں ہی۔ اور آخر میں پولیس سٹیشن ہی۔ **داہنی طرف**۔ طامس کک اینڈ سنز ساہوکار وایجنٹ مسافران بحری و برّی۔ بابو مل جوہری۔ ہملٹن اینڈ کو جوہری۔ یو سیرلے اینڈ سنز۔ فلپس اینڈ کو۔ جاپان فین آرٹس (عجائبات) جے بی نارٹن اینڈ سنز لمٹیڈ کنسلٹنگ انجنیر حفظان صحت۔ والشر لاک اینڈ کمپنی اسلحہ ساز۔ بینٹو سو کمپنی مٹھائی ساز۔ جس کے اوپر ڈاک خانہ اور تار گھر ہی۔ کیو نسٹر علی گڈھ کے نکھت فروش۔ یہ مکان فخر المساجد کا ہی جس کی بالائی منزل پر دیا بشبیہ وقف متعلقہ فخر المساجد سنہ ۱۲۳۳ھ لکھا ہوا ہی۔ ہندو کالج۔ گلی موچی والی۔

مسجد پانی پتیاں - اور یہیں فخر المساجد ہی - کوٹھی رائے بہادر لالہ سلطان سنگھ رئیس دہلی[1]

فخر المساجد

۱۱۴۱ھ – ۱۷۲۸ء – ۲۹

کشمیری دروازے کے پاس کشمیری دروازہ بازار میں لب سڑک یہ مسجد ہی - اسکا انتظام بھی کمیٹی مسجد فتح پوری کے سپرد ہی - یہ مسجد **کنیز فاطمہ عرف فخر النساء بیگم** نے اپنے شوہر **شجاعت خاں** کی یادگار میں ۱۱۴۱ھ – ۱۷۲۸ء – ۲۹ میں بنوائی تھی - شجاعت خاں اورنگ زیب کے عہد میں من جملہ امرائے سربرآوردہ کے تھے - آپ اکبرآباد (آگرے) میں قلعے کی افواج کے کمانڈر تھے بڑھتے بڑھتے توپ خانے کے افسر اور چہار ہزاری منصب اور ڈھائی ہزار سواروں کے کمانڈر ہوئے - ان کا اصل نام **رعد انداز بیگ** تھا اور سنہ ۱۰۸۳ھ – ۱۶۷۲ء – ۷۳ میں آپ کو شجاعت خاں کا خطاب ملا اور خطاب ملنے کے ایک ہی سال بعد افاغنہ کی لڑائی میں مارے گئے - مسجد کا چبوترا ۱۰۴ × ۴۴ ہی جو آٹھ فیٹ اونچا ہی مسجد کے شرقی جانب لب سڑک پانچ چھوٹی چھوٹی دکانیں بھی ہیں جن کے کرائے کی آمدنی سے مسجد کی نگہداشت ہوتی ہی - صحن مسجد میں سنگ کا فرش ہی جس کے گرد ایک چھوٹی سی منڈیر ہی - صحن مسجد تین طرف سے محاط ہی اور مغرب کی طرف خود مسجد ہی - شمال اور جنوب میں سہ دریاں ۲۲ × ۸ اور ۳ فیٹ اونچی ہیں - ان سہ دریوں میں ایک ایک حجرہ بھی ہی صحن سے مسجد ڈھائی فیٹ اونچی ہی اس کے تین در سنگ کے دار محرابوں کے ہیں مسجد کے پیش میں تمام سنگ مرمر لگا ہوا ہی جس میں سنگ سرخ کی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں چھت کے پیش میں بھی سنگ مرمر کا کنگورہ ہی جو بیچ کی محراب پر ادھر ادھر کے دروں سے چار فیٹ اونچا ہی مسجد کے دو مینار ہیں جن میں سنگ مرمر اور سنگ سرخ کی عمودی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں جن پر ہشت پہلو برجیاں سنہری کلس کی ہیں - ان مناروں کے پیچھے نہایت خوب صورت شاندار گنبد ہیں ان پر بھی مناروں کی طرح کی ایک ایک سفید ایک ایک سیاہ پٹیاں پڑی ہوئی ہیں اور

---

[1] لالہ صاحب جینی صاحبان کے اعلی ممبروں میں سے ہیں آپکے بزرگان محکمہ کمسریٹ کے بڑے مشہور اور ذی عزت گماشتے تھے - لالہ صاحب موصوف بہت لائق نوجوان ہیں شہر میں ان کا بڑا اعزاز ہی بکمال رئیس اور ہندوؤں کے لیڈر ہیں آپ رفاہ عام کے کاموں میں بڑا حصہ لیتے ہیں - رائے بہادر کا خطاب ہی اور میونسپل کمشنر ہیں - ۱۲

نقشہ فخر المساجد

اوپر ملمع کے کلس ہیں - فرش اندرون دالان مسجد سنگ مرمر کا ہی اور مصلوں پر سنگ سرخ کی تحریر ہی - فرش زمین سے ۴½ فٹ تک دیواروں میں سنگ مرمر لگا ہوا ہی اس سے اوپر بھورا پتھر ہی - مسجد کی پچھیت کی دیوار میں ممبر کے پاس جو سنگ مرمر کا ہی ایک دس فیٹ اونچی دیوار دوز محراب ہی - گنبدوں کے اندر پلاستر ہی - مسجد کی بائیں طرف کی دیوار میں ایک دروازہ ہی اور سیدھی طرف ملا کے رہنے کی ایک کوٹھڑی ہی - ۱۸۵۷ء کے غدر میں چوں کہ کشمیری دروازے پر بڑا معرکہ تھا اور یہ مسجد وہیں قریب میں ہی گولوں کی زد سے یہ بھی نہ بچ سکی - بائیں جانب کی دیوار اور اُدھر ہی کے دالان گولوں کی بھر مار سے نقصان پہنچا اور شمال مشرق کے جانب کی مینار کی برجی بھی شکستہ ہوگئی جسے لوہے کی ٹانکی لگا کر جوڑ دیا ہی - مسجد کا صدر دروازہ شمال و مشرق کے کونے میں ہی کل آٹھ سیڑھیاں ہیں جن میں سے کچھ سیڑھیاں دروازے کی چھت کے اندر بھی آگئی ہیں - مسجد کے دروازے پر "فخر المساجد" اور بیچ کی محراب کی پیشانی پر یہ کتبہ ہی :-

خانہ دیں پرور شجاعت خاں بجنت یافت جا	با رضائے حق تعالیٰ از طفیل مرتضیٰ
صدر خاتوناں کنیز فاطمہ فخر جہاں	یادگارش ساخت ایں مسجد بفضل مصطفیٰ

۱۲۴۱ھ

مسجد کے شمال میں ایک نئی عالی شان دو منزلہ عمارت طرز جدید کی بنا دی ہی جس پر "الوقف لا یملک" لکھا ہوا ہی - نیچے دکان میں علی گڈھ کی مکھن کی دکان کیونٹر (Caventer Aligarh Diary) ہی جس کا ستر روپیہ ماہانہ کرایہ آتا ہی -

ہندو کالج ۱۸۹۹ء

سینٹ اسٹیفنز کالج کے محاذ میں ایک وسیع کوٹھی میں یہ کالج ہی جو ہندو صاحبوں کی عالی ہمتی کی زندہ یادگار ہی - کوٹھی کے دروازے پر Hindu College Established 1899. لکھا ہوا ہی (ہندو کالج جس کی بنا ۱۸۹۹ء میں ہوئی) یہ مکان کالج کے واسطے بنایا نہیں گیا بلکہ یہ کوٹھی دراصل کرنل سکنر صاحب کی تھی اُن سے لالہ سلطان سنگھ صاحب نے خرید کر کالج کے ہاتھ فروخت کردی - اس کے

احاطے میں ایک بیس ۲۰ کا نہایت نفیس بورڈنگ ہوس بنا ہوا ہی جس میں چار بڑے بڑے کشادہ کمرے ہیں جن میں بورڈر رہتے ہیں - اس کے روکار پر یہ کتبہ ہی:-

Sri Ram Ashram. Built by the sons of the late Diwan of Alwar 1917

ترجمہ سری رام آشرم (جس کو) متوفی دیوان الور کے صاحب زادوں نے ۱۹۱۷ء میں بنوایا -

مسجد بانی پتیاں

۱۱۳۸ھ
۲۶-۱۷۲۵ء

یہ مسجد کشمیری دروازے - فخر المساجد اور ہندو کالج کے پاس نصیر گنج کی سڑک پر ہی - یہ مسجد پہلے ایک احاطے کے اندر تھی جس کے اندر کئی کچے مکان اسی مسجد کے متعلق تھے - اصل مسجد تین در کی لداؤ کی ہی - شمال وجنوب کے دالان کرائے پر چلتے تھے - یہ مسجد لطف اللہ خاں صادق کی بنائی ہوئی ہی چنانچہ پیش طاق پر "مسجد لطف اللہ خاں صادق" کندہ ہی - اس مسجد کی یہ حالت جو اب ہم اوپر لکھ آئے ہیں بالکل نہیں رہی بلکہ نہایت وسیع اور شاندار دو منزلہ وسہ منزلہ عمارات صحن مسجد کے گرد بن گئی ہیں اور ابھی تعمیر جاری ہی مولوی محمد امین الدین صاحب جنھوں نے تن من دھن سب خدا کی راہ میں لگا دیا ہی چندے سے بنوا رہے ہیں - میں مسجد کو دیکھ کر حیرت میں رہ گیا کہ اللہ اکبر دلّی میں بھی ایسی مسجد ہی - اس کا بہت بڑا عالی شان دروازہ جس پر سہ دری کا بنگلہ ہی دیکھ کر ہی دل باغ باغ ہوجاتا ہی اندر جاؤ تو کچھ عجیب نظارہ ہی یہ دروازہ دوہرا ہی بیرونی دروازے اور اندرونی دروازے کے بیچ میں لداوی ڈیوڑھی ہی جس کے داہنے بائیں ایک ایک سہ دری ہی - اندر ابھی پرانی مسجد اصلی حالت میں کھڑی ہی جو بالکل معمولی ہی پیش طاق کے ادھر ادھر دو دو در ہیں چھت سپاٹ لداؤ کی اوپر کنگورا اور دونوں طرف چھوٹے چھوٹے مینار ہیں - اسے ابھی ہاتھ نہیں لگایا ابھی شمالی اور چند دالان دو منزلہ نئے بنے ہیں - شمال کی طرف کے دالان میں دو منزلہ سات حجرے طلبا کے رہنے کے ہیں جس کے دونوں طرف زینے اور سہ منزلہ پر ایک تین در کا کمرہ بنا ہوا ہی اور اسی طرح کا

جنوب میں ہی۔ مغرب کی طرف اصل مسجد ہی جو دو منزلہ بنائی جاے گی۔ مشرق میں صدر دروازہ ہی جس کا ذکر ہم اوپر کرچکے ہیں جن کے ادھر اودھر دو منزلہ دالان ہیں یہ سہ طرفہ عمارت طلبا کا دار الاقامہ۔ مدرسۂ امینیہ۔ مہتمم و مدرسین کے رہنے کے حجرے دار الافتا۔ دار الحدیث۔ کتب خانہ وغیرہ سب ضروریات کو مکتفی ہی مجھ کو نہیں معلوم ہوتا کہ کس دماغ نے یہ نقشہ اختراع کیا ہی اور آیا کوئی ایسا شخص جو فن انجنیری میں کمال نہ رکھتا ہو ایسی خوش قطع اور نفیس عمارت بنا سکتا ہی۔ ساری عمارت پختہ اور سنگ بست نہایت مستحکم۔ شان دار اور ہوادار ہی جس کے دیکھنے سے دل کو سرور اور آنکھوں میں نور آتا ہی۔ اصل مسجد کی لمبان ۵۶ فٹ - ۶ انچ ہی۔ صحن جس میں چوکے بچھے ہوے ہیں ۴۴ فٹ - ۳ انچ چوڑا ہی۔ گرد کے جدید دالان ۵۶ فٹ - ۱ انچ لمبے ۱۵ فٹ - ۴ انچ چوڑے ہیں۔ پہلی اور دوسری منزل کی سولہا سولہا سیڑھیاں ہیں اور تیسری کی چودہ بیچ صحن میں سنگ سرخ کا ایک مربع حوض ہی۔ سنگ سرخ کا پہلا چبوترہ ۲۴ فٹ - ۲ انچ مربع اور ۱ فٹ - ۱ انچ اونچا ہی۔ دوسرا چبوترا ۱۰-۲ × مربع ۹ ½ انچ اونچا ہی جس کا حاشیہ سنگ مرمر کا ہی۔ بیچ میں فوارہ ہی۔ صدر دروازے پر نہایت خوش کتبات حسب ذیل ہیں:- پیشانی پر ایک ہی لمبی سطر میں یہ عربی کا کتبہ ہی اور دونوں پاکھوں پر فارسی کے قطعات ہیں۔

اَلْمَدْرَسَةُ الْعَرَبِيَّةُ الْاِسْلَامِيَّةُ الْاَمِيْنِيَّةُ الرَّفِيْعَةُ الْبِنَاءِ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ الَّتِيْ اُسِّسَتْ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اُسِّسَتْ فِيْهِ وُضِعَ اَسَاسُهَا فِيْ سَنَةِ اَلْفٍ وَّثَلٰثِمِائَةٍ وَّخَمْسَ عَشَرَ مِنَ الْمَسْجِدِ الْمُطْلٰى وَلَبِثَتْ فِيْهِ سَبْعَ عَشَرَةَ سَنَةٍ اِلَّا قَلِيْلًا ثُمَّ انْتَقَلَتْ مِنْهُ فِيْ سَنَةِ اَلْفٍ وَّثَلٰثِمِائَةٍ وَّاَرْبَعٍ وَّثَلٰثِيْنَ اِلٰى هٰذَا الْمَسْجِدِ الْمَعْرُوْفِ بِمَسْجِدِ پَانِیْ پَتِیَان بَعْدَ مَا بُنِيَتْ هٰذِهِ الْعِمَارَةُ الرَّفِيْعَةُ وَالْمَنَازِلُ الْمُنِيْفَةُ عَلٰى نَفَقَةِ الْجَمَاعَةِ مِنْ اَهْلِ الْحَيِّ دِوَا الَّذِيْ فَاضَتْ رَوْضَةٌ مُخْضَلَّةٌ الَّتِيْ تَاوِيْ اِلَيْهَا اُولُوا الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰى وَكُلُّهَا مَوْقُوْفَةٌ لِوَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى شَانُهٗ۔

داہنی طرف پاکھے پر

تاریخ آغاز قیام مدرسۂ امینیہ عربیہ دہلی

امین الدین بیمن فضل یزداں | نہادہ طرح باغ علم و عرفاں
بزیر ایں مسجدے فرخندہ جائے | بناشد مدرسہ اخلاص عنواں
چوں شد معمور گنج علم و حکمت | سن تاسیس او جستند یاراں
رسید الہام حق بکفایت اللہ | کہ تاریخش بگو گلزار رضواں

۱۳۱۵ھ

بائیں طرف پاکھے پر

تاریخ تعمیر جدید مدرسۂ امینیہ عربیہ دہلی

سپس ایں نغز و فرخندہ مقامش | عطا فرمود حق از روئے احساں
ببذل ہمت اہل کرم شد | مثال گنبد خضرا اشس بنیاں
قبولش کن خداوندا برحمت | لوجہ اللہ وقف ست ایں دبستاں
بارغشس مخزن علم و گیاست | بخواں و ز حق طلب کن امن و ایماں

۱۳۴۴ھ

مدرسۂ امینیہ

اس مدرسہ کو مولوی محمد امین الدین صاحب (اورنگ آباد کن) نے چندے سے سنہری مسجد واقع چاندنی چوک میں جاری کیا۔ مولوی محمد امین الدین صاحب دکن سے ۱۳۰۸ھ میں دیوبند آئے اور وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر ۱۳۱۲ھ میں دہلی آئے اور ۱۳۱۵ھ میں اس مدرسہ کو کھولا۔ اس مدرسے میں علوم دینیہ اور جملہ علوم و فنون کی تکمیل نصاب نظامیہ کے موافق کی جاتی ہے۔ عربی علم ادب۔ حدیث شریف تفسیر۔ فقہ وغیرہ سب مضامین داخل کورس ہیں علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ حصول معاش کی غرض سے پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات مولوی فاضل و منشی فاضل وغیرہ کے لیے بھی طلبا طیار کیے جاتے ہیں۔ یہاں کے طلبا زبان عربی کی نوشت و خواند اور تقریر پر بخوبی قادر ہوتے ہیں۔ مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم بھی یہاں کے بعض طلبار کو علم ادب پڑھانے کے لیے خاص طور پر کچھ وقت دیا کرتے تھے۔ اس مدرسے کے طلبا گورنمنٹ کے مدارس میں بھی لیئے جاتے ہیں۔ اس مدرسہ کے صدر مدرس و مفتی مولوی کفایت اللہ صاحب شاہجہان پوری تعلیم یافتہ دیوبند ایک بڑے محدث فقیہ اور ادیب ہیں اور آپ کے علاوہ اور

کسی تنخواہ یاب اور بلا تنخواہ کے علماے جید زمرۂ مدرسین میں شامل ہیں۔ جو صاحب تنخواہ پاتے ہیں وہ برائے نام صرف حقیقی ضرورتوں کے بقدر لے لیتے ہیں ورنہ ان صاحبوں کے علمی تبحر اور خدمات کے اعتبار سے کہنا پڑتا ہے کہ۔ ع۔ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز۔ طلبار کی کثرت کی وجہ سے یہ مدرسہ تین سال ہوئے کہ سنہری مسجد واقع چاندنی چوک سے مسجد پانی پتیاں میں منتقل کیا گیا اب صرف تعلیم قرآن کا مدرسہ سنہری مسجد میں رہ گیا ہی اس مسجد کی تولیت بھی مولوی امین الدین صاحب کے سپرد ہی۔ مدرسہ کا حساب کتاب بالکل باقاعدہ اور اطمینان بخش حالت میں ہی۔ سالانہ رپورٹیں شایع ہوتی ہیں۔ تعداد طلبار ۱۷۶ ازروے رپورٹ ۳۶-۱۳۳۵ھ جن میں عربی خواں (۱۲۹) فارسی خواں (۲۶) قران خواں (۲۱) طلبار مختلف دیار وامصار کے ہیں۔ آمدنی چندے کی گھٹتی بڑھتی رہتی ہی جس کا اوسط پانسو روپیہ ماہانہ ہی اور خرچ بھی اسی کے لگ بھگ ہی۔ یہاں سارے ملک ہند سے فتوے آتے رہتے ہیں اور اُن کے جوابات باقاعدہ لکھے جاتے ہیں۔ عمارت کی مد جدا ہی اس پر اب تیس ہزار روپیہ خرچ ہو چکا ہی اور کام برابر جاری ہی۔ سرسید احمد خاں نے اگر علی گڈھ کالج کے لیئے لاکھوں روپیہ چندہ جمع کیا تو اُن کی وجاہت کو اس میں بڑا دخل تھا مگر یہاں محمد امین بے چارے کو کون جانتا ہی اور اُن کا اثر یا دباؤ کسی پر کیا پڑ سکتا ہی۔ نہ یہاں دینے سے کوئی دنیا میں نام آوری ہی نہ سرسید کی خوشنودی سے بیش قرار نوکری یا خطاب مل سکتا ہی یہاں کا دینا تو بس خالصاً لوجہ اللہ ہی۔ ایسی حالت میں ایک بالکل معمولی شخص کا اس قدر رقم خطیر جمع کر لینا بجز تائید غیبی کے قوت بشری سے خارج ہی پس ہم اس سے ہم کو یہ سبق بھی ملتا ہی کہ سچی سعی ہمیشہ مشکور ہوتی ہی اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ مَعَالِیَ الْاُمُوْرِ۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔

ہیملٹن روڈ

جو لوتھین برج سے شروع ہو کر ریلوے لین کے برابر برابر ڈفرن برج کی سڑک سے تقاطع کرتی ہوئی چھوٹے دروازے میں سے شہر کے باہر نکل گئی ہی۔ اس سڑک کے بائیں جانب تو ریلوے سٹیشن کے حدود کی

شمالی اونچی دیوار اس سرے سے اُس سرے تک چلی گئی ہی - ایک جگہ اوور برج ہی اور دوسری جگہ سندھ پنجاب دہلی ریلوے کے قدیم سٹیشن کی عمارت ہی جس میں اب گُڈز شیڈ یعنی مال گودام ہی - داہنی طرف :- نواب سلطان مرزا کی مسجد (شیعان) گلی کنجی - مسجد علی احمد شاہ - چھوٹی مسجد نمبر (۱) لب سڑک جس پر دھن الغنی مسجد حنفیہ" لکھا ہوا ہی - چھوٹا بازار جس کے اندر گلی دھوبی واڑہ - مسجد منشی قادر بخش اس کے سامنے کی گلی مندر بابو پربھو دیال جو کشمیری دروازہ بازار کے تھانے کے سامنے نکلتی ہی - مسجد عبد اللہ شاہ معروف بہ شاہ جی - زنانہ پرائمری سکول میونسپل بورڈ - ست گھرا - کھڑکی ابراہیم علی خاں - گلی حاجی محمد اشرف - اب پھر سڑک پر آئے - گلی نعل بند اں - زینت باڑی کشمیری دروازہ بازار اور ہیملٹن روڈ کے جنکشن سے تا زینت باڑی گورا بازار کہلاتا ہی کہ کسی زمانے میں اسی نواح میں گوروں کی فوج رہتی تھی - مسجد آسیہ بیگم اور مدرسہ مولوی عبد الرب صاحب - گندا نالہ - جس میں گلی تعلی گردالی اور اسی نام کی ایک مسجد - مسجد خضر بنگلہ سید فیروز - کوٹھی جیمس سکنر صاحب - گلی راجاں - گلی باغ بھکاری - امام باڑہ - درگاہ پنجہ - مسجد کھجور والی (شیعان) جس پر ۱۲۷۲ھ کندہ ہی - مسجد خضر بنگلہ سے ایک گلی موری دروازے کی سڑک سے جا ملتی ہی اس میں یہ گلیاں ہیں - گلی بڑ والی - گلی کلیان سنگھ - گلی دھوبیان - گلی سوئی والان - محلہ ڈور والان - سینٹ سٹیفنز مشن سکول جس کا ذکر موری گیٹ پر بھی آیا ہی -

درگاہ پنجہ شریف

گندہ نالہ - گلی پنجہ - دورِ آخر مغلیہ - اس درگاہ کا ایک بڑا احاطہ ہی - احاطے کے اندر مسجد اور ایک دالان ہی جس میں حضرت علیؓ کا پنجہ اور کچھ تبرکات ہیں - اس احاطے میں بہت سی قبریں ہیں جس میں سے صرف دو خاص طور پر تذکرے کے قابل ہیں -

(۱) مرزا محمد کی قبر

۱۲۳۵ھ
۱۸۱۹ء-۲۰

درگاہ میں دالان کے پاس مشرق کی طرف - قبر کے تعویذ پر یہ کتبہ ہی :-

یا غفار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آں مرزا محمدؐ واں حاوی علوم | حامی دیں وشیعیہ اولادِ مصطفٰے
جاں می دمید در تنِ دینِ محمدی | از نطقِ روح پرور انفاس و جانفزا
شد جان دیں بروں خرد گفت سالِ او | در شیون شس بگریہ بگو وا محمدا

وا اے افسوس محمدؐ سفر از دارِ فنا کرد

(۲) ابوالقاسم کی قبر
سنہ ۱۲۲۷ھ
۱۸۱۲-۱۳ء

درگاہ کے دالان کے سامنے۔ قبر کا تعویذ زمین کے برابر ہو گیا ہے جس پر یہ کتبہ ہے:-

ابوالقاسم محمد شفیع یوم حسابش باد سنہ ۱۲۲۷ھ

نامعلوم قبریں

کھڑکی ابراہیم علی خاں۔ عہد مغلیہ۔ سنگین احاطے کے اندر ایک سنگ مرمر کی قبر ہے جس کے گرد آیت الکرسی لکھی ہوئی ہے۔ دوسری چونے گچی کی ہے پتہ نہیں چلتا کہ یہ قبریں کن کی ہیں۔ ایک بڈھا کوئی اسی برس کی عمر کا کہتا تھا کہ اس نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ سنگ مرمر والی قبر حاجی عطاء اللہ کی ہے اور دوسری اُن کی بی بی کی ہے۔
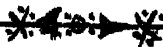
فہرست اُن مسجدوں کی جن کا ذکر اس کتاب میں نہیں آیا

سلسلہ نمبر	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۱)	آخوندجی	فراش خانہ	پہلے یہ مسجد ۱۱۰۵ھ ۹۴-۱۶۹۳ء میں بنی تھی دوبارہ ۱۳۰۸ھ ۹۱-۱۸۹۰ء میں بنی۔
(۲)	آسیہ بیگم کی مسجد	ہیملٹن روڈ	۱۳۰۴ھ یہ مسجد لب سڑک بہت خوش نما بنی ہوئی ہے جو دلی کے بہت بڑے مشہور واعظ مولوی عبد الرّب صاحب کی بنوائی ہوئی ہے اور انھیں کا ایک مدرسۂ عربی علوم دینیہ کا بھی ہے۔ انھیں مولوی صاحب نے سہارنپور کی مشہور جامع مسجد بنوائی تھی۔ یہ مسجد دراصل مولوی صاحب نے اپنی بیٹی آسیہ بیگم کے نام پر بنائی تھی کہ وہ جوان مریں۔ مولوی صاحب کے بعد اُن کے صاحب زادے مولوی محمد ادریس صاحب نے تکمیل کرائی۔ مسجد دالان در دالان لداؤ کی ہے۔ پانچ در ہیں۔ صحن میں چبوترے کے نیچے ہیں صحن کے آخری حصے پر ایک نفیس حوض اور کنواں ہے۔ چاروں طرف طلبا کے لیے حجرے اور دالان بنے ہوئے ہیں چھت پر بھی دو کمرے ہیں۔ مدرسہ خوب چل رہا ہے۔ یہ حوض اور کنواں میری والدہ اور بڑی بہن مرحومہ کے زر عطیہ سے بنا ہے۔ مسجد بہت اچھی حالت میں ہے۔ چندے سے مدرسہ چلتا ہے۔ مولوی عبدالرّب صاحب میرے نانا مولوی عبدالقادر صاحب کے حقیقی برادر کہین تھے۔ پیش طاق پر یہ کتبہ ہے جو بعد میں لگایا گیا ہے ھوالباقی

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			مسجد آسیہ بیگم حنفیہ تعمیر شدہ باہتمام مولوی محمد ادریس صاحب مرحوم ابن مولانا مولوی محمد عبد الرّب صاحب سال تعمیر سنہ ۱۳۴۰ھ
(۳۴)	آقا سیتا آم والی مسجد	کوچہ چیلاں کابلی دروازہ	شمال جنوب ۹م ۔ مشرق مغرب ۱۱ ۹ نہر سعادت خاں پر پولیس کے تھانے کے پاس یہ مسجد حاجی محمد عبد الغنی صاحب میونسپل کمشنر دہلی کے والد حاجی قطب الدین صاحب کی بنوائی ہوئی ہے اس کے صحن میں پہلے آم کا درخت تھا جس سے اس کا نام ایک آم والی مسجد پڑ گیا۔ مسجد کے پرانے طرز کو چھوڑ کر نئے طرز کی مسجد نہایت خوش نما پختہ اور عمدہ بنی ہوئی ہے۔ جس میں بجلی کی روشنی پانی کا نل سب کچھ ہے۔ چھوٹی سی جگہ میں بڑی معقول تراش خراش کی ہے اصل مسجد کا صرف ایک دالان نما کمرہ لداؤ کا ہے جس میں تین چوبی دروازے لگے ہوئے ہیں۔ صحن میں چوکور کا فرش ہے۔ داہنی طرف تین دروازے سڑک کی طرف ہیں ان میں بھی کواڑوں کی جوڑیاں چڑھی ہوئی ہیں۔ بائیں طرف تین در کا خوش نما دالان اس کے دو منزلے پر ایک اور کمرہ۔ مسجد کے دالان کی چھت کے چاروں کونوں پر چار نازک چھوٹے چھوٹے مینار۔ چھت کے گرد نہایت خوشنما دوہرا کٹھرا۔ سامنے وار آبدار خانہ غسل خانہ وغیرہ اس کے اوپر بھی کمرے بنے ہوئے ہیں صدر دروازہ نئے طرز کا نہایت ہی نفیس جس کے محاذ اور داہنے

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			بائیں نشیمن بنے ہوئے۔ دروازے کے ادھر ادھر ایک چھوٹی ٹی مینار۔ دروازے کا ڈزین لاجواب ہے۔ میں نے زمانۂ حال کی کسی مسجد کو ایسا خوشنما اور آراستہ نہیں دیکھا۔ جو نماز نہ پڑھتا ہو اُس کا بھی دل چاہے کہ دو رکعت یہاں پڑھ لے۔ صدر دروازے کی ڈیوڑھی میں ایک طرف مسقف کنواں۔ سڑک پر سے چھ سیڑھیاں چڑھ کر صحن مسجد میں داخل ہوتے ہیں۔ صدر دروازے کی پیشانی پر بہت اونچا یہ کتبہ ہے:۔ ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ مسجد کے باہر تھوڑا سا کھلا میدان ہے اُس میں ایک بہت پرانا بڑ کا درخت پھیلا ہوا ہے۔
(۵)	املی کی پہاڑی	املی کی پہاڑی	اسی مسجد کے نام سے محلہ مشہور ہو گیا ہے۔ قدیم۔ چھوٹی معمولی۔
(۶)	املی والی (۱)	رودگراں	معمولی ترمیم شدہ۔ کتبے سے جو پیش طاق پر ہے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۳۱۳ھ ۹۶-۱۸۹۵ء میں از سر نو بنی ہے۔
(۷)	ایضاً (۲)۔	مسجد تہور خاں	قدیم۔ معمولی نئے سر سے بنی ہوئی۔
(۸)	ایضاً (۳)۔	بلی ماراں	قدیم۔ مولوی سلیم الدین خاں کی بنائی ہوئی۔ شمال سے جنوب ۳۵ فٹ ۹ انچ۔ مشرق سے مغرب ۴۔
(۹)	انار والی	فراش خانہ گھنٹہ گھر کا کنواں	خیر النسا بیگم نے جو یحییٰ ہاشمی کی اولاد سے تھیں سنہ ۱۱۰۱ھ ۱۶۹۰ء میں بنائی ہے۔ صحن میں انار کا درخت ہونے سے یہ نام پڑا۔ پیش طاق پر سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ ہے:۔ این مسجدی کہ کعبۂ ارباب طاعت است　　اسلام تا بپاست اساسش بجا بود ہر کس بروے عجز بگریزد بدرگہش　　گر بیش از گناہ نباشد روا بود خیر النسا کہ بانیِ این قبلہ دعاست　　روی دلش ہمیشہ بسوی خدا بود

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			تا اولاد برگزیدہ یحییٰ ہاشمیت آں سیدہ کہ صالحہ بے ریا بود سالِ بنا او چو طلب کردم از خرد گفتا بگو کہ مسجد خیرالنسا بود
(۱۰)	ایضاً	کوچۂ رائمان	اسی نام کی یہ ایک مسجد چھوٹی سی کوچۂ رائمان بازار چاندنی چوک میں بھی ہے۔
(۱۱)	اونچی۔	کوچۂ سعداللہ خاں	قدیم۔ تیس فیٹ مربع۔
(۱۲)	ایضاً	گلی سرخ پوشاں	قدیم۔ چھوٹی۔ شاہ سرخ پوش کی بنائی ہوئی ہے اور اسی نام سے یہ گلی مشہور ہو گئی۔ اس مسجد کی درستی حال ہی میں ہوئی ہے
(۱۳)	ایضاً۔	اجمیری دروازہ۔ شاہ تارا کی گلی۔	قدیم۔ نو سیڑھیاں چڑھ کر مسجد میں داخل ہوتے ہیں۔
(۱۴)	ایضاً۔	محلہ بلی ماراں	نواب صاحب لوہارو کی کوٹھی کے پاس ۱۲۲۷ھ - ۱۸۱۲ء۔ پیش طاق پر یہ کتبہ ہے: چوں مسجد دلفریب دلچسپ و وسیع تیار شد از فضل کریم مطلق ہاتف بہ نشاط سالِ تاریخش گفت بنیاد نہادہ اسکر خانۂ حق
(۱۵)	ایضاً۔	کوچۂ رائمان	یہ مسجد تین گنبد اور محراب دار دروں کی ہے۔ بالائی منزل پر مسجد ہے اور نیچے پانچ دکانیں۔
			۱۲۶۱ھ - ۱۸۴۵ء مختصر۔ دو منزلہ۔ اوپر مسجد۔ نیچے ایک دکان پیش طاق پر خانہ خدا ۱۲۶۱ھ۔ یہی تاریخ ہے۔
(۱۶)	ایک برجی۔	املی کی پہاڑی۔	اس مسجد کا کوئی برج نہیں۔ بہت چھوٹی ہے لیکن چوں اس کے قریب میں گنبد شاہ محمد علی واعظ کا ہے شاید اسی لحاظ سے ایک برجی کہلانے لگی۔
(۱۷)	ایضاً۔	کوچۂ رائمان	آقا غنہ کے زمانے کی۔ شمال سے جنوب ۵ گز ۹ انچ۔ مشرق سے مغرب ۲۱ - ۱
(۱۸)	ایضاً۔	پھاٹک حبش خاں	عہد تغلق۔ بیچ میں ایک گنبد ہے اور ادھر ادھر لداؤ کی چھت ہے

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۱۹)	ایضاً	سیپٹھے والاں	″ ″ ″ ″ ″
(۲۰)	باغیچی والی	″	قدیم - مختصر - افضل یار خاں متولی -
(۲۱)	بدرالدین جھرکن	دریبۂ کلاں	سنہ ۱۲۶۵ھ - یہ چھوٹی سی دو منزلہ مسجد بدرالدین مشہور جھرکن کی بنوائی ہوئی ہے جس میں سڑک پر سے دس سیڑھیاں چڑھ کے جانا ہوتا ہے۔ مغرب جانب کی دیوار کے بیرونی حصے پر سیاہ زمین پر سفید حرفوں میں یہ کتبہ ہے :- چوں آفتاب دین توحید ذوالجلال — بنمود رخ ز مطلع ایں غرۂ کمال ای عابدان دہر چو ایں سجدگاہ نو — بینید در رکوع در آئید چوں ہلال بندۂ مسکین بدرالدین علی خاں از نیاز — کرد ایں تعمیر بہر خالق رب العلا از سر برکات ہاتف بہر سال تاریخ گفت — مہبط فیض الٰہی مسجد نیکو بنا
(۲۲)	برڑ والی	چھتہ پرتاب سنگھ گلی پیپل والی	سنہ ۱۰۶۱ھ - چھوٹی - دروازے پر ھو الغنی سنہ ۱۰۶۱ ہجری لکھا ہوا ہے -
(۲۳)	ایضاً	گندا نالہ	دروازے سے لگا ہوا برڑ کا درخت ہے۔ درخت کی جڑ میں ایک منڈوا بنا ہوا ہے جو کسی سید کا تھان ہے جس کی پرستش اہل ہنود کرتے ہیں۔
(۲۴)	بڑی مسجد	کوچۂ میر عاشق	قدیم - حافظ نور الدین متولی -
(۲۵)	بڑھیا والی	چتلا دروازہ	یہ قدیم مسجد کسی بڑھیا کی بنائی ہوئی ہے جس کا نام معلوم نہیں ہے
(۲۶)	ایضاً	موری دروازہ محلہ سٹودر والاں	″ ″ یہ اس کے تین در ہیں بیچ کے در کو تین چھوٹی محرابوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

نقشہ مسجد پنجابی کٹرہ

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۲۷)	بھٹیاری والی	چھتہ لال میاں محلہ چوہان	قدیم۔ شمال سے جنوب ۲۰ فٹ۔ مشرق سے مغرب ۱۲ فٹ ۸ انچ۔
(۲۸)	بیری والی	عقب کلاں مسجد	قدیم۔ ر ۲۵ فٹ ۸ انچ۔ ر ۱۸ فٹ ½ حاجی قبہ کی بنائی ہوئی ہے جو صحن مسجد میں دفن ہیں۔
(۲۹)	پلاؤ والی	قبرستان۔	قدیم۔ صحن میں پلاؤ کا درخت ہے جس کے پتے بخار کا مجرب علاج ہے۔ میر مینڈو کی مسجد بھی اس کو کہتے ہیں۔ غالباً انھیں کی بنائی ہوئی ہوگی۔
(۳۰)	پنجابیاں	بلّی ماراں۔	حسام الدین حیدر کی حویلی کے پاس۔ قدیم معمولی۔
(۳۱)	پنجابی کٹرہ۔	ریلوے سٹیشن ای آئی آر	پنجابی کٹرہ ایک محلہ تھا جس میں پنجابی (مسلمان تجار) رہتے تھے۔ اس کٹرے میں ایک مسجد بھی مصفا اور دل ربا سنگ سرخ کی نہایت خوش وضع اور خوب صورت تھی جس میں (مولوی عبدالخالق صاحب (راقم کے نانا مولوی عبد القادر صاحب کے والد) اور مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی (مولوی عبدالخالق صاحب کے داماد) درس و تدریس فرماتے تھے اور دن رات قال اللہ و قال الرسول کا ذکر رہتا تھا۔ اس مسجد میں مکانات دلچسپ اور ایک بہت پاکیزہ حوض تھا۔ اس مسجد کا صحن پہلے بہت وسیع تھا لیکن لوگوں نے اپنے مکان بڑھا کر بہت سی زمین صحن مسجد کی دبا لی لیکن پھر بھی دلّی کی بہترین مساجد میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ یہ مسجد نواب اورنگ آبادی بیگم صاحبہ نے جو اورنگ زیب بادشاہ کی محل تھیں اسی بادشاہ دین پناہ کے عہد میں بنوائی تھی

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			اور اپنے اعمالِ نیک کی یادگار چھوڑا تھا۔ یہ مسجد ریل میں آگئی اور اس کا نشان تک باقی نہ رہا۔ یہ مسجد اس جگہ تھی جہاں کہ دلی کا بڑا ریلوے سٹیشن ہی۔ میرے نانا صاحب کو جو اس مسجد کے امام تھے اُن کی حیات تک گورمنٹ سے پندرہ روپیہ ماہوار پیشِ امامی کی ملتی رہی مگر عمارات مسجد کا کچھ معاوضہ نہ ملا کہ وہ شاہی عمارت تھی۔
(۴۲)	پھول والاں	دریبۂ کلاں۔	قدیم۔ اوپر مسجد۔ نیچے تین دکانیں۔
(۴۳)	پیرجی	بارہ دری شیر افگن خاں	قدیم۔ جناب حکیم محمود خاں صاحب (جو حکیم اجمل خاں صاحب کے والد تھے) کے بزرگوں کی بنوائی ہوئی ہی۔ شیر افگن خاں کی بارہ دری جس پر سے محلہ مشہور ہی ڈھا دی گئی اور وہاں اور مکانات بن گئے۔ تاریخ میں کئی شیر افگن خاں ہیں یہ عزت الدولہ صفدر جنگ تھے جو محمد شاہ کے زمانے میں تھے جن کا مقبرہ مشہور ہی۔
(۴۴)	پیپل والی	گنج امیر خاں۔	قدیم۔ نواب اعظم خاں کے مکان کے عقب میں شمال سے جنوب ۱۴۔ مشرق سے مغرب ۱۸۔
(۴۵)	ایضاً	کوچۂ شریف بیگ	قدیم۔ معمولی۔
(۴۶)	ایضاً	کوچۂ رائیمان	قدیم۔ شمال سے جنوب ۱۳۔ ۹۔ مشرق سے مغرب۔ ۲۳۔ ۹۔ صحن وسیع اور ایک حوض۔
(۴۷)	تہور خاں	تہور خاں کی مسجد متصل نیا بانس	سنہ ۱۱۳۶ھ ۱۷۲۴ع لب سڑک۔ بالائی منزل پر مسجد اور نیچے چار دکانیں زینے کی سترہ سیڑھیاں۔ پیش طاق پر یہ کتبہ ہی:۔

(۱) بدوران محمد شاہ تہور خاں نامشکندی بنا فرمود مسجد را بتوفیقِ خداوندی

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			ہزار و یکصد و چل بود و تا این بنا خبر لسعی خانِ عالیشان مرتب شد بنحو رسندی (سنیچے کے دروازے پر) مسجد حنفیہ (۲) ہر کہ آمد زار ادت بنفیں شام و سحر خانہ از غیب ندا داد بیا فیض ببر یہ دوسرا کتبہ زمان حال کا ہی اور مسجد کا برآمدہ بھی جدید ہی۔ تہور خاں محمد شاہ کے زمانے میں شاہجہاں پور کے زمیندار تھے۔ ان کے بعد سنہ ۱۱ جلوس محمد شاہی میں ان کے برادر نسبتی محمد فضل خاں زمیندار ہوے۔
(۳۸)	تکیے والی	گندا نالہ	معمولی مرمت شدہ۔
(۳۹)	جامن والی	متصل کلاں محل	قدیم۔ از سر نو تعمیر شدہ۔ پہلے حکیم مینا نامی کسی صاحب نے بنائی تھی۔
(۴۰)	جوتے والاں	چوڑی والاں	قدیم۔ حال میں درست کرکے توسیع کی گئی ہی۔ اس مسجد میں حوض اور بجلی کی روشنی بھی ہی۔ جوتے والوں نے خوب بنا سنوار کے رکھا ہی اور جا بجا کلام مجید کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔
(۴۱)	چاندی والاں	رہٹ کا کنواں	قدیم۔ معمولی۔
(۴۲)	چندا گھوسی	محلہ گھوسیاں عقب کلاں مسجد۔	قدیم۔ چھوٹی۔ چندا گھوسی نے اس کو درست کرایا اس لیئے اُسی کا نام پڑ گیا۔
(۴۳)	چوبی	مہتاب باغ	مہتاب باغ سے آگے نکل کر دو مکان شاہی مطبخ کے تھے جو چھوٹا خاصہ اور بڑا خاصہ کہلاتے تھے اس کے پاس ایک مسجد تھی چوبی احمد شاہ نے سنہ ۱۱۶۴ھ / ۱۷۵۰-۵۱ء میں بنوائی تھی باغ کے ساتھ وہ مسجد بھی صاف ہو گئی۔ جب وہ مسجد ہی نہیں رہی تو ہم اس کی نوعیت کیا لکھ

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			جنوب مشرق کے کونے میں ایک حوض قلتین کا شیعہ لوگوں کا ہے۔ یہ مسجد اعتماد الدولہ حامد علی خاں صاحب وزیر اعظم بہادر شاہ ثانی کی بنائی ہوئی ہے۔ پیش طاق پر **غالب** کا یہ قطعہ کندہ ہے۔ اعتماد الدولہ کز افراطِ جود ہست در پیش کفش قلزم غدیر دیدہ ور حامد علی خاں کز صفا بیند اسرار ازل را در ضمیر ساخت در دہلی ہمایوں مسجدے (تا) شود طاعتگہ برنا و پیر غالب ان طوبیٰ نشینِ عندلیب زد باندازِ سخن سنجی صفیر شد نظیرِ کعبہ در عالم پدید سالِ تعمیرش بود "کعبہ نظیر" ۱۲۵۷ باہتمام مولوی تیغ علی ۱۲۵۷ھ
(۵۱)	حکیم جی	میٹھے کنوئیں کی گلی فراش خانہ۔	قدیم۔ مختصر۔
(۵۲)	حکیم آغا جان	چھتہ آغا جان کوچۂ فولاد خاں پھول کی منڈی	قدیم۔ یہ مسجد اہتمام علی خاں کوتوال برادر فولاد خاں کی بنوائی ہوئی ہے۔ اس کا چبوترا بھرتی میں آگیا ہے۔ اہتمام خاں شاہ جہاں کے دربار کا ایک امیر تھا۔ پہلے وہ بارہ ہزاری منصبدار اور پانسو سواروں کا افسر تھا بعد میں دو ہزار دو صدی اور آٹھ سو سوار ملے اور دو دفعہ کوتوالی کی خدمت ملی اس کا انتقال ۱۰۵۶ھ ۱۶۴۶ء میں ہوا۔
(۵۳)	حکیم شریف خاں	بلی ماراں	۱۲۶۱ھ ۱۸۴۵ء۔ یہ مسجد دو منزلہ ہے اوپر گنبد مسجد کے نیچے پانچ دکانیں۔ صحن کے شمالی سرے پر چودہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ یہ جناب حکیم حافظ

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			محمد اجمل خاں صاحب نواب حاذق الملک بہادر کے دادا صاحب کی بنائی ہوئی ہے

حکیم شریف خاں پسر حکیم اکمل خاں دہلی کے مشہور طبیب تھے جن کو سلاطین مغلیہ کی جانب سے علاوہ جاگیر کے اشرف الحکمار کا خطاب بھی تھا۔

حکیم شریف خاں صاحب ایک خاندانی طبیب تھے جن کا وقار، رسوخ و اعتماد دربار شاہی اور پبلک میں یکساں تھا۔ بانی خاندان وسط ایشیا کے رہنے والے تھے اور کاشغر سے بابر بادشاہ کے ساتھ ہندوستان میں آئے تھے۔ اکبر کے زمانے میں آپ آگرے میں مقیم تھے جہاں آپ کے ابا و اجداد کی علمیت اور تقدس کا بڑا شہرہ تھا۔ حکیم محمد فاضل خاں صاحب نے بڑا نام پایا۔ اورنگ زیب کے عہد میں حکیم واصل خاں صاحب دہلی تشریف لائے جن کے صاحبزادگان حکیم اکمل خاں اور حکیم اجمل خاں سہ ہزاری منصب اور دو لاکھ محاصلی جاگیر رکھتے تھے۔ اور اکمل خاں صاحب کو اکمل المحققین الملک کا خطاب تھا۔ اس مسجد کے پیش طاق پر یہ کتبہ ہے:۔

شکر خدا بسعیِ محمد شریف خاں ۔۔۔ شد طرح مسجدے کہ بود کعبۂ صفا
برخاست چوں ندائے موذن خطیب عقل ۔۔۔ گفتا بجوے سالِ وے از خانۂ خدا

۱۲۶۱ھ

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۵۴)	حکیم مہر علی شاہ	کچا باغ	قدیم۔ مہر علی شاہ کی بنائی ہوئی ہے۔ صحن مسجد میں کئی قبریں انھیں کے خاندان کے لوگوں کی ہیں جن میں سے ایک قبر شاہ عبد اللطیف کی ہے جو مہر علی شاہ کے مرشد تھے اس کا کتبہ اب قبر سے علیحدہ ایک چھوٹے سے احاطے میں رکھا ہوا ہے:۔ ھو اللطیف الخبیر چو رفت از جہاں شاہ عبد اللطیف ۔۔۔ ازیں واقعہ خستہ دل شد امیر بتاریخ اس گفت ہاتف ز آہ ۔۔۔ علیم سلیم لطیف خبیر
(۵۵)	حمام والی	چوڑی والاں	قدیم۔ مختصر۔

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۵۶)	حوض والی	اجرٹن روڈ نئی سڑک	اسی نام کی ایک مسجد محلہ حوض سوئی والاں میں ہے جس کا ذکر سید داؤد کی قبر کے ضمن میں آچکا ہے۔ یہ مسجد بھی قدیم ہے۔ شمال سے جنوب ۴۰-۹۔ مشرق سے مغرب ۳۲-۱۔ جس میں ایک وسیع صحن اور حوض بھی ہے۔
(۵۷)	خلیفہ جی	کوچۂ چاند خاں	حال میں ترمیم ہوئی ہے۔ شمال سے جنوب ۳۷-۱۱۔ مشرق سے مغرب ۱۶-۹۔
(۵۸)	خواجہ تراب (طرب)	بازار سیتا رام	سنہ ۱۰۶۳ھ ۵۳-۱۶۵۲ء اس مسجد کا انتظام مسجد فتح پوری کی کمیٹی کے سپرد ہے۔ مسجد شمال سے جنوب ۴۶ اور مشرق سے مغرب ۱۳-۹ ہے۔ یہ مسجد نہایت مستحکم از سرتاپا سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے۔ صحن اس کا نہایت وسیع ہے جس کے ایک حصے میں سنگ سرخ کا فرش ہے۔ اس کے تین گنبد ہیں۔ پیش طاق کے کتبے میں جن دکانوں کے وقف کرنے کا ذکر ہے وہ دکانیں مسجد کے شمال میں اب بھی موجود ہیں مگر عرصہ ہوا کہ مسجد سے اُن کا تعلق باقی نہ رہا۔ "در سال ۲۶ جلوس حضرت ظل اللہ شاہجہاں بادشاہ غازی صاحبقراں ثانی کہ موافق سنہ ۱۰۶۳ ہجری بانی ایں مسجد و چاہ خواجہ طرب توفیق اتمام ایں معبد شریف یافتہ وجہ محصول شش دوکان متعلقہ آنرا برکسانیکہ در اوقات خمسہ باقامت امر اقامت واذان قیام نمایند وقف گردانید"
(۵۹)	خواجہ میر درد	کوچہ فولاد خاں اندرون بارہ دری	یہ مسجد خواجہ میر درد کی بنائی ہوئی ہے جو ایک مشہور

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۶۰)	خوجن صاحب	پنڈت کا کوچہ گلی عزیز الدین	شاعر تھے۔ (۱۷۴) برس ہوئے کہ از سرِ نو تعمیر ہوئی ۱۱۶۵ھ ۵۲-۱۷۵۱ء شمال سے جنوب ۲۶ فٹ ۹ انچ - مشرق سے مغرب ۱۲ فٹ ۱۰ انچ - بیرونی دروازے کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے:- محمد عربی کابروے ہر دو سرا ست — کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او چراغ مسجد و محراب و منبر — ابوبکر و عمر عثمان و حیدر بنائے مسجد مرزا محمد جان بر کی در سنہ یکہزار و شصت و پنج ہجری
(۶۱)	خوں بہا	مالی واڑہ	محمد شاہ کے زمانے کی یہ ایک چھوٹی سی مسجد تین گنبدوں اور تین دروں کی ہے۔ صحن میں

سنگ سرخ کا فرش ہے۔ جس کے جنوب و مشرق کے کونے میں ایک ہشت پہلو حوض ہے۔ ایک چھوٹا سا داخلی دروازہ شمال کی طرف ہے۔ اسکے بعد ایک لمبی سی ڈیوڑھی ہے۔ صحن کے مغرب میں دو قبریں ہیں۔ اس قبر پر دوازدہ اماموں کے نام اور "تحریر شعبان سنہ ۱۵ مقدس ما..." کندہ ہے۔ دوازدہ اماموں سے معلوم ہوتا ہے کہ جن کی یہ قبر ہے وہ شیعہ مذہب تھے۔ کتبہ ناتمام اور ناقص ہو مٹ گیا ہے پڑھا نہیں جاتا۔ سنہ ۱۵ غالباً جلوس محمد شاہی ہوگا۔ احمد حسین دنداں ساز متولی مسجد کی وجہ تسمیہ کے واقعے کے یوں ناقل ہیں کہ وقت بنائے شاہجہان آباد امرا اور درباریوں اور عہدہ داروں کو مکانات بنانے کو زمینات دی گئی تھیں دو بھائی انور اور منور کے نام کے شاہجہاں بادشاہ کے آہن گر تھے ان کو بھی جامع مسجد کے پاس ایک ٹکڑا زمین کا ملا تھا جو اُستاد حامد مشہور میر عمارت شاہجہانی کے پاس تھا چنانچہ کوچۂ اُستاد حامد موجود ہے۔ محمد شاہ کے عہد میں محمد علی عرف نظر محمد جو انھیں دونوں بھائیوں کی اولاد میں تھا وہ ہولی کے جھگڑے میں شِب کرن داس جوہری کے ہاتھ سے مارا گیا۔ شِب کرن نے خود یا اُس کے لوگوں میں سے کسی نے ہولی کا رنگ نظر محمد پر ڈال دیا تھا۔ بات

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			بڑھتے بڑھتے بڑھ گئی اور نظر محمد کی جان گئی۔ اس قصور میں جوہری کا مکان ضبط کرکے نظر محمد کے لوگوں کو دے دیا گیا۔ اس مکان کے ایک حصّے میں تو یہ مسجد بنی اور دوسرے میں امام باڑہ اب وہ امام باڑہ تو رہا نہیں مسجد البتہ موجود ہی۔ جس قبر پر کتبہ ہی وہ نظر محمد کی کہی جاتی ہی لیکن ہم کو اس روایت کے قبول کرنے میں کہ نظر محمد مارا گیا ذرا احتمال اس وجہ سے ہی کہ نظر محمد کے قتل کے ساتھ ہی اس قدر جلد مکان کا ضبط ہونا اور مسجد اور امام باڑے کا بن جانا اور پھر اُس میں نظر محمد کا دفن بھی ہو جانا قرین قیاس نہیں ہی۔ ہاں یہ ممکن ہی کہ نظر محمد اس ہنگامے میں زخمی ہوا ہو اور اُسے جوہری کا مکان مل گیا ہو اور اُسی جگہ مسجد بن گئی ہو جب وہ مرا ہو۔
(۶۲)	درگاہ والی مسجد اور صدر جہاں کی قبر	پچیرہ خانہ متصل چھتہ تن سکھ رائے	قدیم۔ معمولی۔ اسی کے پاس درگاہ کے پختہ احاطے میں صدر جہاں کی سنگ مرمر کی قبر ہی۔ صدر جہاں اکثر قاضیوں کا خطاب ہوتا ہی نہ قبر پر کوئی کتبہ ہی۔ نہ کسی کے زبانی ان بزرگ کا کچھ حال معلوم ہوتا ہی۔
(۶۳)	دھوبیان	دلی دروازہ شہر	قدیم۔ شمال سے جنوب ۲۴ فٹ ۔ ۴ انچ۔ مشرق سے مغرب ۱۱ فٹ۔ معمولی۔
(۶۴)	راجاں	چھتہ پرتاب سنگھ گلی پیپل والی	سنہ ۱۰۶۱ھ / ۱۶۵۱ء اندرون مسجد دروازے پر کلمۂ طیبہ اور یہ سنہ کھدا ہوا ہی۔ بیرونی دروازے پر جو پیپل والی گلی کی طرف ہی اور جس کے سامنے کنواں ہی اُس

نشان سلسلہ	نام مسجد	مقام	کیفیت
			کنوئیں کے متعلق یہ کتبہ ہے:- چاہ مسجد راجان ۱۰۶۱ ہجری
(۶۵)	راے بیل	موری دروازہ کوچہ مستطر خاں	قدیم سہ برجی -
(۶۶)	رحیم علی وکیل	نئی سڑک ڈائی واڑہ	قدیم - معمولی -
(۶۷)	رمضان شاہ	کوچہ مولوی قاسم	۱۲۱۶ھ ۱۸۰۱-۲ء - یہ مسجد سڑک سے بلند ہے - اس کی چھت مسطح ہے اور گنبد نہیں ہیں - پانچ در کی مسجد ہے - کتبے کا ایک پتھر یہاں خالی دھرا ہوا ہے - یعنی کہیں نصب نہیں ہے - اس پر علاوہ آیات قرآنی کے یہ کتبہ ہے:- دو بانیہ امیر النسا زوجۂ نواب یعقوب علی خاں مرحوم خوشدامن نواب منصور خاں ۱۲۱۶ھ نہ کوئی امیر النسا کو جانتا ہے نہ یعقوب علی خاں کو مگر منصور خاں البتہ شاہ عالم ثانی کے درباریوں میں ایک صاحب تھے - جن کا اصلی نام صفدر خاں تھا جو دیار مشرق سے کم سنی میں شاہ عالم کے ساتھ آئے تھے - صفدر خاں بڑا متمول ہو گیا تھا اور جس وقت غلام قادر نے شاہ عالم کو کحول کیا تو صفدر خاں نے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے اور بادشاہ کا ساتھ دیا مگر اس کی کچھ چلی نہیں -
	رنڈی کی مسجد	لال کنواں محلہ سرکی والاں	دیکھو لال مسجد نمبر (۲)
(۶۸)	ساربان	نہر سعادت خاں محاذی کٹڑہ نارائن داس	قدیم - یہ مسجد نہر سعادت خاں کے سیدھے کنارے پر بنی ہوئی ہے - بلا گنبد تین در کے دہرے دالان ہیں صحن کے مشرق میں ایک حجرہ ہے جس کے پاس

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۶۹)	سبز	کٹڑہ آدینہ بیگ خاں	دروازے کے سامنے ایک محراب ہی جس میں سے پہلے زمین کے اندر اندر نہر تک رستہ تھا لوگ اُس میں سے جاکر وضو کر لیتے تھے۔ اب نہر بند ہو گئی یہ رستہ بھی بے کار ہی۔ سنہ ۱۱۹۲ھ ۸۲-۱۷۸۱ء دومنزلہ۔ اوپر مسجد جس میں سڑک پر سے دس سیڑھیاں چڑھ کر داخل ہوتے ہیں نیچے چار دکانیں ہیں۔ پیش طاق پر یہ کتبہ ہی:- آدینہ بیگ کہ ہست خان عالیشان بکار نیک خدا بس کہ داد توفیقش بنا نمود چو باغ ارم یکے مسجد چنانکہ کعبہ نوشتن سزد بتعریفش خط کتابۂ او را ہمیں کہ میگوید دُبیا نجانہ دین است سال تاریخش تاریخ میں آدینہ بیگ خاں کے نام کا ایک ہی شخص گزرا ہی جس کی وفات ۱۱۷۲ھ ۵۹-۱۷۵۸ء میں ہوئی۔

اگر اسی آدینہ بیگ سے یہاں مراد ہی تو ضرور ہوا کہ مسجد پہلے بنی اور کتبہ بہت دنوں بعد لگایا گیا ہوگا۔ آدینہ بیگ آرائیں نسل کا تھا۔ اس کے باپ کا نام چنو تھا جو لاہور کے پاس موضع شرق پور میں رہتا تھا۔ آدینہ بیگ نے مغلوں میں پرورش پائی اور بڑا قابل محاسب تھا۔ اُس کی ملازمت کی ابتدا موضع کنک کی محصول داری سے ہوئی جو لدھیانے کے پاس ہی۔ اس کم تر خدمت سے وہ بڑھتے بڑھتے خدمت جلیلۂ صوبہ داری سلطان پور پر پہنچا۔ اس کے بعد وہ ملک دوآب (جالندھر) کا صوبہ دار ہوا جس کا انتظام اُس نے بڑی خوبی سے کیا۔ نہایت ہوشیار۔ زیرک اور امور سلطنت کا ماہر تھا اور ہمیشہ لاہور کے گورنروں کا مورد عنایات رہتا تھا۔ ابدالی سرداروں اور سکھوں کی دشمنی سے، اپنی قوت اور وقار میں انحطاط دیکھ کر اس نے اپنی مدد کو مرہٹوں کو بلوایا چنانچہ اُن کی مدد سے سرہند اور لاہور کا کل خطہ فتح کر لیا لیکن افسوس کہ وہ اپنی فتوحات سے کچھ متمتع نہ ہو سکا اور زمان قریب میں اُور خرم

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			سنہ ۵ جلوس عالمگیر ثانی میں انتقال کر گیا۔ فرحت الناظرین میں اس کا خطاب "بہرام جنگ" لکھا ہے
(۷۰)	ستد ھوگھوسن	چرخے والاں	سنہ ۱۲۵۳ھ ۱۸۳۷-۳۸ء۔ یہ مسجد دو منزلہ تین گنبد اور تین دروں کی ہے۔ اوپر مسجد نیچے چار دکانیں ہیں۔ پیش طاق پر یہ کتبہ ہے:- مسجد و مدرسہ و چاہ و مکانِ مسکن ہمہ را وقف شد از عاجزہ ستد ھوگھوسن وارثِ ہر مکاں کس نشود غیرِ خدا گر شود رو بہ جزا دست من اندر دامن من الہجرۃ النبوی سنہ ۱۲۵۳
(۷۱)	سرکی والاں	نواب دل بیگ خاں کی حویلی کے پھاٹک کے پاس	سنہ ۱۲۷۰ھ ۱۸۵۳-۵۴ء۔ دو منزلہ۔ اوپر مسجد۔ نیچے دکانیں۔ شمال سے جنوب ۴۳ فٹ۔ مشرق سے مغرب ۲۵ فٹ۔ تین گنبد اور تین در و صحن۔ سڑک پر سے گیارہ سیڑھیاں چڑھ کر صحن مسجد میں داخل ہوتے ہیں
(۷۲)	سڑک والی	روشن پورہ	قدیم۔ مختصر
(۷۳)	ستوجی	بازار لال کنواں	قدیم۔ مختصر۔ مولوی ثنار اللہ کی بنوائی ہوئی ہے۔ مولوی صاحب کا عرف ستوجی تھا۔
(۷۴)	سوار خاں	کوچۂ پنڈت۔ گلی سوار خاں	سنہ ۱۲۰۹ھ ۱۷۹۴-۹۵ء۔ دروازہ پر مسجد علی محمد خاں حنفی سنہ ۱۲۰۹ لکھا ہوا ہے۔
(۷۵)	شہتوت والی	چھپرہ خانہ میتوالی گلی	قدیم معمولی۔
(۷۶)	شیش محل	حویلی میر خاں۔ محلہ تیلیاں	قدیم۔ شمال سے جنوب ۲۸ فٹ۔ مشرق سے مغرب ۲۰ فٹ ۹ انچ۔
(۷۷)	شیعوں کی مسجد	موری دروازہ	قدیم۔ سڑک پر سے ایک تنگ زینے میں سے پانچ سیڑھیاں چڑھ کے اوپر جانا ہوتا ہے۔ گنبد دار مسجد ہے۔ جنوب مشرق کے کونے میں ایک چھوٹا سا حوض ہے

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			جو قلتین کہلاتا ہی۔
(۷۸)	صوفی جی۔	کنجنیوں کی گلی کشمیری دروازہ	سنہ ۱۲۲۹ھ (۱۴-۱۸۱۳ء) - آیات کلام اللہ کے ساتھ یہ تاریخ لکھی ہوئی ہی اور کچھ حال اس کا معلوم نہیں۔
(۷۹)	غازی الدین کی مسجد	نہر پہ پھاٹک نہر سعادت خاں کے محاذی	سنہ ۱۱۴۰ھ (۲۸-۱۷۲۷ء) - دراصل یہ مسجد غازی الدین خاں کی بنائی ہوئی ہی لیکن چوں کہ دہلی کے ایک بڑے مولوی حفیظ اللہ خاں صاحب اس مسجد میں بالالتزام

وعظ کہا کرتے تھے لہذا اب اُنھیں کی مسجد مشہور ہی۔ اس کے تین چھوٹے چھوٹے دروازے صحن کی شمالی دیواریں ہیں صحن کے جنوب اور مشرق کی طرف حجرے بنے ہوئے ہیں جن میں سے مشرقی رُخ کے دومنزلہ ہیں مسجد کے تین گنبد اور تین در ہیں - بانی مسجد غازی الدین خاں کا اصل نام احمد بیگ عرف کوکا تھا جو معز الدین جہاں دار بادشاہ (۱۳-۱۷۱۲ء) کا رضاعی بھائی تھا اور اُسی کا ملازم بھی تھا آگے چل کر کچھ سو مزاجی کی وجہ سے شاہزادہ عظیم شاہ کا سلسلۂ ملازمت اختیار کر لیا۔ عظیم شاہ نے اسے اپنے بیٹے فرخ سیر کے ساتھ بنگالے بھیج دیا۔ بہادر شاہ کی وفات کے بعد فرخ سیر تخت سلطنت کا دعوی دار ہوا اور احمد بیگ کو غازی الدین خاں کا خطاب دے کر جنگ کی طیاری کرنے کا حکم دیا۔ جب فرخ سیر نے اپنے چچا جہاں دار شاہ پر فتح پائی تو احمد بیگ کو شش ہزاری منصب پانچ ہزار سوار اور غالب جنگ کا خطاب ملا۔ سید حسین علی اور بارہے کے سید عبد اللہ شروع شروع دونوں سے مخالفت رہی اُنھوں نے احمد بیگ اور فرخ سیر دونوں کو قید کر دیا۔ بعد میں بزبانِ سلطنت محمد شاہ۔ قطب الملک سید عبد اللہ نے پھر احمد بیگ سے دوستی گانٹھ لی اور بادشاہ کے خلاف سید عبد اللہ سے جا ملا۔ لیکن آخر کار محمد شاہ نے احمد بیگ کی خطاؤں پر عفو کا پردہ ڈال کر اُس کا منصب وغیرہ بحال کر کے اُس کو اُس کے پہلے مرتبے پر قایم کر دیا۔ اس مسجد کے پیش طاق پر کتبہ ہی

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۸۰)	غلام علی چشتی	گلی سنگھی والی عقب کلاں مسجد	از فیوضاتِ خدا و مصطفیٰ و پادشاہ　غازی الدین خاں بہادر سپہر دین متیں کرد احیا مسجدے بر روئے نہر از بہر خلق　ہر ستونِ پایہ اش چوں سدِ اسکندر متیں آبِ نہر از خاک روبی ہوئے آدر گہش　موج پرور شد چو آبِ خضر در روئے زمیں ہر در واقش ہمچو چشم مستِ خوباں دلفریب　ہر ستون و پایہ اش چوں سدِ اسکندر متیں بے شک بے شبہ بگیرد دو عالیش مستجاب　ہر کہ مالد بر زمینِ طاقِ محرابش جبیں سال تاریخش بہ نظم از فضلِ حق گفتا کہ شد　مسجدے احمد بنا از رحمت للعالمین ۱۱۹۵ھ　اس کا حال صدر محراب کے ذیل کے کتبے سے واضح ہوگا۔ "مسجد مولوی محب اللہ ساکن دہلی بمساحتِ زمین مسجد مع چاہ غلام چشتی یکصد و چہل و چہار ذرعہ معماری و دو صد و دو ذرعہ زمینِ قبرستان مملوکۂ مرزا الن بیگ ولد محمد بیگ بنام مسجد مندرجۂ بالا کہ اجارۂ غلام چشتی بفاصلہ جانب مشرق بست و ہشت قدم واقع است ۱۱۹۵ ہجری بسبیل اللہ وقف کردہ شد"۔
(۸۱)	فرینچاس	کوچۂ قابل عطار کے پاس	قدیم۔ پنجابی کھتری فرینچاس کہلاتے ہیں جو نومسلم ہیں مگر اب بھی ذات کی پابندی کرتے ہیں اور اپنی برادری کے باہر شادی نہیں کرتے۔
(۸۲)	قاضی کے حوض والی	قاضی کا حوض	۱۱۳۱ھ۔ شمال سے جنوب ۹۴۔ مشرق سے مغرب ۲۲۔ بہت قدیم کہی جاتی ہی لیکن مفتی کریم اللہ صاحب نے از سر نو بنوایا اور توسیع بھی کی مسجد کے جنوب مشرق کے کونے میں ایک مکان ہی جس کے دروازے پر "باغ نبی اللہ ۱۱۳۱" لکھا ہوا ہی۔ جس سے معلوم ہوتا ہی کہ یہاں کسی زمانے میں باغ بھی تھا عجب نہیں کہ اسی باغ کی جگہ یہ مکان بنا ہوا ور باغ کا کتبہ اس مکان کے دروازے پر لگا دیا ہوگا۔

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۸۳)	غلام نبی کی مسجد	موری دروازہ محلہ ڈوروالاں	یہ مسجد از سر نو بنائی گئی ہے اور توسیع بھی ہوئی ہے۔ اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔
(۸۴) (۸۵)	قاضی زادوں کی قبروں والی	فیض بازار گلی شاہ تارا	یہ وہی روشن الدولہ کی سنہری مسجد ہے جس کا ذکر علیحدہ آچکا ہے ۱۲۰۱ھ / ۸۷-۱۷۸۶ء۔ شمال سے جنوب ۲۰ - ۴ - مشرق سے مغرب ۱۳ - ۱۰ - تین گنبد۔ تین در۔ صحن میں دو طرف دالان و حجرے۔ پیش طاق پر ایک سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ ہے:- بود پاینده خاں لیبر جنگ خطاب رفت بر داز فنا سوے بقا اسباب رابعہ بیگم اہلش ایں بنا بنمود ہمچو قطب فلک ارض "اختر بجناب" ۱۲۰۱ مسجد ہی کے صحن میں پائندہ خاں کی قبر سنگ مرمر کی ہے جس پر یہ کتبہ ہے۔ پاینده خانی شرف دہر کہ ذاتش موصوف باوصاف حسن بود کماہی خانی کہ بلندی سنرد قدر رفیعش بگذاشت بچرخ برین دست الٰہی اسپہبد سرکرده کہ میداد جنبش امروز بمغفور بی فرداش گواہی از بحر فنا رخت بدر برد جہاں را بگذاشت در امواج چو کشتی ماہی تاریخ چو جستم "در آخرت الملک بحالی حشرش بحسین ابن علی باد الٰہی" ۱۲۰۱
(۸۶)	قصابن	متصل دہلی دروازہ جاٹ واڑہ چھتہ لال میاں متصل فصیل	قدیم۔ معمولی۔
(۸۷)	قطب الدین خاں نواب مولوی	بلبلی خانہ	۱۱۴۸ھ / ۳۶-۱۷۳۵ء اس مسجد میں گنبد نہیں ہیں صرف برجیاں ہیں۔ مسجد دہرے دالانوں کی ہے اندر کے دالان کے در چوبی ہیں باہر کے سنگین۔ اندر کے دالان میں منبر کے پاس کی محراب پر یہ کتبہ ہے "در عصر المستعان مسجد ملت حنفیہ"

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			دالانوں کے ہر دو جانب ایک حجرہ ہے - اس مسجد میں ایک تہ خانہ بھی ہے - مسجد کے عقب میں دکانیں ہیں - پہلے اس میں مدرسے کا مکان بھی تھا جو شکستہ

ہو گیا - مسجد کی چھت کی دیوار میں کتبہ لگا ہوا ہے "مسجد المعروف بہ نواب قطب الدین خاں مرحوم" اور ایک پتھر صحن مسجد میں رکھا ہوا ہے جس پر یہ کتبہ ہے

سال مکان بزرگ ساختہ باز بیرون ہیں   مدرسہ و مسجدے کردہ بنا شاہ حسین

شاہ حسین نواب صاحب کے استادوں میں سے تھے غالباً نواب صاحب نے اس مسجد کی ترمیم کرائی ہو گی جو آپ کے نام سے مشہور ہے - شاہ حسین صاحب کی قبر صحن مسجد میں تھی جس کے اطراف سنگ سرخ کی جالیاں تھیں وہ حال میں صاف کر دی گئی - نواب قطب الدین خاں شہرۂ آفاق تھے فقہ و حدیث مولانا شاہ اسحق سے حاصل کی - بڑے صاحب تقویٰ اور متشرع تھے - وضع و لباس بالکل سادہ مثل اپنے استاد مولانا شاہ اسحق کے تھا - اخلاق و حلم علاوہ فضل و کمال علمی کے ایسا تھا کہ اوروں میں کم پایا گیا - فقہ اور حدیث کے بڑے جید عالم تھے تقویٰ اور ورع کا تو حساب نہیں - آپ کے اجداد والا تبار عالی خاندان والا دودمان ہمیشہ پیشگاہ سلطنت سے مناسب جلیلہ رکھتے تھے - زمانہ آخر میں بھی آپ کو تقرب سلطانی سے وہ عزت و جاہ حاصل تھا جیسا کہ آپ کے علم و فضل کے شایاں تھا - چوتھے دن آپ استاد کی پیروی اور خلق کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے وعظ فرمایا کرتے تھے - اکثر رسائل عام فہم زبان اردو میں لکھے جن سے خلق اللہ کو بڑا فائدہ پہنچا - مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ زبان اردو میں بہت سلیس اور شستہ کیا ہے - آپ ہجرت کر کے بیت اللہ چلے گئے تھے اور وہیں آپ نے رحلت فرمائی - آپ کے صاحبزادے نصیر الدین خاں بھی گزر گئے اولاد ذکور باقی نہ رہی - نواب صاحب کی دو پوتیاں تھیں جن میں سے بڑی خاکسار کی خوشدامن نے حال میں انتقال کیا چھوٹی مرزا ایوب بیگ و داؤد بیگ متولیان مسجد کی والدہ بقید حیات ہیں - ان کی دینداری پابندی صوم و صلوٰۃ سے کچھ اندازہ نواب قطب الدین خاں کے تقدس کا کیا جا سکتا ہے کہ تیسری پشت تک تقویٰ و ورع کا یہ حال باقی ہے - مسجد سے ملی ہوئی نواب قطب الدین خاں کی حویلی ہے اور یہ گلی بھی نواب صاحب ہی کے نام سے مشہور ہے -

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۸۸)	قلندر بیگ	محلہ قبرستان ترکمان دروازہ	زمانہ نامعلوم - اس میں اس قدر ردوبدل ہوا ہے کہ پچھلی حالت معلوم نہیں ہوسکتی - تین دری

طول ۹ ۳ × ۹ عرض ۲۲ × ۱۰ چوکھٹیں لگاکر کواڑ چڑھاکر کمرہ نما کردیا ہے - شمال کی طرف ایک حجرہ بھی ہے - سپاٹ چھت کڑیوں اور شہتیروں کی ہے - نہ برج ہیں نہ مینار - چاروں کونوں پر چار برجیاں اور پیش طاق کے ادھر ادھر ایک ایک برجی اسی طرح کل چھ برجیاں ہیں جو کے بچھے ہوئے ہیں جس کا طول عرض - ۱۵ - ۶ × ۷ قسم ۶ اور جنوب میں حجرے صحن میں ہشت پہل حوض اور ایک کنواں ہے اب تو نل سے پانی آتا ہے - صدر دروازہ مشرق میں بہت بڑا عالی شان ہے دوسرا اس سے چھوٹا شمال میں ہے - شرقی دروازے کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے

هو المستعان

متولیان مسجد محمد احمد و محمد اکرام ابنان محمد اسمٰعیل جوہری

سنہ ۱۳۳۰ھ

دوسرا کتبہ شمالی دیوار کے باہر دار پر یہ لگا ہوا ہے:-

تعمیر مسجد باہتمام خاص محمد اسمٰعیل جوہری متولی مسجد سنہ ۱۳۳۰ھ

مسجد کے جنوب رخ کو مسجد کے متعلق ایک مکان ہے جس میں لڑکیوں کا مدرسہ ہے جس کے پیش دالان پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:-

الوقف لا یملک

یہ مکان متعلق مسجد ہے متولی محمد اسمٰعیل جوہری سنہ ۱۳۳۴ھ

مسجد کے شمال میں ایک مکان مدرسہ کا ہے جس پر یہ کتبہ ہے:-

الوقف لا یملک

۱۳۲۸ھ

ایک دالان پر یہ کتبہ ہے:-

یہ کمرہ خان صاحب بشیرالدین حسن وائس پریسیڈنٹ میونسپلٹی نے اپنی لاگت سے بنواکر مدرسہ انجمن محمدی کے نام واسطے تعلیم طلبا وقف کیا سنہ ۱۳۳۰ھ اس کے علاوہ ایک

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			کمرہ اور ۱۳۴۳ھ کا بنا ہوا ہی اُس پر بھی مندرجۂ بالا کتبہ ہی۔
(۸۹)	کالے خاں	کوچۂ چیلاں	قدیم۔ شمال سے جنوب ۱۲-۱۰۔ مشرق سے مغرب ۱۲-۸۔ معمولی۔
(۹۰)	کپتان والی	بارہ دری شیر افگن خاں	قدیم۔ مختصر اور معمولی۔
(۹۱)	کٹتے والی	تیلی واڑاں گلی کٹتے والی	ایضاً۔
(۹۲)	کروڑا	گلی قاسم جان	۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸-۹ء۔ ایک چھوٹی سی مسجد تین گنبدوں کی ایک اونچے چبوترے پر بنی ہوئی ہی جس کے تین در ہیں۔ یہ مسجد محمد خاں کی بنائی ہوئی ہی جو بزبان اکبر شاہ ثانی کروڑا یعنی وصول کنندہ محصول کی خدمت پہ مامور تھے اس کے پیش طاق پر یہ کتبہ ہی۔ چوں بتائید جناب کبریا خوش مرتب گشت ایں طاعت سرائے مصرع تاریخ آں ہاتف بگفت کردہ کایں مسجد محمد خاں بنائے ۱۲۲۳ھ
(۹۳)	کریم بخش استاد والی	بھوجلا پہاڑی گلی چھوٹ والی	قدیم مختصر معمولی۔
(۹۴)	کوئلہ والاں	گلی شاہ تارا	قدیم۔ مختصر شاہ تارا جن کا کوچہ مشہور ہی نواب قمر الدین خاں کی صاحب زادی تھیں۔ یہیں نواب صاحب کا مکان تھا جس میں وہ بھی رہتی تھیں۔ چنانچہ مسجد کے پاس اب تک ایک پھاٹک کا نشان موجود ہی جو غالباً نواب کے محل ہی کا ہوگا۔ یہ مسجد کوئلے والوں کی بنائی ہوئی ہی۔
(۹۵)	کہاروالی	کوچۂ چیلاں متصل گلی اولیا	قدیم۔ کوئی صاحب رحیم اللہ خاں تھے اُن کی بنوائی ہوئی ہی۔ معلوم نہیں کہاروالی کیوں نام پڑ گیا شمال سے جنوب ۳-۹۔ مشرق سے مغرب ۱-۱۔

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۹۶)	کھاری باؤلی	کوچۂ نواب مرزا	شیر شاہ کے زمانے کی - شمال سے جنوب ۴۲ فٹ - مشرق سے مغرب ۲۴ - ۸ - تین گنبد تین در - پست اور بھاری محرابیں - عمارت کا طرز افاغنہ کا سا ہے پس شیر شاہ یا اُس کے کسی جانشین کے زمانے کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے - اس کے تحت بھی دکانیں ہیں - اس کی مرمت - فرش پختہ - غسل خانہ حمام راقم کی والدہ صفیہ بیگم مرحومہ نے بنوایا ہے - مسجد میں ایک کھاری کنواں بھی ہے -
(۹۷)	کھجور والی	بنگش کے کمرے کے پاس	قدیم - متولی انجمنِ اسلام شمال سے جنوب ۳۳ فٹ - ۹ - مشرق سے مغرب ۱۴ - ۱۲ - مسجد کے دروازے پر یہ کتبہ ہے :- "این ہر شش دو کانہا مع چاہ و بالاخانہ وقفِ مسجد اند"
(۹۸)	ایضاً	کھجور کی مسجد	قدیم - مختصر - ان دونوں مسجدوں کے صحن میں کھجور کا درخت ہونے سے یہ نام پڑا - پیش طاق پر یہ کتبہ جدید لگا ہوا ہے : بسم اللہ الرحمن الرحیم لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ مسجد حنفیہ از سرِ نو بن گئی یہ سجدہ گاہ سب کی بن آئی تمنائے دلی شاد و خرم ہو کے سنیئے اس کا سال "کیا حسین و خوشنما مسجد بنی" ۱۳۳۱ھ
(۹۹)	گڈریا	محلہ گڈریا متصل تیر کمان دروازہ	زمانہ نامعلوم - حال میں ترمیم ہوئی ہے - تین در کی لداؤ کی آہنی گرڈر پڑے ہوئے - سامنے برآمدہ - محاذ میں دالان -
(۱۰۰)	گدیاں -	جھتواڑہ قریب تلی واڑہ	دورِ آخر مغلیہ - معمولی -

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۱۰۱)	گڑھ کپتان	بھوجلا پہاڑی	۲۰-۹-۱۸۱۹ء سنہ ۱۲۳۵ھ - شمال سے جنوب ۳۲ فٹ - مشرق سے مغرب ۷ گز ۱/۲ - یہ گڑھ کپتان کون صاحب تھے کچھ پتہ نہیں چلتا - مسجد کے دروازے پر یہ کتبہ ہے:- الله "بانی محمد امیر الدین گڈھ کپتان مسجد حنفیہ سنہ ۱۲۳۵ھ مرمت کنندہ میاں سراج الدین سنہ ۱۳۲۳ھ"
(۱۰۲)	گولر والی	فراش خانہ	قدیم - مختصر - دو منزلہ اوپر اکہرے دالان کی سامنے چوبی سائبان - چھت لداؤ کی گرڈر آہنی پڑے ہوئے - صحن میں چونے کے بچھے ہوئے - گنبد ندارد مسجد کے دو طرفہ ایک ایک چھوٹی برجی ہے - مسجد کے نیچے تین دکانیں - سوکھا سیڑھیوں کا زینہ ہے - اس کی تعمیر از سر نو ۸-۹-۱۸۹۷ء سنہ ۱۳۱۵ھ میں ہوئی ہے سنگ ابری کی تختی پر نہایت خوش خط بیش طاق پر یہ کتبہ ہے:- وأن المساجد لله فلا تدعوا مع الله احدًا ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیها اسمه وسعی فی خرابها اولئك ما کان لهم ان یدخلوها الا خائفین لهم فی الدنیا خزی ولهم فی الآخرة عذاب عظیم ۱۳۱۵ھ ہجری
(۱۰۳)	گوندنی والی	متصل کلاں محل - گوندنی والی	قدیم حال میں درستی ہوئی ہے - شمال سے جنوب ۱۴ - مشرق سے مغرب ۱۲ - ۱/۲ -
(۱۰۴)	ایضاً	فراش خانہ	قدیم - معمولی -

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
۱۰۵	لال مسجد	بازار سرکی والان قریب حوض قاضی	۱۲۳۸ھ ۲۳-۱۸۲۲ء یہ مسجد سرتاپا سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے۔ شمال سے جنوب ۲۹ گز مشرق سے مغرب ۳۰ گز۔

دو منزلہ اور مسجد نیچے چھ دکانیں ایک مکان جس میں لکڑی کا کارخانہ ہے تین گنبد تین در۔ لب سڑک (۱) سیڑھیوں کا زینہ پیش طاق اور محرابوں پر نفیس نقش و نگار بنے ہوئے ہیں صحن میں چوکور کا فرش ہے۔ بیچ کا گنبد بڑا ادھر اُدھر گنبدیاں اور پیش طاق پر دونوں جانب چھوٹی چھوٹی میناروں پر چو رخی برجیاں۔ یہ مسجد ایک طوائف مبارک بیگم کی بنائی ہوئی ہے جو کسی انگریز کی داشتہ تھی۔ اسی لئے یہ مسجد اور ایک پاس والا مکان جو اب قاضی کے حوض پولیس سٹیشن کے قریب ہے بنوایا تھا۔ رنڈی کی مسجد ہونے سے پہلے اس میں نماز نہ ہوتی تھی اب جب سے مرمت ہوئی نماز ہونے لگی۔ پیش طاق پر سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ ہے:-

مبارک بیگم ایں مسجد بنا کرد کہ ہست برتر از چرخ مقوس
قلم از بیت المقدس نیست شانش بگو "ایں ثانی بیت مقدس" ۱۲۳۸

لب سڑک مسجد کا بڑا دروازہ ہے جس میں لکڑی کا کارخانہ ہے اور اُدھر ادھر اُس سے چھوٹے دروازے ہیں ان کی محرابوں کی پیشانی پر یہ کتبے ہیں:-

(۱) بیچ کے در پر۔ الحمد للہ کہ ایں مسجد مع عمارات متعلقہ آں در ۱۳۱۶ھ بعہد مسٹر ڈیوس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر دہلی سرکار دولتمدار بہ انجمن مؤید الاسلام دہلی مفوض گشت و مرمت و درستی آں بصرف دو ہزار روپیہ عطیۂ شیخ بخش الٰہی صاحب سوداگر زیر اہتمام انجمن موصوف بعمل آمد۔

(۲) (داہنی طرف)۔ ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعیٰ فی خرابہا اولٰئک ما کان لھم ان یدخلوھا الا خائفین ہ

کتبہ سید احمد

(۳) بائیں طرف۔ انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ ولم یخش الا اللہ فعسیٰ اولٰئک ان یکونوا من المھتدین

امام جامع مسجد دہلی

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۱۰۶)	لال مسجد	بازار لال کنواں	قدیم۔ دو منزلہ۔ اوپر مسجد نیچے دکانیں۔ کوئی خاص بات نہیں۔
(۱۰۷)	لطف اللہ	×	دیکھو مسجد پانی پتیان
(۱۰۸)	مبارک بیگم	×	دیکھو لال مسجد نمبر (۱)
(۱۰۹)	محبوب علی مولوی	چھتہ شیخ منگلو زیر جامع مسجد	قدیم۔ شمال سے جنوب ۸ گز۔ مشرق سے مغرب ۱۳-۱/۲ گز۔ محبوب علی دلی کے ایک مشہور مولوی تھے جو مولٰنا شاہ عبدالعزیز دہلوی کے شاگرد تھے
(۱۱۰)	محتسب	پھاٹک حبش خاں کوچۂ مولوی قاسم	سنہ ۱۱۳۶ھ ۲۴-۱۷۲۳ء۔ یہ مسجد بہت وسیع صحن کی ہے جس کے مشرق رو پر طلباء کے حجرے ہیں جس میں مدرسہ

ہے۔ صحن میں ایک بڑا حوض بھی ہے۔ تین گنبد تین در۔ ابو سعید کی بنائی ہوئی ہے جو زمان شاہی میں دہلی کے محتسب تھے۔ ان کے مورث اعلیٰ محمد تقی چلپی شاہجہاں کے عہد میں فارس سے آئے تھے اور آتے ہی مورد عنایات شاہی ہوگئے اُن کے صاحبزادے کو صدر محتسب کی خدمت موروثی طور پر دی گئی کہ اُنھیں کے خاندان کے لوگ اس خدمت پر مقرر کئے جائیں گے۔ پیش طاق پر یہ کتبہ ہے:۔

در زمانِ دادرِ عالم پناہے دادرس — بادشاہِ دیں محمد شاہِ غازی جم حشم
مسند آرائے شریعت میر عدلِ احتساب — ناصبِ اعلامِ دیں وہادمِ دیر و صنم
کردہ در دلی بنائے مسجد گردوں شکوہ — کز تماشائیش نگہ شد ناظرِ بیت الحرم
چوں فضائے خاطرِ صاحبدلاں صحنش وسیع — گنبدش چوں گنبدِ گردوں منقش یکقلم
از پئے تاریخِ اتمامش سروشِ غیب گفت — "کعبۂ ثانی بنائے بوسعیدِ با کرم" ۱۱۳۶

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
(۱۱۱)	مرزا لطف اللہ بیگ	فراش خانہ پل کے پاس	قدیم۔ معمولی
(۱۱۲)	مرزا مغل بیگ خاں	لال دروازہ۔ بازار لال کنواں	قدیم۔ معمولی
(۱۱۳)	منشی شبیر علی	کوچہ سر بلند خاں محلہ چوڑی والاں	سنہ ۱۰۹۱ھ ۸۱-۱۶۸۰ء تین در کی بہت مختصر مسجد ہے جس کے پیش طاق پر کلمۂ طیبہ اور سنہ ۱۰۹۱ھ لکھا ہوا ہے منشی شبیر علی کا اس

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			نام ہی نام رہ گیا اور کچھ پتہ نہیں چلتا۔
(۱۱۴)	موچیوں کی مسجد	متصل اجمیری دروازہ	سنہ ۱۱۱۰ھ ۹۹-۱۶۹۸ء۔ شمال سے جنوب ۳۵ فٹ - ۹ انچ۔ مشرق سے مغرب ۱۲ فٹ - ۹ انچ۔ اونچے پر بنی ہوئی ہی سیڑھیاں چڑھ کر مسجد میں پونہچتے ہیں۔ تین گنبد تین در صحن میں سنگ باسی کے چوکوں کا فرش اور حوض شمال میں محراب دار دروازہ جس کی پیشانی پر سنگ مرمر کی تختی پر سیاہ حروف میں یہ کتبہ ہی:- حبذا مسجدے کہ شد ز شرف سجدہ گاہے گدا و شاہنشاہ شد بنائش بعہد عالمگیر بطفیل نبی رسول اللہ گفت تاریخ ایں حرم ہاتف "کرد کعبہ بنا خلیل اللہ"
(۱۱۵)	مولوی محمد باقر	کشمیری دروازہ پنجے کی گلی	سنہ ۱۲۷۱ھ ۵۵-۱۸۵۴ء یہ مسجد امامیہ لوگوں کی ہی۔ دوہرے دالان ہیں۔ اندر کے دالان میں پانچ در ہیں اور باہر والے میں صرف تین۔ صحن مسجد میں ایک چھوٹا سا حوض ہی جسے "قلتین" کہتے ہیں۔ داخلی دروازے کی پیشانی پر یہ کتبہ ہی:- ھو العلی الاعلی مسجد شیعیان اہلبیت طاہرین سنہ ۱۲۷۱
(۱۱۶)	مولوی عطاء اللہ	کشمیری دروازہ کٹڑی ابراہیم علی خاں	قدیم۔ یہ مسجد اور ایک مقبرہ جس کا ذکر علیحدہ آئے گا اور کچھ کوٹھڑیاں ایک ہی پختہ احاطے میں ہیں۔ مسجد سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہی کوٹھے پر طلباے عربی کے رہنے کا کمرہ ہی۔ یہ مولوی عطاء اللہ کی بنائی ہوئی ہی جو عہد مغلیہ میں کسی بڑی خدمت پر تھے۔
(۱۱۷)	موسٹان	گلی ڈکوتان عقب بنگلاں مسجد	سنہ ۱۲۰۶ھ ۹۲-۱۷۹۱ء۔ تین در کی مختصر۔ پیش طاق پر یہ کتبہ ہی:-

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			سنہ ۱۲۰۶ ہجری دو مسجد حنفیہ منان متعلقہ مسجد ۵ گز زمین اور دکان مع چبوترہ
(۱۱۸)	میاں جی صاحب	پنڈت کا کوچہ	اصلی مسجد شاہجہاں کے زمانے کی تھی بعد میں آخری مغلیہ عہد میں بنی۔ اصلی مسجد دھنس گئی ہے اسی پر دوبارہ مسجد بنا دی ہے۔
(۱۱۹)	میاں صاحب	پھاٹک حبش خاں دھوبی کا کٹرہ	اورنگ زیب کے زمانے کی۔ آبادی بیگم صاحب محل اورنگ زیب نے ابتداءً سنگ سرخ کی بنوائی تھی۔ دوبارہ تعمیر کی گئی ہے چونکہ مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی اس میں پڑھاتے تھے اور ان کو لوگ بالعموم میاں صاحب کہتے تھے وہ انہیں کے نام سے مشہور ہوگئی ہے۔
(۱۲۰)	سیدان والی	محلہ رودگراں	قدیم معمولی۔ احاطۂ مسجد میں سید یاقوت شاہ کی قبر ہے جن کے لئے یہ چھوٹی سی مسجد بنائی گئی تھی۔
(۱۲۱)	میر افضل	بازار لال کنواں حویلی میر افضل	سنہ ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء یہ مسجد دو بیگموں نے مرزا مجھو کی معرفت بنوائی تھی۔ اس کے کتبے کا پتھر مسجد کے ایک حجرے میں رکھا ہوا ہے۔ یعون اللہ تعالیٰ این مسجد لو احدات بی بی صاحبہ والدہ شیخ علی احمد مرحوم سجادہ نشین فتحپور و خانم صاحبہ والدہ مرزا رحیم بیگ خاں باہتمام مرزا مجھو در شہر رجب سنہ ۱۲۲۱ ہجری تیار شد۔
(۱۲۲)	سیر مداری	فراش خانہ۔ گلی سیر مداری	قدیم معمولی۔
(۱۲۳)	نبی بخش	دلی دروازہ	یہ مسجد پہلے اس جگہ تھی جہاں کہ اب چنگی کی چوکی ہے حالیہ مقام پر از سر نو نبی بخش سقے نے بنوائی

نشان سلسلہ	نام مسجد	محلہ	کیفیت
			جس کے پیش طاق پر یہ کتبہ ہے:- "نبی بخش سقائی بانی مسجد"
(۱۴۶) (۱۴۵)	نقیب الاولیاء نواب احمد سعید خاں	عقب کلاں مسجد گلی قاسم جان متصل حویلی کالے صاحب	قدیم۔ معمولی نقیب الاولیاء کی بنوائی ہوئی ہے۔ سنہ ۱۱۴۲ھ / ۱۷۲۹ء۔ دو منزلہ۔ اوپر مسجد۔ نیچے چار دکانیں جو شمالی محراب کے پاس ہیں۔ قاسم خاں کی بنائی ہوئی ہے جن کا خطاب سہراب جنگ تھا۔ انھیں کے نام پر قاسم جان کی گلی مشہور ہے۔ قاسم خان کے باپ عبدالرحمن بخارا سے آئے تھے اور شاہ عالم ثانی کے زمانے میں نایب وزیر تھے جن کی حسن خدمات کی جسلدو میں سہراب جنگ کا خطاب اور شمس آباد وغیرہ جاگیر ملی تھی۔ نواب احمد سعید خاں صاحب جن کے نام سے یہ مسجد مشہور ہے اُن کا ذکر گلی قاسم جان میں ملاحظہ ہو۔

فہرست اُن مسجدوں کی جن کا کوئی خاص نام نہیں اور جن کا ذکر اس کتاب میں جداگانہ طور پر نہیں کیا گیا

نشان	محل	مختصر حال
۱	فیض بازار اور دریا گنج کی سڑکیں جہاں ملتی ہیں	عہد مغلیہ۔ معمولی۔ کہتے ہیں کلو تمباکو فروش کی بنائی ہوئی ہے۔

نمبر	محل	مختصر حال
(۲)	محلہ رکاب	عہد مغلیہ۔ شمال سے جنوب ۲۶ فٹ۔ مشرق سے مغرب ۱۱ فٹ۔
(۳)	کوچہ چیلان	ایضاً۔ ″ ۲۶ فٹ ۳ انچ۔ ″ ۱۹ فٹ۔ کہتے ہیں کہ مفتی سیر لال کی بنوائی ہوئی ہے جو بڑے مشہور اور ذی علم شخص تھے۔ ان کا اصلی نام رحمت علی خاں تھا جن کا خطاب سراج العلماء اور ضیاء الفقہا تھا۔
(۴)	پھول کی منڈی کوچہ ناظراں	عہد مغلیہ۔ شمال سے جنوب ۱۳ فٹ۔ ۹ انچ۔ مشرق سے مغرب ۱۲ فٹ۔ پیر جی حسن عسکری کی بنائی ہوئی کہتے ہیں۔
(۵)	پھول کی منڈی کوچہ دکھنی رائے	عہد مغلیہ متصل گرجا۔ ″ ۲۰ فٹ۔ ″ ۱۱ فٹ ۹ انچ۔
(۶)	ایضاً۔ نقار خانہ	عہد مغلیہ نواب صاحب پاٹودی کے مکان کے پاس۔ ایک بڑی مسجد مع صحن وسیع اور تین گنبد جس کے مشرقی کونے میں حوض ہے۔ اونچے پر بنی ہوئی ہے دروازہ مشرق کی طرف ہے جس کی دونوں جانب دس دس سیڑھیوں کا دوہرا زینہ ہے۔
(۷)	ایضاً۔ کھڑکی یا حویلی خان دوراں خاں	عہد مغلیہ۔ مختصر۔ دہلۂ اول میں آغا جان نے بنائی تھی بعد میں قریب الانہدام ہونے سے حال میں مرمت ہوئی ہے۔
(۸)	محلہ گڑھیا یا حویلی احمد علی خاں زیر جامع مسجد	بہت قدیم مسجد مگر از سر نو بنائی گئی ہے۔
(۹)	کٹڑہ گوکل شاہ	عہد مغلیہ شمال سے جنوب ۲۶ فٹ۔ ۸ انچ۔ مشرق سے مغرب ۹ فٹ۔ ۶ انچ
(۱۰)	سوئیوں کی گلی کلاں محل	بہت قدیم مگر حال میں ترمیم ہوئی ہے اور پیش طاق پر صرف کلمۂ طیبہ لکھا ہوا ہے۔
(۱۱)	جامع مسجد سے جو سڑک دلی دروازے کو جاتی ہے	چتلی قبر اور سنگش کے کمرے کے بیچ میں بہت قدیم مگر بعد میں درست کی ہوئی ہے۔

نمبر	محل	مختصر حال
(۱۲)	ایضاً	ایضاً عہد مغلیہ اور مختصر مگر بعد میں مولوی محمد اسحٰق صاحب نے درست کرائی۔
(۱۳)	ترکمان دروازہ	دروازے کے پاس ہی۔ ۱۰۸۷ھ ۔ تین گنبد تین در۔ جنوب میں ایک حجرہ۔ یہ مسجد صالح بہادر کی بنائی ہوئی جو ۱۹ جلوس عالمگیر میں بجائے خانزاد خاں کے جالندھر کے فوجدار مقرر ہوئے تھے پیش طاق پر یہ کتبہ ہے:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ بنائے مسجد صالح بہادر بن حسین سلطان بدور ۱۹ سنہ عالمگیر ... ۱۰۸۷ھ
(۱۴)	بھوجلا پہاڑی۔ گلی راجی داس	قدیم۔ مختصر۔
(۱۵)	ایضاً	″ ″ ″
(۱۶)	اندھیری گلی	″ ″ ″
(۱۷)	گلی شتلچیاں	″ ۔ شاہجہاں کے عہد کی ہے جس کی از سرِ نو ترمیم ہوئی ہے۔ پیش طاق پر کلمہ طیبہ اور ۱۲۲۹ھ کندہ ہے مگر لوگ کہتے ہیں کہ یہ سنہ بنا کا ہے نہ ترمیم کا۔ یہ پتھر کہیں اور کا ہے۔ کلمہ منقوش ہونے سے یہاں نصب کر دیا گیا۔
(۱۸)	چتلا دروازہ۔ شاہ بولا کا بڑ	قدیم۔ حاجی علی جان والوں کے خاندان کے کسی صاحب کی بنوائی ہوئی ہے۔
(۱۹)	گلی مرغاں۔ کوچہ پیر عاشق	قدیم معمولی۔
(۲۰)	بلبلی خانہ	قدیم۔ مختصر محمد شفیع صاحب کی بنوائی ہوئی ہے جو سید حسن رسول نما کے عزیزوں میں سے تھے
(۲۱)	محلہ ممدے والاں	قدیم۔ معمولی۔

نمبر سلسلہ	محل	مختصر حال
		دوسری جگہ جارہے مسجد گر گرا کر ڈھیر ہو گئی۔
(۳۸)	بازار لال کنواں - گلی قاسم جان مدرسہ عنایت اللہ	زمانہ نامعلوم - مختصر -
(۳۹)	متصل حوض قاضی	عہد مغلیہ - مختصر حکیم بقاء اللہ کی بنائی ہوئی - دومنزلہ - اوپر مسجد نیچے دو دکانیں - دس سیڑھیوں کا زینہ ہے -
(۴۰)	کوچہ پنچہ بندان - چاندنی چوک	" - معمولی - پھر سے بنی ہوئی -
(۴۱)	چھیرہ خانہ قریب چھتہ مدن گوپال	" - " -
(۴۲)	چھیرہ خانہ	" - " - متولی عبدالرزاق -
(۴۳)	"	" - " - " - دومنزلہ - اوپر مسجد - نیچے دکانیں -
(۴۴)	"	" - متولی عبدالرشید - اونچے پر بنی ہوئی ہے - نو سیڑھیاں چڑھ کر جانا ہوتا ہے -
(۴۵)	دھرم پورہ چھتہ شاہ جی	شاہ بولا کے بڑ کے پاس - قدیم - معمولی -
(۴۶)	دریبہ کلاں مشرق کا کٹڑہ	عہد مغلیہ - تین گنبد - تین در -
(۴۷)	" - کنجوں کی گلی -	" - شکستہ - اہل اثنا عشریہ کی مسجد ہے - یہ مسجد اونچے پر بنی ہوئی ہے - دراصل دو دالان کی مسجد تھی - اندرونی دالان سڑک سے ملا ہوا تھا جس کے نیچے دکانیں تھیں - یہ دالان اور دکانیں تو متولیوں نے فروخت کر دیں - رہا اگلا دالان اُس میں بھی اب گودام ہے - غرض مسجد کا صرف نام رہ گیا ہے -
(۴۸)	" کوچہ استاد حامد	عہد مغلیہ - اُستاد حامد کا جو کوچہ ہے اُس کے پھاٹک پر بنی ہوئی ہے
(۴۹)	کوڑیا پل سرائے توپ خانہ -	عہد مغلیہ - اب جس جگہ سرائے ہے پہلے یہاں توپ خانہ تھا - مسجد توپ خانہ اُٹھنے سے پہلے کی ہے - بعد میں توپ خانہ جا کر اُس جگہ سرائے بن گئی -

نمبر سلسلہ	محل	مختصر حال
(۳)	امام باڑہ موری دروازہ وضو بی واڑہ	نواب احمد مرزا صاحب کا امام باڑہ مشہور ہے۔ دورِ آخری مغلیہ کا بنا ہوا ہے۔ امام باڑہ ایک وسیع احاطے میں ہے جس میں کئی دالان تین تین در کے ہیں۔ اندر کے دالان میں تین قبریں ہیں ایک تو بانی کی اور دو ان کی بیویوں کی۔ علاوہ اس کے باہر کے دالان اور احاطے میں متعدد قبریں انھیں کے خاندان کے لوگوں کی ہیں۔ یہیں ایک چھوٹی سی قبر محمد حسین خاں کے انگوٹھے کی ہے جو بانی کے داماد تھے۔ محمد حسین صاحب کا انگوٹھا کسی لڑائی میں کٹ گیا تھا جسے اُنھوں نے خود یہاں لاکر دفن کر دیا۔ یہ امام باڑہ سیف الدولہ سید رضی خاں بہادر صلابت جنگ کا بنایا ہوا ہے جو شاہ عالم ثانی کے دربار میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے وکیل تھے۔ چنانچہ نواب سید احمد مرزا صاحب کے پاس سید رضی خاں کی مہر جس میں سیف الدولہ اور صلابت جنگ کے خطابات کندہ ہیں ۱۲۰۶ھ سنہ ۹۲-۱۷۹۱ء کی موجود ہے۔

فہرست اہلِ ہنود کے شوالوں[1] کی جن کا ذکر اس کتاب میں جداگانہ طور پر نہیں کیا گیا

[1] دلّی کے شہر کے مندروں میں عموماً پانچ چھ مورتیں برابر یا آمنے سامنے ہوتی ہیں بعض جگہ ان کے لئے الگ الگ طاق بھی نہیں ہوتے لہٰذا شناخت معلوم ہوتا ہے کچھ توضیح ہندوؤں کے عبادت خانوں کی کر دی جائے۔ شوالہ اس مقام کو کہتے ہیں جہاں شیو کی پوجا سب سے مقدم مرجح ہو۔ جیسا کہ ہر ہر یا اس کے شوا سے کے کہتے سے صاف ظاہر ہے کہ اس میں شیو کا لنگ اور پاربتی کی مورت کا استھاپن کیا گیا تھا اور اسی سبب سے وہ شوالا یعنی شیو کی جگہ کہلاتا ہے۔ بعض مندروں میں طاقوں میں اور بھی کئی کئی مورتیں ہوتی ہیں اس لئے غیر قوم والوں کو اس کا امتیاز مشکل ہے کہ یہ مقام شوالا ہے یا کسی اور دیوتا کا مندر۔ دلّی میں مندر ایسے بھی ہیں جو دوسرے دیوتاؤں کے نام پر بنائے گئے ہیں اس لئے اُن کو شوالا نہیں کہا جا سکتا۔ مندروں کے حالات دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ اور کثرت سے شیو ہی کی پوجا ہوتی چلی آئی بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شیو کے مقابلے میں دوسرے دیوتا بہت کم پوجے جاتے ہیں۔ ۱۲

نشان سلسلہ	نام شوالہ	محلہ	کیفیت
(۱)	امر سنگھ	محلہ کچا باغ۔ کوچۂ مہاجنی	بن کر ۴۲ سال ہوئے۔ قابض مال بہادر سنگھ کے دادا امر سنگھ کا بنایا ہوا ہی۔ اس میں شیو کا لنگ اور دو مورتیں پاربتی کی ایک گنپتی ایک کرتیکا سوامی اور ایک نندی کی ہی۔ سیدھے ہاتھ کی طرف اور ایک چھوٹا سا مندر ہنومت کا ہی۔
(۲)	بابا جی	چھتہ شاہ جی محلہ پیپی واڑہ کلاں	آخر دور مغلیہ۔ یہاں پہلے قدیم شوالا تھا جو گر گیا اُسکی جگہ ۲۸۔ برس ہوئے کہ کلکتہ کے لالہ لالتا پرشاد نے یہ عمارت بنوائی۔ جس میں دو لنگ شیو کے جو دونوں اچل (یعنی ناقابل نقل مکان) ہیں۔ انھیں کے پاس پاربتی۔ گنپتی کرتیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں سیدھی طرف درگا۔ بھیرو۔ گنگا۔ ہنومت کے بُت ہیں۔ سالانہ تقریب سنجی کی اسون کے مہینے میں ہوتی ہی۔ تین چار دن تک مورتوں کو باجے گاجے کے ساتھ گشت کرایا جاتا ہی۔
(۳)	بڑا شوالا۔	نیل کا کٹڑہ	کوئی سو برس اوّل کا۔ رائے بہادر لالہ شیو پرشاد سی آئی۔ ای کے دادا کا بنایا ہوا ہی ۱۲۴۳ف ۔ ۱۸۳۶ء۔ رائے بہادر صاحب چوتھی پشت میں ہیں۔ شوالے میں شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گنپتی۔ کرتیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں۔ طاق میں ہنومان ہی۔ ان کے علاوہ اور دو مورتیں ایک رادھا کی دوسری کشن کی ہیں جو کوئی آٹھ برس ہوئے کے بٹھائی گئی ہیں۔

نشان سلسلہ	نام شوالہ	محلہ	کیفیت
(۴)	بڑ والا	ایضاً	کوئی دو سو برس کا پرانا۔ دو چھوٹے چھوٹے مندر شیو کے ہیں۔ ان دونوں میں شیو کا لنگ پاربتی گنپتی اور نندی کی مورتیں ہیں۔ ان میں سے بڑے مندر میں کرتیکا سوامی کی مورت بھی ہے سیدھی طرف کے طاق میں ہنومت کی مورت سیندور سے رنگی ہوئی ہے۔ کنجی مل جوہری نے نو سال ہوئے کہ مرمت کرادی تھی۔ مندر میں بڑ کا درخت ہے اسی وجہ سے بڑ والا مشہور ہے۔
(۵)	پیپل مہادیو	پیپل مہادیو	ماگھ سدی پنچمی بکرم سمت ۱۸۶۶/۱۸۰۹ء مندر کی بیرونی دیوار پر ایک پنج سطری کتبہ بخط دیوناگری ہے جو صاف پڑھا نہیں جاتا جسے ہم بجنسہ نقل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ حال کا بھی ایک سہ سطری کتبہ اسی مضمون کا ہے:-

(१) ...ग.. हिमांशु संमितस.. यो विक्रमस्य

(२) प्रभो..तिथौ　　स.

(३) मस्थापयत्॥२॥ वृद्धे (?)

(४)... पंचानन लछाराम हर हरेश्वर

(५)... सलम्बोदरः॥ शुभमस्तु १८६६

آخری سطر میں اس کے بانی لچھی رام اور سمت ہے۔
یہ مندر لمبودرا لچھی رام کا بنایا ہوا ہے۔ اس میں شیو کا لنگ گنپتی ۔ پاربتی ۔ نندی ۔ ہنومت اور بھیرو کی مورتیں ہیں۔ شیو کی مورت بہت خوبصورت ہے جو جے پور سے لائی گئی تھی۔

نشان سلسلہ	نام شوالا	محلہ	کیفیت
(۶)	توپ خانے والا	دھرم پورہ بھوت والی گلی	دورِ آخر مغلیہ۔ چُنی لال قابض حال کے دادا لالہ دیو کی نندن کا بنایا ہوا ہے۔ وہ توپ خانے کے بہم رسانی سامان کے ٹھیکے دار تھے اور ایامِ غدر میں اُنھوں نے برٹش گورنمنٹ کو بحالتِ محاصرۂ شہر فراہمی سامان میں مدد دی تھی۔
(۷)	چندی مصر	دھرم پورہ	کوئی دو سو برس پہلے کا۔ پھولن جی کایستھ کا بنایا ہوا۔ اس میں شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گنپتی۔ کرتّیکا سوامی۔ اور نندی کی مورتیں ہیں طاقوں میں ہنومت اور بھیروں کی مورتیں ہیں۔ مندر کے احاطے میں ایک منقش پتھر کسی عمارت کا دھر دیا ہے۔
(۸)	چودھری ہمت سنگھ	کھجور کی مسجد	دورِ آخر مغلیہ۔ ہمت سنگھ کے باپ لالہ موتی لال نے بنایا تھا جو ساڑھے پانچ فیٹ مربع ہے۔ اس میں پاربتی۔ گنپتی۔ برھم دیو۔ نندی اور ہنومت کی مورتیں اور شیو کا لنگ ہے۔
(۹)	دھومی مل کھتّا	نیل کا کٹڑہ گلی گھنٹیسور مہادیو	ستّر برس پہلے کا۔ مندر میں شیو کا لنگ اور پاربتی۔ گنپتی۔ سورج نارائن۔ کرتیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں۔
(۱۰)	راگھو مصر	پیپل مہادیو	دو سو برس پہلے کا۔ سیو کا لنگ۔ پاربتی گنیش۔ کرتیکا سوامی کی مورتیں۔
(۱۱)	رنگی مصر	نیل کا کٹڑہ۔ نئی بستی	سمت ۱۸۹۱ / ۱۸۳۴ء یہ مندر جھنگا مصر کا بنایا ہوا ہے اور مرمت رنگی مصر نے کی ہے۔ شیو کا لنگ۔ گنپتی اور نندی کی مورتیں ہیں اور طاق میں ہنومت

نشان سلسلہ	نام شوالہ	محلہ	کیفیت
			اور درگا کی مورتیں ہیں۔
(۱۲)	ساول جی	مالیواڑہ بھوج پورہ	دور آخر مغلیہ۔ سیو کا لنگ گنپتی کی دو مورتیں اور اور ایک ایک مورت۔ پاربتی۔ کرتیکا سوامی اور نندی کی
(۱۳)	سادانند ودیا	مالیواڑہ پیتل گلی	اساڑھ سُدی ۱۳ بکرم سمت ۱۹۰۹/۱۸۵۲ء۔ مندر کی بیرونی دیوار پر بخط دیوناگری یہ کتبہ ہے اور نیچے اس کے اردو کی ایک سطر ہے:۔ شوالہ سری مہاراج پنڈت کنھیا لال جی کا سری سمت ۱۹۰۹ اساڑھ شکلا ۱۳ ——— شوالہ سری مہاراج پنڈت کنھیا لال جی کا سمت ۹۰۹ اساڑھ سُدی تیج۔ مندر کے اندر بخط ناگری سترہ سطر کا یہ لمبا کتبہ ہے جس کی عبارت بجنسہ نقل کی جاتی ہے۔

(۱) سری الیسوتھا شوالے۔ (۲) سری من مہاراج پنڈت کنھیا لال جی کا پتا مہاراج سالگ رام جی وکرپارام جی کے کی (۳) سمت ۱۸۹۶ میں برشا سے مکان اُن کا گر پڑا تھا سمت ۱۸۹۸ میں اسی جگہ کی چوطرفی دیوار کچی۔ (۴) کچھ اکر سری مہادیو جی کو ستھیاپت کیا اور دیوان خانہ اپنے واسطے بنوایا سمت ۱۹۰۷۔ (۵) تک اسی طور رہا سمت ۱۹۰۸ میں شوالا بننا شروع ہوا بیچ نگہبانی مہاراج جوالی (۶) سمجھ جی کے۔ سمت ۱۹۰۹ میں بن کے تیار ہو گیا اور پرتشٹا متی اساڑھ شکلا تیج کو بڑ (۷) ی دھوم سے سالگرام جی نے کری کس واسطے پنڈت جی مہاراج کا شریر بیمار تھا اور (۸) ایک مہینے دس دن بعد پرتشٹا کے کیلاش باسی ہو گئے سمت ۱۹۱۱ میں غدر ہوا سمت ۱۹۱۵۔ (۹) و ۱۶ میں نے

نمبر سلسلہ	نام شوالہ	محلہ	کیفیت
			سے۔ سڑک نکالی دیوان خانہ سڑک میں آگیا دام اُس کے سرکار سے سالگرام - (۱۰) جی مہاراج کو ملے اُنھوں نے دیوار سڑک کی طرف بنوائی اور زمین دبالی سجانی سے مو (۱۱) ل لے کر تہ خانہ بنوایا اور اُس کے اوپر چار دیوار کھڑی کروا کر چھوڑ دیا تھا۔ (۱۲) سمت ۱۹۲۸ میں دوکان کی صورت زینہ وغیرہ دین مٹھن لال نے بنوایا نول میستری سے سمت ۱۹۴ (۱۳) میں دوسرا کے بازو نل فوارے کا آلہ بھیرو جی کا وچھت تدری بنوائی و مرمت شکست۔ (۱۴) سنحت کی یہی داس کروا تا رہتا ہی کُل نویں اسباب اسی دین نے چڑھایا ہی سمت ۱۹۱۹ - (۱۵) مہاراج سالگرام جی شیولوک باس ہوے بعد اُن کے ہر طور کی سیوا یہی چرنو راگی کر رہا - (۱۶) ہی - یہ ویوستھا آگیان انکول سری شیوجی مہاراج کے دین پنڈت مٹھن لال راے بہادر پنشنر (۱۷) نے کھدوائی ہی اور جو کسی کے نام کو مٹاتا ہی بھگوت مہاراج اُس کے سات کل کے نام کو مٹا دیتے ہیں۔ سمت ۱۹۴۵ - اساڑھ شکلا ۱۳ اسنیوار راے بہادر مٹھن لال۔ سدانند ویدحال نگران شوالے کے تایہ تھے جنھوں نے یہ کتبہ کھُدوایا۔ مندر کے اندر لنگ۔ پاربتی۔ گنپتی - برمھ دیو اور نندی کی مورتیں ہیں۔ طاق میں سیدھی طرف لالہ بھیرو۔ ہنومت اور کالی دیوی کی مورتیں ہیں
(۱۴)	سرون	کوچۂ گھاسی رام	دور آخر مغلیہ۔ ایک مورت بھیروں کی سیندور میں لپٹی ہوئی باہر سے ہی نظر آتی ہی۔ مندر کے اندر مہادیو اور پاربتی کی سنگ مرمر کی مورتیں بیل پر بیٹھی ہوئی بنی ہوئی ہیں۔ قدیم مندر بہت چھوٹا تھا۔ یہ نئی عمارت گھڑے ہوے پتھروں کی

نمبر سلسلہ	نام شوالہ	محلہ	کیفیت
			سمت ۱۹۶۹ میں بنی ہے۔ مندر کے متصل ایک دومنزلہ کمرہ پجاریوں کے لیئے بنا ہوا ہے۔
(۱۵)	کالی پرشاد	گندی گلی	سو برس پہلے کا۔ کالی پرشاد کے پردادا اُچنا مصر کا بنایا ہوا ہے بعض کہتے ہیں کہ انک چند گوسائیں کا بنایا ہوا ہے لیکن اب اس کی پجارن مسماۃ پردو ہے جو کالی پرشاد کی لڑکی ہے۔ مندر میں شیو کا لنگ۔ پاربتی گنپتی اور نندی کی سنگ مرمر کی مورتیں ہیں طاق میں ہنومت کی مورت ہے۔
(۱۶)	گورکھناتھ	نیل کا کٹرہ۔ گلی وصو ہیاں	غدر کے بعد بنا ہے۔ للتا بی بی اور دُھوتی کا بنایا ہوا ہے۔ گورکھناتھ دُھوتی کا شوہر اور للتا کا خسر تھا جس کے نام سے مندر مشہور ہے۔ مندر میں شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گنپتی۔ کرتیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں۔ داہنی اور بائیں طرف ہنومت کی مورتیں ہیں۔
(۱۷)	گوری شنکر	کھاری باولی	دور آخر مغلیہ۔ سیڑھیوں پر یہ کتبہ بخط ناگری ہے: سری گنیش نام یہہ شوالہ پنڈت گوری شنکر کا ہے متی بیساکھ سدی ۱۳ سمت ۱۹۵۶ کھوکی نے بنوایا ہے تو یہ مندر پرانا مگر از سر نو سمت ۱۹۵۶ میں بنا ہے۔ اس میں شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گنپتی اور نندی کی مورتیں ہیں اور طاق میں ہنومت کی مورت ہے
(۱۸)	گوما	نئی سڑک گلی بیرون محلہ مالی واڑہ	تقریباً سو سال کا۔ شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گنپتی برمہ دیو کی مورتیں مندر میں ہیں ایک عورت نے جس کا نام

نمبر سلسلہ	نام شوالہ	محلہ	کیفیت
			گو ماتھا بنایا ہے ۔
(۱۹)	گھاسی رام	چھتہ شاہ جی ۔ نائی واڑہ	(۶۹) برس کا ۔ گھاسی رام کھتری کا بنایا ہوا ہے ۔ اس کے آباو اجداد میں سے جٹھامل محمد شاہ کا ملازم تھا ۔ چوں کہ غدر میں گھاسی رام نے باغیوں کا ساتھ دیا تھا یہ مندر ضبط ہو گیا ۔ شیو کا لنگ اور نندی مورت کے علاوہ طاق میں پاروتی اور گنپتی کی مورتیں بھی ہیں ۔
(۲۰)	گھنٹیسو مہادیو	نیل کا کٹرہ ۔ گلی گھنٹیسور مہادیو	اس مندر کے لنگ کو بہت قدیم بتلاتے ہیں یعنی اُس زمانے کا ہے جب کہ سو بھاری سمہتیا اور پدم پُران لکھی گئی ہیں ۔ مہامہوپادھیا پنڈت بانکے رائے

اور دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ سو بھاری سمہیتا اور پدم پُران میں جو کاسی کا ذکر آیا ہے وہ ہو نہ ہو نیل کا کٹرہ ہی ہے کیوں کہ کاسی کو اُس میں ودیا پورہ بھی لکھا ہے اور گھنٹیسور مہاراج کو وِسویسور لکھا ہے ۔ علاوہ بریں نیل کے کٹرے ہی کا نام ودیا پورہ ہونے کا ثبوت اس مکان کے قبالے سے بھی ملتا ہے جس میں کہ پنڈت جی موصوف رہتے ہیں ۔ چنانچہ کارونیشن دربار کی قدیم تاریخ اندر پرست کے صفحہ (۷) میں بھی پنڈت جی نے یہی لکھا ہے لیکن با ایں ہمہ یقینی طور پہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نیل کا کٹرہ ہی ودیا پورہ ہے یعنی کاسی اور ودیا پورہ دونوں ایک ہی مقام کے نام ہیں ۔ کیونکہ کاسی (بنارس) کو بھی ودیا پورہ کہتے ہیں ۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ ودیا پورہ نام کے دو مقام رہے ہوں گے نیل کے کٹرے کے مندر کا نام وسویسور ہونا بھی کوئی یقینی ثبوت اس امر کا نہیں ہے ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ ایک ہی نام اور ایک روایت کی بنا پر کئی کئی مختلف مقامات ہیں وسویسر کے معنے رب العالمین کے ہیں اور یہ لقب شیو کے دوسرے لنگوں کا بھی ہے ۔ اس لیئے اس امر کی تحقیق اور قول فیصل کے لیئے ابھی حالت منتظرہ باقی ہے ۔ اگر دلی میں کوئی کتاب ایسا نکل آئے جس میں کاسی کا نام درج ہو تب البتہ کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ بالا دونوں کتابوں میں جو کاسی کا ذکر آیا ہے اُس سے نیل کا کٹرہ ہی مراد ہے لیکن تب بھی قول مرجح یہی ہو گا کہ کاسی سے بنارس ہی مراد ہے ۔ چوں کہ اس مندر میں گھنٹے کثرت سے ہیں اس واسطے گھنٹیسور کہلاتا ہے ۔

نمبر سلسلہ	نام شوالہ	محلہ	کیفیت
(۲۱)	لالہ بنسی دھر لال	چیرہ خانہ	دور آخر مغلیہ۔ مختصر۔ جس میں شیو کا لنگ۔ پاربتی گنیش۔ کرتیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں۔
(۲۲)	لالہ شام لال	کناری بازار چیل پوری	تخمیناً ۷۳ سال کا۔ رائے شام لال کا بنایا ہوا ہے۔ مندر میں شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ درگا۔ گنپتی۔ کرتیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں پاربتی اور درگا سے مراد واحد ہے۔ لیکن درگاہ کو سمجھا جاتا ہے کہ اس نے راکشس مہی پاسور کو مارا ہے اور پاربتی صرف شیو کی بی بی ہے اور اسی واسطے دو جداگانہ مورتیں ہیں۔
(۲۳)	لالہ فتح سنگھ	بلی ماراں۔ کوچہ بی بی گوہر	دور آخر مغلیہ شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گنپتی۔ نندی۔ ہنومت۔ ٹھاکر جی (کشن) کی مورتیں ہیں۔ یہ مندر لالہ فتح سنگھ کا بنوایا ہوا ہے۔
(۲۴)	لکشمی نراین	ایضاً	دور آخر مغلیہ شیو کا لنگ۔ پاربتی گنپتی۔ نندی۔ ہنومت کی مورتیں ہیں بانی کا نام وہی ہے جو شوالے کا نام ہے۔
(۲۵)	مانک چند وشویشر ناتھ	نیل کا کٹڑہ	وکرم سمت ۱۹۰۲۔ سکے ۱۷۶۹ ماگھ سکلا پنچمی۔ ہفتہ۔ اس مندر میں یہ کتبہ بخط ناگری ہے:- (۱) سری گنیش نمسکار۔ سمت ۱۹۰۲ شاکے ۱۷۶۹ ماگھ شکلا پنچمی شنی دنے وشویشر ناتھ مانک چند نے شیو ستھاپن کیا۔ ٹھرنے میں داہنے ہاتھ کی طرف یہ دوسرا کتبہ ناگری کا ہے:- (۱) یہ چھتر لالہ مانک چند جی کا۔

نمبر سلسلہ	نام شوالہ	محلہ	کیفیت
			(۲) سمت ۱۹۰۲ میں ۔ (۳) لالہ وشیشورناتھ مانک چند شیو ستھاپن کیا ۔ یہ مندر وشیشورناتھ اور مانک چند دو صاحبوں نے جو ذات کے کھتری تھے بنوایا ہے۔ مندر میں شیو کا لنگ ۔ پاربتی ۔ گنپتی ۔ کرتیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں۔ طاق میں داہنی طرف ہنومت اور بائیں طرف اناپران کی مورتیں ہیں ۔
(۲۶)	نایک	چھتہ پرتاپ سنگہ گلی بیپیں والی ۔	(۲۸) برس پیشتر کا ۔ اس مندر کو کوئی اٹھائیس برس ہوئے کہ کسی حجام نے مرمت کرائی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ حجام کی بیوی گینڈ وناین نے مرمت کی تھی اور اسی وجہ سے نایک کا شوالہ کہلاتا ہے۔ اس میں پاربتی ۔ گنپتی اور نندی کی مورتیں ہیں اور طاق میں ہنومت کا بت ہے ۔
(۲۷)	دسویسورناتھ	گندی گلی پیپے کی گلی	دور آخر مغلیہ ۔ ایک پختہ احاطے میں منڈوے کے اندر ہے ۔ دسویسرناتھ کا بنایا ہوا ہے ۔ معمولی
(۲۸)	ہردیوداس	محلہ بلی ماراں ۔ پاسیوں کی گلی	بکرم سمت ۱۹۰۷ ۱۸۵۰ء جمعہ ماگھ سُکلا (۶) ۔ دروازے پر ایک چھ سطر کا کتبہ بخط ناگری لگا ہوا ہے :-

सम्मिते हायने स्वसिन्सप्तवाङ्क निशाकरैः

माघे शुक्ले घटे लग्ने ह्यश्लेषयां भृगोर्दिने २

बलदेवसुतो यस्य हरदेवस्तथा परः

श्री मन्महेशदासेन स्थापितो गिरिजाविभो २

सं०१९०७ मा०सु०६भृ०

نمبر سلسلہ	نام شوالہ	محلہ	کیفیت
			یہ مندر پدمن نارائن دو بعض حال کے داداہیں اس کا بنوایا ہوا ہی۔ جو مورتیں اس مندر میں ہیں ان کی صراحت لکھتے ہیں موجود ہی۔ اصل مورت شیو کی ہی باقی اور مورتیں بھی ہیں۔ لنگ کے سامنے ایک چھوٹی سی مورت نندی کی ہی۔ داہنی طرف اشٹ بھج اور بائیں طرف گنپتی اور برمھ دیو کی مورتیں ہیں اور دروازے کے سامنے ہی ہنومت کا بت ہی۔ پاربتی شیو کی بی بی ہی۔ بیل اُس کی سواری کا ہی اور گنپتی اُس کا بیٹا ہی۔ برمھ دیو بھی انھیں کے متعلقین میں سے ہی۔ لیکن ہنومت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ممکن ہی کہ یہ مورت بعد کے زمانے میں رکھ دی گئی ہو۔

فہرست اُن شوالوں کی جن کا کوئی خاص نام نہیں ہی

نمبر سلسلہ	محلہ	کیفیت
(۱)	کوچۂ میر عاشق گلی مرغاں	۱۸۵۸ء - بابو بنسی دھر قابض ہیں۔ معمولی۔
(۲)	محلہ باولیاں کوچۂ سربلند خاں	دور آخری مغلیہ معمولی۔ اس میں دو لنگ ہیں اور پاربتی۔ گنپتی۔ برمھ دیوی اور نندی کی مورتیں ہیں۔
(۳)	بازار سیتارام کوچۂ شریف بیگ	ایضاً۔ اس میں پاربتی۔ کرتیکا سوامی گنیش اور نندی کی مورتوں کے علاوہ شیو کا ایک بڑا لنگ بھی ہی۔ سامنے وارطاق ہیں

نمبر سلسلہ	محلہ	کیفیت
		رام سیتا لکشمن کی مورتیں سنگِ مرمر کی ہیں - اور ایک دوسرے طاق میں بھیروں کی مورت سیندور لگی ہوئی ہے -
(۴)	ایضاً محلہ گلی کشمیریاں	ایضاً - اس میں پاربتی - گنگا - کرتیکا سوامی - نندی کی مورتیں اور شیو کا لنگ ہے -
(۵)	ایضاً محلہ کوچۂ پاتی رام	دورِ آخر مغلیہ - یہ شوالا صرف ایک چھوٹا سا منڈوا مکان مسکونہ کے بیچ میں ہے - اس کی تعمیر از سرِ نو ہوئی ہے - اس میں پاربتی - گنپتی - کرتیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں -
(۶)	جٹواڑہ یا کونڈے والاں	ایضاً خستہ حالت میں ہے - پندرہ بیس برس ہوئے کہ لنگ بھی کوئی اُٹھا لے گیا - چند ٹوٹے پھوٹے ستون ادھر اُدھر بکھرے پڑے ہیں - لیکن شوالے کے حدود ابھی برقرار ہیں -
(۷)	نیا بانس کوچۂ سنجوگی رام	ایضاً ہرجی مل کھتری نے بنایا تھا - اس میں پاربتی - گنپتی اور کرتیکا سوامی کی مورتیں ہیں - سامنے ہی ایک چھوٹا سا مندر ٹھاکر جی کنھیا جی یا کشن کا ہے - سیدھی طرف اور ایک چھوٹا سا مندر گنگا کا ہے اور بائیں طرف ہنومت کا -
(۸)	نیا بانس	عہدِ شاہجہانی - یہ شوالہ کوئی معقول عبادت گاہ ہے کیوں کہ بہت سے گھنٹے لٹکے ہوئے ہیں - نیا منڈپ ۱۸۸۳ء میں بنا ہے جس پر یہ دیوناگری انگریزی - اردو میں یہی سنہ لکھا ہوا ہے - اس میں چھوٹی چھوٹی مورتیں پاربتی - گنپتی - برمھ دیو اور نندی کی ہیں اور شیو کا لنگ بھی ہے -
(۹)	تلی ماراں - کوچۂ بی بی گوہر	دورِ آخر مغلیہ - لالہ منا لال کا بنایا ہوا ہے جس میں شیو کا لنگ - پاربتی ہنمت اور بھیروں کے بُت ہیں -
(۱۰)	ایضاً - گلی دل سکھ رائے	اسّی نوّے برس کا شوالہ ہے جس میں شیو کا لنگ - پاربتی - گنپتی -

نمبر سلسلہ	محلہ	کیفیت
		برہمہ دیو۔ کرتیکا سوامی ہنومت اور وشنو کے چرن پڑے ہیں۔ یہیں ایک چھوٹا سا مندر ٹھاکرجی (کشن) کا ہی جس میں رادھا اور کشن کی مورتیں ہیں۔ یہ شوالا لالہ گنی رام صاحب کا بنایا ہوا ہی جو لالہ دل سکھ رائے کے باپ اور مسٹر فریزر ریزیڈنٹ دہلی کے خزانچی تھے۔
(۱۱)	گلی حکیم بقا قریب حوض قاضی	ڈیڑھ سو سے دو سو برس پہلے کا۔ معمولی۔ شیو کا لنگ۔ پاربتی گنیش۔ نندی اور ہنومت کے بت اس میں ہیں۔ یہ شوالہ ایک مکان مسکونہ کے اوپر بطور ایک ہیولین کے بنا ہوا ہی۔
(۱۲)	کھجور کی مسجد	ایک سو پندرہ برس پہلے کا۔ راج نراین لال بیرسٹرایٹ لا کے دادا منشی جیون لال نے موجودہ شوالے کو اور کچھ جائداد کے ساتھ ہی ۱۱ برس پہلے خرید لیا تھا۔ شوالا ۹ × ۹ مربع ہی لیکن اس کی تعمیر کا سال معلوم نہیں ہوتا۔ شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گنیش اور نندی کی مورتیں اس میں ہیں۔
(۱۳)	دھرم پورہ۔ گلی پہاڑ والی خورد	دور آخر مغلیہ۔ بہادر سنگھ کی بہن جوزہ دیوی نے غدر سے کچھ برس پہلے بنایا تھا۔ یہ شوالا ایک اونچے مقام پر گنبد دار ہی داخلی دروازہ سہ دری میں سے ہی جس کے آگے ایک سنگ سرخ کا چبوترا ہی جس پر تیرہ سیڑھیاں چڑھ کے جاتے ہیں۔ اس میں شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گنیش اور کرتیکا سوامی کی مورتیں ہیں۔ پاربتی کی مورت بہت خوب صورت بنی ہوئی ہی۔ طاق میں گنیش کی ایک مورت رکھی ہوئی ہی۔
(۱۴)	کوڑیا پل۔ اندارا کنواں	دو سو برس کا۔ اس کی مرمت مہنت رامنج داس نے کرائی تھی۔ اس میں شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گنپتی اور نندی کی مورتیں ہیں

نمبر سلسلہ	محلہ	کیفیت
		اور طاق میں ہنومت کا بت ہی۔ ایک دوسرے چھوٹے سے مندر میں ہنومت کا ایک اور بت اور گنیش اور کشن کے برنجی بت ہیں۔ مندر کے پاس ہی اندارا کنواں ہی جس کے نام سے محلہ مشہور ہوگیا ہی۔ یہ کنواں بہت پرانا عہد مغلیہ سے پہلے کا بنجاروں کا بنایا ہوا کہا جاتا ہی۔ کوڑیا پل کی وجہ تسمیہ کا بیان شاہ جی کے مکان کے تحت میں ملے گا۔
(۱۵)	نٹوں کا کوچہ	آخر دور مغلیہ۔ معمولی۔ کوئی کہتا ہی چندے سے بنا ہی کوئی کہتا ہی ہنسال کا بنایا ہوا ہی۔ اس میں سیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گنپتی۔ کرتیکا سوامی۔ نندی اور ہنومت کے بت ہیں۔
(۱۶)	نیل کا کٹڑہ دھوبیوں کی گلی	(۱۳۳) برس پہلے کا۔ بعض کہتے ہیں کہ غدر سے کچھ ہی پہلے بنا ہی گنگا مصر (بھنڈا مصر) کا بنا ہوا ہی جس کی چھٹی پشت میں قابض حال گوکل چند ہیں۔ اس میں شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گنپتی۔ کرتیکا سوامی اور نندی کے بت ہیں۔ سیدھی طرف طاق میں ہنومت کا بت ہی اور بائیں طرف سیو۔ پاربتی اور گنپتی کی مورتیں ہیں۔
(۱۷) (۱۸)	کشمیری دروازہ گندہ نالہ کنجنیوں کی گلی۔	قریب ۹۳ برس پہلے کا۔ اجودھیا پرشاد کھتری اور ٹھاکر داس بقال کا بنایا ہوا۔ قابض حال کھتری امراؤ سنگھ اُن کی چوتھی پشت میں ہیں۔ اس میں دو چھوٹے چھوٹے مندر ہیں ایک شیو کا اور دوسرا ہنومت کا۔ شیو کے مندر میں شیو کی مورت پاربتی اُس کی گود میں بیٹھی ہی اور پاربتی کی ایک علحدہ مورت بھی ہی اس کے علاوہ گنیش۔ کرتیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں۔ ہنومت کے مندر میں ہنومت کی مورت سیندور میں رنگی ہوئی ہی اور اس کے علاوہ اور کئی چھوٹی چھوٹی برنجی مورتیں ہیں۔ اس شوالے میں اندر باہر کوئی تیس گھنٹے لٹک رہے ہیں۔

نمبر سلسلہ	محلہ	کیفیت
(۱۹)	چوڑی والاں گلی کشمیریاں	کوئی سو برس اول کا۔ اس کے دروازے پر زمانہ حال کا ایک کتبہ لگا ہوا ہے جس پر ناگری میں:- "پنڈت بسن نارائن ہکسر" کھدا ہوا ہے۔ اس شوالے میں شیو کا لنگ۔ پاربتی اور نندی کی مورتیں ہیں۔
(۲۰)	کھاری باؤلی۔ گلی تباشاں خورد	پھاگن کرشنا (۵) جمعرات سمت ۱۹۰۷ / ۱۸۵۰ء - دروازے پر ذیل کا کتبہ سنسکرت میں کندہ ہے

श्री शः पायात् ॥१ कपूरजाति राजन्य वंशे (वंशे) जातस्य धीमतः॥
श्रीमद्विजय रामस्य पत्नी कुर्य्या (कुर्य्यां) पतिव्रता ॥२॥ धर्मेहि भर्तृन्निधनादनन्त
रम्वित्तं (वित्तं) तदीयम्विनियोजितंतथा॥ नूत्नालये श्रेष्ठतरे सुखप्रदे कार्योप्रति
ष्ठा मय काथ धूर्जटेः॥३॥ चिन्तयन्त्यन पत्येत्थं स्वर्गता देवयोगतः॥ अवशि
ष्टेन रिक्थेन तस्यास्तु वचनादपि॥४॥ मुन्याका शाङ्क गोत्राभिर्म्मिते वैक्रमहायने
फाल्गुनासित पञ्चम्या (म्यां) त्वष्ट्रर्भे गुरुवासरे (गुरुवासरे) ॥६॥ सं० १९०७ फा० कृ० ५ गु०

جس کا مطلب یہ ہے۔ مقدس شیو محافظ رہے۔ چوں کہ میں وفادار اور باعصمت بیوی مشہور دانش مند وجے رام کی ہوں اور فرقہ کپور چھتریوں میں پیدا ہوئی ہوں۔ مجھ کو چاہیے کہ میرے شوہر کی وفات کے بعد اس کی تمام دولت امور مذہبی (یا خیرات) میں خرچ کروں مزید براں (انتھا) اور (تتھا) یہ بھی چاہیے کہ سیو کا لنگ اس باموقع اور عمدہ نئے مندر میں بٹھاؤں۔ جب وہ (عورت) اس خیال میں تھی وہ مرگئی (بہشت کو چلی گئی)۔ بدقسمتی سے لاولد مری)۔ اس کی دولت سے جو باقی رہی اس کے سب سے چھوٹے دانش مند ماہو جیٹھو مل نے اس (متوفیہ) کی زبانی ہدایت کے موافق اس نے شیو وجے رام کا لنگ جو وجے رام کے نام سے موسوم تھا) برہمنوں کے ہاتھوں سے سمت بکرمی ۱۹۰۷ میں جمعرات کے دن پانچویں سدی فالگن جب کہ چاند کا قران مجمع النجوم سے تھا اور اس پر توشتری (چترا) براج رہا تھا سمت ۱۹۰۷ فالگن کری ۵۔ جمعرات کے دن۔ مبارک یاد

اُن مندروں کی فہرست جن کا ذکر اس کتاب میں نہیں آیا۔

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
(۱)	اُماہیسور	اٹی محلہ گلی پہلوا	تخمیناً (۸۸) برس پہلے کا بنا ہوا ہے - مندر میں مہادیو پاربتی، گنیش جی - کرتیکا سوامی - نندی اور ہنومت کی مورتیں ہیں - بائیں طرف ہنومت کا ایک اور بت سیندور ملا ہوا ہے -
(۲)	باباجی رام	چھتہ پرتاپ سنگھ گلی پیپل والی	تخمیناً دو سو برس سے اوپر کا - دو مندر ملے ہوئے ہیں - ایک شیو کا ہے جس میں پاربتی - گنیش - کرتیکا سوامی اور نندی کے بت علاوہ شیو کے لنگ کے ہیں اور دوسرے مندر میں رادھا اور کرشن کے بت ہیں
(۳)	بابو گلاب داس	گلی کدار ناتھ	دور آخر مغلیہ - راجہ کدار ناتھ کا بنایا ہوا ہے چنانچہ اُنھیں کے نام سے یہ گلی مشہور ہوگئی ہے - کدار ناتھ کے والد کے متعلق ایک دلچسپ قصہ بیان کیا جاتا ہے جس سے اُن کی عظمت کا پتہ چلتا ہے - کہا جاتا ہے کہ شروع شروع میں قلعے میں پر چنے بیچتے پھرتے تھے اس زمانے میں تخت دہلی پر ایک نابالغ شاہزادہ حکمران تھا اور کدار ناتھ کے باپو ایجنٹ اور نائب السلطنت تھے (؟) ان باپو صاحب نے شاہزادے کو زہر دینے کا ارادہ کیا جس کی خبر کدار ناتھ کے والد کو لگی اُنھوں نے فوراً شاہزادے کی والدہ کو خبر کی وہ بے چاری ڈر کی ماری شاہزادے کو لے کر آگرے بھاگ گئی شاہزادے نے بجلدوی اس خیر خواہی کے جس سے اُس کی جان بال بال بچ گئی چنے فروش کے بیٹے کو مرزا راجہ کدار ناتھ کا خطاب دیا - اس میں رام سیتا لچھمن کی مورتیں ہیں سامنے ایک بت

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
			نیز ان کا اور شیو کا لنگ ہے -
(۴)	بڑا مندر - یا لاڈلی جی کا مندر	نیل کا کٹرہ - گلی گھنٹیشور - مہادیو	تقریبًا سمت بکرماجیت - نول گوسوامی پدھیہ مانجی کا بنایا ہوا - انھوں ہی نے رادھا اور کشن کی مورتیں بنوائیں - چونکہ نول گوسوامی لاڈلی جی (رادھا) کی پوجا کرنے میں معتقد تھے اسی وجہ سے یہ مندر لاڈلی جی کا مشہور ہو گیا - اس میں دو مورتیں ہیں ایک رادھا کی دوسری کشن کی - رادھا کی مورت برنجی ہے اور کشن کی سنگ سیاہ کی - داہنی طرف ایک چھوٹے سے مندر میں تلسی کی نقرئی مورت ہے -
(۵)	بھیرو جی	کوچہ گھاسی رام	دور آخر مغلیہ - ایک پتھر سیندور ملا ہوا باہر ہی سے نظر آتا ہے جو بھیرو کہلاتا ہے - مندر کے اندر مہادیو پاربتی کی مورتیں سنگ مرمر کی ہیں جو بیل پر بیٹھی ہوئی ہیں - قدیم مندر چھوٹا سا تھا - نیا مندر گھڑے ہوئے پتھروں کا سمت ۱۹۶۹ میں بنا ہے - مندر سے ملا ہوا دو منزلہ کوٹھڑی پوجاری کے رہنے کی ہے -
(۶)	بھیرو	نیا بانس	تخمینًا سو سال کا - معمولی - ایک پتھر پر سیندور لگا ہوا جو بھیرو کہلاتا ہے -
(۷)	توپ خانے والا	دھرم پورہ	دور آخری مغلیہ - اسی کو مسری گوسائیں کا مندر بھی کہتے ہیں - دروازے پر بخط دیوناگری مسری کشوری مندر کندہ ہے نیچے مندر ہے اوپر رہنے کا مکان ہے
(۸)	جھجر والا	چھیپی واڑہ کلاں	دور آخری مغلیہ - دو چھوٹے چھوٹے مندر ملے ہوئے ہیں - (۱) رادھا کشن کا - (۲) شیو کا - پہلے میں رادھا کشن کی مورتیں ہیں اور دوسرے میں پاربتی -

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
			گنپتی - کرتیکا سوامی اور نندی کی - سیدھے طرف کے دو طاقوں میں گنگا اور ہنومان کی مورتیں ہیں -
(۹)	جھجھّر والا	چاندنی چوک	سوا سو برس کا - بانی ہردیوجی - چونکہ یہ جھجھر کا رہنے والا تھا اس واسطے یہی نام پڑ گیا - قابض حال ہردیوجی اُن کی چھٹی پشت میں ہے - ایک مندر میں توراوہا کی سنگ مرمر کی مورت ہے اور کشن کی سنگ سیاہ کی اور دوسرے مندر میں جو شوالہ ہے شیوکا لنگ پاربتی - گنپتی - کرتیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں اور طاق میں ہنومان کا بت ہے -
(۱۰)	جوہری والا	الی واڑہ	تخمیناً دو سو سال کا - داہنی طرف بھیرو کا بت ہے - بیچ میں سنبھو (تر تھن کر سوم) ہماری داہنی طرف اور سنبھو کی بائیں جانب نیمی ناتھ بائیسویں تر تھن کر کی مورت ہے اُس کی بائیں جانب اور ہماری سیدھی طرف ویمل ناتھ تیرھویں تر تھن کر کی مورت ہے - ہماری بائیں جانب اور سنبھو کی داہنی طرف نیمی ناتھ اکیسویں تر تھن کر کی مورت ہے جس کے سیدھے طرف اور ہمارے بائیں طرف پارسناتھ تیئسویں تر تھن کر کی مورت ہے - مندر اوپر کی منزل پر ۱۲ فٹ - ۹ انچ لمبا اور ۲۵ فٹ - ۷ انچ چوڑا ہے اور کہا جاتا ہے کہ شاہجہاں کے زمانے کا جینیوں کا بنایا ہوا ہے لیکن اب کوئی پچاس برس ہوئے کہ دوبارہ بنا ہے - مندر کے اندرونی تمام حصے پر سنہری ملمع کیا ہوا ہے - چالیس برس ہوئے کہ یہ ساری آراستگی ہوئی ہے -
(۱۱)	جوہری والا	چیل پوری	تقریباً سو برس پہلے کا - بیچ والی مورت سمبھونی کی ہے جو پانچویں تر تھن کر ہے ادھر ادھر کی دونوں مورتیں آدی ناتھ کی ہیں - ہمارے داہنے اور بائیں ہاتھ کو اجیت ناتھ کی مورتیں ہیں جو دوسرا تر تھن کر ہے - ہمارے

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
(۱۲)	جوہری ۳	چیرہ خانہ	بائیں طرف اور آدی ناتھ کے داہنے نیمی ناتھ کی مورت ہی جو کیسول ترتھن کر ہے۔ ہماری داہنی طرف کے طاق میں بھیروں کا بت ہے۔ اس مندر کے ستون اور فرش سنگ مرمر کا ہے اور اندر سنہرا کام ہے۔ دور آخر مغلیہ۔ اس مندر میں بیس پچیس مورتیں ہیں۔ ان میں سے بڑی مورت بھیروں کی ہے جو سیندور میں رنگی ہوئی ہے اس کے سامنے پارس ناتھ کا بت ہے جو تیئیسواں ترتھن کر ہے۔ داہنی طرف سری یامسا گیارھویں ترتھن کر اور بائیں طرف رشا بھا پہلے ترتھن کر کے بت ہیں۔ مندر ۱۸ہ ۱ہ کا ہے جو جینیوں کے فرقہ سیوتمبرا کا ہے۔ یہ لوگ اپنے بتوں کو سفید کپڑے پہنا کر بنا سنوار کے رکھتے ہیں
(۱۳)	جوتی پرشاد	فتح پوری بازار گلی لوہاریاں	کوئی دو سو برس پہلے کا۔ جوتی پرشاد نے تقریباً پندرہ سال کے اول مرمت کرائی تھی۔ اس میں شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گنپتی۔ کرتیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں۔
(۱۴)	جھیا مصر	نیل کا کٹرہ۔ باو بھائی کی گلی	سمت ۱۹۰۴ (۱۸۴۷ء) اس مندر کے دروازے پر بخط ناگری دس سطروں کا یہ کتبہ ہے:۔

(۱) سری گنیش نام اُبکار ہا پرم۔ (۲) سروموہی ستا شبھ من مندر آتا۔
(۳) سندر روپے سیٹھ کشتری جاٹ سدا لیئے۔ (۴) وسا وسا وسو سُکھی رہو مہاراج
(۵) دھن سمپتا سے رہے بھرے جگد مبارا۔ (۶) سکھے لاج موکش سپھالا درسن ہم۔
(۷) سے جو پوجے جیت لگایا جو رسی کی۔ (۸) پھندا سوت چتا ای جی دِلایا۔
(۹) سموت ۱۹۰۴ اتھا پرگھٹ بھاٹ جگدیو۔ (۱۰) شُوژ کیوٹ وِ پیرا کی لاجیا رکھے امبا۔

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
			کے بیل بوٹے ہیں اور چھت رنگین ہے۔ کہا جاتا ہے قلعے کے پاس جب جینیوں کا مندر بنا تو جین مت والوں میں کچھ جھگڑا پڑ گیا اور دو فرقے ہو گئے ایک نے تو وہی قدیم مندر قلعے کے پاس والا سنبھالا اور دوسرے فرقے نے اپنا مندر الگ بنا لیا۔
(۱۶)	جینیوں کا مندر ۲	کھجور کی مسجد	۱۷۶ برس پہلے کا۔ ایک شخص آیا ل نامی نے جو محمد شاہ بادشاہ کی کمسریٹ میں ملازم تھا وہ جب معتوب ہوا تو اس ڈر سے کہ کہیں گھر نہ ضبط ہو جائے اس نے اپنے سارے گھر کو ایک مورت بٹھلا کر مندر مشہور کر دیا۔
(۱۷)	ایضاً ۳	بڑا دریبہ سیٹھ کا کوچہ	یہ جینیوں کے دیگامبر فرقے کا تیسرا مندر دلی میں ہے سنہ ۱۸۴۳ء سنتی ناتھ کی مورت کے چبوترے پر سمت ۱۹۲۳ اور آدی ناتھ کا شو سمت ۱۹۲۹۔ ولیس سُو ۳ کندہ ہے۔ اس مندر کے دروازوں پر پیتل چڑھا ہوا ہے۔ اس کی تعمیر چھ برس میں ہوئی۔ مندر کے اندر چبوترے پر آدی ناتھ کی مورت ہے ہمارے بائیں ہاتھ کو دو مورتیں چندر اپر بھو کی ہیں۔ مندر کے تین طرف دالان ہیں۔ مندر اور دالانوں کے ستون سنگِ مرمر کے ہیں۔ ہماری سیدھی طرف کے طاق میں پچیکاری کا کام ہے۔
(۱۸)	ایضاً ۴	ایضاً۔ ایضاً	سنہ ۱۸۴۰ء۔ چندر اپر بھو کی سنگِ مرمر کی ایک مورت پر سمت ۱۹۳۵ ماسو۔ دوسرے پر سمت ۱۵۴۹ ورش ویساکھ سدی ۵۔ تیسری پر ۱۸۹۳ پھاگن سد گیارہ۔ کندہ ہے۔ اس میں تین مورتیں

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
(۱۹)	چنداسی	بلی ماراں گلی داساں	چندرا پربھو کی ہیں دو سنگ مرمر کی ایک برنجی بت چاندی کے تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ اندراجی صراف نے ایک دترانی (کابلی) سے اپنی جائداد مال اسباب فروخت کرکے پانسو روپے کو لی اور یہی سب سے بڑی مورت ہے جس پر سمت ۱۵۴۹ کندہ ہے تخمیناً ڈھائی سو برس اول کا۔ اس میں رادہا اور کشن کی مورتیں ہیں۔ یہ مندر چرنداسی فرقے کا ہے جن کا موجد چرن داس تھا جو دراصل بھارگو ذات کا تھا۔ چرنداسیوں نے ذات کی تفریق کو بالکل اٹھا دیا ہے اور انتیاجیوں کے سوا سب اس میں داخل ہو سکتے ہیں۔ یہ لوگ بشنی سادھو ہیں۔ وید کو مانتے ہیں۔ یہ کسی دوسرے فرقے کو برا نہیں کہتے۔ چرنداس نادرشاہ سے ملا تھا نادرشاہ نے اُسے قید کردیا۔ اس فرقے کے لوگ اپنے مرشد کے کمالات بہت کچھ اور بڑے وثوق سے بیان کرتے ہیں کہ گوکہ نادرشاہ نے چرنداس کے بیڑیاں ڈلوادی تھیں مگر وہ اپنی کرامت سے دو بجے رات کے بیڑیوں سمیت جیل خانے سے نکل نادرشاہ کے خواب میں اس طرح جا پہنچے کہ کسی کو خبر بھی ہوئی نادرشاہ متحیر ہوا اور اُن کی کرامت دیکھ کر معاف کردیا اور نہایت مہربانی سے پیش آنے لگا۔ محمد شاہ بھی چرن داس کی تعظیم کرتا تھا اور شاہ عالم ثانی نے چار مواضع مشاہد پور ضلع گڑگانوہ میں۔ گاؤدی ضلع میرٹھ میں۔ ناگلا ضلع بلند شہر میں۔ گنگوتنا ریاست پٹیالہ سے میں۔ اس فرقے کو جاگیر دیئے تھے جو اب تک بحال و برقرار ہیں (؟)۔ چرنداسی شادی نہیں کرتے۔ چیلوں کو متبنیٰ کر لیتے ہیں۔ چرنداس نے سمت ۱۸۴۰ / ۱۷۸۳ء میں سوا سو سال کی عمر میں انتقال کیا۔
(۲۰)	چودہاری	محلہ بدلیاں	دور آخر مغلیہ۔ اس میں دو لنگ ہیں اور پاربتی۔ گنپتی۔ برمھ دیو نندی کی مورتیں ہیں۔

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
(۲۱)	چھوٹا مندر بھانو کمار جی کا مندر	نیل کا کٹڑہ	تقریباً بکرم سمت ۱۸۰۰ اس میں دو مورتیں ہیں - ایک رادھا کی ایک کرشنا کی - یہ مورتیں پیچ رسی ہیں - کرشنا کی مورت رادھا کی مورت سے زیادہ کالی ہی - یہ مندر راجہ مرلی دھر گنوسوامی کا بنایا ہوا ہی - مندر ۲۱ - ۳ + ۱ - ۳ ہی - بھانو کمار جی جن کے نام سے یہ مندر مشہور ہی راجہ مرلی دھر کے بیٹے تھے - یہ مندر درصل کسی بڑے آدمی کا مکان معلوم دیتا ہی - ایک چھوٹے سے دروازے کے آگے صحن ہی - آدھے صحن میں چبوترا ہی - مندر ملا کر تین پنج درے دالان ہیں ایک کے پیچھے ایک - فرش سنگ سیاہ اور سنگِ مرمر کا ہی - دالانوں میں آئینے بندی کا کام ہی -
(۲۲)	حکیم اجیت سنگھ اور جیون سنگھ کا مندر	مالی واڑہ - چھتہ مدن گوپال	تقریباً سو برس اوّل کا حکیم اجیت سنگھ کی لڑکی تھائی کا بنایا ہوا ہی - مندر ۹ - ۱ + ۳۱ - ۹ - ہی - جیون سنگھ حکیم جی کا داماد تھا - پجھوتا بعض حال چوتھی پشت میں ہی - عمارت کے دو حصے ہیں - ہمارے سامنے وار رادھا اور کشن کا مندر ہی اور داہنی طرف شوالا ہی جس میں پاربتی - گنپتی - کرتیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں -
(۲۳)	دیوان سنگھ	اجرٹن روڈ نئی سڑک گسائیں چھمن لال	یہ مندر دیوان اہلو والیہ کا بنوایا ہوا ہی اس میں رادھا کشن - ہنومان کی مورتیں ہیں اور ایک شوالا بھی ہی جس میں پاربتی - گنپتی - کرتیکا سوامی - نندی اور بھیرو کی مورتیں ہیں

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
(۲۴)	راجہ جی	پیپل مہادیو	کوئی سو برس اوّل کا۔ راجہ جگ سکھ راے کا بنایا ہوا جو اکبرشاہ ثانی کے عہد میں وزیر تھے۔ اسی کے ساتھ ایک چھوٹا سا مندر کشن کا بھی ہے۔ جس میں رادھا کشن کی مورتیں ہیں۔ شوالا بھی ہے جس میں پاربتی۔ گنیش۔ برمھ دیوا اور ہنومان کی مورتیں ہیں
(۲۵)	رام رام	مادھوداس کا باغیچہ	تخمیناً دو سو برس کا۔ کہتے ہیں کوئی ایک سادھو تھا جو ہر وقت رام رام کہتا تھا اور اسی مندر میں رہتا تھا اس سے یہ نام پڑا۔ دوسری روایت وجہ تسمیہ کے متعلق یہ ہے چند مارواڑیوں نے مل کر یہ مندر بنایا تھا اور کسی ایک شخص کے نام وہ موسوم نہیں کیا جا سکتا تھا اس وجہ سے رام کا مندر نام رکھا گیا کہ رام ہی کی مورت اس میں ہے۔ لیکن پہلی روایت ہی زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ رام کا مندر نہیں کہلاتا بلکہ رام رام کا مندر۔ اس میں تین مورتیں ہیں۔ رام کی مورت سنگِ سیاہ کی بیچ میں ہے اور داہنی طرف لکشمن اور بائیں طرف سیتا۔ لکشمن اور سیتا کی مورتیں سنگ مرمر کی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک چھوٹا سا مندر ہنومان کا بھی ہے۔
(۲۶)	سیتل پوری	چھتہ پرتاپ سنگھ یا گلی پیپل والی	ڈیڑھ سو برس اول کا۔ سیڑھیوں کے اوپر ناگری میں یہ کتبہ پانچ سطروں کا ہے:۔ (۱) سری سیتل پوری دربار پرانا اس کے۔ (۲) مالک پانچ پنچ ہیں برادری اور۔ (۳) بیناتھی پوکٹ تھوک چرنے سے (۴) نیا بنوا دیا پنچایتی ہلیو۔ (۵) کی نے سمت ۱۹۴۰

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
			مندر کا بالائی حصہ تیرہ فیٹ مربع ہے نیچے پجاری کے رہنے کی کوٹھڑی ہے جو پنچایت کی منڈلی کے کام بھی آتی ہے۔
(۲۷)	شادی رام	چاوڑی بازار کوچہ دیا رام۔	دور آخر مغلیہ۔ بانی شادی رام۔ بائیں طرف ٹھاکر جی یعنی کشن کا مندر ہے جس میں حسب معمول رادہا اور کشن کی مورتیں ہیں۔ سیدھی طرف ایک چھوٹا سا مندر ہنومان کا ہے۔ اس مندر میں ایک شوالا بھی ہے جس میں پاربتی۔ گنپتی۔ کرتیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں۔ احاطے کے اندر ایک دھرم سالہ بھی ہے جس میں خاص دنوں میں کثرت سے برہمنوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔
(۲۸)	صاحب سنگھ	چھیپی واڑا کلاں	دورِ آخر مغلیہ۔ قابض حال اندر نرائن۔ جن کے والد رائے بہادر صاحب سنگھ نے تخمیناً ۴۰ برس ہوئے کہ اس مندر کی مرمت کرائی تھی۔ مندر ۲۹ فٹ × ۲۷ فٹ ہے یہ دو چھوٹے چھوٹے مندر ہیں۔ پہلے میں رادہا اور کشن۔ پاربتی۔ گنپتی۔ کرتیکا سوامی اور نندی کی مورتیں ہیں اور دوسرے میں شیو کی مورت ہے اور طاق میں ہنومان ہے۔
(۲۹)	قنوجی رائے	املی محلہ۔ کوچہ پاتی رام	تخمیناً کوئی ڈہائی سو برس اول کا قنوجی رائے کا بنایا ہوا جس کی مرمت سمت ۱۹۰۱ مطابق ۱۸۴۴ء میں ہوئی۔ کنوئیں میں کتبہ خط نسخ کا ہے جسے محکمہ آثار قدیمہ کے ماہر فن بھی اب تک نہیں پڑھ سکے ممکن ہے کہ اس سے کچھ اور زیادہ پتہ چلتا۔ اس کے

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
			پاس جو کنواں ہی وہ بنجاروں کا کنواں کہلاتا ہی۔ اصل مندر میں رام سیتا اور لکشمن کی مورتیں ہیں ان کے سامنے ایک لنگ ہی اور پاربتی۔گنپتی۔ کرتیکا سوامی اور گنپتی کی مورتیں ہیں۔ داہنی طرف ہنوماں اور بائیں طرف بھیروں کے بت ہیں۔
(۳۰)	کالیسو رناتھ	بازار سیتارام	سوا سو سے ڈیڑھ سو برس اول دور آخر مغلیہ کا گو یہ ایک چھوٹا سا مندر ہی لیکن لوگ بہت کثرت سے آتے جاتے رہتے ہیں۔ کالیسور ناتھ بھی شیوجی کا ایک نام ہی۔ لوگوں کی منت مرادیں بہت آتی ہیں۔ ایک سو چار تو گھنٹے لٹکے ہوئے ہیں۔ عام عقیدہ یہ ہی کہ یہاں آکر منت ماننے سے بانجھ عورتوں کے بچہ ہوجاتا ہی۔ اس میں پاربتی۔گنپتی۔ برمھ دیو۔کرتیکا سوامی اور نندی کی یہ پنجی مورتیں ہیں۔ سیدھے ہاتھ کی طرف طاق میں بھیرو اور بائیں طرف ہنومان کے بت ہیں۔
(۳۱)	کیسرن	الی محلہ چوک شاہ مبارک	دورِ آخر مغلیہ۔ اس پر زمانہ حال کا کتبہ شش سطری ناگری میں دروازے پر یہ لگا ہوا ہی:۔ (۱) سری۔ (۲) مندر۔ (۳) سوامی دین دیال جی مہاراجہ کا۔ (۴) پنچایتی کسیروں کا بنا۔ (۵) سمت (۶) سنہ ۱۹۶۰ یہ مندر سوامی دین دیال کے نام پر بنا ہی۔ اس میں کوئی بت نہیں۔ اس میں ہراتوار اور پیر کو چراغ جلا کر پوجا کی جاتی ہی۔ اس مندر کی مرمت سمت ۱۹۶۲ ۱۹۰۳ء میں ہوئی تھی

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
(۳۲)	کشمیریاں	بازار سیتارام کوچۂ شریف بیگ	دور آخر مغلیہ - مندر میں پاروتی - کرتیکا سوامی - نندی - رام - سیتا اور لچھمن کی مورتیں اور شیو کا لنگ ہے
(۳۳)	گجراتی	دریبۂ کلاں لٹو شاہ کا کوچہ	سنہ ۱۱۷۳ھ ۱۷۵۹-۶۰ - اس میں شیو کا لنگ - پاربتی اور نندی کی مورتیں ہیں - طاق میں ایک دوسری مورت گنپتی کی ہے - قبالے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مندر بنانے کے لیئے یہ زمین سنہ ۱۱۷۳ھ میں خرید کر ایک چھوٹا سا مندر مٹھن لال نگر نے بنوا دیا ہے -
(۳۴)	گلاب رائے مہر چند	چاندنی چوک کوچۂ سکھانند	مغلیہ زمانے کا - لالہ ایشری پرشاد سرکاری خزانچی - یہ مندر دو منزلہ لالہ گلاب رائے کا بنایا ہوا ہے - اوپر مندر ہے نیچے انھیں کے لوگ رہتے ہیں - لالہ گلاب رائے کے باپ سہارن سنگھ تھے جنھوں نے سہارن پور بسایا تھا اور جن کو اکبر بادشاہ نے ایک جاگیر بھی دی تھی - اس خاندان کے سب سے پہلے شخص گلاب رائے دلّی آئے اور یہاں آ کر ایک مہاجنی کوٹھی کھولی - گلاب رائے کی زندگی تک کاروبار خوب چلا بعد اُن کے بیٹے نے دکان کا نام گلاب رائے مہر چند رکھا چنانچہ یہ قدیم دکان اب بھی موجود ہے - چھٹی پشت میں سالگ رام نے بادشاہی نوکری چھوڑ دی اور سنہ ۱۸۲۵ء میں گورمنٹ نے ان کو اپنا خزانچی مقرر کیا - اُنھوں نے غدر میں گورمنٹ کی بڑی خیر خواہی کی - اس مندر میں بشمول چندر پربھو آٹھویں ترتھن کر - پارسناتھ تئیسویں ترتھنکر اور مہاویر اچوبیسویں ترتھن کر کے کوئی تیس مورتیں ہیں -
(۳۵)	رگنڈو	خیابانس - کوچۂ سنجو گی رام	کوئی تراسی برس پہلے کا - دور آخر مغلیہ - اوپر مندر ہے نیچے چار دکانیں ہیں - تیرہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاتے ہیں گنڈو کسی ہندوانی

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
			عورت کا بنایا ہوا ہے۔ مندر میں رادہا کا بت سنگ سیاہ کا ہے اور کشن کا سنگ مرمر کا۔ اسی احاطے میں شوالا بھی ہے جس میں پاربتی۔ گنیش۔ برمھ دیو اور نندی کی مورتیں ہیں سیدھے ہاتھ کی طرف کے طاق میں بھیرو اور ہنومان سیندور میں لپٹے ہوئے ہیں بائیں طرف کے طاق میں دُرگا کی مورت ہے۔
(۳۴)	مادھو داس	باغیچہ مادھو داس	یہ مندر ساڑھے تین سو برس پیشتر کا کہا جاتا ہے۔ اس مندر میں چرن پڑ کے نقش قدم ہیں جن پر بخط ناگری یہ کتبہ ہے:- (۱) یہہ چرن پڑ [کے] کا سری مہنت۔ اگھو داس جی ہے۔ (۲) سموت ۵۴ ۹ ۱ ساون ودی ۲۰ ماوس منگل وار۔ یہاں بالا دیو داس کا چرن پڑ کا بھی ہے جس پہ یہ کتبہ ناگری میں ہے:- جیسٹھ متی ۳ ۵ ۱۹ سموت سری [illegible] منڈپ میں ایک تختی پہ یہ کتبہ ناگری اردو انگریزی میں ہے:- مادھو داس کی باغیچی۔ (۲) پرَم رَمی سُندر یہ [سمت ۱۹۳۳] دھرتی۔ (۳) کہیا امیت جاسے نہیں برنی۔

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
			ترجمہ مادھو داس کی باغیچی - یہ زمین بہت پیاری اور اچھی ہی جس کی عظمت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا (یعنی اس کا جواب نہیں ہی) اور حیطہ بیان سے خارج ہی -

ایک سفید سنگ مرمر کی تختی پر ناگری میں یہ کندہ ہی:-

(۱) داس نند رام پتھر والا دلّی (۲) سمبت ۱۹۲۹ - اور ایک تختی پر ست نراین کے مندر پر ایک کتبہ حال کے مہنت نے لگایا ہی جس میں کوئی تاریخی دلچسپی نہیں لہذا نقل نہیں کیا گیا - یہ مندر مادھو داس کا ہی جو بشنی سادھو تھے - کہا جاتا ہی کہ اکبر شاہ ایک مرتبہ مادھو داس کے پاس آیا اور دیکھا کہ بہت سی چکیاں خود بخود چل رہی ہیں - بادشاہ یہ کرامت دیکھ کر متحیر ہوا اور چاہا کہ کچھ دے لیکن سادھو نے کہا کہ مجھے بس آپ کی مہربانی کافی ہی - ہندوستان میں ہر سادھو سے کچھ نہ کچھ کرامت منسوب کر دی جاتی ہی یہ بھی اُسی قبیل کی ہی - اس مندر کے صحن میں اور کئی مندر ہیں - (۱) رام کا ہی جس میں رام کی مورت بیچ میں ہی - لچھمن کی سیدھی طرف اور سیتا کی بائیں طرف - رام کی مورت سنگ سیاہ کی ہی باقی دونوں سنگِ مرمر کی - (۲) رام کے مندر کے سامنے رامیسور مہادیو کا مندر ہی جس میں پاربتی گنپتی اور نندی کی مورتوں کے علاوہ سیو کا لنگ بھی ہی - (۳) مہنت مادھو داس کی گدّی ہی جس میں دیوجی یعنی بالا رام کا مندر بھی ہی - اس میں بالا رام اور ریوتی کی مورتیں ہیں - ریوتی کی مورت قابل دید اور ایسی خوب صورت ہی کہ دلّی میں اور کوئی مورت اس کے مقابلے کی نہیں ہی - (۴) جمناجی کا مندر - (۵) ست نارائن کا مندر جس میں سنگ مرمر کا عمدہ تراشا ہوا بُت ہی اور اسی پر زمانۂ حال کا وہ کتبہ ہی جس کا ذکر اوپر آ چکا ہی (۶) گنگا کا مندر جس میں سنگ مرمر کی مورت ہی - (۷) رادھا اور کشن کا مندر جس میں سنگ سیاہ کی مورتیں ہیں - (۸) لکشمی اور نرائن کا مندر - اس میں کی دونوں مورتیں سنگ مرمر کی ہیں - (۹) ہری ناتھ کا مندر اس کے علاوہ ایک بُت کدار ناتھ کا ہی - تین گنپتی کے اور ایک پاربتی کا -

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
(۳۷)	نانک چند کھتری	کوچۂ گھاسی رام	تخمیناً (۶۳) برس اول کا۔ لالہ لچھمن داس نے چند سال ہوئے کہ درست کرایا ہے۔ اس میں شیو کا لنگ۔ پاربتی۔ گنپتی۔ برمھ دیو اور نندی کے بت ہیں
۳۸	موہن لال گوسائیں	چاندنی چوک کوچۂ سکھانند	تخمیناً (۳۹) برس اول کا۔ اس میں رادھا اور کشن کی مورتیں ہیں اول الذکر سنگِ مرمر کی ہے اور ثانی الذکر سنگ سیاہ کی۔ موہن لال بانی مشہور گویا اور شاعر تھا۔ قابضِ حال شیو شنکر اس کی چوتھی پشت میں ہے۔
(۳۹)	نارائن داس	ڈفرن برج کے پاس	تخمیناً (۳۷) سال اول کا۔ قابضِ حال لالہ رام ناتھ کے دادا نارائن داس کا بنایا ہوا ہے۔ بائیں طرف ہنومان کا مندر ہے۔ اس کی بائیں جانب گنیش کا بت اور رادھا اور کشن کی برنجی مورتیں ہیں۔ نیچے طاق میں ایک طرف گنیش کی مورت اور شیو کا لنگ ہے۔ اسی کے پاس چھوٹی چھوٹی مورتیں پاربتی۔ گنیش اور نندی کی ہیں مندر کے سامنے ایک شوالا بھی ہے جس میں دھرم سالہ ہے۔ اس لنگ کا نام نرمادیسور ہے
(۴۰)	نوا	چیل پوری	سمبت ۱۸۶۴ / ۱۸۰۷ع لالہ ہرسکھ رائے نے پانچ لاکھ کے صرف سے سات برس میں بنوایا ہے۔ ممکن ہے کہ مندر کی لاگت میں تھوڑا بہت کچھ مبالغہ ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ بہت روپیہ لگا ہے لالہ ہرسکھ رائے راجہ صاحب بھرت پور کے کونسلر تھے۔ چبوترے کے بیچ میں آدی ناتھ پہلے ترتھن کر کی مورت ہے۔ اس کے پیچھے دوار پال

نشان سلسلہ	نام مندر	محلہ	کیفیت
			(دربان) ہیں۔ داہنے اور بائیں ایک ایک طاق ہے اُس میں بہت سی مورتیں ہیں۔ بائیں طرف ایک چھوٹے سے مندر میں تین سو مورتیں ہیں۔ یہ مندر جینیوں کا بہت عمدہ بنا ہوا ہے۔ اس کے سامنے کی ڈیوڑھی اور تینوں دالان جس کے ستون سنگِ مرمر کے ہیں بلحاظ کاریگری کے دیکھنے کے قابل ہیں۔ سنگ مرمر کا کام اور چھوٹے چھوٹے ستونوں پر جو پھولوں کے ہار لپیٹے ہیں بڑی محنت اور نفاست کا کام ہے۔ تیرہ سیڑھیاں چڑھ کر پہنچتے ہیں۔ صدر دروازہ جس میں سے مندر میں جاتے ہیں برنجی ہے۔ یہ مندر جینیوں کے دیگامبر فرقے کا ہے۔
(۱۴)	ہنومان جی	پیپل مہادیو	دورِ آخر مغلیہ۔ مختصر۔ حال میں درست ہوا ہے۔ اس میں ہنومان کی مورت سیو کا لنگ اور ایک بیل ہے۔

فہرست۔ وہ مندر جن کا کوئی خاص نام نہیں ہے

نشان سلسلہ	محلہ	کیفیت
(۱)	گلی مرغان	بالکل ابتر حالت میں گرا پڑا کھنڈر۔
(۲)	الی محلہ۔ کوچہ ہرسن مل	مختصر۔ قابض حال بشمبھر ناتھ کے دادا سرن لال کا بنایا ہوا ہے۔
(۳)	چاندنی چوک۔ کوچہ سکھانند	تخمیناً سوا سو برس اول کا۔ اس میں چاندپربھو اور پارسناتھ کی مورتیں ہیں۔ جینیوں کے دیگامبر فرقے کے ایک شخص صاحب سنگھ کا بنایا ہوا ہے۔ اس فرقے کی مورتوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ بالکل برہنہ ہوتی ہیں۔
(۴)	مالی واڑہ۔ بیدواڑہ	تخمیناً پونے دو سو برس اول کا۔ بالاخانے پر جینیوں یعنی سراوگیوں کا ایک عمدہ ساخت کا مندر ہے بیچ میں چندراپربھو کا بُت ہے اور اُس سے ذرا اوپر مہابیر کا۔ اس کی بائیں طرف بھوبل کی بت ہے اور چھوٹی چھوٹی دو یا ڈھائی سو مورتیں اور ہیں۔ یہ مندر پنچایتی ہے۔

عجائب خانہ آثار قدیمہ واقع ممتاز محل اندرون قلعہ

دلّی میں چالیس برس تک میونسپل کی طرف سے ٹاؤن ہال میں عجایب خانہ رہا۔ کہتے ہیں کہ ۱۸۶۸ء میں مسٹر ایف۔ انچ۔ کوپر ڈپٹی کمشنر وقت نے اس کی بنا ڈالی تھی۔ شروع شروع تو مقامی عہدہ داروں نے بڑی توجہ کی۔ وافر چندے جمع ہوئے اور سامان بھی مختلف اقسام کا جمع کیا گیا لیکن شروع ہی سے اس کی کل بگڑی ہوئی تھی۔ کچھ چیزیں تو عجائبات سے جمع کی گئیں اور کچھ فضول بھرتی کی تھیں۔ نہ کوئی باقاعدہ کیورٹیر تھا نہ کافی سرمایہ۔ چنانچہ ۱۸۸۸ء کے کیٹالاگ (فہرست) کے دیکھنے سے اس اندھیر کھاتے کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ بودھ زمانے کے نفیس تراش کے بتوں کے پہلو بہ پہلو جے پور کے زمانۂ حال کی ساخت کی شوخ رنگ کی مورتیں رکھی ہوئی تھیں۔ یہیں جانوروں کی بھُس بھری ہوئی بھدی کھالیں۔ ملکی ساخت کی نادر اشیار کے ساتھ مٹی کے کھلونے جو عجائب خانے سے زیادہ بچوں کے گھروندوں سے زیادہ مناسبت رکھتے تھے سجائے گئے تھے۔ غرض ایک عجب طوفان بے تمیزی برپا تھا۔ ۱۹۰۱ء میں ایک ماہر علوم طبعی کے سیاح نے لارڈ کرزن کو عجائب گھر کی غیر منتظم اور گڈمڈ حالت کی طرف توجہ دلائی کہ وہاں کی تنظیم بالکل بے سر پیر کی تھی۔ لاٹ صاحب نے اس معاملہ کو محکمۂ آثار قدیمہ کے سپرد کیا اور کچھ ہدایات بھی دیں۔ بہرحال عجائب خانے کو حشو و زوائد اور غیر ضروری اشیار سے پاک کیا گیا۔ بالآخر ڈاکٹر وگل کی رپورٹ بابت ۱۹۰۱ء سے یہ قرار پایا کہ قلعے کے نوبت خانے (نقار خانے) میں ایک تاریخی عجایب خانہ قایم کیا جائے جس میں قلعۂ معلّی کے متعلق زمانۂ قدیم کے تاریخی نوادر جمع کئے جائیں لیکن اس وقت حکام مقامی نے اس کی مخالفت کی۔ ۱۹۰۲ء میں سر جان مارشل محکمۂ آثار قدیمہ کے ڈائرکٹر ہوئے اور اُنھوں نے پھر اس بات پر زور دیا۔ لارڈ کرزن نے سر جان کی تحریک سے اتفاق فرمایا لیکن پھر بھی اس کارروائی نے ۱۹۰۷ء تک کوئی عملی صورت اختیار نہ کی کیوں کہ اُس وقت تک نوبت خانہ فوجی عہدہ داروں کے مصرف میں تھا اور پرانے عجائب گھر کو توڑ کر ایک نئی عمارت کی تلاش تھی۔

خدا خدا کر کے سنہ ۱۹۰۸ء میں پرانے عجائب گھر کو جو دلی جیسے شہر پر ایک بدنما داغ تھا بند کیا گیا۔ بہت سی چیزیں مع بدھ زمانے کے بتوں کے مجسموں کے لاہور کے عجائب خانے کو دے دی گئیں۔ اندور کھیڑا ضلع بلند شہر کے بہت سے پتھر کے تراشیدہ ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے لکھنؤ کے عجائب خانے میں بھیج دیئے گئے اور تین گھڑے ہوئے بت جینیوں کے زمانے کے جو غالباً متھرا سے لائے گئے تھے اب بھی میونسپل میوزیم میں رکھے ہیں۔ جنوری سنہ ۱۹۰۹ء سے آثار قدیمہ کا عجائب خانہ نوبت خانے میں کھولا گیا اور بہت سی نوادر اشیاء جمع کی گئیں۔ گورنمنٹ کی طرف سے اشیائے نادرہ اور قدیم خریدنے کے لیئے نہایت کشادہ دلی سے سرمایۂ وافر سے امداد دی گئی اور سالانہ پانسو روپیہ سے گرانٹ کی رقم بڑھا کر ہزار روپیہ کر دی گئی۔ اب چوں کہ دلی دارالسلطنت ہوگیا ہی امید کی جاتی ہی کہ عجائب خانہ ہر اعتبار سے بہت کچھ ترقی کرے گا۔ ابھی اس امر کا تصفیہ نہیں ہوا ہی کہ میوزیم کی مستقل عمارت علٰحدہ بنے گی یا ممتاز محل ہی میں رہے گا یا کہیں اور جائے گا۔ بالفعل موجودہ عمارت میں زمانے کی وہ نوادر اشیاء سجائی جائیں گی جن کو قلعہ شاہجہانی سے خاص تعلق ہو جہاں لوگ قلعہ۔ محلات شاہی اور باغات کو دیکھ کر محظوظ ہوں تو خیر اتنا تو ہو کہ وہ عجائب خانے میں قدیم زمانے کی اُن عجیب و غریب خوب صورت اشیاء کو دیکھ کر اور زیادہ لطف اُٹھائیں۔ تاریخ ہند اور آثار قدیمہ کے دل دادوں کے لیئے اس قسم کا عجائب خانہ گو وہ مختصر ہی کیوں نہ ہو لیکن جب کہ وہ عین اُسی عمارت میں ہو جس نے عہد مغلیہ کا عروج۔ بہ تدریج اُس کا تنزل اور آخر کار وہ سنسنی خیز واقعات جن سے برٹش گورنمنٹ کا نیر اقبال چمکا زمانے کا سارا اُتار چڑھاؤ دیکھا ہو۔ یہ سب باتیں ایک آثار قدیمہ کے متلاشی سکالر کے لیئے کچھ کم قابل قدر نہ ہوں گی۔ شائقین آثار قدیمہ پرانے مرقعوں اور تصاویر سے اپنے ذہن میں اُن لوگوں کا نقشہ جما سکتے ہیں جن کی صورتیں صفحۂ قرطاس پر منقوش ہیں اور جو (جیسا کہ تم خود) شام کے وقت جمنا کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کا مزہ لیتے تھے یا یوں سمجھو کہ شہنشاہ ذی جاہ امراء و درباریوں کے موقر اور زندہ دل جھرمٹ کے بیچوں بیچ میں (جیسے چاند کے

گرد تا رہے) اُن باغوں کی روشوں پر خراماں گل گشت فرما رہے ہیں جن باغوں کی قدیم موقعی حدود مع عمارات قدیمہ بتلانے کے لیئے ہم نے اب نشان اندازی بھی کردی ہے۔ اس عجائب گھر کے اکثر نوادرات دربار تاجپوشی میں مستعار دی گئیں تھیں جن کا ذکر مسٹر جے پی طامسن ائی سی ایس نے اپنے خاص کیٹالاگ میں کیا ہے۔ ....

ممتاز محل جس میں اب عجائب خانہ ہے یہ زمانہ محل شاہی تھا لیکن ۱۸۵۷ء میں جب کہ انگریزوں نے قلعے پر قبضہ کرلیا تو وہ فوجی اغراض کے لیئے لے لیا گیا اور چند روز پیشتر تک سارجنٹوں کا میس تھا۔ ۱۹۰۲ء میں حدود آثار قدیمہ میں جو ترمیمات تجویز کی گئیں تھیں اُن کی تکمیل اکتوبر ۱۹۱۱ء تک نہیں ہوئی اُسی میں ہز آنر سر لوئیس ڈین صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر پنجاب کے ایما کے مواقق یہ محل آثار قدیمہ کے عجائب خانے کے واسطے منتخب کیا گیا تھا۔ اس کی دیواروں پر کئی کئی تہیں چونے کی چڑھی ہوئی تھیں اُن کو جب کھرچوایا گیا تو اندر سے اُن تمام نقاشیوں کے نشانات نمودار ہوئے جو سفیدی سے ڈھک گئے تھے چنانچہ اب بھی درمیانی ہال اور شرقی جانب کے نیچ کے کمرے میں نقش ونگار نظر آتے ہیں۔ قلعۂ دہلی کا پرانا نقشہ جو دریا کے رخ سے بنایا گیا ہے اور جو عجائب خانے میں محفوظ ہے اُس کے دیکھنے سے ممتاز محل کی سابقہ اور اصلی حالت معلوم ہوتی ہے کہ اس کے چاروں کونوں پر چھتریاں تھیں جن پر سنہرے کلس چڑھے ہوئے تھے۔ (انتخاب از دیباچہ کیٹالاگ مرتبہ مسٹر گارڈن سینڈرسن سوپرنٹنڈنٹ محمدن و برٹش مانیومنٹس حلقۂ شمالی آگرہ و اعزازی کیوریٹر عجائب خانہ آثار قدیمہ دہلی مطبوعہ ۱۹۱۳ء) جن صاحبوں کو اس عجائب خانے کی موجودات سے واقفیت حاصل کرنے کا شوق ہو ان کے لیے سب سے بہتر تو یہ ہے کہ وہ بچشم خود دیکھیں ورنہ ممکن نہ ہو تو اس کی فہرست منگوالیں جو صرف سات آنے میں ملتی ہے لیکن فہرست سے وہ لطف نہ آئے گا جو دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس عجائب خانے میں جُدا جُدا حصے ہیں

پہلا حصہ ۔ تراشیدہ بت۔ ستون۔ تختیاں۔ کتبے۔

(۱) مسلمانوں کے عہد سے پہلے (۲) پٹھانوں کے عہد کے (۱۲۰۰ سنہ ۱۵ء

(۳) دور مغلیہ (۱۸۵۷ تا ۱۵۰۰ء) (۴) فرنیچر کرسیاں وغیرہ متفرق اشیاء (۵) اسلحہ (۶) مواہیر و انگشتریاں۔ (۷) فرامین (۸) تصاویر اور مرقعے (۹) فوٹو گراف (۱۰) نقشے (۱۱) غدر کی بچی کھچی چیزیں۔

کچھ متفرق کتبے

(۱) نقار خانے کی دیوار میں یہ کتبہ جو سنگ سرخ کا بجنسہ قطب صاحب کی لاٹ اور علائی دروازے کی طرح کا ہی۔ نصب کر دیا گیا ہی جو ۲ - ۶ لمبا اور ۴ - ۸ چوڑا ہی۔ اس کے حروف جابجا سے ضائع ہو گئے ہیں بریں ہم جہاں تک پڑھا جا سکتا ہی وہ یہ ہی:-

السلطان المعظم شاہنشاہ الاعظم (مالک رقاب الامم) سلطان السلاطین العالم (الشمس) الدنیا والدین غیاث الاسلام والمسلمین) ذوالامان لاھل الایمان) وارث (ملک) سلیمان ابی المظفر ایلتمش السلطا-

یہ پتھر اوکھلے میں ملا تھا۔ (۲) موضع ارچینی میں جو قطب صاحب کے قریب ہی ایک کتبہ دس فیٹ لمبا دو فیٹ چوڑا ملا تھا جس پر (۲۸) سطریں بخط نستعلیق ۱۱۲۷ھ ۱۷۱۵ء سکہ جلوس فرخ سیر کی پنجۂ مبارک رسول مقبول کے متعلق کندہ ہیں یہ بھی نقار خانے کی دیوار میں لگا دیا گیا ہی۔ جس کا مفصل ذکر ہم نے قطب صاحب کے بیان میں کیا ہی۔ (۳) یہ کتبہ سنگ مرمر کی تختی پر ہی جو موضع حوض خاص میں ایک کوئیں میں ملا تھا اور اب عجائب خانے میں ہی۔

تاریخ چاہ خاص۔ بنا فرمود چاہی ھمچو زمزم۔ سکندر شاہ لودی شاہ عالم

خلیفہ بن خلیفست شاہ عادل	زعدلش بیخ اسلامست محکم
وھی اندر وہ است کز گشت شیریں	بگردش از دحام اجناس مردم
وراں دم بود عامل بیگخانی	منور بن خواصخاں اعظم
ز رجب یازدہ بودست ماہے	سنہ بمقصد دگر نہ پانزدھم

(۴) یہ کتبہ قصبۂ مہرولی میں ملا تھا جو اب عجائب خانے میں ہی۔ (۹۱۵ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فان لم یسال الانسان تغضب	وو عدلک ان یجیب السائلینا
دعوتک د بناحق المبینا	واسال حاجتی بک مستعینا

اور رہا رہے سامان آسایش میں آسمان زمین کا فرق ہو۔ جن لوگوں کو نئی روشنی نے منور نہیں کیا یعنی وہ یورپین طرز پہ نہیں رہتے اُن کے ہاں فرنیچر یا اُٹھاؤ چیزوں کی یورپ کی طرح کثرت نہیں ہوتی کیوں کہ اس میں شک نہیں کہ ہندوستان جیسے گرم ملک میں کمروں کو فرنیچر سے کھچا کھچ بھر دینے کی جگہ اسی طرز میں کچھ راحت ہو۔ دور مغلیہ کے زمانے کے اُن مرقعوں سے جن میں کمروں کا اندرونی نقشہ دکھلا گیا ہو معلوم ہوتا ہو کہ صاحب خانہ عموماً مسند تکیہ لگا کر تخت یا چوکی پر نشست رکھتے تھے۔ جس کے گرد فواکہات اور مٹھائی کی کشتیاں حقہ اور کہیں تلوار۔ خنجر پیش قبض کٹار وغیرہ ہتھیار بھی فوری ضرورتوں کے لحاظ سے پاس ہی دھرے رہتے تھے۔ ایک چھوٹی سی تلوار جو ظفر تکیہ یا گپتی عصا کہلاتا تھا اُس کا رواج زیادہ تھا جس کا دستہ بیساکھی کی طرح کا ہوتا تھا اور اُسی پر ٹیکا دے کر بیٹھا کرتے تھے۔ برنیر نے اُمرائے وقت کے مکانات مسکونہ کا بیان حسب ذیل کیا ہو اور بادشاہوں کے محلات کا بھی یہی طرز تھا لیکن یہ بات محتاج بیان نہیں کہ بادشاہ بادشاہ ہی تھے اُن کے مکانات کی آراستگی اور اُن کے تمول واحتشام کا کیا پوچھنا۔

دور مغلیہ کے مکانات کی حالت اندر سے

"ایک اچھے گھر کے اندر ہمیشہ چار انچ موٹی دری کا فرش رہتا تھا جس پر گرمیوں میں سفید براق سی چاندنی بچھی رہتی تھی اور جاڑوں میں ریشمین قالین۔ کمرے کے صدر میں ایک یا دو پھول دار مغرق ریشمین کارچوبی کام کی مسندیں لگی رہتی ہیں۔ جس پر صاحب خانہ یا جو کوئی معزز آجائے بیٹھتے ہیں۔ ہر مسند پر ایک بڑا گاؤ تکیہ اِسی قسم کا سہارا لگا کر بیٹھنے کے لیئے ہوتا ہو اور اس کے علاوہ اور تکیئے بھی دوسرے لوگوں کے لیئے گردو میں لگے رہتے ہیں۔ چھت سے پانچ چھ فیٹ نیچے دیوار دل میں مختلف قسم کے (چھوٹے بڑے) طاق رہتے ہیں جن میں بلوری گلدان اور گملے سجے رہتے ہیں۔ چھت نقشین ملمع کاری کی ہوتی ہو لیکن انسان یا حیوان کی کوئی تصویر نہیں ہوتی کیوں کہ تصاویر کا رکھنا مذہباً مسلمانوں میں منع ہی۔"

بڑی بڑی عمارات اور محلات شاہی کی حالت محمد صالح مورخ ہم عصر شاہ جہاں

عجائب خانہ نے ۳۰ اکتوبر ۱۹۰۸ء میں بھی تبصرہ لکھا ہے۔ ذیل کے بیان کا ماخذ وہی رپورٹ ہے۔ ان ہاتھیوں اور اُن پر کے مجسموں کے متعلق یہ خیال کہ وہ گوالیار سے آگرہ اور پھر آگرے سے دلّی لائے گئے بہت آسانی سے بے بنیاد ثابت ہو سکتا ہے۔ زیادہ تر قرین قیاس یہ ہے کہ ان پر کے مجسمے کسی خاص شخص کے مجسمے نہ تھے بلکہ محض معمولی تھے اور اسی طرح ہاتھی بھی معمولی جنگلی ہاتھی تھے۔ اس میں کلام نہیں کہ یہ مجسمے دور مغلیہ کے بنے ہوئے ہیں لیکن ہاتھی البتہ اپنی طرز ساخت میں بالکل ان مجسموں سے جدا ہیں۔ ان ہاتھیوں کا تذکرہ پہلے پہل برنیر نے کیا ہے جس کی تائید چند سال بعد ایم ڈی تھیونیاٹ سیاح نے بھی کی ہے۔ آگے چل کر ایشیاٹک ریسرچز صفحہ ۴۲۹ ۱۷۵۹ء میں بیان کیا گیا ہے کہ اورنگ زیب کے حکم سے ان ہاتھیوں کو نکال دیا گیا اور اسی روایت کو مع حاشیہ زاید سر سید نے بھی نقل کیا ہے کہ بادشاہ نے مذہبی خیال سے ان کے ٹکڑے کرا دیئے تھے۔ پھر ان ہاتھیوں کی کچھ خبر نہ ملی تاآں کہ ۱۸۶۳ء میں قلعہ ہی میں ان ہاتھیوں کے (۱۲۵) ٹکڑے گڑے ہوئے نکلے ۱۸۶۶ء میں انھیں ٹکڑوں کو بہ مشکل جوڑ جاڑ کے ایک ہاتھی ملکہ کے باغ میں کھڑا کیا گیا تھا۔ ۱۸۹۲ء میں اسی ہاتھی کو چاندنی چوک کے قریب استادہ کیا گیا اور دس برس بعد ایک تیسری جگہ لوٹن ہال کے سامنے نصب کیا گیا۔ ۱۹۰۳ء میں موجودہ مقام پر یہ ہاتھی کھڑے کیئے گئے لیکن دقت یہ پیش آئی کہ اس قدر شکستہ اور خستہ حالت میں تھے کہ ان کے اصلی ٹکڑے کام میں نہ آ سکتے تھے اس لیئے ایک ایسے یورپین صناع کے سپرد یہ کام کیا گیا جو کہ ہندوستانی طرز میں مہارت کامل رکھتا تھا۔ اس طرح اُس کی نگرانی میں ہندوستانی لوگوں نے جو ٹکڑے کار آمد تھے جوڑ جاڑ کر یہ ہاتھی بنا کر کھڑے کیئے۔ رہی یہ بات کہ یہ ہاتھی بادشاہی زمانے میں کہاں کھڑے تھے اس میں کیس و پیش کی کوئی وجہ ہی نہ تھی اور ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مسئلہ پر کیوں بحث چھڑی اور شک و شبہ کا کیا محل تھا۔ برنیر نے ہاتھیوں کا ذکر کرتے ہوئے صاف لکھا ہے کہ اس دروازے سے قلعے میں داخل ہونے کے بعد ایک لمبی اور کشادہ گلی ملتی ہے جس کے بیچوں بیچ

شہروں سے بھی مشابہت ہے۔ غرض یہ کہ روم اور دلی کی مشابہت بڑی حیرت خیز ہے۔ علاوہ ازیں ساری دنیا کا کوئی شہر بھی واقعات تاریخی کے لحاظ سے دلی کی ہمسری نہیں کر سکتا اور شہر وینیس کی طرح دہلی کا بھی چپہ چپہ بلکہ ہر پتھر اپنی ایک جداگانہ تاریخ سے وابستہ ہے۔ دلی دنیا کے سب سے قدیم شہروں میں کا ایک شہر ہے اور اس کو ملک ہندوستان کی پالیٹکس سے زمانے گزر گئے کہ تعلق رہا ہے اور سنہ ۱۵ ق - م سے تو اس کی تاریخ بالکل صحیح و صاف موجود ہے۔

دلی کے تاریخی واقعات ایسے ہی مشہور رہیں جیسے کہ نینوا۔ ببیلان کے ہیں۔ اس کے سات اُجڑی ہوئی لبستی کے عظیم الشان قلعوں۔ عالی شان محلوں۔ بھاری بھاری کنوؤں۔ شاندار مندروں اور شوالوں۔ مسجدوں کا۔ دریائے جمنا اور پہاڑی کے بیچ والی پٹی پر یارہ سے لے کر پندرہ میل تک سلسلہ چلا گیا ہے۔ عالی شان عمارات آثار قدیمہ کے لحاظ سے کسی طرح روم۔ ایتھنز۔ قاہرہ۔ وینس اور قسطنطنیہ سے کم تر درجے پر نہیں ہے دلی کا دیکھنا کوئی منہ کا نوالا نہیں کہ آدمی ایک دن میں دیکھ سکے اُس میں آگرے اور بنارس سے بھی زیادہ مقامات دیکھنے کے قابل ہیں اور دلی یقیناً سارے ہندوستان میں سب سے بڑھ کر تاریخی اور نہایت دلچسپ شہر ہے۔ اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے کہ جس دلی میں ہم بستے ہیں یہ بالنسبتہ زمانۂ حال کی آباد شدہ ہے لیکن شاہان مغلیہ کے دور دورہ۔ شان شوکت۔ دبدبہ اور جبروت کے آوازے شہر کی فصیل سے اب بھی ٹکرا رہے ہیں۔ مسٹر جی ڈبلیو فارسٹ نے اپنی کتاب Cities of India (بلاد ہند) میں لکھا ہے کہ دلی ہندوستان کے تمام شہروں کی ملکہ ہے۔ ہمارا محاورا یہ ہے کہ سارے شہروں کی ناک ہے گو اُسے بارہا لوٹا لاٹا اور فوج کھسوٹ کر بالکل ننگا کر دیا لیکن اُس شہر کی قدرتی اور موقعی بے نظیر دلچسپی کو جو اتنی بڑی سلطنت کا دارالسلطنت تھا کون مٹا سکتا تھا۔ اس کی سربفلک فصیلوں پر کھڑے ہو کر ذرا چاروں طرف ایک نگاہ تو دوڑاؤ۔ تمہاری نظر کے سامنے ایک وسیع میدان بھوری زمین کا ہے جس میں جابجا کھدے کھودرے نالے۔ ٹیلے۔ دوسے جن میں جابجا درخت بھی کھڑے ہیں اور

آخر کار ہماری نگاہ پہاڑوں کے ایک لمبے سلسلے پر جس پر درخت کا نام نہیں دور سے نارنارنجی اور ارغوانی دُھند لاہٹ کے افق پر ختم ہو گی۔ اسی وسیع سپاٹ اور چٹیل میدان میں بہت سی بچی کھچی یادگاریں ہیں۔ بڑی بڑی عالی عمارتوں کے پس ماندہ حصے۔ بڑے بڑے سورماؤں۔ بڑے بڑے بزرگوں کے مقابرہ جن کو دیکھ کر روم جیسے شاہی شہر سے بھی زیادہ شان و عظمت کا منظر پیش نظر ہوتا ہے۔ دلّی صرف ایک شہر ہی کی یادگار نہیں ہے بلکہ وہ یکے بعد دیگرے کئی قوموں کی نشانی ہے۔ لیٹیم اور کمپینیا کے میدانوں میں لاطینوں کے آنے سے بھی آٹھ صدی پہلے آریوں کے ایک گروہ نے اس ملک کے قدیم باشندوں کے ایک گروہ کو بدر کر کے دریائے جمنا کے کنارے شہر اندرپرست کی بنیاد ڈالی پھر وحشی مسلمانوں کا دور دورہ آیا جس نے ہندوؤں کی سویلیزیشن کی دھول بکھیر دی اور دُھوئیں اُڑا دیئے۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں دلّی سات سو برس سے زیادہ تک راج دہانی رہا لیکن اب اُس زمانے کی آبادی اور جلوس کے مقامات کا صحیح تعین نہیں کیا جا سکتا لیکن اتنا ضرور ہے کہ دلّی کی ساری بستیاں دریائے جمنا کے مغربی کنارے کے وسیع پر (جو تخمیناً تیس مربع میل تک پھیلا ہوا ہے) کسی نہ کسی جگہ لیکن یکے بعد دیگرے سب شہر اُجڑتے گئے ایک کو چھوڑا دوسرا اپنایا تا آں کہ موجودہ دلّی بھی جمنا کے کنارے ہی غالباً کسی پرانے شہر کی جگہ پر بسائی گئی۔ یونانی مورخین نے جنھوں نے سکندر اعظم کی جنگوں کا ذکر کیا ہے یا چینی سیاحوں نے جو چھٹی صدی عیسوی میں ہندوستان آئے تھے دلّی کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ جس سے اس خیال کو تقویت ہوتی ہے کہ مہابھارت کے ہندو راجاؤں کا شہر ضرور اُس زمانے میں ویران تھا اور یہ جو روایت ہے کہ دلّی آٹھ صدی تک ویران رہ کر پھر آباد ہوئی بے بنیاد نہیں معلوم دیتی۔ تاریخی تسلسل حالات کو بغور دیکھنے سے یہ بات قطعی طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ ما بعد کے اُن کل شہروں کو جو دلّی کے نام سے مشہور رہیں یکے بعد دیگرے چھوڑنے پڑے یہاں تک کہ شاہ جہاں نے قلعہ اور جامع مسجد بنا کر موجودہ دہلی کی نال گاڑ دی۔ یہ بات توجہ کے قابل بھی ہے کہ غزنوی حملہ آوروں کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد گیارھویں صدی کے وسط میں دلّی خوب آباد تھی پھر کیا وجہ ہے کہ دلّی کی سرزمین پر کئی کئی شہر بنے بھی

اور اُجڑ بھی گئے۔ اس کی کئی توجیہیں کی گئیں ہیں لیکن واقعات سے خود صحیح نتیجہ نکالا جا سکتا ہے۔ اکبر بادشاہ نے فتح پور سیکری کو کیوں چھوڑا تھا خود ابوالفضل نے اس کی وجہ پانی کی خرابی اور اسی وجہ سے آب و ہوا کی نادرستی تبلائی ہے گرم ملکوں میں ضروریات زندگی میں سب سے زیادہ آب تازہ کی افراط ہے جہاں کہ موسم بارش کے اول کے مہینوں میں غضب کی گرمی اور آفتاب کی تمازت ہوتی ہے گرد و نواح کے میلوں وسیع ریتیلے میدانوں پر کی جھلستی ہوئی گرم ہوا لو اور آندھیوں کا گرد و غبار لاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے سارے بڑے بڑے شہر بڑے بڑے دریاؤں کے کنارے آباد کیئے گئے ہیں۔ اور اسی وجہ سے جہاں دو دریاؤں کا سنگم ہوتا ہے وہ مقام بہت بڑا خیال کیا جا سکتا ہے۔ دہلی۔ متھرا۔ قنوج۔ پریاگ (الہ آباد) اجودھیا (فیض آباد) کاسی (بنارس) یہ سب شہر بڑے بڑے دریاؤں پر واقع ہیں جس خطہ پر لاثانی قطب مینار کھڑی ہے یہ سب سے پرانی دلی کی نشانی ہے۔ لوہے کی لاٹ کے کتبے کے موافق سب سے پہلا شہر گیارھویں صدی کے وسط میں راجہ اننگ پال نے بنایا تھا جس کا خاندان تقریبًا ایک صدی تک حکمراں رہا۔ پھر چوہان راجپوتوں کا دور دورہ رہ کر تنوار خاندان کا نمبر آیا بارھویں صدی کے بیچ میں دہلی کا راجہ وسال دیو تھا جو پرتھی راج دہلی کے راجہ کا نانا تھا۔ پھر مسلمانوں کے حملے شروع ہوئے اور اگرچہ ایک عرصے تک پرتھی راج افغانوں کی مداخلت کو قوت سے روکے رہا لیکن آخر کار افاغنہ کا غلبہ ہوا اور شہر اُن کے قبضے میں آگیا۔ مسلمانوں کا سب سے پہلا بادشاہ قطب الدین ایبک تھا۔ اُس وقت سے لے کر لارڈ لیک کے فتح تک (ستمبر سنہ ۱۸۰۳ء) دہلی میں مسلمانوں کی حکومت رہی اور یہی ایشیا کا سب سے بڑا شہر تھا۔

دلّی کا محل وقوع شاہ جہان آباد دلّی کا عرض بلد شمالی ۲۸ درجہ ۳۹ دقیقہ ۴۵ ثانیہ اور طول بلد شرقی ۷۷ درجہ ۱۳ دقیقہ ۵ ثانیہ ہے۔ سطح سمندر سے ۸۰۰ فٹ مرتفع ہے۔ یہ شہر جمنا کے مغربی کنارے پر بسا ہوا ہے اس کا فصل کلکتہ سے ۹۵۶ میل۔ بمبئی سے ۹۸۲ میل ہے۔ شاہ جہان آباد کا وجود صرف سنہ ۱۶۳۰ء میں ہوا ہے اور سنہ ۷۰۰ء سے لے کر سنہ ۱۵۰۰ء تک جتنے شہر دریائے

جمنا کے کنارے اور پہاڑی کے درمیانی لمبے وسیع میدان میں یکے بعد دیگرے آباد کیے گئے شاہ جہاں آباد اُن شہروں میں کا سب سے آخری اور سب سے زیادہ شمال رُخ کو ہٹا ہوا شہر ہے۔

مردم شماری و خانہ شماری ۱۹۱۱ء

سنہ ۱۹۱۱ء کی پچھلی مردم شماری کے رو سے شہر دہلی کی آبادی (۲۳۲۸۵۷) نفوس ہیں اور تعداد امکنہ کی اس وقت (۳۹۸۹۷) ہے یہاں کی آبادی ہندو۔ مسلمان۔ جین سکھوں وغیرہ پر مشتمل ہے۔ مسٹر فین شا لکھتے ہیں کہ شاہ جہاں آباد کا شہر بدررو برج سے جو جنوب و مشرق کے کونے میں ہے دریاے جمنا کے داہنے کنارے کنارے اور کوہ اراولی کی شمالی شاخ کے بیچ میں جو ایک لمبی پٹی زمین کی سوا دو میل تک چلی گئی ہے اُس پر آباد ہے۔ شہر کے روکار کا ایک بڑا حصہ قلعے کی فصیل سے رُکا ہوا ہے یہ قلعہ سنہ ۱۶۴۸-۵۹ء میں شاہ جہاں نے بنایا تھا جو سب سے بڑا بانی عمارات گزرا ہے۔ دریا کی طرف قلعے کے بھاری اور شاندار سنگ سرخ کی فصیل۔ برج۔ برجیاں۔ کنگورے۔ دروازے جب نظر کے سامنے آتے ہیں تو آدمی ہکا بکا رہ جاتا ہے۔ فصیل قلعے کے اندر کا رقبہ طول میں ایک ہزار گز اور عرض میں پانسو گز ہے جس میں باوجودیکہ انگریزوں نے فوجی ضروریات اور بارگوں کے لیئے گنجایش نکالنے کے واسطے بہت کچھ توڑ پھوڑ کیا اور متعدد عمارات صفحہ ہستی سے مٹا دیں لیکن پھر بھی بہت سے محلات اور عمارات نہایت خوب صورت اور قابل دید موجود ہیں۔ فصیل کا شمالی حصہ جو غدر ۵۷ء کے سبب سے مشہور ہو گیا بدررو برج سے لے کر شاہ برج تک جو زیادہ تر موری برج کے نام سے مشہور ہے پونے تھائی میل تک چلا گیا ہے۔ موری برج سے اجمیری دروازے تک فصیل کا مغربی ضلع سوا میل کا ہے اور جنوبی فصیل کے ولزلی برج تک بھی یہی فصل ہے اس طرح شہر کا کل محاط سوا تین میل ہے۔ فصیل کے شمالی حصے میں ہی کشمیری دروازہ ہے جو غدر میں بڑے معرکے کا مقام رہا ہے۔ مغربی فصیل میں کابلی دروازہ۔ لاہوری دروازہ۔ فراشس خانے کی کھڑکی اور اجمیری دروازہ تھے جس میں سے اب سوائے اجمیری دروازے کے کوئی باقی نہیں رہا۔ جنوبی فصیل میں

ترکمان اور دلی دروازے ہیں۔ دریا کی طرف خیراتی اور راج گھاٹ کلکتہ اور نگمبود دروازے ہیں۔ جن میں کلکتہ دروازہ اب نہیں رہا کیلا گھاٹ اور بدررو دروازہ دونوں بند کردیئے گئے ان دروازوں سے ٹریفک میں بڑی چپقلش تھی راستہ کشادہ کرنے کو گرا دیئے گئے فصیل شہر جس کا دور چھ میل کا تھا اور گرد خندق تھی جا بجا سے صاف کردی گئی اب جو دروازے رہ گئے ہیں وہ بھی رفتہ رفتہ گرائے جانے والے ہیں البتہ ایک کشمیری دروازہ اپنی حالت پر رہے گا وہ بطور یادگار غدر محفوظ کیا گیا ہے۔ چاندنی چوک کے بازار نے شہر کو دو غیر مساوی حصّوں میں تقسیم کردیا ہے جو قلعہ کے لاہوری دروازے سے فتح پوری کی مسجد تک ایک میل سے کچھ اوپر ہی اوپر سیدھا چلا گیا ہے۔ قلعے کے لاہوری دروازے کا فصل جتنا کشمیری دروازے سے ہے اُتنا ہی قریب قریب دہلی اور اجمیری دروازوں سے بھی ہے۔ شہر میں یوں تو جا بجا متعدد دسٹرکیں ہیں لیکن شہر کے شرقی حصّے میں ایک بڑی سڑک شارع عام کشمیری دروازے سے دلی دروازے تک نکالی گئی ہے جو پرانے میگزین پر سے قلعے کے سامنے سے ہوتی ہوئی جامع مسجد کو سیدھے ہاتھ کی طرف چھوڑتی ہوئی دھر دلی دروازے تک چلی گئی ہے۔ شہر کے مغربی حصّے میں ایک اور سڑک بازار لال کنواں اور سرکی والاں کی ہے جس کی قاضی کے حوض پر آکر تین شاخیں ہوگئیں ہیں۔ مغرب کی طرف اجمیری دروازے کو ایک سڑک چلی گئی ہے جنوب میں سیتارام کے بازار سے ہوتی ہوئی ترکمان دروازے کو اور مشرق میں چاوڑی بازار سے جامع مسجد تک۔ ایک اور بڑی سڑک اجرٹن روڈ (نئی سڑک) گھنٹہ گھر کے سامنے سے نکل کر جس کی بلندی ۱۲۸ فٹ ہے شاہ بولا کے بڑ پر چاوڑی بازار میں جاملی ہے۔ شہر کے جنوب و مشرقی کونے میں فصیل اور فیض بازار کے بیچ میں دریا گنج ہے جس میں نیٹو فوج کی ایک رجمنٹ سوار و پیدل کی رہتی تھی۔ باقی دو کمپنیاں برٹش انفنٹری اور ایک کمپنی رایل گیبریزن کی قلعے میں رہتی ہے۔ شہر کے لاہوری دروازے کے باہر مغربی جانب فصیل شہر کے شمالی حصّے میں صدر بازار ہے جس کے

پیچھے قدم شریف اور عیدگاہ - کشن گنج - پہاڑ گنج -
مغربی نہر جمنا اور پہاڑی کا جنوبی سرا ہے۔ پہاڑی کے سرے کے نصف میل
مغرب کی طرف سبزی منڈی اور باغ روشن آرا ہے اور یہی چیزیں اس
طرف دیکھنے کے قابل ہیں۔ شہر کی شمالی فصیل کے باہر - کشمیری اور موری
دروازے کے باہر سول سٹیشن ہے۔ جس کے جنوبی جانب ۱۸۵۷ء میں گرداگرد
توپ خانہ پڑا ہوا تھا۔ یہیں قبرستان - نکلسن کا باغ اور قدسیہ باغ
ہیں جن کی مغربی حد رج (پہاڑی) اور مشرق میں جمنا ہے - پہاڑی سے آگے
بڑھ کر پرانی چھاؤنی ہے جو غدر میں برباد ہوگئی اور یہیں جون سے ستمبر تک
انگریزی فوج شہر کا محاصرہ کیئے پڑی رہی - اسی جگہ مغرب رخ پر نجف گڑھ
کی جھیل سے جو نہر نکالی ہے وہ ہے جس کے اوپر ۱۸۵۷ء کا فوجی قبرستان ہے۔
نہر کے پرے بڑی سڑک کے شمال میں باوری کا وہ میدان ہے جہاں کہ
۱۸۷۷ء میں امپیریل اسمبلج (شاہی دربار) ہوا تھا اور یہیں اس سے
بھی بڑھ کر یکم جنوری ۱۹۰۳ء کو دربار تاج پوشی ہوا تھا - یہ مقام کشمیری دروازے
سے ساڑھے تین میل اور پہاڑی سے ڈیڑھ میل ہے - اسی بڑی سڑک سے ڈہائی
میل ادپر دار جہاں باوری سے میدان کی طرف رستہ مڑتا ہے بادلی کی سرا کے
میدان جنگ کے مغرب میں کچھ چیدہ چیدہ درخت شالامار کے مشہور
باغ کے رہ گئے ہیں - دلی دروازے سے نصف میل پر دریا گنج کی چھاؤنی
کے جنوب و مشرق کے کونے میں فیروز شاہ کے کوٹلے کا کھنڈر ہے جس
میں فیروز شاہ نے بودھ لوگوں کی پتھر کی لاٹ کھڑی کی ہے جو اب تک موجود ہے
اس کے جنوب میں ایک میل آگے پرانا قلعہ یا اندرپت ہے - اندرپت کے
جنوب رخ پر دو میل پر ہمایوں بادشاہ کا مقبرہ ہے۔ جس کے گرد اور بھی
کئی عمارتیں ہیں اس طرح شہر کے جنوب کی طرف دریا کے کنارے تک کی قابل
دید عمارتیں ختم ہوئیں - یہاں سے مغرب کی طرف پلٹو تو پہلے حضرت شاہ
نظام الدین اولیا کی درگاہ بائیں طرف نظر آئے گی - وہاں سے ڈہائی میل جنوب
کی طرف مبارک پور ہے جس کے شمال میں لودھیوں کے مقبرے ہیں

لودھیوں کے مقبروں سے نصف میل آگے نواب **صفدر جنگ** کا **مقبرہ** ہی جو اجمیری دروازے کی سڑک سے چھ میل ہی۔ یہاں سے **قطب مینار** اور پرانی دہلی جنوب کی طرف پانچ میل ہی۔ صفدر جنگ کے مقبرے سے اسی سڑک پر ڈیڑھ میل پر مغرب کی طرف **فیروز شاہ** کا **مقبرہ** ہی اور مشرق کی طرف **بیگم پور کی مسجد** اور کئی اور عمارتیں ملتی ہیں۔ پرانی دلی میں **قطب مینار** راے پتھورا کا مشہور مندر مسجد قوۃ الاسلام۔ **علائی دروازہ سلطان التمش** کی قبر حضرت خواجہ **قطب الدین بختیار کاکیؒ** کی درگاہ شریف یہ سب مقامات قابل دید ہیں۔ ماسوا اس کے قلعے کی بھاری اور پرانی فصیل اور کئی عمارتیں دیکھنے کے قابل ہیں۔ قطب صاحب سے پانچ میل بجانب مغرب شہر **تغلق آباد** کا عالی شان قلعہ اور فصیل اور **تغلق شاہ** کا مقبرہ ہی۔ ان سب تاریخی مقامات کے علاوہ وہ میدان جنگ جمنا کے بائیں کنارے دلی سے پانچ چھ میل کے قریب ہی جہاں **لارڈ لیک**[1] نے ۱۱ ستمبر ۱۸۰۳ء کو بڑی بھاری لڑائی لڑی تھی۔

---

[1] "وائی کونٹ لیک آف ڈلہی اینڈ لسواری" ۱۷۴۴ء میں پیدا ہوا اور چودہ برس کی عمر میں گارڈز (فوج) میں داخل ہوا۔ جرمنی، امریکہ اور فلینڈرز میں کام کیے اور جب اوائل ۱۷۹۸ء میں آیرلینڈ میں بلوا ہوا تو اسی کی کمان تھی لوگوں نے اس کی غیر معمولی سختی اور بدنظمی کی شکایت کی ۱۸۰۱ء میں ہندوستان میں کمانڈر ان چیف (سپہ سالار) ہو کر آیا اور شمالی حصہ ہند میں اس نے مرہٹوں کی زبردست طاقت کا قلع قمع کرنے میں بڑا نام پایا ۱۸۰۳ء میں سیندھیا سے جو لڑائی ہوئی وہ لارڈ ولزلی کے ایما سے ہوئی تھی تاکہ فرانسیسیوں کے جنرل ایم پیرون (M. Perron) نے جو دریاے جمنا کے کنارے ایک سٹیٹ قایم کیا تھا اس کا قلع قمع ہو۔ ایم پیرون ایک فرانسیسی سیاح تھا جو بڑے مشہور ڈی بوئن (De Boigne) کی جگہ سیندھیا کے باقاعدہ فوج میں مقرر ہوا تھا اس نے ملک دوآبہ پر قبضہ کرکے اپنا مستقر علی گڈھ مقرر کیا تھا اور شاہ عالم بادشاہ کی مدد سے ایک خود مختار رئیس بن گیا تھا۔ اور خفیہ طور پر بونا پارٹ سے مراسلت بھی رکھتا تھا لہذا لارڈ ولزلی نے چاہا کہ اس کانٹے کو نکال دیا جاے۔ علی گڑھ میں شکست پانے کے بعد ایم پیرون نے اپنے آپ کو انگریزوں کے سپرد کر دیا۔ تب بورکوان (Bourquin) نے کمان لی لیکن ۱۱ ستمبر ۱۸۰۳ء کو لارڈ لیک نے اُسے دلی کی لڑائی میں شکست دی جو ہمایوں کے مقبرے کے محاذ کے میدان میں ہوئی تھی۔ بڑی فتح لسواری مقام پر یکم نومبر کو ہوئی۔ جب سیندھیا سے صلح ہوگئی تو اندور کے مرہٹہ راجہ ملکر نے جنگ چھیڑ دی اور اس کے ساتھ بھرت پور کا راجہ بھی شریک ہوگیا۔ لارڈ لیک نے ڈیگ پر گولہ باری شروع کی مگر بھرت پور کے چار حملوں میں ناکام رہا۔ لیکن راجہ نے اس نوبت پر صلح کی خواہش کی۔ ہلکر یلغار پنجاب کی طرف چلا تاکہ رنجیت سنگھ سے مدد لے لیکن دریاے بیاس کے کنارے ہی سمجھوتا ہو گیا اور ہلکر آگے نہ بڑھا۔ لیک ۱۸۰۴ء میں پیر یعنی لارڈ بنایا گیا اور ۱۸۰۸ء میں وفات پائی ۱۲۳

صنعت و حرفت

دلی کی صنعت و دستکاری مختلف اقسام کی ہے۔ زیورات سادہ کاری۔ جڑاؤ۔ کندن۔ ڈایمنڈ کٹ۔ ظروف برنجی اور تانبے کے۔ ہاتھی دانت پر قلمی تصاویر۔ مٹی کے برتن۔ سلمہ ستارے کا کام۔ زردوزی۔ تصویر سازی۔ جوتیاں۔ ٹوپیاں۔ سوزن کاری۔ کامدانی۔ رفوگری ملمع سازی۔ وغیرہ وغیرہ۔ صدہا برس سے دہلی کے زیورات۔ سادہ کاری اور جڑاؤ کا شہرہ ہی لیکن اب یہ صنعت وکاریگری بہ مقابلہ عہد مغلیہ کے بوجہ قدردان نہونے کے روبہ انحطاط ہی۔ ہاتھی دانت پر چھوٹی چھوٹی تصویریں بنانا جو بڑا باریک اور کاریگری کا کام ہی وہ صرف ایک دو خاندانوں میں باقی رہ گیا ہی۔ زمانۂ حال میں کیسکٹ اور اسی قسم کی دوسری اشیاء ہاتھی دانت کی بہت نفاست سے طیار کی گئیں ہیں ایک بڑی ندرت اس کام میں یہ ہی کہ اوقلیدس کی شکلیں بہت اچھی تلی بنائی جاتی ہیں۔ برتن نقلی چینی کے بنائے جاتے ہیں جو بہت نفیس ہوتے ہیں یہ ہنر بھی دو ہی ایک گھرانوں میں باقی رہ گیا ہی۔ زردوزی سلمہ ستارے کا کام بہت کثرت سے اور انواع و اقسام کا نہایت عمدہ ہوتا ہی جس کی بڑی بڑی دکانیں چاندنی چوک میں ہیں۔ اگرچہ اب یورپین طراش تراش کو وضع قطع میں زیادہ دخل ہی لیکن پھر بھی قدیم طرز کے نمونے بھی میسر آسکتے ہیں۔ بہرحال یہ کام بڑی ترقی پر ہی۔ تارکشی یعنی سونے چاندی کے تار کھینچنے کے کام میں بہت سے لوگوں کو روزی ملتی ہی ان لوگوں کو کندلہ کش کہتے ہیں میونسپلٹی نے ایک ورک شاپ بڑے پیمانے پر کھولی ہی جس میں اُن کی نگرانی میں سونا چاندی گداخت کیا جاتا ہی۔ اس ورک شاپ کا ایسا اعتبار اور بھروسہ سارے ملک میں ہی کہ اس کا مارک دیکھنے کے بعد اُس کے خالص ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ اس خدمت کے معاوضہ میں اس ورک شاپ کو یعنی میونسپلٹی کو پچیس ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی ہی۔ زمانۂ حال میں کئی ملیں اور کارخانجات کھلنے سے شہر کی بڑی ترقی ہوئی ہی۔ یہ کارخانے پارچہ بافی اور دوسرے اقسام برف۔ کشید شراب وغیرہ کے ہیں جو سٹیم کی طاقت سے چلتے ہیں۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں دہلی کلاتھ اینڈ جنرل ملز۔ ہنومان اینڈ مہادیو سپننگ اینڈ ویونگ ملز۔ کشن کاٹن

سپننگ مل ۔ جمنا کاٹن سپننگ مل ۔ آٹا پیسنے کے یہ کارخانے ہیں ۔ ناردرن انڈیا فلور مل گنیش فلور مل ۔ جان فلور مل ۔ تین شکر بنانے کے کارخانے ۔ تین کارخانے روئی کے بنولے نکالنے کے ۔ ہندو بسکٹ فیکٹری ۔ اور بہت سے چھوٹے موٹے مطابع ۔ لوہیوں کے کارخانے جس میں ہر قسم کا کام بنتا اور ڈھلتا ہے اور جو برقی قوت سے چلتے ہیں اس طرح اس وقت کوئی چالیس کارخانے جاری ہیں جن میں ہزارہا آدمی پرورش پاتے ہیں :۔ دلی نہ صرف ایک بڑا بھاری تجارت کا ہے بلکہ خود اس شہر میں صدہا قسم کی چیزیں بنتی ہیں ۔ سب سے پہلے تجارت اور حرفت کو اکبر بادشاہ نے ترقی دی ۔ اُس نے سارے ہندوستان ۔ فارس حتیٰ کہ یورپ تک سے چن چن کر کاریگروں کو سمیٹا ۔ سر جارج برڈ وڈ اپنی کتاب "دی انڈسٹریل آرٹس آف انڈیا" میں لکھتے ہیں کہ "امرار ۔ روسار اور سرداروں کی توجہ اور شوق اور تہذیب یافتہ لوگوں کی خوش مذاقی کا سبب تھا کہ ہندوستان کی صنعت و حرفت اس اعلیٰ درجے کی تکمیل کو پہنچی ۔ آئین اکبری (۱۶۰۵-۱۵۵۶) میں ابوالفضل نے لکھا ہے کہ شاہان مغلیہ اپنے محلوں میں ہر فن و کمال کے چنندہ کاریگر ہندوستان میں ہر خطے سے رکھا کرتے تھے ۔" کہتے ہیں کہ اکبر بادشاہ کو خود نقاشی اور مصوری کا بڑا شوق تھا اور اُس نے بہت سے کاریگر اور ملازموں کو اس لیئے جمع کیا تھا کہ اُن میں آپس میں منافست لاگ ڈانٹ رہے اور ایک کو دیکھ کر دوسرا سبقت لے جانے کی کوشش کرے اور اس طرح صنعت اور حرفت کو ترقی ہو ۔ بادشاہ ہفتہ میں ایک بار بنفس نفیس ہر کاریگر کے کام کو ملاحظہ فرماتا تھا اور اُن کے کام کے اعتبار سے اُن کو سرمایہ کی امداد دی جاتی تھی اور بلحاظ اُن کی کارگزاری اور دستکاری کے اُن کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جاتا تھا ۔ سلاح خانے میں بھی بادشاہ خود جاکر قسم قسم کے ہتیاروں کی ساخت کو ملاحظہ فرماتے تھے جو تمام تر انھیں کارخانوں میں طیار کیے جاتے تھے ۔ شاہی لباس خانے کے کارخانے میں ہر ملک کے بننے والے زردوز ۔ کارچوب والے موجود تھے اور جو کچھ وہ بناتے تھے بڑی حفاظت سے توشک خانوں میں رکھا جاتا تھا اور یہی چیزیں خلعتوں اور انعاموں میں دی جاتی تھیں چونکہ بادشاہ خاص طور پر اس طرف متوجہ تھا لوگ بھی آئے دن نئی نئی ایجادیں کرتے

رہتے تھے اور جب دیکھو ایک نئی طرز نکالتے اور ہر چیز کو درجۂ کمال پر پونہچاتے تھے۔ فارس یورپ اور چین سے کے ساختہ پارچہ جات ان کو دکھلا کر ان کا شوق تیز کیا جاتا تھا۔ بادشاہ کو ادنی اور پشمینے اشیار کا بہت شوق تھا بالخصوص شال بہت مطبوع خاطر تھے۔ آئین اکبری میں اُن تمام مختلف اشیار کی فہرست دی گئی ہی جو محلات شاہی میں طیار کی جاتی تھیں جن کی تفریق بلحاظ تاریخ طیاری۔ قیمت رنگ اور وزن کے کی گئی ہے۔ اکبر بادشاہ کے ہاں جوہری۔ سنار۔ جڑئیے۔ سیم باف نگینہ ساز۔ حکاک۔ جوہر تراش۔ مہرکن وغیرہ وغیرہ ہر قسم کے کاریگر کثرت سے موجود رہتے تھے سر جان چارڈن نے ۱۶۶۴ء میں بلاد مشرق کی سیاحت کی ہی وہ اپنے روزنامچہ سیاحت (جرمل ڈی وائج۔ لنڈن ۱۶۸۶ء۔ ایمسٹرڈم ۱۷۱۱ء) میں لکھتے ہیں کہ بادشاہ اور امرا سے فارس سب کاریگروں کو اپنے اپنے کارخانہ میں رکھتے تھے۔ سر جان نے ان کارخانوں کا مقابلہ گرینڈ ڈیوک آف فلارنس اور لاور کی گیلریوں سے کیا ہی۔ یہ لوگ اپنے کارخانوں میں عمدہ اور نامی کاریگروں کو (بڑی بڑی) تنخواہیں اور روزینے دے کر رکھتے ہیں اور مال مسالا سب اپنی طرف سے دیتے ہیں جو کام عمدہ اور نفیس اور لایق پسند بنا تو اُن کی حوصلہ افزائی کو انعام اکرام دینے کے علاوہ اُن کے مشاہروں میں توقیر کی جاتی تھی۔ ان لوگوں کی ملازمتیں موروثی اور نسلاً بعد نسل تھیں چنانچہ اب بھی ریاستوں میں یہی دستور ہے کہ باپ کی نوکری بیٹا پاتا ہی۔ لنڈن کے انڈین میوزیم (عجائب خانے) میں ایک بہت بڑا پیالہ اُس زمانے کا بنا ہوا تھا جس پر حکاکوں کی تین پشتوں کو یکے بعد دیگرے کام کرتے گزر گئے۔ اس سے اندازہ ان لوگوں کی دیدہ ریزی کا کیا جا سکتا ہے۔ اور صرف یہی طرز عمل ہی جس کی بدولت صنعت و حرفت میں ترقی ہوتی چلی جاتی ہی چنانچہ اب بھی مختلف قسم کی صنعتیں خصوصاً شال بافی وغیرہ کشمیر۔ جے پور حیدرآباد دکن ریاستوں کے کارخانوں میں قایم و برقرار ہیں "دلی میں چمڑے کی تجارت بھی بہت ہی۔ یہاں کی جوتیاں سارے ہندوستان میں مشہور ہیں جو بڑی خوبصورت نازک اور نفیس ہوتی ہیں۔ سادی کے علاوہ طرح طرح کے بیش قیمت سلمہ ستارے۔ سپاٹ کام کی دیکھنے کے قابل ہوتی ہیں سادہ اور جڑاؤ زیورات

ٹیکے - جھومر - ہار - بالیاں - ٹیندے - آویزے - سہارے - بجلیاں - جھلنیاں - جھمکے کے باسے - ست لڑا - ہار - ہنسلا - گلوبند چمپا کلی - ڈھگدگی - ہیکل - نادعلی - مگر جودانیاں - مگر مرکیاں - چھیلے یعنی سہارے کڑے - چھڑ سے - جوڑیاں - سچھے جھانجن - پازیب - بُٹ - انگوٹھی - چھلے - چٹکی چھلے - جوڑ - جوشن - نونگے - بھوج بند - تعویذ - ہزاروں قسم کے زیورات خالص سونے کے یا جڑاؤ یا میناکاری کام کے غرض سینکڑوں قسم کے زیور بنتے ہیں - یہاں کے سنار اور سادہ کار اور جڑیئے بہتر سے بہتر کام بناتے ہیں جس کی نقل یورپ میں بھی شاید ہی ہو سکے - ایک بڑی دستکاری ہاتھی دانت کی تختیوں پر تصویر سازی کی ہے - ان چھوٹے ٹکڑوں پر کیسی باریکی اور نفاست کی قلم سے تصویر شخصی اور عمارات کی ہو بہو اُتارتے ہیں کہ بیان نہیں کیا جا سکتا - گویہ تصاویر فوٹوگراف پر سے لی جاتی ہیں مگر ان کے بنانے کی بڑی ندرت ہے - اگرچہ یہ تصاویر بیش قیمت ہوتی ہیں مگر ویسا ہی کام بھی ہے اور یورپ تک اس دست کاری نے نام پایا ہے اور یہاں کے مصوروں کو کئی تمغے نمایشوں میں ملے ہیں - غرض یہ کہ دلّی ہر قسم کی صنعت و حرفت کا معدن ہے اور یہاں ہزاروں روپیہ روزانہ کا بیوپار ہوتا رہتا ہے -

تجارت دلّی تجارت کی بڑی بھاری منڈی ہے - چوں کہ یہاں مختلف ریلوے لینیں آ گئی ہیں لہذا یہاں کے لیئے میدان تجارت چو طرف کھلا ہوا ہے - دلّی میں زیادہ بیوپار کلکتہ اور بمبئی سے ہے اور ولایت سے راست بھی مال کی درآمد ہے - یہاں کی اشیائے درآمد یہ ہیں :- ادویہ - روئی ریشم - غلہ - اجناس روغن دار - گھی - دہات - نمک - سینگ - چمڑا اور ہمہ قسم کے پارچہ جات جو یورپ سے آتے ہیں - برآمد کی اشیاء بھی قریب قریب یہی ہیں ماسوا ان کے تماکو شکر - تیل - زیورات سنہری اور روپہلی گوٹا اور لیس دلّی کے تجار کا بیوپار ساری دنیا سے ہے ہندوستان ہی میں سندھ - کابل الور - بیکانیر - جے پور - دوآب پنجاب سے زیادہ تر داد و ستد ہے - دہلی میں متعدد یورپین بنک ہیں جن کا ذکر بنکوں کے ضمن میں آیا ہے - ہندوستان کے کل بڑے بڑے بنکوں کی شاخیں یہاں ہیں اور بہت سے روئی اور غلے کے سوداگروں

ایجنٹ یہاں مستقلاً رہتے ہیں۔ تجارت کا بڑا بھاری مرکز چاندنی چوک کے بازار کو سمجھیے جہاں ہر قسم کے تجار کی دکانیں اور گودام ہیں اور جو دہلی کا سب سے بڑا اور لاجواب بازار ہے۔ دوسرے شہروں میں ایک بڑی دقت یہ ہے کہ کپڑا ایک بازار میں ملتا ہے تو سامان خورد و نوش دوسرے میں۔ برتن تیسرے میں تو کتابیں چوتھے میں جس میں خریداروں کو بڑی زحمت ہے برخلاف اس کے چاندنی چوک کا بازار جو طول میں ایک میل اور عرض میں بہت ہے۔ معدن ہے کل اشیاء اور ہر قسم کے مال و اسباب کا۔ دنیا کا ہمہ قسم کا سامان اسی ایک بازار میں ملتا ہے دلی میں مثل مشہور ہے کہ "لڑکے کی برہی بازار میں کھڑی" یعنی دلی کا ایک بازار ایسا ہے کہ شادی کا سامان آنًا فانًا میں ہو سکتا ہے اور یہ بات سچ بھی ہے۔ پیسہ چاہیئے جس کے پاس پیسہ ہے وہ ہتیلی پر سرسوں جما سکتا ہے اور جو چاہے وہ کام منٹوں میں کر سکتا ہے۔ ہر قسم کا سامان طیار ملتا ہے۔ زیورات گھڑے گھڑائے۔ کپڑے سلے سلائے ٹنکے ٹنکائے موجود۔ غرض وہ کونسی خدا کی نعمت ہے جو چاندنی چوک میں نہیں مل سکتی۔ پھر زحمت دوا دوش نہیں۔ ٹہلتے ہوئے چلے جائیے اور پل بھر میں سب کام کرا لیجئے۔ خلاصہ یہ کہ ایک سوئی سے لے کر موٹر کار تک لے لیجئے چاندنی چوک کا بازار سارے ہندوستان میں یکتا تھا بیچ میں نہر رواں تھی جس کی دونوں جانب گھنے سایہ دار درخت تھے اور دو طرفہ مسلسل دکانیں عالی شان اور مکانات اور کوٹھے۔ سڑک کے چوڑا کرانے کو نہر بند کر دی گئی اور سارے پرانے درخت بھی کٹوا دیئے گئے۔ جن لوگوں نے چاندنی چوک کو پہلے دیکھا ہے ان کو تو اب اجاڑ نظر آتا ہے۔ نئی روشنی والوں کو یہ سپاٹ میدان بھلا لگتا ہو تو لگتا ہے دکانوں میں انواع و اقسام کا سامان بھرا پڑا ہے۔ کشمیری چادریں۔ شال۔ کم خواب زر بفت۔ سنہری روپہلی زردوزی کام کی چیزیں۔ ہر قسم کے کپڑے۔ زیورات تانبے پیتل کے باسن۔ دریاں۔ قالین۔ غرض وہ کیا چیز ہے جو یہاں نہیں ہے۔

تعلیم

۱۸۷۷ء تک دہلی میں گورنمنٹ کالج تھا جو لاہور میں پنجاب یونیورسٹی قایم کر کے توڑ دیا گیا اب سینٹ اسٹیفنز کالج ۱۸۸۱ء سے قایم ہے اور ہندو کالج ۱۸۹۹ء سے۔ اب میونسپل بورڈ ہائی سکول

اور چھ برانچ سکول سینٹ سٹیفنز ہائی سکول اور اُس کی دو برانچیں۔ اینگلو عربک سکول اور اُس کی تین شاخیں ہیں ایک سنسکرت ہائی سکول ہے۔ پنجابی سکول۔ مسلم سکول۔ اور کئی پرائیویٹ سکول ہیں۔ اسی طرح کئی زنانہ سکول ہیں۔ کوئین میریز ہائی سکول۔ زنانہ مشن سکول۔ اندر پرستھ گرلز سکول۔ اور کئی برانچیں ہیں۔ نارمل سکول بھی ہے۔ مدرسۂ طبیہ۔ اور اس کے متعلق طبیہ زنانہ سکول ہے۔ شہر کے باہر لیبڈی ہارڈنگ میڈیکل کالج کی عالی شان عمارت ہے جو بڑے پیمانے پر زنانہ میڈیکل کالج ہے جس میں تمام یورپین سٹاف ہے۔ قرول باغ میں طبیہ اور ایورویدک کالج کی عالی شان عمارت زیر اہتمام جناب حکیم اجمل خاں صاحب حاذق الملک بن رہی ہے جس میں طب یونانی و انگریزی و ویدک کی تعلیم ہوگی۔

ہوٹلیں سرائیں اور مسافر خانے سب سے بڑی ہوٹل میڈنسز ہوٹل ہے جو بیرون کشمیری دروازہ سول سٹیشن میں لڈلو کیسل کے پاس ہے۔ دہلی کی ہوٹلوں میں یہ سب سے بہتر ہے۔ انتظام اور مکانیت سب اعلیٰ درجے کا ہے۔ موری دروازے کے باہر لارینز ہوٹل ہے اور البین۔ وڈلینڈ۔ سیسل کئی ایک ہوٹلیں ہیں۔ دو چھوٹے رسٹ ہوس قطب میں ہیں۔ ادھم خاں کے مقبرے میں جو رسٹ ہوس ہے اُس میں اُترنے کے لیئے صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر دہلی کی اجازت حاصل کرنی ضرور ہے۔ ریلوے سٹیشن کے پاس بڑی بھاری احمد پالی کی سرائے ہے۔ ریلوے سٹیشن سے کوئی پاؤ میل پر گھنٹا مل والوں کا ایک بڑا دھرم سالہ اہل ہنود کے واسطے ہے۔ اب دلی میں کوئی ڈاک بنگلہ نہیں ہے البتہ ریلوے سٹیشن میں رٹائرنگ روم ہیں۔ جو لوگ ریل کی گڑ بڑا اور ہر دم کے شور و غل سے نہ گھبراتے ہوں وہ ان میں ٹھیر سکتے ہیں۔

دہلی الکٹرک ٹریمویز اینڈ لائٹنگ کمپنی دہلی میں برقی قوت سے شہر کے کل بڑی بڑی شاہراہوں پر ٹریموے چلنے لگی ہے اور اسی طرح ساری سڑکوں پر برقی روشنی ہوتی ہے جس سے سارا شہر رات کے وقت جگمگا اُٹھتا ہے مکانوں میں بھی کثرت سے بجلی کی روشنی اور برقی پنکھے لیئے گئے ہیں۔ دلی کی قیامت کی گرمی

اور کوئیں یہ پنکھے جنت کی ہوا کھلاتے ہیں۔ بجلی کا بڑا کارخانہ پور ہوس۔ جی۔ آئی۔ پی ریلوے صدر سٹیشن کے عقب میں وہ بہت اونچا بسا ہی جہاں سے چو طرف برقی قوت پھیلائی جاتی ہی اور جو شبانہ روز بلا توقف ساعتے ہر وقت اپنے کام میں لگا رہتا ہی۔

غیروں کا اختراع و تصرف غلط ہی داغ
اُردو ہی وہ نہیں جو ہماری زبان نہیں

زبان

جو زباں ہم تم بولتے ہیں وہ اردو کہلاتی ہی۔ تمام ہندوستان کی لنگوا فرینگا اردو ہی ہی۔ اس میں بھی دلّی اور پھر لکھنؤ کی اردو منتخب ہی اور لال قلعے کی اردو سب سے زیادہ مستند اور شستہ اور فصیح اور بامحاورہ سمجھی جاتی ہی۔ شاہان مغلیہ کی زبان بھی اردو ہی تھی اور اُنھیں کی گودوں میں یہ زبان پلی اور پرورش پائی۔ دہلی اُجڑ کر لکھنؤ بسا اُردو کی نئی نویلی دلہن کو اہل لکھنؤ نے آغوش محبت میں لیا اور خوب بناؤ سنگھار سے سنوارا۔ اس اعتبار سے دلّی میں اردو کی نال گڑی ہی اور لوگ دہلی والوں کی زبان سے ہر موقع و محل پر سند پکڑتے ہیں چنانچہ داغ صاحب کا شعر ہم نے اوپر لکھ دیا ہی۔

ذکر مشایخین کرام و علمائے عظام و دیگر بزرگان دہلی[۱]

مردم او جملہ فرشتہ سرشت — خوش دل و خوش خوے چو اہل بہشت
ہر ہمہ نزدیک دل و گرم خون — رفتہ چو جاں در تن مردم درون
ہر سر مو بر تن ایشاں ہنر — وادہ در موے خنگافی بسر
وز قلمے ہر چہ بر آرد قلم — وانچہ نگنجد بزبان قلم
بیشتر از علم و ہنر بہرہ مند — زاہل سخن خود کہ شمارد کہ چند

[۱] بیشتر ذکر احوال بزرگان دین و علمائے و مشاہیر وقت کا اپنے اپنے موقع پر اس کتاب میں آچکا ہی۔ جن صاحبوں کا ذکر رہ گیا تھا وہ اس ضمیمے میں درج کیا جاتا ہی۔ ۱۲

خداوند تعالیٰ نے اس خطۂ زمین کو کچھ عجیب و غریب خاصیت عطا فرمائی ہے کہ سلطنتوں کے عروج و زوال و معرکہ ہائے جنگ و جدال کے قطع نظر یہ سرزمین بڑی مردم خیز رہی ہے۔ یہاں کی خاک سے بڑے بڑے نامور علمار اور حکمار غرض ہر طبقے کے بہترین لوگوں کا یہ معدن رہا ہے اور یہیں وہ سب سرمایۂ ناز و افتخار آسودہ ہیں۔ ان سب کے حالات کے لیئے ایک جداگانہ کتاب درکار ہے۔ یہاں علی سبیل الاختصار تھوڑے سے ارباب کمال ظاہری و باطنی کا حال لکھنے پر اکتفا کیا جاتا ہے:۔

حضرت مولنا شاہ ابو سعید حضرت شاہ غلام علی صاحب کے خلیفۂ اعظم تھے آپ کے انتقال کے بعد ہی سجادہ نشین ہوئے۔ آپ حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں تھے جو حضرت شاہ صاحب کے پیران پیر تھے اور واقع میں حضرت شاہ صاحب بھی آپ کو ویسا ہی سمجھتے تھے اور نہایت تعظیم و تکریم فرماتے تھے۔ علاوہ علو نسب کے صفات ذاتی اور کمالات ظاہری اور باطنی ایسے تھے کہ جن کا حد و حساب نہیں۔ حافظ کلام اللہ اور عاشق رسول اللہ علوم دینی آپ کو بہت مستحضر تھے اور دن رات انھیں کے درس میں گزارتے تھے۔ علم قرات میں یکتائے روزگار تھے۔ کلام اللہ ایسی خوش آواز اور کمال قرأت سے پڑھتے کہ لوگ دور دور سے سننے آتے پہلے پہل تو آپ نے مولنا شاہ درگاہی صاحب علیہ الرحمۃ سے کہ بڑے اولیائے وقت سے تھے سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی تھی اور نسبت باطن بخوبی حاصل کرکے پیری و مریدی کی اجازت لی تھی۔ لیکن اپنے خاندان کی نسبت نے زور کیا اور طریقۂ نقشبندیہ کی طرف کھینچا تو آپ نے دوبارہ حضرت شاہ غلام علی صاحب سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کی اور از سر تو تمام مقامات کو حاصل کیا۔ آپ کی شکل و شمایل بہت نورانی تھی بے اختیار آپ کی صحبت میں حاضر رہنے کو دل چاہتا اور جب تک بیٹھتے وسوسۂ شیطانی ایک نہ آتا اوقات آپ کی بعینہٖ حضرت شاہ صاحب کی اوقات تھی صرف خالصًا للہ مشق خط نسخ کلو خاں صاحب سے کی اور کلام اللہ لکھ کر وقف کیئے اگرچہ تعلقات ظاہری مثل زن و فرزند آپ کے حضرت شاہ صاحب کی نسبت زاید تھے لیکن ویسی ہی بے تعلقی بھی

حاصل تھی۔ باہمہ اوصاف ہمہ سے بھی کچھ زیادہ قدم رکھا تھا۔ اتباع سُنت نبوی صلعم بدرجۂ کمال تھا۔ کوئی بات خلاف سنت نہ کرتے اور ہردم پیروی سنت کا خیال رکھتے۔ اخلاق محمدی اس وسعت سے تھا کہ ہر شخص ملنے والا یہی جانتا تھا کہ جیسی عنایت اور شفقت آپ کو میرے حال پر ہے اُس سے سوا دوسرے پر نہیں۔ حقیقت میں تواضع کو بدرجۂ کمال پہنچایا تھا اور سخاوت کو حد سے زیادہ اختیار کیا تھا۔ حضرت شاہ صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو ابوسعید سے فخر ہے۔ میں نے اگر فقیری کی تو کیا کہ کسی کا کچھ غم نہیں رکھتا۔ ابوسعید کو دیکھو کہ باوصف علائق دنیادی کے کیا اپنے معبود کی عبادت میں مصروف ہے کہ گویا مطلق کچھ تعلق ہی نہیں رکھتا۔ آپ کی صحبت سے ہر شخص کو ایک فیض ملتا اور اجماع خاطر اور توجہ الی اللہ حاصل ہوتا۔ بعد انتقال شاہ صاحب کے آپ اُن کی جگہ مسند ارشاد پر بیٹھے اور سالہاسال لوگوں کو آپ کے فیض صحبت سے علو مراتب اور کمال مدارج حاصل ہوئے کہ اسی اثنا میں آپ کو غلبہ محبت حضرت رسالت پناہی کا ہوا اور آپ زیارت حرمین شریفین کو تشریف لے گئے۔ بہ وقت مراجعت ٹونک میں آپ نے انتقال کیا۔ آپ کے لاشہ مبارک کو دلی میں لا کر خانقاہ میں حضرت شاہ صاحب کے پہلو میں دفن کیا۔ ولادت آپ کی سنہ ۱۱۹۶ھ میں ہوئی اور یہ مصرع تاریخ ولادت ہے ع۔ حافظ و عالم و ولی یادا۔ وفات آپ کی سنہ ۱۲۵۰ھ میں عید کے دن ہفتہ کو ہوئی اور رینو رااللہ مضجعہ آپ کی وفات کی تاریخ ہے اور یہ قطعہ تاریخ وفات میں ہے۔ قطعہ۔

امام و مرشد ما شاہ بوسعید سعید	بعید فطر چو شد واصل جناب خدا
دے شکستہ و مغموم گفت تاریخش	ستون محکم دین نبی فتادہ زپا

مولنا شاہ احمد سعید صاحب

آپ شاہ ابوسعید صاحب کے بڑے بیٹے اور جانشین۔ والد ماجد کی طرح حافظ کلام اللہ و مطیع سنت رسول اللہ۔ اپنے پیروں کی طرح سلسلۂ ارشاد تلقین واستغراق جاری رہا۔ علم حدیث و فقہ و تفسیر میں درجۂ کمال تھا۔ دن رات مشغلہ درس و تدریس ہی کا رہا۔ مسائل دینی آپ کے فیض سے حل ہوتے تھے اور فتوے شرع شریف آپ کی

ہر سے مستجل کیئے جاتے تھے۔ ولادت آپ کی ۱۲۱۷ھ میں ہوئی اور مظہر رشید وآں
اُس کی تاریخ ہی۔ آپ نے شاہ غلام علی صاحب سے بیعت کی تھی اور اپنے والد
ماجد سے بہت فیض حاصل کیا تھا۔

مولنا شاہ عبدالغنی صاحب آپ بھی جناب شاہ ابوسعید صاحب کے فرزند ہیں اور حقیقت میں فخر خاندان تھے۔ آپ کا
طور ہی جدا تھا اور رنگ ڈھنگ ہی نرالا۔ آپ بھی حافظ کلام اللہ اور محدث تھے
آپ کی ولادت ۲۵ ر شعبان ۱۲۳۴ھ میں بروز شنبہ عشا کے وقت ہوئی۔
خورد سالی ہی میں شاہ غلام علی صاحب آپ کو توجہ دیا کرتے تھے۔ جب بڑے
ہوئے اپنے والد ماجد سے بیعت کی اور طرح طرح کا فیض حاصل کیا بعد اُن کے
انتقال کے مرزا شاہ غفور بیگ صاحب سے کہ بڑے خلفا سے حضرت شاہ
غلام علی صاحب کے تھے اور قوت نسبت بدرجۂ کمال رکھتے تھے ہزار در ہزار
فیض حاصل کیئے۔ اوقات آپ کی بہت خوب مسجد میں بیٹھے رہنا اور طریقۂ محمدی کو
برتنا بس یہی آپ کا مقصود اصلی تھا۔ اس تقوے اور ورع کو خیال فرمایئے کہ
صرف اس خیال سے کہ ہندوستان میں جو طریق بیع و شرا البعض بعض فواکہ وغیرہ کا
جاری ہی از روے شرع شریف کے درست نہیں اُن چیزوں کے مزے
تک سے آپ واقف نہ تھے۔ فنا فی السنت محو فی الشریعت اور شہسوار
میدان طریقت اگر پوچھو تو دراصل آپ تھے۔ جو شخص ادنی ادنی باتوں میں ایسا
محتاط ہو تو اسی پر سے اندازہ کیجئے کہ بڑی بڑی باتوں میں کیا درجہ احتیاط اور کیا رتبہ
اتقا کا ہوگا۔

حاجی علاءالدین احمد صاحب آپ شاہ آفاق صاحب کے خلیفہ اور سجادے تھے۔ آپ اپنے مرشد کی طرح بڑے بزرگ تھے۔ تمام عمر
فقیری میں بسر کی دُنیا و مافیہا سے خبر نہ رکھتی۔ آپ کا نسب خواجہ یوسف ہمدانی سے
ملتا ہی۔ توکل علی اللہ اور عشق رسول اللہ ہر وقت آپ کے برتاؤ میں ہو۔ عالم جوانی
میں فریضۂ حج ادا کیا۔ اور آخر عمر نوّے سال میں آپ بصارت سے معذور ہوگئے
تھے اور پاؤں سے اُٹھ نہیں سکتے تھے طاقت نے جواب دے دیا تھا۔

مگر ہر دم شغل جاری اور رسوم وصلوٰۃ قایم سبحان اللہ کیا لوگ تھے کہ کسی حالت میں اپنے
معبود کی یاد سے ایک لمحہ غافل نہیں۔

مولٰنا فخر الدین علیہ الرحمۃ

آپ کے والد بزرگوار مولٰنا نظام الحق والملۃ والدین ساکن موضع نگرون من مضافات لکھنؤ تھے نسب
آپ کا حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی تک پہنچتا ہے اور والدہ ماجدہ آپ کی
زبدۂ اولاد حضرت مخدوم سید محمد گیسو دراز سے ہیں۔ اگرچہ مولد جناب موصوف کا
اورنگ آباد دکن ہے لیکن دہلی میں مدۃ العمر تشریف فرما رہے۔ والد ماجد حضرت مرحوم
مغفور کے اوائل حال میں اورنگ آباد سے دلی میں وارد ہوئے۔ اگرچہ اول بہ فقط
تحصیل علوم رسمی مد نظر تھی لیکن چونکہ مشیت ایزدی یہ تھی کہ آپ کے خاندان سے
لوگوں کو فیض پہنچے اس لیے حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کی خدمت میں جن کا
سلسلہ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی تک پہنچتا ہے فائز ہو کر شرف بیعت سے
مشرف ہوئے اور بعد اکتساب علوم ظاہری ومعنوی خلافت سے سرفراز ہوئے اور
آخر الامر اورنگ آباد معاودت کی اور سالہا سال خلق کو فیض یاب کر کے ۱۱۴۲ھ میں وفات
پائی۔ مولٰنا نے اپنے والد ماجد سے تحصیل علوم ظاہری وباطنی کے بعد خلافت پائی
اور بعد اس کے چندے رہ کر نواب نظام الدولہ ناصر جنگ اور ہمت یار خاں کی سرکار میں
بسر کی۔ بعد چندے وہاں سے اجمیر شریف آئے اور چندے حضرت خواجہ صاحب
کے آستانہ پر حاضر رہے اور بعد ۱۱۶۵ھ میں دہلی آئے۔ یہاں بھی آپ سے
بہت لوگوں کو فیض پہنچا۔ جتنے امرا ذو الاقتدار اور سلطان عہد تھے آپ کی بیعت
سے مشرف ہو کر آپ سے فیض یاب ہوتے تھے۔ لیکن حضرت باوجود اس ہجوم
ارباب دنیا کے ہمراہی کے ساتھ وہ خلق محمدی خرچ کرتے کہ اس کا بیان نہیں
ہو سکتا۔ آپ بالکل سادی وضع رہتے اور لباس درویشانہ اور جبہ اور عمامہ فقیرانہ
کے چنداں مقید نہ ہوتے کتاب نظام العقائد اور رسالۂ مرجیہ اور فخر الحسن حضرت کی
تالیفات سے ہیں۔ ان کا دیکھنا آپ کی مہارت علمی پر دلیل قاطع وبرہان ساطع ہے سن شریف
(۷۳) تک پہنچا اور ۱۱۹۹ھ میں عالم بقا کو راہی ہوئے "ذخورشید دوجہانی" آپ کی رحلت کی تاریخ ہے
مزار آپ کا متصل دروازہ چار دیواری مرقد مبارک حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے واقع ہے۔

حضرت مولنا قطب الدین صاحب حضرت موصوف کے فرزند ارجمند ہیں اور حضرت کی وفات کے بعد مسند خلافت پر متمکن رہے۔ آپ کی تعریف یہی کافی ہے کہ ایسے چمن کے نونہال اور ایسے نونہال کے ثمر تھے۔

اصل و فرعے را کہ بینی حاصل یک ما ہاند ۔ آفتاب و پرتوش از ہم جدا نتواں گرفت

۱۷ محرم الحرام سنہ ۱۲۰۱ھ میں آپ کا وصال ہوا اور جوار حضرت شاہ قطب صاحب میں آسودہ ہیں۔

حاجی غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب حضرت مولنا قطب الدین صاحب کے فرزند ارجمند ہیں آپ نہایت متواضع۔ منکسر المزاج اور مسکین تھے۔ کسی دم وظیفہ وظائف سے خالی نہ رہتے تھے۔ بات بھی کم کرتے تھے۔ جب کوئی پوچھے تو ناچار جواب، دینا ہی پڑتا تھا۔ اگرچہ اس وقت ظاہر میں زبان شغل سے باز رہتی تھی لیکن دل اسی طرح مشغول حق رہتا تھا۔ بہادر شاہ بادشاہ اور جمیع اُمرائے عظام آپ کے نہایت معتقد تھے۔ جس مجلس میں آپ تشریف لے جاتے تھے ہر شخص بے اختیار دوڑتا اور قدموں پر گرتا اور اپنی سعادت ابدی سمجھتا تھا۔ آپ پر شوق الٰہی غالب ہوا تو اپنے دادا صاحب سے فیض حاصل کرنے کو دل چاہا اگرچہ وہ فیض سینہ بسینہ آپ نے اپنے والد مرحوم سے پایا تھا لیکن یہ شوق ایسا ہی اور یہ نعمت وہ ہے کہ طالب اسکا بس نہیں کرتا جتنا دیتے جاؤ اُتنا ہی اور مانگتا ہے آپ نے سفر اختیار کیا اور زیارت حرمین شریف سے مشرف ہوئے اور پاک پٹن شریف تشریف لے گئے اور شاہ سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کہتے ہیں کہ شاہ سلیمان صاحب اس بات کو نہایت غنیمت سمجھے اور اُن کے قدوم میمنت لزوم سے بہت فخر کیا۔ چند مدت آپ وہاں رہے اور جو کچھ فیض اور برکات اپنے دادا کے تھے اُن کی پھر تجدید کی اور رخصت ہو کر دہلی تشریف لائے اور یہیں انتقال کیا۔

خواجہ محمد نصیر صاحب آپ کے صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ حیطۂ تقریر سے باہر ہیں۔ آپ نواسے تھے خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے جو بڑے نامی گرامی مشایخ تھے اور اُن کا نام تمام عالم میں مشہور ہے۔ ولادت

آپ کی ولادت ۱۱۶۹ھ میں ہوئی۔ آپ نے چھٹ پنے ہی میں خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ سے بیعت کی تھی۔ آپ دس ہی برس کے تھے کہ خواجہ صاحب نے انتقال کیا آپ کو اکثر علوم خصوصًا ریاضیات میں بڑا دخل تھا۔ علم موسیقی بھی خوب جانتے تھے کہ بڑے بڑے استاد بھی آپ کے سامنے کان پکڑتے اور خاک چاٹ کر نام لیتے تھے۔ علم حساب کو اس سے بھی زیادہ جانتے تھے۔ چنانچہ ان دونوں فنوں میں آپ کی تصنیفات کے رسالے موجود ہیں۔ یہ تو صفات ظاہری تھے کمالات باطنی میں ان سے بھی کہیں رتبہ بڑھا ہوا تھا۔ وہ مقام ہی اور تھا۔ کمالات باطنی خواجہ میر اثر سے کہ خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی تھے حاصل کیئے۔ جب خواجہ میر اثر کا انتقال ہوا تو خواجہ میر صاحب کے فرزند سجادہ نشین ہوے جب اُن کا بھی انتقال ہوگیا تو آپ سجادے ہوے۔ ہر مہینے کی دوسری اور چوبیسویں کو مجلس بین نوازی کی آپ کے روبرو ہوا کرتی تھی۔ آپ کو صبر میں درجۂ کمال تھا اور دنیا سے مطلق لگاؤ نہ تھا۔ آپ بڑے عالی خاندان تھے۔ نسب خواجہ میر درد کا نواب ظفر خاں جہانگیری تک پونہچتا ہے اُن کے پوتے خواجہ محمد ناصر صاحب منصب داران شاہی میں سے تھے کہ یکایک خدا طلبی کا شوق ہوا اور شیخ سعد اللہ المعروف بہ شاہ گلشن صاحب کی خدمت میں حاضر ہوے اور مدت تک فیض حاصل کیا اور اس دنیاے دوں کو چھوڑ چھاڑ کر بموجب ہدایت شاہ گلشن صاحب کے خواجہ محمد زبیر صاحب سے بیعت کی اور بہت جہد اور مجاہدہ کیئے اور قطب وقت ہوے کہ اب تک یہ سلسلہ بہ سلسلہ چلا آتا ہے۔ والد ماجد آپ کے میر کلو صاحب اکبرآبادی بہت صحیح النسب سادات سے تھے اور نسبت دامادی کی خواجہ میر درد سے رکھتے تھے اور بیعت بھی انہیں سے کی تھی۔ ۲ر شوال ۱۲۶۱ھ کو آپ نے وفات پائی۔ کبھی کبھی آپ شعر بھی کہا کرتے تھے اور رنج تخلص کرتے تھے۔

حضرت شاہ غیاث الدین قدس سرہٗ

اولاد حضرت خواجہ مودود چشتی علیہ الرحمۃ سے تھے۔ آپ کا عرف "خواجہ کھاری والا" تھا۔ بہ سبب حسن اوقات و کثرت طاعات کے معتنبات روزگار سے تھے۔ آپ کو خلق

مجسم کہنا چاہیئے۔ آپ کے اوضاع و اطوار خلق محمدی کے مصداق تھے۔ رات دن اور اد و وظائف میں مصروف رہتے تھے۔ بڑے بزرگ تھے ہزاروں ہی آپ سے مستفید ہوتے تھے۔

مولنا محمد حیات

آپ پنجاب کے رہنے والے تھے اُسی نواح میں تحصیل علوم سے فراغ حاصل کرکے چندے مختلف مقامات ہند میں طالب علمی کی اور اسی سلسلے میں دہلی تشریف لائے۔ ابتدا ئً شاہ سید صابر علی معروف بہ صابر بخش رح کی خانقاہ میں فروکش ہوکر درس علوم معقول و منقول میں مصروف رہے۔ چوں کہ آپ کے علم و فضل کا شہرہ دور دور تھا طلبار مختلف دیار و امصار کے حاضر ہوکر دولت علم سے مالا مال ہوتے۔ ازبس کہ آپ کی طبیعت میں ترک غالب تھا آپ پاک پٹن تشریف لے گئے اور حضرت سلیمان صاحب کی خدمت سے مشرف ہوئے وہاں سے بعد تصفیہ قلب و تزکیۂ نفس پھر دہلی آئے ان دنوں شاہ صابر بخش صاحب کا وصال ہو چکا تھا خانقاہ میں نہ رہ کر ایک مسجد میں کہ قریب قلعے کے تھی رہنے لگے۔ آپ کی وجہ سے وہ مسجد ایسی آباد ہوئی کہ ساری خلقت وہیں ٹوٹی پڑتی تھی۔ آثار الصناد ید میں اُس وقت آپ کا سن شریف ستر سال کا لکھا ہوا ہے۔

حضرت سید احمد صاحب

آپ سادات عظام و مشایخ کرام سے تھے۔ آپ کا وطن بریلی تھا۔ حصول علم کا شوق آپ کو دہلی کھینچ لایا اور حضرت مولنا عبد القادر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر مسجد اکبرابادی میں رہنے لگے اور علم صرف و نحو میں فی الجملہ سواد حاصل کیا۔ ازبس کہ ذوق درویشی اور مسکینی طینیت میں تھی اکثر خدمت مسجد اور اُن درویشوں اصحاب کی جو دور دراز سے حصول علم باطنی کے لیئے مولنا عبد القادر صاحب کی خدمت میں آتے تھے مصروف رہتے اور اپنی اوقات کو طاعات و عبادات میں بدرجۂ غایت مصروف کیا تھا۔ اکثر مولنائے مغفور فرماتے تھے کہ اس بزرگ کے احوال سے آثار کمال ظاہر ہوتے ہیں اور مادہ اس سعادت منش کا ترقی مدارج علیا کے قابل نظر آتا ہے آپ نے مولنا شاہ عبد العزیز صاحب سے بیعت کی بعد آپ چندے ٹونک کی طرف

نواب امیر خاں کی رفاقت میں رہے از بس کہ شجاعت اور جواں مردی سادات صحیح النسب کا جوہر ہی اُس اثنار میں ترددات عظیمہ آپ سے ظہور میں آئے۔ پھر آپ ترک دنیا فرما کر دہلی تشریف لائے اور مسجد اکبر آبادی میں رہنے لگے۔ اس اثنار میں مولوی عبدالقادر صاحب کا انتقال ہوچکا تھا اور مولوی محمد اسمٰعیل قایم مقام علوم رسمی کی درس و تدریس میں مصروف تھے اور اہل باطن کی طرف چنداں ملتفت نہ ہوتے تھے اس وجہ سے طالبان فیض باطنی کا ہجوم آپ کے پاس رہنے لگا۔ پھر آپ نے حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا اور اپنے ساتھ قریب ایک ہزار آدمیوں کے لے گئے جن کے مایحتاج اور خرچ کے آپ خود متکفل رہے اور اداے فریضۂ حج کے بعد پھر ہندوستان آئے۔ آپ چونکہ ترویج رسوم شرعیہ اور امر بالمعروف بہت کرتے تھے اور منہیات کا رواج آپ کی وجہ سے بالکل اُٹھ گیا تھا۔ طرفہ یہ کہ کلکتے میں جب تک آپ رہے شراب مطلق بکنے نہ پائی اور کلال خانے بند رہے اور اُس نواح میں آپ کے مُریدوں کی کثرت لاکھوں سے بھی بڑھ گئی اور آپ کے اکثر خلفا کو قطب اوتاد کا مرتبہ حاصل ہوا اور چوں کہ از روے کشف باطن آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کو مع اکثر مومنین پاک اعتقاد کے سعادت شہادت ہونے والی ہے مولٰنا شاہ اسمٰعیل اور مولٰنا عبدالحی کو اجازت ہوئی کہ اطراف ہندوستان میں وعظ کہو اور بیشتر جہاد اور فضیلت شہادت بیان کرو ہر چند یہ اس کا منشا نہ جانتے تھے اور پوچھ نہ سکے کہ اس ارشاد کا کیا سبب ہے لیکن چوں کہ مرید با اخلاص سر مو تجاوز نہ کیا اور فرمان بجا لائے۔ ان سے لکھوکھا مردم شاہ راہ ہدایت پر آئے اور شوق مالا یحتاج دل میں جم گیا اور جہاد کی افضلیت ذہنوں میں بیٹھ گئی اور خود بخود چاہنے لگے کہ اگر جان و مال راہ الٰہی میں صرف ہو تو عین سعادت ہے۔ بعد مدت کے ان بزرگوں کو حضرت نے لکھا کہ اب ہمارے پاس چلے آؤ۔ یہ تو جاں نثار تھے ہی بمجرد حکم کے مشتاقین وعظ کو نیم جاں چھوڑ کر حاضر خدمت ہو گئے اور حضرت ان کو لے کر کوہستان کی طرف چلے گئے اور یہ ہنوز اس کے منشا سے واقف نہیں۔ جب پنج تار پونہچے قوم افغان با آں کہ بڑے وحشی اور تند خو ہوتے ہیں حضرت کے ایسے معتقد ہوئے کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت امامت کی اور عہد

کیا کہ اگر حضرت جہاد کریں تو ہم سرفروشی کو حاضر ہیں۔ آپ نے سکھوں سے جہاد کیا چنانچہ افاغنہ کے سوا کوئی ایک لاکھ آدمی ہندوستان کے جمع ہوے اور خطبہ آپ کے نام کا پڑھا گیا۔ دور دور امامت کی شہرت ہوئی۔ چند منزل تک عشر جو اسلام میں ایک قسم کا خراج ہے آپ کے پاس آنے لگا۔ پشاور اور بعض اور مقامات سکھوں کی عمل داری سے نکل کر غازیان اسلام کے قبض و تصرف میں آ گئے۔ سکھوں نے باوجود اس شان و شوکت و شان ظاہری کے آپ کا ایسا دبدبہ اور رعب دل پر چھا گیا کہ ملک دینے پر راضی ہوے سچ ہے۔ ع۔ ہیبت حق ست ایں از خلق نیست۔ لیکن حضرت کو چوں کہ اشاعت اور ترویج اسلام مرکوز خاطر تھی قبول نہ کیا۔ کئی سال تک یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا۔ مولوی عبدالحی صاحب نے بیماری سے انتقال کیا۔ بعد اس کے قوم افاغنہ جو بندۂ زر اور بڑے لالچی ہیں سکھوں کی اغوا سے آپ سے منحرف ہو گئے اور عین معرکۂ جنگ میں آپ سے دغا کی۔ از بس کہ مشیت الٰہی مقتضی اس کی تھی کہ آپ کا مرتبہ درجۂ شہادت سے بلند کیا جاوے بالاکوٹ کے قریب آپ نے مع مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب اور بہت سے مسلمانوں کے شہادت پائی۔

رسول شاہیوں کا بیان

رسول شاہ صاحب کا سلسلہ خانوادۂ سہروردیہ میں ہے اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی تک پہنچتا ہے۔ آپ پر جذب بہت غالب تھا اور ہمیشہ کوہستان الور میں پھرا کرتے تھے۔ دوسرے تیسرے دن آکر کوئی ٹکڑا اٹیڑا مل گیا تو منہ میں ڈال لیا ورنہ اس کی بھی پروا نہ تھی اور جس طرح کہ اہل جذب کا دستور ہے اسی طرح اپنے معبود کی عبادت میں مصروف رہتے اور دنیا و مافیہا سے خبر نہ رکھتے۔ کثرت جذب اس قدر تھی کہ تکالیف شرعیہ اُن پر سے ساقط ہو گئیں تھیں۔ لباس کی بھی کچھ قید نہ تھی۔ کوئی چیتھڑا سر پہ باندھ لیا باندھ لیا اور نہ یہ بھی نہیں اسی طرح کبھی لنگوٹ کس لیا ورنہ یہ بھی نہیں غرضکہ عالم جذب میں رہتے اور صدہا کرامات اور خرق عادات آپ سے صادر ہوتے۔ آپ سادات بہادر پور مضافات الور سے تھے اصلی نام آپ کا سید عبدالرسول تھا وہاں کے لوگ بہت معتقد تھے۔ راجۂ الور بھی آپ کا معتقد تھا نشو و نما اپنی ریاست کا آپ ہی کی ذات فیض آیات سے سمجھتا تھا۔ آپ کو ابتدا ہی سے ایک جذب تھا۔ بارہ برس کی

عمر میں شاہ نعمت اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک دم میں جذب الی اللہ حاصل ہوا۔ جنگل اور پہاڑوں میں نکل گئے اور شبانہ روز یاد الہی میں بسر کی۔ بعد وفات تکیہ رسول شاہیوں میں بمقام الور آپ کو دفن کیا بعد بسبب ایک حادثہ کے آپ کی ہڈیاں اکھاڑ کر فیروز پور جھرکے میں مدفون کیا۔

مولوی شاہ حنیف صاحب اصلی نام آپ کا مظفر حسین ہے۔ وطن میرٹھ۔ آپ ایک زبردست عالم خاندانی امیر تھے۔ نسب آپ کا نواب خیر اندیش خاں اور نواب فرحت اندیش خاں تک پہنچتا ہے۔ ہمیشہ درس و تدریس میں مصروف رہتے اور مسجد میں بیٹھے رہتے کہ یکایک رسول شاہ صاحب کا ایک فقیر پہنچا اور آپ سے کہا چلو رسول شاہ بلاتے ہیں آپ سب کچھ چھوڑ چھاڑ فوراً ساتھ ہو لیے۔ وہاں پہنچتے ہی آپ پر بھی اپنے پیر کی سی حالت جذب نے طاری ہو گئی اور اسی طرح عالم جذب میں بسر کی اور صدہا کرامات اور خرق عادات آپ سے ظاہر ہوئیں اور اپنے پیر کی طرح پہلے الور بعد فیروز پور جھرکے میں مدفون ہوئے۔ کبھی کبھی آپ عالم جذب میں شعر بھی کہتے تھے۔ ایک مثنوی گیان جوسر بطریق تصوف اور ایک شرح گلستاں آپ کی یادگار ہے۔ چند شعر آپ کے تبرکاً درج ہیں:-

(۱) دل بے خطرہ مظہر ذات ست	بحر بے موج عین مرآت ست
(۲) خدا را چہ جوئی تو خود را بجو	چو خود را بیابی توئی جملہ او
(۳) تو ببین خود را بسر مو یک نفس	تا بدانی خالق خود ہر نفس
(۴) گر نبودے خود مقیم اندر بدن	کی شدے قایم زخود دیوار تن
(۵) گر نبودے باغباں در باغ تن	کی شدے رونق بہار ایں چمن

شاہ فدا حسین صاحب آپ کا اصلی نام خواجہ نجیب الدین احمد ہے۔ آپ خواجہ یوسف ہمدانی کی اولاد سے ہیں۔ اٹھارہ برس کی عمر سے فقیری اور خاکساری اختیار کی۔ بعد فراغ علوم تصوف میں بڑی دستگاہ حاصل کی۔ فصوص الحکم وغیرہ کتب مشکلہ تصوف خوب پڑھاتے تھے۔ دنیا سے مطلق لگاؤ نہ تھا۔ اخلاق و خاکساری بدرجۂ کمال تھی۔ گوشہ نشینی و زاویہ گزینی حد سے سوا تھی۔ صحبت عوام الناس بہت ناپسند فرماتے تھے اور ہمیشہ تنہا بیٹھے رہتے تھے۔ تمام عمر خاک بدن سے

ملی اور اینٹ سراہنے رکھی اور زمین پر یا پتھر پر پڑے رہتے۔ بیس برس تک الور میں اپنے پیر مولوی محمد حنیف کی خدمت میں رہے اُن کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور پھر دلی تشریف لے آئے اور چالیس برس تک ایک ہی حجرے میں بیٹھے رہے۔ بعد اس کے الور کے راجہ بنے سنگھ نے بڑی تمنا اور آرزو سے آپ کو بلوایا کہ پھر آکر اُسی تکیئے میں رہیں۔ اگرچہ آپ کو اُس زمانے میں بسبب لحوق امراض متعددہ ہوش وحواس ظاہری نہ تھے لیکن آپ کے مُرید آپ کو اُسی حال میں وہاں لے گئے اور چند مدت بعد وہیں آپ نے ۱۸ محرم ۱۲۵۹ھ میں جمعرات کے دن انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کی ذات بھی مغتنمات روزگار سے تھی اور بیسوں خرق عادات آپ سے ظہور میں آئیں۔ آپ حقیقت میں خاتم سلسلۂ رسول شاہیہ ہوئے۔ آپ کی ذات فیض آیات سے اس سلسلے کی رونق تازہ ہو گئی تھی۔ خلفا آپ کے بلاد دور دراز میں گئے ہیں چنانچہ تبت اور سراندیپ اور مشہد وغیرہ بلاد میں رسول شاہی فقیر موجود ہیں۔ کبھی کبھی آپ شعر بھی فرماتے تھے۔ مثنوی بن موسر آپ کی طبع زاد ہے۔ اشعار فارسی

مرا جز دیدن دیدار وجہ اللہ کارے نیست در دنیا
شفاعت را بجز ذات رسول اللہ یارے نیست در عقبیٰ

خویشتن را خود عیاں فرمودۂ — صورتے از جسم و جاں بنمودۂ
کل نفس واحدۃ فرمودۂ — واحدۃ فی کل نفس بودۂ
اگر بخلوت دل یک زمانہ بنشینی — درون کعبۂ دل صورت خدا بینی
نسبت طاعت بخود عصیاں بود — نسبت عصیاں بخود عرفاں بود
چوں بہ ہر صورت بہ بینی یار را — خود بخود واقف شدی اسرار را
خویشتن را نیست دانستن وجود حق بود — از وجودش ہست دانستن شہود حق بود
عین ذات تو بود وحدت وجود — ایں صفات تو بود وحدت شہود
غیر وحشت نیست کثرت را وجود — غیر کثرت نیست وحدت را شہود

دین علی شاہ صاحب کا بیان علیحدہ آچکا ہے۔

خانم صاحب ایک باخدا عورت تھیں۔ نہایت صاف باطن۔ پتلی ماروں کے قریب شیر افگن خاں کی حویلی میں رہتی تھیں۔ ہر چند جذب مزاج پر غالب تھا لیکن نہ اس قدر کہ خود رفتگی کی نوبت پہنچے۔ بیشتر لوگ آپ کے پاس آتے اور جو آپ کہہ دیتیں وہی ہوتا۔

بائی جی ایک عورت تھیں باکمال شہر شاہ جہاں آباد کے باہر پرانی عیدگاہ کے قریب ایک چھپیر میں تمام عمر بسر کردی معلوم نہیں کہ اصلی نام کیا تھا مگر لوگ بائی جی بائی جی ہی پکارتے تھے۔ اثنائے کلام میں اکثر آیات قرآنی فرماتی رہتی تھیں خصوصاً انا اعطینا کا بہت ورد تھا اور صاحب کرامت تھیں جو کہتیں وہی ہوتا۔

حاجی غلام علی نقیب الاولیاء زمانِ شاہی میں نقیب الاولیاء کا بہت معزز عہدہ تھا۔ خبرگیری تمام فقیروں اور گوشہ نشینوں کی اور ان لوگوں کا وظیفہ وغیرہ سب اس سے متعلق تھا۔ اگرچہ دور آخر مغلیہ میں وہ بات نہ رہی تھی گمنام چلا جاتا تھا۔ غرض کہ خواجہ غلام علی اسی عہدے پر مامور تھے اور نہایت صاحب کمال آدمی تھے صاحب نسبت اور عشق رسول مقبول میں چور۔ نماز وظیفہ کے سخت پابند۔ صحبت فقراء و درویشوں سے فیض یاب۔ اسی شوق میں زیارت حرمین شریفین کی اور ہمیشہ روضۂ منورہ رسول مقبول کی یاد میں رویا کرتے تھے۔ آپ حضرت خواجہ ناصر الدین عبد اللہ احرار کی اولاد میں سے تھے جن کی تعریف میں مولانا جامی فرماتے ہیں ؎

چو فقر اندر لباس شاہی آمد
بتدبیر عبید اللہی آمد

آپ کے بزرگ محمد شاہ کے وقت میں ہندوستان میں آئے اور پہلے یہ عہدہ خواجہ رفیع الدین صاحب کو ملا پھر خواجہ محمد مراد اُن کے بھانجے کو اُن کے بعد خواجہ غلام علی صاحب کو۔ "غلام علی" تاریخ ولادت ہے اور یہ سجع ہے ؎ علی امام من ست ومنم غلام علی آخرکار ۵ ار ذی حجہ ۱۲۔۔ھ میں وفات پائی اور ترکمان دروازے کے باہر چونسٹھ کھمبے میں مدفون ہوئے۔

اطبار وحکمار

حکیم احسن اللہ خاں صاحب کا ذکر علیحدہ آچکا ہے۔

حکیم غلام نجف خاں صاحب ابن حافظ محمد مسیح الدین شیخوپوری ساکن شیخوپور کہ بدایوں کے مضافات سے ہے۔ اصل میں شیخ فاروقی ہیں اور بسبب عنایت سرکار شاہی کے خطاب خانی سے سرفراز ہوئے۔ جد بشتمیں ان کے شیخ فرید المخاطب محتشم خاں امرائے جلیل الشان عہد جہاں گیری شاہ جہاں سے تھے کہ منصب پنج ہزاری ذات و پنج ہزاری سوار سے سرفراز تھے۔ بموجب آپ کی خواہش کے جہانگیر بادشاہ نے چار ہزار بگہ اراضی موضع مولیا میں سے آبادی وسکونت کے واسطے مرحمت فرمائی۔ اُس سرزمین میں ایک قلعے کی بنیاد ڈالی اور اُس کا نام جہانگیر کے نام پر شیخوپور رکھا کیوں کہ ایام شاہزادگی میں جہانگیر کا نام مرزا شیخو ہی مشہور تھا۔ والد شیخ فرید صاحب کے نواب قطب الدین خاں نبیرہ حضرت سلیم چشتی فتح پور سیکری کی اولاد میں سے ہیں۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں صوبہ دار صوبہ بہار اور جہانگیر کے عہد میں منصب پنج ہزاری ذات وسوار و خلعت خاصہ و شمشیر و اسپ خاصہ با زین مرصع اور عنایات شاہانہ سے سرفراز ہو کر دار الملک بنگالہ اور اوڑیسہ کی صوبہ داری سے کہ پچاس ہزار سوار کی جاے تھی مامور ہوئے۔ حکیم غلام نجف خاں صاحب اپنے خالو میر سید علی صاحب کے ساتھ پانچ سال کی عمر میں دہلی آئے۔ میر صاحب پہلے گورمنٹ انگریزی میں تحصیل دار رہے آخر کار نواب گورنر جنرل بہادر کے میر منشی ہوئے۔ از بس کہ فن طب اشرف فنون ہے حکیم صادق علی خاں صاحب ولد احکم الحکمار حکیم شریف خاں سے تحصیل کی اور مشق نسخہ نویسی و علاج معالجہ حاذق الملک حکیم احسن اللہ خاں کی خدمت میں بہم پہنچائی چوں کہ اُن کو حکیم احسن اللہ خاں سے قرابت قریبہ بھی تھی اُن کی تعلیم میں کمال کوشش کی یہاں تک کہ یہ شہر کے مشاہیر اطبا سے ہوئے اور حضور بادشاہ سراج الدین بہادر شاہ سے خطاب عضد الدولہ اعتماد الملک حکیم غلام نجف خاں بہادر پایا پھر بعد سرکار کمپنی بہادر سے عہدہ طبابت

مامور رہے۔ قدرت الٰہی سے ایسا دست شفا پایا تھا کہ وہ امراض جن کو لادوا اور لا علاج کہتے تھے آپ کی ادنیٰ توجہ سے زائل ہوجاتے تھے۔ جناب شفاء الملک حکیم رضی الدین خاں صاحب آپ کے پوتے تھے جنھوں نے طبابت میں بڑا نام پایا اور اب اُن کے صاحب زادے حکیم ناصر الدین خاں صاحب عرف چھنو میاں قدم بقدم اپنے والد ماجد و جد امجد کے دہلی کے چوٹی کے طبیبوں میں ہیں۔ آپ کا مطب بھی صبح سے شام تک بیماروں سے بھرا رہتا ہے۔ علاوہ شہر کے لوگوں کے دور دور سے لوگ آتے ہیں اور صحت پاکر اپنے وطنوں کو جاتے ہیں۔

حکیم صادق علی خاں صاحب و دیگر اطبائے نامی گرامی

حکیم صادق علی خاں صاحب سرآمد حکماء حکیم شریف خاں کے صاحبزادے تھے اور اپنے والد ماجد کی طرح فن طبابت میں یکتائے روزگار تھے جن کی قدامت کا شہرہ دور دور بلاد و امصار میں تھا۔

اسی طرح حکیم امام الدین خاں صاحب بڑے نباض تھے۔ ان کے بزرگوں کو سرکار شاہی سے مناصب جلیلہ اور مراتب بلند عطا ہوتے رہے اور یہ خود بھی حضرت جہانبانی کی طرف سے عہدۂ طبابت پر مامور تھے۔ حکیم غلام حیدر خاں صاحب ارشد تلامذۂ حکیم شریف خاں سے تھے اساتذۂ کرام مثل مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب و مولوی رفیع الدین و مولوی عبدالقادر صاحب ارفع اللہ درجاتہم سے سالہا سال استفادہ کیا اور انواع و اقسام کے فیوض حاصل کیے شفائے کامل ان کے دست حق پرست میں ودیعت تھی۔ حکیم نصراللہ خاں آپ بھی احکم الحکماء شریف خاں کے شاگرد تھے۔ پہلے نواب فیض محمد خاں رئیس جھجر کی سرکار میں طبیب تھے۔ بعد اس کے اور معزز عہدوں پر رہے پھر بہ نظر قدامت نواب عبدالرحمٰن خاں رئیس جھجر کے ہاں مامور رہے۔ حکیم فتح اللہ خاں برادر کہین حکیم نصراللہ خاں نواب اکبر علی خاں رئیس پاٹودی کی سرکار میں عہدہ طبابت پر مامور تھے۔ حکیم بھیر بخش خاں حضرت بادشاہ خلد آرام گاہ محمد اکبر شاہ کی پیشگاہ سے بخطاب حکیم دوراں مخاطب تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد کا وطن تھانیسر تھا لیکن خود ان کا مولد اور مسکن شاہجہان آباد تھا۔ تحصیل علم طب حکیم نصراللہ خاں صاحب سے

اور مشق نسخہ نگاری و معالجہ مرزا حکیم احسن اللہ خاں کی خدمت میں کی اور اس فن میں دست گاہ کامل بہم پہونچائی۔ ایک عرصہ تک نواب بہادر جنگ رئیس بہادر گڈھ کی سرکار میں طبیب رہے حکیم حسین بخش خاں یہ بھی تھانیسر کے رہنے والے تھے۔ جمیع فنون و علوم مثل معقول و منقول و حکمت و ہندسہ و ہیئیات میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ پہلے رئیس جھجر کے ہاں طبیب تھے بعد حضور سراج الدین بہادر شاہ میں اور صاحب عالم مرزا فخر الدین بہادر کی سرکار میں عہدہ طبابت پر رہے۔ ان کے علاوہ حکیم غلام حسن خاں حکیم محمد یوسف خاں حکیم عبد الحکیم معروف بہ اچو خاں سب بڑے بڑے حکیم گزرے ہیں۔ زمانہ حال کے نامی گرامی حکیموں میں سب سے بڑھا ہوا مرتبہ جناب حکیم محمود خاں صاحب کا تھا جن کے فرزند اکبر حکیم محمد عبد المجید خاں صاحب حاذق الملک حکیم محمد واصل خاں صاحب دونوں صاحب کمال تھے۔ حکیم حسام الدین خاں صاحب عرف حکیم منجھلے حکیم بدر الدین خاں صاحب حکیم غلام رضا خاں صاحب حکیم اشرف علی صاحب۔ یہ سب صاحب بھی دہلی کے بڑے نامی گرامی اطبا تھے۔ اب جو موجود ہیں اُن کا ذکر اپنی اپنی جگہ آ چکا ہے۔

مجذوبوں کا بیان

سید عسکری صاحب

سید حسن رسول نما کے نواسوں میں ہیں پہلے سپاہی پیشہ تھے اور نوکری چاکری کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ کا گزر الور کی طرف ہوا اور آپ مولوی محمد حنیف صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ شعر پڑھا ؎

مستم چناں بکن کہ ندانم ز بے خودی
در عرصۂ خیال کہ آمد کدام رفت

یہ سن کر آپ نے ایک نگاہ بھر کر دیکھا اور کہا کہ جاؤ اپنے نانا کی قبر پر جا بیٹھو۔ اُس وقت سے ایک جذب غالب ہوا اور بالکل مست الست ہو گئے سر سید نے خود دیکھا ہے کہ آپ حضرت سید حسن رسول نما کے مزار کے پاس زنجیروں سے

جکڑے ہوئے بیٹھے رہتے تھے۔ مجال نہ تھی کہ کوئی آپ کی طرف نگاہ بھر کے دیکھ سکے۔ آثار الصنادید لکھنے سے پہلے ہی آپ کا انتقال ہو چکا تھا۔

میر قطبی صاحب سادات کبار میں سے تھے۔ اوائل حال میں مصروف عبادت رہتے تھے اور چوں کہ ہمیشہ سے سلوک پر جذب غالب تھا رفتہ رفتہ نوبت از خود رفتگی کی پہونچی اور ترک لباس کر کے ستر عورت سے بھی فارغ ہو گئے۔ اکثر اوقات خرق عادات و کرامات جلی آپ سے سرزد ہوئیں عرصہ ہوا کہ انتقال کر گئے۔

شاہ عبد النبی صاحب کملائے دہر سے تھے۔ اوائل حال میں رہنے کا کوئی مقام مقرر نہ تھا جہاں جگہ ملی پڑ رہے کبھی کسی کونے میں کبھی دیوار کے سایہ میں بسر کرتے۔ جب تک مولنا شاہ عبد القادر صاحب زندہ رہے اکبر آبادی مسجد میں رہتے تھے۔ رات کسی کونے میں پڑ جاتے اور صبح سے شام تک مسجد کے سامنے نہر کے ایک منبع پر بیٹھے رہتے برسوں اسی طرح گزار دیئے۔ وہیں اہل حاجت آپ کی خدمت میں پونہچتے۔ مولوی عبد القادر صاحب بھی طالبان با اخلاص کے سامنے اکثر آپ کی تعریف بیان فرماتے۔ جب مولوی صاحب بیمار ہوئے اور صاحب فراش ہوئے جبکہ نوبت نفس واپسیں کی پونہچی یہ بزرگ اپنا بستر کندھے پر ڈال کسی طرف کو چلے گئے چوں کہ یہ امر خلاف عادت تھا لوگ اس حرکت سے متعجب ہوئے۔ آپ کے پاس جاکر دیکھا تو کلمات تاسف آپ کی زبان پر جاری تھے اور یہ کہتے تھے کہ اب قدر دان ہمارا دنیا سے چلا گیا ہم یہاں رہ کر کیا کریں گے اور اس طرح چلے گئے کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ کدھر گئے کچھ دیر کے بعد مولنا کا انتقال ہوا چوں کہ وہ کبھی مسجد کے اندر نہیں جاتے تھے اور باہر سر راہ بیٹھے رہتے تھے۔ مولنا کے انتقال پر آگاہ ہو جانا آپ کا کشف تھا۔ تھوڑے دنوں بعد پھر آکر جامع مسجد کے ایک حجرے میں رہنے لگے۔ کرامتیں آپکی اکثر مشاہدہ ہوئی ہیں اور باوجود غلبۂ جذب کے نماز کی طرف بھی اکثر مصروف رہتے تھے لیکن پابند اوقات معینہ کے نہ تھے اور اکثر ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے قرآن مجید لکھا کرتے تھے اور کسی سے بات نہ کرتے

کی گئی اور انعامی اشتہار دیئے گئے مگر ایسے ظالم نے دبایا تھا کہ پھر پتہ نہیں لگا۔
کچھ اشعار اس گم شدہ دیوان کے کچھ اس کے بعد کے نواب سراج الدین احمد خاں صاحب
سائل (آپ کے داماد) کے پاس محفوظ ہیں ممکن ہے کہ صاحب موصوف
اسے ملک کے سامنے پیش کریں۔ آپ کی شعر گوئی کا بھی ایک خاص
ڈھنگ تھا یعنی جب شعر کہا احباب اور شاگردوں کے مجمع میں کہا۔ فکر شعر
کے لیئے خواہ مخواہ تخلیہ کی ضرورت نہ تھی۔ آپ شعر کہتے تھے اور کوئی
شاگرد لکھتا جاتا تھا۔ جب کہنے بیٹھتے تھے تو ایک دریا امنڈ آتا تھا چنانچہ
مثنوی فریاد داغ صرف دو دن کی فکر کا نتیجہ ہے۔ طبیعت اس قدر منجھ گئی
تھی کہ ذرا غور و فکر کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ دس پندرہ منٹ میں پوری
غزل کہہ دیتے تھے۔ تمام ہندوستان میں آپ کے بے شمار
شاگرد ہیں۔ ڈاک پر جو غزلیں آتی تھیں کبھی خود دیکھتے کبھی سن کر اصلاح
دیتے جو شاگرد سامنے ہوتا اس سے خود پڑھوا کر سنتے۔ حیدرآباد پہنچنے
سے قبل رام پور میں آپ نے علم استادی بلند کیا جس کا پھریرا تمام
ہندوستان میں لہرا رہا تھا۔ آپ کو خانی اور بہادری کا خطاب و دربار
شاہی تھا۔ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ کو پیشگاہ اعلیٰ حضرت سے "بلبل ہندوستان
جہاں استاد بیر الدولہ فصیح الملک نواب ناظم جنگ بہادر" بلا تکلف فصیح الملک بہادر
داغ دہلوی سے مخاطب کیئے جاتے تھے۔ باوجود اس قدر اعزاز و احتشام
کے غرور۔ تکبر۔ یا نخوت آپ کو چھو تک نہیں گئی تھی۔ بڑے ذی خلق منکسر المزاج
متواضع اور ملنسار تھے۔ خوش گو اور خوش گفتار ایسے تھے کہ آپ کے پاس سے
اٹھنے کو دل نہ چاہتا تھا۔ لوگوں کا بڑا جمگھٹا لگا رہتا تھا جو آتا شگفتہ خاطر ہو کر جاتا
چھوٹے بڑے امیر غریب سب کے آگے بچھے جاتے تھے۔ فراخ دل۔ فراخ
حوصلہ۔ سیر چشم۔ مخیر سب صفتیں خداداد تھیں۔ گانا بھی شوق سے سنتے
تھے۔ آپ کی شادی پندرہ برس کی عمر میں ہوئی تھی۔ آپ کی اہلیہ نے
۱۳۱۵ھ میں حیدرآباد میں وفات پائی۔ اولاد میں صرف ایک صاحبزادی
ہیں جو سائل صاحب کی اہلیہ ہیں اور جن کو بھی حیدرآباد سے چار سو روپیہ ماہانہ

کہ دارالسلطنت کو لوٹ لیا اور یہ بربادی اور غارت گری ایسی سخت ہوئی کہ پھر دلّی کو کبھی پنپنا نصیب نہ ہوا اسی اثنا میں قہر خدا نادر شاہ کی تشکل میں بشکل بلائے آسمانی نازل ہوا۔ بے گناہ اہل شہر کے سر بھٹے کی طرح اُڑنے لگے ہر گلی کوچے میں نادریوں کی خونریز تلواروں نے قیامت بپا کر دی خدا کی بے گناہ مخلوق ایک ایسی کثیر تعداد میں قتل کی گئی کہ شاہ راہوں کے رستے کشتوں کے پشتوں سے اٹ گئے۔ اس عظیم الشان واقعہ کے بعد نادر شاہ اسّی کروڑ کا مال و اسباب لوٹ کھسوٹ کر پلٹا۔ دلّی والوں کو یہ سارا خمیازہ محمد شاہ رنگیلے کی بدولت بھگتنا پڑا۔ نواب قدسیہ بیگم کی طبیعت نہایت موزوں تھی وہ شاعرہ بھی تھی اور رعنائی تخلص کرتی تھی۔ اُس کا ایک یہ شعر مشہور ہے ؎

ہم جانتے تھے آنکھ لگی دل کو سُکھ ہوا
کم بخت کیسی آنکھ لگی اور دکھ ہوا

عام طور پر یہ بات زبان زد خلایق ہے کہ بیگم صاحب کو یہ باغ بنا بنایا مل گیا تھا جس کو اُنھوں نے اپنے شوق اور سلیقے سے خوب بنایا سنوارا۔ عالی شان عمارتیں بنوا کر کھڑی کر دیں۔ متعدد ذرائع آب رسانی بنوائے جن کے بمبوں کے نشانات اب بھی نظر آتے ہیں۔ اب یہ باغ نہیں رہا بلکہ بمقابلہ حالت ماسبق کے جنگل کہا جائے تو بجا ہے۔ نہ کوئی بڑی عمارت باقی رہی نہ چمن۔ اب نہ کوئی محل ہے نہ بارہ دری۔ یاں جا بجا عمارات شکستہ کے ملبے کے ٹیلے دیکھ لو جن سے سمجھ لو کہ یہاں محل تھا وہاں بارہ دری تھی۔ پچھلی شان و شوکت۔ عظمت اور آراستگی کی یادگار۔ مشتے نمونہ از خروارے سب جا بجا ہے ایک صدر دروازہ اور دوبارہ دریاں۔ تین ٹکڑے دیواروں کے وہ بھی منفرق چند گری پڑی کوٹھریاں زمانے کی برباد اور فنا کن رفتار سے مقابلہ کر رہی ہیں اور اپنا نمونہ دکھلا کر یاد دلا رہی ہیں کہ اسی جنگل میں منگل تھا۔ یہیں سبزہ لہلہاتا تھا۔ یہیں نہریں دوڑتی تھیں۔ یہیں فوارے چھوٹتے تھے۔ یہیں جلسے اور جشن ہوتے تھے۔ آج جن کو تم ملبے کا ڈھیر کہتے ہو یہی عالی شان محلات نفیس ساز و سامان سے آراستہ تھے۔ انھیں میں بادشاہ بیگمات۔ شہزادے شہزادیاں۔ لونڈیاں۔ باندیاں۔ قلماقنیاں۔ اُردا بیگنیاں۔ گارڈنیں۔ خواجہ سرا

روز رحلت کہ از صفر یک بود | خانہ پر شد ز شیون و فریاد
گفت رضوان چو دید روحش را | مسکن ایں بکاخ جنت باد

(۱۰۸ و ۹) قطب بوڈے کے کنارے (۱) شیخ المشایخ میاں شیر علی صاحب الحسن گڈھی رحمت اللہ علیہ وصال تاریخ ۶ ۶ ۶ سنہ ہجری نبوی مرحمت مرقد ہذا تاریخ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ ہجری نبوی ۲۴ جنوری ۱۹۱۹ء خادم پیرجی مہر علی شاہ حسن گڈھی۔ (۲) بسم اللہ۔ آستانہ قطب الاعظم محبوب عالم معدن الجود والکرم مخزن فیض اتم شیخ المشایخ حضرت پیرجی امیر علی شاہ صاحب عامل و کامل اولیاء قادری الحسن گڈھی رحمۃ اللہ علیہ کہ خلافت از غوث دوران قطب زمان قطب الاقطاب حضرت سید شاہ طٰہٰ قطب الدین مخدوم جہانیانی قادری الکوتانوی رحمۃ اللہ علیہ یافتہ تاریخ وصال ۲۵ ذی الحجہ یوم پنجشنبہ ۱۲۷۰ھ ہجری نبوی عمرہشتاد و ہفت سال سال بود نوراللہ مرقدہ۔ مرقد ہذا احد امجد نقیر مہر علی غفرلہ۔ مرقد شریف کی تعمیر تاریخ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ نبوی خادم پیرجی فقیر مہر علی ولد میاں پیرجی مہربان علی شاہ صاحب ساکن قصبہ حسن گڈھ ضلع رہتک۔

تکیہ دین علی شاہ شب و روز جذب کی حالت میں رہتے تھے۔ اکثر موتیا کھان کی طرف پھرا کرتے تھے اور وہیں کسی گوشے میں پڑ رہتے تھے۔ پھر قدم شریف کے نواح میں ایک گنبد میں رہنے لگے۔ بسبب کمال از خودرفتگی کے برہنہ مطلق رہتے تھے اور ہجوم خلایق کے وقت کلمات بے صرفہ زبان پر بہت جاری رہتے تھے لیکن اہل حاجات جب اُن کلمات کی طرف توجہ کرتے تھے تو وہ باتیں جو اہل ظاہر کے نزدیک طائل اور بے محل ہیں بعینہ اُن سب کے مطالب اور حاجات کا جواب ہوتی تھیں اور طرفہ یہ کہ سوالات مختلف کا جواب اُنھیں باتوں سے ہر ایک کو حاصل ہو جاتا تھا اور اکثر اوقات خوارق عادات آپ سے ظاہر ہوتی تھیں۔ یہاں ایک مسجد بے چھت کی ہے محض چبوترا بنا ہوا ہے اور اسی کے صحن میں آپ کا پختہ مزار ہے جس پر بخط عربی "دین علی شاہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ" لکھا ہوا ہے۔ چبوترے کے نیچے تہ خانہ ہے جس کے اندر کئی پختہ قبریں ہیں۔ گنبد کا پتہ نہیں چلتا کہ کس کا ہے مگر طرز عمارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم ہے اس میں بھی دو قبریں ہیں۔ بجانب مشرق

اور جس جگہ تھا وہ جگہ بھی دروازے کی پیشانی پہ موجود ہے۔

ڈاک کا انتظام کوس منارے اور سرائیں

سیوستان[1] (سیوان) ملتان تک دس دن کا رستہ ہے اور ملتان سے دار الخلافہ دہلی تک پچاس دن کا۔ جو خبر اخبار نویس بادشاہ کو لکھتے ہیں وہ اس کے پاس ڈاک کے ذریعے سے پانچ دن میں پہنچ جاتی ہے۔ ڈاک کو اس ملک میں برید کہتے تھے۔ برید عربی میں قاصد اور بارہ میل کے فاصلے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں ڈاک چوکی کو جسے دکن میں ٹپہ کہتے ہیں۔ اسی کو ترکی میں الاغ اور فارسی میں چپار کہتے ہیں۔ ڈاک دو قسم کی ہوتی تھی ایک گھوڑے کی دوسری پیادوں کی۔ گھوڑے کی ڈاک اولاق کہلاتی تھی۔ ہر چار کوس پہ گھوڑا بدلتا تھا یہ گھوڑے بادشاہ کی طرف سے رہتے تھے۔ پیدلوں کی ڈاک کا یہ انتظام تھا کہ ایک میل میں جس کو وہ کروہ[2] کہتے تھے

---

[1] فرشتے نے محمد بن قاسم ثقفی کے ذکر میں لکھا ہے "بعدہ از تسخیر آن شہر بیرا گرفتہ متوجہ بلدہ سیوستان کہ دریں عصر بہ سیوان شہرت دارد وارد گردید" سیوان اب کراچی کے ضلع میں ایک تعلقہ ہے۔ کراچی سے (۱۹۰) میل۔ پانچ ہزار کے قریب آبادی ہے۔ شہباز قلندر کی مشہور خانقاہ بھی اسی شہر میں ہے جو ۵۶۲ھ میں بنی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس شہر کا قلعہ سکندر اعظم کا بنایا ہوا ہے۔ شہر کے قریب ایک جھیل منچھر نام کی ہے جس کا پانی برسات میں ۲۰۔۱۰ میل پھیل جاتا ہے۔

[2] ابو الفضل نے لکھا ہے "نزدیک سیوہاں بزرگ کولابیست دراز و دو منزل راہ اترا منچور گویند بر فراز آب زینہا ساختہ بر سفینہ ماہی گیراں بسر می برند" ۱۲ کروہ اور کوس ایک ہی بات ہے۔ کوس کی درازی ہندوستان کے مختلف حصوں میں مختلف تھی اور اب بھی مختلف ہے۔ شمالی ہندوستان اور پنجاب کا کوس انگریزی سوا میل کا ہوتا تھا گنگا کے کنارے جو ملک واقع تھے ان کا کوس ۲ ½ انگریزی میل ہوتا تھا اور بندیل کھنڈ اور دکن میں چار میل کا کوس ہوتا تھا۔ ابن بطوطہ جو دہلی میں ۱۳۴۱ء میں آیا تھا یعنی محمد بن تغلق کے عہد میں اور اس کا ہم عصر تھا کو پورا فاصلے کی تعداد منزلوں میں لکھتے ہیں لیکن منزل کی کوئی معیار نہیں۔ دولت آباد کا فاصلہ دہلی سے آٹھ سو میل یعنی جس کو چالیس دن کا فاصلہ لکھا ہے اس شرح سے بیس میل یعنی (۱۵) کوس کی ایک منزل ہوئی جو بہت موزوں ہے۔ لیکن ملتان دہلی سے پانسو میل سے زیادہ نہیں اس کو ابن بطوطہ نے پچاس دن کا رستہ لکھا ہے سیوان سے ملتان تک ۴۰۰ میل ہے تقریباً اسی قدر جس قدر دہلی سے ملتان لیکن اس کو دس دن کا راستہ لکھا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ دریا پر چلنے والی کشتی اس عرصے میں پہنچ جائے بظاہر ان فاصلوں کے لکھنے میں ابن بطوطہ سے سہو ہوا ہے۔ ۱۲

پڑھا نہیں جاتا ہے گو اس میں بھی کہیں کہیں حروف جھڑ گئے ہیں کیوں کہ چونے کے ابھرے ہوئے حروف بہ نسبت پتھر میں کھدے ہوؤں کے بہت کم پائدار ہوتے ہیں۔ بہر حال پوری سورت منقوش تھی۔ تھوڑا سا حصہ شروع کا اور تھوڑا سا آخر کا ضائع ہو گیا ہے۔ دروازے کی دونوں جانب چینی کے کام کے طغرے میں کلمۂ طیبہ منقوش ہے اور اسی طرح چاروں دروازوں پر ہے۔ چبوترا گنبد کا پختہ اور ہشت پہل ہے جس کا ایک ضلع ۱۳ گز کا ہے اور تین فیٹ اونچا ہے۔ احاطے میں بہت سی قبریں ہیں چنانچہ اب بھی دو تعویذ سنگ مرمر کے اکھڑے پڑے ہیں ایک پر صرف یا حیُّ یا قیُّوم کا طغریٰ ہے باقی سادہ دوسرے پر کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ کا طغریٰ ہے اور گرد پوری یٰسین شریف بہ خط نسخ کندہ ہے۔ احاطے کا صدر دروازہ بجانب مغرب ہے جس کے اوپر سہ دری ہونے کے علاوہ اندر چھتے کے دونوں جانب بغلی سہ دریاں ہیں اور سامنے بھی دروازے کے دو طرفہ سہ دری اور اسی ہیں اوپر چڑھنے کا زینہ بھی ہے جس کی انیس سیڑھیاں ہیں صدر دروازے کے باہر دو دو در کی صحنچیاں بھی ہیں۔ احاطے کے کونے پر دو برجیاں ہشت دری سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہیں

ایک نامعلوم گنبد سید عابد کے مقبرے سے تھوڑی ہی دور جنوب کی طرف ایک چھوٹا سا گنبد کھڑا ہے جس کی چاروں چوکھٹیں لوگ اکھاڑ لے گئے ہیں نہ فرش باقی ہے نہ قبر۔ اندر کا پلاستر بالکل جھڑ گیا ہے۔ گنبد کا قبہ درست حالت میں ہے۔ خدا معلوم کس کا ہے۔

منڈی مسجد ریلوے لین کی داہنی جانب بالکل فننگ سے ملی ہوئی ٹیلیگراف پول نمبر ۹۵/۱ و ۹۵/۲ کے بیچ میں ایک قدیم مگر شکستہ مسجد ہے چوں کہ اس کے مینار نہیں اور نہ گنبد ہیں بلکہ اوپر سے چھت سپاٹ ہے اس وجہ سے لوگ منڈی مسجد کہنے لگے ہیں۔ اس کے تین در ہیں۔ پتھر چونے کی بنی ہوئی ہے۔ اندر باہر سے پلاستر جھڑ کر خالی پتھر نکل آئے ہیں گو اوپر سے چھت ہموار ہے مگر اندر گنبد بنائے ہیں بیچ کا بڑا ادھر ادھر کے چھوٹے۔ صحن مسجد ریلوے لین میں آ گیا داہنی طرف کا در قائم ہے۔ بیچ کے در کے گنبد میں سوراخ پڑ گیا ہے۔ بائیں

تن میں صدر دروازہ پچھاں کی طرف ہے یہی دروازہ شارع عام پر اور درست حالت میں ہے لیکن سرائے بڑی اور رہنے والے معدودے چند اور پڑے آن کر جنگل میں کہ چو طرف آبادی کا نام نہیں چور چکار کے ڈر سے عارضی طور پر لوگوں نے چن لیا جنوب کا دروازہ پورا گر گیا اور شمال کا آدھا گرا ہوا اب لے دے کے ایک دروازہ مشرق کا رہ گیا ہے وہ بھی گرا پڑا ہے اب اسی میں سے آمد و رفت ہے چاروں کونوں پر چار نصف دائرے کی شکل کے حجرے ہیں۔ باقی چوطرف وسیع مستحکم اور پختہ چونے اور پتھر کی ساخت کے حجرے ہیں۔ یہ سرائے اندر سے ۲۳۰ مربع ہے بیچ میں ایک مسجد تھی جو بالکل منہدم ہو گئی ایک ٹکڑا دیوار کا کھڑا ہے اور باقی ملبے کا ڈھیر۔ اب یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ مسجد تھی ہاں جنھوں نے دیکھا ہے وہ مسجد بتلاتے ہیں اور قبلہ رو دیوار کے حصے سے بھی ایسا ہی معلوم دیتا ہے اور قدیم زمانے کی سراؤں کے بیچ میں مسجد ہوا بھی کرتی تھی۔ چاروں دروازوں کے بغل میں دونوں طرف اوپر چڑھنے کی سیڑھیاں ہیں۔ گرد (۱۰۰) کوٹھڑیاں ہیں جن میں سے بہت سی گر گئیں بہت سی کھڑی ہیں یہ کوٹھڑیاں ۳ گز مربع ہیں کوٹھڑیوں کی چھت پر سے کنگورے کی اونچائی ۱/۲ ۷ فٹ ہے۔

ایک نامعلوم منہدمہ گنبد

عظیم گنج کی سرائے کے شرقی دروازے کے سامنے ہی ایک نامعلوم گنبد ہے۔ جس کا کلس گر گیا ہے۔ بہت خستہ و خراب حالت میں ہے۔ چاروں چوکھٹیں لوگ اکھاڑ لے گئے۔ گنبد بھاری تھا نہ لے جا سکے ورنہ اسے بھی لے جاتے۔ یہ گنبد پتھر چونے کا پختہ بنا ہوا ہے اور چودہ فیٹ مربع۔ چار طرف چار دروازے اندر سے چورس مگر باہر سے ہشت پہل ہے۔ بھلا جب گنبد کی ایسی تباہ حالت ہے تو قبر کا کیا ٹھکانا

دس قبروں والا منہدمہ گنبد

اور آگے بڑھیے تو ایک عجیب ہیبت ناک نظارہ پیش نظر ہوتا ہے ایک پختہ ۲۰ گز مربع کرسی دار چبوترا ہے جس پر دس قبریں پختہ بنی ہوئی ہیں ایک قبر کے تعویذ پر کلمہ لکھا ہوا ہے۔ باقی سادی ہیں۔ تین طرف تو کوئی دیوار نہیں مگر مغرب کی طرف ایک دیوار کھڑی ہے جس کے اوپر کا حصہ اور چھت گر گئی ہے صرف اجارے تک کی دیوار باقی ہے۔ اس میں تین زمین دوز طاق بنے ہوئے ہیں ایک گر گیا دو باقی ہیں

رشادابی نمایاں ہیں۔ گو وہ بہار نہیں جو کبھی پہلے تھی مگر اس ویرانے کے
مقابلے میں تو یہ بھی بسا غنیمت ہے۔ اورنگ زیب کا من چلا مگر نا عاقبت اندیش فرزند
محمد اعظم شاہ جو آگرے میں اپنے بھائی سے جنگ کرنے میں مارا گیا۔ اورنگ زیب کا
پوتا جہاں دار شاہ۔ فرخ سیر جس کو اس کے وزیر اعظم نے زہر دیا تھا۔ شمس الدین ابو البرکا
نوجوان عنفوان شباب کے دو گل ہائے نایاب رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ جو
باری باری سے صرف تین تین مہینے تک دہلی کے تخت پر رونق افروز رہے
اور سب سے آخر عالم گیر ثانی جو اپنے وزیر اعظم عماد الملک کی اشتعالک سے مارا گیا۔
علاوہ ان کے دوسرے شاہزادے اور شاہزادیاں اور بیگمات اور ان کے
حوالی موالی جن کے نام نامی اور اسمائے گرامی سے کتب تاریخ منور ہیں سب کے
سب اپنے اپنے نامدار آقاؤں کے ساتھ ملے جلے میٹھی نیند سو رہے ہیں۔
اللہ اللہ کیا کیا لوگ تھے کہ جب تک جیئے رفاقت کا دم بھرتے رہے اور جب مر گئے
تو بھی ساتھ نہ چھوڑا۔ اسی مقبرے میں مغلیہ خاندان کے آخری شاہنشاہ ابو ظفر
محمد سراج الدین بہادر شاہ برد اللہ مضجعہ نے ۱۸۵۷ء کے غدر میں قلعہ چھوڑ کر پناہ لی
تھی اور یہیں سے ان کو گورنمنٹ برطانیہ نے گرفتار کر کے رنگون کو جلا وطن کیا تھا
یہی وہ عبرتناک مقام اور غمناک خطہ ہے جہاں بادشاہ کے نور نظر اور لخت جگر شاہزادگان
مرزا مغل۔ مرزا خضر سلطان اور مرزا ابو بکر کے سر کاٹ لیے گئے۔ جمنا کے کنارے
ایک بہت بڑے احاطے کے اندر یہ مقبرہ واقع ہے جس میں داخل ہونے کے
دو عظیم الشان سر بفلک گنبد دار دروازے ایک مغرب میں دوسرا جنوب میں ایسے
پرشان اور نفیس بنائے ہیں کہ جن سے مقبرے کی عالیشان عمارت کو چار چاند لگ
گئے ہیں۔ مغربی دروازے میں بہت اچھے اچھے مختصر مکانات بنے ہوئے ہیں
کہ لطافت اور دل کشائی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے۔ دروازے میں ہر مکان میں
جانے کا جدا جدا رستہ ہے اور خوب صورت سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جنوبی دروازے
میں اگرچہ مکانات نہیں ہیں لیکن دروازے کے گرد وروں کے بننے اور چوبرجی
کے ہونے سے عجب نمودار شان نکل آئی ہے۔ یہ دروازے بھی گویا بہشت کے دروازے
ہیں اور سنگ سرخ رخام کے بنے ہوئے ہیں لیکن سنگ رخام ایسا خوش رنگ دودھیا

اور چار چھوٹے ہیں اور قطر ۶۲ فٹ ہے۔ چبوترے کے اوپر سے گنبد کی اونچائی ستر فیٹ ہے جس پر سنگ سرخ کا چھ فیٹ اونچا کلس ہے۔ گنبد کے چوڑے چار ضلعوں میں چار گہری نوکدار دیوار دوز محرابیں ہیں جن میں ایک ایک دروازہ اور دروازوں سے کوئی تین فیٹ اوپر دوار کو ایک ایک چھوٹی سی کھڑکی ہے۔ محرابوں دیواروں اور پیشانی پر انواع واقسام کے نقش ونگار اور بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ گنبد کے اسطوانے کے اوپر سب طرف پست محرابیں ہیں۔ اب اس گنبد میں مویشی باندھے جاتے ہیں جو بڑی عبرت کا مقام ہے۔ اس قابل قدر عمارت کی حالت خستہ وزار دیکھ کر دل پر سانپ لوٹ جاتا ہے۔ کس شوق سے بنایا ہوگا اور کس طرح ناقدردانی کے ہاتھوں مسمار ہورہا ہے۔

مقبرۂ عبدالرحیم خاں خانخاناں[1]

۱۰۳۶ھ
۱۶۲۶ء

میاں فہیم کے مقبرے کے پاس ہی اس سڑک کی داہنی طرف جو ہمایوں کے مقبرے سے بارہ پلے کو جاتی ہے عبدالرحیم خاں المخاطب بہ خان خاناں۔ اُس بیرم خاں کا بیٹا ہے جو ہمایوں بادشاہ کا مصاحب دوست اور جنرل تھا۔ عبدالرحیم خاں کی ماں جمال خاں میوات کے ایک رئیس کی لڑکی حسن خاں میواتی کی بھتیجی تھی بڑی بہن بادشاہ کے محل میں تھی چھوٹی وزیر کی حرم سرا میں۔ خالو بادشاہ نے خود عبدالرحیم نام رکھا۔ مبارک مولود کی ولادت خاص لاہور میں ہوئی۔ دربار اکبری میں عبدالرحیم خاں کی بڑی وقعت تھی اور مورد مراحم خسروانہ تھا۔ بڑے بڑے عہدوں پر مامور وسرفراز ہوا۔ اسی نے گجرات کے نہایت خطرناک بلوے کو فرو کیا۔ سندھ کا ملک فتح کیا اور تا اختتام زمان سلطنت اکبر ملک دکن کا بھی انتظام کرتا رہا۔ جہانگیر کے زمانے میں بمصداق ہر کمالے را زوالے اس کے نیر اقبال میں زوال آیا۔ جہانگیر کے بیٹے شاہزادہ خورم سے اس کے تعلقات

[1] دیہاتی لوگ خان خاناں کے مشکل لفظ کا صحیح تلفظ نہیں کرسکتے وہ اپنی بولی میں اسے ڈھنکھنا گنبد کہتے ہیں۔ ۱۲

نقشہ مقبرہ خانخانان
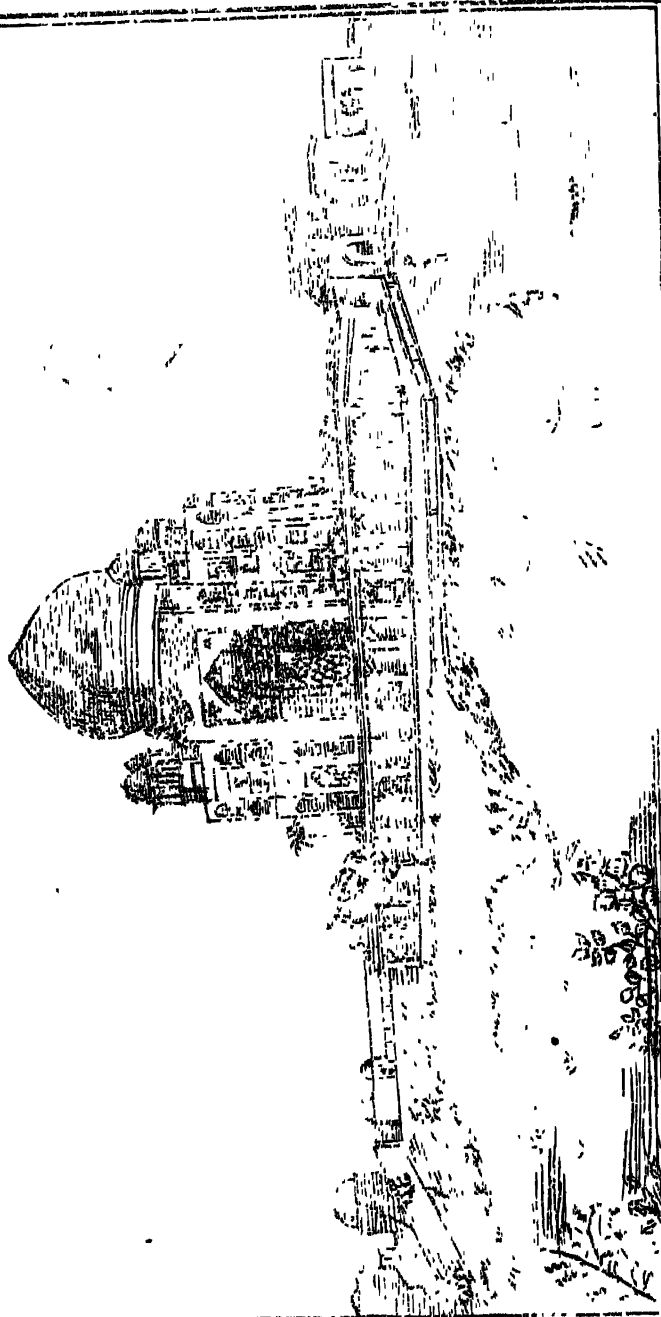
اچھے نہ سے کچھ بنجھ نہ سکی۔ کبھی ایک طرف جھک جاتا کبھی دوسری طرف۔ مہابت خاں نے عبد الرحیم خاں کو قید کیا اور بادشاہ کے حکم سے دہلی اور پھر لاہور بھیج دیا۔ لاہور میں وہ ایسا بیمار ہوا کہ دہلی میں اخیر وقت آیا اور آتے ہی ۱۰۳۶ھ؁ (۱۶۲۶ء) میں مرگیا۔ مسٹر ارسکن (Erskine) لکھتا ہے کہ "عبد الرحیم کے حالات اور واقعات ایسے ہیں کہ اگر لکھے جائیں تو گویا سلطنت مغلیہ کی نصف صدی کی تاریخ ہو۔ اس کے علم و فضل۔ دانشمندی۔ فراست۔ بہادری اور فیاضی کا بڑا شہرہ تھا" گنبد پختہ پتھر چونے سے بنا ہوا ہے جو چودہ فیٹ بلند اور ۱۰۰ فٹ مربع اور چالیس فٹ چوڑے چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ چبوترے کی چاروں طرف سترہ سترہ محرابیں ہیں جن میں سے چودہ تو دیوار دوز ہیں اور باقی میں سے حجروں میں جانے کا رستہ ہے۔ چبوترے کے جنوب رخ (۱۴) سیڑھیاں ہیں۔ اور کچھ ٹوٹ گئی ہیں۔ گنبد ہشت پہل ہے جس کے چار ضلعے لمبے اور چار کوتاہ ہیں قطر ۸۵ فٹ ہے۔ کوتاہ ضلعوں میں ایک کے اوپر ایک دو محرابیں ہیں جو راستے ہیں۔ غلام گردشوں کے جو درمیانی حجرے کے اطراف ہیں چھت بھی کوتاہ ضلعوں پر ہے اس پر ایک برج ہے۔ طویل اضلاع کی طرف بڑی بڑی دیوار دوز دہری محرابیں ہیں اندر والی چھوٹی محرابوں میں سنگین جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ انھیں میں سے ایک محراب میں سے گنبد میں جانے کا دروازہ ہے۔ چبوترے پر سے گنبد کی چھت ۷۳ فٹ اونچی ہے اور چھت سے گنبد کی چوٹی ۲۵ فٹ اور زیادہ ہے۔ اب یہ گنبد گاؤں والوں کے قبضے میں ہے اور ملحقہ کھیتوں کے غلّے کا انبار خانہ ہے۔ آصف الدولہ کی وزارت کے زمانے میں اس کا تمام سنگ مرمر اکھڑوا لیا گیا اور وہ گنبد جو اس قدر اہتمام سے بنایا گیا اور سر سے پا تک آراستہ تھا ننگا بُچا کر دیا گیا۔ گنبد اور دیواروں کے بیش قیمت پتھر تو سب ندارد ہیں اب خالی دیواریں کھڑی ہیں جن پر گھانس اور جھاڑیاں اُگ آئی ہیں۔ جب سارے گنبد کی یہ گت بنی ہے تو قبر کا پتہ کہاں اُس کا سنگ مرمر کا تعویذ ندارد ہے اب قبر کا نشان صرف ایک مٹی کا ڈھیر سمجھ لو اور بس۔ ہم کو اس گنبد کی نہایت بد رونق اور خستہ حالت دیکھ کر سخت ملال ہوا کس اہتمام سے اور کس نفاست سے

بنایا گیا اور کیوں کر پامال ہوا۔ اس کے بیچ میں ایک بڑا گنبد ہے اور چاروں کونوں کی چار نفیس ہشت پہلو بُرجیاں سنگ سرخ کی ہیں۔ یہ مقبرہ اُس سڑک کے کنارے ہے جو دلی سے ہوڈل۔ پلول۔ فرید آباد کو جاتی ہے۔ ہمایوں کے مقبرے کے قریب ہی مغرب وجنوب کے کونے میں ہے گنبد پر ضرور سنگ مرمر کی سلیں ہوں گی وہ اس بے دردی سے نکالی گئی ہیں کہ سارا پلاستر تک اُکھڑ گیا وہ تو یہ کہو کہ کچھ مال مسالا ہی اس بلا کا مستحکم ہے جو گنبد اب بھی کھڑا ہے ورنہ کبھی کا بیٹھ گیا ہوتا۔ جب سے جمنا کا نالہ نکلا ہے اور بھی ٹھیکہ داروں نے ہاتھ صاف کیا اور عمدہ نفیس پتھر مال مفت دل بے رحم سمجھ کر اکھاڑ لے گئے کہ دیواروں کی بھلیں کی بھلیں کھود ڈالیں۔ تمام روکار کی پتھر کی سلیں کچھ پہلے نکالی گئیں رہی سہی اب لوگ لے گئے کیوں کہ کوئی پرسان حال نہیں۔ گاؤں والوں نے جابجا پکا کر کالا کر دیا اور اس طرح اس قابل قدر عمارت کی مٹی پلید کی ہے کہ کہا نہیں جا سکتا۔ اس کا صدر دروازہ سڑک کے جانب ہے۔ یعنی مشرق رویہ ہے۔ بیچ میں بڑی اونچی محراب ۵۰ فٹ بلند اور ۲۸ فٹ چوڑی ہے اور داہنے بائیں طرف کی محرابیں بلندی میں صدر محراب سے کم ۱۲ فٹ۔ ۶ فٹ چوڑی ہیں۔ علاوہ سنگ سرخ کے چبوترے کے جس کا ذکر آیا نیچے ایک سنگ رخام کا چبوترا بھی ہے جو ۳ فٹ۔ ۳ انچ اونچا ہے پہلے چبوترے پر اب صرف ربل ستون (بن گھڑے پتھروں) کا فرش ہے۔ مغرب کی طرف باہر وار محراب میں ایک قبر بھی ہے۔ شمال کی محراب میں بھی اسی طرح کی ایک قبر تھی جو کسی نے کھود کر پھینک دی۔ یہ گنبد سہ منزلہ ہے۔ پہلی منزل کی نو سیڑھیاں ہیں۔ دوسری منزل کی سیڑھیاں ٹوٹ گئی ہیں اندازے سے (۱۵) سیڑھیاں رہی ہوں گی۔ تیسری منزل کی (۱۹) سیڑھیاں ہیں۔ گنبد کے اندر اب صرف چونے کا ایک ڈھیر ہے اُسے قبر سمجھ لو یار لوگ اس کا تعویذ تو تعویذ پتھر تک بھی اکھاڑ لے گئے۔ فرش تو رہا ہی نہیں۔ گنبد کے اندر بہت سے کتبات بخط طغریٰ محرابوں پر تھے مگر سب چونے میں منقش تھے بہت سے تو پلاستر کے ساتھ جھڑ گئے جو بچ رہے ہیں وہ ایسے کچ لپیٹ کے ہیں کہ کسی طرح پڑھے نہیں جاتے۔ مغرب کی جانب کی محراب کی دونوں طرف

کلمۂ طیبہ کا طغریٰ عجیب خوش وضع اور خوش خط ہی۔ یہ خط کوفی سے ملتا جلتا ہی مگر نیّر روشن ہی۔ اسی محراب کے اندر روار جانب شمال وجنوب دو طرفہ قل ھو اللہ کا طغریٰ ہی مشرق میں قل اعوذ اور مغرب میں قل اعوذ برب الفلق۔ جنوبی محراب پر یا مالک یا حافظ کا سی۔ اُلٹا طغریٰ ادھر سے بھی پڑھ لو اُدھر سے بھی۔ محراب کی دونوں طرف یہی طغریٰ ہی۔ اسی طرف چھوٹی محراب پر کل من علیھا فان تا والاکرام۔ یہی کتبے چاروں طرف ایک کے جواب میں ایک موجود ہیں۔ لیکن اصل کتبہ جس سے معلوم ہو سکے کہ کس کا گنبد ہی اور کب بنا ہی رہا ضرور ہوگا مگر اب نہیں ہی جب ساری سلیں سنگ مرمر کی چُن چُن کر لے گئے تو یہ ظالموں کے ہاتھ سے کیسے بچ سکتا تھا۔ یہ گنبد ایسا خراب وخستہ ہو گیا ہی کہ مرمت کے قابل بھی نہ رہا۔ ہزاروں روپیہ جب خرچ کیا جائے تو کچھ سنبھل سکتا ہی۔ اب بھی جا بجا سنگ سرخ کی مصفا سلیں ستون پتھر کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں۔ جس کا جی چاہتا ہی اُٹھائے جاتا ہی۔ غالباً اس کی ایسی خستہ حالت ہی کی وجہ سے گورنمنٹ نے اسے عمارات محفوظہ میں نہیں لیا۔ بہر حال موجودہ حالت میں بھی اس عالی شان عمارت کو دیکھ کر ہم اپنے ذہن میں اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب کبھی اپنی اصلی حالت میں ہوگا تو کیسا رہا ہوگا۔ چوں کہ عبدالرحیم خاں خاناں دورِ اکبری کا ایک رکن رکین تھا لہٰذا اس کے دلچسپ حالات ہم ذرا تفصیل سے بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہی کہ مولانا آزاد سے بہتر کون لکھ سکتا ہی لہٰذا اُسی کی نقل علیٰ سبیل الاختصار پیش کی جاتی ہی جس میں اظہار واقعات کے علاوہ زبان کا بھی دہ مزہ ہی کہ سبحان اللہ۔ سنہ ۹۶۴ھ میں بیرم خاں کا بڑا اقبال کی جوانی میں لہلہا رہا تھا۔ ہیموں کی مہم مار لی تھی۔ اکبر شکار کھیلتے لاہور کو چلے آتے تھے۔ جو نغمۂ بلبل کے سروں میں کسی نے آواز دی کہ بڑا بیٹے سے باغ میں رنگین پھول مبارک ہو۔ فتح کی خوشی میں یہ خوش خبری نیک شگون معلوم ہوئی۔ اس لیئے بادشاہ نے جشن کیا۔ وزیر نے خزانے لٹائے اور اپنے بیگانوں کو انعام واکرام سے مالامال کر دیا۔ یہ پھول قریب تین سال کے

ناز و نعمت کی ہوائیں اقبال کی شبنم سے شاداب تھا۔ دفعتہً خزاں کی نحوست ایسی بگولا بن کر لپٹی کہ اُس کے گلبن کو جڑ سے اُکھیڑ کر پھینک دیا اور گھاس پھوس کی طرح مدت تک رواں دواں کرتی رہی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کا ٹھکانا بھی کہیں لگے گا یا نہیں۔ ہم کا غذوں کے دیکھنے والے ترس کھاتے ہیں واے بر حال اُس کے رشتہ داروں اور ہواخواہ نمک خواروں کے۔ جب اُس کی اور اپنی حالت کو یاد کرتے ہوں گے تو چھاتی پر سانپ لوٹ جاتے ہوں گے۔ کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا مگر حق یہ ہے کہ ایسے ہی اونچے سے گرتے ہیں جب اس قدر اونچے پہنچتے ہیں کہ دیکھنے والے تعجب کرتے ہیں۔ یہ تارہ کہاں سے نکل آیا۔ خدا تر نوالہ دے خواہ سوکھا ٹکڑا۔ ماں باپ کا ہاتھ بچوں کے رزق کا چمچہ بلکہ اُن کی قسمت کا پیمانہ ہوتا ہے۔ جب بیرم خاں کے اقبال نے منہ پھیرا اور اکبر رقیبوں کی باتوں میں آکر دہلی آن بیٹھا۔ بیرم خاں آگرے میں رہ گئے۔ یہیں سے نحوست کا آغاز سمجھنا چاہیئے۔ حال یہ تھا کہ رفیق ساتھ چھوڑ کر دہلی چلے جاتے ہیں۔ عرضیاں جاتی ہیں تو اُلٹے جواب آتے ہیں۔ عرض معروض کے لیئے وکیل پہنچتا ہے تو قید۔ دربار کے طور بے طور۔ خبر آتی ہے تو وحشت ناک بچہ معصوم ان رازوں کو کیا سمجھتا ہوگا مگر اتنا تو ضرور دیکھتا ہوگا کہ باپ کی مجلس میں رونق نہیں۔ وہ امرا اور درباریوں کی بھیڑ بھاڑ کیا ہو گئی۔ باپ کس فکر میں ہے کہ میری طرف نہیں دیکھتا۔ بیرم خاں بے چارہ کیا کرے کبھی بنگالے کا ارادہ کرتا ہے۔ کبھی گجرات کا کہ حج کو چلا جائے اودھر رستہ نہیں پاتا۔ راجپوتانے کا رخ کرتا ہے۔ چند روز اودھر اُدھر پھرتا ہے۔ آخر پنجاب کو آتا ہے۔ کچا ساتھ اپنے حال کو سنبھالے کہ عیال و اطفال کو۔ آخر حرم سرا اور جواہر خانہ توشے خانہ وغیرہ بہت سے لوازمات اور اسباب کو بھٹنڈے میں چھوڑا اور آپ پنجاب میں آیا۔ بھٹنڈے کا حاکم اپنا نمک پروردہ۔ خاک سے اُٹھایا ہوا ہاتھوں کا پالا ہوا۔ چھوٹے سے بڑا کر کے حکومت تک پہونچایا ہوا اُس نے مال و عیال کو ضبط کر کے روانۂ دربار کر دیا۔ دہلی میں آکر سب قید۔ اسباب خزانے میں داخل وہ تین چار برس کا

بچہ روز کی پریشانی اور بے سروسامانی اور گھر والوں کی سرگردانی۔ روز نئے شہر نئے جنگل دیکھ کر حیران ہوتا ہوگا کہ یہ کیا عالم ہے اور ہم کہاں ہیں۔ میری ہوا خوری کی سواریوں اور سب کی دل داریوں میں کیوں فرق آگیا۔ جو لوگ ہاتھوں کی جگہ آنکھوں پر لیتے تھے وہ کیا ہو گئے۔ اس حالت کی تصویر سے تو رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں کہ باپ دربار سے رخصت ہو کر حج کو چلا۔ گجرات پٹن پر ڈیرے ہیں ابھی سورج جھلکتا ہے شام قریب ہے خیال یہ کہ اب خانخاناں آتا ہے خبر آئی کہ وہ تو مارا گیا۔ اس کے مرتے ہی فوج میں تلاطم مچ گیا۔ پل کی پل میں گھر بار افغانوں نے لوٹ لیا۔ کوئی گھوڑی لیئے جاتا ہے کوئی صندوقچہ کسی نے مسند گھسیٹ لی کوئی بچھونا لے چلا۔ اس بے کس مردے کے کپڑے تک اتار لیئے۔ لاش بے جان کو کفن کون دے کہ اپنی ہی جان کا ہوش نہیں۔ وہ تین برس کی جان کیا کرتا ہوگا۔ سہم کر رہ جاتا ہوگا ماں کی گود میں دبک جاتا ہوگا ڈرتا ہوگا اناکے پاس چھپ جاتا ہوگا۔ افسوس وہ بچاریاں کہاں چھپالیں کہ آپ ہی چھپنے کو جگہ نہیں۔ الہٰی تیری پناہ۔ عجب وقت ہوگا۔ شام غریباں اسی شام کو کہتے ہیں۔ رات قیامت کی رات گزری دن ہوا تو روز محشر۔ محمد امین دیوانہ اور زنبور وغیرہ لشکروں کے لڑنے والے تھے۔ اس وقت کچھ نہ بن آتی تھی۔ پھر بھی ہزار رحمت ہے کہ لٹے قافلے کو سمیٹا اور احمد آباد کو اڑے جاتے ہیں۔ موقع پاتے ہیں تو پلٹ کر ایک ہاتھ مار جاتے ہیں۔ اس وقت ان پاشکستہ عورتوں کو جن میں سلیمہ سلطان بیگم اور یہ تین برس کا بچہ بھی شامل ہے نکلنا غنیمت ہے۔ لٹیرے اب بھی دست بردار نہیں ہوے پیچھے پیچھے لوٹتے مارتے چلے آتے ہیں۔ معصوم بچہ سہما ہوا ادھر ادھر دیکھتا ہے اور رہ جاتا ہے۔ کون دلاسہ دے اور دے تو ہوتا کیا ہے۔ الہٰی وہ وقت تو دشمن ہی کو نصیب کیجو۔ ان مصیبت زدوں نے لڑتے مرتے احمد آباد میں جا کر دم لیا۔ کئی دن میں گئے ہوے حواس ٹھکانے آئے۔ صلاح ہوئی کہ دربار کے سوا پناہ نہیں ہے۔ پھر چلنا چاہیئے۔ چنانچہ چار مہینے کے بعد ضروری سامان بہم پونہچا کر روانہ ہوئے۔ یہاں بھی خبر پونہچ گئی تھی چغتائی دریا دلی اور اکبری عفو و کرم کے

دریا میں لہر آئی۔ ان کے لیئے فرمان بھیجا۔ خان خاناں کے مرنے کا رنج والم اور اُن کی تباہی کا افسوس تھا۔ ساتھ ہی بڑے ولاسے اور دلداری کے ساتھ لکھا کہ عبد الرحیم کو تسلی دو اور بڑی خبرداری اور ہوشیاری سے لے کر دربار میں حاضر ہو۔ یہ اطمینان کا تعویذ اُنھیں جالور میں ملا۔ بڑا سہارا ہو گیا ہمت بندھ گئی اور حضور میں پہنچے۔ اس لٹے قافلے کے واسطے وہ وقت عجب مایوسی اور حیرانی کا عالم ہوگا جب کہ بابا زنبور سب تباہی زدوں کو لے کر آگرے میں پہنچے ہوں گے۔ عورتوں کو محل میں اُتارا ہوگا۔ اس یتیم بچے کو جس کا باپ ایک دن دربار کا مالک تھا۔ بادشاہ کے سامنے لاکر چھوڑ دیا ہوگا اندر شکستہ پا عورتوں کے دل دھکڑ دھکڑ باہر اُس کے قدیمی نمک خوار دعائیں کرتے ہوں گے کہ الٰہی باپ کی خدمتوں کو پیش نظر لائیو۔ چغتائی سلسلے میں ان چند بادشاہوں کا حال خطا بخشی کے معاملے میں قابل تعریف ہے۔ دشمن بھی سامنے آتا تھا تو آنکھ جھک جاتی تھی۔ بلکہ اُس کی جگہ خود شرمندہ ہو جاتے تھے۔ خطا کا ذکر نہ تھا۔ بھلا یہ تو بچہ معصوم تھا وہ بھی بیرم کا بیٹا جس وقت سامنے لائے۔ اکبر کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے گود میں اُٹھا لیا۔ اُس کے لیئے وظیفے اور تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں اور کہا کہ اس کے سامنے کوئی خان بابا کا ذکر نہ کیا کرو۔ بچہ ہے دل کڑھے گا بابا زنبور نے رو کر کہا حضور یہ بار بار پوچھتے ہیں راتوں کو چونک اُٹھتے ہیں کہ کہاں گئے۔ اب تک کیوں نہیں آئے۔ اکبر نے کہا کہہ دیا کرو کہ حج کو گئے ہیں۔ خانہ خدا میں پہنچ گئے بچہ ہی باتوں میں بہلا لیا کرو۔ دیکھو اسے ہر طرح خوش رکھو۔ اسے یہ نہ معلوم ہو کہ خان بابا سر پر نہیں۔ بابا زنبور یہ ہمارا بیٹا ہے۔ اسے ہمارے پیش نظر رکھا کرو ۹۶۹ھ میں یہ واجب الرحم بچہ دربار اکبری میں پہنچا تھا۔ اس کے باپ کے جانی دشمن اب ارکان دولت تھے۔ وہ یا اُن کے خوشامدی ہر وقت حضور میں رہتے تھے۔ اکثر ایسے تذکرے کرتے تھے۔ جن سے بیرم خاں کی باتیں اکبر کو یاد آجائیں۔ اور اُس کی طرف سے کھٹک جائے۔ اکثر ان میں سے کھلم کھلا سمجھاتے تھے لیکن اکبر کی نیک نیتی اور اس لڑکے کا اقبال تھا۔

کچھ بھی نہ ہوتا تھا۔ بلکہ غیروں کے دل میں اُن باتوں سے رحم پیدا ہوتا تھا۔ اکبر اُسے مرزا خاں کہا کرتا تھا۔ ہونہار لڑکا اکبری سایہ میں پرورش پانے لگا اور بڑا ہو کر ایسا نکلا کہ مورخ اُس کی لیاقت علمی کی گواہی دیتے ہیں۔ بلکہ علمیت سے زیادہ تیزی فکر اور قوت حافظے کی تعریف لکھتے ہیں علوم وفنون کی کیفیت اور اثنائے تحصیل اور حد تحصیل کی شرح کسی نے نہیں کھولی۔ قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے ابتدائے عمر کو اور امیرزادوں کی طرح کھیل کود میں برباد نہیں کیا کیوں کہ جب وہ بڑا ہوا تو علمار کا قدر دان تھا۔ اہل تصنیف اور شعرار کو عزیز رکھتا تھا خود بھی شاعر تھا۔ زبان عربی سے واقف تھا اور بے تکلف بولتا تھا۔ زبان ترکی اور فارسی جو اُس کے باپ دادا کی میراث تھی اُسے جانے نہ دیا۔ حاضر جواب۔ لطیفہ گو۔ بذلہ سنج۔ بلبل ہزار داستان تھا۔ سنسکرت میں بھی اچھی لیاقت حاصل کی تھی۔ فن جنگ میں اعلیٰ درجے کی لیاقت رکھتا تھا اس کے باپ کے چند وفادار جاں نثار ساتھ تھے۔ جو محبت کی زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے اور اپنی قسمتوں کو اس ہونہار بااقبال کے ہاتھ بیچے بیٹھے تھے۔ اس اُمید پر کہ اس کے ہاں مینہ برسے گا تو ہمارے گھر میں بھی پرنالے گریں گے۔ حرم سرا میں کچھ شریف زادیاں اور پرستاریں تھیں جو وفاداری کے ساتھ بیکسی اور بے بسی کی چادروں میں لپٹی بیٹھی تھیں۔ حسرت وارمان۔ امید و ناامیدی اُن کے خیالوں میں ایک طلسمات بناتی تھی۔ ایک بگاڑتی تھی۔ بادشاہی دربار خدائی عجائب خانہ تھا۔ امیر اور سردار کہ وہاں سے جواہر کی پتلیاں بن کر نکلتے تھے۔ اس کے رفیق دیکھتے تھے اور رہ جاتے تھے۔ دل میں کہتے تھے کہ ایک دن اس کا باپ جس کو چاہتا تھا اُسے جواہرات اور موتیوں میں چھپا دیتا تھا کاش بیٹا ویسے انعاموں میں ہی شامل ہو جائے اُس میں سب قدرت ہے وہ چاہے تو پھر وہی تماشہ دکھائے۔ دن۔ رات۔ صبح شام۔ آدھی رات آسمان کی طرف ہاتھ تھے خدا کی طرف دھیان تھے۔ دل آمین آمین کہہ رہے تھے۔ مرزا خاں نہایت حسین تھا۔ باہر نکلتا تھا تو رستے کے لوگ دیکھتے رہ جاتے تھے۔ ناواقف خواہ مخواہ

پوچھتے تھے کہ یہ کون خان زادہ ہے ۔۔۔۔ اکبر خوب جانتا تھا کہ ماہم خیل والے امرا اور دربار کے کون کون سے سردار ہیں جو اس سے اور اس کے باپ سے ذاتی عناد رکھتے ہیں اس واسطے ماہ بانو بیگم خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش کی بہن سے مرزا خاں کی شادی کردی تاکہ اُس کی حمایت کے لیئے بھی دربار میں تاثیر پھیلے۔ ۹۷۳ھ میں اُس کے میدان خوش نصیبی میں ایک مبارک شگون کا جلوہ نظر آیا۔ اکبر خان زماں کی مہم پر تھا اُس نے عفو تقصیر کے لیئے التجا کی اور پنجاب سے خبر پہنچی تھی کہ محمد حکیم مرزا کابل سے فوج لے کر آیا۔ لاہور تک پہنچ گیا ہے۔ اکبر نے خان زماں کی خطا معاف کرکے ملک اُس کا برقرار رکھا اور پنجاب کے بندوبست کے لیئے چلا۔ مرزا خاں کو خلعت اور منصب عطا کرکے منعم خاں خطاب دیا (حالاں کہ منعم خاں زندہ موجود) اور چند امرا صاحب تدبیر کے ساتھ آگرے کو رخصت کیا کہ دارالسلطنت کے انتظام اور حفاظت میں سرگرم رہیں۔ خان خاناں کا خطاب بھی خوب ملا باپ اور بیٹے میں کچھ دور کا فرق نہیں۔ اس کے ستارۂ طلوع یا جوہر مردانگی کی چمک تیرھویں صدی میں ہر خاص و عام کو نظر آئی جب کہ ۹۸۰ھ میں خان اعظم مرزا عزیز کوکہ احمد آباد گجرات میں محصور ہوا اور اکبر دو مہینے کی منزلیں سات دن میں طے کرکے گجرات پر جا کھڑا ہوا۔ بڑے بڑے کہنہ عمل سردار رہ گئے تیرہ برس کے لڑکے کی کیا بساط ہوئی تھی۔ وہ قدم بقدم بادشاہ کے ہم رکاب تھا اُس کے دل کا جوش اور بہادری کی امنگ دیکھ کر اکبر نے اُسے قلب لشکر میں قایم کیا جو عمدہ سپہ سالاروں کی جگہ ہے۔ اب وہ اس قابل ہوا کہ ہر وقت دربار میں رہنے لگا اور کار دربار حضور کا سرانجام کرنے لگا۔ اکثر کاموں کے لیئے بادشاہ کی زبان پر اُسی کا نام آنے لگا ۹۸۳ھ میں احمد آباد کی حکومت مرزا خاں کو دی گئی۔ اس وقت اُس کی عمر اُنیس بیس برس کی ہوگی۔ اکبر نے چار امیر تجربہ کار اس کے ساتھ کیئے اور سمجھا دیا کہ عنفوان شباب ہے اور اول خدمت ہے جو کام کرنا وزیر خاں کی صلاح سے کرنا۔ میر علاء الدولہ قزوینی کو امینی پہ یا کداس کوکہ حساب دانی میں فرد تھا دیوانی سید منظفر بارہا کو بخشی گری فوج پہ معزز کیا

مرنے سے ۹۹۸ھ میں پھر قبضے میں آیا۔ احمد آباد گجرات کے عوض جونپور عنایت ہوا۔ ۹۹۹ھ ۱۵۹۱ء میں بادشاہ نے ملتان اور بھکر کو خان خاناں کی جاگیر کیا۔ اور ٹھٹے اور قندہار کی مہم پر بھیجنا قرار پایا اکبر نے دیکھا کہ شہزادگان صفوی جو سلطنت ایران کی طرف سے حاکم ہیں وہ شاہ سے آزردہ ہیں۔ اور آپس میں لڑ رہے ہیں اور رعایا ادھر رجوع ہے۔ بیرم خاں نے مدت تک وہاں حکومت کی ہے خان خاناں ملتان کے رستے فوج لے کر جائیں۔ انھوں نے کچھ تو اس سبب سے کہ وہاں کے معاملات جیسے اب دیکھتے ہو اس وقت اس سے بھی زیادہ پیچیدہ اور خطرناک تھے دوسرے ہندوستانی لوگ برفانی ملکوں کے سفر سے بہت ڈرتے ہیں اور یہاں کی فوج میں زیادہ تر ہندوستانی ہوتے ہیں۔ غرض کچھ اپنی رائے سے کچھ رفیقوں کی صلاح سے عرض کی کہ پہلے ٹھٹے کا ملک میری جاگیر میں کر دیا جائے پھر قندہار پر فوج لے کر جاؤں گا وہ جانتا تھا کہ گجرات کے جنگل میں نقارے بجاتے پھرے یہ اور بات ہے قندہار شہد کا چھتا ہے اور ایران توران ہر ایک کا اس پر دانت ہے دو شیروں کے منہ سے شکار جھپٹنا اور سامنے بیٹھ کے کھانا کچھ بچوں کا کھیل نہیں۔ انھوں نے پھر کہا کہ قندہار فقط نام کا میٹھا ہے۔ ملک بھوکا ہے۔ حاصل خاک نہیں بلکہ خرچ ہیں کہ جن کا کچھ حساب نہیں اور میرے پاس اس وقت کچھ نہیں میں بھوکا سپاہ بھوکی خالی کیسہ لے کر جاؤں گا تو کروں گا کیا؟ جب ملتان سے بھکر اور ٹھٹے تک تمام ملک سندھ میں اکبری نقارہ بجے گا سمندر کا کنارہ اکبری تصرف میں ہوگا تو قندہار خود بخود ہاتھ آ جائے گا۔ بہر حال قندہار کو روانہ ہوئے رستے میں مرزا جانی حاکم ٹھٹے سے مڈبھیڑ ہوئی مرزا جانی کے ایلچی حاضر ہوئے۔ ملتان سے نکلتے ہی بلوچوں کے سرداروں نے حاضر ہو کر عہد و پیمان تازہ کیئے۔ قلعہ سیوان کے نیچے سے نکل کر لکی کو مار لیا اور کنجی سندھ کی ہاتھ آ گئی۔ سپہ سالار نے قلعۂ سیوان کا محاصرہ کر لیا اور فتح کر لیا۔ یہ قلعہ ایک پہاڑی پر بنا ہوا ہے۔ چالیس گز خندق سات گز کی مضبوط فصیل۔ گویا لوہے کی دیوار تھی۔ آٹھ کوس لمبا چھ کوس چوڑا

"رحمت خدا کہ مرا ہما گفتی اگر شغال می گفتی زبانت کہ می گرفت ؟" سنہ ۱۰۰۱ھ کے جشن نوروزی میں خان خاناں اُسے لے کر حاضر ہوئے وہ کورنش اور آداب زمیں بوس بجا لایا۔ تین ہزاری منصب اور ٹھٹے کا ملک عنایت ہوا اور اس قدر عنایتیں فرمائیں کہ اُسے اُمید بھی نہ تھی۔ اکبر کو دریائی قوت بڑھانے کا بڑا خیال تھا۔ چنانچہ اس موقع پر تمام علاقہ اُس کا اُسی کو دے دیا مگر بندرگاہ خالصہ ہو گئے۔ سنہ ۱۰۰۳ھ میں خان خاناں کو پھر دکن کا سفر پیش آیا۔ اکبر کو ملک دکن کا خیال اور خان اعظم کی ناکامی کا حال بھولا نہ تھا۔ جو سفارتیں گئی تھیں وہ بھی ناکام رہیں۔ فیضی بھی برہان الملک کے دربار سے کامیاب نہ آیا تھا کہ برہان الملک فرماں روائے احمد نگر مر گیا۔ ملک تو مدت سے تہ و بالا ہو رہا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ تیرہ چودہ برس کا لڑکا تخت نشین ہوا اور تختۂ حیات اُس کا بھی کنارۂ عدم پر لگا چاہتا ہے۔ اکبر نے شاہزادۂ مراد کو لشکر عظیم کے ساتھ دکن پر روانہ کیا۔ امرائے عادل شاہ فوج لے کر آئے کہ ملک کا انتظام کریں۔ ابراہیم لشکر لے کر مقابلے کو گیا۔ احمد نگر سے چالیس کوس پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ ابراہیم نے گلے پر تیر کھا کر جان دی۔ سبحان اللہ کل بھائی کو اندھا کر کے ہوش کی آنکھوں میں سرمہ دیا تھا۔ آج خود دنیا سے آنکھیں بند کر لیں۔ ملک میں طوائف الملوکی ہو کر عجب ہل چل پڑ گئی میاں منجو نے مراد کو عرضی بھیجی کہ یہ ملک لاوارث ہو گیا۔ مملکت برباد ہو رہی ہے حضور تشریف لائیں تو خانہ زاد خدمت کو حاضر ہیں۔ اکبر کو جب یہ خبر پہنچی تو خان خاناں کو روانگی کا حکم دیا اور شاہزادے کو لکھا کہ تیار رہو مگر خان خاناں کے پہنچنے تک حملے میں تامل کرو اور احمد نگر میں جا پڑو۔ خان خاناں برہان پور کے پاس پہنچا تو راجی علی خاں حاکم خاندیس سے ملاقات ہو گئی انھوں نے اُسے بھی رفاقت پر آمادہ کیا۔ اتنے میں شاہزادے کا فرمان آیا کہ مہم خراب ہوتی ہے جلد حاضر ہو۔ صادق محمد خاں وغیرہ سرداران ہمراہی شاہزادہ خان خاناں کی آمد سن کر اس خیال سے کہ وہ آگیا تو ہم بالائے طاق اور اس کی روشنی سے شاہزادے کا چراغ بھی مدھم ہو جائے گا۔ انھوں نے پھونک دیا کہ اس کے آنے سے حضور کے اختیارات میں فرق آئے گا

اور اب جو فتح ہوگی اس کے نام ہوگی۔ خان خاناں نے لکھا کہ راجی علی خاں
آنے کو حاضر ہے اور فاروقی چلا آیا تو اس مصلحت میں خلل آجائے گا۔ شہزادے
کے دل میں کدورت تو ہوتی ہی جاتی تھی اب بہت بڑھ گئی۔ خان خاناں کو
پل پل کی خبر ملتی تھی۔ اپنا لشکر۔ فیل خانہ۔ توپ خانہ وغیرہ وغیرہ اکثر امراء کو
پیچھے چھوڑا۔ آپ راجی علی خاں کو ساتھ لے کر دوڑے۔ شہزادہ بیس ہزار
لشکر لے کر آگے بڑھ چکا تھا۔ انھوں نے مارا مار احمد نگر سے تیس کوس پر
جا لیا۔ لگانے والوں نے ایسی نہ لگائی تھی جو بجھ بھی سکے پہلے دن تو سلامی
نصیب نہ ہوا۔ خان خاناں حیران کہ ہزار کارسازیوں سے میں ایسے شخص کو ساتھ
لایا جس کی رفاقت فتح و اقبال کی فوج ہے۔ یہ حسن خدمت کا انعام ملا۔ دوسرے دن
ملازمت ہوئی تو شہزادہ تیوری چڑھائے منہ بنائے۔ یہ بھی خان خاناں تھے
رخصت ہو کر اپنے خیموں میں آئے مگر بہت رنجیدہ اور متفکر۔ اس وقت
سب کی آنکھیں کھلیں اور جس طرح ہوا صفائی ہو گئی۔ مگر اس سے یہ قاعدہ معلوم
ہو گیا کہ ایک بالیاقت اور باسامان شخص جو سب کچھ کر سکتا ہے وہ ماتحت ہو کر
کچھ نہیں کر سکتا بلکہ کام خراب ہوتا ہے اور وہ خود بھی خراب ہوتا ہے۔ اب ادھر کا حال
سنو کہ چاند بی بی برہان الملک کی حقیقی بہن۔ حسین نظام شاہ کی بیٹی۔ علی عادل شاہ
کی بی بی علاوہ عظمت خاندانی اور عفت ذاتی کے اپنی عقل و تدبیر اور سخاوت و
شجاعت۔ قدردانی۔ کمال پروری کے جواہرات کی جڑاؤ پتلی تھی اس واسطے
نادرۃ الزمانی کہلاتی تھی اور وہی ملک کی وارث رہ گئی تھی۔ جب اس نے دیکھا
کہ ملک چلا اور خاندان کا نام ملتا ہے تو چہرے کی نقاب سے ہمت کی کمر باندھ کر
کھڑی ہو گئی اور امراء کو بلا کر تسلی اور دلاسے کے ساتھ سمجھایا وہ بھی اکبری لشکر کو
دریا کی طرح لہراتا دیکھ کر اپنے اور ملک کے انجام کو سوچے۔ جو عرضیاں شہزادے کے لالچ
اس سے خان خاناں کو بھیجی تھیں ان پر بہت پچھتائے۔ سب نے مل کر مشورت
کی صلاح ٹھیری کہ چاند بی بی قلعۂ احمد نگر میں سلطنت کی وارث بن کر تخت پر
بیٹھے سیم ۔۔۔ نمک ادا کریں اور جہاں تک ہو سکے احمد نگر کو بچائیں۔ اس شاہزادی
بیگم نے ۔۔۔ کا سامان جمع کرنا شروع کیا۔ احمد نگر کو مضبوطی اور مورچہ بندی
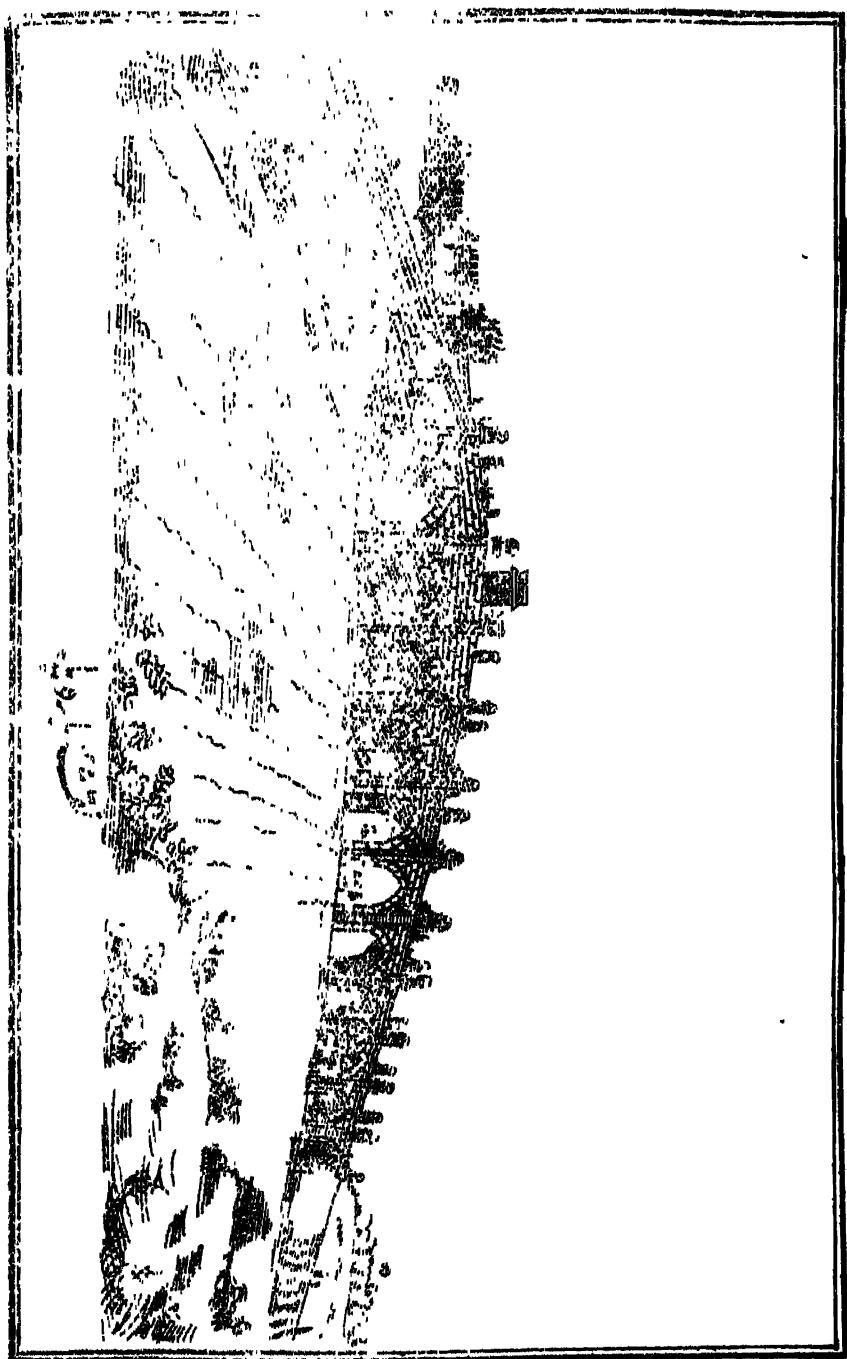
میں دعا کی اور جناب رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ سے آپ کی دعا قبول کی اور اُس مردے کو زندہ کردیا اور اُس مردے کو اُس کی ماں سے ملایا اور جلوہ اَوْلِیَاءُ اُمَّتِیْ کَانْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل کا دکھایا۔ ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

جب سے آپ کا لقب محی العظام اور راجہ ہاڑگوڑ یعنی ہڈیوں کے زندہ کرنے والے اور ہڈیوں کے بادشاہ پڑگیا۔ آپ کے کمالات ظاہری و باطنی غایت شہرت سے محتاج بیان نہیں۔ آپ کا وصال ۲۷ صفر ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء کو ہوا اور اِس مقام پر امانت الٰہی کو سونپا۔ معتقدین خاص نے ایک کچی چار دیواری مزار مبارک کے گرد بنادی ہے۔ اگرچہ مکان عمدہ نہیں مگر فیض سے مملو ہے۔

بارہ پلہ ۱۰۳۱ھ ۱۶۲۱ء

دنیا پلیست در گزر روز آخرت
در وے مکن مقام کہ پل جائے رفتن است

یہ پل ہمایوں کے مقبرے کے جنوبی دروازے کے جنوب و مشرقی رخ پر تھوڑے ہی فصل سے واقع ہے جس کو عہد اکبری و جہانگیری کے ایک بڑے نامی گرامی خواجہ سرا مہربان آغا عرف آغا مان المخاطب بہ آغای آغایان نے جہانگیر بادشاہ کی سلطنت کے زمانے میں بنوایا تھا اور اُنھوں ہی نے عرب سرائے کا شرقی دروازہ بھی بنوایا ہے۔ ان صاحب کو خاندان تیموریہ سے موروثی بندگی تھی جس زمانے میں شاہزادہ جہانگیر کی شادی ہوئی اکبر بادشاہ نے اُن کی خدمات اپنی بیٹی شاہزادہ خانم یعنی جہانگیر کی بہن سے لے لی تھیں اور جہانگیر کے محل کی خدمات سپرد کردی تھیں اور اس سبب سے جہانگیر بھی ان کی نہایت تعظیم و توقیر کو ملحوظ رکھتا تھا اور یہ بھی ہر دم اور ہر لحظہ جہانگیر کی حضوری میں باریاب رہا کرتے تھے اور سچ مچ جہانگیر کے فدائی اور خیر خواہ مخلص تھے۔ سنہ ۱۴ جلوس جہانگیری میں اُنھوں نے بوجہ کہولت سن خانہ نشینی اختیار کی اور دلّی میں رہنے لگے۔ جہانگیر نے بہت خوشی اور خاطر داری سے ان کی پنشن کی درخواست قبول کی اور سید بہوہ حاکم دہلی کو بہت تاکید کی کہ ہمیشہ ان کی خوشی اور

خاطر داری کا پورا خیال رکھیں اور ان کو کسی قسم کا رنج یا تکلیف نہ پونہچے - خانہ نشین ہونے کے بعد انھوں نے یہ پل ۱۰۲۱ھ ۱۲-۱۶۱۲ء میں بنوایا - جنرل کننگھم اس تاریخ کو اس وجہ سے صحیح نہیں سمجھتے کہ میر نیر فینچ نے اسی پل کو ۱۶۱۱ء میں دیکھا تھا - لیکن یہ اس وجہ سے بے محل ہی کہ خود پل پر تاریخ کا کتبہ لگا ہوا ہی - ممکن ہی کہ ۱۰۲۱ھ کی مطابقت ۱۲-۱۶۱۱ء سے ہو - نیس فینچ کا کہنا بھی ٹھیک ہی - اغلب ہی کہ اُس نے اواخر ۱۶۱۱ء میں اس پل کو دیکھا ہوگا جو آغاز ہوگا ۱۰۲۱ھ اور ۱۶۱۲ء کا - یہ بڑا بھاری پل گیارہ دروں کا سنگ بست اور پختہ چونے اور سنگ خارا کا بنا ہوا ہی اور بقول ڈہی لائٹ کے جمنا کی ایک شاخ (یعنی نالے) پر بنا ہوا ہی - ۱۶۲۹ء میں مقبرے اور پل کے درمیان ایک کشادہ سڑک تھی جس کے دونوں طرف بڑے بڑے سایہ دار درخت لگے ہوے تھے - نام تو اس کا بارہ پلہ مشہور ہی مگر در گیارہ ہی ہیں - کننگھم کی کلفو پل انگریز ہیں ان کو شک پڑ گیا اور یہ وجہ اختراع کی کہ دراصل اس کا نام "بڑا پل" تھا - لیکن بگلر صاحب کا لکھنا بالکل قرین قیاس ہی کہ مانا کہ در گیارہ ہوں مگر ستون تو بارہ ہی ہیں اور اسی لحاظ سے صحیح نام بارہ پلہ ہی - سیدھی بات چھوڑ کر خواہ مخواہ ایک تیسری وجہ اور گھڑی گئی کہ اہل دیہات نالے کو بار کہتے ہیں اس لیے اس سے یہ نام پڑا - میری راے ناقص میں سیدھی بات وہی ہی کہ بارہ ستون ہونے سے بارہ پلہ مشہور ہو گیا ہی - پل کی لمبائی ۳۶۱ فٹ اور چوڑان ۴۶ فٹ ہی اور انتہائی بلندی ۲۹ فٹ - پل کے دونوں سروں پر بڑے بھاری پشتے ہیں - دروں کی منڈیر پر دونوں طرف دس دس فیٹ اونچے مینار ہیں - شمال رخ کے دوسرے در پر جو سب سے بلند حصہ پل کا ہی اُس پر سنگ سرخ کی ۸ فٹ اونچی ۵ فٹ چوڑی تختی پر ذیل کا کتبہ ہی - جس کے اشعار گو لطافت سے خالی اور نہایت بے آب ہیں مگر اُن کے معنوں سے آغا صاحب کی اُس عقیدت و اخلاص کا بخوبی پتہ چلتا ہی جو اُن کو جہانگیر کے ساتھ تھا :-

اللہ اکبر

از جہانگیر شاہ اکبر شاہ آنکہ عدلش صباست عالم کل

دوستانرا چہ ہدہد است افسر　　دشمنانرا لسان فاختہ غل
ہندرا در زمان سلطنتش　　عبارہ می نوا بسیدہ اسطنبل
بوستانیست حضرتِ دہلی　　بوے از گل گرفتہ رنگ از مُل
سالِ ہفتم ز عہدِ سلطنتش　　کہ ننالد ز جورِ گل بلبل
مخلص خاص مہربان آغا　　خادم قیصر شاہ و محرم کل
کرد تعمیر ایں پل از شفقت　　کہ شد دستگیر شاں از سرِ پل
سال تاریخ از فلک جستم　　گشت روئیش ز خرمی گل گل
گفت بردار خامۂ و بنویس　　بستہ از راہ مہربانی پل

اوکھلا گھاٹ اس نام کا گاؤں اور ریلوے سٹیشن دہلی[۲۱] سے چھ میل پر ہے۔ نہر جمن دلی آگرہ کینال اس مقام سے دو میل پرے کاٹی گئی ہے۔ اس مقام پر دریاے جمنا کے بیچوں بیچ میں ایک عظیم الشان بند باندھا گیا ہے جس کی وجہ سے موسم گرما میں جمنا کا سارا پانی نہر میں چلا جاتا ہے۔ جہاں اس کا ہیڈ ورک یعنی منبع ہے وہاں ایک چھوٹا سا پارک بنا دیا ہے اور وہاں ایک دو خوش نما بنگلے بھی بنے ہوے ہیں۔ یہ منبع سٹیشن کے مشرق میں دو میل کے فصل سے ہے جو ایک بڑی سیرگاہ ہے اور اکثر لوگ تفریحاً جایا کرتے ہیں۔ دولت خاں لودھی نے ایک ہی سال سلطنت کی تھی کہ خضر خاں نے جو خاندان سادات کا سب سے پہلا بادشاہ تھا اُسے مغلوب کیا خدا جانے کیا سبب تھا کہ خضر خاں اپنے کو تیمور کا باج گزار سمجھتا تھا اور بلا کسی تحریک کے سمرقند کو خراج بھیجا کرتا تھا۔ اس نے ۱۴۱۸ء میں ایک قلعہ بنایا تھا جس کا نام خضر آباد رکھا لیکن اب اس کا کہیں نشان بھی باقی نہیں رہا مگر اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہیں نہ کہیں اسی اوکھلے کے پاس تھا۔ خضر خاں نے سات برس سلطنت کی اس کے عہد میں کوئی خاص بات قابل تذکرہ واقع نہیں ہوئی۔ خضر خاں نے ۱۴۲۱ء میں انتقال کیا۔ اس کا مقبرہ اوکھلے میں ہی تھا لیکن جب یہ نہر نکالی گئی وہ تو وہ بھی اس کی رو میں آ گیا یعنی اسے گروا دیا گیا۔ اوکھلے کے سٹیشن کے پاس ہی کالکاجی کا مندر ہے جہاں ہر سال بہت سے جاتری جمع ہوتے ہیں

ریلوے لین سے مغرب کی طرف چند میل کے فاصلے پر ایک وسیع میدان میں قطب مینار کھڑی ہوئی صاف دکھائی دیتی ہے جس کے اطراف محلات اور مقابر کے وہ کھنڈر ہیں جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ہندوستان ساری دنیا میں بھی ایسا دلچسپ مقام نہیں ہے۔

پٹ پڑ گنج سنہ ۱۸۰۳ء

دہلی شہر کے جنوب و مشرق میں دریائے جمنا کے مشرقی کنارے پر دہلی کی اس مشہور لڑائی کا میدان ہے جہاں ۱۱ ستمبر سنہ ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک اور مرہٹوں سے بڑی بھاری لڑائی ہوئی تھی یہ گاؤں اب بالکل اجاڑ ہے۔ مسٹر فین شا نے اپنی کتاب میں اس جنگ کا حال حسب ذیل لکھا ہے:۔ میدان کارزار کا بہترین نظارہ اس اینٹوں کے پزاوے پر سے ہوتا ہے جو پٹ پڑ گنج کی بستی کے شمال مغرب میں ہے۔ مرہٹوں کی فوج کوٹلے سے لے کر غازی پور تک جو ایک لمبی اور اونچی پٹی پر پڑی ہوئی تھی جس کی دونوں طرف دلدل تھی جس کے آگے سوار پڑے ہوئے تھے اور سامنے وار توپ خانہ لگا ہوا تھا اور سارے کا سارا پڑاؤ جنگل کی اونچی گھانس میں چھپا ہوا تھا۔ اب حملے کا اگر کچھ موقع تھا تو سامنے ہی کے رخ پر تھا۔ ۱۰ ستمبر کو لارڈ لیک اپنی فوج لے کر علی گڑھ سے چلے اور میدان جنگ سے دو میل جنوب میں جو دلی سے چھ میل ہے گیارہویں تاریخ گیارہ بجے دن کے پہنچے۔ مرہٹوں کی فوج چھ ہزار سوار ملا کر انیس ہزار اور چھوٹی بڑی ستر توپیں تھیں انگریزوں کا لشکر کل ساڑھے چار ہزار تھا اور کچھ سوار اور ہلکی سفری توپیں تھیں۔ غرض یہ کہ اس جنگ میں انگریزوں کے ۱۱۷ آدمی کام آئے اور ۲۹۸ زخمی ہوئے غنیم کے تین ہزار آدمی مارے گئے اور ساری توپیں ان کی چھین لی گئیں۔ ۱۴ ستمبر کو انگریزی فوج فتح یاب ہو کر جمنا پار ہو کر دہلی میں داخل ہوئی اور ۱۶ کو لارڈ لیک دیوان خاص میں نابینا اور ضعیف بادشاہ شاہ عالم کے حضور میں باریاب ہوئے۔ جس جگہ یہ لڑائی ہوئی وہاں ایک ستون اس فتحیابی کی یادگار میں گاڑا گیا ہے جس پر مارکوئس آف ولزلی گورنر جنرل

ہند کے یہ الفاظ بجنسہ کندہ ہیں :-

کتبہ

The Governor General in Council sincerely laments the loss of Major Middleton, 3rd Regiment Native Cavalry; Captain MacGregor, Persian Interpretor; Lieutenent Hill, 2nd Battalion 12th Native Infantry; Cornet Sanguire 27th Dragoons; Quartermaster Richardson 27th Dragoons, and of the brave soldiers who fell in the exemplary execution of deliberate valour and disciplined spirit of the battle of Delhi. The names of those brave men will be commemorated with the glorious events of the day on which they fell, and will be honoured and revered while the fame of that signal Victory shall endure.

گورنر جنرل باجلاس کونسل میجر مڈلٹن تیسری رجمنٹ نیٹو کیولری - کپتان میک گریگار مترجم فارسی - لفٹنٹ ہل دوسری پلٹن بارہوین نیٹو انفنٹری - لفٹنٹ پرسٹن دوسری پلٹن تیرھویں نیٹو انفنٹری - کارنٹ سینگوایر ستائیسویں ڈریگونز - کوارٹر ماسٹر رچرڈسن ستائیسویں ڈریگونز اور اُن بہادر سپاہیوں کی وفات پر مخلصانہ رنج واندوہ کا اظہار فرماتے ہیں جنھوں نے دلّی کی لڑائی میں شجاعت (اور جوانمردی) اور باقاعدہ ولولے کو قابل تقلید پیرایہ میں انصرام دیا - ان بہادر لوگوں کے نام اُس شان دار دن کے واقعات کی یادگار رہیں گے جس دن کہ وہ کام آئے - اُن کے (ناموں) کی عزت اور توقیر

اُس وقت تک قایم رہے گی جب تک کہ اُس بے نظیر فتح کا شہرہ باقی ہے۔

قلعۂ کلوکھری۔ کلوکھری کی بستی ۶۸۵ھ ۱۲۸۶ء
قصر معزی یا نیا شہر ۶۸۸ھ ۱۲۸۹ء

حصارے چو گردونِ گرداں بلند
کہ رفعت ز برجش بود بہرہ مند
دہد قلعہ ارش بگردوں جواب
کند دیدہ بانیِ او آفتاب
ازاں قلعہ تا گشتہ صورت پذیر
شدہ شیشۂ آسماں دیو گیر
نیاید سرِ او بگردون فرو
کہ سرکوبِ گردوں بود دمج او
شدہ تازہ وصفش و لم بہرہ مند
فلک را نماندہ دماغِ بلند

۶۸۵ھ ۱۲۸۶ء میں موضع کلوکھری میں بلبن کے پوتے سلطان کیقباد نے یہ قلعہ بنوایا تھا جس کا اب نشان تک بھی باقی نہیں ہے مگر جہاں ہمایوں کا مقبرہ ہے وہیں یہ قلعہ بھی تھا۔ طبقات ناصری سے جو بزمان شاہ بلبن لکھی گئی تھی واضح ہے کہ کیقباد نے اپنے عہد میں کلوکھری کو بڑی رونق دی۔ یہاں جمنا کے کنارے عمدہ عمدہ نفیس باغات لگائے اور خود بھی اسی بستی میں رہنے لگا۔ لامحالہ تمام ارکان دولت اور امرا کو بھی یہیں رہنا پڑا اور ان سبھوں نے اپنی اپنی حیثیت اور شان کے موافق متعدد محلات اور مکانات طیار کرائے۔ (از تاریخ فیروز شاہی)۔ کیقباد کے زمانے کے اول سے بھی کلوکھری ایک مشہور مقام اور اقامت گاہ شاہی تھا۔ کتاب مذکورۂ بالا ہی میں لکھا ہے کہ جب ہلاکو خاں مغلوں کے ایلچی کو دربار شاہی میں باریاب کیا گیا تو کوشک سبز سے شہر کلوکھری کے جدید دار السلطنت تک سارے رستے دو طرفہ فوج کھڑی تھی۔ ایلچی کے استقبال کو بلبن کا وزیر بڑی شان و شوکت اور تزک و احتشام سے دلی شہر سے نکلا جس کے جلوس میں پچاس ہزار سوار دو لاکھ پیدل اور دو ہزار جنگی زنجیر فیل تھے۔ اُس وقت طبل و نوبت نقارے کی صدا۔ ڈنکے کی گونج۔ نفیری و شہنائی کی دل کش آواز۔ ہاتھیوں کی زرق برق جھولیں اُن کا چنگھاڑنا اور گھنٹوں کی آواز۔ گھوڑوں کی کلیل ٹاپیں مارنا اور ہنہنانا۔ ہتھیاروں کی

جھلاہٹ اور چمک دمک۔ گولوں کی دندناہٹ۔ بانوں کی شنائیں شنائیں۔
غرض یہ کہ ایک عجیب ہنگامہ تھا۔ جس نے مغلوں کے سفیر کے دل پر
سلاطین ہند کی عظمت و جبروت کا سکہ بٹھا دیا اور یہ بات سچ ہو گئی کہ "سلاطین ہند
بادشاہی نمی کنند بلکہ خدائی" جب سفیر اس کر و فر سے لایا گیا اور دربار میں
حاضر ہوا تو شاہزادگان والا تبار اور امرائے ذی وقار۔ راجہ مہاراجہ کا ہجوم
دیکھ کر اور بھی دنگ رہ گیا۔ کیقباد کو فالج ہو گیا۔ اس سبب سے امراء نے
اس کے بیٹے کیومرث کو تخت پر بٹھایا مگر امرائے خلجی نے مخالفت کی اور کیومرث کو
بہار پور میں پکڑ لے گئے اور کیقباد کا قلعہ کلوکھری میں لاتیں ہی لاتیں مار کر دم نکال دیا۔
رعایا کی عام رضامندی سے ۶۸۹ھ ۱۲۹۰ء جلال الدین خلجی تخت نشین ہوا۔ دہلی نہ جاکر
جلال الدین نے کیقباد کے قلعے کی تکمیل کی اور کلوکھری کو اپنا دارالسلطنت
قرار دے کر وہیں رہنے لگا۔ چند ہی سال کے عرصے میں "کلوکھری" نئے
شہر کے نام سے مشہور ہو گیا اور رای پتھورا کا "قلعہ" پرانی دلی" کہلانے لگا۔

کوشک لعل تعمیر کردہ جلال الدین خلجی ۶۸۸ھ ۱۲۸۹ء

جلال الدین خلجی کے محل کو سر سید نے کوشک لعل
یا نیا شہر لکھا ہے لیکن تاریخ سے اس کی تائید نہیں
ہوتی۔ کہ دلی کو کبھی نیا شہر کہا گیا ہو۔ ابن بطوطہ
نے لکھا ہے کہ "جلال جلال الدین خلجی نے ایک
محل اپنے نام سے بنایا تھا" لیکن کسی اور مورخ
نے کہیں اس بات کو نہیں لکھا۔ کوشک لعل کا نشان تو صفحۂ ہستی سے
مٹ ہی گیا اب تو صرف نام ہی نام رہ گیا ہے۔ سرسید لکھتے ہیں کہ "جلال الدین
خلجی نے ایک محل بنوایا تھا جس کا نام کوشک سبز تھا جو کوشک لعل سے
ملا ہی ہوا تھا" لیکن کوشک لعل کی نسبت سر سید ہی نے خود لکھا ہے کہ اس میں
جلال الدین کے بیٹے کی تخت نشینی ہوئی تھی اور وہ محل رائے پتھورا کے
قلعے میں تھا اس لیئے یہاں کچھ خلط مبحث ہو گیا ہے۔ بہر حال کوشک لعل کی
تعمیر ۶۸۸ھ ۱۲۸۹ء میں ہونا یقینی امر ہے البتہ تعین مقام مبہم ہے۔

خضر آباد اور خضر کی گمٹی

سنہ ۸۲۱ھ - سنہ ۸۲۴ھ
۱۴۱۸ء - ۱۴۲۱ء

حالِ دنیا را چو پرسیدم زیک فرزانۂ
گفت یا غولیست یا دیویست یا دیوانۂ
یا مثالِ تودۂ برفیست در فصلِ بہار
ہیچ عاقل در چنیں جائے نسازد خانۂ

خضر خاں خاندان سادات کا پہلا بادشاہ تھا (سنہ ۱۴۱۴ء-۱۴۲۱ء) یہ خاندان اُن تمام سلاطین میں جنھوں نے تخت دہلی پر حکمرانی کی ہے سب سے زیادہ کم زور تھا۔ خضر خاں نے بھی دریاے جمنا کے کنارے کلوکھری سے جنوب مشرق کی طرف ایک میل ہٹ کر موضع اوکھلے کی سرحد میں اپنے نام سے ایک شہر بسایا تھا۔ یہ شہر ہمایوں کے مقبرے سے دو میل ادھر دار ہی تھا۔ اس شہر کا اب کہیں وجود بھی نہیں رہا اور اسی وجہ سے اب صحیح تعین مقام بھی مشکل ہے اور وہی بات ہوئی کہ ؎

ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت رفت منزل بدیگرے پرداخت

اغلب ہے اور نیز سرسید کی راے بھی یہی ہے کہ خضر خاں کا بسایا ہوا شہر موضع خضر آباد کے قریب تھا۔ خضر آباد جمنا کے کنارے موضع اوکھلے کے قریب شہر دہلی سے آٹھ میل بجانب جنوب ہے۔ سنہ ۸۲۴ھ (۱۴۲۱ء) میں خضر خاں نے انتقال کیا اُس کے لڑکے اور جانشین ابوالفتح مبارک شاہ نے اپنے باپ کا گنبد بنوایا جو عموماً خضر کی گمٹی کے نام سے مشہور ہے۔ گنبد میں جو قبر ہے اسے خضر خاں کی قبر کہنا محض روایت پر مبنی ہے کیوں کہ کوئی کتبہ نہیں مگر جب کہ گنبد خضر خاں کے نام سے مشہور ہے تو قرینہ غالب یہی ہے کہ قبر بھی اُسی کی ہوگی اور اسی سبب سے سرسید نے بھی اس قبر کو خضر خاں ہی کی لکھا ہے۔ گنبد کے احاطے کا چوتھائی حصہ تو مسمار ہوگیا اب اسی ٹوٹے پھوٹے احاطے کے اندر ایک معمولی سا گنبد کھڑا ہے جس کے چار طرف چار دروازے ہیں اور یہی خضر خاں کا مدفن کہلاتا ہے۔ اس گنبد سے تھوڑی ہی دور اور ایک چھوٹا سا برج ہے خدا جانے وہ کس کا ہے۔

کالکاجی یا کالکا دیوی کا مندر

در حیرتم کہ دشمنی کفر و دیں چراست
از یک چراغ کعبۂ و بُت خانہ روشن است

گنبد خضر لب دریا
(۲) برج فصیل
(۳) املی

دولت مندی کا
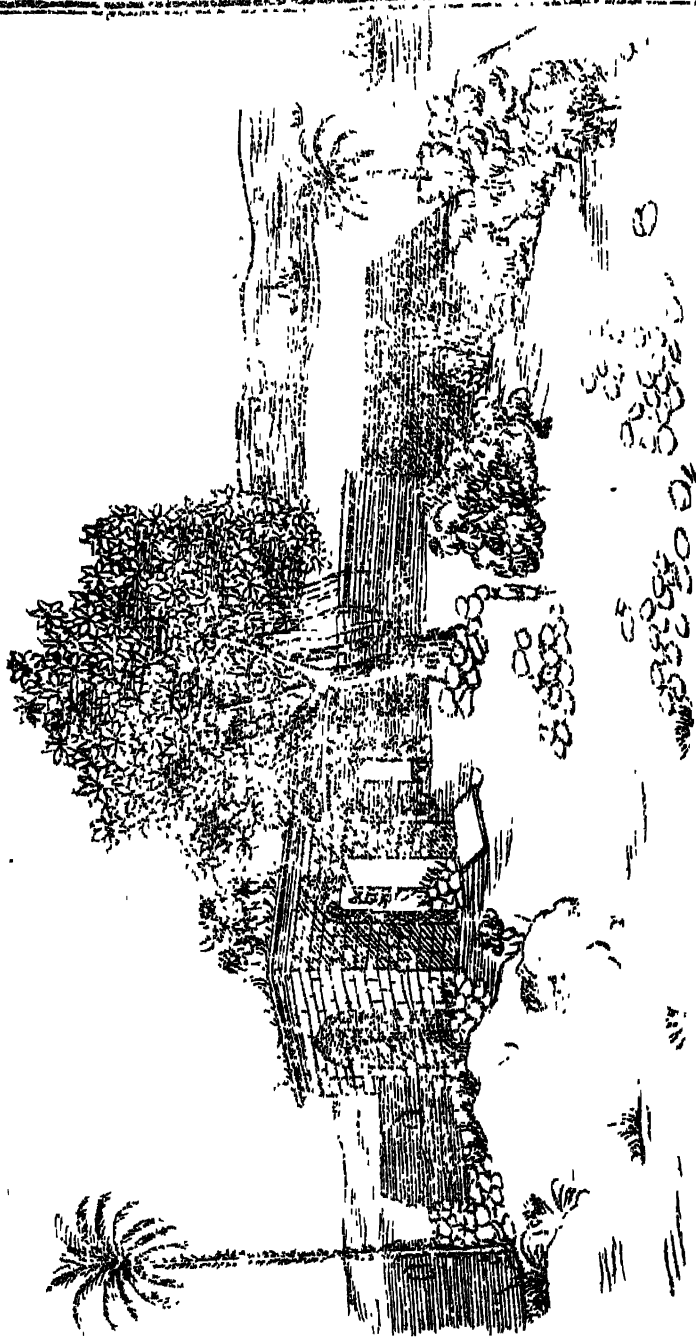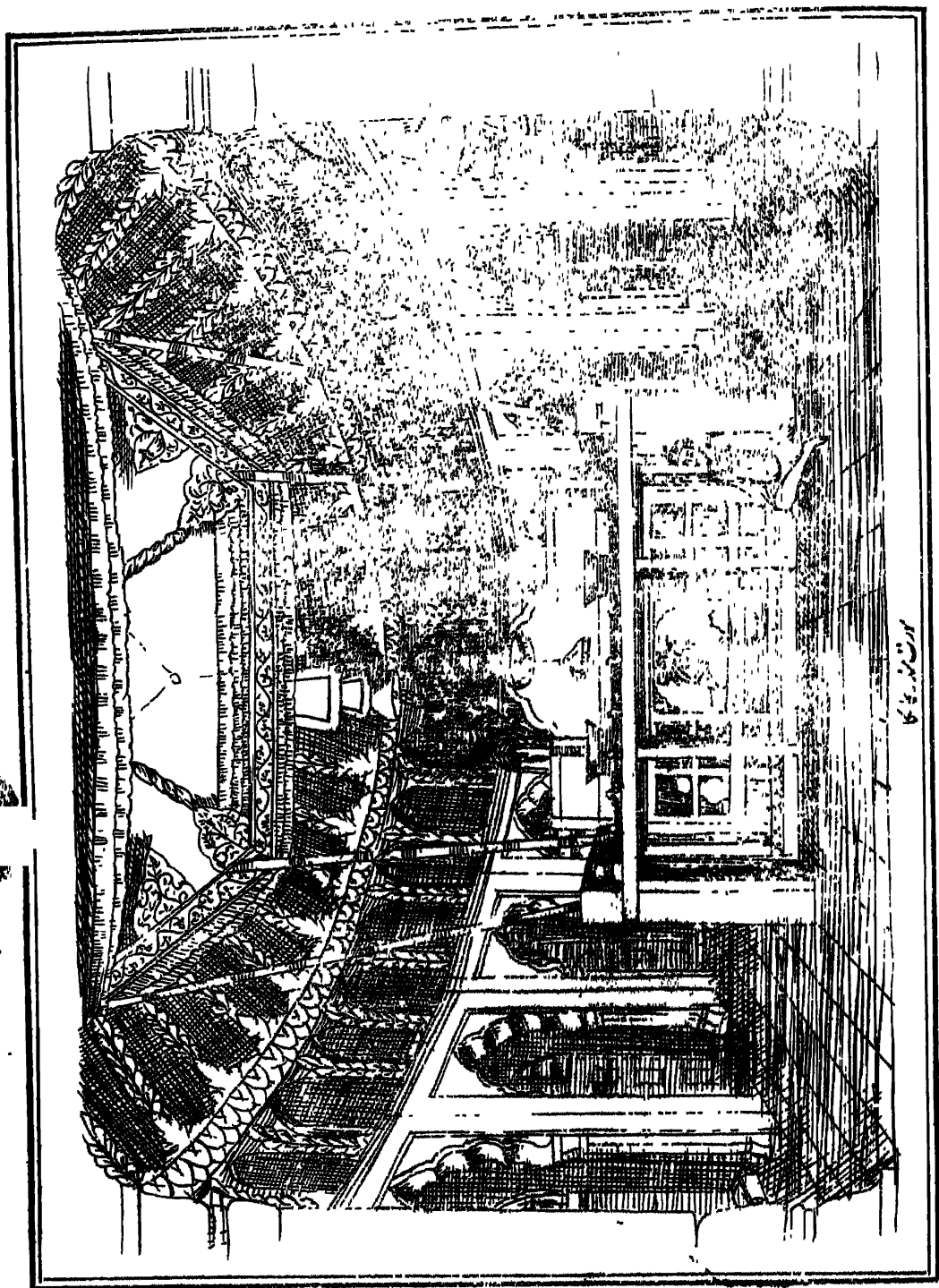
یہ مندر موضع بہارپور کی سرحد میں دلّی سے تو میل تغلق آباد کی سڑک پر ہے۔ اہل ہنود کے مذہب میں کالی دیوی کی پوجا قرنہا قرن سے جاری ہے۔ ہزاروں برس گزرے کہ دو راکشش (دیو یا جن) تھے اُنھوں نے اُس زمانے کے دیوتاؤں کو بہت ستایا تھا۔ آخر دیوتا ناچار ہو کر برمھا کے پاس فریاد لے گئے۔ برمھا نے کہا مجھ سے تمھاری رچھیا (مداوا) نہیں ہو سکنے کی تم مہامائی یعنی پاربتی کا استت (پوجا) کرو وہ تمھاری سہاتیا (امداد رسی) کرے گی۔ جب اُن دیوتاؤں نے مہامائی کی پوجا پاٹ کی تو مہامائی کے منہ سے ایک دیوی پیدا ہوئی جس کا نام کوشکی تھا۔ مہامائی کے حکم سے کوشکی دیوی نے اُن دونوں راکششوں کو قتل کیا۔ اُن کا خون زمین پر گرنا ہی تھا کہ ایک ایک بوند سے ایک ایک راکشش پیدا ہو گیا۔ اس طرح ہزاروں راکشش ہو گئے۔ کوشکی اُن کو مارتے مارتے ہلکان ہو گئی۔ جوں جوں مارتی جاتی تھی ووں ووں ہزاروں پیدا ہوتے جاتے تھے۔ پاربتی کو اپنی لڑکی کی حالت پر بہت ترس آیا۔ اُس وقت پاربتی کی بھوؤں سے کالی دیوی پیدا ہوئی جس کا ایک ہونٹ زمین سے لگا ہوا تھا اور دوسرا آسمان میں تھا اور اتنا بڑا منہ پھاڑے بیٹھی رہتی تھی۔ اب ایک سے دو ہوئے۔ کوشکی جس کو مارتی تھی اُس کا لہو زمین پر گرنے نہ دیتی تھی اور غڑپ کر نگل جاتی تھی۔ اس طرح اُن راکششوں کا شر دنیا سے رفع ہوا۔ اس بات کو پانچ ہزار برس کا عرصہ ہوا کہ کالی دیوی نے اس پہاڑ پر جہاں اب مندر ہے اپنا استھان کیا۔ جب پانڈوؤں کو اس کرامت کی خبر ہوئی تب ہی سے پوجا پاٹ نذر بھینٹ کا سلسلہ جاری ہے۔ بارہ مہینے اس مندر میں گھی کا چراغ جلتا رہتا ہے جسے دیبی جی کی جوت کہتے ہیں۔ غرض اب یہ مقام اہل ہنود کی بڑی بھاری اور متبرک پرستش گاہ ہے۔ عام خیال ہے کہ اس دیول کا بڑا حصہ ۱۷۶۴ء میں بنا لیکن مہاکالی کی پوجا تو راے پتھورا کے زمانے سے چلی آتی ہے۔ مہاراجہ سندھیا نے موضع بہارپور اس مندر کے لیئے وقف کر دیا تھا۔ پھر سو روپئے سال نقد ملا کیئے اب سب کچھ بند ہے۔ یہاں کے پوجاری کچھ کھیتی سے اور زیادہ تر چڑھاوے اور لوگوں کے دان پن سے بسر اوقات کرتے ہیں۔ ہر منگل کو

ہفتے وار یہاں میلا لگتا ہے اور ہر مہینے کی اشٹمی کو بہت لوگ جاتے اور پوجا پتری کرتے ہیں۔ چیت اور اسوج کی اشٹمی کو بڑا بھاری میلا ہوتا ہے جس میں شہر سے اور اطراف کے دیہات کے لوگ کثرت سے جمع ہوتے ہیں۔ یہ میلا نچھاہی کا کہلاتا ہے۔ اس مقام پر لوگوں کو پانی کی بڑی تکلیف ہے ایک ہی کنواں ہے جس میں گھٹنے گھٹنے پانی رہتا ہے اور بچانوے ہاتھ رسی جاتی ہے۔ کسی شخص نے دو تالاب بنائے تھے وہ پھوٹے پڑے ہیں ان میں پانی نہیں ٹھیرتا۔

مورت مندر اس مندر میں کسی کی مورت نہیں ہے ایک گول مول پتھر جیسے مہادیو کا پنڈ دھرا ہے اور اسی کو کالی کا استھان کہا جاتا ہے جو کثرت استعمال سے کالکاجی مشہور ہو گیا۔ پہلے اس مقام پر کوئی عمارت نہ تھی کالی کا استھان ہونے کے کئی ہزار برس بعد کسی معتقد نے جس کا نام تحقیق نہیں یہاں ایک بارہ در کا لداوی دالان بنوا دیا تھا اور سمت ۱۸۲۱ میں درگا سنگھ نے سنگ سرخ اور سنگ مرمر کا چھ فٹ اونچا کٹہرا بنوا دیا جس کے بیچوں میں بنڈر کھا ہوا ہے۔ اس کٹہرے کے بائیں طرف اردو اور ناگری میں یہ دو کتبے لگے ہوئے ہیں:۔

سری درگا سنگھ پر سوا رسمت ۱۸۲۱ فصلی

واضح ہو کہ کالی دیبی ہی کا نام درگا جی ہے جو ہمیشہ شیر پر سوار رہتی ہے۔ اس مندر کے پوجاری دو وقت پوجا کرتے ہیں اور گیارہ بجے ہر روز دیبی جی کو بھوگ لگاتے ہیں یعنی ہر روز مٹھائی کا ناشتہ رکھا جاتا ہے۔ اسی پنڈ کو جو دیبی جی کی مورت سمجھی جاتی ہے بہت بھاری کپڑے پہنا رکھے ہیں اور دیوی کی مورت پر کمخواب کا پردہ اور غلاف پڑا رہتا ہے اور رات کو آرام کرنے کے لیئے ایک بہت خوب صورت چھوٹی سی پلنگڑی بنا رکھی ہے رات کے وقت اس پلنگڑی کو کس کسا تکیہ وکیہ لگا کٹہرے کے اندر دیبی جی کے آگے لگا دیتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ دیبی جی اس پر سکھ فرماتی ہیں جس کی مراد آتی ہے وہ شامیانہ پنکھا چھتر چڑھاتا ہے۔ چنانچہ متعدد چھتر۔ شامیانے اور پنکھے چڑھے ہوئے ہیں۔
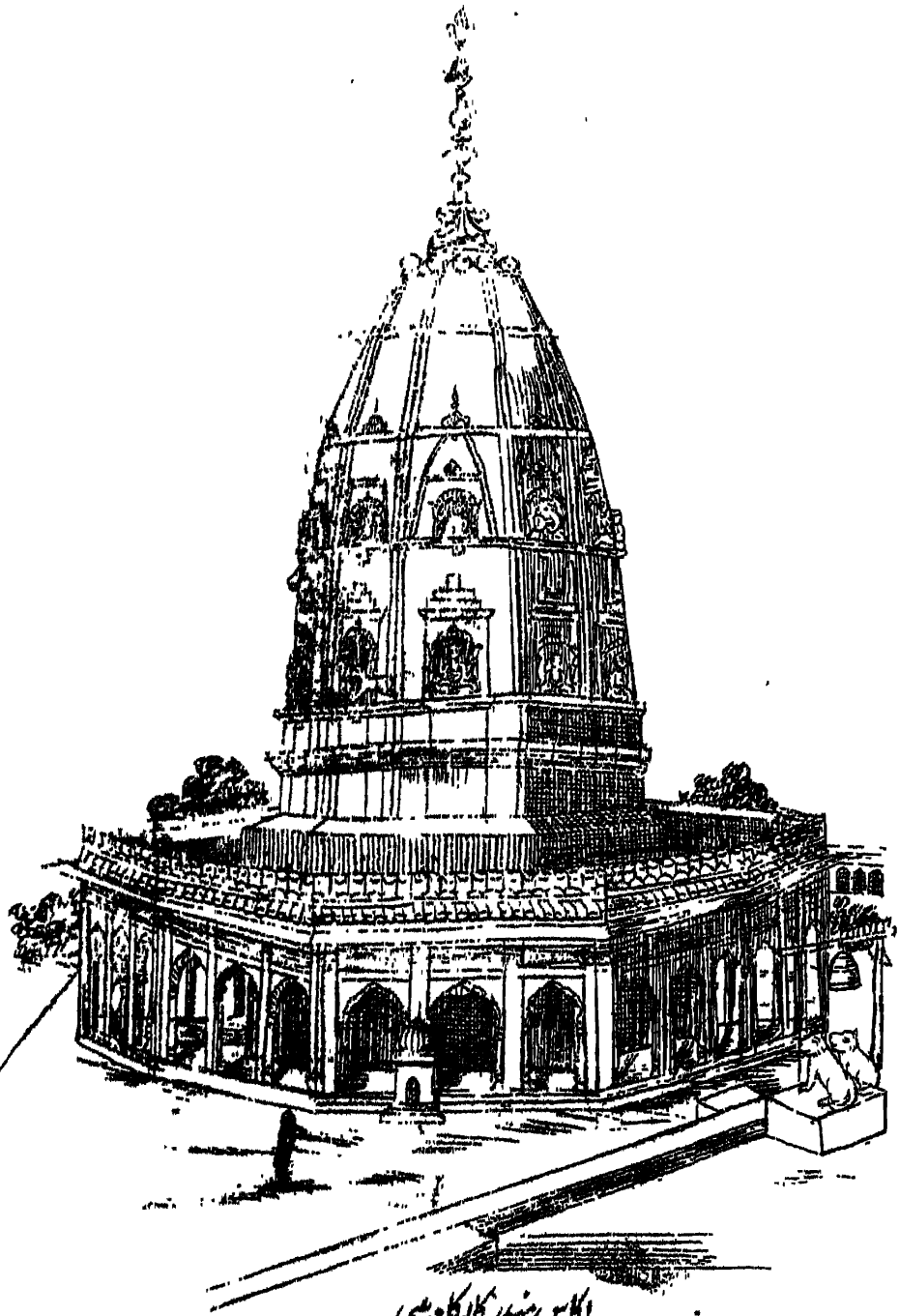
اکاس مندر کالکا دیبی

اکاس مندر اس مندر کی رونق اور شان بڑھانے کو یہاں کے پجاریوں نے چاہا کہ کوئی شخص اس لداؤ پر برج بنوا دے۔ کسی شخص کی ہمت نہ پڑی آخر کار پانڈوں نے یہ تدبیر کی کہ دیبی جی سے حکم لیا جاوے جس کے نام کا حکم نکلے وہ مندر کا اکاس جسے گوپرم بھی کہتے ہیں یعنی بلند مخروطی قبہ بنوا دے اس نیت سے شہر کے جتنے ہندو امیر و رئیس تھے سب کے نام کی چٹھیاں دیبی جی کے سامنے ڈالی گئیں اتفاق سے مرزا کدار ناتھ کے نام چٹھی نکلی یہ خطابی راجہ تھے مگر در اصل قوم کے بنیئے تھے اور اکبر شاہ ثانی کے عہد میں نظارت کی پیشکاری کا عہدہ رکھتے تھے اور مرزا راجہ کا اُن کو خطاب تھا۔ راجہ صاحب نے جب سنا کہ دیبی جی کا یہ حکم ہے تو فوراً اکاس بنوا دیا۔ یہ اکاس نوتی کہار کی معرفت بنا ہے اور اس کے گرد غلام گردش سنگین ستونوں کی بھی بنوائی۔ اندر کے لداؤ میں بارہ دروازے ہیں اور باہر کے ہر ضلع میں تین تین در ہیں۔ راجہ صاحب نے اس تعمیر میں سات آٹھ ہزار روپیئے صرف کیئے پچاس برس کے اندر ہی اندر دلی کے مہاجنوں اور بنیوں نے اس مندر کو بڑی رونق دی ہے اور اس مندر کے آس پاس میلے میں چلنے والوں کے اترنے کے لیئے کئی ایک مکان بنوا دیئے ہیں جن سے بہت رونق بڑھ گئی ہے۔ چونکہ مذہباً اس بات کا اعتقاد ہے کہ دیبی جی سنگھ یعنی شیر پر سوار ہو کر یہاں تشریف لائی ہیں اس واسطے مندر کے آگے دو مورتیں شیروں کی سنگ سرخ کی بنا کر بٹھا دی ہیں اور اُن کی بھی پوجا ہوتی ہے۔ ان شیروں کے سروں پر ایک بڑا گھنٹہ لٹکا ہوا ہے جسے پوجا کے وقت بجایا کرتے ہیں اور "دیبی مائی کی جے" کہہ کر پکارتے ہیں۔ انھیں شیروں کے پاس سنگ سرخ کا ایک بڑا ترسول نما ستون کھڑا ہے۔ یہیں سنگ مرمر میں چرنوں (قدموں) کا نشان کھدا ہوا ہے۔

نیلا برج یا سیدوں کا مقبرہ یا چورستہ گنبد بعض لوگ اسے نیلا برج کہتے ہیں۔ یہ مقبرہ چوراہے کے وسط میں ایک وسیع فنسنگ کے اندر ہے۔ جہاں ہمایوں کے

نوٹ۔ اب پھر حضرت نظام الدین کی درگاہ کے پاس آجایئے۔ ۱۲

مقبرے اور صفدر جنگ کے مقبرے کو اور دہلی سے متھرا کو سڑک جاتی ہے۔ گو یہ مقبرہ بہت عالی شان اور چینی کے کام کا ہے مگر کچھ ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ کس کا ہے۔ بعض لوگ سیدوں کا کہتے ہیں جن کا زمانہ سنہ ۱۴۱۴ء سے سنہ ۱۴۴۳ء تک رہا۔ بعض نرا نیلا برج کہتے ہیں اس میں پہلے پولیس کی چوکی تھی اب اسی کے پاس چوکی جداگانہ بن گئی ہے اور مقبرہ خالی کرا لیا گیا۔ اس کے گرد ایک وسیع ہشت پہل پختہ چبوترا ہے جس کا ہر ضلع ۴۴ فٹ ۲ انچ لمبا ہے اور چبوترا ۴ فٹ ۲ انچ اونچا۔ اور مقبرے کے گرد ۱۹ فٹ ۲ انچ پھیلا ہوا ہے۔ چار سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاتے ہیں۔ گنبد نہایت خوش نما اور سڈول بنا ہوا ہے جس کے اوپر اور چاروں طرف روکار پر اور اندروار کثرت سے چینی کا کام رنگ برنگ کا نیلا۔ سرخ۔ سفید گلکاری کا ہے۔ بہت جھڑ گیا پھر بھی بہت کچھ باقی ہے۔ اندروار سفید پلاستر کر دینے سے پہلا کام باقی نہیں رہا۔ باہروار بھی جا بجا سے پلاستر جھڑ گیا ہے۔ صدر محراب کے دو طرفہ چینی پر سبز۔ نیلا۔ سفید۔ زرد کام میں کلمہ کا طغریٰ ہے۔ جس کی چوڑان ۱ فٹ ۷ انچ - ۸ اونچان ۲ فٹ ۷ انچ اور مقبرے کی بلندی ۳۴ فٹ ہے۔ اوپر بھی چار طاقچہ نما کھڑکیاں ہیں۔ قبر خام ہے صرف چونا پھیر دیا ہے۔ اور اندر کا فرش بھی کچا ہے۔ زینہ مشرق کی جانب ہے جس میں ۴۲ سیڑھیاں ہیں۔ چبوترے پر متعدد قبریں ہیں اور گرد نیم کے درخت لگے ہوئے ہیں جو قدیم نہیں ہیں۔

ایک چھوٹی سی مسجد

دہلی سے جو سڑک آتی ہے جہاں یہ ہمایوں صفدر جنگ روڈ سے ملتی ہے اور چوراہہ ہو جاتا ہے اس کونے پر سیدوں کے مقبرے کے سامنے ایک چھوٹی سی تین گنبدوں اور تین دروں کی پختہ مسجد دہلی کی سڑک سے لگی ہوئی بائیں طرف ہے۔ اس مسجد میں کوئی خاص بات تذکرے کے قابل نہیں ہے نہ اس کا کوئی خاص نام ہے۔

بارہ کھمبا متصل درگاہ حضرت نظام الدین

حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے قریب ہمایوں کے مقبرے سے جو سڑک صفدر جنگ کے مقبرے کو جاتی ہے چوراہے سے
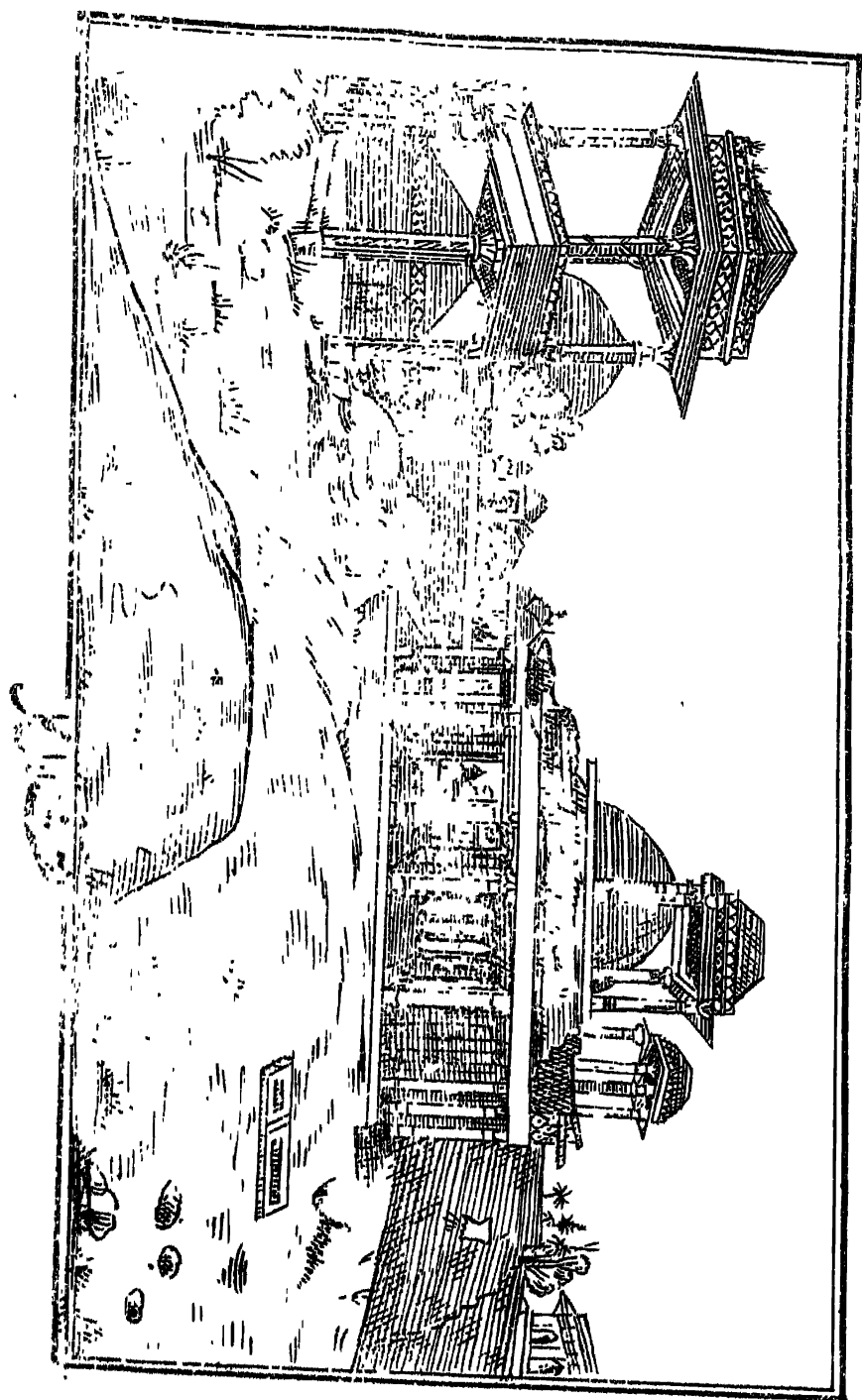
ذرا ہٹ کے یہ ایک پرانی عمارت ہی جس کے بیچ میں ایک بڑا گنبد ہی اور چاروں
کونوں پر چار گنبذیاں ہیں - یہ عمارت ۴۶ فٹ مربع دو فیٹ کرسی دار چبوترے پر
بنی ہوئی ہی - جس کے گرد ایک چوڑا توڑے دار چھجہ ہی - جس کے ہر چہار
طرف تین تین بڑی محرابیں ۶ فٹ - ۱۰ فٹ چوڑی ہیں اور ایک ایک محراب داہنے
بائیں کونے پر ۵ فٹ - ۵ فٹ عریض ہیں - غلام گردش ۹ فٹ - ۴ فٹ چوڑی ہی غلام گردش
چھوڑ کر اندر وار اصلی عمارت میں چاروں طرف تین تین در ہیں اور اسی وجہ سے
بارہ کھمبا مشہور ہی یہ حصہ ۳ فٹ - ۵ فٹ مربع ہی - اور اسی پر بڑا گنبد ہی - غلام گردش پر
ہر چہار طرف قلمدان نما لداؤ کی چھت اور کونوں پر ایک ایک گنبذی ہی - ستون
سب سنگ خارا کے ہیں - عمارت پتھر چونے کی ہی - گنبد کے اندر
چھت پر کسی زمانے میں چینی کا کام تھا جس کے نشان اب بھی باقی ہیں -
بیچ میں دو قبروں کے نشان ہیں جو زمین کے برابر ہوگئی ہیں - فرش پہلے
گچ کا تھا اب گچ اُڑ کر صرف روڑی رہ گئی ہی - سر سید نے آثار الصنادید
میں لعل محل کے ضمن میں اس کا ذکر کیا ہی اور لکھا ہی کہ بہت ناقص ہی اور
دیکھنے کے قابل نہیں مگر در اصل بلحاظ استحکام بہت درست حالت میں ہی
سارا کام پتھر کا ہی کہیں سے ذرا بھی نہیں گرا - اس میں ایک عرصے تک مدرسہ رہا
اب خالی ہی - گورمنٹ کی طرف سے نگہداشت ہوتی ہی - نہیں معلوم ہوتا کہ کس کا
مقبرہ تھا - دنیا وی نام و نمود پر لوگ مرتے ہیں اور حال یہ ہی کہ جن عمارتوں پر
ہزار ہا روپیہ خرچ ہوا اور جو صدہا سال سے زمانے کے فنا کن ہاتھوں کا مقابلہ
کر رہی ہیں پھر بھی کوئی نہیں جانتا کہ اس کا بانی کون تھا - طرز عمارت بتلا رہا ہی کہ یہ
عمارت پٹھانوں کے وقت کی ہی - (۱۴۵۱ء-۱۵۲۶ء) -

فیض اللہ خان بنگش کے مقبرے کے ڈھیم بارہ کھمبے کے پاس ہی فیض اللہ خان
بنگش نے اپنا مقبرہ بنوایا - جو
بالکل ناقص بنا تھا چنانچہ گر پڑا اور سڑک ہمایوں صفدر جنگ کے کنارے
درگاہ شریف کے سامنے جو ڈھیم پڑے ہیں وہ اسی کے ہیں -

لال محل اب اس محل کا صرف نام ہی نام باقی رہ گیا ہی ورنہ سوا ے

کھنڈر کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ نظام الدین کی بستی کے پاس کسی زمانے میں یہ محل تھا جہاں اب بہت سے ایسے کھنڈر ہیں کہ جن کے تاریخی حالات صحیح طور پر کچھ معلوم نہیں ہوتے۔ مسٹر کیمبل کی یہ رائے محض عام رائے پر مبنی ہے کہ "شاہان خلجی نے اس نام کا محل بنوایا تھا اور ظن غالب ہے کہ علاء الدین خلجی کا بنایا ہوا ہے"۔ اب محل کا تو کہیں پتہ نہیں۔ ساٹھ ستر برس کے اول تو کچھ تھا بھی وہ رہا سہا بھی مٹ مٹا گیا۔ شہر میں بہت سی نئی عمارات بننے لگیں۔ سنگ سرخ کی مانگ کثرت سے ہونے لگی۔ مال مفت دل بے رحم۔ بے رحم گاؤں والوں کو غیبی خزانہ ہاتھ آیا۔ دھڑی دھڑی کر کے لوٹا اور من مانے پتھر اکھاڑ اکھاڑ کر لے گئے اور ایک لوٹ مچا دی۔ اب جو کچھ ان لٹیروں سے بچ رہا ہے وہ صرف ایک گنبد دار حجرہ ہے جس کے چاروں طرف چار چار ستونوں کی برجیاں تھیں۔ اس کے علاوہ ایک بڑا دو منزلہ دالان محل کے وسیع عمارات کے حصۂ زیرین میں رہ گیا ہے۔ کچھ شکستہ محرابیں جا بجا کھڑی ہیں۔ جن کی تراش خراش پکار رہی ہے کہ علاء الدین کے زمانے کی ہیں۔ دالان کی بالائی منزل تمام تر سنگ سرخ کی ہے اور اسی وجہ سے "لال محل" نام رکھا تھا۔ بالائی منزل بالکل کھلے ہوئے دروں کا ایک وسیع ہال ہے جس کی شکل بہت سی چھوٹی چھوٹی برجیوں کی سی ہے جن کی چھتیں سطحی دار ڈھلواں ہیں جو گنبد کے اطراف تھیں۔ چوٹی پر پہنچ کر مکان کی شکل بیضوی ہو گئی ہے۔ عمارت کا طرز اس کے نقش و نگار اور گل کاری سب قطب صاحب کے "علائی دروازے" سے ملتی جلتی ہے اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ دونوں عمارتیں قریب قریب ایک ہی زمانے کی بنی ہوئی ہوں گی اور یہی بڑی وجہ ہمارے اس خیال کی ہے کہ ہم اس عمارت کو علاء الدین خلجی سے منسوب کرتے ہیں۔ اکبر یا جہانگیر کے عہد میں اس محل میں کچھ کچھ ترمیمات بھی کی گئی تھیں لیکن اس بات کا پتہ چلا کہ زمانہ مابعد میں کیا کیا رد و بدل ہوا ناممکن ہے کیونکہ اس عمارت ہی کی وہ حیثیت نہ رہی جو پہلے تھی اور اب تو بالکل ایک تباہ حالت میں ہے۔ یہ محل کوشک لال بھی کہلاتا ہے اور بارہ کھمبے کے پاس ہے۔ یہ پہلے کیسا تھا ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ موجودہ حالت یہ ہے کہ ایک مختصر سی عمارت سرتا پا سنگ سرخ کی باقی رہ گئی ہے جس کے بیچ کی میں ایک پست اور پھیلا ہوا گنبد ہے اور چاروں طرف دو منزلہ دو رکھے نیچے حجرے اور تہ خانہ ہے۔ تمام ستون سنگ سرخ کے ہیں غریب لوگ سقے وغیرہ رہتے ہیں

جنھوں نے خوب پلیسٹ بھر کے بگاڑا اور خراب کیا ہی - قرینہ دال ہی کہ لال محل کا یہ کوئی بچا کھچا حصہ رہ گیا ہی - اس کو اُس عالی شان محل کا ایک نمونہ سمجھیے اور اسی پر سے اس کی سابقہ حالت کا مجملی تصور اپنے ذہن میں کر لیجیے - لال محل کے دروازے کا حصہ جو اب باقی ہی وہ یہ ہی کہ صرف ایک چو پہل چھتری بُرجی دار ۷-۱/۲ مربع شمال رویہ کھڑی ہی - چار ستون سنگ خارا کے ہیں چھت میں پتھر کی سلوں کا پٹاؤ کر کے اُس کے اوپر سنگ سرخ کی ایک خوش قطع بُرجی بنا دی ہی - یہ دروازہ ڈیوڑھی دار تھا -

ایک نامعلوم گنبد

لال محل سے ملا ہوا ہی ایک چھوٹا سا گنبد (۱۹) مربع کھڑا ہی جس پر رنگ کا کام تھا اب بھی کہیں کہیں اُس کام کی سرخی نظر آتی ہی محراب کے دو طرفہ کلمۂ طیبہ کا طغرے بنے رہتے ہیں جنھوں نے اندر سے سارا گو بر سے لیپ ڈالا ہی اور اُس لپائی کی ایسی تہ پر تہ چڑھ گئی ہیں کہ جیسے چاند ابر میں چھپ جاتا ہی - اصلی حیثیت معلوم نہیں ہو سکتی - دروازہ صرف ایک ہی مشرق رویہ ہی اُسے بھی چُن کر چھوٹا کر دیا ہی - اندر پکا پکا کر گنبد کی چھت کو آبنوس کی چھت بنا دیا ہی - اندر تین قبریں ہیں جن کا صرف نشان رہ گیا ہی - رہنے والوں نے اپنے آرام کے لیے قبروں کو توڑ پھوڑ کر سطح ہموار کر لی ہی کیوں کہ قبروں کا وجود اُن کے آرام و آسایش میں خلل انداز تھا -

حضرت سلطان المشایخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی قدس سرہ العزیز کے حالات

۶۳۶ھ - ۷۲۵ھ
۱۲۳۵ع - ۱۳۲۴ع

قطب عالم نظام ملت و دین * کافتاب کمال شد رخ او
وز جنید و ز شبلی و معروف * یادگار ہست ذات فرخ او

آپ شہر دہلی کے سب سے نامور اور با کرامت اہل اللہ میں سے ہیں جن کا شہرہ چار دانگ عالم میں ہی اور باوجودیکہ اتنا زمانہ گزرا مگر آج بھی لوگوں کو آپ کی ذات اقدس سے وہی عقیدت ہی جو پہلے تھی - آپ کا نام نامی و اسم گرامی محمد بن احمد بن علی البخاری ہی اور سلطان المشایخ - نظام الدین اولیا اور محبوب الٰہی کے لقب سے مشہور رہیں - دلی والے عموماً سلطان جی ہی کے مختصر پیارے لقب سے پکارتے ہیں - آپ کے دادا صاحب کا نام خواجہ علی بخاری اور نانا صاحب کا نام خواجہ عرب ہی - یہ دونوں بزرگوار نہایت متقی پرہیزگار صاحب علم و حلم و کرم و اخلاق حسنہ و اوصاف مرضیہ تھے اور علاوہ اس کے دنیاوی ثروت و حشمت سے بھی مالا مال تھے اور یہ دونوں بزرگوار چچا زاد بھائی تھے اور آپس میں غایت درجہ کی محبت تھی چنانچہ اسی قرابت اور محبت کے باعث جو سید علی کے صاحبزادے خواجہ سید احمد (حضرت کے والد ماجد

جد مادرزاد ولی تھے) کی نسبت حضرت خواجہ سید عرب (آپ کے نانا) کی صاحبزادی حضرت بی بی زلیخا سے قرار پائی اور نکاح منعقد ہوا۔ آپ کا سلسلہ حضرت امیر المومنین امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ تک پونہچتا ہے آپ طرفین سے صحیح النسب سید حسنی تھے۔ وطن اصلی آپ کا شہر بخارا تھا متوطن شہر غزنین کے تھے۔ اور آپ کے آبا و اجداد آخر بحسب مشیت الٰہی حضرت سید علی اور سید عرب بخارا سے ہجرت کر کے مع اپنے اہل و عیال کے ملک ہندوستان کے شہر لاہور میں تشریف لائے اور چند روز بعد وہاں سے بدایوں آئے جو اس زمانے میں نہایت باعظمت اور مرکز علمائے اسلام و صوفیائے کرام تھا اور یہیں کی سکونت اختیار کی حضرت خواجہ سید احمد بڑے عالم متبحر اور فاضل اجل اور نہایت صاحب امانت و دیانت تھے۔ بادشاہ وقت نے آپ کی کرامت اور بزرگی اور علم و دیانت کا شہرہ سنا اور آپ کو شہر بدایوں کی قضاءت پیش کی مگر چونکہ امور دنیاوی کی طرف آپ کا میلان خاطر نہ تھا اور خلوت اور گوشہ نشینی پسند طبع تھی آپ نے قضاءت کو قبول نہ فرمایا بادشاہ کے تقاضے سے مجبوراً چند روز کے واسطے یہ خدمت قبول کی بعدازاں کنارہ کشی اختیار کی اور بالکل گوشہ نشین ہو کر تلقین و ہدایات عامہ خلایق میں مصروف ہو گئے۔ ۵ ذی حجہ ۱۲۴۱ھ میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور بدایوں میں لب تالاب ساغر مدفون ہوئے۔ مزار پاک آپ کا زیارتگاہ خاص و عام و حاجت روا ئے خلق ہے۔ حضرت سلطان المشایخ کی ولادت ۲۷ صفر المظفر ۶۳۶ھ ۱۲۳۵ روز آخری چہارشنبہ وقت صبح صادق ہے۔ آپ کا سن شریف پانچ ہی سال کا تھا جب یتیم ہو گئے۔ بادشاہ وقت نے بپاس ادب حضرت کے والد ماجد کے آپ پر مناصب آبائی بحال و برقرار رکھے اور ایک عالم وقت کو آپ کا نایب مقرر کیا۔ سلطان المشایخ اگرچہ اُن دنوں کم سن تھے مگر بحکم مَنْ سَعِدَ سَعِدَ فِیْ بَطْنِ اُمِّهٖ اُس عہدے سے انکار اور کراہت کرتے تھے جب آپ پڑھنے کے لایق ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو مکتب میں بٹھا دیا آپ نے تھوڑے ہی عرصے میں قرآن شریف حفظ کر لیا بارہ سال کی عمر تھی کہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کے اوصاف سن کر آپ بہت

گرویدہ ہوگئے اور تحصیل علوم میں مصروف و منہمک رہے مگر شیخ کا خیال لگا رہا
مولٰنا علاء الدین علیہ الرحمہ اصولی بدایونی سے قدوری تمام کی اس کے بعد
مع اپنی والدہ اور ہمشیرہ کے بغرض حصول علم دہلی تشریف لائے شمس الملک
سے جو صدر ولایت مانے جاتے تھے اور ایسا بزرگ تھے۔ مقامات حریری
جو علم ادب کی ایک نہایت مستند اور بلیغ کتاب ہی پڑھی۔ اور چودہ سال کی عمر
میں علوم عقلی و نقلی کے حصول سے فراغ حاصل کیا۔ آپ بڑے ذہین اور
تیز طبع اور دانش مند تھے کہ علماء نے آپ کو مولٰنا نظام الدین بحاث محفل
شکن خطاب دیا۔ علم تفاسیر و احادیث و ہیئت و ہندسہ و فقہ و اصول میں دستگاہ
کامل حاصل کی اور علم حدیث مولٰنا کمال الدین سے جو اس زمانے کے بڑے
محدث تھے حاصل کیا۔ رات دن علم کا ہی مشغلہ رہتا تھا۔ شیخ نجیب الدین
متوکل سے صحبتیں رہتیں اس کے بعد اجودھن تشریف لے گئے شیخ فرید الدین
گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے قرآن شریف کے چھ پاروں کی تجویدگی
عوارف کے چھ باب سنائے اور سند لی۔ تمہید ابی الشکور سالمی وغیرہ پڑھیں
پھر بیعت سے مشرف ہوئے۔ حضرت کی والدہ ماجدہ نے بھی تھوڑے
عرصے کے بعد ۳ رجادی الاولی (سنہ نامعلوم) میں بمقام دہلی انتقال کیا
اور حضرت شیخ نجیب الدین متوکل برادر حقیقی حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر
رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں جس مکان میں کہ رہتی تھیں مدفون ہوئیں اور
یہیں حضرت بی بی نور اور بی بی حور دختران حضرت شیخ شہاب الدین
عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا مکان تھا یہ دونوں بیبیاں بھی یہیں مدفون ہیں
چنانچہ عام طور پر بی بی نوری کا آستانہ مشہور ہی جو حضرت قطب صاحب کی درگاہ
سے ایک میل ورے اس سڑک پر واقع ہی جو دہلی سے مہرولی کو جاتی ہی۔
یہ آستانہ موضع آدھ چینی میں واقع ہی جو جاٹوں کی بستی ہی اور مسلمانوں کا نام تک بھی
نہیں ہی بہ مشکل تمام جاٹوں کے دخل سے ان آستانوں و نیز آستانہ شیخ
نجیب الدین متوکل کو ایک بڑے احاطے میں محصور کر دیا گیا جس میں ایک
قدیم مختصر سے قناتی مسجد اور باؤلی بھی ہی۔ حضرت کی والدہ ماجدہ کو اپنے شوہر کی

وفات کا حال عالم رویا سے معلوم ہو گیا تھا جس کی وجہ سے ہر وقت مغموم رہتی تھیں اور اُن کی اطاعت اور ناز برداری کا بڑا اہتمام فرماتی تھیں اور کھانے پینے کی ہر ایک چیز جو حضرت سے کے مرغوب طبع ہوتی آپ کو کھلاتیں پلاتیں۔ حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب آپ کی والدہ ماجدہ کی وفات کا وقت آیا تو چند روز آپ بیمار رہیں۔ کھانا پینا یک لخت چھوڑ دیا۔ اور ہر وقت آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا اُمڈا چلا آتا تھا۔ ہمہ وقت اشکبار رہتی تھیں۔ مرض الموت میں میں چاندرات کو ماہ نو کے سلام کو حاضر ہوا اور حسب عادت قدمبوسی کی تو میری طرف بچشم پرنم متوجہ ہوئیں اور کہا کہ "آج چاندرات ہے؟" میں نے عرض کیا کہ "جی ہاں"۔ کہنے لگیں کہ "اگلے مہینے کی چاندرات کو کس کے پاس آؤ گے اور تمھیں پیار کی نظر سے دیکھنے والا کون رہے گا؟" یہ سنتے ہی میں سمجھ گیا کہ والدہ صاحبہ کی وفات کا زمانہ قریب آگیا۔ میرے دل پر سخت چوٹ لگی اور اس صدمے سے میری حالت متغیر ہو گئی اور زار قطار رو رو کے عرض کی کہ "اے مخدومۂ جہاں! مجھ غریب بے چارے کو کس پر چھوڑ چلیں گی" فرمایا کہ "اس کا جواب میں تم کو کل صبح دوں گی اب رات کو تو تم شیخ نجیب الدین متوکل کے مکان میں جاکر سو رہو" چنانچہ اُن کے ارشاد کے موافق میں وہاں جاکر لیٹ رہا مگر نیند کسے آسکتی تھی ساری رات تڑپ تڑپ کر گزاری۔ صبح ہوتے ہی خادمہ بلانے آئی۔ اس نے کہا کہ رات کو والدہ اچھی رہیں۔ میں جاکر پیروں میں گرا اور بے اختیار رو کر عرض کی کہ "میری خوشی تو آپ کی سلامتی میں ہے" فرمایا کہ "تم کو یاد ہے کہ تم نے مجھ سے ایک بات کہی تھی اور میں نے کہا تھا کہ تم کو کل جواب دوں گی"۔ میں نے عرض کی کہ "جی ہاں۔ یاد کیوں نہیں" فرمایا "اپنا داہنا ہاتھ لاؤ"۔ میں نے ہاتھ پھیلا دیا آپ نے داہنے ہاتھ میں میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا "خداوندا! میں اس غریب بے چارے کو تیرے سپرد کرتی ہوں" اور یہی ایک کلمہ فرما کر جان بحق تسلیم ہوئیں۔ مجھے اُن کی اس دعا سے ایسی تسکین ہوئی کہ اگر وہ میرے واسطے ایک مکان موتیوں سے بھرا ہوا چھوڑ جاتیں جب بھی یہ اطمینان قلب حاصل نہ ہوتا۔ غرض دہلی میں آپ بعہد سلطان غیاث الدین بلبن بداؤں سے

سولہا سال کی عمر میں تشریف لاکر شیخ نجیب الدین متوکل کے ہمسایہ میں فروکش ہوئے جو حسن اتفاق سے شیخ شیوخ العالم کے بھائی تھے۔ اور تعلیم و تعلم کا شغلہ رہا۔ مولنا شمس الملک و مولنا امین الدین محدث کی صحبتوں سے فیض اٹھایا اور اسی مشغلے میں تین چار سال گزر گئے ایک روز صبح کے وقت آپ جامع مسجد دہلی میں تشریف لے گئے اور موذن نے منارۂ اذان پر چڑھ کر یہ آیۃ پڑھی اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ (کیا مومنوں کے واسطے وہ وقت نہیں آیا ہی کہ ان کے دل ذکر الٰہی کے واسطے جھک جائیں) اس آیۃ کو سنتے ہی آپ کی حالت متغیر ہوگئی اور تمام امور دنیاوی سے دست کش ہوکر ہمہ تن متوجہ الی اللہ ہوگئے۔ ہر طرف سے انوار الٰہی کی تجلیاں آپ پر ہونے لگیں اور بیعت کی خواہش ہونے لگی۔ اُس وقت دلی میں شیخ نجیب الدین متوکل سے بڑھ کر کوئی بزرگ نہ تھا آپ نے اُن سے مرید ہونے کی درخواست کی اُنھوں نے فرمایا کہ اس زمانے میں دو بزرگ معتقداے عصر ہیں ایک حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی دوسرے قطب العالم حضرت شیخ فرید الحق والدین مسعود گنج شکر اجودھنی (پاک پٹن شریف) ان دونوں میں سے جس کے چاہو مرید ہو جاؤ۔ آپ کو اس قدر شوق کا غلبہ تھا کہ دوسرے ہی دن بغیر زاد راہ آپ اجودھن کو روانہ ہوئے جب آپ قصبۂ سرسہ میں پہنچے تو وہاں دو راستے پھوٹتے ہیں ایک ملتان کو اور دوسرا اجودھن کو آپ تین دن وہاں اس راہ میں مقیم رہے کہ کدھر جائیں تیسری شب کو آپ کو بشارت ہوئی اور آپ اجودھن کی طرف چلے چنانچہ آپ ۱۵ رجب المرجب ۶۵۵ھ کو اجودھن پہنچے اور بعد نماز ظہر آپ حضرت شیخ شیوخ العالم کے حضور میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے آپ کی صورت دیکھتے ہی چند قدم استقبال فرمایا اور سلام میں سبقت کی اور السلام علیکم کہہ کر یہ شعر پڑھا۔

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ — سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

آپ نے حضرت شیخ سے بیس سال کی عمر میں سلسلۂ خاندان چشتیہ میں بیعت کی۔ حضرت نے آپ کے واسطے چارپائی بچھانے کا حکم دیا۔ آپ نے

ترک ادب سے تامل کیا کہ بڑے بڑے حافظان کلام ربانی و عاشقان درگاہ رحمانی تو خاک پر سوئیں تو مجھ کو چارپائی پر کس طرح آرام آسکے گا یہ خبر مولنٰا بدرالدین اسحاق کو پونہچی تو اُنھوں نے مجھے کہلا بھیجا کہ اپنا کہا کروگے یا شیخ کا فرمودہ بجالاؤگے۔ میں نے کہا کہ میں تو شیخ کا تابع فرمان ہوں اور میں چارپائی کو اُلٹا بچھاکر اس طرح کہ بان زمین سے لگ گئی سو گیا جس سے تعمیل فرمان اور شیخ کا ادب دونو باتیں حاصل ہوئیں۔ حضرت سلطان المشائخ چاہتے تھے کہ چند دن آپ کی خدمت میں حاضر رہیں مگر آپ کے ہاں عسرت بہت تھی دودو تین تین دن بلا غذا کے صاف گزر جاتے تھے۔ مولنٰا بدرالدین اسحاق جنگل سے لکڑیاں لاتے اور شیخ جمال الدین ہانسوی کریل کے پھل جن کو ٹینٹی کہتے ہیں اور سرکہ میں اُس کا اچار پڑتا ہے لاتے اور مولنٰا حسام الدین کابلی پانی لاکر باورچی خانے کے برتن دھوتے اور حضرت محبوب الٰہی اُن ٹینٹیوں کو اُبال کر کچکول میں نکالتے اور اس طرح کا کھانا ہوتا اس پر بھی بعض اوقات نمک میسر نہ ہوتا۔ خانقاہ کے نزدیک بقال کی ایک دکان تھی حضرت محبوب الٰہی نے ایک دفعہ اُس سے ایک درم کا نمک اُدھار لے کر کھانے میں ڈال دیا۔ جب حضرت شیخ شیوخ العالم نے لقمہ اُٹھایا تو ہاتھ میں لرزہ پیدا ہوا اور نوالہ جوں کا توں ڈال دیا اور پوچھا کہ نمک کس نے ڈالا ہے اور کہاں سے آیا تھا حضرت محبوب الٰہی فوراً سمجھ گئے کہ قرض کا نمک یہ رنگ لایا ہے میں نے صاف صاف عرض کر دیا فرمایا کہ درویش فاقے سے مرجاتے ہیں مگر لذت نفس کے واسطے قرض نہیں لیتے کیونکہ قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہے دونوں کا ساتھ نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ قرض ادا نہ ہو اور گردن پر رہ جائے پھر وہ پیالے سامنے سے اُٹھوا دیئے اور کہا کہ فقیروں کو دے دو۔ میں وقت ضرورت قرض لے لیا کرتا تھا تب سے توبہ کی کہ کیسی بھی ضرورت ہو قرض نہ لوں گا۔ اُس وقت شیخ شیوخ العالم ایک کمبل پر تشریف رکھتے تھے وہ کمبل مجھ کو عنایت فرمایا اور دعا فرمائی کہ انشاء اللہ تم کو قرض لینے کی ضرورت نہ ہوگی پھر جب سلطان المشائخ رخصت ہونے لگے تو آپ نے چند نصیحتیں فرمائیں کہ اپنے دشمنوں کو جس طرح ہو سکے خوش کرنا

اور جب کسی سے قرض لیا ہو اُس کے ادا کرنے میں سعی کرنا خداوند تعم آسان فرمائیگا
آپ شیخ کی حیات میں تین مرتبہ حاضر خدمت ہوے اور سات مرتبہ بعد وصال
شیخ کے وصال کے وقت آپ وہاں موجود نہ تھے اسی طرح شیخ فریدالدین
گنج شکر بھی اپنے پیر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کے وصال
کے وقت موجود نہ تھے اور وہ اپنے پیر خواجہ معین الدین اجمیری علیہ الرحمہ
کے وصال کے وقت موجود نہ تھے۔ حضرت محبوب الٰہی نے تمام عمر میں مخصوص
اپنی اوقات کے لیئے کوئی مکان حاصل نہ کیا۔ بدایوں سے آکر پہلے آپ
میاں بازار کی سرائے میں جسے نمک کی سرائے بھی کہتے تھے فروکش
ہوے اپنی والدہ اور بہن کو یہاں ٹھیرا کر آپ اس کے قریب ہی بارگاہ قواس
میں جو سرائے کے سامنے ہی تھی رہنے لگے۔ امیر خسرو کا مکان بھی
اسی محلے میں تھا۔ پھر چند روز کے بعد راوت عرض کے بال بچے چلے جانے
سے وہ مکان خالی ہوا چوں کہ راوت مذکور امیر خسرو کے رشتے کا نانا ہوتا تھا آپ
امیر خسرو کے ذریعہ سے اُس مکان میں جا رہے یہ مکان قلعے کے برج
کے متصل مندہ دروازے اور پل سے ایسا ملا ہوا تھا کہ قلعے کا ایک برج اس
مکان کے اندر آگیا تھا۔ اس مکان کی عمارت نہایت وسیع و بلند تھی۔
سید محمد کرمانی صاحب سیر الاولیاء کے جد بزرگوار جب اجودھن سے مع
اہل و عیال کے تشریف لاے تو وہ بھی آپ کے ساتھ اسی مکان میں
رہے۔ اس مکان کی تین منزلیں تھیں۔ نیچے کی منزل میں سید محمد کرمانی کے
اہل و عیال رہتے تھے۔ درمیانی منزل میں حضرت محبوب الٰہی اور اوپر کی
منزل آپ کے احباب کے واسطے تھی اور وہیں کھانا بھی پکتا تھا۔ صاحب
سیر الاولیاء کے والد کہتے ہیں کہ ان دنوں سواے میرے کہ میں کم عمر تھا
اور ایک حضرت کے زر خرید غلام بشیر نام کے اور کوئی خادم آپ کے
پاس نہ تھا۔ کھانا پکانے کی خدمت میری والدہ کے سپرد تھی جو حضرت
محبوب الٰہی کے پیر بہن تھیں اور میرے باپ کھانا کھلاتے تھے اور باقی
خدمات جیسے وضو کرانا اور بیت الخلا میں ڈھیلے رکھنا وغیرہ میں انجام دیتا تھا

دو برس کے بعد راوت عرض کے بال بچے واپس آ گئے اُس نے سخت تقاضا کر کے مکان خالی کرا لیا حضرت کو اتنی مہلت بھی نہ دی کہ دوسرا مکان مل جاتا۔ آپ کے پاس سوائے کتابوں کے اور کوئی سامان نہ تھا وہ میں نے اپنے سر پر لیں اور چھپر دار کی مسجد میں جو سراج بقال کے گھر کے سامنے تھی لے گیا۔ حضرت نے شب اسی مسجد میں کاٹی اور سید محمد کرمانی کے اہل و عیال مسجد کی دہلیز میں پڑے رہے۔ قدرت خدا کی دیکھیے کہ اسی رات راوت کے مکان کو آگ لگی اور بال بچوں کا [illegible] نیست و نابود ہو گیا۔ دوسرے دن سعد کاغذی نے جو حضرت شیخ صدر الدین کے مرید تھے یہ ماجرا سنا اور حضرت کو بڑی تمیز و اہتمام کے ساتھ اپنے مکان میں لے گئے اور کوٹھے پر ایک وسیع و خوش نما کمرہ بنا ہوا تھا اُس میں اُتارا اور سید محمد کرمانی کے واسطے دوسرا مکان خالی کروا دیا آپ ایک مہینے اس مکان میں رہے اور پھر یہاں سے اُٹھ کر سرائے رکاب دار میں جو پل قیصر کے پاس ہے قیام کیا۔ اس سرائے کے کونے میں ایک محفوظ مکان تھا جس میں آپ رہتے تھے اور حضرت کرمانی کے اہل و عیال بھی اُسی سرائے کے ایک حجرے میں بسر کرتے تھے۔ پھر ایک مدت کے بعد یہاں سے بھی اُٹھ کر محمد میوہ فروش کی دکانوں کے پاس شادی گلابی کے مکان میں جا رہے مگر شمس الدین شربدار کے اقربا نے جو حضرت کے مرید و معتقد تھے آپ کو یہاں نہ رہنے دیا اور بڑے اصرار سے شمس الدین کے مکان میں لے گئے اور اس مکان میں بہ مقابلے دوسرے مکانوں کے آپ کو زیادہ آرام ملا اکثر احباب جو اجودھن سے آتے اسی مکان میں اُترتے تھے۔ اسی محلے میں ایک بزرگ صاحب نعمت خواجہ محمد نعلین دوز بھی رہتے تھے ہمیشہ ان کی اُنگلیاں چمڑے کے رنگ سے رنگین رہتیں ایک دفعہ انھوں نے حضرت کی مع چند احباب کے دعوت کی۔ کھچڑی پکائی تھی اس میں اتفاقاً نمک تیز ہو گیا لوگوں نے مذاق اُڑانا شروع کیا آپ نے فرمایا "یارو کچھ نہ کہو ان عزیز کے گھر میں قدر سے نمک تھا وہی اُنھوں نے پکا کر تمہارے آگے رکھ دیا۔" آپ جب جب مکان میں رہے کرمانی صاحب کے اہل و عیال آپ کے ساتھ رہے۔ ابتدائے زمانۂ قیام دہلی میں آپ کا ارادہ

شہر میں رہنے کا مطلق نہ تھا چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ قتلغ خاں کے حوض پر
ایک دن آپ نے ایک درویش صاحب حال کو ذکر و اذکار میں مشغول پایا۔
نزدیک جاکر پوچھا کہ کیا آپ اسی شہر کے رہنے والے ہیں اُنھوں نے کہا "ہاں"
پھر آپ نے کہا کہ "کیا آپ اپنی خوشی سے یہاں رہتے ہیں؟" اُنھوں نے کہا
کون ایسا شخص ہے جو اس شہر اور ایسے اژدحام میں خوشی سے سکونت اختیار کرے گا
پھر ان درویش نے کہا کہ ایک دفعہ میں نے دروازۂ کمال کے باہر حظیرۂ شہیداں
میں جو لب خندق واقع ہے ایک بزرگ صاحب کمال کو دیکھا جنھوں نے فرمایا کہ اگر
تو اپنا ایمان سلامت رکھنا اور خدا کی عبادت چاہتا ہے تو اس شہر سے باہر چلا جا کیونکہ
یہاں فسق و فجور بکثرت ہوگیا ہے۔ حضرت نے اُسی وقت سے شہر سے باہر چلے
جانے کا قصد کیا مگر کچھ نہ کچھ موانع ایسے پیش آتے رہے کہ پچیس برس گزر گئے
اور بہ مصداق "قَيْدُ الْمَاءِ اَشَدُّ مِنْ قَيْدِ الْحَدِيْدِ" (پانی (آب و دانہ) کی قید لوہے
کی قید سے سخت تر ہوتی ہے)۔ اُس درویش کا یہ کلام سن کر شہر چھوڑنے کا ارادہ
مصمم کرلیا کبھی دل کہتا تھا کہ پٹیالی چلا جاؤں کہ ترک (امیر خسرو) بھی وہیں ہیں اور
کبھی ارادہ کرتا تھا کہ بسنالے چلا جاؤں کہ یہ موضع شہر سے کسی قدر نزدیک ہے
الغرض بسنالے گیا اور تین دن وہاں رہا بھی مگر کسی مکان کا بندوبست نہ ہونے
سے مجبوراً واپس آیا اور اسی تردد میں تھا کہ ایک دن حوض رانی کے پاس ایک
باغ میں جا نکلا جس کو جسرتھ کا باغ کہتے ہیں میں نے وہاں وضو کرکے دوگانہ نماز
ادا کیا اور مناجات میں مشغول ہوا کہ "خداوندا میں اپنے اختیار سے کہیں رہنا نہیں
چاہتا جس جگہ میرے دین و دنیا کی خیریت ہو وہیں مجھ کو رکھ" اسی دعا میں مشغول تھا
کہ یکایک آواز غیبی آئی کہ "تیری جگہ غیاث پور ہے"۔ میں نے نہ کبھی غیاث پور کا
نام سنا نہ دیکھا تھا حیران ہوا کہ یہ مقام کس جگہ ہے۔ میں وہاں سے اپنے ایک دوست
نیشاپوری کے مکان پر آیا جو نقیب کہلاتا تھا تاکہ اُن سے غیاث پور کا پتہ
لگاؤں وہ گھر پر نہ تھے دریافت سے معلوم ہوا کہ وہ غیاث پور گئے ہیں اُن کے
آنے کے بعد میں اُن کے ساتھ غیاث پور گیا یہ موضع کچھ آباد نہ تھا نہ کوئی
اس کو جانتا تھا۔ بالآخر میں یہیں رہنے لگا یہاں تک کہ سلطان معزالدین کیقباد نے

دریاے جون (جمنا) کے موضع کیلوکھڑی (کیلوگڈھی) میں محل اور شہر وجامع مسجد کی بنیاد ڈالی تو امرار ورؤساے شہر کی آمدورفت اس طرف بہ کثرت ہوگئی اور مخلوقات کی مزاحمت وکثرت حاضری سے میری اوقات میں خلل آنے لگا اس وجہ سے پھر میرا ارادہ یہاں سے چلے جانے کا ہوا اور یہ ارادہ کرلیا کہ وہاں لوگوں کی آمدورفت کم ہو اسی اثنار میں ایک نوجوان صاحب جمال نحیف وناتوان جس کے چہرے سے آثار کمال نمایاں تھے واللہ اعلم مردان غیب سے تھا یا کون تھا میرے پاس آکر بیٹھ گیا اور یہ ابیات پڑھیں ؎

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی کہ انگشت نماے عالمے خواہد شد

امروز کہ زلفت دل خلقے بربود در گوشہ نشستنت نمی دارد سود

اور پھر کہنے لگا کہ اول تو آدمی مشہور نہ ہو اور جب خدا اسے شہرت دے تو پھر ایسی بات نہ کرے جس سے کل قیامت کے روز خدا کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے واہ یہ کیا قوت اور کیا حوصلہ ہے کہ خلق سے جدا ہو کر گوشۂ خلوت ڈھونڈتے پھریں اور مشغول بحق ہوں یعنی یہ کوئی قوت وحوصلہ نہیں ہے بلکہ قوت اور حوصلہ اس کا نام ہے کہ باوجود خلقت کے ہجوم کے مشغول بحق ہوں۔ یہ سن کر حضرت نے اپنا ارادہ نقل مکان کا فسخ کیا۔ آپ کا وہ مکان جو غیاث پور میں دریاے جمنا کے کنارے تھا اب تک اچھی حالت میں موجود ہے جو مقبرۂ ہمایوں کے احاطے کی جنوب ومغربی دیوار سے ملا ہوا ہے۔ یہ مکان سفال پوش تھا اور آپ کے مریدین لواحقین بھی وہیں رہتے تھے اب اگرچہ اس کا بہت حصہ منہدم ہوگیا ہے مگر خاص حضرت کے تشریف رکھنے کا مکان اور کتب خانہ اور خلوت کا حجرہ جس میں آپ کا وصال ہوا اور یہیں آپ کو غسل میت بھی دیا گیا قایم ہے جس کی کچھ مرمت بھی کرادی گئی ہے۔

خانقاہ کی تعمیر ہرچند بہت سے امرار اور رؤسار نے خانقاہ بنانے کی اجازت چاہی مگر آپ ہمیشہ منع فرمادیتے تھے یہاں تک کہ ایک دن عماد الملک ضیار الدین وکیل نے جو آپ کے مریدان خاص میں سے تھے خلوت میں عرض کی کہ میری تمنا یہ ہے کہ جناب کے لیے اس جگہ خانقاہ تعمیر کراؤں حضرت نے اجازت دی تب انھوں نے خواجہ اقبال ملازم اور

سید حسن سے جو سید محمد کرمانی کے فرزند کلاں تھے اور بہت پیش پیش تھے
سفارش کرائی اور نہایت عاجزی اور منت سے خواستگاری کی تو حضرت نے
فرمایا کہ "اے ضیاء الدین اس میں ایک راز ہے جس سبب سے میں اجازت تعمیر
خانقاہ کی نہیں دیتا اور یہ ہے کہ جو کوئی اس زمین پر عمارت بنائے گا زندہ نہ رہیگا
ضیاء الدین نے یہ سن کر زمین خدمت کو بوسہ دیا اور کہا کہ "مجھ کو بمقابلہ حضور کے
آرام و آسایش کے اپنی زندگی عزیز نہیں ہے۔ میں اگر زندہ نہ رہا تو کچھ ہرج
نہیں ذات بابرکات حضرت کو خداوند عالم دیرگاہ مسلمانوں کے سروں پر
سایہ فگن رکھے تا فلاح کونین وسعادت دارین ہم سب کو نصیب ہو۔ تعمیر
خانقاہ کی اجازت مجھ کو ضرور ملنی چاہیئے" ناچار آپ نے فرمایا "خیر جب تم
اپنی موت خود اختیار کرتے ہو تو تم جانو لیکن یہ ضرور ہے جو کچھ عمارت خانقاہ
کے متعلق تم بنانی چاہو وہ سب ایک مہینے میں طیار ہو جائے"۔ ضیاء الدین
نے ایسا ہی کیا اور اس عرصے میں آپ موضع کیلوکھری میں جامع مسجد کے
قریب رہنے لگے ہر شب جمعہ کو نماز جمعہ کے واسطے آپ تشریف لے جایا
کرتے تھے باقی تمام ہفتہ یہیں گزارتے الغرض جب ضیاء الدین کار تعمیر سے
فارغ ہوئے تو چار سو اشرفی لگاکر مجلس سماع کا سامان مہیا کیا اور اسی روز حضرت
مع اپنے دوستوں اور معتقدین کے خانقاہ میں تشریف لائے اور اسی روز
ضیاء الدین کو سماع میں ایسا وجد و ذوق حاصل ہوا کہ حضرت کے زانو پر سر رکھکر
رحمت حق سے واصل ہوئے۔

دم آخر ترے زانو پر جو اپنا سر ہو خوش نصیبی میں ہمارا نہ کوئی ہمسر ہو

جب آپ غیاث پور میں رہتے تھے تو فقر فاقے سے ازحد تکلیف تھی تین چار
فاقوں کے بعد آپ کے ہمراہی شہر میں زنبیل گردانی (گداگری) کرتے تھے
اور جو کچھ روٹی ٹکڑے مل جاتے تھے وہ دسترخوان پر لا رکھتے تھے
ایک دن ایک فقیر آن نکلا اور خیال کرکے کہ کھانا کھانے کے بعد یہ ٹکڑے
ٹکڑے بچ رہے ہیں سب سمیٹ سماٹ چلتا ہوا۔ حضرت نے اس کی اس
حرکت پر تبسم فرمایا اور کہا کہ "ہنوز ہم کو بھوکا ہی رکھنا منظور ہے" الغرض آپ کے

تمام ہمراہی بہت تنگ حال تھے آخر سلطان جلال الدین خلجی کو خبر ہو پہنچی اس نے کچھ تحائف آپ کی خدمت میں گزرانے، اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر مرضی مبارک ہو تو خدمت خانقاہ کے لیئے کچھ دیہات نذر کروں تاکہ آپ بہ فراغت طاعت الٰہی میں مصروف و مشغول رہیں آپ نے بادشاہ کی اس درخواست کو قبول نہ فرمایا خدام نے سن کر تعجب کیا اور عرض کیا کہ حضور ان دیہات کی آمدنی سے پانی بھی نہ پیئیں مگر ہم خدام کی حالت خستہ و تباہ ہے حضرت خاموش رہے اور کہا کہ بیش ازیں نیست کہ یہ لوگ تنگ ہو کر چلے جائیں گے تو چلے جائیں مجھ کو کچھ فکر نہیں مگر ہاں خاص خاص احباب سے اس باب میں مشورہ ضرور ہے تاکہ ان کا بھی امتحان ہو جائے کہ قبول دنیا کی بابت کیا رائے ہے چنانچہ سید محمد کرمانی اور دیگر مخلصان سے مشورہ کیا کہ دیہات قبول کرنا چاہیئے یا نہیں سب نے بالاتفاق نفی میں جواب دیا آپ ان کی سیرچشمی اور استغنا سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ عوام کی رائے سے مجھے کچھ سروکار نہیں البتہ تم لوگوں کا مجھے خیال تھا سو الحمد للہ کہ تم لوگ ثابت قدم نکلے اور دین کے کام میں میرے مددگار ہو اور دوستوں کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ آپ جب اجودھن جانے لگے تو آپ کے کپڑے بہت میلے اور پھٹے ہوئے تھے بی بی رانی زوجہ سید محمد کرمانی نے آپ سے کہا کہ یہ کپڑے مجھے اتار دو تو میں ان کو دھو کر پیوند لگا دوں۔ آپ نے مارے شرم کے کپڑے نہ اتارے جب انھوں نے بہت اصرار کیا اور سید محمد کرمانی کی لنگی دی کہ اسے باندھ لیجیئے تب آپ نے مجبور ہو کر کپڑے اتارے۔ اس نیک بخت بیوی نے کپڑوں کو دھو کر کرتے میں گریبان کے پاس سید محمد کرمانی کی دستار میں سے کپڑا لے کر پیوند لگایا اور آپ نے بڑے شکریئے کے ساتھ پہن لیئے اور آخر عمر تک ان کا سلوک یاد رکھا اور سید محمد کرمانی پر بے حد عنایت فرماتے رہے۔ حضرت خود فرماتے تھے کہ میں شہر دہلی کے دروازے کے پاس رہتا تھا تو نہایت حیران و پریشان تھا کہ میں بیچارہ کہاں اور معرفت الٰہی کہاں۔ میں اس لایق نہیں ہوں کہ اس نعمت سے عزت پاؤں آخر حضرت شیخ رساں کے

روضے میں بیٹھ کر شش کی کہ مقبولان بارگاہ الٰہی میں میرا بھی شمار ہو۔ روضے میں
املی کا ایک خشک درخت تھا اس چلّے میں وہ ہرا ہو گیا۔ میں نے شیخ کے مزار
کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کی کہ یا شیخ ان چالیس دنوں میں درخت کی حالت تو
پلٹ گئی مگر میری حالت میں کچھ بھی فرق نہ ہوا یہ کہہ کر میں نے گھر کی راہ لی
راہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ افتاں خیزاں چلے آرہے ہیں میں نے
جانا کہ کوئی مست ہیں میں کترا کر ہٹ گیا وہ میری طرف متوجہ ہوے اور جدھر
میں تھا اُدھر ہی آے اور مجھ سے بغل گیر ہوے۔ اُن کے بدن سے
مجھے عطر و عنبر کی خوشبو آنے لگی اور میں سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو یہ شیخ رساں ہیں۔
اُنھوں نے فرمایا کہ "ای صوفی تمھارے سینے سے محبت ا۔ ی تعالیٰ
کی خوشبو آتی ہے" اور یہ کہتے ہی میری نظر سے غایب ہو گئے۔ میں سمجھ گیا
کہ انشاء اللہ تعالیٰ ضرور محبت و معرفت الٰہی مجھ کو حاصل ہو گی کیوں کہ شیخ نے
میرے حق میں ایسا ہی فرمایا ہے۔ ایک دفعہ ایک کیمیا گر آپ کی خدمت
میں ایسے زمانے میں آیا کہ فقر و فاقے کا اشتداد تھا اُس نے کہا میں
صنعت ذہبی یعنی سونا بنانا جانتا ہوں اگر حکم ہو تو بنا دوں تاکہ یہ صعوبت رفع ہو
آپ متبسم ہوے اور فرمایا کہ "ای عزیز مجھے زر سے کام ہے نہ ذہب سے
ذاہبی الی اللہ یعنی میرا جانا خدا کی طرف ہے اور اس کے سوا باقی ہوس ہے"۔
آپ جب خستہ حالی میں اجودھن گئے تو آپ کے کپڑے بہت فرسودہ
تھے آپ کے ایک دوست نے یہ حال دیکھ کر کہا کہ "مولنا! آپ کا کیا
حال ہو گیا اگر اتنی مدت آپ دہلی میں تعلیم و تعلّم کرتے تو مجتہد زمانہ ہو جاتے
اور مال و متاع سب سامان مہیا ہو جاتا"۔ آپ نے کچھ جواب نہ دیا اور معذرت
کر کے اپنی راہ لی۔ حضرت شیخ الشیوخ نے آپ سے پوچھا کہ "اگر تمہارا
کوئی دوست تمھاری یہ حالت دیکھ کر پوچھ بیٹھے تم کیا جواب دو گے"
آپ نے فرمایا کہ "جو حضرت کا ارشاد ہو"۔ حضرت شیخ الشیوخ نے فرمایا۔

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر و برو ۔۔۔ ترا سعادت بادا مرا نگوں ساری

حضرت نے ایک خوان کھانے کا مجھے دیا کہ لو یہ اپنے دوست کے پاس

سے جاؤ۔ وہ سرائے میں اترے تھے میں خوان لے کر پہنچا۔ اُنھوں نے
دیکھتے ہی پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ میں نے کہا میرے شیخ نے آپ کے لیے کھانا
بھیجا ہے اور یہ بات تم نے ان سے کہی تھی آپ نے نور باطن سے معلوم کرلی
پھر میں نے وہ بیت جو اوپر لکھی گئی پڑھی۔ یہ سنتے ہی وہ شیخ کی خدمت میں
سر اخلاص کے بل آئے اور قدمبوسی کر کے بیعت و ارادت سے مشرف ہوئے
حضرت شیخ مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دہلی قدس سرہ سے منقول ہے کہ حضرت
محبوب الٰہی صائم الدہر تھے اور نماز جمعہ کے واسطے غیاث پور سے جامع کیلوکھری
میں جو سلطان معز الدین کیقباد نے بنائی تھی اور فاصلہ پورے ایک کوس کا تھا پیادہ
جایا کرتے تھے۔ گرمیوں کے دن اور لو چل رہی تھی آپ حضرت نور الدین
ملک یار پراں کے مزار کے قریب سے گزرے تو آپ کو کثرت تمازت آفتاب
سے چکر آگیا۔ کیوں کہ آپ روزہ سے بھی تھے بہ مجبوری وہیں ایک دکان پر
ٹک گئے اور دل میں خیال آیا کہ اگر کوئی سواری ہوتی تو کیا اچھا ہوتا معاً آپ نے
یہ بیت پڑھی۔

ما قدم از سر کنیم در طلب دوستاں — راہ بجائے نبرد ہر کہ باقدام رفت

اور اس خطرے سے توبہ کی۔ دوسرے دن حضرت نور الدین ملک یار پراں کے
ایک مرید نے رات کو اپنے مرشد کو خواب میں دیکھا اور اُن کے ایما کے
موافق ایک گھوڑی نذر دینے کو لائے مگر آپ نے نہ لی دوسرے دن پھر وہ
تشریف لائے اور کہا کہ "میرے مرشد کا تاکیدی حکم ہے کہ یہ گھوڑی آپ کی نذر کروں"
آپ نے فرمایا کہ "تمھارے شیخ کا تمکو حکم ہے اگر میرے شیخ کا مجھ کو حکم ہو تو میں قبول
کروں" تیسرے دن پھر وہ گھوڑی لے کر آئے کیوں کہ اُن کے مرشد نے کہا تھا
کہ سہ بارہ پھر لے جاؤ وہ ضرور قبول کرلیں گے کہ اُن کے شیخ نے بھی اُن کو
اشارہ کردیا ہے۔ آپ نے اس دفعہ گھوڑی لے لی فرماتے ہیں کہ اُس دن سے
میرے اصطبل میں گھوڑیوں کی کمی نہیں رہی اور پھر میں نے وہ گھوڑی اپنے
بھانجے خواجہ محمد کو دے دی۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ ابتدائی زمانہ قیام غیاث پور
میں آپ بہت تنگ دست تھے فاقے پر فاقے ہوتے تھے سب سے

پہلے دو شخصوں نے آپ سے خلافت حاصل کی۔ ایک مولانا برہان الدین غریب جن کے نام پر شہر برہان پور آباد ہے اور جن کا مزار مبارک ملک دکن میں بمقام خلدآباد ہے اور دوسرے مولانا کمال الدین یعقوب جن کا مزار ملک گجرات میں شہر پٹن میں حوض شمس لنگ کے نزدیک ہے۔ الغرض یہ دونوں صاحب مجاہدہ وریاضت میں مشغول تھے کہ برابر کڑاکے گزر گئے کچھ نہ ملا۔ حضرت کے پڑوس میں ایک ضعیفہ رہتی تھی جو حضرت سے بہت ارادت رکھتی تھی اور چرخہ کات کر گزراوقات کرتی اور نان جو بے نمک کھاتی۔ یہ بڑھیا آدھ سیر آٹا جو کا آپ کی خدمت میں لائی آپ نے مولانا کمال الدین سے کہا کہ اس آٹے میں پانی ڈال کر چولھے پر چڑھا دو شاید کسی مہمان کو پونہچ جاوے۔ ہنڈیا چولھے پر کھدبدیک رہی تھی کہ ایک فقیر کمل پوش آیا اور کہا کہ کچھ ماحضر ہو تو لاؤ آپ وہ پکتی ہوئی ہنڈیا خود اُتار کر لائے۔ فقیر نے ویسی ہی گرم گرم کھالی اور ہنڈیا آپ پکڑے کھڑے رہے چلتے وقت فقیر نے ہنڈیا کو پھینک دیا جو ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور کہا کہ "شیخ فرید نے تم کو نعمت باطنی عنایت کی ہے اس لیئے میں نے تمھارے فقر ظاہری کی ہانڈی کو توڑ دیا" اور اسی وقت وہ فقیر چل دیا۔ پھر اس کے بعد سے حضرت کی خدمت میں اس قدر فتوحات غیبی اور نذر و نیاز اور شکرانے کی آمد شروع ہوئی کہ حدوحساب اور ضبط تقریر سے باہر ہے۔

آپ کا بذل و ایثار

حضرت کے در اقدس پر ہر روز اس قدر فتوحات پہنچتی تھیں کہ جس کا شمار وحساب نہیں لیکن شام تک حضرت سب خرچ کرا دیتے۔ حضرت کا عجب تصرف تھا کہ ہر وقت لینے والوں اور حاجت مندوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ خانقاہ میں لگے رہتے۔ جس روز نقدی آتی اور خرچ نہ ہوتی تو خاطر عاطر کو قرار نہ آتا اور باربار دریافت فرماتے کہ کچھ باقی تو نہیں رہا؟ آپ ہر جمعہ کو خانقاہ کے تمام حجروں میں جھاڑو دلواتے اور تمام مال و اسباب ہر قسم کا فقرا پر تقسیم کر کے تب جمعے کی نماز کو تشریف لے جاتے۔ اگر کسی بادشاہ کے آنے کی خبر سنتے تو فرماتے "دوسرے آہ! یہ لوگ کیوں آتے ہیں۔ نہیں چاہتے کہ فقیر آرام سے بیٹھے"۔ جب آپ کسی کو کچھ

مرحمت فرماتے تو یہ نہ کہتے کہ اتنا دو بلکہ خواجہ اقبال کو ارشاد کرتے کہ ان کو کچھ دیدو اور خواجہ اقبال تھیلی میں ہاتھ ڈال کر ایک مٹھی بھر کے دیتے اس میں جو کچھ بھی آجائے لینے والے کی تقدیر۔ اُس میں روپئے ہوں یا اشرفیاں۔ یہ تو آپ کی عام داد و دہش کا حال تھا اور جس پر خاص بخشش فرماتے تو اس کو مالا مال اور فکر دنیا سے مطمئن کر دیتے۔ آعراس کے مواقع پر بلا امتیاز نیک و بد ہر شخص کو کھانا اور نقدی بٹتی۔ بعض کو ایک وقت کا کھانا اور ایک روپیہ ملتا اور بعض کو اس سے دوچند ملتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ عرس میں خواجہ اقبال (آپ کے خادم خاص) مہتمم لنگر خانہ نے خواجہ اتو کے ہاتھ (جو ان کے پیش دست تھے) ایک نابینا عورت کو ایک وقت کا کھانا اور ایک روپیہ نقد بھیجا حالانکہ اُس کا معمول دونوں وقت کا کھانا اور دو روپیہ نقد تھے وہ عورت خواجہ اتو سے لڑنے لگی خواجہ اتو بمشکل پیچھا چھوڑا کر آئے اور خواجہ اقبال سے یہ ماجرا کہہ رہے تھے کہ حضرت بالا خانے پر تھے اُن کی آواز سن کر فرمانے لگے کہ "اتو کیا کہتے ہیں" خواجہ اقبال نے جو بات تھی بلا کم و کاست گوش گزار کر دی۔ آپ مسکرائے اور فرمایا کہ "اُس عورت کو ایک وقت کا کھانا اور ایک روپیہ اور بھیج دو کہ وہ بیچاری غریب ہے۔ تاریخ ہندوستان میں لکھا ہے کہ تین ہزار علماء اور فضلاء علاوہ طالب العلموں اور حفاظ کے اور دو سو قوال جو حضرت کے مریدین اور معتقدین میں سے تھے ہمیشہ آپ اُن کے متکفل تھے اور دوسرے لوگوں کا تو کچھ شمار ہی نہ تھا۔ ایک دفعہ حاسدوں نے قطب الدین کے سامنے آپ کی شکایت کی اور بادشاہ کو بہت بھڑکایا کہ حضرت نظام الدین اولیاء آپ کو بہت برا بھلا کہتے ہیں اُن کو ایسا نہ چاہیئے کہ فقیر ہو کر سلطان کی غیبت کریں اور پھر امرائے سلطانی جو اُن کی خدمت میں جاتے ہیں ان تمام باتوں کو سنتے ہیں آخر یہ لوگ جو کچھ نذر و نیاز لے جاتے ہیں وہ بھی تو در اصل عطیۂ سلطانی ہی ہے۔ الغرض اس قسم کی باتیں کرکے بادشاہ کو آپ کی طرف سے بالکل برہم کر دیا اور بادشاہ نے حکم دے دیا کہ خبردار آج سے ہمارے لشکر میں سے کوئی شخص اُن کے پاس نہ جائے نہ ایک حبہ اُن کو نذر دے۔ میں دیکھوں تو کہ پھر یہ چہل پہل کیسے رہتی ہے اور کہاں سے لنگر جاری رہتا ہے۔ جب آپ نے یہ سنا

تو دسترخوان اور لنگر کو دوچند کر دیا اور ایک تعویذ لکھ کر خواجہ اقبال کو دیا کہ اس کو ایک طاق میں رکھ دو اور جس چیز کی ضرورت ہو بسم اللہ کر کے طاق میں ہاتھ ڈالنا اور نکال لینا۔ جب بادشاہ نے یہ واقعہ سنا نہایت متعجب اور سخت شرمندہ ہوا۔ حضرت کی خانقاہ کے قریب ایک عورت کنوئیں سے پانی بھر رہی تھی۔ آپ نے فرمایا "اے مادر مہربان! تم دریا کے کنارے پر کنوئیں سے پانی کھینچنے کی زحمت کیوں اٹھاتی ہو۔ دریا میں سے بھر لو نا" عورت نے عرض کی کہ میرا خاوند بہت غریب آدمی ہے اور گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں۔ چونکہ دریا کا پانی بھوک لگاتا ہے اس واسطے ہم کنوئیں کا پانی پیتے ہیں اور اسی پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ عورت کی یہ بات سنتے ہی آپ زار زار رونے لگے اور خواجہ اقبال سے کہا کہ اس عورت کے گھر میں جو کچھ خرچ ہو اس کو پہنچا دیا کرو تاکہ یہ کنوئیں کا پانی نہ پئیں۔ خواجہ اقبال نے اُن کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ ایک دفعہ گرمیوں کے دنوں میں غیاث پور میں آگ لگ گئی اور بہت لوگوں کے مکانات جل کر بہت کچھ سامان و اسباب کا نقصان ہوا۔ آپ یہ تباہی دیکھ کر بہت روئے۔ جب آگ بجھ گئی تو آپ نے خواجہ اقبال سے کہا کہ جس قدر مکانات جل گئے ہیں ان سب کو جا کر گنو اور ہر گھر میں دو خوان کھانا اور دو مٹکے پانی کے اور دو اشرفیاں پہنچا دو اور ہر ایک کی تسلی اور تشفی کرو چنانچہ اقبال نے اسی وقت اس خدمت کو انجام دیا۔ اُس زمانے میں دو آنے میں بہت بڑا چھپر بنتا تھا اور دو خوان کھانا سارے گھر کو کافی ہوتا۔ ایک روز آپ نے خواجہ اقبال کو آواز دی معلوم ہوا کہ وہ بزازوں کو اسباب دے رہے ہیں آپ فوراً اٹھ کر خواجہ اقبال کے پاس پہنچے اور کہا کہ "اقبال! تم نے تو خوب دکان لگائی" یہ سن کر اقبال بہت شرمندہ ہوئے۔ پھر حضرت نے تمام بقالوں کو ایک ایک کپڑا بانٹ دیا اور جو کچھ رہ گیا وہ فقراء کو دے دیا۔ ایک سوداگر ملتان کو جا رہا تھا راستے میں اُس غریب کو لٹیروں نے لوٹ لیا وہ بہت تباہ حال ہو کر ملتان میں حضرت شیخ صدرالدین بن شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کے پاس گیا اور کہا کہ میں دہلی جانا چاہتا ہوں آپ کی بڑی مہربانی ہو گی اگر ایک رقعہ سفارشی حضرت محبوب الٰہی کی خدمت

میں لکھ دیں۔ آپ نے لکھ دیا وہ رقعہ وہ سوداگر لے کر دہلی آیا اور آپ کی خدمت میں پیش کر دیا آپ نے خواجہ اقبال سے فرمادیا کہ کل صبح سے چاشت کے وقت تک جو کچھ آئے ان کو دے دینا چنانچہ دوسرے دن اس شخص کو چاشت کے وقت تک بارہ ہزار کی معتدبہ رقم ملی اور یہ شخص مالامال ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔

لنگر آپ کا دسترخوان اور لنگر بہت وسیع تھا سینکڑوں بلکہ ہزارہا آدمی روزانہ کھاتے پیتے تھے۔ ایک روز حضرت بابا صاحب کے ہاں فاقہ تھا۔ آپ نے حضرت محبوب الٰہی سے فرمایا کہ بانظام کچھ چیز پکا کر لاؤ میں کھاؤں گا۔ حضرت اُسی وقت بازار گئے اور اپنی دستار ایک دکان میں گرور کھ کر تھوڑا سا لوبیا لائے اور اُسے اُبال کر تھوڑا نمک ڈال کر حضرت بابا صاحب کی خدمت میں پیش کیا آپ نے اپنے رفقا کے ساتھ تناول فرمایا کہ تم نے لوبیا تو خوب پکایا اور نمک بھی خوب ڈالا خدا کرے کہ منوں نمک روزانہ تمہارے باورچی خانے میں خرچ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت بابا صاحب کی دعا قبول فرمائی کہ آپ کا لنگر بہت بڑے پیمانے پر ہمیشہ جاری رہا اور دین و دنیا کی دولت اور حشمت خداوند تعالیٰ نے آپ کو ایسی دی کہ کسی دوسرے ولی کو نصیب نہ ہوئی۔ ایک دفعہ آپ حجرے میں قیلولہ فرما رہے تھے کہ خانقاہ میں کوئی فقیر آیا اس وقت کچھ موجود نہ تھا اُسے خالی ہاتھ واپس کر دیا اُسی وقت آپ نے خواب میں حضرت بابا صاحب کو دیکھا فرما رہے ہیں کہ اگر گھر میں کوئی چیز نہ ہو تو نہ سہی مگر جو کوئی آن نکلے تو اُس کی کچھ نہ کچھ خدمت کرنی چاہیئے اگر تمہارے گھر میں کچھ نہ ہو پھر بھی تا بہ امکان آنے والوں کے ساتھ حسن خلق سے تو پیش آئیں یہ کہاں کا دستور ہو کہ سائل کو ایسی خستہ دلی کی حالت میں سو کھا ٹرخا دیا۔ آپ جب بیدار ہوئے تو پوچھا کہ کیا کوئی درویش آیا تھا؟۔ جب معلوم ہوا کہ ہاں ایک شخص آیا تھا تو آپ نے خدام کو بہت سرزنش کی اور کہا کہ خبردار آئندہ ایسی حرکت کبھی بھول کر بھی نہ کرنا اور پھر جب کبھی آپ قیلولے سے بیدار ہوتے تو دو باتیں ضرور پوچھتے ایک تو یہ کہ سایہ ڈھل گیا ہو

یا نہیں اور دوسرے یہ کہ کوئی مہمان آیا ہے یا نہیں اور جس قدر مہمان جمع ہوتے بعد نماز ظہر سب کو بلاتے اور نہایت ملاطفت اور شفقت سے آپ اُن سے پیش آتے۔

دنیا اور اہل دنیا سے نفرت اور شاہان وقت کو آپ کی تمنائے زیارت

در عالم دل جہاں پناہے　　در حجرۂ فقر بادشاہے
شاہانش بخاکپا محتاج　　شاہنشہ بے سریر و بے تاج

باوجود اس قدر فتوحات و نذر و نیاز کے حضرت ہمہ تن یاد مولی میں مصروف رہتے تھے اور دنیا اور اہل دنیا سے بالکل الگ تھلگ تھے۔

جس وقت کچھ زیادہ آجاتا تو آپ بہت روتے اور بار بار فرماتے کہ ارے بھئی تم نے تقسیم بھی کر دیا یا نہیں اور جب تک وہ تقسیم نہ ہو جاتا آپ کو چین نہ پڑتا۔ خداوند تعالی نے آپ کو بڑا مرتبہ اور بڑی شہرت اور بڑی بزرگی دی تھی اکثر امراء و علماء اور سلاطین آپ کے حلقہ بگوش تھے۔

قبلۂ خسروان روئے زمیں　　سروراں خاک گشتہ در رہِ تو
درگہ تست آسمان دگر　　ماہ و خورشید پاسبانش نگر

بعض حاسدین کو آپ کا عروج دین و دنیا ازحد ناگوار تھا اور ہر طرح آپ کی ایذادہی میں سرگرم تھے چنانچہ سلطان علاء الدین خلجی کے خدا جانے کیا کیا کان بھرے اور آپ کے وسیع دسترخوان اور آؤ بھگت اور مرجع خلایق ہونے سے اندیشہ تنقیص مراتب شاہی کا پیش کیا۔ کہ یہ تمامی مقربان شاہی امراء و ملازمین رعایا برایا سب آپ کے غلام اور مرید ہوگئے ہیں اور آج اُن کی حالت یہ ہے کہ ؎

متابع اندترا چوں سپہر خورد و بزرگ　　مسخر اندترا چوں زمانہ پیر و جوان

پہلے تو بادشاہ نے سن کر ٹال دیا مگر آخر کار کب تک علی التواتر شکایات پیش ہونے لگیں تو بادشاہ کے دل میں بھی خطرہ گزرا کہ حضرت کا اس قدر عروج امور سلطنت میں ضرور رخنہ اندازی کرے گا۔ لہذا اُس نے حضرت کی خدمت میں ایک معروضہ لکھا اور خضر خاں کے ذریعے سے پیش کیا جو بادشاہ کا نہایت پیارا بیٹا اور حضرت کا مرید تھا۔ اور جس میں بڑی بات یہ تھی کہ آپ مجھ کو امور اہم دسترگ سلطنت

میں صلاح ومشورے سے مستفید فرمائیں جس سے منشار آپ کا عندیہ لینا تھا کہ آیا
واقعی آپ دنیاوی عروج کے خواہاں ہیں یا نہیں۔ آپ نے خط کو بغور ملاحظہ فرمایا
اور ارباب مجلس سے مخاطب ہو کر ارشاد کیا کہ میں فاتحہ پڑھتا ہوں۔ میں بےچارہ
فقیر مجھ کو سلطنت کے امور سے کیا سروکار۔ میں بیرون شہر ایک کونے میں
پڑا ہوا بادشاہ اور جملہ مسلمانوں کی دعاگوئی میں مشغول ہوں اس پر بھی مجھے ستاتے
ہیں اگر بادشاہ کو میری یہ بات ناگوار ہو اور میرا یہاں رہنا پسند نہ کرتا ہو تو مجھ سے
کہہ دے کہ میں یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃٌ (خدا کی زمین
کشادہ ہے) خضر خاں نے یہ جواب بادشاہ کو پونہچایا تب اس کا خدشہ آپ کے بتدریج
امور سلطنت میں دخیل ہونے کا جاتا رہا۔ اس کے بعد بادشاہ نادم ہوا اور کلمات
معذرت کے ساتھ اپنے حاضر ہونے کی اجازت چاہی آپ نے فرمایا کہ
آنے کی کیا ضرورت ہے میں غائبانہ دعاگو ہوں اور جو اثر غیبت دعا میں ہوتا ہے وہ
سامنے کی دعا میں نہیں ہوتا لیکن بادشاہ نے نہ مانا اور مُصر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ
درِ فقیر کے گھر کے دو دروازے ہیں بادشاہ ایک دروازے سے آئیں گے
فقیر دوسرے دروازے سے نکل جائے گا۔ جب کسی طرح حضرت نے اجازت نہ دی
تو مجبوراً بادشاہ نے بلا اطلاع جانے کا مصمم قصد کیا اور امیر خسرو سے جو حضرت
کے مصحف بردار تھے اس ارادے کا تذکرہ کیا۔ امیر خسرو سخت متفکر ہوئے
کہ اگر حضرت کو خبر نہ کروں تو وہ ناراض ہو جائیں گے اور اگر خبر کروں تو بادشاہ خفا
ہو جائے گا لیکن آپ نے پاس خیال کر یہ بات حضرت کے گوش گزار کر دی
کہ کل بادشاہ آپ کی خدمت میں تشریف لانے والے ہیں آپ یہ سنتے ہی سی وقت
اجودھن چلے گئے۔ بادشاہ نے یہ سنا اور امیر خسرو سے کہا واہ خوب! تم نے
میرا راز فاش کر دیا۔ اور تمہاری وجہ سے میں حضرت کی قدم بوسی کی سعادت
سے محروم و بے نصیب رہا۔ امیر خسرو نے نہایت دلیری اور آزادی سے
عرض کی کہ حضور کی ناراضگی سے صرف جان کا خوف تھا لیکن حضرت شیخ کی ناراضگی
سے ایمان جانے کا قوی اندیشہ ہے۔ بادشاہ ایک مرد سنجیدہ اور دانا تھا اس
برجستہ جواب سے بہت خوش ہوا۔ اور معاف فرما دیا۔ ایک روز سلطان قطب الدین

خلجی خانقاہ کے پاس سے گزرا دیکھا کہ خلقت کا ہجوم ہی پوچھا کہ یہ کیا مقام ہی لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت محبوب الٰہی کی خانقاہ ہی۔ بادشاہ ان کا مرجع خلایق ہونا اور تزک واحتشام دیکھ کر برآشفتہ ہوا اور حکم دیا کہ ان سے کہہ دو کہ میرے شہر سے چلے جائیں یا کوئی کرامت دکھائیں چنانچہ اُسی روز بادشاہ کے پیٹ میں ایسی شدت کا درد اُٹھا کہ تڑپنے لگا۔ علاج معالجہ سے کچھ نفع نہ ہوا سمجھا سو ادبی کا نتیجہ ہی فوراً آپ نے معتمد خاص کو دوڑایا آپ نے فرمایا کہ بندہ نظام کو کارخانۂ قدرت میں کیا دخل ہی؟ بادشاہ کی حالت قریب بہ ہلاکت پوہنچ گئی اس کی ماں گریاں ونالاں خانقاہ میں حاضر ہوئی آپ سے بہت منت وزاری کی آپنے فرمایا کہ اگر تمھارا بیٹا دلّی کی سلطنت میرے نام لکھ دے تو مع گزاشت کے قارورہ لیتی آنا۔ تھوڑی دیر میں بادشاہ کی والدہ گزاشت سلطنت اور قارورہ لے کر دولت پر حاضر ہوئی اور بہت روئی پیٹی۔ آپ نے بادشاہ کی گزاشت لے کر پیشاب میں ڈال دی اور فرمایا کہ فقیروں کے نزدیک سلطنت کی وقعت اس پیشاب جتنی بھی نہیں ہی۔ اور آپ نے دعا فرمائی بادشاہ اچھا ہوگیا۔ حضرت مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے منقول ہی کہ جب حضرت محبوب الٰہی سماع سنتے تو امیر خسرو اور امیر حسن مع دائیں طرف اور خواجہ مبشر آپ کے زر خرید غلام آپ کی بائیں طرف بیٹھتے۔ خواجہ مبشر خود بڑے خوش گلو تھے اور امیر خسرو اور امیر حسن فن موسیقی میں عدیم المثال تھے اور دو سو قوال بھی ملازم تھے۔ جب مجلس شروع ہوتی تو پہلے امیر خسرو غزل شروع کرتے اور جس شعر پر حضرت کو کیف ہوتا تو اُسی شعر کی تکرار کرتے۔ سلطان علاء الدین خلجی نے اپنے معتمد خاص قنبر بیگ کو جو حضرت کے مریدان خاص سے تھے کہہ رکھا تھا کہ جس شعر پر آپ کو وجد ہو وہ سب مجھے بھی سنانا چنانچہ آپ کو حدیقہ حکیم ثنائی کے ان اشعار پر ایک مرتبہ وجد ہوا:۔

پیش منما جمال جاں افروز ۔ ورنمودی بردلپسند بسوز

آں جمال توچیست مستی تو ۔ واں سپند توچیست ہستی تو

قنبر بیگ نے یہ دونوں شعر لکھ کر بارگاہ سلطانی میں گزرانے۔ بادشاہ اُن کو

پڑھتا جاتا تھا اور آنکھوں سے ملتا جاتا تھا۔ قنبر بیگ نے عرض کی کہ خانہ زاد کو تعجب ہی کہ حضور پر نور کو حضرت کی خدمت اقدس میں اتنی تو عقیدت ہی اور پھر آپ کبھی خدمت اقدس میں حاضر نہیں ہوے۔ بادشاہ نے کہا "او قنبر بیگ! کیا کہوں۔ ہوں تو میں بادشاہ مگر سرتاپا مکروہات دنیا میں آلودہ کیا منہ لے کر حضرت کے سامنے جاؤں۔ مجھے شرم آتی ہی کہ ایسی ذات پاک کی خدمت میں کیوں کر جاؤں۔ تم میرے دونوں لڑکوں خضر خاں و شادی خاں کو لے جاؤ اور دونوں کو حضرت کا مرید کرا دو اور دو لاکھ روپیہ نذرانہ اور شکرانہ آپ کے قدموں میں رکھ دینا۔ قنبر خاں نے ایسا ہی کیا اور دونوں صاحبزادے بیعت و ارادت شیخ سے مشرف ہوئے۔ جب خسرو خاں سلطان قطب الدین خلجی اور اُس کی اولاد وغیرہ کو قتل کر کے دہلی کے تخت سلطنت پر بیٹھا اور قطب الدین کی بیوی سے شادی بھی کر لی تو اُس نے تمام علمار و مشائخین دہلی کی خدمت میں بہت ہدیے اور تحفے بھیجے جن کو بہت سے حضرات نے قبول کیا اور بہت سوں نے رد۔ چنانچہ سید علار الدین اور شیخ وحید الدین خلیفہ حضرت باباصاحب اور شیخ عثمان سیاح خلیفہ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح نے قبول نہ کیا اور جن لوگوں نے قبول کیا تھا اُن میں سے اکثروں کو بطور امانت رکھ چھوڑا تھا کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ خسرو خاں کی سلطنت قایم رہنے والی نہیں۔
خسرو خاں نے حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں پانچ لاکھ نذر گذرانی تھی آپ نے لے کر فقرار و مساکین میں تقسیم کر دی۔ اس کے چار مہینے کے بعد غازی الملک نے دیبال پور سے خسرو خاں پر فوج کشی کی اور اُس کو قتل کر کے خود دہلی کا بادشاہ بنا اور غیاث الدین تغلق اپنا نام رکھا اور خزانہ کی موجودات لی تو خسرو خاں نے جس قدر روپیہ درویشوں کو دیا تھا واپس طلب کیا جنھوں نے امانت رکھا تھا جیسا تھا ویسا ہی دے دیا حضرت محبوب الٰہی نے جواب دیا کہ وہ بیت المال تھا میں نے مستحقوں کو پونہچا دیا اور میں اُس میں سے ایک حبہ بھی اپنے خرچ میں نہیں لایا۔ بادشاہ یہ جواب سن کر خاموش ہوگیا۔ حضرت محبوب الٰہی خود ارشاد فرماتے تھے کہ ہر روز آخر شب میں ایک بیت عالم غیب سے میرے دل میں القا کی جاتی ہی

جس کو بار بار پڑھ کر میں لطف حاصل کیا کرتا ہوں ؎

چنداں بنشینم کہ برآید نفس صبح
کاں وقت بدل می رسد از دوست پیامے

آج کی شب یہ دو بیتیں میرے دل میں آئیں اور میں انھیں پڑھتا رہا۔ ؎

در تمانیم عذر را بپذیر
اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

گر بمانیم زندہ بر دوزیم
دامنے کز فراق چاک شدہ

بعض اوقات حضرت خود بھی فکر شعر فرماتے تھے چنانچہ یہ آپ ہی کا کلام ہے

از تو نتواند بریدن کس بہ آسانی مرا
گر نمی داند کسے آخر تو می دانی مرا

آپ کی عظمت شان اور بزرگی

عموماً ظہر کی نماز کے بعد آپ لوگوں سے ملا کرتے تھے لیکن آپ کا رعب داب اور جلال اس درجے تھا کہ کسی کی مجال نہ تھی کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر نگاہ ڈال سکتا کیوں کہ حق تعالی کی تجلی آپ کے چہرے پر پرتو فگن تھی اور جو کچھ آپ فرماتے لوگ اس کو زمین بوس ہو کر قبول کرتے۔ ؎

خوباں بادہ خوردن من جرعہ خوار ایشاں
ہر جرعہ کہ خوردہ سر بر زمیں نہادہ

آپ رات کے وقت حجرے میں تنہا رہتے اور دروازہ اندر سے بند کر لیتے تھے صبح کو جس کی نظر آپ کے چہرۂ انور پر پڑتی ایسا معلوم دیتا کہ مست و مخمور ہیں تمام رات کی بیداری سے آپ کی آنکھیں سرخ رہتی تھیں۔ چنانچہ امیر خسرو نے فرمایا ہے

تو شبانہ می نمائی بہ بر کہ بودی امشب
کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد

مولانا نجیب الدین کوتوال مندہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا کہ مجھ کو عود کی خوشبو آئی مگر وہاں کہیں عود کا پتہ نہ تھا میں نے خیال کیا کہ شاید حجرے میں عود جلتا ہوگا اتنے میں خادم نے کسی ضرورت سے دروازہ کھولا میں نے بغور دیکھا وہاں بھی کہیں عود نہ تھا۔ حضرت نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "مولانا یہ عود کی خوشبو نہیں ہے یہ کسی اور چیز کی خوشبو ہے"۔ حضرت امیر حسن فرماتے ہیں :-

عطار گو بہ بند دکاں را کہ من ز دوست بوئے کشیدہ ام کہ بمشاک و عبیر نیست

اسی طرح حضرت نے ایک کمبل قاضی محی الدین کاشانیؒ کو دیا تھا جو برسوں رہا اور بارہا دھلا مگر اس کی خوشبو نہ گئی۔ آخر حضرت سے عرض کیا آپ نے تبسم پر آب فرمایا "قاضی صاحب یہ بوئے محبت ہے جس کو محبان باری تعالیٰ کی ذات میں رکھا گیا ہے"

چنانچہ سعدی فرماتے ہیں :-

ایں بوئے نہ بوئے بوستان ست ایں بوئے ز کوئے دوستان ست

سیر الاولیاء میں مذکور ہے کہ آپ کی ذات مبارک بالکل آپ کے دل کی تابع تھی اور دل روح مطہر کا متابع اور روح مطہر نے اپنے کمال سے قلب کو جذب کیا اور قلب نے قالب کو اپنے رنگ میں رنگ لیا جس کا نتیجہ ہوا کہ آپ ہمہ تن روح مجسم تھے۔ امیر خسرو کیا خوب فرماتے ہیں۔ ؎

وجود خواجہ نہ از آب و گل گشتہ مرتب کہ جان خضر و مسیحا بہم شدہ است مرکب

کشف و کرامت

مولانا ضیاء الدین سنامی سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ سلطان علاء الدین محمد نے اپنے ملازم قنبر بیگ کے ذریعے سے حضرت کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ اس نے اپنے بھائی الغ خاں کے ساتھ ارنکل کی جانب لشکر روانہ کیا تھا جو جنوب کی طرف ایک ملک ہے۔ مدت ہوئی کہ وہاں سے کچھ خبر نہیں آئی جس کی وجہ سے مجھے سخت تردد ہے آپ دعا فرمائیں کہ یہ مشکل حل ہو۔ آپ نے تھوڑی دیر مراقبہ فرما کر ارشاد فرمایا "خدمت سلطانی میں میری طرف سے دعا و سلام کے بعد کہنا کہ انکو جو مسلمانوں سے غمخواری اور ہمدردی ہے سو میں بھی اسی میں مشغول ہوں انشاء اللہ کل بوقت چاشت تم کو ارنکل کے فتح ہونے کی خوش خبری پہنچے گی اور تھوڑے ہی دنوں میں تمہارا بھائی بھی مع لشکر کے مع الخیر واپس آجائے گا۔ بادشاہ یہ خبر سن کر بہت خوش ہوا دوسرے ہی دن ناقہ سوار مع عرائض و بشارت فتح خدمت سلطانی میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اسی وقت پانسو اشرفیاں نذرانہ بھیجا۔ اس وقت آپ کے پاس خراسان کا ایک درویش اسفندار بیٹھا ہوا تھا۔ اشرفیوں کو دیکھ کر کہا۔ "یا شیخ الهدایا مشترک"۔ یعنی اس ہدیے میں میری بھی شرکت ہے۔ شیخ نے جواب دیا

وتنہا خوشتر کہ یعنی تنہائی خوش تر و بہتر ہے۔ درویش یہ جواب سن کر افسردہ ہوا اور اُٹھ کر چلنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ ان اشرفیوں کو کیوں چھوڑے چلے میرا مطلب یہ تھا کہ یہ تنہا تمہاری ہی ہیں اور کسی کی ان میں شرکت نہیں ہے اور وہ ساری کی ساری اشرفیاں آپ نے درویش کو دے دیں۔ بوجہ بہت تھا درویش اُٹھا نہ سکا تو آپ نے اپنے خادم کو کہا کہ تم ہاتھ لگاؤ اور ان کے ٹھکانے پر پونہچادو۔ قصبہ سرساوے میں ایک مولوی صاحب کے گھر میں آگ لگ گئی اور تمام مال واملاک مع فرمان املاک کے جل کر خاکستر ہوگیا۔ وہ بے چارے دہلی آئے اور بہ شکل تمام نقل فرمان کی حاصل کی اتفاق سے یہ فرمان بھی اُن کی بغل سے کہیں نکل پڑا۔ ہر چند تلاش کیا مگر کہیں پتہ نہ چلا آخر کار روتا پیٹتا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی مصیبت کا حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا ایم حضرت جناب باباصاحب کے نام کی نیاز مانو اور کیا اچھا ہو کہ تم بازار سے حلوا ابھی لے آؤ اور نیاز دلاؤ مولوی صاحب اُسی وقت خانقاہ کے دروازے پر جو حلوائی تھا اُس کی دکان پر گئے اور حلوا خریدا۔ حلوائی تول تلا کر کاغذ کو پھاڑ اس میں لپیٹنا چاہتا تھا۔ مولوی صاحب نے دیکھا تو وہ کاغذ حسن اتفاق سے اُنھیں کا فرمان تھا جھٹ اُس کے ہاتھ سے لے لیا اور حلوے سمیت خوشی خوشی حضرت کے پاس آئے اور حاضرین مجلس اس کرامت کے اظہار سے زمین بوس ہوئے۔ آپ کے مریدوں میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ مریدی کیا ہے اور پیری کیا۔ آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ ایک روز پھر وہی مرید حاضر ہوا تو آپ نے اُسے کہا کہ تو پچھاں کو چلا جا۔ اُس نے کچھ پوچھا پچھایا نہیں اور پچھان کے رخ پر سیدھا ہولیا اور دہلی سے چلتے چلتے لاہور جا پونہچا۔ وہاں کا حاکم حضرت کا معتقد تھا اس شخص کو آپ کا مرید سن کر سو اشرفیاں اسے دیں کہ حضرت کو میری طرف سے نذر دینا۔ پلٹتے وقت اُن کو ایک فاحشہ عورت سے تعلق ہوگیا۔ دام عشق میں ایسے پھنسے کہ سو روپیہ اُس کی نذر کیئے۔ اُس عورت سے ملوث ہونا چاہتے تھے کہ غیب سے ایک ایسا طمانچہ ان کے منہ پر لگا کہ چونک پڑے اور فوراً اپنے کیئے پر نادم و شرمسار ہوئے اور توبہ کی۔ زن فاحشہ نے پوچھا کہ کیوں خیر

تمھاری یہ کیا حالت ہی۔ اُنھوں نے حضرت کا حوالہ دیا وہ عورت آپ کا نام سن کر اور حالت تصرف دیکھ کر تائب ہوگئی اور اپنا مال و اسباب سب بیچ باچ کر ان کے ساتھ ہولی اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر مرید ہوئی۔ آپ نے ان دونوں کا نکاح کردیا اور وہ سو اشرفیاں بھی انھیں کو دے دیں اور فرمایا کہ تم نے جو سوال کیا تھا کہ مریدی اور پیری کیا ہی تو آج اس کا جواب سنو۔ مریدی یہ تھی کہ تم میرے کہے پر چلے گئے مجھسے یہ نہ پوچھا کہ کہاں جاؤں اور کیوں کر جاؤں اور نہ زاد راحلے کی فکر کی اور پیری یہ تھی کہ میں نے تجھ کو اس کار ناشائستہ سے باز رکھا اور اس عورت کو تیرے واسطے حلال کر دیا۔ شیخ مبارک گوپاموی جو آپکے بڑے معتقد تھے ناقل ہیں کہ جب کبھی وہ گو پاموسے سلطان علاءالدین خلجی کی خدمت میں جاتے تو ایک بیش قیمت خلعت ملتا تھا اب کی دفعہ جو آیا تو خلاف معمول سابقہ ایک نہایت معمولی خلعت ملا جس سے مجھے بہت رنج ہوا۔ آپنے فرمایا:۔ تحفۂ شاہ بس عزیز بود گرچہ ونیار یا پشیز بود

اس بیت کے سنتے ہی میرا دل باغ باغ ہوگیا اور تمام رنج و فکر دور ہوگیا۔ ایک دفعہ حضرت امیر حسن مغموم تھے آپ نے ان کی حالت کو نظر تامل سے دیکھ کر یہ حکایت فرمائی۔ کہ کسی شہر میں ایک برہمن بہت مالدار تھا کسی خطا پر حاکم شہر نے اُس کا مال و اسباب ضبط کرکے شہر بدر کردیا۔ اُس کے کسی دوست نے پوچھا۔ پنڈت جی کہو کیا حال ہی؟۔ اُس نے کہا بھگوان کی دیا سے راضی خوشی ہوں دوست نے کہا۔ اچھے کیا خاک ہو تمھارا سارا مال و اسباب تو ضبط ہوگیا اور گھر سے بے گھر ہوگئے۔ برہمن نے کہا کہ اس میں کچھ ہرج نہیں میرا جنیو تو میرے پاس ہی۔ اس کے بعد آپ حضرت امیر حسن کی طرف مخاطب ہوئے کہ ان کو بھی حاکم شہر سے ایذا پونہچی تھی اور مطلب اس حکایت کا یہ تھا کہ اگر سارا جہان بھی جاتا رہی تو کچھ پروا نہیں خداوند تعالیٰ کی محبت برقرار رہنی چاہیئے۔ ؎

گر خدا داری زغم آزاد شو از خیال بیش وکم آزاد شو

آپ کے مریدوں میں سے ایک بہت مالدار سوداگر تھے مگر اولاد نہ تھی۔ آپ کی دعا سے ان کو لڑکا پیدا ہوا جسے وہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپنے

بچے کو نہایت شفقت سے اپنی گود میں لیا اور اپنے پیراہن کا ایک ٹکڑا دیا کہ اس کا کرتہ اسے پہناؤ اور حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اس بچے کی تعلیم و تلقین تمھارے ذمے ہے اور اس کو تم اپنا خلیفۂ اعظم بنانا چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور خلافت پیران چشت سے مشرف فرمایا ان صاحبزادے کا نام شیخ صدر الدین حکیم تھا اور طبیب دلہا مشہور تھے اور ان سے بہت سے لوگوں نے فیض پایا۔ آپ کا مزار حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے روضۂ منورہ کے پاس ہی ہے۔ روایت ہے کہ سلطنت بہمنیہ کا بانی علاء الدین حسن تھا جو ایک برہمن منجم گانگو نامی کا ملازم تھا اور برہمن شاہزادہ محمد تغلق کا مقرب تھا علاء الدین بہت غریب آدمی تھا برہمن نے اس کی فلاکت پر ترس کھا کر اسے حوالی دہلی میں ایک کھیت اور دو بیل دلا دیئے تاکہ وہ اپنا پیٹ پال سکے۔ ہل جوتتے جوتتے اسے ایک ظرف اشرفیوں سے بھرا ہوا ملا۔ اس نے اسے ویسے ہی چادر میں لپیٹ لیا اور رات کو برہمن کے پاس لے گیا۔ برہمن نے اس غریب آدمی کی دیانت اور امانت پر آفریں کہی اور شاہزادہ سے ذکر کیا شاہزادے نے اپنے باپ غیاث الدین تغلق سے عرض کیا بادشاہ نے قدردانی فرما کر امیران صدہ کے زمرے میں اسے داخل کر لیا۔ برہمن نے جو ایک دن علاء الدین کا زائچہ کھینچا تو کہا کہ تو آگے چل کر بادشاہ ہوگا اس وقت مجھے نہ بھول جانا اسی وجہ سے علاء الدین نے گانگوئی کا لقب اختیار کیا۔ شاہزادہ محمد تغلق حضرت نظام الدین اولیاء کا بڑا معتقد تھا اور اکثر جایا کرتا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے کشف سے فرما دیا تھا کہ تو بادشاہ ہوگا۔ ایک دن شاہزادہ حضرت کی دعوت میں گیا تھا۔ جب دسترخوان بڑھ گیا اور شاہزادہ چلا گیا تو علاء الدین وہاں پہنچا ابھی اس کے آنے کی اطلاع بھی آپ کو نہیں کی گئی تھی۔ حضرت نے اپنے کشف سے معلوم کیا اور فرمایا وہ سلطان رفت و سلطانے آمد اور آپ نے خادم سے کہا کہ ایک شخص جس کے چہرے سے آثار شرافت و نجابت ظاہر ہیں دروازے کے باہر کھڑا ہے بلا لاؤ۔ خادم نے باہر جا کر دیکھا تو وہاں ایک شخص زردہ حال کھڑا تھا وہ سمجھا کہ یہ کوئی اور ہوگا آکر عرض کی کہ جیسا حضور نے فرمایا ایسا تو کوئی شخص باہر نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا

اچھی طرح دیکھو ضرور ہوگا۔ خادم پھر گیا اور کہا کہ ایک مجہول سا شخص بیٹھا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا اُسے ہی بلا لاؤ وہ گو بظاہر حقیر ہے مگر بہ معنی بادشاہ ہے۔ اُس کو دیکھ کر آپ نے بہت التفات فرمایا اور مستفسر حال رہے۔ دستر خوان تو اُٹھ ہی گیا تھا۔ حضرت نے صرف ایک نان اپنے افطار کے واسطے حجرے کے طاقچے میں رکھ چھوڑی تھی اُس کو اپنی اُنگلی کی پور پر رکھ کر علاء الدین کو دی اور فرمایا کہ لو یہ چتر شاہی ہے جو مدت دراز اور محنت دیرپا کے بعد تجھ کو ایک ملک دکن میں نصیب ہوگا۔ آگے قصہ طول ہے غایت ما فی الباب یہ کہ آپ کی پیش گوئی من وعن پوری ہوئی اور علاء الدین بادشاہ ہوگیا۔

آپ کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ

آپ علاوہ صائم الدھر کے کتنی نماز اور کتنی تسبیح پڑھتے تھے اس کا اندازہ تو مشکل ہے مگر اس میں ذرا شک نہیں کہ آپ کی تمام عمر عزیز اشغال باطنی وتزکیۂ نفس میں صرف ہوئی۔ علاوہ اس کے آپ کو حسن خلق اور تالیف قلوب کا بڑا خیال تھا اور ع دل بدست آور کہ حج اکبر است پر پورا پورا عمل تھا آپ کی زندگی کا اصول یہ تھا کہ جہاں تک ہوسکے خلق خدا کو آرام و راحت پہنچائی جاوے۔ نظم

می کوش کہ راحتے بجانے برسد

یا دست شکستہ بنانے برسد

یہ بھی آپ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن تالیف قلوب اور راحت رسانی خلائق سے بڑھ کر قیمتی کوئی فعل نہ ہوگا۔ آپ اکثر روبہ قبلہ سجادہ پر ذکر اذکار میں مشغول بیٹھے رہتے متوجہا الی اللہ کانہ ینظر الیہ یعنی خدا کی طرف اس محویت سے متوجہ رہتے تھے کہ گویا خدا کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ مختلف اقسام اور مختلف خیالات کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے تو اُن کے علم و مرتبے کے موافق بمصداق کلموا الناس علی قدر عقولھم گفتگو فرماتے اور ہر شخص جس فن کا مذاق رکھتا اسی میں نہایت لطف و مہربانی سے گفتگو کرتے اور ہر طرح اس کی دل جوئی فرماتے کسی قسم کا بھی آدمی ہو جو آپ سے ملتا فوراً آپ اُس کے دل پر قبضہ کر لیتے اور وہ آپ کی خوبیوں اور حسن اخلاق کا گرویدہ ہو جاتا۔ اگرچہ

آپ بظاہر لوگوں کی طرف توجہ فرماتے لیکن درحقیقت باطن میں حق تعالیٰ کی جناب میں متوجہ رہتے۔ ؎

اِنِّی جَعَلتُکَ فِی الفُؤَادِ مُحَدِّثِی
وَاَبَحتُ جِسمِی مَن اَرَادَ جُلُوسِی
فَالجِسمُ مِنِّی لِلجَلِیسِ مُؤَانِسٌ
وَحَبِیبُ قَلبِی فِی الفُؤَادِ اَنِیسِی

یعنی میں نے تجھے دل میں اپنا مخاطب قرار دیا ہے کہ تو مجھ سے باتیں کیے جاتا ہے۔ اور جو شخص میرے ساتھ بیٹھنے کا ارادہ کرتا ہے اُس کو میرا جسم دوست رکھتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میرا جسم تو ہم نشین کے واسطے انسیت پیدا کرنے والا ہے اور میرے دل کا دوست دل میں میرا انیس ہے۔ ؎

ہرگز وجود حاضر و غایب شنیدۂ
من درمیان جمع و دلم جاے دیگراست

آنے جانے والے خود غریب الوطن اور مسافر ہوتے یا شہر والے غرض جو کوئی آپ کے پاس حاضر ہوتا آپ کسی کو کبھی خالی ہاتھ نہ جانے دیتے کچھ نہ کچھ ضرور دیتے کبھی کپڑا کبھی نقدی یا اور کوئی چیز جو آپ کے پاس موجود ہوتی بے تکلف دے دیتے جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا خواہ کوئی سا بھی وقت ہوتا اُس کو زحمت انتظار مطلق نہ ہوتی اور فوراً باریاب ہوجاتا۔ ایک روز خواجہ عطاء اللہ کے بھائی جو حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے نواسے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوے اور قلم دوات کاغذ لاکر سامنے رکھا کہ فلاں رئیس کے نام سفارشی رقعہ لکھ دیجیے تاکہ وہ میرے ساتھ کچھ سلوک کرے۔ آپ نے کہا میری اُس رئیس سے شناسائی نہیں اور بغیر تعارف کے رقعہ کیسے لکھا جاسکتا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ شخص آپ کو سخت سُست اور برا بھلا کہنے لگا کہ تم ہمارے جد کے مرید ہو اور ہمارے خاندان کے صدقے سے یہ نعمت اور دولت تم کو نصیب ہوئی تم کو ایسا کفران نعمت نہ چاہیئے کہ میرے واسطے ایک رقعہ بھی نہیں لکھا جاتا یہ کیا شیخی بنا رکھی ہے اور اپنے تئیں مشہور کر رکھا ہے یہ کہہ کر دوات کو زمین پر دے مارا اور چلنے لگا حضرت نے

اُسی وقت اُس کا دامن پکڑ لیا اور فرمایا "مکدر کیوں جاتے ہو صفائی کرتے جاؤ" پھر کچھ روپیے اُن کو دیئے جو وہ لے کر ہنسی خوشی چلتا بنا - آندر پت میں جو غیاث پور کے قریب ہی واقع ہے ایک شخص جھجو رہتا تھا جو آپ سے خواہ مخواہ کا عناد قلبی رکھتا تھا اور ہمیشہ آپ کی بدگوئی کرتا اور آپ کی ایذا دہی کے درپے رہتا - جب یہ شخص مر گیا تو حضرت اُس کے جنازے پر تشریف لے گئے اور بعد دفن اُس کی قبر کے پاس دوگانہ پڑھ کر دعا کی کہ "اس شخص نے جو کچھ مجھ کو کہا ہے اور میرے ساتھ کیا ہے میں نے اُس کو بخش دیا - اب تو میرے سبب سے اس کو عذاب نہ فرمائیو"

حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی سے منقول ہے کہ ایک مجلس میں بہت سے صوفیائے کرام جمع تھے ایک صوفی نے کہا کہ حضرت سلطان المشائخ عجب فارغ البال باطن رکھتے ہیں - اہل و عیال وغیرہ کا ان کو کچھ غم نہیں - دنیا و دین دونوں حاصل ہیں - دنیاوی اقبال ایسا ہے کہ ہزارہا آدمی پرورش پاتے ہیں - غم کبھی ان کے پاس پھٹکتا بھی نہیں - آپ کو بھی اس گفتگو کی خبر ہوئی آپ نے شیخ شرف الدین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "جو رنج و غم گھڑی گھڑی مجھ کو پونہچتا ہے شاید ہی کسی اور کو پونہچتا ہو کیوں کہ جو شخص میرے پاس آکر اپنا درد دل بیان کرتا ہے تو میرے قلب پر بے حد صدمہ ہوتا ہے - وہ شخص نہایت سخت دل ہے جس کے دل پر اُس کے بھائی بندوں کے درد کا اثر نہ ہو - اور نیز بحکم اَلْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ - جان لینا چاہیئے کہ رح نزدیکاں را بیش بود حیرانی - ایک مرتبہ جماعت خانے میں ایک شخص کو جس کے پاس چھری تھی پکڑ لیا - فوراً حضرت تشریف لائے اور فرمایا کہ "دیکھو! خبردار - اس کو کچھ ایذا نہ پونہچے" پھر اُسے اپنے سامنے بلوا کر عہد لیا کہ وہ کسی کو ایذا نہ دے گا - آپ نے اُسے کچھ خرچ دلوا کر رخصت کیا - اور ارشاد فرمایا کہ "جفا پر تحمل کرنا اور معاف کر دینا بہت بہتر ہے اور یہ دو بیتیں بھی پڑھیں - ؎

ہر کہ ما را رنجہ دارد راحتش بسیار باد | وانکہ ما را خوار دارد در دو عالم یار باد
ہر کہ او خارے نہد در راہ من از دشمنی | ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

پھر فرمایا کہ اگر کوئی تمھارے راستے میں کانٹے رکھے تو کیا تم بھی کانٹے ہی رکھو گے - یہ تو عوام کا دستور ہے مگر درویشوں کا یہ قاعدہ نہیں - درویش عفو خلقوں کے

ساتھ بھی خوش خلق ہیں اور بدخلقوں کے ساتھ بھی خوش خلق ہیں۔ پھر اسی مضمون کے متعلق یہ رباعی پڑھی۔

گیرم کہ نماز ہاے بسیار کنی　　　وز روزہ دہر سبے شمار کنی
تا دل نہ کنی ز غصہ و کینہ تہی　　　صد من گل بر سر یک خار کنی

پھر حضرت نے حلم و تحمل کی فضیلت میں یہ بیت فرمائی۔

نہ ہر باد سے پوگاہے گرنہ لرزی　　　اگر کوہی بکاہے مے نیرزی

بعض حاضرین نے عرض کی کہ بعض لوگ آپ کو علی الاعلان برا بھلا کہتے ہیں جس کو سن کر ہم تاب نہیں لا سکتے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ان سب کو معاف کر دیا تم بھی معاف کرو اور پھر اس قسم کی گفتگو میرے سامنے نہ کرنا۔ دیکھو چھجو ہمیشہ مجھے برا کہا کرتا تھا اور میری برائی کی کوشش کرتا۔ برا کہنا تو آسان ہی مگر برائی چاہنی بہت بدتر ہی۔ جب وہ مرگیا تو میں نے اس کی قبر پر جا کر دعاے مغفرت کی۔ فرمایا جب دو آدمیوں میں عداوت ہو تو ہم کو اپنا باطن پاک رکھنا چاہیئے جب ہمارا باطن عداوت سے پاک ہوگا تو دوسرے کی طرف سے آزار خود بخود کم ہو جاے گا فرمایا کسی کے برا کہنے سے رنج نہ کرنا چاہیئے کیوں کہ صوفی کا مال وقف ہی اور خون اس کا مباح ہی۔ پھر جب یہ بات ہی تو پھر برا کہنے سے کیا رنج کرنا۔ فرمایا کہ ایک دفعہ لوگوں نے مجھ کو نہایت سخت سست اور برا بھلا کہا میں خاموش سنتا رہا۔ جب وہ کہتے کہتے تھک گئے تو کہنے لگے کہ واقعی یہ آپ ہی کا علم ہی۔ فرمایا مخلوق کا مخلوق کے ساتھ معاملہ تین قسم کا ہی۔ ایک تو وہ شخص ہی جس سے نہ کسی کو نفع پونہچتا ہی نہ نقصان۔ تو یہ شخص مثل جمادات کے ہی۔ اور ایک وہ شخص ہی جس سے لوگوں کو نفع پونہچتا ہی اور نقصان نہیں پونہچتا یہ پہلے سے بہتر ہی اور اس سے بھی بہتر تیسرا شخص جو لوگوں کو نفع پونہچاتا ہی اور جب کوئی اُس کے ساتھ برائی کرتا ہی تو وہ بدلہ نہیں لیتا یہ کام صدیقوں کا ہی۔ فرمایا بندے سے جو فعل سرزد ہوتا ہی اچھا یا برا سب کا خالق خداوند تعالی ہی۔ جو کچھ پونہچتا ہی اُسی کی طرف سے پونہچتا ہی۔ پھر کسی سے کیا رنج کرنا۔ اسی کے متعلق یہ حکایت بھی بیان فرمائی کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ راستے میں جلد ہے تھے کہ ایک جاہل نے پیچھے سے آن کر آپ کے سر پر ایک تھپیڑ مار دیا۔ آپ نے مڑ کر اس کی طرف

دیکھا۔ اُس نے کہا میری طرف کیا دیکھتے ہو تمہارا ہی تو قول ہی کہ جو کچھ ہوتا ہی خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہی۔ آپ نے فرمایا ہاں بات تو یہی ہی مگر میں دیکھتا ہوں کہ یہ کام خدا نے کس بدبخت کے نام نامزد کیا ہی۔ ایک مرتبہ ایک فقیر نے آکر آپ کو جو نہ کہنا تھا سو کہا۔ آپ بالکل خاموش رہے۔ جب وہ خوب کہہ سن چکا تو آپ نے اُسے کچھ دیا اور وہ رخصت ہوا تب آپ نے فرمایا کہ بہت سے لوگ میرے واسطے تحفے اور ہدیے لاتے ہیں کوئی شخص ایسا بھی ہونا چاہیئے تاکہ اُن کا بدلہ ہو جاوے۔ ایک دفعہ خواجہ اقبال نے ایک خراس والے کو جس پر کچھ روپیہ باقی تھا پابجولاں کر دیا۔ بسبب خوف و دہشت کے حضرت سے کوئی عرض نہ کر سکا۔ ایک روز وہ کسی نہ کسی طرح خانقاہ کے دروازے پر پہونچا مگر دربان نے گھسنے نہ دیا۔ اُس کی زنجیروں کی آواز آپ نے سنی۔ اور کہا کہ کون شخص ہی اُسے اندر بلا لو۔ وہ اندر آتے ہی آپ کے قدموں پر گر پڑا اور اپنا حال عرض کیا۔ آپ نے خواجہ اقبال کو بلایا اور کہا کہ یہ کام تم نے نامناسب کیا خدا کا مال۔ خدا کا ملک خدا کے بندے۔ کچھ تم نے کھایا کچھ اور بندوں نے کھایا اور کچھ اس غریب نے کھایا۔ پھر یہ کیا بات ہی کہ تم نے اس کے بیڑیاں ڈال دیں۔ آیندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔ اور فوراً لوہار کو بلا اُس کی بیڑیاں کٹوا دیں۔

احوال ہفت شاہاں

آپ حضرت بابا صاحب سے بیعت فرما کر بعہد سلطان غیاث الدین بلبن دہلی میں تشریف۔ لائے جو سنہ ۶۶۲ھ میں تخت نشین ہوا تھا اور جس کا اصلی نام الغ خاں تھا۔ یہ بادشاہ نہایت عادل و منصف مزاج غریب پرور اور فقیر ارنواز تھا حضرت کا ہی بڑا معتقد تھا اور ہمیشہ نذر و نیاز گزرانا کرتا تھا۔ اُس کے دو بیٹے تھے۔ ایک خان شہید اور دوسرا ناصر الدین محمود۔ خان شہید کو سلطان نے اپنا ولی عہد کر کے ملتان اور پنجاب کا حاکم مقرر کیا تھا اور امیر خسرو بھی انھیں کے ساتھ ملتان گئے تھے۔ جب خان شہید مغلوں کی جنگ میں شہید ہوے تو امیر خسرو کو بھی مغلوں نے گرفتار کر لیا جو کسی تدبیر سے رہائی پا کر دہلی آئے۔

غیاث الدین بلبن کو لایق ولی عہد کی شہادت کا ایسا صدمہ ہوا کہ اسی رنج میں تیئیس برس سلطنت کر کے ۶۸۵ھ میں انتقال کیا۔ اس کے بعد خلاف وصیت بعض وزرار نے بادشاہ کے پوتے معزالدین کیقباد کو سترہ سال کی عمر میں تخت نشین کردیا۔ یہ نوجوان اگرچہ حسن صورت رکھتا تھا مگر حسن سیرت سے معرا تھا عیاشی اور شراب خواری میں سلطنت کو برباد کیا لیکن بایں ہمہ فقرا سے حسن عقیدت رکھتا تھا اور حضرت سلطان المشائخ کا بے حد گرویدہ تھا۔ اور اسی کے عہد میں حضرت کی خانقاہ غیاث پور میں تعمیر ہوئی اور اسی نے موضع کیلو کھڑی میں اپنے رہنے کے واسطے محلات و مکانات بنوائے اور ایک نیا شہر آباد کیا۔ آخر کار کثرت شراب نوشی سے مفلوج ہو گیا اور سلطان جلال الدین خلجی کیقباد کو قتل کرا کے محل کیلو کھڑی میں تخت نشین ہوا۔ حضرت امیر خسرو نے مثنوی قران السعدین کیقباد ہی کے نام سے معنون کی۔ سلطان جلال الدین نے از سر نو قصر کیلو کھڑی کو تعمیر کرایا اور نہایت بادقعت اور بلند حصار سے شہر کی رونق اور حفاظت دوبالا کی یہ بادشاہ ۱۷ رمضان المبارک ۶۹۵ھ میں بمقام کڑہ مانک پور اپنے بھتیجے اور داماد علاء الدین خلجی کے ہاتھ کشتی میں شہید ہوا۔ اب علاء الدین خلجی تخت نشین ہوا۔ یہ بادشاہ اگرچہ زیادہ ذی علم نہ تھا مگر بڑا عقل مند اور فہیم تھا اور عقل ہی کے زور سے اس نے ممالک دور دراز کو اپنے قبضے میں کرلیا اس نے بارہا حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا مگر آپ نے اجازت نہ دی۔ اس کے دونوں بیٹے خضر خاں اور شادی خاں آپ کے مرید تھے اور خضر خاں ہی نے وہ عالی شان گنبد تعمیر کرایا تھا جو اب آستانہ شریف کی مسجد کا کام دے رہا ہے الغرض سلطان علاء الدین خلجی نے بیس سال کی سلطنت کے بعد استسقا میں ۷۱۵ھ میں انتقال کیا۔ اس کے بعد اس کا فرزند قطب الدین اپنے تینوں بھائیوں خضر خاں شادی خاں اور شہاب الدین کو قتل کر کے تخت پر بیٹھا اور چوں کہ خضر خاں اور شادی خاں حضرت محبوب الٰہی کے معتقدین میں سے تھے اس سبب سے اس کو حضرت سے سخت پرخاش تھی اور اسی ضد پر یہ ضیاء الدین رومی کا مرید بنا اور حضرت محبوب الٰہی سے طرح طرح پر دشمنی ظاہر کرنی اور ایذا دینی شروع کی۔ ایک روز

شیخ ضیاء الدین کے روشنے میں حضرت سے اس کا آمنا سامنا ہوا مگر نہ اس نے حضرت سے ملاقات کی اور نہ آپ کے سلام کا جواب دیا۔ یہ بادشاہ آخرکار خسرو خاں کے ہاتھ سے قتل ہوا اور یہ واقعہ یوں ہوا کہ جب قطب الدین خلجی نے نئی جامع مسجد بنوائی تو کل علماء اور فضلاء کو نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم دیا چنانچہ سب بتعمیل حکم شاہی حاضر ہوئے مگر حضرت نہ گئے اور جواب دیا کہ جامع کیلوکھڑی قدیم اور ہم سے قریب اور زیادہ حق دار ہے ہم دوسری مسجد میں نہیں جا سکتے۔ بادشاہ اس جواب سے سخت ناراض ہوا پھر حکم دیا کہ تمام علماء و مشائخین ماہ نو کے سلام کو حاضر ہوا کریں چنانچہ سب جاتے اور آپ اپنے بدلے خواجہ اقبال کو بھیج دیتے۔ دشمنوں نے بادشاہ کو بھڑکایا اور بزور آپ کے بلانے پر آمادہ کیا اور بادشاہ نے بھی برآشفتہ ہو کر حکم دیا کہ اگر شیخ نظام الدین آیندہ ماہ نو کی تہنیت کو حاضر نہ ہوئے تو میں بزور اُن کو حاضر کراؤں گا۔ مخلصوں نے یہ خبر حضرت کے گوش گزار کی آپ سن کر خاموش ہو گئے اور سیدھے اپنی والدہ صاحبہ کے مزار پر جا کر عرض کی کہ اگر بادشاہ میری بے حرمتی کی تو غرۂ ماہ آیندہ کو میں آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہوں گا کیونکہ آپ معمولاً پہلی تاریخ اپنی والدہ صاحبہ کے مزار پر جایا کرتے تھے۔ پھر آپ خانقاہ میں تشریف لے آئے اور بہ اطمینان تمام سارا مہینا گزار دیا۔ جب چاندرات آئی تو لوگوں نے یاد دلایا۔ آپ نے فرمایا کہ "میں نہ جاؤں گا" یہ سن کر خدام متفکر ہوئے حضرت نے فرمایا "تم کچھ اندیشہ نہ کرو میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک بچار نے مجھ پر حملہ کیا میں نے اُس کے دونوں سینگ پکڑ کر اس زور سے دے مارا کہ وہ مر گیا پس مجھ کو یقین ہے کہ میں انشاء اللہ بادشاہ پر غالب آؤں گا اور وہ میری ایذا دہی کی سزا پائے گا"۔ الغرض جب آدھی رات گئی تو آپ خانقاہ کی چھت پر ٹہلتے جاتے تھے اور یہ بیت پڑھتے جاتے تھے۔ ؎

ای روبہک چرا نہ نشستی بجای خویش ۔ با شیر پنجہ کردی و دیدی سزاے خویش

اور اسی وقت خسرو خاں نے قطب الدین مبارک خلجی کا سر کاٹ کر (سنہ ۷۲۰ھ) محل کے نیچے پھینک دیا اور خود ناصر الدین خسرو خاں کے لقب سے بادشاہ بن بیٹھا اور قطب الدین کی منکوحہ سے شادی بھی کر لی آخر یہ نمک حرام بہت جلد اپنے کیفر کردار کو پہنچا یعنی سلطان غیاث الدین تغلق کے ہاتھ سے چھ مہینے کے بعد قتل ہوا اور سنہ ۷۲۱ھ میں آخرالذکر تخت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ بھی حضرت کے خلاف تھا

کہ خسرو خاں نے جو نذرانہ فقراء کو تقسیم کیا تھا سب سے واپس کر دیا مگر آپ نے چونکہ تقسیم کر چکے تھے واپس نہ دیا اس سے بادشاہ کے دل میں گرہ پڑ گئی اور لوگوں نے موقع پا کر اور کان بھرے۔ آخر اس نے لکھنوتی سے دلی میں واپس آتے ہوئے کہا کہ "میں دہلی پہنچ کر اس فقیر کو شہر بدر کروں گا" آپ نے سنا اور فرمایا "ہنوز دلی دور است" جب بادشاہ دلی کے قریب پہنچ گیا تو اس کے بیٹے محمد تغلق نے حکم دیا کہ موضع افغان پور میں جو تغلق آباد سے صرف چار میل ہے ایک مختصر و خوشنما محل طیار کیا جائے تاکہ بادشاہ وہاں ایک دن قیام فرمائیں اور دوسرے دن باکوکبۂ شاہی تغلق آباد میں تشریف لا کر تخت شاہی پر جلوس فرمائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بادشاہ اس محل میں ٹھہرا۔ امراء استقبال کو حاضر ہوئے۔ خاصے کے بعد جب امراء باہر آئے تو یکایک اس مکان کی چھت پر بجلی گری بعض کہتے ہیں کہ شاہزادہ محمد کی سازش سے وہ مکان گرایا گیا بہرحال کچھ بھی سبب ہوا ہو بادشاہ مع چھ سات دیگر ہمراہیاں کے ۷۲۵ھ میں ملک عدم کو روانہ ہوا اور آپ کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ آپ کے کمالات ظاہری و باطنی خوارق عادات بے شمار ہیں۔ چنانچہ اسی طرح جلال الدین فیروز شاہ خلجی کی وفات جو مانک پور میں ۶۹۵ھ میں ہوئی تھی یا دستگاہ جب کہ وہ کشتی میں سے اترتا تھا ملک علاء الدین نے دغا سے تلوار سے قتل کیا بادشاہ کی موت کا صحیح وقت بھی آپ کو کشف و کرامت سے معلوم ہو گیا تھا۔ اور اسی طرح ۷۰۳ھ میں بعہد علاء الدین خلجی جب مغلوں نے دلی پر حملہ کیا تو آپ کی ایک ادنیٰ کرامت یہ تھی کہ صرف آپ کی دعا ہی سے آئی ہوئی فوج خود بخود پلٹ گئی۔ سلطان محمد ثالث بن تغلق اپنے باپ کی جگہ تخت پر بیٹھا۔ اوائل زمانہ سلطنت میں بہت نیک اور عادل تھا اور حضرت کا بڑا احترام کرتا تھا چنانچہ اسی نے سب سے پہلے آپ کے مزار پر قبہ بنوایا مگر افسوس ہے کہ جس سال یہ تخت نشین ہوا ۷۲۵ھ اسی سال حضرت کا وصال ہو گیا۔

گویا جگر زمیں کشادند آں دوست خدا درو نہادند

وفات

جب عمر شریف زیادہ ہوئی اور ضعیفی آ گئی تو آپ کی خوراک بالکل تھک گئی کھانا آتا تو آپ ایک یا آدھی روٹی اٹھا لیتے اور ہری ترکاری شامل کر لیتے

وغیرہ سے نوش فرماتے اور احباب سے کہتے کہ یہ چیز چکھو بڑے مزے کی ہے
مغرب کی نماز کے بعد آپ بالاخانے پر چلے جاتے اور وہیں آپ کے پاس
آپ کے رفقار بھی چلے جاتے۔ خادم انواع واقسام کے میوہ جات اور مٹھائیاں
پیش کرتے وہ سب اوروں کو کھلا دیتے اور آپ نہ کھاتے۔ عشار کے وقت
پھر نیچے اُتر کر باجماعت نماز پڑھتے اور پھر اوپر چلے جاتے۔ خاص خاص لوگ
اُس وقت بھی حاضر ہوتے۔ امیر خسرو قصص وحکایات لطائف وظرائف بیان
کرتے اور آپ سن کر داد دیتے اور سر ہلاتے چنانچہ امیر خسرو کہتے ہیں ؎

نخفت خسرو مسکین ازیں ہوس شبہا   کہ دیدہ بر کف پاییت نہد بخواب رود

اور خود حضرت تسبیح خوانی میں مصروف رہتے تھے۔ زبان سے سب کی دلجوئی
اور خاطرداری فرماتے اور ہر ایک کے حال کی پرسش فرماتے۔ اور دل میں
خدا کو یاد کرتے رہتے۔ سبحان اللہ کیسی متبرک صحبت تھی۔ طُوبیٰ لِلْعَیْنِ قَوْمٍ اَنْتَ
بَیْنَهُمْ فَهُمْ مِنْ نِعْمَةٍ مِنْ وَجْهِكَ الْحَسَنِ یعنی اُس قوم کی آنکھوں کو خوشی اور
مبارکی ہو جن میں تو ہے اور وہ تیرے خوب صورت چہرے کے دیدار سے
مستفید ہوتے ہیں۔ جب مجلس برخاست ہوتی خواجہ اقبال چند آفتابے پانی
بھر کے رکھ دیتے اور حضرت حجرے کا دروازہ بند کرکے یاد حق میں تمام شب
مشغول رہتے اور نہ معلوم کہ کیا کیا راز و نیاز ہوتا تھا چنانچہ بارہا یہ بیت ارشاد فرمائی ہے ؎

عشقے کہ از تو دارم ای شمع چگل   دل داند و من دانم و من دانم و دل

اور اکثر اوقات یہ قطعہ بھی پڑھا کرتے تھے۔ قطعہ

تنہا منم و شب و چراغے   مونس شدہ تا پگاہ روزم
گاہش ز آہ سرد بکشم   گاہ از تف سینہ برفروزم

اور یہ بیت بھی زبان پر جاری رہتی تھی۔ ؎

شبہا من و شمع ورگدازیم   ایں ست کہ سوز من نہان ست

جب سحری کا وقت آتا خادم آن کر دستک دیتے حضرت دروازہ کھول دیتے۔
خادم کھانا سامنے رکھ دیتے آپ چند لقمے کھا کر فرماتے کہ باقی بچوں کے
ناشتے کے واسطے رکھ دو۔ حضرت کے خادم عبدالرحیم جن کے متعلق یہ خدمت تھی

بیان کرتے ہیں کہ جب میں کھانا لے جاتا تو اکثر آپ نہ کھاتے اور اگر کھاتے بھی تو بہت کم۔ ایک روز میں نے عرض کی کہ حضور اگر کھانا نہ کھائیں گے تو آپ کا کیا حال ہوگا۔ حضرت زار وقطار رونے لگے اور فرمایا کہ ای عبدالرحیم جس وقت میں کھانا چاہتا ہوں یا پانی پیتا ہوں تو مجھ کو غربار کا حال زار یاد آتا ہی کہ بہت سے مساکین درویش مسجدوں کے کونوں اور دکانوں میں بھوکے پیاسے پڑے ہوں گے تو اب تم ہی بتلاؤ کہ کس طرح کوئی چیز میرے حلق سے اُترے۔ صبح کو جب آپ باہر تشریف لاتے تو آپ کی آنکھیں شب بیداری سے سُرخ رہتی تھیں اور عالم خمار کا نظر آتا تھا۔ ؎

شکار چشم تو جانہا بیک بار | اسیر زلف تو دلہا بہر تار
خیال زلف تو خواب از سرم برد | دو چشم مست تو خون دلم خورد

جمعہ کے دن آپ کا مزاج جادۂ اعتدال سے منحرف ہوا اور نور تجلی سے سینۂ مبارک آپ کا روشن ہوگیا۔ نماز میں سجدے کی حالت میں پڑے رہتے پھر اسی عالم محویت میں مکان میں تشریف لاے اور گریہ وزاری زیادہ فرمانے لگے اور جب ہوش آتا فرماتے آج جمعہ کا روز ہی ضرور دوست کا وعدہ دوست کو یاد آتا ہی اور بار بار پوچھتے کہ میں نے نماز پڑھلی یا نہیں۔ خدام عرض کرتے آپ نے نماز پڑھلی ہی آپ فرماتے اور پڑھ لوں خبر نہیں کہ پھر بھی نماز پڑھنی نصیب ہوگی یا نہیں۔ غرض جب تک زندہ رہے نماز کو مکرر سہ کرر پڑھتے اور یہ مصرعہ اکثر فرماتے ع۔ می رویم و می رویم و می رویم۔ بعدازاں آپ نے اپنے سب رفقا، خدام اور اعزہ کو جمع کرکے اقبال خادم کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ تم سب گواہ رہنا کہ اگر کسی قسم کی کوئی چیز گھر میں رکھ چھوڑے گا تو قیامت کے روز اُس کی جواب وہی اس کے ذمے رہے گی۔ اقبال نے عرض کیا کہ میں کوئی چیز باقی نہ رکھوں گا سب فقرار کو ابھی تقسیم کردیتا ہوں اور سارا اساماں تقسیم کرکے حضرت کو خبر دی کہ سواے غلّے کے جو لنگرخانے کا روزانہ خرچ ہی سب بانٹ دیا۔ آپ سن کر منغض ہوے اور کہا کہ اس مردہ ریگ کو کیوں رکھ چھوڑا ہی۔ اقبال نے کہا کہ میں نے سواے اس غلّے کے کچھ نہیں رکھا اور یہ بھی اس خیال سے لگا رکھا ہی کہ مخلوق خدا خود کھاےگی

آپ نے کہا کہ مخلوق خدا کو بلاؤ اور سب کو بلا کر فرمایا کہ اس غلے کو لوٹ لو اور
اس جگہ جھاڑ دو۔ تھوڑی دیر میں سارا غلہ لٹ کر جھاڑ دی گئی۔ بعد سب
خدام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ کے بعد ہمارا کیا حال ہوگا۔ آپ نے فرمایا
کہ یہاں تم کو اس قدر ملے گا جو تمہاری ضروریات کو کافی ہوگا۔ پھر رفقاء و معتقدین
کے اصرار سے مولانا شمس الدین نے پوچھا کہ آپ کے حظیرے میں لوگوں نے
بڑی بڑی پر تکلف عمارتیں بنوائی ہیں اور سب کی تمنا یہی ہے کہ آپ ہماری عمارت
میں آسودہ ہوں پس حضرت کا کیا منشا ہے۔ آپ نے فرمایا مولانا مجھے کسی عمارت میں
دفن نہ کرنا۔ مجھے صحرا میں دفن کرنا چنانچہ بعد وفات ایسا ہی کیا گیا۔ بعد میں سلطان محمد تغلق
نے آپ کا روضۂ منورہ نہایت مکلف بنوادیا اور اس کے بعد سے آستانۂ پاک
کی خدمت ہر ایک شاہ و امیر نے اپنی سعادت دارین تصور کر کے کچھ نہ کچھ توسیع
کی۔ وفات سے چالیس دن پہلے آپ نے کھانا بالکل ترک فرما دیا تھا یہاں تک کہ
کھانے کی خوشبو بھی نہ سونگھتے تھے اور ہر وقت آپ کے آنسو جاری رہتے تھے

گر نہ بینی گریۂ زارم ندانی فرق کرد کاب چشم است ایں کہ پیشت می رود یا آب جو

اسی اثنا میں مبارک تھوڑا شوربا لائے۔ پوچھا کیا ہے۔ انھوں نے کہا تھوڑا سا شوربا
ہے آپ نوش فرمالیں۔ کہا۔ دریا میں پھینک دو۔ پھر انھوں نے کہا کہ آپ نے
کئی کئی دن سے غذا ترک فرما دی ہے آپ کا کیا حال ہوگا۔ فرمایا۔ اے سید احسن میں
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشتاق ہوں مجھے طعام دنیا سے کیا کام۔ حالت
مرض میں آپ نے بات چیت بھی بالکل ترک کر دی تھی۔ بوقت وفات آپ نے
اپنے کپڑوں کا بقچہ منگایا اور ایک مصلیٰ خاص اور دستار اور پیرہن مولانا برہان الدین
غریب کو عطا فرما کر دکن کی طرف رخصت کیا اور ایک دستار اور مصلیٰ اور پیرہن مولانا
شمس الدین یحییٰ کو عطا فرمایا۔ اس دن حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی بھی خدمت
میں حاضر تھے مگر ان کے واسطے کچھ ارشاد نہ کیا جس سے تمام حاضرین حیران
تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ باوجود اس قدر عنایت کے ان کو کچھ نہ دیا۔ آخر وفات
سے ایک دن ان کو طلب فرمایا اور عصا اور مصلیٰ اور تسبیح اور کاسۂ
چوبیں اور جو جو تبرکات حضرت بابا صاحب سے پائے تھے سب ان کو مرحمت

سے کیئے اور ارشاد کیا کہ تم کو دہلی میں رہ کر لوگوں کی جفا وقفا اُٹھانی چاہیئے - ابتدائے ماہ ذی حجہ ۷۲۴ھ میں آپ کی علالت شروع ہوئی اور چار مہینے چند دن بیمار رہ کر شکایت حبس بول سے بالآخر ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ بدھ کے دن طلوع آفتاب کے وقت ۸۹ برس کی عمر میں آپ نے وفات پائی - امیر خسرو فرماتے ہیں ہے

ربیع دوم و ہژدہ زمہ ورا برفت آں مہ — زمانہ چوں شمار بست داؤد و پنج ہفصد را

خسرو نے یہ تاریخ کہی ہی :-

انتظام زمان و اہل زمیں	شیخ عالی نسب نظام الدیں
چار شنبہ بخلد نقل نمود	ہجدہم از ربیع ثانی بود
نود و چار سال عمرش بود	کاں زماں شد بہ حضرت معبود
ترحیل آں ستودہ خصال	زد خرد دو زبدہ بہشتت رقم
مرقد او بہ شہر دہلی داں	فیض بخش بطفل و پیر وجواں

جنازۂ مبارک کی نماز شیخ الاسلام حضرت رکن الدین نے پڑھائی جو بہاء الدین ذکریا ملتانی کے نواسے تھے اور بعد نماز کے فرمایا کہ اسی واسطے چار سال سے مجھے دلی میں رکھا تھا کہ یہ شرف مجھے حاصل ہو - جب جنازہ مبارک کو دفن کے واسطے لے چلے تو قوال یہ غزل گا رہے تھے -

سروسیمینا بصحرا می روی	نیک بد عہدی کہ بے ما می روی
ای تماشاگاہِ عالم روے تو	تو کجا بہر تماشہ می روی

حال اور وجد جنازہ مبارک پر غالب ہوا اور جسم اقدس جنبش میں آیا - مولانا رکن الدین نے فوراً سماع بند کرا دیا اور بعض کتب میں مذکور ہی کہ حضرت نے جنازے سے ہاتھ باہر نکال کر فرمایا من بنی روم - اُسی وقت حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی نے عرض کیا "شیخا شیخا باش دست ور کش قدم سید در میان ست" کہ اُسی وقت حضرت نے ہاتھ کھینچ لیا - آپ کو نماز ظہر کے وقت غیاث پور میں دفن کیا گیا - ہے

ماہ در ابر احتجاب نمود	عاشقاں را بدیں عذاب نمود
پردہ از زلف بست بر رخ خود	درد و حیرت بدیں خراب نمود

آپ خاندان چشتیہ سے تھے جس خاندان سے حضرت خواجہ خواجگان معین الدین

حسن سنجری اجمیری چشتی ہیں اور حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی چشتی جن کے نام نامی سے سارا قصبۂ مہرولی قطب صاحب کہلاتا ہے اُن کے خلیفہ اور خواجہ قطب الدین صاحب کے خلیفہ حضرت شیخ شیوخ العالم فریدالدین گنج شکر عرف بابا صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جن کا مزار پاک پٹن میں ہے اور انہیں سے آپ کو بیعت تھی لیکن جو شہرت آپ کو نصیب ہوئی وہ کم ترکسی کو ملی ۔ آپ بڑے عابد و زاہد ۔ متورع ۔ متواضع ۔ باکمال اور صفات برگزیدہ کا مجموعہ تھے ۔ آپ بڑے ذی علم اور صاحب کمال تھے ۔ غرض کہ آپ ہمہ اوست و ہمہ از وست اور مرجع عام و خاص وقت تھے ۔ آپ کے ارشد مریدان میں سید مخدوم شیخ نصیرالدین محمود جو عموماً چراغ دہلوی کے نام سے مشہور ہیں اور مشہور شاعر امیر خسرو تھے ۔ حضرت جب تک زندہ رہے آپ کے در اقدس پر خلایق کا اژدحام لگا رہتا تھا اور آپ کے وصال کے بعد بھی تا ایں دم آپ کا مزار مبارک مہبط انوار الٰہی و منبع فیض نامتناہی قبلہ عالم و عالمیاں اور خاک در اقدس تریاق بیماراں ہے ۔ ؎

ذاستے کہ در لطافت طبع و کرامتش مثلش نبود و نیز نباشد دریں جہاں

دور دور مقامات بلاد و امصار سے لوگ جوق جوق آکر زیارت سے مشرف ہوتے اور اپنی جھولیاں مقاصد اور مرادوں سے بھر بھر کے لے جاتے ہیں

آستانۂ شریف

خاک درت کہ سرمۂ اہل نظر شدہ است بہر شفائے دلہا تریاق اعظم است
مسلمان و ہندو و ترسا و گبر ز خاکِ درت جملہ افسر کنند
چو کافور و صندل ازاں خاک پاک بچشم اندر آرند و دا یر کنند

حضرت موضع غیاث پور میں جواب نظام الدین ہی کے نام سے مشہور ہے اور دہلی سے تین میل کے فاصلے پر جی آئی پی ریلوے کا سٹیشن ہے یار انی چبوترے کے پاس آسودہ ہیں ۔ یہ چبوترہ اکثر حضرت کے قدوم میمنت لزوم سے مشرف ہوتا تھا اور یہیں اکثر آپ تشریف رکھا کرتے تھے اور یہیں اپنے حلقے کے لوگوں کو وعظ اور پند و نصائح فرماتے تھے ۔ یہیں امیر خسرو بھی دفن ہیں اور یہیں آپ کے زیر سایہ سلاطین دہلی کی قبریں بھی ہیں ۔ یہاں ہمہ وقت قرآن خوانی ہوتی رہتی ہے ۔ ایک بہت بلند اور سنگ بست شمالی دروازہ لب سڑک
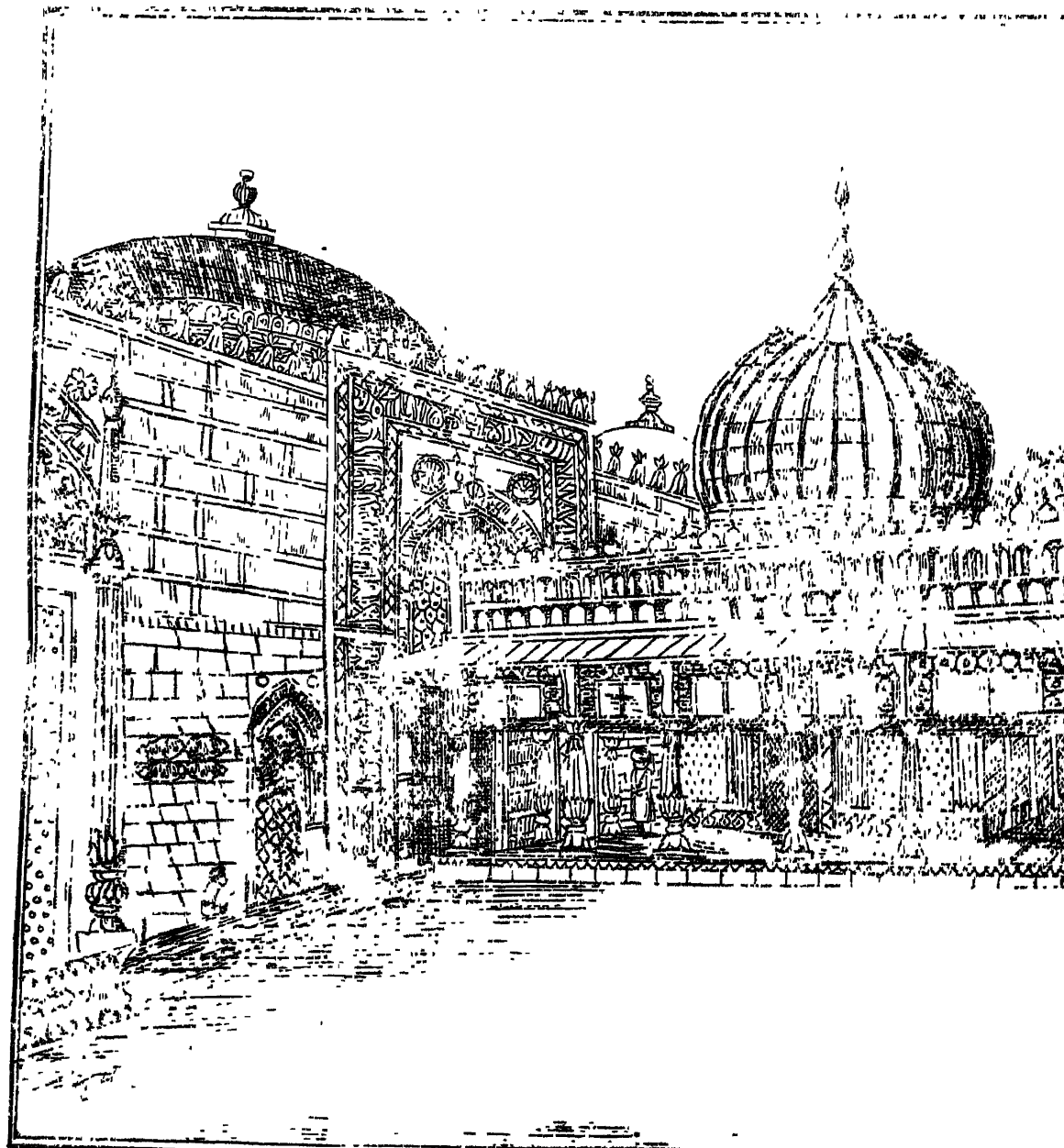
درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء

واقع ہے۔ یہ دروازہ اُس فصیل کے اندر واقع ہے جو تمام بستی کے اطراف ہے اور
اسی دروازے پر نہایت جلی قلم سے سنہری حرفوں میں یہ مصرع مرقوم ہے ع۔
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را۔ اب اس دروازے کے ہر دو جانب
کے حجروں میں مدرسہ ہے۔ نظام الدین کی بستی میں داخل ہوتے وقت داہنی
طرف چونسٹھ کھمبے کی عمارت ہے اور ذرا آگے بڑھ کر اسی رُخ پر اکبر ثانی کی
ملکہ شاہزادیوں اور دیگر محلات کی قبریں ہیں۔ بائیں جانب ایک چھوٹا سا دروازہ
ہے جہاں جوتیاں اُتاری جاتی ہیں اور اسی دروازے کے کونے میں ایک بہت
پرانا املی کا درخت کوئی پانسو برس کا ہے۔ اس دروازے کے سامنے ساٹھ فٹ
مربع صحن ہے دروازے کی بائیں طرف شربت خانہ ہے یعنی سنگ مرمر کا ایک
بہت بڑا پیالہ ہے جس کو منت مراد والے دودھ یا شربت یا حلوے سے
بھرتے ہیں۔ اور یہیں ایک حجرے میں مدرسہ ہے اور کسی کا ایک مزار بھی ہے اور
داہنی طرف حضرت امیر خسرو کا مزار ہے۔ اس صحن کے شمال میں ایک اور احاطہ
ہے جس میں سنگ مرمر کا فرش ہے اور اسی میں حضرت نظام الدین اولیاء کا مزار
مبارک ہے۔ یہ احاطہ ۱۹ ۱/۲ گز طول میں اور ۸ ۱/۲ گز عرض میں ہے اور اسی احاطے میں جہاں آرا بیگم محمد شاہ
اور مرزا جہانگیر کی قبور ہیں اور ایک مسجد بھی ہے جس کا نام "جماعت خانہ" مشہور ہے۔
درگاہ شریف سے اندر داخل ہونے کا ایک چھوٹا سا دروازہ شمالی رخ پر ہے
جس سے کوئی بیس گز کے فاصلے پر آپ کے مزار شریف کا قبہ ہے جو تیئس (۲۳) فٹ
مربع ہے اور جس کے چاروں طرف پانچ پانچ محرابیں ہیں جن کے سنگ مرمر کے
بیس ستون ہیں اور جو بیست دری کہلاتی ہے اور جس کے چاروں طرف چھ فٹ
چوڑا برآمدہ ہے۔ حضرت کے مزار کے حجرے کے اطراف سنگ مرمر کی جالیاں
ہیں جن کے گرد سنگ سرخ کا حاشیہ لگا ہوا ہے اور اندر سے حجرۂ شریف
اٹھارہ فٹ مربع ہے۔ اس حجرے اور برآمدے کا سارا فرش سنگ مرمر کا ہے۔
دروں اور کھڑکیوں پر سُرخ بانات کے پردے پڑے رہتے ہیں۔ آپ کا
گنبد کمر کی شکل کا سنگ مرمر کا ہے جس پر سنگ موسیٰ کی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں اور
اوپر سنہری کلس چڑھا ہوا ہے۔ اور حجرے کے چاروں کونوں پر نہایت خوب صورت

چھوٹی چھوٹی سنگ مرمر کی برجیاں ہیں جن کے کلس بھی سنگ مرمر ہی کے ہیں۔
ابر محیط آسمان ہوتا ہے تو حجرے میں ذرا اندھیرا ہو جاتا ہے اور دیواریں اور قبر شریف
صاف نہیں معلوم دیتی۔ مزار کے سرہانے کی دیوار میں تین جالیاں سنگ مرمر
کی ہیں۔ بیچ والی بڑی ہے اور ادھر ادھر کی اس سے چھوٹی۔ مغرب رویہ دیوار
میں ایک طاق ہے جس پر سنہری کام ہے۔ طاق کے دونوں طرف جالیوں میں سے
روشنی اور ہوا داخل ہوتی ہے۔ مشرق کی طرف بھی اسی قسم کی تین جالیاں ہیں۔
جنوبی دیوار کے بیچ میں داخلی دروازہ ہے جس کے دونوں جانب سنگ مرمر
کی جالیاں ہیں۔ قبر شریف پر ہمیشہ شامیانہ تنا رہتا ہے۔ مورچھل شتر مرغ کے
انڈے اور قمقمے لٹکتے رہتے ہیں۔ قبر شریف کے اطراف ایک سنگ مرمر کا
کٹہرا دو فٹ اونچا ہے۔ جو نواب سر خورشید جاہ بہادر مرحوم رئیس اعظم حیدرآباد
دکن نے لگایا جس پر یہ عبارت تاریخ کندہ ہے۔ "درگذرانیدہ غلامان غلام فدوی
محی الدین بہادر شمس الامراء امیر کبیر خورشید جاہ لبست ویکم ماہ صفر المظفر سنہ ۱۳۱۱ ہجری"
چھپر کھٹ کے ستون دس فٹ اونچے ہیں اور چھتری دس فٹ لمبی چار فٹ
چوڑی ہے جو زریں کپڑے کی ہے۔ قبر کے سرہانے ایک کھلا ہوا قرآن شریف
رحل پر رکھا رہتا ہے جس کے پیچھے ایک تختی سنگ مرمر کی ہے جس پر سیپ
کے سنہری حرفوں میں آیات قرآنی کندہ ہیں۔ حجرے کے اندرونی ستون
سنگ سرخ کے ہیں اور جالیوں کے اندر وار بھی سنہری کام ہے۔ ابتداءً مزار شریف
ایک جالی دار چار دیواری کے اندر تھا۔ جس پر سلطان محمد بن تغلق نے سب سے
پہلے گنبد بنوایا تھا جو اب باقی نہیں رہا۔ تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ فیروز شاہ
تغلق نے حجرے کے اندرونی حصے کی درستی اور آراستگی کے علاوہ گنبد اور
جالیوں کی بھی مرمت کرائی اور صندل کے کواڑ چڑھوائے۔ حجرے کے
چاروں کونوں پر سونے کے کٹورے آویزاں کیے اور جماعت خانے کی
سر بفلک عمارت بھی بنوائی۔ درگاہ کا تمام فرش سنگ مرمر کا محمد شاہ بادشاہ کا
بنوایا ہوا ہے چنانچہ محاذی درگاہ شریف فرش کی ایک سل پر سنہ ۱۱۳۹ھ کندہ ہے۔
سنہ ۹۷۰ھ (۱۵۶۲ء) میں سید فرید خاں نے سنگ مرمر کی لوح نصب کی جس پر یہ قطعہ کندہ ہے

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

شکر کہ در روضۂ حضرت غوث الانام — از پی تعمیر شد خانِ فلک احتشام
مہر نسب را شرف اوج شرف را شہاب — سید عالی نسب میر فلک احترام
بانی او ہاشمی ساعی او ہاشمی — آنکہ بدوران شاہ ہست سخن را نظام
از پی تاریخ آں چوں متفکر شدم — کلکِ خرد زد رقم قبلہ گہِ خاص و عام
روے بدرگاہ او آرفریدوں بصدق — شاید از لطافِ پیر کار تو گردد نظام

کاتب حسین احمد چشتی

نور الدین جہانگیر بادشاہ کے عہد سلطنت میں نواب فرید خاں المخاطب بہ مرتضیٰ خاں نے جن کا فرید آباد بسایا ہوا ہی سنہ ۱۰۱۷ھ میں مزار مبارک پر سیپ سے پچیکاری کے کام کا بہت نفیس اور نہایت عمدہ و بیش قیمت صندل کی لکڑی کا چھپر کھٹ چڑھایا۔ جس میں سیپ کا ایسا نفیس باریک اور نازک اعلیٰ درجے کا کام کیا ہوا ہی کہ دیکھ کر عقل دنگ ہو جاتی ہی کہ کن ہاتھوں نے اور کس محنت سے بنایا ہوگا جو قدرت الٰہی اور صناعی بے بدل کا ایک نمونہ ہی اس چھپر کھٹ کے اطراف سیپ کی پچیکاری سے یہ اشعار منقوش ہیں

شیخ دہلی نظام را دو فرید — کار دنیا و دین مہیا کرد
یک فریدش مقامِ فانی داد — یک فریدش مقام احیا کرد
مرتضیٰ خاں فرازِ مرقد او — قبۂ چوں سپہر برپا کرد
ابر فیروزی از جہاں برخاست — دُرِ یکدانہ در صدف جا کرد
بہ جہاں کعبۂ مربع او — چادر از چہار حد وا کرد
عرشۂ مرقد مبارکِ او — بر زمیں کار عرش اعلیٰ کرد
عرش در پاے چار قائمہ اش — چار تکبیر بے محابا کرد
ہر کہ رخ از مقام او تابید — پشت بر کعبۂ معلیٰ کرد
تا آنکہ او در سجود او آورد — رخ چو آئینۂ مصفا کرد
خاک او بت مقامش ار باشی — میتوان کرد صد مسیحا کرد
سال تاریخ ایں بنا جستم — قبۂ عقل شیخ القا کرد
قدر بانی او در فیج کناد — آنکہ ایں ہفت سقف خضرا کرد

۱۰۱۷ھ

سنہ ۱۰۶۳ھ ۱۶۵۲ء یعنی شاہ جہاں کے عہد میں ایک امیر خلیل اللہ خاں نامی نے آپ کے مزار کے گرد سنگ سرخ کی غلام گردش بنائی اور اُس کے ہر ہر ضلع میں پانچ پانچ در رکھے جو سب ملا کر بیس در ہیں اور جنوب کی طرف کے ضلعے کے دوسرے اور چوتھے در پر یہ عبارت کندہ ہے۔ دوسرے در پر۔ در عہد اعلیٰ حضرت صاحبقران ثانی احقر العباد خلیل اللہ خاں ابن میراں الحسینی نعمت الٰہی۔ چوتھے در پر۔ فی سنہ ۱۰۶۳ھ۔ کہ حاکم شاہجہان آباد بود ایں ایوان را برد روضۂ متبرکہ مرتب نمود۔ سنہ ۱۱۶۹ھ ۱۷۵۵ء میں عزیز الدین عالمگیر ثانی نے جو آپ کی جناب میں بہت اعتقاد رکھتا تھا چند اشعار آپ کی مدح اور اپنے درد دل میں کہے اور حجرے کے اندر سنگ مرمر پر کندہ کرا کے مغرب کی طرف پائنتی کے رخ پر لگا دیئے ہیں[۵]

یا عزیز

جو ہووے خادم نظام الدین کا ویسا ہی غریب ۔۔۔ اُس کے تئیں ہوتا ہے تاج خسروی جگ میں نصیب

خادمی کی تھی عزیز الدین نے با صدق یقیں ۔۔۔ تاج شاہی ہند کا مجھ کو دیا ہے عنقریب

مرض دل افگار میرے کا وہ صحت بخش ہے ۔۔۔ بے غذا و بے دعا و بے دوا و بے طبیب

بس پریشاں حال ہے اب خلق پر محبوب حق ۔۔۔ فضل کر تقصیر واروں پر تم ہو حق کے طبیب

باہتمام غلام ہوشیار علی خاں محلی سنہ ۱۱۶۹ھ

خلیل اللہ خاں کی بنوائی ہوئی غلام گردش ایک عرصے تک بحال خود رہی۔ بعد میں مولوی محمد فخر الدین صاحب عرف مولانا فخر صاحب نے سنگ سرخ کی غلام گردش کی جگہ سنگ مرمر کی غلام گردش بنوانے کا ارادہ کیا چنانچہ آپ کے پوتے غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب نے جو سجادہ نشین تھے سنگ مرمر کے ستون خرید کیئے لیکن اُن کی حیات مستعار نے وفا نہ کی اور یہ کام ادھورا رہ گیا۔ سنہ ۱۲۳۳ھ ۱۸۱۸ء میں نواب احمد بخش خاں بہادر والی فیروزپور جھرکہ نے سنگ سرخ کے ستون لگا کر دہی سنگ مرمر کے ستون لگا دیئے مگر محرابیں اور غلام گردش کی چھت سنگ سرخ کی ہی رہی۔ اِس میں یہ نقص تھا کہ ہمیشہ لونی لگ کر نقش و نگار جھڑے جاتے تھے۔ سنہ ۱۲۳۶ھ ۱۸۲۰ء میں فیض اللہ خاں بنگش نے سنگ سرخ کی چھت کے نیچے تانبے کے پتر کی چھت جڑ وا دی اور اُس پر اندر باہر تمام سنہری اور لاجوردی کام بنوا دیا جو بوسیدہ ہو جانے سے سنہ ۱۳۰۸ھ میں صرف چھت پر دوبارہ گلکاری کی گئی۔ اِس

چھت کے بنانے کی تاریخ چھت کے کنارے پر لگی ہوئی ہے لیکن وہاں کا چونا شور لگ کر گر گیا جس سے تاریخ بھی جا بجا سے ٹوٹ گئی ہے اب جو شکل جو پڑھی جاتی ہے وہ یہ ہے:۔

بدرگاہ نظام الحق والدیں۔ کہ محبوب ....

چو ایں سقف مطلا و منقش بنا کی خان بنکش خوشتریں است

وصال ایں سقف برایں ... کہ آں خا ....

.... گفتا تمامی کار چنیں است

عررہ محمد جان ۱۶۳۶ھ

درگاہ شریف کا برج چونے کا اور پست تھا جو غلام گردش کے بننے سے اور بھی دب گیا تھا ۱۲۳۹ھ ۱۸۲۳ء میں اکبر شاہ ثانی نے سنگ مرمر کا برج بنوا نہایت نفیس سنہری کلس چڑھوا دیا آپ کے مزار کے حجرہ مبارک کو اڑسو کے پٹوں پر چاندی کا پتر منڈھا ہوا ہے جس پر یہ اشعار کندہ ہیں:۔

اللہ اکبر

بطفیل ہمہ قبولم کن ای ال من و اله ہمہ

خسروا از تو پناہ می جوید ای پناہ من و پناہ ہمہ

کمترین محمد ناصر ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ ہجری

اللہ اکبر

ای بدر ماندگی پناہ ہمہ کرمت ہست عذر خواہ ہمہ

قطرۂ ز ابر رحمت تو بس است شستن نامۂ سیاہ ہمہ

غلامان غلام شاہ محمد خاں چشتی نظامی ہوشیار پوری

آپ کے مزار کے پائین میں خواجہ معز الدین اور آپ کے جوار میں خواجہ ضیاء الدین آپ کے مرید مدفون ہیں۔ حضرت کا عرس شریف سترھویں ربیع الثانی کو بڑی دھوم دھام سے آج تک ہوتا ہے۔ ساری دلی اُمنڈ آتی ہے اور قوالی بھی بڑے زور شور سے ہوتی ہے اور یوں بھی ہر جمعرات کو زائرین کا مجمع ہوتا ہے اور قوالی بھی ہوتی ہے۔

دوسرے مجمر درگاہ شریف کے احاطے کے صحن میں جنوب کی طرف اور تین مجمر ہیں جن کی سنگ مرمر کی چار دیواریاں الگ الگ ہیں۔ دروازے سے ملا ہوا مزار مرزا جہانگیر کا ہے جو شاہزادے تھے اور اسی کے سامنے محمد شاہ بادشاہ

دہلی کا مزار ہے جس کے پیچھے شاہ جہاں بادشاہ کی چہیتی صاحبزادی جہاں آرا بیگم کا مجرہ ہے۔ ان سب کے حالات جدا جدا آگے بیان کیے جاتے ہیں۔

جہاں آرا بیگم کا مجر
سنہ ۱۰۹۲ھ

جہاں آرا بیگم شاہ جہاں بادشاہ کی بیٹی تھی اور اس کا زمانہ وہ تھا جب کہ سلاطین مغلیہ کا نیر اقبال کمال عروج پر تھا اور اس کی وفات اس زمانے میں ہوئی جب کہ محمد شاہ رنگیلے کے عہد میں سلطنت کا زوال شروع ہو گیا تھا اور نادر شاہ کے حملے نے سلطنت مغلیہ کی بنیاد ہلا دی تھی۔ مرزا جہانگیر کے زمانے میں تو باوشاہت صرف نام ہی کی رہ گئی تھی وہ درحقیقت نادر شاہ کے تحت میں تھے اور خاتمہ نظر آتا تھا۔ جہاں آرا بیگم کے حالات میں عجیب تناقص ہے۔ مورخین اس کو تمام اوصاف اور محاسن نسوانی سے متصف کرتے ہیں اور برنیر فرانسیسی سیاح اس کے برعکس طرح طرح کے اتہام لگاتا ہے جیسی کہ اس کی عادت ہے کہ جس ہنڈیا میں کھاتا ہے اسی میں چھید کرتا ہے۔ اس لیے ہم بمقابلہ روایات متواترہ کے برنیر کے بیان مجرد کو ساقط الاعتبار خیال کرتے ہیں۔ جب اورنگ زیب نے سنہ ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۸ء میں دارا شکوہ کو آگرے سے نو میل کے فاصلے پر بمقام سموگڈھ شکست دے کر اپنے باپ شاہ جہاں کو تخت سے اتار کر قید کر دیا تو ایک بہن جہاں آرا تو باپ کی طرف ہو گئی اور دوسری روشن آرا بیگم نے فاتح بھائی یعنی اورنگ زیب کا ساتھ دیا۔ باپ کے ساتھ آگرے کے قلعے میں جہاں آرا بھی مقید رہی۔ روشن آرا بھائی کی مشیر و صلاح کار تھی اور ہمیشہ اورنگ زیب کو شاہ جہاں کے حضور میں جانے سے روکتی تھی اور اسی صلاح و مشورے سے دارا شکوہ قتل کیا گیا۔ جہاں آرا بیگم حسن و جمال و عقل و فراست میں مشہور زمانہ تھی اور عورتوں میں جو باتیں عمدگی کی ہونی چاہئیں وہ سب خدا نے کوٹ کوٹ کر اس میں بھر دی تھیں۔ وہ اورنگ زیب کی ان حرکات سے متنفر تھی اور کبھی کبھی روبرو بھی اپنی ناراضی کا اظہار کر دیتی تھی چنانچہ اورنگ زیب نے ناراض ہو کر جہاں آرا بیگم کے کچھ معمولات بھی مسدود کر دیئے تھے۔ شاہ جہاں نے سنہ ۱۰۷۶ھ/۱۶۶۶ء میں انتقال کیا۔ باپ کی وفات کے پانچ برس بعد روشن آرا بیگم نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ جہاں آرا بیگم نے دہلی میں ۳ رمضان المبارک سنہ ۱۰۹۲ھ/۱۶۸۱ء میں انتقال کیا۔ یہ نہیں معلوم ہوا کہ جہاں آرا بیگم آگرے سے دلی خود چلی آئی تھیں یا اورنگ زیب کے حکم سے آنا پڑا لیکن ضرور بھائی بہن کی رنجش کو اس نقل مکان میں داخل تھا۔ چوں کہ جہاں آرا بیگم کو خواجگان چشت سے بڑا اعتقاد تھا اس لیے بیگم صاحب موصوفہ نے پیرزادگان درگاہ کو ایک رقم

نظیر نے کر یہ زمین خریدی تھی اور خود تمام حظیرہ سنگ مرمر کا بنوایا۔ قبر سنگ مرمر کی زیر سما ہی۔ تعویذ کے بیچ میں مٹی بھری رہتی ہی جس پر ہریالی اگی ہوئی ہی۔ قبر ایک سنگ مرمر کی چار دیواری کے اندر ہی جو ۱۴×۱۲ فٹ اور آٹھ فٹ بلند ہی۔ چار دیواری کے اندر داخل ہونے کا ایک ہی دروازہ ہی جس کے کواڑ چوبی ہیں۔ ہر دیوار میں تین تین دَرے نہایت نفیس سنگ مرمر کی جالی کے ہیں جس دیوار میں دروازہ ہی اُس طرف دو ہی درے ہیں تیسرے درے کی جگہ دروازہ ہی۔ دیواروں پر سنگ مرمر کا عمدہ جالی دار کٹہرا تھا جو گر گیا اب صرف ایک طرف کی دیوار پر اس کا کچھ حصہ باقی ہی جس سے اُس کی نفاست کا اندازہ ہو سکتا ہی۔ احاطے کے چاروں کونوں پر چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں جن میں کی دو گر گئیں اب صرف دو باقی ہیں۔ جہاں آرا بیگم کی قبر احاطے کے بیچوں بیچ میں ہی جس کے سرہانے ایک پتلی سی سنگ مرمر کی تختی نہایت خوش نما لوح کی کھڑی ہی جس پر بخط عربی سنگ موسی کی پچیکاری سے ایسا خوش خط یہ کتبہ ہی کہ جس سے آنکھیں روشن ہو جائیں اور کہا جاتا ہی کہ یہ شعر خود مرحومہ مغفورہ کا ہی ہے

هو الحی القیوم

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا
کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است
الفقیرۃ الفانیہ جہاں آرا مرید
خواجگان چشت بنت شاہجہاں
بادشاہ غازی انار اللہ برہانہ
۱۰۹۲ھ

جہاں آرا بیگم کی قبر کی داہنی طرف مرزا نیلی خلف شاہ عالم بادشاہ کی قبر ہی اور بائیں طرف جمال النساء بیگم دختر اکبر شاہ ثانی کی۔

محمد شاہ بادشاہ کا مجر

۱۱۳۱ھ-۶۱
۱۷۱۹ء-۴۸

درگاہ شریف میں جہاں آرا بیگم کے مجر کے مشرق میں محمد شاہ بادشاہ کا مجر ہی۔ مغلیہ سلاطین کے زمرے میں سب سے زیادہ مصائب و آلام کا زمانہ اس بدنصیب بادشاہ کا تھا۔ اورنگ زیب کے انتقال کے ساتھ جو زوال شروع ہوا وہ اس کے عہد میں انتہائی

درجے کو پہنچ گیا۔ محمد شاہ ایسے زمانے میں تخت نشین ہوا کہ سارے ملک میں ہر طرف بدنظمی اور بلوہ پھیلا ہوا تھا۔ باج گزار راجاؤں اور امرا نے علم بغاوت بلند کر رکھا تھا جہاں پہلے سے سکون تھا وہاں بھی فتنہ و فساد کی آگ بھڑک گئی اور سب سے بڑھ کر نادر شاہ کا حملہ اور دلی کا قتل عام ہوا۔ اب وہ ڈگمگائی ہوئی بادشاہت رہی سہی بھی کمزور ہو گئی اور یوں سمجھنا چاہیئے کہ اس وقت ہی سے سلطنت مغلیہ کا قلع قمع ہو گیا۔ محمد شاہ کو مجبوراً امرا و روسا و والیان ملک کی خود سری کو انگیز کرنا پڑا اور سب سے بڑھ کر یہ مصیبت ہوئی کہ باوجود دلی کے قتل عام کے نادر شاہ بادشاہ کو جہانداری کے بہانے سے جبراً اپنی دارالسلطنت تک لے گیا اور یوں جاکر قتل عام کی بھڑکی ہوئی آگ ٹھنڈی پڑی اور شہر مزید مصائب اور تباہی و بربادی سے محفوظ رہا۔ محمد شاہ بے چارے کو اس ناخواندہ مہمان کی بادل ناخواستہ آؤ بھگت کرنی پڑی۔ تعریفی قصائد سامنے پڑھنے پڑے اور ایک لڑکی بھی اپنی نادر شاہ کے بیٹے کو دے کر اپنی جان بچانی پڑی۔ محمد شاہ اس سخت آفت کے بعد آٹھ سال تک زندہ رہا اور جب موت نے اس کا پردہ ڈھنک دیا تو درگاہ حضرت نظام الدین میں آسودہ کیا گیا۔

قطعۂ تاریخ وفات

شہ فلک حشم و روشن اختر آں کہ از و چو آفتاب جہاں جملگی فروغ گرفت
چو شد بجادۂ فردوس زیں سرائے سپنج سرود ہاتف غیبی کہ گو "بہشت رفت"
۱۱۶۱

اس کی قبر کا احاطہ مستطیل ہے جو بیس فٹ لمبا اور سولہا فٹ چوڑا ہے۔ چار دیواری آٹھ فٹ سے کچھ اونچی ہے جس کے چاروں کونوں پر سنگ مرمر کے چھوٹے چھوٹے منارے ہیں۔ دروازہ اور اس کے سامنے کے دَرے بھی سنگ مرمر کے ہیں جو نقش و نگار سے آراستہ ہیں۔ دیواروں میں سنگ مرمر کی جالیاں ہیں انہیں کے درمیانی دَرے میں دروازہ ہے جس کے کواڑ بھی سنگ مرمر کے ہیں۔ احاطے کے طول میں سنگ مرمر کے پانچ دَرے ہیں اور عرض میں تین تین۔ جالیاں پانچ فٹ لمبی اور چار فٹ چوڑی ہیں۔ اس احاطے میں چھ قبریں ہیں سب سے بڑی قبر محمد شاہ بادشاہ کی ہے۔ داہنی طرف محل خاص نواب صاحبہ محل کی قبر ہے اور اس کے پائین میں نادر شاہ کی بہو کی اور داہنی طرف اس کی معصوم لڑکی کی ایک قبر مرزا جہانگیر محمد شاہ کے پوتے کی اور ایک

مرزا عاشوری کی۔ علاوہ ان قبور کے اور دو شاہزادگان خاندان تیموریہ کی قبریں بھی ہیں جن کے نام تک کسی کو معلوم نہیں۔ یہ غیر مسقف سنگ مرمر کا محجر محمد شاہ نے اپنی زندگی میں ایک لاکھ روپیہ کو درگاہ والوں سے خرید کر خود طیار کرایا۔

مرزا جہانگیر و مرزا بابر پسران اکبر شاہ ثانی کا محجر ۱۲۴۸ھ ۱۸۳۲ء

متصل محجر محمد شاہ بادشاہ۔ یہ تیسرا احاطہ بھی محمد شاہ کے محجر کی بالکل نقل ہے جو اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر تمام تر سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی اصل اصل ہی ہے اور نقل نقل۔ اگرچہ مرزا جہانگیر کے محجر میں بہ نسبت محمد شاہ کے محجر کے کام بہت باریک اور نفیس ہے اور جالیاں بھی بہت باریک اور نزاکت سے تراشی گئی ہیں لیکن سنگ مرمر ایسا آبدار اور شفاف۔ بےجرم خوش رنگ و خوش قماش نہیں ملا۔ محمد شاہ کے محجر پر ایک عجب طرح کی نزاکت۔ ملائمت اور ملاحت ہے اور مرزا جہانگیر کے محجر پر ایک طرح کا روڑا اور روکھا پن برستا ہے بہر حال اپنی جگہ یہ محجر بھی ایک عجائب روزگار اور قابل دید ہے۔ یہ محجر مرزا جہانگیر اور مرزا بابر پسران اکبر شاہ ثانی کا ہے۔ مرزا جہانگیر خلف اکبر تھے جو مفسدانہ طبیعت رکھتے تھے چنانچہ ۱۸۰۹ء میں اُنھوں نے مسٹر سٹین رزیڈنٹ دہلی پر تپنچہ سر کیا تھا جس کی پاداش میں برٹش گورنمنٹ نے انھیں نظربند کر کے الہ آباد بھیج دیا اور وہیں ۱۲۳۷ھ ۱۸۲۱ء میں اُن کا انتقال ہوا۔ وفات کی تاریخیں یہ ہیں:

(۱) چوں از جہاں برفت جہانگیر میرزا | نور نگاہ اکبر و سالار دوسرا
شد خانۂ عزا ہمش دار سلطنت | محزوں شد از وفات وی آں ظل کبریا
تاریخ فوت او بظہور آمدہ چنیں | از گان شاہ رفت نہے لعل بے بہا

(۲) چوں جہانگیر ابن اکبر بادشاہ | در جہاں با دانش و با داد گشت
از قدوم آں دُرِ بحر کرم | رونق شہر الہ آباد گشت
آں چناں بنہاد خوان فیض را | ہر یک از فکر معاش آزاد گشت
چوں رسی یک سال عمرش شد فزوں | طبع او از زندگی ناشاد گشت
خیمہ زد در منزل جنت سرا | ایں چہ از دورِ فلک بیداد گشت
عالمے شد در غمش چنداں اسیر | نام شادی از جہاں برباد گشت
ابر آمد در عزا گریہ کناں | بر فلک ہم ماتمے ایجاد گشت

اندپی تاریخ فوت او دلم	ہرطرف بانالہ و فریاد گشت

شد عیاں ایں مصرعہ از ترکیب آہ

حیف بے رونق الہ آباد گشت

۱۲۳۶ = ۱۲۳۰ + ۶

(۳) جہانگیر شہزادہ چو از جہاں	بشہزادگی دل بیرداشتہ

بسطح فنا اشہب عظم راند	بہ گلگشت جنت عناں تافتہ

چو شور قیامت فغاں در غمش	بروے زماں آہ برخاستہ

بہ ہاتف بگفتم کہ کلک سعید	چہ تاریخ فوتش رقم ساختہ

بدیں گونہ گفتا کہ بے پائے صیہم

بملک بقا سلطنت یافتہ

۱۲۳۶ = ۴ - ۱۲۴۰

(۴) از گردش چرخ ایں ستم ایجاد چرا شد - کاں فخر زمانی

افسوس کہ عازم سوے فردوس سرا شد - در عین جوانی

تاریخ وے از کلک قضا منشی تقدیر - بر لوحۂ محفوظ

بنوشت جہانگیر جہاں دار بقا شد - از منزل فانی

۱۲۳۶ = ۲۷۶ + ۹۶۰

نواب ممتاز محل صاحبہ ان کی والدہ تھیں جو مرزا جہانگیر کو بہت چاہتی تھیں۔ انھوں نے نواب مختار الدولہ وحید الدین احمد خاں بہادر خلف اکبر وزیر اعظم دستور معظم نواب دبیر الدولہ امین الملک خواجہ فرید الدین احمد خاں بہادر مصلح جنگ کو الہ آباد بھیجا اور اُن کی نعش منگوا کر یہاں دفن کی اور بعد میں یہ مقبرہ بھی انھوں ہی نے ۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ع میں بنوایا۔ احاطے کی کرسی ۴ فٹ بلند ہے اور مستطیل شکل کا ۲۰ × ۱۶ فٹ ہے جس میں سنگ مرمر کی چار سیڑھیاں چڑھ کر داخل ہوتے ہیں۔ اس کی چوکھٹ پٹوں سمیت سنگ مرمر کی ہے جن پر نہایت عمدہ پچیکاری کا کام ہے دروازے کے محاذی دوسری طرف اُس کا جوابی دروازہ ہے۔ احاطے کے چاروں کونوں اور دروازوں کی ہر دو جانب سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی میناریں ہیں۔ اس احاطے میں چار قبریں ہیں دیوار سے ملی ہوئی مرزا بابر کی ہے۔ اُس کے پاس مرزا جہانگیر کی جس کے تعویذ پر

بہت باریک اور اعلیٰ درجے کا نفیس نقاشی کا کام ہی۔ مگر تختی دار تعویذ سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ تعویذ زنانہ ہی جو کسی وقتی ضرورت کے لحاظ سے مردانی قبر پر لگا دیا گیا اس پر کوئی کتبہ نہیں ہی۔ مگر مرزا بابر کی قبر کا تعویذ بھی خاص اُن کا نہیں ہی وہ بھی کسی کسی دوسرے صاحب کی قبر کا اکھیڑ کر لگا دیا ہی۔ خدا جانے یہ کیا مصلحت تھی کہ قبر کسی کی تعویذ کسی دوسرے کا چنانچہ اس پر کتبہ موجود ہی:۔

آں سید عالی نصیب معدن جود ۔ واں بحر کرم کز وجہاں مے آسود

فرزند علی میر محمد نامش ۔ چوں میر محمد از جہاں نقل نمود

تاریخ وفاتش از خرد پرسیدم ۔ "گلزار بہشت جاے بادا" فرمود

اس مجبر کے باہر جانب شرق دالان در دالان اور ایک دروازہ کلاں بھی اُنھیں کا تعمیر کرایا ہوا ہی جس میں مرزا بابر کی بیوی کی سنگ مرمر کی قبر ہی جس پر یہ کتبہ ہی:۔

کلمہ

دریغا زوجہٴ بابر بہا در ۔ یکا یک زیں جہان بے وفا رفت

بحکم صاحب عالم وصالش ۔ بقا گفتہ کہ در دار البقا رفت

مکان منشی سعادت علی خاں

۱۲۷۱ھ

یہ بھی ایک قدیم مکان بیرون دروازہ مشرقی آستانہ شریف ہی جس پر حال میں ایک نہایت خوش خط اور واضح کتبہ بخط ثلث حسب ذیل لگایا گیا ہی:۔

این مکان مقبرۂ جد مادر و مادر خود را سعادت علی وارادت علی

ابنائے سید باقر علی مغفور و بنسان شیخ محمد موسیٰ خاں مبرور

در سنہ ۱۲۷۱ھ ہجری نبوی از سر نو بنا ساخت

مجبر مرزا محمد مقیم

۹۶۹ھ

حضرت سلطان اولیا کی درگاہ شریف کے اندر مشرق کی طرف مرزا محمد مقیم کا مجبر ہی جس کے دروازے پر یہ دو رخہ کتبہ ہی سامنے وار درگاہ کے رخ پر ہی:۔

آنہا کہ بکوئے قرب جا یافتہ اند ۔ کام دلِ خود بدعا یافتہ اند

این مرتبہ دانی ز کجا یافتہ اند ۔۔۔ از شیخ نظام او بیا یافتہ اند

پیچھے دار کو:- فرزند مقیم بندہ حی و قدیم ۔۔۔ جا کرد درین روضۂ پر فیض و نعیم

او را نبود در خشکر اندیشہ و بیم ۔۔۔ چون ساکن فردوس گشت برین مقیم

قائلہ مویدی و کتبہ حسین نقشبی ۔۔۔ قائلہ میر نویدی نیشا پوری ۹۶۹

قبر پر:- از جہان مرزا مقیم چون رفت ۔۔۔ نہصد و شصت ہفت بُد تاریخ

اسی مجہر میں اور ایک قبر ہے:- افسوس کہ شد نہان شہر دہلی ۔۔۔ ماہی کہ محل طالعش کامل شد

آن تازہ نہال گلشن حسن و جمال ۔۔۔ بگذاشت جہان فانی بالکل شد

تاریخ وفات آن گل آمد از غیب ۔۔۔ برباد ز گلشن مراد آن گل شد

وفات ابوالفضائل بن سید مراد در ۹۶۵ھ

ایضاً:- بندہ خواجہ عبداللہ ابن میر حاجی محمد ہمدانے۔

مکان مرزا بہرام شاہ

اسی مجہر کے پاس مرزا بہرام شاہ کا قدیم مکان خراب و خستہ حالت میں ہے جس پر یہ کتبہ لگا دیا ہے:-

"ساخت مکان جنت نشان محمد بہرام شاہ ابن شاہ عالم بادشاہ غازی"

خانقاہ مرزا بہرام شاہ ۱۲۲۵ھ

آنگہ خاں کے مقبرے سے ملی ہوئی یہ خانقاہ مرزا بہرام شاہ عرف مرزا احسنو فرزند شاہ عالم بادشاہ کی ہے جو امیر الملک مرزا بلاقی کے نانا تھے۔ اس مکان کے دروازے پر یہ تاریخ ہے:-

شہ بہرام ابن شاہ عالم ۔۔۔ مرتب ساخت جائے خوش سراپا

خرد از سال تاریخش چنین گفت ۔۔۔ کہ اقدس خانقاہِ روح افزا ۱۲۲۵ھ

یہ خانقاہ محاط ہے جس میں ایک سہ دری ہے اور صحن میں یہ قبریں ہیں:-

زوجۂ حسین بہرام شہ بر بست رخت ۔۔۔ زین جہان و چشم آن گریان چو میغ اللہ

داغ حسرت بر نہاد او نہا ۔۔۔ رفت بی جان گفت ہاتف ای دریغ ۱۲۲۴ھ

(۲) اس قبر کے سرہانے ۲ فٹ لمبی اور ۱ فٹ چوڑی سنگ مرمر کی لوح بجانب شمال کھڑی ہوئی ہے جس پر یہ کتبہ ہے:-

کلمہ

از جہان رفت خواجگی درویش ۔۔۔ سوی فردوس رہنما آمد

دل ازیں دار بے بقا برکند　　زانکہ کار جہاں فنا آمد
از سر اعتقاد و روے نیاز　　بر در شیخ اولیا آمد
در بہشت بریں نہاد قدم　　فارغ از قید ما سوا آمد
سال تاریخ او خرد گفتہ　　عمر درویش بے بقا آمد

قائلہ و کاتبہ عبدالسلام ۹۹۵ھ

پائین قبر میں دوسری لوح سنگ مرمر کی ۸ فٹ لمبی اونچی اور اٹھ انچ چوڑی کھڑی ہی جس پر یہ کتبہ ہی:-

ای بی تو گردش فلک بے مدار حیف
باشد زمانہ و تو نباشی ہزار حیف

پائین کی لوح کے جوڑ کی ایک تختی سہ دری کے سامنے خالی رکھی ہوئی ہو اس پر بھی یہی شعر کندہ ہے۔ معلوم ہوتا ہو کہ یہ استعمال میں نہیں آئی۔

نواب ضیاء الدولہ کا مزار

قطعۂ تاریخ وفات جو سعد الدین احمد خاں المخاطب نواب ضیاء الدولہ پسر نواب رکن الدولہ امیر کبیر عہد[1] اکبر شاہ کے مزار پر جو اندرون احاطہ ہی کندہ ہی:-

ضیاء الدولہ خطابست و نام سعد الدین (احمد خاں)　　اسیر وقت شد از بارگاہ اکبر شاہ
نہم ز ماہ ربیعیکہ اولش نامند　　بوقت شب ز تماشاے دہر بست نگاہ
ضیاگر دولت شاہان ہند رفت ز دہر　　بر آمد از دل گیتی شرار شعلۂ آہ
بگفتم از سر جوش الم پے تاریخ　　کہ باد صدر نشین حریم قرب الہ
　　سنہ ۱۲۵۱ھ

سماع خانۂ عالم گیر بادشاہ

اسی کے پاس عالم گیر بادشاہ کا بنایا ہوا دالان در دالان سماع خانہ ہے۔

احاطۂ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ
۱۲۸۶ھ

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ جہانگیر آباد کے مشہور رئیس اور نامور شاعر تھے جن کا دیوان حال میں اُن کے صاحب زادے نواب محمد اسحاق خاں صاحب نے بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے آپ کی قبر پر صرف یہ کتبہ ہے

[1] ابو النصر معین الدین اکبر شاہ ثانی مراد ہیں جن کی وفات ۲۸ جمادی الثانیہ سنہ ۱۲۵۳ھ میں ہوئی ہو۔ ۱۲

جنا ہمرہما صبر وا جناب وحش یں ا ۱۲۸۶ ہجری "

نواب محمد اسحٰق خاں کی قبر ۱۳۰۳ھ

اسی احاطے میں نواب محمد اسحٰق خاں صاحب سکریٹری محمدن کالج علی گڈھ کی قبر ہے۔ جس پر سنگ مرمر کی ایک نہایت بڑی اور شفاف تختی پر بہت خوشخط یہ قطعہ کندہ ہے:۔ کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

قطعہ تاریخ وفات حسرت آیات جناب نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب رئیس جہانگیر آباد نوراللہ مرقدہ۔

صد حیف وہزار وا دریغا	پنہاں شدہ مہر عالم آرا
ظلمت بہ زمانہ در نظر ہا	در آہ و بکا دل وجگر ہا
نواب اسحٰق خان ذوالاحساں	ذوالقدر وذوالاقتدار وذوالشان
دیندار بشکل اہل دنیا	دنیا بہ ہشش طریق عقبیٰ
مصروف بکار قوم ہر دم	ذاکر شاغل بقلب پیہم
راس الامرا بجاہ ودولت	تاج الفقرا بدل بہ سیرت
سر دفتر صاحبان اقبال	سر حلقۂ صوفیان ذوالحال
مدہوش ولائے غوث اعظم	مست مئی خواجہ قطب عالم
جانباز شریعت وطریقت	فانی فی الذات فی الحقیقت
بگذاشت بجوش دلی جہاں را	مردانہ بحق سپرد جاں را
چوں وقت وصال در رسیدہ	محبوب الہیش کشیدہ
چوں خدمت خسرو سخن کرد	در قرب بہ نزد او وطن کرد
ہرچند بدہامیش قرار است	روحش بمدینہ رازدار است
اجمیر و نجف مدینہ بغداد	کلیر بد عاے اوست دریاد
یارب بفناے تو بقا باد	چوں اہل فنا بخلد جاں باد
در دل چو اسیر فکر سال است	فانی فی الذاتہ وصال است

۱۳۰۳ھ

سلہ حضرت امیر خسرو کی کل تصنیفات کو بڑی تلاش اور جستجو اور خاص اہتمام سے چھپوا رہے تھے جن میں سے چار مثنویاں مع المسودات اور دل چسپ مقدمات کے علی گڈھ انسٹیٹیوٹ پریس سے شائع بھی ہو چکیں ۱۲۔

جماعت خانہ یا مسجد درگاہ
سنہ ۷۵۴ھ
۱۳۵۳ء

درگاہ کے احاطے کے سارے کے سارے مغربی رخ پر جماعت خانے کی عمارت ہے جو مسجد کے کام میں لائی جارہی ہے۔ یہ عمارت غالباً فیروز شاہ تغلق نے ۷۵۴ھ ۱۳۵۳ء میں بنوائی تھی جو افاغنہ کے عہد کی تعمیرات کا ایک نہایت عمدہ نمونہ ہے۔ اسی طرز کی اور بہت سی عمارتیں افاغنہ کے بنائی ہوئی اب بھی دلی میں جابجا موجود ہیں۔ لیکن اتنا بڑا گنبد اس نواح میں کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ یہ مسجد تمام سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے جو طول و عرض میں ۹۶ فٹ × ۴۶ فٹ اور بلندی میں ۳۶ فٹ ہے اور درمیانی گنبد کی بلندی ملا لو توبارہ فٹ اونچان اور بڑھ جائے گی۔ دونوں طرف کے بغلی کمرے مسجد کی چھت سے چھ فٹ پست ہیں اس مسجد کے تین درجے ہیں۔ درمیانی درجے کے گنبد کا قطر ۲۵ فٹ ہے اور مشرق سے مغرب تک طول ۴۶ فٹ اور شمال سے جنوب کو بیس فٹ چوڑا ہے۔ یہ بُرج بزرگ شاہزادہ خضر خاں بن سلطان علاء الدین خلجی نے جو آپ سے بہت عقیدت رکھتا تھا آپ کے روبرو طیار کرایا۔ مسجد کے گنبد پتھر اور چونے کے ہیں اور اندر دوار سنگ سرخ لگا ہوا ہے۔ مسجد کے درمیانی حصے میں جانے کا ایک بہت بڑا محراب دار دروازہ ۱۵ فٹ بلند ہے۔ بغلی کمروں کی دو تہائی بلندی تک سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہیں جن کے بیچ میں دروازے ہیں مسجد کا صدر دروازہ اپنی وضع میں جداگانہ ہے جس کی طاق نما محرابیں اور دونوں طرف کی محراب دار کھڑکیوں میں جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ جس سے روشنی اور ہوا کا خوب گزر ہوتا ہے۔ صدر دروازے پر سورۂ الرحمٰن کامل خط ثلث میں بہت خوبی سے کندہ ہے۔ جنوبی دریچے کی سیدھی طرف حضرت نظام الدین اولیاء کے وفات کی تاریخ لگی ہوئی ہے:۔

نظام دو گیتی شہ ماہ و طیں	سراج دو عالم شدہ بالیقیں
چو تاریخ فوتش بجستم زغیب	ندا داد ہاتف "شہنشاہ دیں"

سنہ ۷۲۵ھ

مسجد کے اندر مغربی دیوار میں تین بلند طاق نما محرابیں ہیں۔ درمیانی اور بائیں ہاتھ کی طرف کی محراب سے ملا ہوا منبر ہے۔ محرابوں پر تمام کلام مجید کی آیتیں کندہ ہیں۔ درمیانی گنبد کی چھت میں پتلی زنجیر سے ایک اُلٹا کٹورا لٹک رہا ہے جسے لوگ سونے کا

کہتے ہیں۔ سلطان محمد تغلق شاہ نے اپنے زمان سلطنت میں دو ورجے ادھر اور ادھر دو دو برج اور بنا دیئے جس سے اب مسجد کے پانچ برج ہو گئے۔

امام صاحب مسجد خضر خانی حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز کے سوائے ایک ہمشیرہ صاحبہ کے جن کا اسم شریف **بی بی جنت** ہو اور کوئی بھائی یا بہن نہ تھے۔ ان ہمشیرہ صاحبہ کے بطن سے ایک صاحب زادے **خواجہ سید محمد** اور ایک صاحب زادی **بی بی رقیہ** ہوئیں بی بی رقیہ کی شادی **خواجہ سید عبد العمد صاحب بخاری** بدایونی برادر عم زاد حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ کے ساتھ ہوئی ان کے فرزند ارجمند **خواجہ سید ابو بکر مصلی بردار** ہوئے اور خواجہ سید محمد صاحب کے فرزند ارجمند **خواجہ سید رفیع الدین ہارون** تھے۔ **سید امین الدین صاحب نظامی رضوی** انھیں دو صاحبوں کی اولاد اور فرزندیت کا شرف رکھتے ہیں۔ اس خاندان میں سب سے پہلے **خواجہ سید عزیز الملک والدین** کو امامت ہوئی۔ جو فرزند ہیں خواجہ سید ابو بکر مصلی بردار کے۔ موجودہ امام صاحب دو بھائی ہیں سید محمد علیم الدین اور سید محمد امین الدین جن کو مناصب قدیمہ ابائی جدی امامت مسجد خضر خانی آستانہ محبوبی و شجرہ خوانی روضۂ نظامی کا افتخار حاصل ہو۔ آپ کا سلسلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت خاتون جنت سے چھتیسویں واسطے پر ہو اور حضرت نظام الدین کی حقیقی ہمشیرہ زادی اور برادر عم زاد یک جدی سے اٹھارواں اور حضرت مصلی بردار سے سولھواں واسطہ ہو۔ ان دونوں صاحبوں کو طرفین سے شرف یک جدی و فخر خواہر زادگی حضرت سلطان المشائخ حاصل ہے۔ یہ دونوں صاحب نہایت بزرگ اور متقی اور پرہیزگار ہیں اور کیوں نہ ہو کہ کس کی آل اولاد ہیں۔ اچھوں کے اچھے ہی ہوتے ہیں۔

لنگر خانہ درگاہ کے شرقی دروازے کے باہر لنگر خانے کی نہایت پختہ اور قدیم عمارت ہو جس کو خود حضرت محبوب الٰہی نے تعمیر کرایا تھا

درگاہ کی باؤلی
۱۲۰۷ھ
۲۱ ۱۳ ۶

مزار شریف کے احاطے کے باہر شمالی دروازے سے نکل کر ہم ایک دوسرے احاطے میں جا پہنچتے ہیں اور یہیں وہ بہت بڑی باؤلی ہو جو درگاہ شریف کے

نقشہ باولی درگاہ حضرت نظام الدین
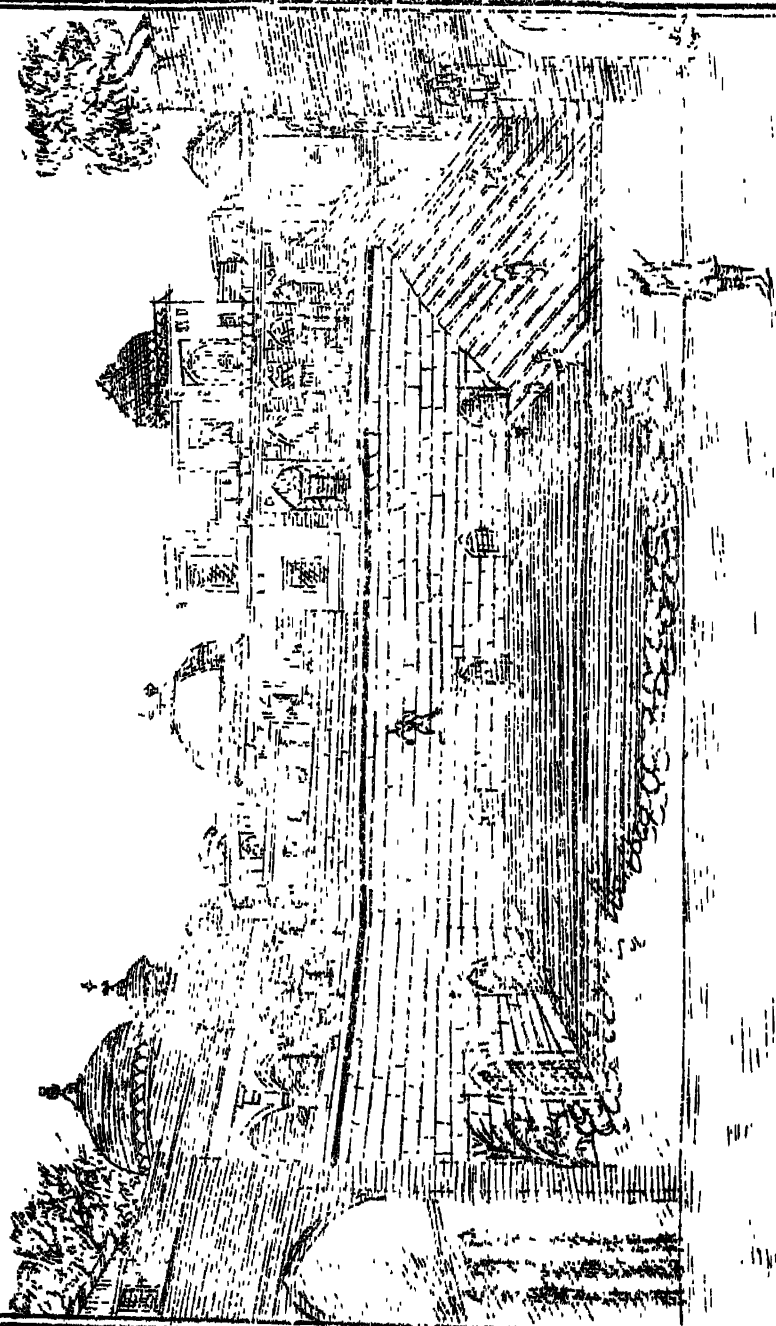
متعلق ہے۔ اس باؤلی ہی کی تعمیر پر آپ سلطان غیاث الدین تغلق سے ناراض ہو گئے تھے
جس زمانے میں حضرت بغرض آسایش خلق اللہ یہ باؤلی بنوا رہے تھے اُسی زمانے میں
بادشاہ بھی قلعہ بنوا رہا تھا۔ مزدوروں کی قلت تھی۔ بادشاہ نے مزدوروں کو منع کر دیا
کہ کہیں اور کام کو نہ جائیں۔ مزدور بے چارے بحکم حاکم مرگ مفاجات دن دن میں تو
قلعے کا کام کرتے اور رات کو باؤلی کا کام کرتے۔ بادشاہ نے جب سنا کہ باؤلی کا
کام بدستور رات کو چل رہا ہے تو طیش میں آ کر تیل بند کر دیا لیکن حضرت کی کرامت سے
پانی تیل کا کام دینے لگا۔ آپ نے اس کا تذکرہ سید محمود بہار صاحب سے کیا وہ بھی
ایک خام دیوار بنوا رہے تھے یہ سنتے ہی آپ نے دیوار گروا کر زمین کے برابر
کروا دی اور فرمایا کہ "لو ہم نے اس کی سلطنت ہی مٹا دی"۔ باؤلی کی تعمیر کا کام ۷۲۱ھ/۱۳۲۱ء
میں ختم ہوا اور حضرت نے دعا کی کہ اس کا پانی نفع بخش خلایق ہو چنانچہ اب تک
اس پانی سے لوگ مستفید ہوتے ہیں اور بہت سے خواص اس سے منسوب کیے جاتے
ہیں یہ باؤلی ۱۸۰ × ۱۲۰ ہے جس کے چاروں طرف بہت بھاری پختہ دیوار نما بندش
ہے اور شمال کی جانب اُترنے کی سیڑھیاں ہیں جو باؤلی کی تہ تک چلی گئی ہیں
سیڑھیاں اس قسم کی ہیں کہ ہر تین چھوٹی سیڑھیوں کے بعد ایک بڑی اور بہت چوڑی
سیڑھی ہے پانی سے عموماً چالیس سیڑھیاں کھلی رہتی ہیں۔ اور انھیں سیڑھیوں میں سے
ایک سیڑھی پر پتھر کی ایک بہت بڑی چٹان رکھی ہے جس کو نمازی پتھر کہتے ہیں اور
یہ خاص نماز پڑھنے ہی کی غرض سے رکھا گیا ہے۔ باؤلی جب صاف ہوئی تو دیکھا گیا کہ اس
کے اندر چار سموسے ہیں جن کے نیچے چاروں طرف سے سیڑھیاں شروع ہو کر
ایک ہشت پہل سیڑھی پر ختم ہوئی ہیں اور پھر اس کے نیچے سے مدور سیڑھیاں
شروع ہو کر کنوئیں پر ختم ہو گئی ہیں۔ یہ کنواں آٹھ گز سے آٹھ گز مدور ہے اور تقریباً
اسی قدر گہرا بھی ہے اور باؤلی میں عموماً سولہا سترہ گز پانی رہتا ہے پانی کے اوپر ایک
بہت بڑا طاق ہے اور دو طاق اس سے چھوٹے طاق جنوبی دیوار میں ہیں اور چار چار طاق شرقی اور غربی
دیواروں میں ہیں ان میں بخوبی دو دو آدمی کھڑے ہو کر نہا سکتے ہیں اور ان طاقوں سے
کوئی گز بھر نیچے ایک دہ آدھ گز چوڑی چاروں طرف بنی ہوئی ہے جس کے اوپر آدمی
پھر کر باؤلی کے پانی کا بخوبی طواف کر سکتا ہے۔ یہ باؤلی از سر تا پا سنگ خارا کی عظیم الشان

ڈلیوں سے نہایت مستحکم بنی ہوئی ہے۔ باؤلی کے اطراف مختلف عمارتیں بنی ہیں۔ باؤلی کے جنوب اور مشرق کے رخوں پر سپتلے پتلے لمبے دالان بنے ہوئے ہیں جن میں سے درگاہ میں جانے کا رستہ ہے۔ سنہ ۱۰۸۱ ہجری میں محمد معروف پسر وحید الدین صاحب نے جنوبی دالان بنوایا تھا۔ باؤلی کی کچھ سیڑھیاں اتر کر ایک تنگ رستہ ملتا ہے جو کچھ کھلا ہوا ہے کچھ پٹا ہوا جس کو چھتہ کہتے ہیں یہ چھتہ خواجہ معروف نے سلطان فیروز شاہ کے زمانے میں بنوایا تھا ورنہ پہلے مسجد سے باولی میں اترنے کا رستہ تھا اور لوگ وضو کے لیئے چلے آتے تھے۔ باؤلی کے جنوبی رخ کی تمامی عمارات فیروز شاہ کے عہد کی بنی ہوئی ہیں جس میں درسے درسے بنے ہوئے ہیں اور باؤلی کے اوپر آنے کا رستہ ہے۔ یہاں ایک نہایت بدخط کتبہ بخط عربی یہ ہے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعہد دولت شاہِ معظم	خجستہ خسرو اولاد آدم
مدارِ دینِ احمد شاہِ فیروز	شہ صاحب قران سلطان اعظم
موفق گشت از حق بندہ معروف	اساس این عمارت کرد محکم
جوارِ روضۂ شیخ المشایخ	نظام الحق والدین قطب عالم
وحید الدین قریشی والدین	کہ با اہلِ ارادت بود ہمدم
بحسن اعتقاد و صدق اخلاص	در اسرار ولی اللہ محرم
مرا چون پرورش شیخ عالم	بدست خود گرفت و کرد ناظم
بلفظ خود مرا معروف خواندہ	درین عالم چو شیخ عیسوی دم
رجا دارم کز انفاس مبارک	در آن عالم بود معروف پر غم
بخوان تاریخ اتمام عمارت	درین جا چون بیائی خیر مقدم
ز ہجرت ہفصد و ہشتاد و یک بود	مرتب شد بنا و اللہ اعلم

باؤلی پر کی مسجد برج اور غوطہ زن

اس باؤلی کی غربی دیوار پر ایک نہایت خوش نما تین در کی مسجد ہے جس کی چھت پر ایک چھوٹا سا برج پٹھانوں کے زمانے کا بطور بالاخانے کے بنا ہوا ہے جس پر

چڑھ کر تیراک غوطہ زن لوگوں سے کچھ پیسے لے کر ساٹھ فیٹ کی بلندی سے کودا کرتے ہیں۔ اتنی بلندی سے کودنا ہر ایک کا کام نہیں ہو وہ لوگ اس کی بہت مشق بہم پونہچاتے ہیں دیکھنے والوں کا سر چکرا جاتا ہی اور دم بخود رہ جاتے ہیں

باٸی کوکلاٸی کا راوٹی نما گنبد ١٠٨٠ھ

باٶلی کے کنارے بجانب غرب باٸی کوکلاٸی بنت ملایم خان کا ایک راوٹی نما ازسرتاپا نہایت نفیس اور شفاف سنگ مرمر کا قابل دید گنبد ہو جس میں باٸی کوکلاٸی کی قبر کا تعویذ نہایت نفیس اور لاجواب ہو۔ سنگ مرمر کی صفاٸی ایسی ہو کہ واقعی نگاہ پھسلتی ہو۔ کہتے ہیں کہ ساٹھ ہزار روپیہ کے صرف سے یہ چھوٹا سا مقبرہ طیار ہوا تھا جو بلحاظ اس کی لاثانی صنعت و دستکاری کے کچھ غلط اندازہ نہیں معلوم ہوتا۔ واقعی یہ چیز ہی نہایت عجیب و غریب ہو چوکھنڈی کی چھت صندوق نما ہو اور چاروں طرف چار چار در ہیں۔ قبر کے تعویذ کے گرد و نود ٩٩ نام باری تعالٰی ایسے خوش خط کندہ ہیں کہ جس کی تعریف حیطۂ تحریر سے باہر ہو۔ ہر ایک حرف سیاہ سنگ موسٰی کا تراش کر اس کو ایسی عمدگی سے پچیکاری کیا ہو اور ایسا ٹھیک جڑا اور پیوست کیا ہو جیسے انگوٹھی میں نگینہ۔ تعویذ کے اوپر اللہ یا تی ۔ بسم اللہ شریف اور آیت قل یا عبادی الذین اسرفوا علٰی انفسھم تا ھو الغفور الرحیم کندہ ہو۔ قبر کے پاٸین میں یہ قطعہ کندہ ہو:۔

سالِ تاریخ فوت او جستم　　از دل صاف پیر پاک سرشت

آہ سردے کشید و گفت بگو　　باد ہمدم بحوریان بہشت

باٸی کوکلاٸی × × . ×　　بنت ملایم خاں ١٠٨٠ھ

اسی قبر کے داہنی طرف سطح زمین کے برابر ایک سِل ہلکے پیازی رنگ کے پتھر کی نصب ہو۔ جس پر یہ قطع نہایت خوش خط بخط نستعلیق منبت حروف میں کندہ ہو خدا جانے وہ کیسے ہاتھ تھے جو پتھر جیسی سخت چیز پر ایسا لکھتے تھے کہ آج کاغذ پر لکھنا تو درکنار اس کی نقل بھی کوٸی نہیں اتار سکتا سچ پوچھیے تو فی زمانا فن خطاطی رہا ہی نہیں نہ وہ لکھنے والے رہے اور نہ ان کے قدردان ہی رہے۔

باسمہ سبحانہ

ایں روضۂ خلد آیٸں باپنجرۂ موزوں　　چوں قصر بہشت آمد خوش منزل و ماوایے

تا در نظر مردم شد جلوہ گر ایں منزل ۔ اہل نظر از ہر سو دارند تماشا سیے
چوں جائے خوشی آمد با اہل خرد گفتم ۔ تاریخ بنائے او جائی و چہ خوش جائیے

چینی کا گنبد باؤلی کے اوپر ایک بہت چھوٹا سا مقبرہ بنا ہوا ہے جس کے اندر تمام چینی کا کام نہایت نفیس اور نازک ہے اس کے نیچے ایک مسجد ہے جو باؤلی کی مسجد کہلاتی ہے۔ معلوم نہیں یہ کس کا گنبد ہے۔ اندرون چاروں طرف بہ خط نستعلیق اشعار لکھے ہوئے تھے جن میں سے مشرق کی طرف کا سارا پلاستر گر گیا۔ شمال کی طرف صرف دو مصرعے رہ گئے ہیں ایک اول کا دوسرا آخر کا۔ بیچ کے تین مصرعے جھڑ گئے صرف ایک لفظ بخندید پڑھا جاتا ہے اور کچھ نہیں ہم بمشکل یہ پڑھ سکتے ہیں۔ ان اشعار سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جوان مرگ مر گیا تھا جس کی وفات حسرت آیات کے غم والم کے اظہار میں یہ اشعار لکھے گئے تھے۔ **مشرق** سب جھڑ گئے۔ **شمال**۔ بیا از کام جاں محرومیم میں بمصرع ۲ و ۳ و ۴ جھڑ گئے

بہ وفا داری و فا داری نہ ایں بود۔

مغرب یہ مصرعہ دوم ہے جس کا مصرعہ اول شمال میں ہے ۔ بیا یاں حسینو . . . . ایں بود
ہمہ اندر دل بروں افگندہ رفتی ۔ میانِ خاک و خوں افگندہ رفتی
عجب خارے شکستی در دلِ من ۔ کہ شبیروں نامد الا از گل من
جنوب از دوری آتش بجا شاک وجودم ۔ از اں ہیچاں رود بر چرخ دودم
بدو و من سکے نکشادہ دیدہ ۔ کہ خوں از دیدگاں آتش چکیدہ
ہمی نالید و ہر دم می تپیدہ۔

گو یہ گنبد بہت چھوٹا ہے اور ایک برج کی حیثیت رکھتا ہے لیکن بمصداق ہر چہ بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر اس کا چپہ چپہ لاجواب نقش و نگار سے بھرا ہوا ہے۔ چھت پر کام اب تک محفوظ ہے جو دیکھنے کے قابل ہے۔ اب اس گنبد کی کس مپرسی کی یہ حالت ہے کہ اس میں میلے کچیلے سقے بافراغت رہتے ہیں۔ ان کی ہنڈیاں بھنڈو یاں دیواروں سے لگی ہوئی چنی ہوئی ہیں۔ رسی کی الگنیاں باندھ کر ان پر ان کی گدڑیاں لٹکی ہوئی ہیں کہ اندر گھستے ہی ایک ایسا بھپکا آتا ہے کہ دماغ چکرا جاتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایسی نادر اور تاریخی عمارات کیوں سکونت کے کام میں لائی جاتی ہیں اور کوئی پرساں حال نہیں

خیران کی مرمت نہ کرائی جاسکے تو کم از کم ایسے نچلے لوگوں سے خالی کراکے اپنی حالت پر ان کو چھوڑ دینا ہی کافی ہوگا۔ امید کہ محکمۂ آثار قدیمہ کے حکام اس طرف توجہ فرماکر داخل حسنات ہوں گے۔

سیدانیوں کا مقبرہ یہ در اصل خواجہ فرحت اللہ خاں رئیس دہلی کا قبرستان ہے۔ اس مقبرے کے اندر صرف دو قبریں ہیں اور باہر بہت سی ہیں۔ (۱) داہنی طرف سنگ سرخ کی ایک قبر ہے جس پر یہ کتبہ ہے:۔

زہرہ آغا بنت امیر تغلق ز دنیا رحلت نمود
سنہ نہصد و ہفتاد و یک بود

اس کے گرد حضرت امیر خسرو کی وہ غزل کندہ ہے "ای بدر ماندگی پناہ ہمہ" (۲) سنگ مرمر کا تعویذ جس پر بخط نسخ یہ کتبہ ہے:۔

تاریخ وفات مرحومی مغفوری مساۃ فاطمہ سلطان بنت میر یوسف
سنہ نہصد و ہفتاد و پنج کاتبہ حسین نقشے۔

حضرت خواجہ تقی الدین نوح کا مزار درگاہ شریف کے باہر حضرت خواجہ تقی الدین نوح رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے جو حضرت نظام الدین اولیاء کی ہمشیرہ حضرت بی بی جنت کے پوتے تھے۔

حضرت سید محمد کرمانی کا مزار یہیں حضرت سید محمد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ایک احاطے کے اندر ہے۔

چبوترہ یارانی کے اور بعض اصحاب ایک احاطے میں ذیل کی تین قبریں ہیں:۔
(۱) مولانا علاء الدین نیلی خلیفہ حضرت نظام الدین سنہ ۷۶۲ھ
(۲) مولانا شمس الدین یحییٰ رح سنہ ۷۴۷ھ۔
(۳) مولانا فخر الدین مروزی رح سنہ ۷۳۶ھ۔

درگاہ شریف کے مغرب میں بیرون احاطہ

ھو اللہ العلی

(۱) منشی عالی رتبہ ز دنیا — رفت چو سوے خلد بریں
سال وفاتش احسن گفت — مجمع خوبی شمس الدین
۱۲۶۹

ھوالغفار

(۲) شد مغل بیگماں عرب داخل بخلد
۱۲۷۱

(۳) برلوح سنگ مرمر چوں ستیبی بیگم از دنیائے دوں رخت رحلت بست سخت افسوس شد
سال وصالش از سر ذہن ارحق گفت ہاتف داخل فردوس شد
۱۲۹۳

درگاہ شریف کے باہر

(۱) اغا بیگم زوجۂ سید رکن الدین بنت سید حشمت اللہ خاں ابن سید نعمت اللہ خاں ابن سید عزت اللہ خان عرف میر بہکاری ساکن ترکمان دروازہ ابن سید حفیظ اللہ خان بریلوی ابن محمد حسین نجاری عرف نواب نعمت اللہ خاں شہید نایب صوبہ دار پنجاب نے بروز شنبہ بتاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ انتقال کیا۔

(۲) ھوالباقی

صغری سلطان بیگم از دست اجل — در جہاں رفت ازجہان بے ثبات
سال پیدایش پدر صغری بگفت — ام صغری گفت تاریخ وفات
۱۳۳۲ھ

(۳) بسم اللہ

چو بگذشت ازجہاں حافظ سکندر — شفاعت کرد قرآں پیش یزداں
بفکر سال رحلت بود طالب — بیا حافظ سکندر گفت رضواں
۱۳۳۶

(۴) کل من علیہا فان

اولیں رفت سکندر کہ بحافظ مشہور — پس دومہ پسرش رفت بدنبال آخر
گفت تاریخ دگر طالب محزون اطیب — زجہاں حیف جواں رفت محمد ناصر

درگاہ ملک الشعراء حضرت امیر خسرو ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء

حضرت امیر خسرو کے مختصر حالات ہم یہاں لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں جن صاحبوں کو تفصیلی حالات دیکھنے ہوں وہ انتظار کریں اس مبسوط کتاب کا جو علی گڈھ میں خاص اہتمام سے بہت بڑے پیمانے پر زیر ترتیب ہے چنانچہ اب تک حضرت کی تصنیفات سے چار کتابیں آئینہ سکندری۔ دولرانی خضرخاں۔ مثنوی مجنوں لیلی۔ لآلی عمان موسوم بجواہر خسروی مع بسیط

نقشہ درگاہ حضرت امیر خسرو
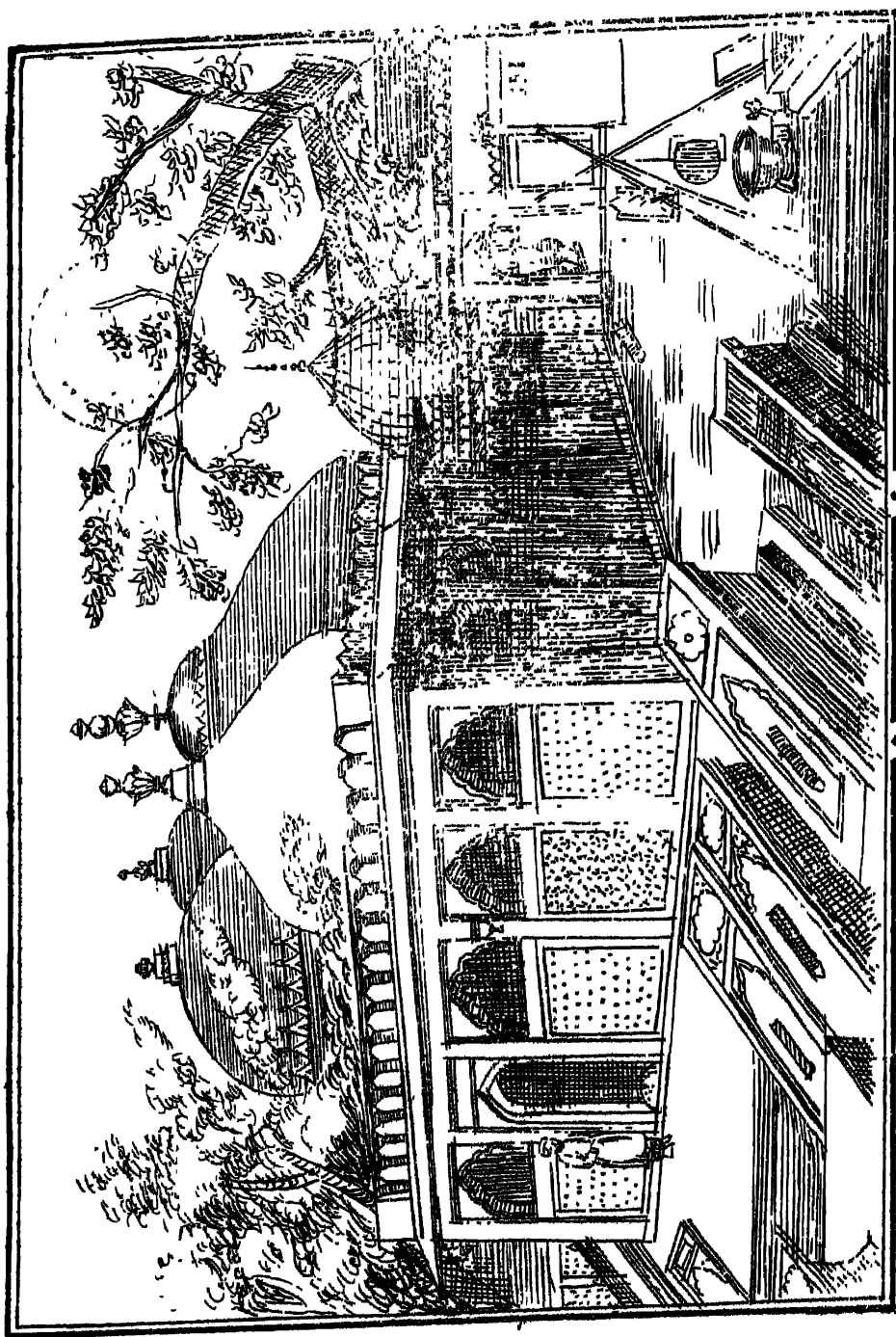
مقدسوں کے نہایت آب وتاب سے شائع ہو چکی ہیں۔ آپ کا نام نامی ابوالحسن یمین الدین تھا خسرو تخلص کرتے تھے
آپ کی ولادت گو ہندوستان جنت نشان میں ہوئی مگر آپ ترکی نژاد ہیں آپ کے والد ماجد
امیر سیف الدین ترک لاچین محمود۔ سردار قوم ترک ہزارا بلخ ہزارہ کے امیرزادوں
میں سے تھے جو چنگیز خاں کے زمانے میں ملک ہندوستان میں آئے۔ اور مومن آباد
عرف پٹیالی مضاف بدایوں میں جو گنگا کے کنارے ہے رہتے تھے۔ اسی جگہ ۶۵۱ھ
میں امیر صاحب پیدا ہوئے اور آپ کے والد ایک کپڑے میں آپ کو لپیٹ کر
ایک مجذوب کامل کے پاس لے گئے جو اُن کے پڑوس میں رہتے تھے۔ مجذوب
صاحب نے دیکھتے ہی فرمایا "کہ تم میرے پاس ایسے شخص کو لائے ہو جو خاقانی سے
دو قدم آگے ہوگا" امیر صاحب نے دہلی میں پرورش پائی جب آٹھ برس کے ہوئے
تو آپ کے والد آپ کو اور آپ کے دونوں بھائیوں عزیز الدین علی شاہ اور حسام الدین
کو ساتھ لے کر حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امیر صاحب نے اپنے
والد سے پوچھا کہ "کہ آپ مجھے کہاں لیے جاتے ہیں" اُنھوں نے کہا کہ "میں تم کو حضرت
شیخ نظام الدین کا مرید کراؤں گا" امیر صاحب نے کہا کہ مرید ہونے کے واسطے
شیخ کا پسند کرنا میرا فعل ہو نہ کہ آپ کا۔ باپ یہ جواب سن کر اندر چلے گئے اور امیر صاحب
نے دروازے پر بیٹھے بیٹھے یہ رباعی کہی اور دل میں کہا کہ اگر حضرت شیخ کامل ہیں تو میری
اس رباعی کا جواب دیں گے اور مجھے اندر بلوائیں گے۔

رباعی

تو آں شاہی کہ برایوان قصرت کبوتر گر نشیند باز گردد
غریبے مستمندے بر در آمد بیاید اندروں یا باز گردد

حضرت محبوب الٰہی کو کشف سے امیر کا حال معلوم ہوگیا۔ اسی وقت خادم سے فرمایا
"دیکھو۔ دروازے پر ایک لڑکا بیٹھا ہے تم اُس کے پاس جا کر یہ رباعی پڑھ دو"۔

رباعی

بیاید اندروں مرد حقیقت کہ با ما یک نفس ہم راز گردد
اگر ابلہ بود آں مرد ناداں ازاں راہے کہ آمد باز گردد

آپ اندر گئے اور تینوں بھائی حضرت کے مرید ہوئے۔ امیر کے والد کی عمر اس وقت

پچاس برس کی تھی۔ ایک سال بعد آپ کفار کے ہاتھوں سے شہید ہوئے جب امیر کی عمر نو سال کی تھی۔ اُنھوں نے باپ کا ایک نہایت درد انگیز مرثیہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے :۔ ؎

سیف از سرم گزشت دل من دو نیم شد   دریاے خوں رواں شد و درّ یتیم شد

امیر کے نانا عماد الملک اولیاے کرام و اعیان عصر میں سے تھے اُنھوں ہی نے ان کی پرورش کی اور ایک سو تیرہ سال کی عمر میں قضا کی۔ اگرچہ امیر خسرو کا زیادہ وقت امرار اور بادشاہوں کی صحبت میں گزرا تھا اور انھیں کے ندیم و مصاحب تھے مگر دلی رجحان بزرگان دین۔ علمار اور فضلار کی طرف تھا اور ان کے ہم نشین اور ہم صحبت تھے اور تصوف کی چوٹ دل پر لگی ہوئی تھی اور اسی سبب سے سلطان المشائخ کے بڑے مورد عنایت اور یار وفادار اور محرم اسرار تھے۔ حضرت کی ذات بابرکات سے ایسی خالص عقیدت اور پاک اعتقاد تھا کہ دنیا میں اُس کی نظیر ملنی ناممکن ہے۔ چنانچہ حضرت یہ شعر آپ کے لیئے فرمایا کرتے تھے۔ ؎

گر برائے ترک ترکم ارّہ بر تارک نہند   ترک تارک گیرم و ہرگز نگیرم ترکِ ترک

اگرچہ تمام عمر بادشاہوں اور امرار کی خدمت میں رہے اور سات بادشاہوں کا زمانہ دیکھا اور بڑے عزت و احترام سے بسر کی لیکن اس عالم امارت میں بھی آپ کو اپنے پیر کا از حد پاس ادب تھا اور ہمیشہ ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہتے تھے۔ اور طریقہ اہل تصوف آپ کی صورت اور سیرت سے ہویدا تھا دن دربار اور دنیا کے کاروبار میں بسر کرتے اور رات جناب شیخ کی خدمت میں گزارتے۔ ؎

مرا و اہل طریقت لباس ظاہر نیست   کمر بخدمت سلطاں ببند و صوفی باش

الغرض جس قدر شفقت و عنایت حضرت محبوب الٰہی کی امیر صاحب کے حال پر تھی کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوئی۔ سلطان المشائخ اکثر ان کو "ترک اللہ" کہہ کر پکارتے تھے جیسا کہ خسرو کے ان اشعار سے ظاہر ہے :۔ ؎

بہ زبانت چوں خطاب بندہ ترک اللہ رفت   دست ترک اللہ بگیر و ہم باللّٰہش سپار

چوں من مسکیں ترا دارم ہمیشم بس بود   شیخ من بس مہرباں و تا لقیم آمرزگار

چوں کہ امیر صاحب حسن لطافت بیان اور فن موسیقی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اس لیئے

بعض اوقات حضرت آپ کو ترک اللہ کے سوا مفتاح السماع کہہ کر پکارا کرتے تھے امیر صاحب شب زندہ دار تہجد گزار تھے اور شب میں سات پارے کلام مجید کی تلاوت کرتے تھے۔ چالیس برس صائم الدھر رہے۔ شیخ کے ساتھ ہی پاپیادہ حج بھی کیا سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ کے دل میں ایسا سوز و گداز تھا کہ ہمیشہ پیراہن مقام قلب پر جلا ہوا رہتا تھا۔ حضرت کی خاص توجہ آپ پر تھی اور مورد عنایات خاص تھے۔ حضرت بارہا فرمایا کرتے تھے "ای ترک اللہ! میں اپنے وجود سے رنجیدہ ہوتا ہوں لیکن تم سے نہیں"
ایک مرتبہ امیر صاحب سے حضرت خواجہ خضر سے ملاقات ہوگئی امیر صاحب نے لعاب دہن کی خواہش کی۔ حضرت نے فرمایا یہ دولت سعدی شیرازی کے حصے کی تھی امیر نے یہ بات حضرت سے عرض کی آپ نے اپنا لعاب دہن دیا۔ تو امیر صاحب نے یہ شعر پڑھا۔

زلفت زہر دو جانب خوں ریز عاشقانست چیزے نمی تواں گفت رو تو درمیانست

یہ اسی کی برکت ہے کہ آپ نے طوطی شکر مقال و طوطی ہند کا لقب پایا اور اپنے زمانے کے بے نظیر عالم و فاضل اور استاد مانے جاتے تھے سو کتابوں سے اوپر اوپر تو آپ کی تصانیف ہیں اور کوئی پانچ لاکھ اشعار آپ کی زبان سے نکلے ہیں۔ آپ کا کلام مقبول انام ہے۔ خالق باری جو بچوں کو پڑھائی جاتی ہے اور جو نصاب خسرو کے نام سے مشہور ہے آپ ہی کی تصنیف ہے۔ شعر گوئی پر آپ کو ایسی قدرت کاملہ تھی کہ مثنوی مطلع الانوار جو مثنوی مخزن الاسرار مثنوی شیخ نظامی گنجوی کے جواب میں لکھی ہے وہ ہفتے میں تمام کی۔ آپ بڑے بڑے استادوں پر تعریض کر بیٹھتے تھے لیکن حضرت ہمیشہ آپ کو منع کیا کرتے تھے کہ کسی پر اعتراض کرنا یا طعن و تشنیع اچھی بات نہیں تم کو نہ چاہیئے۔ امیر صاحب نے جب حضرت نظامی علیہ الرحمہ کے خمسہ کا جواب لکھا تو حضرت نے آپ کو ڈرایا کہ تم نے بہت برا کیا کہ ایک بزرگ کا جواب لکھا آپ نے کہا کہ میں تو آپ کی پناہ میں ہوں مجھے کسی کا کیا ڈر۔ اتفاقاً اسی خمسے کی ایک بیت کے جواب میں جب یہ بیت کہی۔

کوکبۂ خسرویم شد بلند غلغلہ در گور نظامی فگند

تو فوراً ایک شمشیر برہنہ نمودار ہوئی۔ امیر خسرو ڈر گئے اور اسی وقت حضرت سلطان المشائخ اور شیخ فرید گنج شکر کو یاد کیا۔ وہیں ایک ہاتھ ظاہر ہوا جس نے تلوار کے وار کو اپنے اوپر جھیل لیا۔ تلوار آستین کاٹتی ہوئی ایک درخت پر جا پڑی۔ خسرو گھبرا اٹھے

حضرت سے کے پاس آئے اور چاہتے تھے کہ یہ ماجرا بیان کریں کہ آپ نے پہلے ہی اپنی کٹی ہوئی آستین دکھا دی۔ خسرو قدموں پر گر پڑے۔ حضرت نے فرمایا۔ ؎

خسرو کہ بہ نظم و نثر شاش کم خواست ملکیت ملک سخن از خسرو ماست
ایں خسرو ما ناصر خسرو نیست زیرا کہ خدا ناصر خسرو ماست

اگرچہ آپ کا زمانہ جا کر قریب قریب ساڑھے چار سو برس کے ہوئے مگر آج تک آپ کے ہزاروں اشعار لوگوں کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں آپ کے کلام معجز نظام نے کچھ ایسا خداداد درجہ مقبولیت عام حاصل کیا ہے کہ یہ فخر کسی کے کلام کو آج تک نہیں ملا۔ امتداد زمانہ آپ کی شہرت کو نہ مٹا سکا ایسے ہی لوگ صفحۂ دنیا پر "فانی کہلائے جا سکتے ہیں کہ آج بھی لاکھوں آدمیوں کی زبان پر آپ کا کلام اور اُن کے دلوں میں آپ کی عزت و احترام ہے۔ امیر خسرو جان و مال سے اپنے مرشد پر فدا تھے۔ ایک مرتبہ ایک سائل حضرت سلطان المشائخ کے پاس آیا۔ اتفاق سے اس وقت حضرت کے پاس کچھ نہ تھا دوسرے تیسرے دن بھی اتفاق سے کچھ نہ آیا آخر کار آپ نے اپنی جوتیاں اُسے دے دیں وہ خوشی خوشی لے کر چلتا ہوا۔ رستے میں امیر خسرو ملے جو کسی مہم سے واپس آ رہے تھے۔ آپ نے چھوٹتے ہی شیخ کی خیریت دریافت کی اور کہا ای یار تجھ میں سے مجھے پیر روشن ضمیر کی بو آتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ شاید کوئی تبرک تیرے پاس ہے فقیر نے کہا ہاں نعلین مبارک میرے پاس ہیں۔ امیر نے پانچ لاکھ اشرفیاں دے کر نعلین کو لے لیا اور سر پر رکھ شیخ کے روبرو حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے یہ جوتیاں پانچ لاکھ اشرفیوں میں خریدیں؟ ۔ امیر نے کہا فقیر نے جو مانگا میں نے بے تکلف دے دیا۔ اگر وہ میری جان اور سارا مال بھی مانگتا تو میں بے دریغ دے دیتا۔ ایک مرتبہ آپ نے شیخ سے التماس کیا کہ میں نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن مجھے "خسرو" کے نام سے پکاریں کیوں کہ یہ متکبروں کا نام ہے۔ آپ نے فرمایا قیامت میں تمہیں "محمد کاسہ لیس" کہہ کر پکاریں گے۔ ایک مرتبہ امیر خسرو نے شیخ سے عرض کی کہ میری خواہش ہے کہ دنیا میں آپ کے بعد نہ رہوں اور میری قبر آپ کے پہلو میں ہو۔ جب شیخ کی وفات کا زمانہ قریب آیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "خسرو میرے بعد دنیا میں کم رہے گا جب مرے تو میرے پہلو میں دفن کرنا کہ وہ میرا محرم راز ہے۔

میں سب سے اس کے بہشت میں قدم نہ رکھوں گا۔ اگر یہ جائز ہوتا کہ دو شخص ایک قبر میں دفن ہوں تو میں وصیت کر جاتا کہ خسرو کو میری قبر میں دفن کرنا کہ ہم دونوں ایک جگہ رہیں۔ پہلے آپ سلطان بلبن کے زمانے میں (۶۸۰ھ ۱۲۶۵ء) میں شاہزادے کے جو ملتان کا گورنر تھا مصاحب مقرر ہوئے۔ جب خاندان خلجیہ کا عروج ہوا تو سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی نے (۶۹۰ھ ۱۲۹۰ء) آپ کو زمرۂ امرائے دربار میں منسلک کیا اور آپ کا مرتبہ اور اعتماد سلاطین مابعد کے زمانے میں یوماً فیوماً بڑھتا ہی گیا اور یہی حال تغلق خاندان کے زمانے میں رہا۔ اگرچہ سلطان غیاث الدین تغلق اور حضرت نظام الدین اولیاء سے کشیدگی تھی اور وہ خاندان چشتیہ کا مخالف تھا لیکن امیر خسرو کے ساتھ وہی عزت اور احترام کا تعلق رہا۔ روز بروز جاگیرات و مناصب میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ جب محمد شاہ تخت دہلی پر بیٹھا تو امیر خسرو کا نیّر اقبال اور بھی چمک گیا۔ بادشاہ آپ کا از حد گرویدہ تھا اور آپ کو کتب خانۂ شاہی پر مقرر کیا اور جب بنگالے کے سفر کو گیا تو آپ کو بھی اپنی مصاحبت میں لے گیا جس وقت حضرت شیخ کا وصال ہوا امیر خسرو بادشاہ کے ساتھ لکھنوتی میں تھے۔ خبر سنتے ہی اس صدمۂ جانکاہ سے آپ کی کمر ٹوٹ گئی سارا مال و اسباب راہ خدا میں لٹا دیا اور شاہی ملازمت چھوڑ کر افتاں و خیزاں دلی پہنچے اور مزار شریف پر پہنچ کر بہت روئے اور ہندی کا یہ دوہا پڑھا

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس چل خسرو گھر آپنے سانجھ بھئی چَودیس

دہلی میں سب نے آپ کی تسلی تشفی کی خصوصاً حضرت نصیر الدین چراغ دہلی نے لیکن آپ کی بے قراری بڑھتی ہی گئی اور خبر وفات سنتے ہی سیاہ لباس پہن لیا اور برابر چھ مہینے تک قبر کے پائین بیٹھ کر ۲۰ ذی قعدہ ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء روز جمعہ اور بروایتے ۱۸ شوال سنہ الیہ جمعہ کی رات چوہتر سال کی عمر میں اس دار المحن سے دار السرور کو کوچ فرمایا۔

قطعۂ تاریخ وفات

خسرو دہلوی بحکم خدا	بشب جمعہ شد در دار فنا
عمر ہفتاد و پنج سالش بود	کانزماں شد بدرگہ معبود
ہجدہم بود از مہ شوال	کہ گزشتہ از این جہان ملال
سال ترحیل افصح الشعراء[۱]	گفت ہاتف بہشتی ابداً ۷۲۵ھ

[۱] کتاب مخزن الواصلین میں یہ شعر یوں لکھا ہے ؎ سال ترحیل او زمن بشنو بلفظ فانی برآمدہ از خسرو ۷۲۵

انتقال کے بعد حسب وصیت شیخ آپ کو شیخ کے پہلو میں دفن کرنا چاہا کیوں کہ آپ نے اپنی داہنی طرف جگہ بھی چھوڑ رکھی تھی لیکن آداب ولایت کے خلاف سمجھ کر ایک خواجہ سرا مانع ہوا کہ دونوں قبریں برابر برابر ہونے میں زائرین کو مغالطہ ہوگا لہٰذا آپ ہی کے جوار میں احاطۂ درگاہ شریف کے اندر چند قدم کے فاصلے سے پیوتۂ یارانی پر جہاں حضرت نظام الدین اپنے ارباب حلقے سے ہمیشہ گفتگو فرمایا کرتے تھے آپ کو آسودہ کیا چوں کہ یہ امر خلاف وصیت حضرت سلطان المشائخ ہوا تھا وہ خواجہ سرا بھی چند روز کے بعد پلنگ پر سویا کا سویا رہ گیا۔

درمیانی دروازہ
سنہ ۱۰۷۱ھ

حضرت سلطان المشائخ اور حضرت امیر خسرو کی درگاہوں کے درمیان جو دروازہ ہے وہ درمیانی دروازہ کہلاتا ہے۔ اس دروازے کو سفیدی کی تہ چڑھا چڑھا کر خراب کر دیا گیا۔ اس کے کنارے پر کچھ اشعار معلوم ہوتے تھے جن کو کھرچوانے اور صاف کرانے سے یہ قطعہ تاریخ نکلا جس پر پہلے کسی کی نظر نہیں پڑی یہ قطعہ عربی خط میں ہے

قطعہ

یا عزیز

بدورسعد ابوالعدل شاہ عالمگیر　　بنا سے ساخت جواہر درسے بہ آقواب

بہ ہوشیار علی خاں چو مژدہ ہاتف داد　　کشاد باب کریم مفتح الابواب

مرحوم
سنہ ۱۰۷۱

حضرت امیر خسرو کی درگاہ کے احاطے کا طول (۱۱۳) اور عرض (۸۶) ہے جس میں سنگ سرخ کا فرش ہے۔ قبہ راوٹی نما ہے اور گرداگرد گنبد کی جالیوں کا ایک مجھر ہے جس کے اندر صرف حضرت امیر خسرو کا مزار ہے ہر ہر جالی پر دو دو مصرعے کندہ ہیں جن میں چونا پھر جانے سے بالکل سفیدی کے اندر چھپ گئے تھے اب بڑی مشکل سے کھرچ کھرچ کر نکالے ہیں جب بھی برابر پڑھے نہیں جاتے بہرحال بہ دقت جو کچھ پڑھا گیا پیش ہے۔ پہلے کسی کو یہ خبر بھی نہ تھی کہ ان جالیوں پر اشعار کندہ ہیں:۔

نظم

شہ ملک سخن خسرو و پیر و سالار درویشاں　　کہ نامش ہست بر لوح جہاں چوں نقش در خارا

چناں در صورت خوبی سخن پرداز شد طبعش　　کہ زیب داد ازاں صورت بخوبی لوح ہستی را

شدہ غواص دریائے تفکر و ز محیط فضل　　برون آورد دریائے معانی را ازاں دریا

بسال نہ نہ و ہفصد از ہجرت حضرت	ز دار الملک دنیا کرد رحلت جانب عقبا
بتاریخ سالے مرغ روحش سدرہ ماوا شد	ندائے ارجعی چوں در رسید از عالم بالا
گزشتہ بود سی و ہشت و نہصد سال از ہجرت	بدوران ہمایوں بادشاہ غازی دانا
شہنشاہی کہ می شاید اگر گوییاں دایم	دعای دولتش گویند نزد ربی الاعلے
رفیع القدر صاحب دولتی پاکی کہ در عالم	ہمہ دست دنیا شد مثل ار بے مثل بے ستا
خدایا تا جہاں باشد بدولت باشد و بادش	خداوند جہاں یار و معین و ناصر الاعدا

قبر اور اُس کا چوبی کٹہرا ۹۳۷ھ ۱۵۳۰ء میں بعہد بابر بادشاہ سید مہدی نے بنوایا اور قبر کے سرہنے کی طرف روضے کے باہر سنگ مرمر کی ایک تختی آٹھ فٹ اونچی اور ایک فٹ چوڑی بنوا کر منبت حروف میں یہ کتبہ لکھوایا :-

لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

زمیں را ازیں لوح شد سرفرازی	بدوراں بابر شہنشاہ غازی
میر خسرو خسرو ملک سخن[۱]	آں محیط و فضل دریاے کمال
نثر او دلکش تر از ماء معین	نظم او صافی تر از آب زلال
بلبل بستاں سراے بے قریں	طوطی شکر مقال بے مثال
از پی تاریخ سال فوت او	چوں نہادم سر بزانوے خیال
شد عدیم المثل یک تاریخ او	دیگرے شد طوطی شکر مقال
۷۲۵ھ	۷۲۵ھ

ز حرف وصل جاناں سادہ شد لوح خاک من	حریق سادہ لوحی بس نشان عشق پاک من
مہدی خواجہ سید با جاہ و جلال	شد بانی ایں اساس بے شبہ و مثال
گفتم سعی جمیل مہدی خواجہ	تاریخ بناے او چو گردید سوال

حررہ شہاب الدین المعمائی الہروی

قبر جس پر ہمیشہ مغرق غلاف پڑا رہتا ہے آٹھ فٹ لمبی اور تین فٹ چوڑی اور ایک فٹ اونچی ہے۔ آپ کی قبر کے پائین میں میر وحید اکرام آپ کے بھانجے کی قبر ہے اور ورد اکرام بیاسود بپاے خسرو سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ اس احاطے میں اور

---

[۱] یہ قطعہ مولنا غلام علی پدر محمد قاسم فرشتہ کا ہے ۱۲

بہت سے بزرگان وہیں آرام کرتے ہیں جن میں بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں اور یہ لوگ یاران چبوترہ کہلاتے ہیں :- خواجہ شمس الدین ماہ رو آپ کے بھانجے خواجہ اقبال - خواجہ مبشر - خواجہ نور الدین مبارک - خواجہ مبارک گوپاموی - مولانا ضیاء الدین برنی - خواجہ عزیز الدین - خواجہ قاضی - خواجہ سید عمر - خواجہ مولانا قاسم - خواجہ مولانا کمال الدین - خواجہ عبد الرحیم عرف خواجہ عبد الرحمن - امیر حاجی پسر امیر خسرو - سید ابراہیم ایرجی - حضرت شیخ بہاء الدین قادری وغیرہ رحمتہ اللہ علیہم اس کے علاوہ اور بھی یہ قبریں ہیں (۱) مولانا غلام فرید خلیفہ حضرت مولانا فخر الدین (۲) خواجہ محب علی بن مولانا محمد ۸۹ ؁ھ (سنہ صاف نہیں ہے نقطہ کو خواہ سنہ کا نقطہ پڑھو یا سنہ کے اعداد کا سمجھو تو ۸۰۹ ؁ھ پڑھو۔ (۳) وفات خواجہ عطار اللہ ابن خواجہ پیر احمد یزدی شہر ربیع الآخر سنہ نہصد شصت و ہفت ۹۶۷ - (۴) دار انجاں بہادر ابن دار انجاں مرحوم نبی مختار الحسینی شب جمعہ تاریخ بست و ہفتم شہر شوال ۱۱۲۲ ؁ھ برحمت حق پیوست - (۵) نواب لشکر بہادر خاں در روز عاشورہ سنہ ہفصد و ہشتاد و دو بود کہ شہادت یافت - (۶) وفات مرحومہ سلیمہ سلطان بنت امیر شہاب حاجی در تاریخ پنج شہر محرم الحرام سنہ نہصد و شصت و ہشت - (۷) کلمہ طیبہ - وفات شہید مخدوم خاں ولد محمد خاں بتاریخ بست و دویم رمضان ۱۱۸۶ ؁ھ متوطن احمد نگر - (۸) این مزار حاجی وزیر خاں ... تملک فی ۹۷۱ (۹) حضرت حاجی لعل محمد رحمتہ اللہ علیہ خلیفہ خاص مولانا فخر الدین دہلوی جن کا وصال ۱۳ رمضان المبارک ۱۲۴۳ ؁ھ کو ہوا - آپ کے مزار پر سنگ مرمر کا محجر اور گنبد ۱۰۱۴ ؁ھ میں بہ عہد نور الدین جہانگیر بادشاہ طاہر محمد عماد الدین حسن نے بنوایا تھا۔ تاریخ بنا مقبرے کے اندر سنگ سرخ کی جالیوں کے اوپر حسب ذیل کندہ ہے:-

ای شربت عاشقی بجامت	وز دوست نشان ال پیامت
شد سلک فرید از تو منظوم	زانست کہ شد لقب نظامت
جاوید بقاست بندہ خسرو	چوں شد بہزار جاں غلامت
ای خسرو بے نظیر عالم	بار وضۂ تو سر انیاز ست
تعمیر نمود طاہر اں را	فیض ازلی ہمیشہ باز ست
تاریخ بناش عقل گفتا	بار وضہ بگو کہ جای راز ست

قائل ایں کلام و بانی ایں مقام طاہر محمد عماد الدین حسن ابن سلطان علی سبزواری فی سنہ ۱۰۱۲ھ
غفر ذنوبہ و ستر عیوبہ الکاتب عبدالنبی ابن ایوب

مرا نام نیک است و خواجہ عظیم[1]	دو شین و دو لام و دو قاف و دو جیم
اگر نام یابی تو زین حرف ہا	بدانم کہ ہستی تو مردے فہیم

کاتب مذکورہ نبیرۂ شیخ شکر گنج

کتبہ در طاق
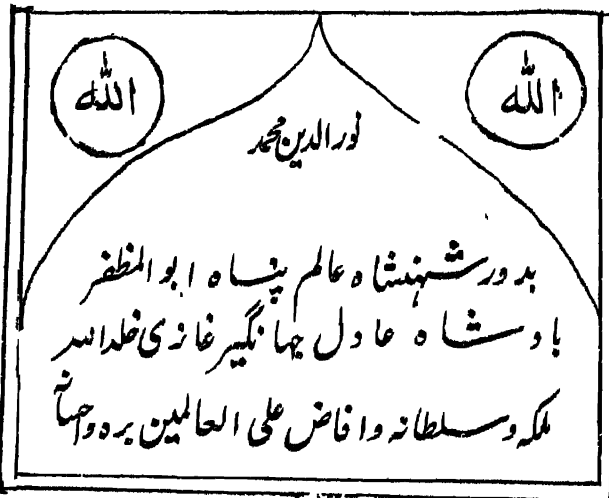
مقبرے کا بیرونی حصہ تیس فٹ لمبا اور بائیس فٹ چوڑا ہے - اندرونی حجرہ ۱۵ فٹ × ۱۲ فٹ ہے - چاروں طرف سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں صرف بیچ کی کھڑکی کی جگہ شمال کی طرف ایک تختی سنگ مرمر کی لگی ہوئی ہے - جنوبی دیوار کے وسط میں دروازہ ہے جو ۵ فٹ ½ بلند اور تین فٹ چوڑا ہے - اس میں جو کواڑوں کی جوڑی چڑھی ہوئی ہے اس پر پیتل کے پتر جڑے ہوئے ہیں اور ان پتروں پر ذیل کے اشعار نہایت بدخط ناموزوں اور غلط کھدے ہوئے ہیں جن کو ہم نے بجنسہ نقل کر دیا ہے :-

زہی عز و شرف گر کیجیی مقبول	امیر خسروی مقبول یزد ال
مراد دل ملے اور دل ہو تنویر	چڑھاتا نذر جوڑی میاں خاں

---

[1] اس معمے کا حل یہ ہے یعنی ش ش - ل ل - ق ق - ج ج = کے اعداد اور خ س پ ر ت و کے اعداد دونوں برابر ہیں جو ۸۶۶ ہوتے ہیں -

قطع تاریخ

نہ کیوں تاثیر ہو اور فیض بیانسے ہیں سرکار نظام الدین کے مختار مقدم

امیر خسروی دہلی ہیں ایسے کہ اُن کا در درِ جنت ہی اظہار

غریب[۱] و بندہ مسکیں بیان جاں محب و خادم الفقرا وفادار

بسنعت اوسنے باب در پہ تنویر کیا سن باراں سو اتی میں تیار

مقبرے کی چھت پختہ ہی جس کے دونوں سروں پر پختہ برجیاں ہیں ۱۲۸۰ھ حضرت امیر خسرو کے مزار کا بڑا اہتمام اب تک ہی اور نذر و نیاز برابر چڑھتی رہتی ہی منتوں اور مرادوں والے کثرت سے آتے ہیں۔ ۱۷ رشوال کو بہت دھوم دھام سے آپ کا عرس ہوتا ہی اور بسنت کی تیسری تاریخ ایک بہت بھاری میلا لگتا ہی جس میں کثرت سے لوگ جمع ہوتے ہیں جو سترھویں کا میلا یا پھول والوں کی سیر کہلاتا ہی۔

نواب خاندوراں خاں کی مسجد

حضرت امیر خسرو کی درگاہ کے پاس ہی نواب خاندوراں خاں کی تین در کی نہایت مختصر اور نہایت ہی خوش نما مسجد سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہی جس کی چھت لداؤ کی ہی اور اندر تمام رنگ آمیزی کا بہت نفیس کام ہی۔ غرض یہ کہ گو مسجد چھوٹی سی ہی لیکن با ایں ہمہ بہت کچھ کاریگری کھلائی گئی ہی۔ مختصر سا صحن ہی اور صحن میں ایک زنانی قبر ہی جو خاندوراں خاں کی بہن کی کہلاتی ہی۔ مسجد کے کونے میں ایک کنواں بھی ہی جس میں درگاہ شریف کے پھول ڈالے جاتے ہیں۔

بیرون مسجد شہدا کی قبور

ساری درگاہ کا چپہ چپہ قبروں سے پٹا پڑا ہی ایک انچہ زمین بھی خالی نہیں ہی۔ اس مسجد کے جنوب رخ دروازے کے باہر دروازے سے ملی ہوئی چند بہت پرانی قبریں شہدا کی ہیں جن پر کے کتبے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:

(۱) مرحومی مغفوری مرزا جعفر شہید شمسا باد۔

[۱] اسی طرح لکھا ہی ۱۲

(۲) چوں کرد ملا دیں محمد نقل — از دار فنا جانب فردوس شتافت
تاریخ وفاتش ہمہ کس می جستند — عقلم بچناں رفت علاالدیں یافت

(۳) در سنہ ششصد ہفتاد و پنج مرحوم محمد امین سلطان در چتوڑ شہید شدہ

(۴) نوجواں رفت چرا از دوبیر (۱) — قامت پیر فلک گشت اندوہ و...
وہ کہ شد ماہ رخش ور دتہ خاک نہاں — ماند تاروز جزا حسرت دیدار بماند
سال تاریخ وفاتش زخرد می جستم — آہ صد حیف ازاں یوسف ثانی لقبا

ان چار قبروں کے سوا اور دو پرانی قبریں بھی سنگ سرخ کی ہیں اور اُن پر کتبے بھی تھے مگر لال پتھر کو لونی جلد لگ جاتی ہے اس وجہ سے بالکل جھڑ گئے صرف کتبہ کا نشان ہی نشان رہ گیا۔

باقیات الصّالحات

حضرت امیر خورد نے جو حضرت محبوب الٰہی کے زمانے میں ایک بزرگ تھے سیر الاولیاء کے نام سے ایک تذکرہ لکھا ہے اس میں حضرت محبوب الٰہی کے حالات بھی نہایت معتبر طریقے پر مبالغے سے پاک مورخانہ شان سے لکھے ہیں۔ فی زمانا درگاہ شریف میں چار خاندان ہیں اور اُنھیں خاندانوں کا عمل دخل درگاہ کے جملہ امور میں ہے۔ (۱) قبیرہ گان۔ (۲) ہارونی (۳) ہندوستانی۔ (۴) قاضی زادے۔ فریق اول حضرت خواجہ سید محمد امام کی اولاد میں ہیں جو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے نواسے تھے اور حضرت محبوب الٰہی نے اُن کو اپنے پیرزادے کی حیثیت میں بطور فرزند معنوی پرورش کیا تھا اور اپنی زندگی میں ایسے امتیازات اُن کو دیئے تھے جو کسی دوسرے قرابت دار یا خلیفہ کو حاصل نہ تھے مثلاً یہ کہ وہ تمام خلفا اور اقربا سے بالاتر اور حضرت محبوب الٰہی کے برابر بٹھائے جاتے تھے اور حضرت محبوب الٰہی اپنے سامنے لوگوں کو ان کا مرید کراتے تھے اور اپنی موجودگی میں ان کو سماع کا میر مجلس بناتے تھے اور نماز میں امام بھی انھیں کو کرتے تھے۔ آج کل خواجہ سید امام صاحب کی اولاد میں ساٹھ کے قریب آدمی ہیں۔

سید خواجہ حسن نظامی کا ذکر

اور سید خواجہ حسن نظامی بھی انھیں میں کے ایک برگزیدہ بزرگ ہیں جو علاوہ اپنی خاندانی اور نسبی عظمت کے

اپنی ذات سے بھی بڑے نیک نفس اور منکسر المزاج۔ متواضع۔ خلیق اور ملنسار ہیں۔
چونکہ وہ صوم و صلوٰۃ اور شریعت کی سختی سے پابند ہیں اُن کی نو عمری اُن کے تقدس
میں حائل نہیں۔ دہلی میں کم اور باہر کاٹھیاواڑ گجرات بمبئی اور حیدر آباد سندھ و دکن
کی طرف بہت سے لوگ اُن کے معتقد اور مرید ہیں۔ اس طبقہ میں وہ ایک غیر معمولی
دل و دماغ کے شخص ہیں۔ دیکھنے میں وہ ایسے زیادہ ذکی نہیں معلوم دیتے
مگر اُن کے قلم میں ایک خداداد مسمرک پاور ہے جو لوگوں کے دلی جذبات کو اُبھارتی
ہے۔ اُن کی تحریر تصنع سے اور عبارت آرائی کی قید سے آزاد ہے۔ ایسا معلوم دیتا ہے کہ
قلم کے بدلے زبان صفحہ کاغذ پر رواں ہے اور زبان بھی پاک صاف اور ستھری آسان
اور سلیس اور بامحاورہ دلی کی مستند اردو جس میں شوخی اور ظرافت تہذیب کی چاشنی کے
ساتھ ہے وہ ایسی اردو لکھتے ہیں کہ کم استعداد عورتیں اور بچے۔ ذی استعداد نوجوان
اور بڑے بوڑھے تجربہ کار اہل قلم اور صاحب تصنیف اُس سے یکساں مستفید ہوتے
اور دلی شوق سے پڑھتے اور ہونٹ چاٹتے رہ جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ انگریزی نہیں
جانتے مگر انگریزی الفاظ کثرت سے اُن کی تحریرات میں آجاتے ہیں جن کا استعمال
وہ بہت خوبی سے باموقع و برمحل کرتے ہیں غرض اُن کی اردو ماڈرن اردو و اسٹینڈرڈ
اردو کا ایک بہترین نمونہ ہے جس کی نقل لوگ اُتارنی چاہتے ہیں مگر نہیں اُتار سکتے۔
میری نظر سے آپ کی کوئی مبسوط تصنیف نہیں گذری اول تو آپ اخباروں میں کثرت سے لکھتے ہیں اور ایسے
مضامین اخباروں کے ساتھ تلف ہو جاتے ہیں دوم آپ کی تصانیف واللہ اعلم قصداً یا اتفاقاً ہمیشہ مختصر ہوتی
ہیں شاید اس خیال سے کہ طول مل نہ ہو اور پڑھنے والے کا دل اُکتا نہ جائے تحریر
مختصر اور مفید آپ کا ماٹو ہے۔ آپ کی تصانیف اس کثرت سے ہیں کہ میں اُن کی فہرست
دیتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ کتابوں کا کیٹلاگ نہ ہو جائے تاہم مصداق ما لا یدرک
کلہ لا یترک کلہ مشتے نمونہ از خروارے تیمناً و تبرکاً ہم اُن کا ذکر خیر کیے بغیر رہ بھی
نہیں سکتے۔ جن لوگوں نے یہ کتابیں نہ دیکھی ہوں (گو ایسے بے خبر لوگ بہت کم ہوں گے)
وہ اب دیکھیں اور اردو لٹریچر کے بہترین ذخیرے سے مستفید ہوں۔ روزنامچہ
سفر مصر و شام و حجاز۔ کرشن بیتی۔ سیر دہلی میلاد نامہ۔ محرم نامہ۔ یزید نامہ۔ انتخاب تجدید۔ کم ٹوٹ سپارہ دل
غدر دہلی کے افسانے۔ روزنامچہ خواجہ حسن نظامی ذکر خسرو۔ آداب خطوط نویسی۔ بیوی کی تعلیم مجموعہ خطوط خواجہ حسن نظامی۔

محفل نامہ گیا۔ہوئیں ۔ چٹکیاں گدگدیاں ۔ روزنامچہ ہند ۔ جگ بیتی ۔ بچوں کی کہانیاں ۔ قبروں کے غیبی نوشتے ۔ رسول کی عیدی ۔ توپ خانہ ۔ بندوق ہوائی جہاز ۔ بم ۔ مچھر کا اعلان جنگ ۔ مکھی کا میدان جنگ ۔ جرمن شاہزادے کی لاش ۔ قرام قبلہ ٹوشلہ ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ فریق دوم ہارونی حضرت خواجہ رفیع الدین ہارونی کی اولاد میں ہے جو حضرت محبوب الٰہی کے ہمشیرہ زادے تھے اس خاندان میں اب صرف دو عورتیں باقی ہیں اور خدا سلامت رکھے حیدرآباد کی ریاست کو تا قیامت دونوں معقول وظیفہ پاتی ہیں ۔ مرد کوئی زندہ باقی نہیں رہا ۔ فریق سوم ہندوستانی ۔ حضرت خواجہ ابوبکر مصلی بردار کی اولاد میں ہے جو حضرت محبوب الٰہی کے قرابت دار نہایت ممتاز و متبرک بزرگ تھے اور حضور کا مصلیٰ اٹھانے کی خدمت اُن کے سپرد تھی ۔ ان کی اولاد میں پچاس کے قریب آدمی اب بھی موجود ہیں ۔ فریق چہارم ۔ قاضی زادے ۔ حضرت قاضی محی الدین کاشانی کی اولاد میں ہیں جو حضرت محبوب الٰہی کے بہت ممتاز اور برگزیدہ خلیفہ تھے اور اُن کی قرابت بھی حضرت محبوب الٰہی کے قرابت داروں سے تھی ۔ اب ان چاروں خاندانوں میں آپس کی رشتے داری کے سبب کوئی فرق نہیں اور سب ملے جلے رہتے سہتے ہیں ۔ حضرت محبوب الٰہی نے شادی نہیں کی تھی اس لیئے آپ کی اولاد صلبی نہیں ہے بلکہ ہمشیرہ اور اجداد کی نسل آباد ہے ۔

خواجہ حسن نظامی صاحب کے نام کھلا نوٹس

چونکہ مجھے خواجہ صاحب کی خدمت میں نیاز کے ساتھ ایک گونہ ولی عقیدت بھی ہے میں اُن کی خدمت میں بارہا عرض کر چکا ہوں کہ حضرت سلطان المشائخ کی ایک ایسی مکمل سوانح عمری جو زمانہ حال کے طرز پر ہو ضرور لکھیں اور اُن سے بہتر اور کون لکھ سکتا ہے کہ اہل البیت ادریٰ بما فی البیت لیکن ابھی شاید اس کا وقت نہیں آیا ۔ لہٰذا اب مجبور ہو کر میں اُن کو یہ کھلا نوٹس دیتا ہوں ۔ گو یہ کام بڑا اہتم بالشان ہے مگر آخر خواجہ صاحب نہ کریں گے تو کون کرے گا ؟ ۔ زندگی کے دن سمٹتے چلے جاتے ہیں ۔ موت سر پر کھڑی ہے العجل ثم العجل ۔ کار امروز را بفردا مگذار بسم اللہ میدان میں آیئے اور اس اہم فریضے کو ادا کیجیے ۔

۵

بسر عاریتے ہیچ اعتماد مکن
کہ پنج روزہ دگر می رود باستعجال

شمس الدین محمد تگہ خاں
خانِ اعظم کا مقبرہ ۹۷۴ھ ۱۵۶۶ء

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے کل کی خبر نہیں

آگلے زمانے کے لوگوں کا خیال تھا کہ بچے کے مزاج اور اخلاق میں دودھ کا اثر ضرور ہوتا ہے اس لیئے بادشاہ اور امرا بچوں کے دودھ پلانے کو شریف خاندان کی بی بی تلاش کرتے تھے۔ بادشاہ عالم طفولیت میں جس کی بی بی کا دودھ پیتا تھا وہ اتکہ خاں خطاب پاتا تھا۔ آتا ترکی باپ کو کہتے ہیں جو بی بی دودھ پلاتی تھی وہ انکہ کہلاتی تھی۔ اینہ ترکی میں ماں کو کہتے ہیں۔ جو بچہ ان دنوں میں اس کا دودھ پیتا تھا وہ شہزادے کا کوکا کہلاتا تھا اور بڑا ہو کر کوکلتاش خاں ہو جاتا تھا۔ اس کے اور اس کے رشتے داروں کی بڑی عزت اور خاطر ہوتی تھی۔ شیخ ابوالفضل لکھتے ہیں کہ اکبر نے سب سے پہلے دودھ تو کچھ بیگموں کا پیا مگر ہاول انکہ نے پہلے دودھ پلایا وہ جوگا بہار کی بیٹی تھی۔ جب آئی تو بابر نے ہمایوں کے محل میں بھیج دی۔ چنانچہ اس کی خوش روئی نے خوش خوئی رفاقت سے ہمایوں کو لبھا لیا۔ مریم مکانی آئیں تو سورج کی روشنی نے ستارے کو بدھم کیا اور بادشاہ نے اسے ہلاں کوکر کو دے دیا۔ پھر بھی وہ محل میں رہتی تھی۔ اول اس نے دودھ پلایا۔ پھر موقع موقع پر اوروں نے۔ مگر صحیح روایت یہ ہے کہ سب سے پہلے اور کہ مہی کے دودھ پینے پر رغبت فرمائی تھی۔ اگلے وقتوں کے لوگ اصلیت اشیاء اور تاثیر ادویات سے بالکل بے خبر تھے۔ اس لیئے خواہ مخواہ کے تکلف گلے باندھتے تھے۔ عقل ہوتی تو گدھی کا دودھ پلاتے۔ دانایانِ فرنگ نے فرمایا ہے کہ اس دودھ سے بہتر بچے کے لیئے کوئی دودھ نہیں۔ خانِ اعظم ایک سیدھا سادا سید با مروت۔ صاف دل آدمی تھے۔ خاندان کا ذکر آئے تو کہدو کہ وہ آپ ہی اپنے خاندان کے باقی تھے۔ جب ہمایوں نے شیر شاہ سے دوسری شکست کھائی تو تمام لشکر پریشان ہو گیا یہاں تک کہ شکست نصیب بادشاہ کو اس حال میں بیگمات کا ہوش بھی نہ رہا۔ ننگ و ناموس

نقشۂ مقبرۂ اتگہ خان
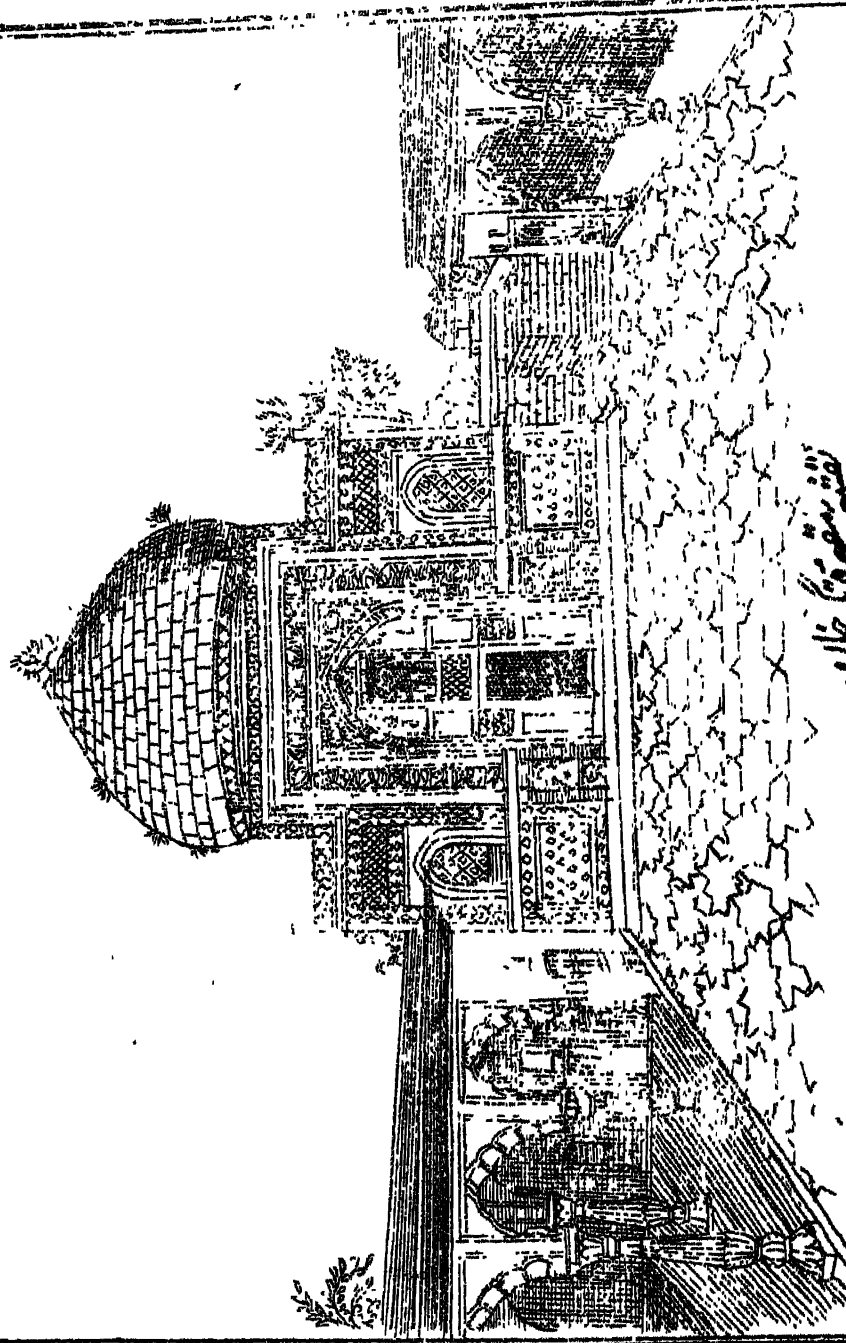
غنیم کے ہاتھ پڑا - ہر شخص جان سے کر بھاگا - ہمایوں دریا کے کنارے پر آکر حیران کھڑا دیکھتا تھا کہ ایک ہاتھی ہاتھ آگیا - اُس پر چڑھا فیل بان سے کہا کہ ہاتھی دریا میں ڈال دے - معلوم ہوا کہ اُس کی نیت میں فساد ہے - چاہتا ہے کہ شیر شاہ کے پاس لے جا کر انعام حاصل کرے - ایک خواجہ سرا بادشاہ کے ساتھ تھا - اُس نے پیچھے سے تلوار ماری کہ فیل بان کا سر اُڑ گیا اور ہاتھی کو دریا میں ڈال دیا - غرض ڈوبتے اُبھرتے پار پہنچے - اُتر کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کڑاڑہ بہت بلند ہے خدائے کریم کارساز ہے - اوپر ایک سپاہی نظر آیا کہ کچھ رسی اور کچھ دستار کچھ ٹکہ بٹ کر لٹکا رہا ہے - اُس سے پکڑ کر اوپر چڑھے اور خدا کا شکر کیا - اُس کا نام اور مقام پوچھا - عرض کی کہ غزنی کی پیدائش اور مرزا کامران کا نوکر ہوں - بادشاہ نے عنایتوں کا امیدوار کیا - اُس وقت تو بدحواسی کا عالم تھا دونوں اپنی اپنی راہ کہیں کے کہیں چلے گئے - لاہور پہنچے تو وہ بھی خدمت میں حاضر ہوا ہمایوں نے ملازمان شاہی میں داخل کرکے ہم رکاب لیا - اور اُس وقت سے اخیر تک جاں نثاری میں رہا - خوش نصیبی سے اُس نے اکبر کی پرورش اور بی بی نے دایگی کی عظمت پائی - آخر نوبت یہ تھی جو بیرم خاں کی مہم پر بن آئی - اس کی بدولت خان اعظم اتکہ خان ہو گئے - لیکن ماہم کی مہتاب میں اُن کا ستارہ نہ چمکا جاں خستاقی کا صلہ بھی پورا نہ ملا - اُس وقت اُنھوں نے اکبر کو ایک عرضی لکھی ہے جس سے اکثر رمزیں مہم خان خاناں کی کھلتی ہیں اور ان کی بے اختیاری اور محرومی اور دل شکستگی اور ماہم کی سینہ زوری بھی عیاں ہے -

ترجمۂ عرضداشت کمترین بندگان دولت خواہ شمس الدین اتکہ دعا اور بندگی کے بعد عرض کرتا ہے کہ جب اس دولت خواہ نے دلّی میں آستانہ بوسی کی اور حضور نے عنایت اور التفات بے دریغ مبذول فرما کر بیرم خاں کے علم و نقارہ و طومان و طوغ سے سرفرازی دی اور حکومت و حفاظت سرکار پنجاب وغیرہ کی عنایت فرمائی تو اس دولت خواہ کو بھی واجب ہوا کہ اس عنایت و سرفرازی کے لایق خدمت بجالاوے تاکہ جب حضور اس فدائی کے حق میں کچھ پرورش فرمائیں تو اور دولت خواہوں کو اس رعایت پر کچھ بولنے کی گنجائش نہ ہو - خبر پہنچی کہ فتنہ انگیز حرام خور بیرم خاں کو خطوط اور خبریں بھیج بھیج کر فیروز پور سے آئے - حکم ہوا ارکان دولت جمع ہوں اور جو صلاح دولت ہو مصلحت قرار دے کر عرض کریں - اُسی مجلس میں بیرم خاں کا وہ خط پڑھا گیا جو

اُس نے درویش محمد حاکم بھٹنڈہ کو لکھا تھا اُس میں درج تھا۔ کہ میں غلام و بندہ حضرت کا ہوں۔ اگر یہ چاہتا ہوں
کہ اپنا انتقام آں حضرت کے وکلا سے لے لوں۔ سب دولت خواہ اُس کے دفع کی
تدبیر کے لیئے جو جو خیال میں آتا تھا کہتے تھے۔ چوں کہ وہی دن ہوئے تھے
کہ اسباب حشمت خاں مذکور کا دولت خواہ کو عنایت ہوا تھا۔ دل سے چاہا کہ کوئی لائق خدمت
کروں۔ ارکان دولت کے سامنے کے خورد و کلاں حاضر تھے۔ میں بڑھ کر بولا
اور قول دے کر کہا کہ بیرم خاں کی مہم خدا کی عنایت اور حضور کی توجہ سے میرے ذمے ہے
جہاں سامنا ہو جائے اگر ہٹوں تو فاحشہ اور لونڈیوں سے کم ہوں۔ ارکان دولت
نے کہا کہ بیرم خاں کی مہم بڑی مہم ہے۔ جب تک بندگان حضور متوجہ نہ ہوں کام کا
بننا محال ہے۔ جب ارکان دولت نے یہ مصلحت دیکھی میں نہ بولا۔ بزرگوں کی خدمت
میں عرض کی کہ فلاں فلاں امرار ملتان و لاہور کو رخصت ہوتے ہیں۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ
بندہ اُن کی خدمت میں قراولی کے طور پر آگے جائے؟ اور جو حال ہو عرض کرتا رہے
بندۂ دولت خواہ کی عرض قبول ہوئی حکم ہوا کہ امرائے عظام کے ساتھ بیرم خاں
کی طرف روانہ ہو اور ہزار آدمی کی کمک کا بھی حکم ہوا۔ رخصت ہو کر چار پانچ دن نواح رہتک
اور پرگنۂ مہم میں ٹھیرا۔ کمک کا نشان بھی نظر نہ آیا۔ امرار کو عرضداشت لکھی تو ہزار آدمی
سے پچاس آدمی کی کمک پونہچی۔ اکثر پرانے سپاہی بھی ساتھ تھے۔ سپاہ گری کا
معاملہ ہے۔ ہر ایک کو چند در چند اندیشے گزرتے ہیں۔ کیچڑ پانی برسات کا موسم بھی تھا۔
چند روز روانگی میں توقف ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضور میں عرض معروض ماہم ہی کی معرفت
ہوتی تھی۔ (اور اہل دربار اُسے والدہ کہا کرتے تھے) لوگوں نے والدہ کے ذریعے
اُس کی طرف سے حضور میں ہزاروں باتیں بنائیں اور کہا کہ اتکہ خاں روز دو کوس چلتا ہے ڈرکے
مارے آگے نہیں بڑھتا اس سے یہ کام نہیں ہو سکتا اس کی جاگیر و وظیفہ موقوف
کرنا چاہیئے۔ والدہ نے اُن کے کہنے پر عمل کیا۔ ملاحظۂ خاطر اور بیس برس کے حقِ خدمت کا
خیال نہ کیا۔ جو کہنے والوں نے کہا اور والدہ نے عرض کیا وہ حضرت پر واضح ہے۔
فرزند عزیز محمد کو لوگوں کی باتوں اور اشاراتوں کی تاب نہ ہوئی۔ دولت خواہ کو لکھا کہ
اے دادا! لوگوں کی باتوں نے ہلاک کر ڈالا۔ جو تمہاری قسمت میں ہونا ہے سو ہوگا جس
حال میں ہو بیرم خاں کی مہم پر سے چلے جاؤ۔ دولت خواہ مطلب سمجھ گیا مدد الٰہی پر توکل اور

دولت بادشاہی پر تکیہ کرکے بیرم خاں کی طرف چلا - اب کے بیرم خاں کی مہم حضرت کی بدولت سرانجام کی اور نوکر اور سلطان جو اُس کے ساتھ تھے قتل کیئے اور رشتہ دار اُس کے قید کرکے درگاہ میں لایا - عیاذاً باللہ - اگر معاملات اُلٹ جاتے تو حضور کو معلوم ہی کہ کیا نوبت پونہچتی - مہم کی حقیقت بیرم خاں نے خود عرض کی ہی ہوگی - فتح کے بعد جو لوگ دولت خواہوں میں سے معرکے میں موجود نہ تھے - اور ہر ایک کی خدمت حضور کو معلوم ہی - اُنھوں نے کیسی عنایت اور مرحمت بادشاہی سے سرفرازی پائی ہی اور جو دولت خواہ موجود تھے ایک کو بھی نہیں پوچھا - جان محمد بہسودی قلعۂ جالندھر میں بیٹھا رہا اُس کے لیئے خانی کا خطاب دیا اور بہتیروں نے خدمتوں سے وہ چند سرفرازیاں پائیں اور وظیفے اور انعام لیئے - جب سب کے بعد اس دولت خواہ اور فرزند یوسف محمد کی نوبت آئی کہ ایسے معرکۂ عظیم میں تلوار ماری تھی تو بڑی مہربانی وہی تھی جو پہلے دن فرمائی تھی یعنی انکہ کا نام فرمانِ فتح پر لکھو - عالم پناہا ! - دولت خواہ بیگم باہم سے امیدواری رکھتا ہی غیبت نہیں کرتا خدا قبول کرے - دولت خواہ نے آں حضرت کی دولت خواہی میں جان کو ہتیلی پر رکھ کر بارہ برس کی بیٹی کو ساتھ لے کر بیرم خاں اور اُس کے وسنیں اقرباؤں اور ملازموں اور سلطانوں کے منہ پر تلواریں ماریں اور امرائے عظام اپنے اپنے پرگنوں پر بیٹھے تھے مدد کو نہ آئے اور جو ساتھ تھے اُنھوں نے وہ وہ حرکتیں کیں کہ بیرم خاں نے عرض کیا ہوگا کہ اس غلام پیر کے ساتھ کیا سلوک کیا - بیرم خاں نے جو سپاہی حضور کی ملازمت میں جاسوسی کے لیئے چھوڑے تھے وہ حضور کی بدولت خطاب پاکر دو کروڑ تین کروڑ کا وظیفہ لیں اور یوسف محمد خاں کہ بیرم خاں اور ہیبت خاں اور اس کے سلطانوں کے مقابل ہو کر تلواریں ماریں اُسے آپ خانی کا خطاب دیں - بزرگانِ دربار نے ایک کروڑ کے وظیفے کا پروانہ جاری کیا - وہ بھی ذاتی تنخواہ نہیں - بندے کو خان اعظم خطاب دیا - ایک کروڑ انعام مرحمت فرمایا - جس میں سے کل ایک لاکھ فیروزپور پر ملا - عالم پناہ ! عمر گزر گئی کہ تمام آدمی اس دولت خواہ کے بھائیوں اور بیٹوں سمیت امیدواری پر خدمت کر رہے ہیں اب آں حضرت کی بدولت ہر شخص خانی اور سلطانی کے خطاب سے سرفراز ہوگیا - جب علم و نقارہ و طومان وطوغ بیرم خاں کا کمترین کو عنایت فرمایا اور فتح کے بعد جامۂ واقو اور خلعت فتاحی

اور اسباب حشمت بھی عنایت کرکے رتبہ بڑھایا۔ امیدوار ہے کہ اُس کا منصب اس کمترین سے متعلق ہو اس عرضی پر انھیں وکیل مطلق کا منصب ملا اور کار و بار سلطنت سپرد ہوئے۔ اور ماہم اور ماہم والے جو اندر باہر ملک کے مالک بن رہے تھے اُن کے اختیارات میں فرق آیا۔ اُن کے حوصلے حد سے بڑھ گئے تھے۔ ادہم خاں بیٹا شہاب خاں جو رنگ نکال کر شہاب الدین احمد خاں ہو گئے وہ بھی اتاوالوں کیں چلتی تلوار تھے۔ اُنھوں نے اُنھیں اور بھی بھڑکایا۔ ۱۲ رمضان ۹۶۹ھ ۱۵۶۱ء پیر کے دن کو میر اتکہ منعم خاں۔ شہاب خاں وغیرہ چند امرا دیوان عام کے کسی مکان میں بیٹھے مہمات سلطنت میں گفتگو کر رہے تھے۔ میر اتکہ تلاوت قرآن میں مصروف تھے کہ ادہم خاں تقرب بلکہ قرابت کے گھمنڈ میں بھرا رشک و حسد کی آگ میں بھڑکا چند اوباشوں کو ساتھ لیئے آیا۔ سب تعظیم کو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بڈھا بزرگ رمضان کا روزہ منہ میں کلام الٰہی زبان پر نیم قد اُٹھا اور قرآن کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ وہ رانڈ کا سانڈ بادشاہ کا بھائی بنا ہوا تھا خنجر کھینچ کر بڑھا۔ نوکروں سے کہا کہ یہیں کھڑے دیکھتے ہو؟ ہاں! توشم ازبک اس کے ملازم نے بڑھ کر ایک خنجر اس کے سینے پر مارا۔ خان اُٹھ کر محل شاہی کی طرف بھاگے۔ خدا بردی ناخدا ترس نے پہنچ کر ایک تلوار کا ہاتھ مارا اور دولت خانے کے میدان میں کہن سال جاں نثار کا کام تمام کر دیا۔ دیوان عام میں غل مچ گیا اور خونخوار شمشیر بکف ٹہلتا ہوا بادشاہی حرم سرا کے دروازے پر آیا کہ محل میں داخل ہو۔ دربان کو اتنی عقل آئی اور ہوش نے بھی رفاقت کی کہ دروازے کو قفل لگا دیا۔ اس خونی نے بہت دھمکایا مگر نہ کھولا۔ ماہم اور اس کے بھائی بندوں کا سکہ ایسا بیٹھا تھا کہ ایک کی جرأت نہ ہوئی جو دم مار سکے۔ دیوان میں غل اور محل میں کہرام مچ گیا۔ دوپہر کا وقت تھا اکبر محل میں آرام کرتا تھا چونک پڑا۔ پوچھا کیا ہوا؟ کسی کو معلوم نہ تھا کیا بتائے۔ بادشاہ نے کوٹھے کی دیوار سے سر نکال کر دیکھا اور پوچھا یہ کیا حالت ہے؟ ایک رفیق چار منصب جہاں نثار نے ہاتھ اُٹھایا اور جعفر خاں اعظم کی نعش پڑی تھی اشارہ کیا اور کچھ نہ کہہ سکا۔ بادشاہ نے دوبارہ پوچھا وہ ڈر کا مارا تھا پھر ہاتھ اُٹھا کر رہ گیا۔ بادشاہ گھبرا کر باہر چلے۔ ایک حرم کو ہوش آیا کہ تلوار ہاتھ میں دے دی۔ غنیمت یہ ہوا کہ بادشاہ دوسرے دروازے سے نکل کر آئے۔ اُسے دیکھ کر کہا "اے بیہودہ لڑکے میرے اتکہ کو کیوں مار ڈالا؟"

اُس نے دوڑ کر بادشاہ کے دونوں ہاتھ پکڑ لیئے اور کہا "تحقیق کیجیئے اور غور فرمایئے۔ نادولت خواہ کو سزا دی ہے"۔ اکبر اور ادہم میں دھکا پیل ہونے لگی اور سب کھڑے دیکھ رہے ہیں اللہ رے ماہم تیرا رعب داب۔ بادشاہ نے اپنی تلوار پھینک اُس کی تلوار پر ہاتھ ڈالا۔ اُس نے خود تلوار کھینچنی چاہی بادشاہ نے ایک مُکّا کلّے پر مارا اتفاقاً اس زور سے لگا کہ گر پڑا اور کبوتر کی طرح لوٹ گیا۔ آخر اکبر نے جھنجلا کر کہا "چہ تماشا می کنید؟ ببندید ایں دیوانہ را" دیکھ رہے ہو باندھ لو اس دیوانے کو اُسی وقت مشکیں کس لی گئیں حکم دیا کہ ابھی دولت خانے کے کوٹھے پر سے پھینک دو۔ ایوان مذکور بارہ گز بلند تھا۔ اُسی وقت ہاتھ پاؤں باندھ کر پھینکا۔ مگر ماہم سے بھی جان نکلتی تھی اس طرح بچا کر پھینکا کہ پاؤں کے بل گرا اور بچ گیا۔ دوبارہ حکم دیا کہ پھینکو اور سر نگوں پھینکو دوبارہ کوٹھے پر لے گئے ادہم خاں دھم سے زمین پر آن پڑے اب کے سر کے بل گرے خود سری کی گردن ٹوٹ گئی اور سر پھٹ گیا۔ اُس کے ہوا خواہ لاش اٹھا کر لے گئے منعم خاں اور شہاب خاں موجود تھے ڈرے اور کھسک کر بھاگ گئے۔ اور یوسف خاں آتکہ کا بڑا بیٹا اور تمام آتکہ خیل یہ سنتے ہی مسلح ہوے اور چڑھ کر ماہم کے سر راہ آن پہنچے کہ ہم آتا والوں سے انتقام لیں گے۔ اکبر نے خانِ کلاں یعنی خانِ اعظم کے بڑے بھائی کو بلا کر ادہم کی لاش دکھائی اور فساد سے روک کر کہا کہ قصاص ہم نے لے لیا۔ فساد کیا ضرور ہے دونوں لاشیں دلی کو روانہ کر دیں۔ تقدیر کا تماشا دیکھو کہ قاتل سے مگان مقتول مظلوم سے ایک دن پہلے زیر خاک پہنچا۔ خانِ اعظم دوسرے دن دفن ہوے بزیادتی یک عدد تاریخ ہوئی "دو خون شد" اور یہ مصرعہ بھی تاریخ وفات ہے ع۔ رفت از ظلم سیر اعظم خاں۔ اور کسی نے یہ تاریخ بھی کہی ہے:۔

خانِ اعظم سپاہِ اعظم نہاں + کہ چو او در کس دریں زمانہ ندید + بشہادت رسید ماہ صیام + شربت موت روزہ دار چشید + کاش سالِ دگر شہید شدے + کہ شدے سال فوت "خانِ شہید"

میر آتکہ شعر بھی کہتے تھے۔ ان کی متانت بزرگی اور سلامت طبع ان کے اشعار سے ہویدا ہوتی ہے۔ نمونے کے لیئے ایک شعر لکھا جاتا ہے:۔

منہ ادِ طفلِ اشک از خانہ چشم قدم بیروں　　　کہ مردم زاد ہا از خانہ می آیند کم بیروں

ماہم کچھ بیمار تھیں سنتے ہی دوڑیں کہ جاؤں اور بیٹے کو چھڑا لاؤں۔ اُنھیں یقین نہ تھا کہ یہ سزا ہو گی اور ایسی جلد ہو جائے گی مگر اب کیا ہو سکتا تھا جو ہونا تھا سو ہو چکا۔ بادشاہ نے

دیکھتے ہی کہا "ادہم اتکہ مارا کشتہ ماہم اور کشتیم" اور اسے تسلی بھی دی - اُس کا سینہ حوصلے کا
تنور تھا دم نہ مارا مگر رنگ فق ہو گیا اور عرض کی "خوب کردید کہ آئینِ انصاف ہمی بود" -
پھر بھی یقین نہ آتا تھا - جب بی بی تختہ بیگی رستم خاں کی ماں نے سارا حال بیان کیا تو کلیجہ
مسوس کر رہ گئی - اکبر نے بھی خدمتوں کا خیال کر کے تسلی اور دلاسے کے رومال سے
آنسو پونچھے - اُس کے ہوش بجا نہ تھے خاموش رخصت ہو کر گھر گئی کہ ماتم داری اور
سوگواری کی رسمیں ادا کرے - بیٹے کا داغ تھا - مرض بڑھتا گیا عین چالیسویں کا دن تھا
کہ ماں بھی بیٹے کے پاس پہنچ گئی - اکبر نے اس کے جنازے کا چند قدم ساتھ دیا
اور عزت و احترام سے روانہ کر دیا - دونوں کی قبروں پر عالی شان مقبرہ بن گیا
جو قطب صاحب کی درگاہ کے پاس موجود ہے اور بھول بھلیاں کہلاتا ہے (از دربار اکبری)
اعظم خاں کا مقبرہ جوار حضرت سلطان المشائخ میں درگاہ شریف سے کوئی بیس گز پر
واقع ہے - یہ مقبرہ ۹۷۴ھ / ۱۵۶۶ء میں مرزا عزیز کوکلتاش خاں فرزند دومی اعظم خاں نے بنوایا
یہ مقبرہ ۳۰ مربع اور چھت سے اوپر گنبد کی چوٹی تک ۴۴ اور زیادہ ہے - اس طرح اس کی
کل بلندی ۴۴ فٹ ہے - چوں کہ گنبد چاروں طرف سے یکساں ہے لہذا ایک ہی طرف کی کیفیت
بیان کر دینا کافی ہے - دیوار کے بیچوں بیچ محراب ہے جو دو فیٹ گہری ۱۳ اونچی - ۱۱ چوڑی ہے
جس میں چار فیٹ اونچا دروازہ لگا ہوا ہے جس پر ایک تختی سنگ مرمر کی لگی ہوئی ہے جو امتداد
زمانے سے زرد پڑ گئی ہے اور اسی پر یہ کتبہ ہے "تمت هذه العمارة الشریفة فی سنة اربع وسبعین وتسعمائة
باهتمام استاد جیا سنگلی" - باقی ساری دیوار طرح طرح کے بیل بوٹوں پھول پتوں و نقش و نگار سے آراستہ ہے جس میں
رنگ برنگ کے نیلے سفید - زرد پتھر جڑے ہوئے ہیں محراب کے اوپر سنگ مرمر اور سنگ
سرخ کی پٹیاں بڑی خوب صورتی سے لگائی ہیں جن پر منبت کاری کے گل بوٹے
بنے ہوئے ہیں - انھیں پٹکوں کے متوازی اور ایک چوڑا پٹکہ سنگ مرمر کا ہے اور
ان کے بیچ میں ۱۸ انچ کا فصل ہے جس پر کلام الٰہی کی آیات منقوش ہیں - چوڑے پٹکے
جو چھت تک دوڑے ہوئے ہیں اُن کی دونوں طرف سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی
مناریں ہیں - یہ پٹکے کے نیچے سے نہیں ہیں بلکہ پانچ فیٹ اوپر جا کر شروع ہوئے ہیں
سطح زمین سے پانچ فیٹ اوپر اجالے تک چاروں طرف اس طرح کارنس نکال دی ہے کہ گویا
وہ ایک مضبوط چبوترا ہے جس پر عمارت کا سارا بوجھ ہے اور اس کے اوپر وسلے بنائے ہیں

جن میں رنگ برنگ کے پتھر جڑے ہوئے ہیں اور نقش ونگار بھی ہیں۔ اس مقبرے پر مغلیہ طرز کا گنبد ہے جو چھ فیٹ اونچے سنگ مرمر کے گردنے سے نمودار ہوتا ہے اور جس میں سنگ سرخ اور سنگ مرمر کی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ایک شدید طوفان کی وجہ سے اس کا کلس گر گیا۔ درمیانی محراب کے پاکھے محراب کی بلندی سے دو فیٹ پست ہیں اور چوڑان میں نصف ہیں چھت پر بہت خوب صورت اور نقش ونگار سے آراستہ گنگورا ہے۔ گنبد کے چاروں جانب دیوار دو محرابیں ہیں جن کے ادھر ادھر دو پتلے اور نازک نہایت نفیس ستون ہیں۔ گنبد کی زمین پر سارا فرش سنگ مرمر کا ہے جس میں سلیٹ کے پتھر کی سیاہ پٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ مقبرے کے سامنے کا فرش چھ گز تک سنگ سرخ کا ہے جس میں سنگ مرمر کی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں اور ہشت پہلو کٹاؤ کا کام ہے۔ مقبرے کی موجودہ حالت ازبس خستہ ہے ممکن نہیں ہے کہ دیواروں کا اندرونی حصہ بلا استرکاری کے چھوڑ دیا گیا ہو۔ اب تو سب استرکاری جھڑ گئی ہے اور پتھر نکل آئے ہیں جس مقبرے نے پہنا ئے تک سنگ مرمر کے ہوں اس کا اندرونی حصہ ایسا ادھورا اور ناقص کیسے رہ سکتا ہے۔ اس گنبد میں تین قبریں سنگ مرمر کی ہیں۔ درمیانی قبر اتکہ خاں کی ہے۔ بائیں طرف ان کی بی بی جی جی اتکہ کی قبر ہے اور داہنی طرف کی مردانی قبر کا پتہ نہیں چلتا کہ خدا جانے کہ کس کی ہے۔

مقبرے پر کے کتبات یہ مقبرہ ایک احاطے کے اندر ہے جس کے دو اونچے اور پنچے دروازے للاؤ کے ہیں۔ ایک سہ دری مغرب کی طرف ہے۔ چاروں طرف ایک ایک بلند اور شان دار محراب والا دروازہ ہے۔ ہر ہر دروازے پر خط نسخ نہایت خوش خط یہ کتبے ہیں :۔

غرب رویہ پیشانی پر۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ دروازے کے گرد بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ تَا كُلَّمَا اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ۔ نیچے دار۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ اِلٰهِيْ جَلَّتْ خَطِيْئَتِيْ لٰكِنْ وَجَدْتُ عَفْوَكَ عَنْ ذَنْبِيْ اَجَلَّ وَاَوْسَعَ اَلَمْ يَاْتِكُمْ تَدِيْن۔ کتبہ باقی محمد۔

شمال رویہ۔ پیشانی پر۔ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ تَا يَحْزَنُوْنَ دروازے کے گرد۔

تالو ابلی تدجاء نا نذیر تا فکیف کان نکیر - نیچے دار - الٰہی خلاقی فی حزن و مقیلی - الیک الذی والاعتیار الیسیر فزع - و کتبه الغریب یاسے محمد البخاری - مشرق رویہ - پیشانی پر - و لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون دروازے کے گرد - اولم یروا الی الطیر فوقہم تا و انما انا نذیر مبین - نیچے دار - الٰہی تری حالی فقری و فاقتی - و انت مناجات الخفیۃ تسمع - و کتبہا الغریب یاقے محمد البخاری -

جنوب رویہ - پیشانی پر سورہ انا انزلنا تا مطلع الفجر - دروازے کے گرد - فلما راوہ زلفۃ نا بماء معین ختم سورہ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون و سلام علے المرسلین والحمد للہ رب العالمین - نیچے دار - لک الحمد یا ذالجود و المجد و العلی - تبارکت تعطے من تشاء و تمنع -

کتبہ یاقے محمد الکاتب ۹۷۶ھ

اس گنبد میں بھی درگاہ شریف کا کوئی مجاور مع اہل وعیال کے رہتا ہے جس کی وجہ سے گنبد اور سہ دری کی حالت بہت خراب ہے۔ محکمۂ آثار قدیمہ نے جب دوسری عمارتیں لوگوں سے خالی کرالی ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ عمارت جو کہیں سے گری پڑی نہیں ہے یوں آنکھوں دیکھتے پامال کرائی جائے۔

بغدادی صاحب علیہ الرحمہ کا مزار تگہ خاں کے مقبرے کے پاس جنوب کی طرف بازار کی مسجد کے حجرے میں آپ کا مزار ہے - آپ اولیار کاملین میں سے تھے - بغداد سے دلی تشریف لاکر اس مسجد میں ایسے بیٹھے کہ بس یہیں آپ کا وصال بھی ہوا - بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے - ہزاروں لوگوں کی حاجتیں آپ کی دعا سے بر آتی تھیں اور کچھ زیادہ حال یا آپ کا زمانہ معلوم نہیں۔

چونسٹھ کھمبا یا مقبرہ مرزا عزیز کوکلتاش ۱۰۳۴ھ ۱۶۲۴ء

عروس ملک کسے در کنار گیرد چست
کہ بوسہ بر لب شمشیر آبدار زند

خان اعظم کے مقبرے کے پاس ہی کوئی بیس گز کے

لہ یہ کسی عربی مناجات کے اشعار ہیں - یہ دونوں مصرعے طغرے کی لپیٹ کی وجہ سے صاف پڑھے نہیں گئے ۱۲
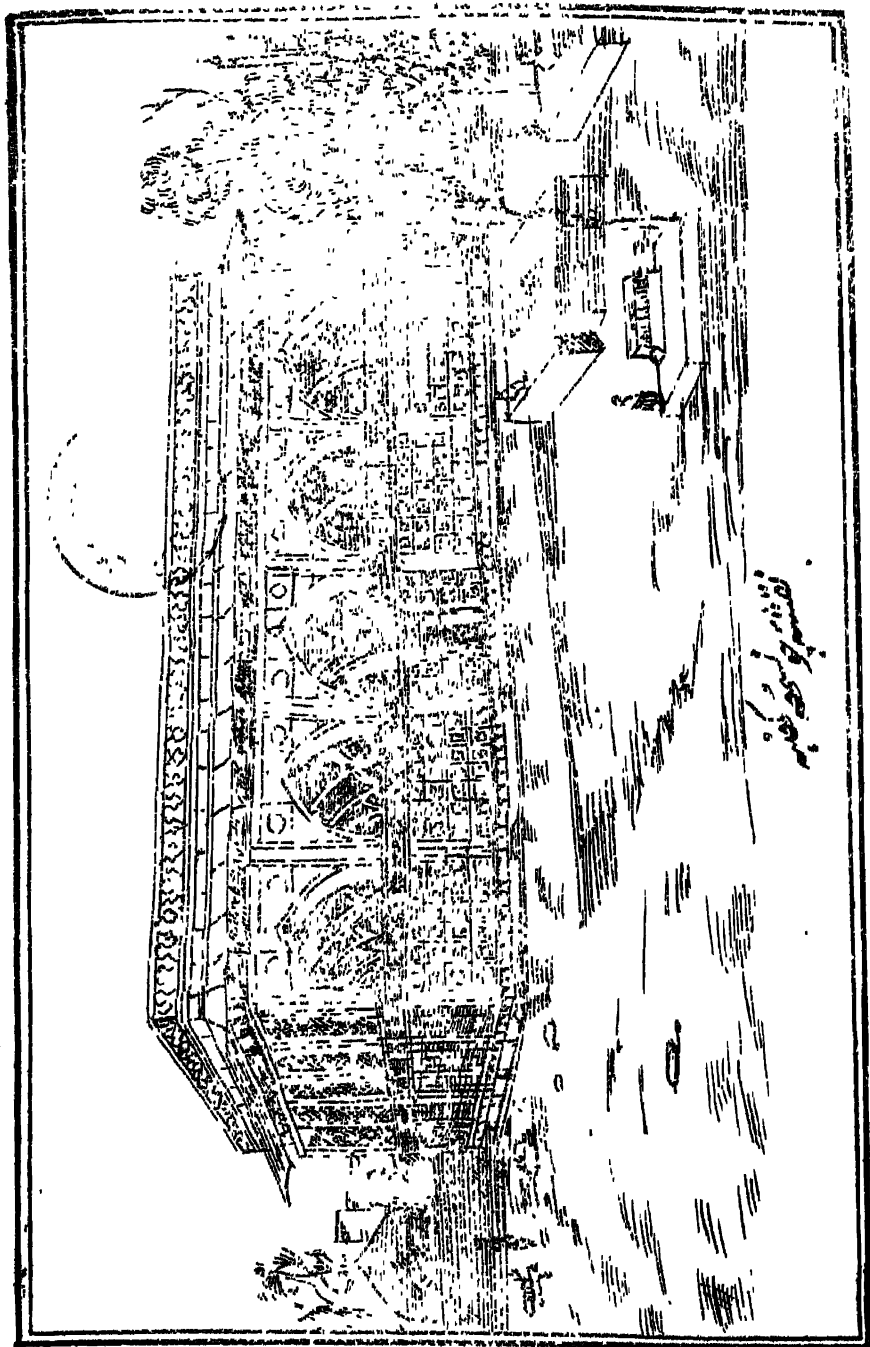
فصل سے مرزا عزیز کوکلتاش کا مزار ہے - ان کو بھی باپ کا خطاب خان اعظم ملا تھا - یہ اکبر شاہ کا برادر رضاعی تھا اور دربار اکبری کے امرائے عظام اور مقربان بارگاہ شاہی و مشیران خاص میں تھا - جب اس کے باپ کو ادہم خاں نے مار ڈالا تو مرزا عزیز کی پرورش براہ راست بادشاہ سلامت نے اپنے ذمے لی - اس کے زندگی کے حالات نیرنگی زمانے کی عبرت خیز مثال ہے جو عجیب کشمکش میں گزری عروج و زوال دونوں کا چولی دامن کا ساتھ تھا - سب سے بڑے صوبے کا گورنر رہا - بڑے بڑے خطرناک معرکوں کو فرو کیا لیکن پھر اسی نے قید کی ذلت بھی اٹھائی - اکبر کی وفات کے بعد اس نے جہانگیر بادشاہ کے خلاف شاہزادہ خسرو کا ساتھ دیا اور اگرچہ آگے چل کر یہ رستے پر آ گیا تھا اور بادشاہ سے جا ملا اور مراتب اعلیٰ پہ پونہچا اور بہت کچھ سرفرازیاں حاصل کیں لیکن یہ کھٹک بادشاہ کے دل سے نہ نکلنی تھی نہ نکلی

کہ سہل است محل بدخشاں شکست　　　　شکستہ نشاید دگر بار بست

جہانگیر بادشاہ نے اپنے پوتے کا اتالیق مقرر فرمایا جس کی مشایعت میں یہ گجرات گئے اور وہیں احمد آباد میں سنہ ۱۰۳۳ھ ۱۶۲۴ء میں وفات پائی - اب ہم مرزا عزیز کے کچھ حالات دربار اکبری سے لکھتے ہیں :- "تمام تاریخیں اور تذکرے خان اعظم کی عظمت امیرانہ اور شجاعت رستمانہ اور لیاقت اور قابلیت کی تعریفوں سے مرصع ہیں لیکن اس قسم کے حالات کم ہیں - جن سے یہ نگینے اس کی انگوٹھی پر ٹھیک آ جائیں ہاں اکبر کے ہم سن تھے ساتھ کھیل کر بڑے ہوئے تھے - یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کی عنایتوں اور شفقتوں نے رتبے اور قدر و منزلت بہت بڑھائی تھی بلکہ ان کی سپاہیانہ طبیعت اور بادشاہ کی نازبرداریوں نے لاڈلے بچوں کی طرح ضدی اور بدمزاج کرا دیا تھا - مرزا عزیز کے والد میر شمس الدین محمد خان اعظم اتکہ خاں تھے - اکبر ابھی پیدا نہ ہوا تھا جو بادشاہ بیگم نے مرزا عزیز کی ماں سے کہہ دیا تھا کہ میرے ہاں لڑکا ہوگا تو اسے تم دودھ پلانا - اکبر پیدا ہوا ان کے ہاں ابھی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا - اس عرصے میں اور بیبیاں اور بعض خواصیں دودھ پلاتی رہیں - پھر ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو انھوں نے دودھ پلایا اور زیادہ تر انھیں نے یہ خدمت ادا کی - جب ہمایوں ہندوستان سے بالکل مایوس ہوا اور

راہ قندھار سے ایران کو روانہ ہوا تو اکبر کو ان میاں بیوی کے پاس چھوڑ گیا۔ خدا کے آسرے پر دونوں دکھ بھرتے رہے یہاں تک کہ ہمایوں ہاں سے پھر آیا۔ کابل کو فتح کیا اور اکبر کے اقبال کے ساتھ اُن کا ستارا بھی نحوست سے نکلا۔ اکبر ان کے سبب سے ان کے سارے خاندان کی رعایت بدرجۂ غایت کرتا تھا اور عزت مدارج پر جگہ دیتا تھا یہ بھی ہمیشہ خطرناک موقع پر جاں نثاری کا قدم آگے رکھتے تھے۔ اکبر خان اعظم کی ماں کو جی جی کہتا تھا اور بڑا ادب بلکہ ماں سے زیادہ خاطر کرتا تھا۔ ۹۶۹ھ ۱۵۶۱ع میں خان اعظم شمس الدین محمد خاں اتکہ شہید ہوئے تو اکبر نے مرزا عزیز کی کہ چھوٹے بیٹے تھے بہت دل داری کی۔ تمام خاندان کو تسلی دی۔ چند روز کے بعد خان اعظم خطاب دیا مگر ہمیشہ مرزا عزیز اور مرزا کوکہ کہتا تھا۔ ہر وقت مصاحبت میں رہتے تھے جب ہاتھی پر سوار ہوتے تھے تو اکثر ان ہی کو خواصی میں بٹھاتے تھے اُن کی گستاخی اور بے اعتدالی کو بھائی بیٹوں کا ناز سمجھتے تھے خوش ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ جب اس پر غصہ آتا ہے تو دیکھتا ہوں کہ میرے اور اُس کے بیچ میں دودھ کا دریا بہ رہا ہے میں چپ رہ جاتا ہوں۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر مرزا عزیز مجھ پر تلوار بھی کھینچ کر لے تو جب تک یہ وار نہ کرے میرا ہاتھ اس پر نہ اُٹھے گا۔ خان اعظم کو بھی اس بات کا بڑا ناز تھا کہ ہم اکبر بادشاہ کے عزیز بلکہ بھائی ہیں۔ اخبار قربت ان کے اس قدر دور دور پہنچے تھے کہ ۹۷۰ھ میں جو عبداللہ خاں ازبک کی طرف سے سفارت آئی اُس میں تحائف سلطنت کے ساتھ ان کے اور منعم خان خانخاناں کے نام علیحدہ تحائف آئے۔ مرزا عزیز ہمیشہ حضور میں رہتے تھے اس لیئے دیپال پور ان کی جاگیر میں بدستور رہا۔ ۹۸۷ھ میں بادشاہ پاک پٹن سے زیارت کر کے دیپال پور آئے انھوں نے عرض کی۔ کہ لشکر شاہی مدت سے برابر تکلیف سفر اٹھا رہا ہے چند روز حضور یہاں آرام فرمائیں۔ بادشاہ نے کئی مقام کیئے اور مع شاہزادوں اور امرائے دربار کے ان کے گھر گئے۔ خان اعظم نے ضیافتوں اور مہمان داریوں میں بڑی عالی ہمتی دکھائی رخصت کے دن گراں بہا نذرانے پیشکش گزرانے۔ عربی اور ایرانی گھوڑے جن پر سونے روپے کے زین۔ کوہ پیکر ہاتھی۔ نقرئی اور طلائی زنجیریں سونڈوں میں جھلاتے۔ مخمل زربفت کی جھولیں۔ سونے چاندی کے آنکس۔ موتی جواہرات گراں بہا

مرصع ۔ کرسیاں پلنگ ۔ سونے چاندی کی چوکیاں ۔ سینکڑوں باسن طلائی اور نقرئی ۔ بیش قیمت جواہرات ۔ عجائب اجناس ملک فرنگ ۔ روم خطا یزد کے نفائس تحائف خارج از حد و قیاس حاضر کیئے ۔ شہزادوں اور بیگماتوں کو لباس اور زیورہائے گراں مایہ پیش کیئے ۔ تمام ارکان دولت اور اراکین سلطنت ۔ کل ارباب منصب اہل فضل اہل کمال جو ملازم رکاب تھے بلکہ تمام لشکر کو خوان انعام سے فیض پونہچا اور سخاوت کے دریا میں پانی کی جگہ دودھ کے طوفان اٹھائے ۔ تاریخ اس جشن کی یہ ہے ۔ ع
مہمان عزیز اندشہ و شاہزادہ ۔ سنہ ۹۸۰ھ میں صوبۂ گجرات فتح کیا جو انھیں جاگیر میں عنایت ہوا کہ انتظام کرو ۔ لیکن اکبر تو ادھر آیا وہاں محمد حسین مرزا اور شاہ مرزا نے فولاد خاں دکنی اور سرشور افغانوں وغیرہ سے موافقت کرکے لشکر فراہم کیا اور مقام پٹن پر آکر ڈیرے ڈال دیئے ۔ مآثر الامراء میں لکھا ہے کہ حسین مرزا کی جرأت و شجاعت کا یہ عالم تھا کہ جنگ کے معرکوں میں دلاوران زمانے کے حوصلے سے بڑھ کر قدم مارتا تھا ۔ خان اعظم نے امرائے شاہی کو اطراف سے جمع کیا اور لشکر آراستہ ہو کر باہر نکلا ۔ غنیم بھی ادھر سے اپنی جمعیت سنبھال کر آگے بڑھا اور خوب زور کی لڑائی کے بعد خان اعظم کو فتح ہوئی اور خان اعظم فتح کا نشان لہراتا گجرات میں داخل ہوا جب یہ خبر دربار میں پونہچی اکبر کو بڑی خوشی ہوئی ۔ آفرین کا فرمان بھیج کر انھیں بلا بھیجا ۔ یہ سن کر پھولے نہ سمائے اور اور مارے خوشی کے بے سروپا دربار کی طرف دوڑے ۔ سنہ ۹۸۰ھ میں خان اعظم بے ڈھب مصیبت کے پھندے میں پڑ گئے تھے اگر اکبر کی تلوار اور ہمت کی پھرتی مدد نہ کرتی تو خدا جانے کیا ہو جاتا ۔ خان اعظم گجرات میں بیٹھے تھے کبھی شاہانہ حکومت کے کبھی شاہانہ سخاوت کے مزے لیتے تھے کہ وہی محمد حسین مرزا اختیار الملک دکنی کے ساتھ مل گیا ۔ دکن کے کئی سردار اور بھی آن ملے اور تمام احمد آباد وغیرہ کے اطراف پر پھیل گئے انجام یہ ہوا کہ خان اعظم بھاگ کر احمد آباد میں گھس بیٹھے اور اسی کو غنیمت سمجھا کہ شہر تو ہاتھ میں ہے ۔ غنیم بیس ہزار لشکر جمع کرکے گجرات پر آیا اور خان اعظم کو ایسا محاصرے میں دبوچ لیا کہ تڑپ نہ سکے ۔ ایک دن فاضل خاں فوج لے کر کھانپور دروازے سے نکلے اور لڑنے لگے ۔ غنیم ایسے امنڈ کر آئے کہ سب کو سمیٹ کر قلعے میں دبوچ دیا ۔ فاضل خاں سخت زخمی ہوا اور غنیمت سمجھو کہ

جان لے کر بھاگا۔ سلطان خواجہ گھوڑے سے گر کر خندق میں جا پڑا۔ فصیل پر سے رسا ڈالا۔ ٹوکرا لٹکایا جب نکلے۔ سب کے جی چھوٹ گئے اور کہہ دیا کہ اس غنیم کا مقابلہ ہماری طاقت سے باہر ہے۔ عرضیاں اور خطوط دوڑانے شروع کیے یہی عرائض کی تحریر تھی اور یہی پیام کی تقریر کہ اگر حضور تشریف لائیں تو جانیں بچیں گی ورنہ کام تمام ہے۔ محل میں جی جی آتی تھی اور روتی تھی کہ ماری میرے بچے کو جا کر نے اؤ۔ اکبر عمدہ عمدہ سرداروں اور سپاہیوں کو لے کر سوار ہوا اور اس طرح گیا کہ ستائیس دن کا رستہ سات دن میں لپیٹ کر ساتویں دن گجرات سے تین کوس پر دم لیا۔ فیضی نے جو سکندر نامے کے جواب میں اکبر نامہ لکھنا چاہا تھا اُس میں اس معرکے کا خوب سماں باندھا ہے:

بیک ہفتہ در احمد آباد رفت — تو گوئی کہ بر مرکب باد رفت

یلاں بر شتر ترکش اندر کمر — شترچوں شتر مرغ در زیر پر

علاء الدولہ نے تذکرے میں لکھا ہے کہ جب اکبر نے گجرات فتح کی تو شاہزادہ سلیم کی وکالت اور نیابت کے ساتھ دو کروڑ ساٹھ لاکھ کا علاقہ کر کے دار الملک احمد آباد سے پایۂ تخت گجرات میں ممتاز کیا اُس دن ایک تقریب خاص کے سبب سے میں بھی حاضر تھا اور میں مرزا کا ملازم بھی تھا۔ شب برات کی پندرہ تاریخ تھی میں نے اسی وقت تاریخ کہی۔ گفتا کہ بہ شب برات داوند بہ تو۔ دوسرے سال فتوحات بنگالے کے شکرانے میں بادشاہ فتح پور سیکری سے اجمیر گئے۔ دو بڑے بڑے نقارے جو لوٹ میں آئے تھے وہاں نذر چڑھائے۔ خان اعظم پہلے سے اشتیاق حضوری میں عرضیاں دوڑا رہے تھے۔ یلغار کر کے احمد آباد سے پہنچے بادشاہ بہت خوش ہوئے اُٹھے اور چند قدم بڑھ کر گلے لگایا۔ ۹۸۲ھ میں مرزا سلیمان کی آمد آمد تھی اور ضیافت کے وہ سامان ہو رہے تھے کہ جن سے جشن جمشید کی شان و شکوہ گرد تھی۔ انھیں حکم پہنچا کہ تم بھی حاضر دربار ہوتا کہ زمرۂ امرا میں پیش ہو۔ خان اعظم ڈاک بٹھا کر فتح پور میں حاضر ہوئے۔ انھی دنوں میں داغ کا آئین جاری ہوا۔ امرا کو یہ قانون ناگوار تھا بادشاہ نے مرزا عزیز کو اپنا سمجھ کر فرمایا کہ پہلے خان اعظم اپنے لشکر کی موجودات دے گا۔ ہٹیلے نواب کی آنکھوں پر ان دنوں جوش جوانی نے پردہ ڈالا تھا۔ ہمیشہ کے لاڈلے تھے۔ اپنی ہٹ پر آ کر اڑ گئے اور نئے قانون کی

شیخ آئے اور مرزا کو لے کر حضور میں حاضر ہوئے۔ آئین تھا کہ بارگاہ میں بے اجازت کسی کو ہتیار بند نہ آنے دیتے تھے۔ اُس کی کمر میں جمدھر تھا۔ ایک پہرے والے نے جمدھر پر ہاتھ رکھا وہ بدگمان ہوا۔ جھٹ جمدھر کھینچ لیا۔ مرزا نے ہاتھ پکڑ لیا اُس نے اُنھیں زخمی کیا۔ پالکی میں پڑ کر گھر گئے دوسرے دن حضور نے جا کر آنسو پونچھے اور دم دلاسوں کی مرہم پٹی چڑھائی۔ ۹۸۸ھ میں پھر نحوست آئی ان کا دیوان کچھ روپیہ کھا گیا اُنھوں نے اُسے طالب اپنے غلام کے سپرد کیا کہ روپیہ وصول کرے اُس نے دیوان جی کو باندھ کر لٹکا دیا چوب کاری شروع کر دی اور ایسا مارا کہ مار ہی ڈالا۔ دیوان کا باپ روتا پیٹتا حضور میں حاضر ہوا۔ بڈھے کی حالت دیکھ کر بادشاہ کو بہت رنج ہوا۔ قاضی لشکر کو تحقیقات کا حکم ہوا۔ خان اعظم نے کہا کہ غلام کو میں نے سزا دے دی میرا مقدمہ حضور قاضی کے ہاتھ میں دے ڈالیں اس میں میری بے عزتی ہے بادشاہ نے یہ عرض منظور نہ کی یہ خفا ہو کر پھر گھر جا بیٹھے۔ کئی مہینے کے بعد بادشاہ نے خطا معاف کی ۹۸۸ھ میں بنگالے میں فساد ہوا۔ مظفر خاں سپہ سالار مارا گیا تو ان کو پنج ہزاری منصب عنایت کیا اور خان اعظم ان کے باپ کا خطاب بھی دیا اور راجہ ٹوڈرمل کی جگہ بنگالے کا سپہ سالار کر دیا۔ منعم خاں خان خاناں اور حسین قلی خان جہاں اُس ملک میں برسوں تک رہے مگر انتظام نہ کر سکے ایک طرف تو افغان سر اٹھائے ہوئے تھے دوسری طرف بادشاہی امرا جو نمک حرام ہو رہے تھے وہ کبھی آپ کبھی افغانوں کے ساتھ مل کر مار دھاڑ کرتے پھرتے تھے۔ خان اعظم فوجیں بھیج کر ان کا بندوبست کرتے تھے مگر کچھ بن نہ آتی تھی۔ ایک برس سے زیادہ یہ دو برس تک اُدھر رہے اور رات دن اُنھیں میں غلطاں پیچاں پڑے رہے۔ امارت بھی خرچ کی روپیہ دے کر باغیوں پر جا پایا مگر معاملات پاک و صاف نہ ہوئے۔ ۹۹۰ھ میں جب بادشاہ کابل کی مہم فتح کر کے پور میں آئے تو ۹۹۱ھ کے جشن میں آ کر شامل دربار ہوئے اور وہاں بغاوت ہو گئی اور بنگالے سے لے کر حاجی پور تک باغیوں نے لے لیا۔ خان اعظم دوبارہ بنگالے کو گئے اور کچھ بندوبست کیا۔ ۹۹۲ھ میں عرضی کی کہ مجھے یہاں کی آب و ہوا موافق نہیں چند روز اور رہا تو مر جاؤں گا بادشاہ نے

بلا لیا۔ اکبر کا دل مدت سے دکن کی ہوائیں لہرا رہا تھا۔ ۹۹۳ھ میں دکن سے فتنہ و فساد کی خبریں آئیں۔ میر مرتضیٰ اور خداوند خاں امرائے دکن برار سے احمد نگر پر چڑھ گئے جو نظام الملک کا پایۂ تخت تھا وہاں سے شکست کھا کر راجہ علی خاں حاکم خاندیس کے پاس آئے کہ اکبر کے پاس جاتے ہیں۔ مرتضیٰ نظام شاہ نے راجہ علی خاں کے پاس آدمی بھیجے کہ انھیں فہمائش کر کے روکو وہ کسی کے روکے نہ رکے اور لوٹتے کھسوٹتے آگرے جا پہنچے۔ راجہ علی خاں بڑا دور اندیش تھا خیال ہوا کہ کہیں اکبر کو یہ بات ناگوار نہ ہو۔ وہ جانتا تھا کہ اکبر ہاتھی کا عاشق تھا ڈیڑھ سو ہاتھی اپنے بیٹے کے ساتھ بھیج دیئے جو بہم نوروزی میں بہت سے نفائس اور اجناس بطور پیشکش گزرانے ساتھ ہی تسخیر دکن کے رستے دکھائے۔ خانخاناں احمد آباد میں پہلے ہی سے موجود تھے۔ چند امرا کو ادھر روانہ کیا اور خان اعظم کو فرزندی کا خطاب اور سپہ سالار کر کے حکم دیا کہ برار لیتے ہوئے احمد نگر کو جا مارو انھوں نے ہنڈیا میں جا کر مقام کیا اور فوج بھیج کر ساتول گڑھ پر قبضہ کر لیا۔ امرا بھی فراہم کیے۔ ماہم بیگم کی نشانی شہاب الدین خاں بھی موجود تھے ان کو دیکھتے ہی باپ کا خون آنکھوں میں اتر آیا۔ خان اعظم اکثر صحبتوں میں انھیں ذلیل کرنے لگے۔ شاہ فتح اللہ شیرازی کو اصلاح و تدبیر کے لیے بادشاہ نے ساتھ کر دیا تھا یہ ادھر کے ملک اور لوگوں سے واقف تھے اور ان کا بڑا اثر تھا۔ یہ آپس کے نفاق کو مٹاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ موقع آپس کی عداوت کا نہیں ہے مہم خراب ہو جائے گی۔ خان اعظم ان سے بھی خفا ہو گئے اور باوجودیکہ استاد بھی تھے مگر ان سے تمسخر و تضحیک کرنے لگے جس سے وہ آزردہ ہو گئے۔ شاہ صاحب تدبیر کے ارسطو اور عقل کے افلاطون تھے بلطائف الحیل ان باتوں کو ٹالتے اور وقت گزارتے رہے۔ شہاب الدین خاں کی نوبت یہاں تک بڑھی کہ وہ خفا ہو کر فوج سمیت اپنے علاقے کو چلے گئے۔ انھوں نے ان پر یہ جرم لگایا کہ میں ایک تو بادشاہ کا بھائی دوسرے سپہ سالار میری بلا اجازت جانا کیا معنی وارد۔ فوج لے کر اس کے پیچھے دوڑے۔ تولک خاں قوچی کہ شجاعت اور ہمت میں نظیر نہ رکھتا تھا اور دست راست کی فوج کا سپہ سالار تھا اسے بھی تہمت لگا کر قید کر لیا۔ دشمن یہ خبر پا کر کہ ان کے آپس میں کیا کیا کجی ہوئی ہے اور شیر ہو گیا محمد تقی کو سالار

مقرر کر بیس ہزار فوج کے ساتھ بھیج دیا مگر میر فتح اللہ بیچ میں آئے اور مصالحت کرا دی یہی غنیمت ہوئی کہ پردہ رہ گیا۔ راجہ علی خاں حاکم خاندیس دکن کے حصوں کا سردار اور سالک شمشیر تھا وہ خان اعظم کی رفاقت کو مستعد ہو گیا تھا یہ حال دیکھ کر اس نے بھی موقع پایا۔ برار اور احمد نگر کے امرا اور اُن کی فوجوں کو لے کر چلا۔ مرزا عزیز نے یہ سن کر شاہ فتح اللہ کو بھیجا کہ فہمائش کریں۔ وہ دکن کے جنگلوں کا شیر تھا اب کس کی سنتا تھا۔ شاہ صاحب کی کچھ نہ چلی ناکام پھرے اور آزردہ اور بے زار ہو کر خان خاناں کے پاس گجرات چلے گئے۔ راجہ علی خاں کی آمد آمد دیکھ کر خان اعظم گھبرا گئے کئی دن ہنڈیا میں لشکر آمنے سامنے پڑے رہے مقابلے کی طاقت نہ پائی ایک شب چھپاتے گمنام رستے سے نکل کر برار کا رخ کیا ایلچپور اس کا پایۂ تخت تھا اس کا اور جس شہر کو پایا لوٹ کھسوٹ کر ستیاناس کر دیا اور دولت بے قیاس سمیٹی۔ تیبا راؤ اُدھر کا راجہ ساتھ ہو گیا تھا وہ کڈھب رستوں میں رہنمائی کرتا تھا مرزا صاحب کو اس پر بھی شبہ ہوا کہ غنیم سے ملا ہوا ہے اُسے بھی تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ ایلچپور پہنچ کر بعض امرا کی صلاح ہوئی کہ اسی طرح باگیں اُٹھائے چلے چلو اور احمد نگر تک دم نہ لو۔ بعضوں نے کہا یہیں مورچے ڈال دو اور جو ملک لیا ہے اُس کا انتظام کرو۔ مرزا صاحب کا سرے سے کسی پر بھروسہ ہی نہ تھا یہاں بھی نہ تھمے اور دربار کا رخ کیا۔ غنیم سوچتا رہ گیا کہ اس سپہ سالار سپاہ لیے ہوئے ملک کو چھوڑ کر چلا گیا۔ خدا جانے اس میں کیا پیچ کھیلا ہے۔ یہاں اندر کچھ بھی نہ تھا۔ وہ جریدہ ان کے پیچھے دوڑا۔ اس رستے میں عجب حالت گزری۔ قدم اُٹھائے چلے جاتے تھے۔ بھدے بھدے ہاتھی اور بھاری بھاری بوجھ رہے جاتے تھے۔ انہیں کو پے کاٹ کاٹ کر ڈالتے جاتے تھے کہ ہاتھی دشمن کے ہاتھ نہ آئیں۔ دشمن نے راہ میں ہنڈیا کے شہر کو جو بادشاہی علاقہ تھا ایلچپور کے بدلے لوٹ کر ٹھیکرا کر دیا۔ ایک موقع پر تھم کر لڑائی ہوئی اس میں بھی جنگ نفسانی ہوئی غرض ہزار رجان کندن سے ندربار کی حد میں لشکر کو چھوڑا اور آپ احمد آباد کو چلے۔ یہ اس خیال خام میں لگے تھے کہ خان خاناں میرا بہنوئی ہے اس سے مدد لاؤں گا مگر وہاں بھی ٹٹو نہ چلا اور پھر ندربار جا کر برسات کے عذر سے لڑائی موقوف کر دربار میں آ دھمکے۔ سنہ ۹۹۵ھ میں صلاح ہوئی کو دودھیا

مٹھاس ملاؤ تو وہ بھی مزہ دے گا۔ خان اعظم کی بیٹی سے شاہزادہ مراد کی شادی جس کی عمر سترہ سال کی تھی مریم مکانی یعنی اکبر کی والدہ [illegible] بیٹی تھی۔ خان اعظم کی عزت بڑ ھانی تھی بادشاہ خود برات سے کر گئے اور [illegible] اسی سال ۹۹۷ھ میں لڑکا بھی پیدا ہوا اور مرزا رستم نام رکھا۔ ۱۰۰۰ھ میں خان اعظم نے ایک بڑا میدان مارا۔ جام سر سال اس ولایت کے اہلی [illegible] اور ہمیشہ فساد کھڑا کیا کرتا تھا اس نے مظفر کو پیر و دبا کر نکالا۔ [illegible] بیٹا تھا اور اپنے کو سلاطین غور کی اولاد کہتا تھا اور راجہ کنگار کچھ کا حاکم بھی شامل ہوا۔ بیس ہزار کا بلوہ باندھ کر لڑنے کو آئے۔ خان اعظم نے ادھر ادھر خطوط لکھے کوئی مدد کو نہ آیا اس ہمت والے نے دل نہ ہارا جس قدر ہو سکا جمعیت اکٹھی کر کے نکلا۔ خان اعظم نے چند سرداروں کو فوج دے کر آگے روانہ کردیا ان سے کوتہ اندیشی یہ ہوئی کہ غنیم کے ساتھ صلح کی گفتگوئیں کیں ان کے دماغ اور بھی چڑھ گئے اور جنگ کے نقارے بجاتے آگے بڑھے۔ ضدی سپہ سالار کو غصہ آیا باوجودیکہ دس ہزار سے زیادہ جمعیت نہ تھی اور غنیم کے ساتھ تیس ہزار فوج تھی یہ سامنے ڈٹ گیا کہ یکایک مینہ برسنا شروع ہوا اور بارش کا تار لگ گیا جس انداز سے لڑائی شروع ہوئی تھی دلتوی ہو گیا اور طرفین سے ترکانہ حملے ہوتے رہے مشکل یہ ہوئی کہ ادھر رسد بند ہو گئی۔ جب تکلیفیں حد سے گزر گئیں تو خان اعظم نے اس میدان میں فوج کو لڑانا مناسب نہ سمجھا چار کوس کوچ کر کے جام کے علاقے میں گھس گیا۔ مظفر نے بھی ادھر ہی کا رخ کیا۔ دریا بیچ میں تھا ادھر ڈیرے ڈال دیئے۔ فوجوں میں روز چھینا جھپٹی ہو جاتی تھی مگر ایک دن میدان ہوا اور میدان بھی وہ ہوا کہ فیصلہ ہی ہو گیا۔ دونوں سپہ سالار اپنی اپنی سپاہ لے کر نکلے اور قلعے باندھ کے سامنے ہوئے۔ دشمن کے قدم اکھڑ گئے مظفر اور جام سب بے ہوش و بدحواس بھاگے۔ اس کے کئی سردار دو ہزار بہادروں کے ساتھ میدان میں کھیت رہے۔ تھوڑی دیر میں سامنا صاف ہو گیا۔ نقد و جنس۔ توپ خانہ ہاتھی۔ سامان امارت و سامان جاہ و حشمت جس قدر فوج شاہی کے ہاتھ آیا اس کا حساب نہیں۔ اکبری لشکر کے سو بہادروں نے جانیں عزت پر قربان کیں اور پانسو نے زخموں سے چہرہ گلرنگ کیا۔ فیضی نے اس فتح کی یہ تاریخ کہی "فتوحات عزیزی" ۹۹۹ھ اکتیس ۱۰۰۰ھ میں

سبب سے میری ذات سے خان اعظم کے دل میں نہ پہنچا۔ اتفاقاً اُس کے
ایک خط سے معلوم ہوا کہ خبث طبعی کو اُس نے کسی وقت بھی ہاتھ سے نہیں دیا۔
بلکہ میرے والد بزرگوار سے بھی جاری رکھا تھا۔ مجمل یہ ہے کہ ایک موقع پر اُس نے
ایک خط راجہ علی خاں کو لکھا تھا۔ اول سے آخر تک بدی اور بدنفسی اور ایسے
مضمون کہ کوئی دشمن کے لیے بھی نہیں لکھتا اور کسی کی طرف نسبت نہیں رکھتا
چہ جائیکہ حضرت عرش آشیانی جیسے بادشاہ اور صاحب قدردان کے حق میں
وغیرہ وغیرہ۔ یہ تحریر برہان پور راجہ علی خاں کے خزانے سے ہاتھ آئی۔
اسے دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اگر بعض خیالات کا اور اُس کی
ماں کے دودھ کا ملاحظہ نہ ہوتا تو بجا ہوتا کہ اپنے ہاتھ سے اُسے قتل کرتا۔
بہر حال بلایا اور اُس کے ہاتھ میں وہ نوشتہ دے کر کہا کہ سب کے سامنے باواز
بلند پڑھو۔ مجھے گمان تھا کہ اسے دیکھ کر اس کی جان نکل جائے گی۔ انتہا سے
بے شرمی اور بے حیائی ہے کہ اس طرح پڑھنے لگا گویا اُس کا لکھا ہی نہیں کسی اور کا
لکھا ہوا پڑھوایا ہے وہ پڑھ رہا ہے۔ حاضران مجلس بہشت آئین بندہ ہائے اکبری
وجہانگیری جس نے وہ تحریر دیکھی اور سنی لعنت اور نفرین کرنے لگے۔ اُس
سے پوچھا کہ قطع نظر اُن نفاقوں کے جو مجھ سے کیے اور اپنے اعتقاد ناقص
میں اُن کے لیے کچھ وجہیں بھی قرار دی تھیں۔ والد بزرگوار نے کہ تجھ کو اور تیرے
خاندان کو خاک راہ سے اٹھا کر اس مرتبہ اعلیٰ تک پہنچایا کہ اس درجے پر پہنچے
بات کیا ہوئی تھی ہے کہ دشمنان و مخالفان دولت کو ایسی باتیں لکھیں اور اپنے
تئیں حرام خواروں اور بدنصیبوں میں جگہ دی۔ سچ ہے سرشت اصلی اور پیدائش
طبعی کو کیا کرے۔ جب تیری طبیعت نے آب نفاق سے پرورش پائی ہے تو ان
باتوں کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ جو کچھ مجھ سے کیا تھا اس سے میں درگزرا
اور جو منصب تھا پھر اسی پر سرفراز کیا۔ گمان تھا کہ تیرا نفاق خاص میرے ہی ساتھ
ہوگا اب جو یہ بات معلوم ہوئی کہ اپنے مربی اور خداوند مجازی سے بھی
اس درجہ پر تھا تو تجھے تیرے اعمال اور تیرے مذہب کے حوالے کیا۔ یہ باتیں
سن کر چپ رہ گیا۔ ایسی روسیاہی کے جواب میں کہے کیا؟ - جاگیر کی موقوفی کا

دُرِ خوش آب مضامیں سے بنا کر لایا واسطے تیرے ترا ذوق تنا گر سہرا

جس کو دعوی ہو سخن کا یہ سنا دے اُس کو
دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں سخن ور سہرا

ارباب نشاط حضور میں ملازم تھیں اُسی وقت اُنھیں ملا۔ شام تک گلی گلی کوچے میں پھیل گیا دوسرے دن اخباروں میں مشتہر ہو گیا۔ مرزا بھی بڑے ادا شناس اور سخن فہم تھے۔ سمجھے کہ تھا کچھ اور ہو گیا کچھ اور بطور معذرت یہ قطعہ حضور میں گزرانا:۔

منظور ہی گزارشِ احوالِ واقعی اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے
سو پشت سے ہی پیشۂ آبا سپہ گری کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے
آزادہ رَو ہوں اور مرا مسلک ہی صلحِ کل ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
کیا کم ہی یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے
اُستادِ شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
جامِ جہاں نما ہی شہنشاہ کا ضمیر سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
میں کون اور ریختہ۔ ہاں اس سے مدعا جز انبساطِ خضرت نہیں مجھے
سہرا لکھا گیا زرہِ امتثالِ امر دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے
مقطع میں آپڑی ہی سخن گسترانہ بات مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے
قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہیں ہی شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

اب کچھ لطیفے بھی سن کر دل خوش کر لیجیے:۔

(۱) اکثر لوگ پنشن کا حال دریافت کرنے کو خط بھیجتے تھے۔ مرزا مہدی کو مرزا صاحب نے لکھا بھیاں بے رزق جینے کا مجھ کو ڈھب آگیا ہی۔ اس طرف سے خاطر جمع رکھنا۔ رمضان کا مہینا روزے کھا کھا کر کاٹا۔ خدا رزاق ہی۔ کچھ اور کھانے کو نہ ملا تو غم تو ہی۔

(۲) دلی میں رتھ کو بعض مونث اور بعض مذکر بولتے ہیں۔ کسی نے مرزا صاحب سے پوچھا۔ رتھ مونث ہی یا مذکر؟ آپ نے کہا "بھیا! جب عورتیں بیٹھی ہوں تو مونث کہو اور جب مرد بیٹھیں تو مذکر سمجھو"۔

(۳) جب مرزا قید سے چھوٹ کر آئے تو میاں کالے صاحب کے مکان میں رہتے تھے۔ ایک روز کالے صاحب کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے قید سے چھوٹنے کی مبارک باد دی۔ مرزا نے کہا "کون بھڑوا قید سے چھوٹا ہے۔ پہلے گورے کی قید میں تھا اب کالے (یعنی مرزا کالے) کی قید میں ہوں گا"

(۴) دلی میں مشاعرہ تھا۔ مرزا نے اپنی فارسی غزل پڑھی۔ مفتی صدر الدین خاں اور مولوی امام بخش صہبائی جلسے میں موجود تھے۔ مرزا صاحب نے جس وقت یہ مصرع پڑھا۔ ع۔ بوادیئے کہ دراں خضر را عصا خفت است۔ مولوی صاحب کی تحریک سے مفتی صاحب نے فرمایا "عصا خفت" میں کلام ہے۔ مرزا نے کہا "حضرت! میں ہندی نژاد میرا عصا پکڑ لیا۔ اس شیرازی کا عصا نہ پکڑا گیا۔ ع۔ وے بجلۂ اول عصا شیخ بخفت" انھوں نے کہا اصل محاورے میں کلام نہیں۔ کلام اس میں ہے کہ مناسب مقام ہے یا نہیں۔

(۵) ایک دفعہ مرزا بہت قرض دار ہو گئے۔ قرض خواہوں نے نالش داغ دی۔ جواب دہی میں طلب ہوئے۔ مفتی صاحب کی عدالت تھی۔ جس وقت پیشی میں گئے یہ شعر پڑھا:-

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں　　رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

(۶)۔ مرزا صاحب کو ایک آفت ناگہانی کے سبب سے جیل خانے میں ایسے رہنا پڑا جیسے کہ حضرت یوسف کو زندان مصر میں۔ کپڑے میلے ہو گئے جوئیں پڑ گئیں تھیں۔ ایک دن بیٹھے جوئیں چن رہے تھے۔ ایک رئیس وہیں عیادت کو پہنچے۔ پوچھا کیا حال ہے؟ آپ نے یہ شعر پڑھا:-

ہم غم زدہ جس دن سے گرفتار بلا ہیں　　کپڑوں میں جوئیں بخیوں کے ٹانکوں سے سوا ہیں

جس دن وہاں سے نکلنے لگے اور کپڑے بدلے تو وہاں کا کرتا وہیں پھاڑ کر پھینکا اور یہ شعر پڑھا:-

ہائے اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب　　جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

(۷) حسین علی خاں کا چھوٹا لڑکا ایک دن کھیلتا کھیلتا آیا کہ دادا جان مٹھائی منگا دو۔ مرزا نے کہا پیسے نہیں۔ وہ صندوقچہ کھول کر ادھر ادھر ٹٹولنے لگا۔ آپ نے کہا

درم و دام اپنے پاس کہاں　　چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں

(۸) بادشاہ کے ہاں سے چھٹے مہینے تنخواہ ملنے کا دستور تھا اور یہاں گھر میں جو ہے قلابازیاں کھاتے اور انتڑیاں قل ہو اللہ پڑھنے لگتی تھیں۔ مرزا نے ایک چٹپٹا قصیدہ گزرانا اور ماہ بماہ تنخواہ ملنے لگی۔ گو اس کا شمار لطیفوں میں نہیں ہو مگر اشعار کی برجستگی خود بڑی لطافت ہو۔

اے شہنشاہ آسماں اورنگ — اے جہاں دار آفتاب آثار
تھا میں اک بے نوائے گوشہ نشیں — تھا میں اک دردمندِ سینہ فگار
تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی — ہوئی میری وہ گرمیِ بازار
کہ ہوا مجھ سا ذرۂ ناچیز — روشناسِ ثوابت و سیار
گرچہ از روئے ننگِ بے ہنری — ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار
کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی — جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار
شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں — بادشہ کا غلام کارگزار
خانہ زاد اور مرید اور مداح — تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر — نسبتیں ہو گئیں مشخص چار
نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں — مدعائے ضروری الاظہار
پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں — ذوقِ آرایشِ سر و دستار
کچھ تو جاڑے میں چاہیے آخر — تا نہ دے بادِ زمہریر آزار
کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش — جسم رکھتا ہوں ہو اگرچہ نزار
کچھ خریدا نہیں ہو اب کی سال — کچھ بنایا نہیں ہو اب کی بار
رات کو آگ اور دن کو دھوپ — بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار
آگ تاپے کہاں تلک انساں — دھوپ کھاوے کہاں تلک جاندار
دھوپ کی تابش آگ کی گرمی — وقنا ربنا عذاب النار
میری تنخواہ جو مقرر ہو — اس کے ملنے کا ہو عجب ہنجار
رسم ہو مردے کی چھ ماہی ایک — خلق کا ہو اسی چلن پہ مدار
مجھ کو دیکھو تو ہوں بقیدِ حیات — اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار
بس کہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض — اور رہتی ہو سود کی تکرار

میری تنخواہ میں تہائی کا | ہو گیا ہے شریک ساہو کار
آج مجھ سا نہیں زمانے میں | شاعر نغز گوے خوش گفتار
رزم کی داستان اگر سُنیئے | ہے زباں میری تیغ جوہر دار
بزم کا التزام گر کیجے | ہے قلم میرا ابر گوہر بار
ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد | قہر ہے گر کرو نہ مجھ کو پیار
آپ کا بندہ اور پھروں ننگا | آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار
میری تنخواہ کیجے ماہ بماہ | تا نہ ہو مجھ کو زندگی دشوار
ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام | شاعری سے نہیں مجھے سروکار
تم سلامت رہو ہزار برس | ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

(۹) نفضل حق مرزا کے ایک بڑے دوست تھے۔ اُن کی عادت تھی کہ جب کوئی بے تکلف دوست آتا تھا تو خالق باری کا یہ مصرعہ پڑھا کرتے تھے۔ ع۔ آؤ برادر بیٹھو رے بھائی۔ چنانچہ مرزا کی تعظیم کو اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ مصرعہ پڑھا۔ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ دوسرے دالان سے حضرت کی داشتہ بھی اُٹھ کر پاس آکر بیٹھ گئی۔ مرزا صاحب نے کہا۔ ہاں صاحب اب وہ دوسرا مصرعہ بھی ارشاد ہو۔ یعنی۔ ع۔ بنشیں مادر بیٹھ ری مائی۔

(۱۰) مرزا کی قاطع برہان کے بہت شخصوں نے جواب لکھے اور بہت زبان درازیاں کیں۔ کسی نے کہا۔ حضرت! آپ نے فلاں شخص کی کتاب کا جواب نہ لکھا۔ فرمایا "بھائی! اگر کوئی گدھا تمھارے لات مارے تو تم اُس کا کیا جواب دوگے؟"

(۱۱) بہن بیمار تھیں۔ عیادت کو گئے۔ پوچھا کیا حال ہے؟ وہ بولیں کہ مرتی ہوں قرض کی فکر ہے کہ گردن پر لیئے جاتی ہوں۔ آپ نے کہا۔ بوا! بھلا کیا فکر ہے۔ خدا کے ہاں کیا مفتی صدر الدین خاں بیٹھے ہیں جو ڈگری کر کے پکڑوا بلائیں گے۔

(۱۲) ایک دن مرزا کے کسی شاگرد نے کہا۔ حضرت آج میں امیر خسرو کی قبر پر گیا۔ مزار پر کھرنی کا درخت ہے اُس کی کھرنیاں میں نے خوب کھائیں۔ کھرنیوں کا کھانا تھا کہ گویا فصاحت اور بلاغت کا دروازہ کھل گیا۔ دیکھیئے تو میں کیسا فصیح ہو گیا۔ مرزا نے کہا

ارے میاں! تین کوس کیوں سُگئے۔ میرے پچھواڑے کے پیپل کی پیلپیاں کیوں نہ کھالیں۔ چودہ طبق روشن ہوجاتے۔

(۱۳) بعض شاگردوں نے مرزا صاحب سے کہا کہ آپ نے حضرت علی کی مدح میں بہت قصیدے اور بڑے بڑے زور کے قصیدے کہے صحابہ میں سے کسی کی تعریف میں کچھ نہ کہا۔ مرزا نے تھوڑا تامل کرکے کہا "اُن میں کوئی ایسا دکھا دیجیے تو اُس کی تعریف بھی کہدوں۔ مرزا صاحب کی شوخی طبع ہمیشہ انھیں اس رنگ میں شور بور رکھتی تھی۔ جس سے ناواقف لوگ اُنھیں الحاد کی تہمت لگائیں اور چوں کہ یہ رنگ اُن کی شکل وشان پر عجب معلوم ہوتا تھا۔ اس لیئے اُن کے دوست ایسی باتوں کو سن کر چونکتے تھے۔ جوں جوں وہ چونکتے تھے وہ اور بھی زیادہ چھینٹے اُڑاتے تھے۔ اُن کی طبیعت سرور شراب کی عادی تھی لیکن اُسے گناہ سمجھتے تھے اور یہ بھی عہد تھا کہ محرم میں نہ پیتے تھے چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

ان کے دل میں خشیت اللہ بہت تھی اور اپنے افعال سے شرمسار حد درجے تھے چنانچہ یادگار غالب میں لکھا ہے کہ غالب کہتے تھے کہ میں تو اس قابل ہوں کہ جب مروں تو میرے دوست عزیز میرا منہ کالا کریں اور میرے پاؤں میں رسی باندھ کر گلی کوچوں اور بازاروں میں تشہیر کریں اور پھر شہر سے باہر لے جاکر کتوں اور چیلوں اور کوّوں کو کھانے کو۔ اگر وہ ایسی چیز کھانا گوارا کریں۔ چھوڑ آئیں۔ اگرچہ میرے گناہ ایسے ہی ہیں کہ میرے ساتھ اس سے بھی بدتر سلوک کیا جائے لیکن اس میں شک نہیں کہ میں موحد ہوں۔ ہمیشہ تنہائی اور سکوت کے عالم میں۔ کلمات میری زبان پر جاری رہتے ہیں۔ لا الٰہ الا اللہ۔ لا موجود الا اللہ۔ لا موثر فی الوجود الا اللہ۔

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

(۱۴) غدر کے چند روز بعد پنڈت موتی لعل مترجم گورنمنٹ پنجاب کے تھے۔ مرزا صاحب سے ملنے کو آئے۔ اُن دنوں پنشن اور دربار دونوں بند تھے۔ مرزا صاحب بسبب دل شکستگی کے شکوہ وشکایت سے لبریز ہو رہے تھے۔ اثنائے گفتگو میں کہنے لگے کہ "عمر بھر میں ایک دن شراب نہ پی ہو تو کافر اور ایک دفعہ بھی

نماز پڑھی ہو تو مسلمان نہیں۔ پھر میں نہیں جانتا کہ مجھے سرکار نے باغی مسلمانوں میں کس طرح شامل کیا ہے؟۔

(۱۵) بھوپال سے ایک شخص دلّی کی سیر کو آئے۔ مرزا صاحب سے بھی ملنے آئے وضع قطع سے وہ نہایت پرہیزگار پارسا معلوم دیتے تھے۔ اُن سے بکمال اخلاق پیش آئے۔ مگر معمولی وقت تھا بیٹھے سرور کر رہے تھے۔ گلاس اور شراب کا شیشہ آگے رکھا تھا۔ اُن بے چارے کو خبر نہ تھی کہ آپ کو یہ بھی شوق ہے۔ انھوں نے شربت کا شیشہ سمجھ کر ہاتھ میں اُٹھا لیا۔ کوئی شخص پاس سے بولا جناب یہ شراب کا شیشہ ہے بھوپالی صاحب نے جھٹ شیشہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا میں نے تو شربت کے دھوکے میں اُٹھایا تھا۔ مرزا صاحب نے مسکرا کر اُن کی طرف دیکھا اور کہا "زہے نصیب دھوکے میں نجات ہو گئی"۔

(۱۶) ایک دفعہ رات کو انگنائی میں بیٹھے تھے۔ چاندنی رات تھی تارے چھٹکے ہوئے تھے۔ آپ آسمان کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ جو کام بے صلاح مشورے ہوتا ہے۔ بے ڈھنگا ہوتا ہے۔ خدا نے ستارے آسمان پر کسی سے مشورہ کر کے نہیں بنائے جبھی بکھرے ہوئے ہیں۔ نہ کوئی سلسلہ نہ زنجیر۔ نہ بیل نہ بوٹا۔

(۱۷) ایک مولوی صاحب جن کا مذہب سنت والجماعت تھا۔ رمضان کے دنوں میں ملاقات کو آئے۔ عصر کی نماز ہو چکی تھی۔ مرزا نے خدمت گار سے پانی مانگا۔ مولوی صاحب نے کہا۔ حضرت! غضب کرتے ہیں۔ رمضان میں روزے نہیں رکھتے۔ مرزا نے کہا سنّی مسلمان ہوں۔ چار گھڑی دن سے روزہ کھول لیا کرتا ہوں

(۱۸) رمضان کا مہینا تھا آپ نواب حسین مرزا کے ہاں بیٹھے تھے۔ پان منگا کر کھایا۔ ایک صاحب فرشتہ سیرت نہایت متقی اور پرہیزگار اُس وقت حاضر تھے اُنھوں نے متعجب ہو کر پوچھا کہ قبلہ آپ روزہ نہیں رکھتے۔ مسکرا کر بولے "شیطان غالب ہے"۔

(۱۹) جاڑے کا موسم تھا۔ ایک دن نواب مصطفیٰ خاں مرزا کے گھر آئے۔ آپ نے اُن کے آگے شراب کا گلاس بھر کر رکھ دیا۔ وہ اُن کا منہ دیکھنے لگے مرزا صاحب نے کہا پیجیے۔ چوں کہ وہ تائب ہو چکے تھے۔ اُنھوں نے کہا میں نے توبہ کی۔ آپ متعجب ہو کر بولے۔ ہیں! کیا جاڑے میں بھی؟۔

(۲۰) ایک شخص نے اُن کے سنانے کو کہا کہ شراب پینی سخت گناہ ہے۔ آپ نے ہنس کر کہا کہ بھلا جو پیئے تو کیا ہوتا ہے۔ اُنھوں نے کہا۔ ادنیٰ بات یہ ہے کہ دعا نہیں قبول ہوتی۔ مرزا نے کہا بھائی! جس کو شراب اب میسر ہے اُس کو اور چاہیئے کیا۔ جس کے لیئے دعا کرے۔

(۲۱) مرزا کے پاس اکثر اشرار گالیاں لکھ کر گمنام خطوط بھیجا کرتے تھے۔ ایک خط میں ماں کی گالی لکھی تھی۔ مسکرا کر کہنے لگے کہ اس اُلّو کو گالی دینی بھی نہیں آتی۔ بڈھے یا ادھیڑ آدمی کو بیٹی کی گالی دیتے ہیں تاکہ اس کو غیرت آئے۔ جوان کو جورو کی گالی دیتے ہیں کیوں کہ اُس کو جورو سے زیادہ تعلق ہوتا ہے۔ بچّے کو ماں کی گالی دیتے ہیں کہ وہ ماں کے برابر کسی سے مانوس نہیں ہوتا۔ یہ قرم ساق جو بہتّر برس کے بڈھے کو ماں کی گالی دیتا ہے اس سے زیادہ کون بے وقوف ہوگا۔

(۲۲) مروّت اور لحاظ مرزا کی طبیعت میں بدرجۂ غایت تھا۔ باوجودیکہ اخیر عمر میں اصلاح دینے سے بہت گھبراتے تھے باایں ہمہ کبھی کسی کا قصیدہ یا غزل بغیر اصلاح کے واپس نہ کرتے تھے۔ ایک صاحب کو لکھتے ہیں "جہاں تک ہوسکا خدمت احباب بجالایا۔ اوراق اشعار لیٹے لیٹے دیکھتا رہا اور اصلاح دیتا تھا۔ اب نہ آنکھ سے اچھی طرح سوجھے نہ ہاتھ سے اچھی طرح لکھا جائے۔ کہتے ہیں کہ شاہ شرف الدین بو علی قلندر کو بسبب کبرسنی کے خدا نے فرض اور پیمبر نے سنتیں معاف کردی تھیں۔ میں متوقع ہوں کہ میرے دوست بھی خدمت اصلاح اشعار مجھ پر معاف کریں۔ خطوط شوقیہ کا جواب جس صورت سے ہوسکے گا لکھ دیا کروں گا۔"

(۲۳) باوجود اس کے بھی لوگ مرزا کو برابر ستاتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ کہیں مرزا تفتہ نے یہ لکھ دیا تھا کہ آپ نے بسبب ذوق سخن کے اصلاح اشعار منظور فرمائی تھی۔ اس کے جواب میں لکھتے ہیں "لاحول ولا قوۃ۔ کس ملعون نے بسبب ذوق شعر کے اشعار کی اصلاح منظور رکھی۔ اگر میں شعر سے بیزار نہ ہوں تو میرا خدا مجھ سے بیزار۔ میں نے تو بطریق قہر درویش بجان درویش لکھا تھا جیسے اچھی جورو برے خاوند کے ساتھ مرنا بھرنا اختیار کرتی ہے۔ میرا تمھارے ساتھ وہ معاملہ ہے۔"

(۲۴) ایک دفعہ جب رمضان گزر چکا تو قلعے میں گئے۔ بادشاہ نے پوچھا مرزا تم نے کتنے روزے رکھے؟ عرض کیا پیر و مرشد ایک نہیں رکھا۔
(۲۵) ایک دن نواب مصطفیٰ خاں کے مکان پر ملنے کو آئے۔ اُن کے مکان کے آگے چھتہ بہت تاریک تھا۔ جب چھتّے سے گزر کر دیوان خانے کے دروازے پر پہنچے تو وہاں نواب صاحب اُن کے لینے کو کھڑے تھے۔ مرزا نے اُن کو دیکھ کر یہ مصرع پڑھا۔ کہ "آب چشمۂ حیواں درون تاریکیست۔ جب دیوان خانے میں پہنچے۔ تو اس کے دالان میں بسبب شرق رویہ ہونے کے دھوپ بھری ہوئی تھی۔ مرزا نے وہاں یہ مصرع پڑھا۔ ایں خانہ تمام آفتاب است۔
(۲۶) سنا ہے کہ جب مرزا کرنل براؤن کے روبرو کلاہ پاپاخ اوڑھ کر گئے تو انھوں نے مرزا کی نئی وضع دیکھ کر پوچھا کہ اول تم مسلمان؟ مرزا نے کہا آدھا۔ کرنل نے کہا اس کا کیا مطلب؟ ۔ مرزا نے کہا شراب پیتا ہوں سور نہیں کھاتا۔ کرنل ہنسنے لگا۔ کرنل نے پوچھا سرکار کی فتح کے بعد پہاڑی پر کیوں نہ حاضر ہوئے۔ مرزا نے کہا میں چار کہاروں کا افسر تھا۔ وہ چاروں مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے میں کیوں کر حاضر ہوتا۔
(۲۷) جب نواب یوسف علی رئیس رام پور کا انتقال ہوگیا اور مرزا تعزیت کے لیے رام پور گئے۔ چند روز بعد نواب کلب علی خاں لفٹنٹ گورنر سے ملنے بریلی جا رہے تھے۔ چلتے وقت نواب صاحب نے مرزا سے کہا "خدا کے سپرد"۔ مرزا نے کہا حضرت خدا نے تو مجھے آپ کے سپرد کیا ہے آپ پھر اُلٹا مجھ کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔
(۲۸) ایک صحبت میں مرزا میر تقی کی تعریف کر رہے تھے۔ شیخ ابراہیم ذوق بھی تھے اُنھوں نے سودا کو میر پر ترجیح دی۔ مرزا نے کہا میں تو تم کو میری سمجھتا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ آپ سودائی ہیں۔
(۲۹) مولنا امام بخش صہبائی کی رائے پنج رقعہ اور مینا بازار کی نسبت یہ تھی کہ یہ دونوں تحریریں شل سہ نثر کے ملا ظہوری کی ہیں مگر مرزا اس کے خلاف تھے۔ ایک جلسے میں دونوں صاحب موجود تھے۔ اتفاق سے ذکر چھڑ گیا۔ مرزا نے کہا کہ قطع نظر اس کے کہ سہ نثر اور پنج رقعہ اور مینا بازار کی طرز میں کوئی بعید ہے ظہوری کی شان سے

نہیں ہو کہ وہ نظم کے ساتھ نثر نہ لکھے . . . یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جو شخص نظم ونثر دونوں پر قادر ہو اُس کی نثر میں کہیں نظم نہ پائی جاے۔ مولنا صہبائی نے کہا ایسے اتفاق اکثر ہو جاتے ہیں یہ محض ایک اتفاق کی بات ہے۔ مرزا نے کہا "بے شک مگر یہ ایسا اتفاق ہوگا کہ ایک شخص ہر ایک لحاظ سے نہایت سنجیدہ شایستہ اور معقول آدمی ہو مگر اتفاق سے کبھی کبھی کاٹ بھی کھاتا ہو" یہ سن کر سب لوگ ہنس پڑے اور مولنا صہبائی مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ (۳۰) مکان کے جس کمرے میں مرزا دن بھر بیٹھتے اُٹھتے تھے وہ مکان کے دروازے کی چھت پر تھا اور اس کی ایک جانب ایک کوٹھڑی تنگ وتاریک تھی جس کا در اس قدر چھوٹا تھا کہ بہت جھک کر جانا پڑتا تھا۔ اکثر گرمی اور لو کے موسم میں دس بجے سے چار تک وہاں بیٹھتے تھے۔ ایک رمضان میں مولنا آزاردہ اسی کوٹھڑی میں ٹھیک دوپہر کے وقت آے اس وقت مرزا صاحب کسی دوست سے چوسر یا شطرنج کھیل رہے تھے۔ مولنا نے رمضان کے مہینے میں مرزا کو چوسر کھیلتے دیکھ کر کہا "ہم نے حدیث میں پڑھا تھا کہ رمضان کے مہینے میں شیطان مقید رہتا ہو مگر آج اس حدیث کی صحت میں تردد پیدا ہو گیا" مرزا نے کہا "قبلہ حدیث بالکل صحیح ہو۔ مگر آپ کو معلوم رہے کہ وہ جگہ جہاں شیطان مقید رہتا ہو وہ یہی کوٹھڑی ہو" (۳۱) ایک روز دوپہر کا کھانا آیا۔ دسترخوان بچھا۔ برتن تو تھے بہت اور کھانا کم مرزا نے مسکرا کر کہا "اگر برتنوں کی کثرت پر خیال کیجیے تو میرا دسترخوان یزید کا دسترخوان معلوم ہوتا ہو اور جو کھانے کی مقدار کو دیکھیے تو بایزید کا۔

(۳۲) ایک روز بہادر شاہ مرحوم چند مصاحبوں کے ساتھ جس میں مرزا بھی تھے باغ حیات بخش یا مہتاب باغ میں ٹہل رہے تھے۔ آم کے درخت لدے ہوئے تھے۔ یہاں کا آم بادشاہ یا بیگمات کے سوا کسی کو میسر نہیں آسکتا تھا۔ مرزا چونکہ آموں کے عاشق تھے بار بار آموں کو غور سے دیکھتے تھے۔ بادشاہ نے پوچھا "مرزا اس قدر غور سے کیا دیکھتے ہو؟" مرزا نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ پیر و مرشد یہ جو کسی بزرگ نے کہا ہے۔ بر سر ہر دانہ بنوشتہ عیاں۔ کیں فلاں ابن فلاں ابن فلاں۔ اس کو دیکھتا ہوں کہ کسی دانے پر میرا اور میرے باپ دادا کا نام بھی لکھا ہو یا نہیں۔ بادشاہ مسکرائے اور اُسی روز ایک بہنگی عمدہ عمدہ آموں کی مرزا کو بھجوائی۔

(۳۳) حکیم رضی الدین خاں جو مرزا کے نہایت دوست تھے اُن کو آم نہیں بھاتے تھے ایک دن وہ مرزا کے پاس برآمدے میں بیٹھے تھے۔ ایک گدھے والا گدھے لیئے چلا جا رہا تھا۔ رستے میں آم کے چھلکے پڑے تھے گدھے نے سونگھ کر چھوڑ دیئے۔ حکیم صاحب نے کہا دیکھیئے آم ایسی چیز ہے جسے گدھا بھی نہیں کھاتا۔ مرزا نے کہا بے شک گدھا نہیں کھاتا۔

(۳۴) ایک روز مرزا مہدی مجروح مرزا کے پاؤں دابنے لگے۔ مرزا نے کہا بھئی تو سید زادہ ہے۔ مجھے کیوں گنہگار کرتا ہے۔ اُنھوں نے نہ مانا اور کہا آپ کو ایسا ہی خیال ہے تو پیر دابنے کی اجرت دے دیجیئے گا۔ مرزا نے کہا ہاں اس کا مضائقہ نہیں۔ جب وہ پیر داب چکے تو اُنھوں نے اجرت طلب کی۔ مرزا نے کہا "بھیا کیسی اجرت ؟ تم نے میرے پاؤں دابے۔ میں نے تمہارے پیسے دابے حساب برابر ہوا۔"

(۳۵) ایک دن سید سردار مرزا مرحوم ملنے آئے۔ تھوڑی دیر ٹھیر کر وہ جانے لگے تو مرزا خود اپنے ہاتھ میں شمع دان لے کر کھسکتے ہوئے لب فرش تک آئے تاکہ روشنی میں جوتی دیکھ کر پہن لیں۔ اُنھوں نے کہا قبلہ وکعبہ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ میں اپنی جوتی آپ پہن لیتا۔ مرزا نے کہا میں آپ کو جوتی دکھانے کو شمع دان نہیں لایا۔ بلکہ اس لیئے لایا ہوں کہ کہیں آپ میری جوتی نہ پہن جائیں۔

(۳۶) ایک بار بہادر شاہ نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ مرزا شیعی المذہب ہیں۔ مرزا کو بھی خبر لگی۔ چند رباعیاں لکھ کر بادشاہ کو سنائیں۔ جن میں تشیّع اور رفض سے تحاشی کی تھی اُن میں کی ایک رباعی یہ تھی:-

جن لوگوں کو ہے مجھسے عداوت گہری   کہتے ہیں مجھے وہ رافضی اور دہری
دہری کیوں کر ہو جوکہ ہووے صوفی   شیعی کیوں کر ہو ماوراء النہری

(۳۷) جاڑے کے موسم میں ایک دن طوطے کا پنجرا سامنے رکھا تھا۔ طوطا سردی کے مارے پیروں میں منہ چھپائے بیٹھا تھا۔ مرزا نے دیکھ کر کہا "میاں مٹھو نہ تمہارے جورو نہ بچے تم کس فکر میں سر جھکائے بیٹھے ہو؟

(۳۸) مرزا اپنا مکان بدلنا چاہتے تھے۔ ایک مکان خود دیکھ کر آئے اُس کا

دیوان خانہ پسند آ گیا مگر محل سرا خود نہ دیکھ سکے۔ گھر پر آ کر اس کے دیکھنے کے لئے بی بی کو بھیجا وہ دیکھ کر آئیں تو اُن سے پسند ناپسند کا حال پوچھا۔ اُنھوں نے کہا اس میں تو لوگ بلا بتلاتے ہیں۔ مرزا نے کہا "کیا دنیا میں آپ سے بھی بڑھ کر کوئی بلا ہے؟"

(۳۹) ۱۲۷۷ھ میں اُنھوں نے اپنے مرنے کی تاریخ یہ لکھی "غالب مُردہ" اس سے پہلے کئی مادے غلط ہو چکے تھے۔ منشی جواہر سنگھ جوہر سے مرزا صاحب نے اس مادے کا ذکر کیا۔ اُنھوں نے کہا حضرت ان شاء اللہ یہ مادہ بھی غلط ثابت ہوگا۔ مرزا نے کہا "دیکھو صاحب تم ایسی فال منہ سے نہ نکالو۔ اگر یہ مادہ مطابق نہ نکلا تو میں سر پھوڑ کر مر جاؤں گا۔

(۴۰) ایک مرتبہ شہر میں سخت وبا پھیلی۔ میر مہدی حسین مجروح نے دریافت کیا کہ حضرت وبا شہر سے دفع ہوئی یا ابھی تک موجود ہے۔ اس کے جواب میں لکھتے ہیں "یہ بھی کیسی وبا؟ جب ایک ستر برس کے بڈھے اور ستر برس کی بڑھیا کو نہ مار سکے تو تف بریں وبا"

الغرض مرزا کی کوئی بات لطف و ظرافت سے خالی نہ ہوتی اگر کوئی اُن کے تمام ملفوظات جمع کرے تو ایک ضخیم کتاب لطائف و ظرائف کی طیار ہو جاتی۔ قبر بالکل سادی سودی ہے۔ اتنا بڑا نامی گرامی شاعر اور اُس کی قبر جو آج یادگار زمانہ ہوتی اس کس مپرسی کی حالت میں ہے۔ وائے بر قوم! اس سے معلوم ہوا کہ نفسی نفسی کا معاملہ ہے۔ یہاں قوم ووم تھاک بھی نہیں۔ غالب کے ایک نہیں دو نہیں ہزاروں شاگرد تھے جن میں سے اب بھی بہت سے زندہ کھاتے پیتے خوش حال ہیں۔ جن کو دعویٰ غالب سے تلمذ کا ہے اگر تھوڑا تھوڑا بھی دیتے تو قبر کی یہ حالت نہ ہوتی۔ کچھ دن ہوئے باسی کڑھی میں اُبال آیا تھا غلغلہ سنا تھا کہ غالب کی قبر بن رہی ہے۔ چندہ ہو رہا ہے اور کچھ چندہ ہوا بھی مگر جس طرح مسلمانوں کے اور کام ادھر رہ جاتے ہیں یہ دفتر بھی گاؤ خورد ہو گیا۔ خیر اُن کی کوئی یادگار بنائے یا نہ بنائے اُن کا کلام اور اُن کی تصانیف ایک ایسی دائمی یادگار ہے کہ ابد الآباد تک رہے گی۔ قبر پر یہ کتبہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوہو یہ غالب کی قبر ہے ورنہ کوئی جانتا بھی نہ کہ یہ گوہرِ بے بہا کہاں رُل گیا!

رشکِ عرفی و فخرِ طالب مُرد
اسد اللہ خان غالب مُرد
کل میں غم واندوہ میں باخاطرِ محزوں
تھا تربت استاد پہ بیٹھا ہوا غمناک
دیکھا تو مجھے فکر میں تاریخ کی مجروح
ہاتف نے کہا گنجِ معانی ہے تہِ خاک

خان جہاں تلنگی کا مقبرہ

۷۷۲ھ

حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے پاس کوٹ کے اندر موضع غیاث پور کی حدود میں آبادی کے عین بیچوں بیچ خان جہاں ولد خان جہاں تلنگی المخاطب بہ جونا شاہ کا عالی شان مقبرہ ہے جو غالباً مسجد کے ساتھ ۷۷۲ھ میں بنا ہوگا۔ اب بہت خراب اور خستہ حالت میں ہے۔ ضرور اس مقبرے کے گرد احاطہ ہوگا اب تو یہ حال ہے کہ چاروں طرف سے مکانات نے اسے دبا لیا ہے اور گنبد کے اندر کچی دیواریں اٹھا کر ایک گھروندا بنا لیا ہے۔ ہم نے جب اس مقبرے کے دیکھنے کا قصد کیا تو معلوم ہوا کہ اس میں پردہ دار عورتیں رہتی ہیں اور اندر نہیں جا سکتے مگر ہماری خاطر سے سید محمد علیم الدین صاحب امام مسجد درگاہ شریف نے کسی نہ کسی طرح ہم کو دکھلا دیا۔ یہ مقبرہ غیاث پور کی فصیل سے ملا ہوا ہے جو اب نظام پور کہلاتا ہے۔ خان جہاں کے نام کے ساتھ تلنگی کا لفظ زبان زد ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ وہ ملک تلنگانہ کا رہنے والا ہوگا۔ دہلی کی کالی مسجد اسی کی بنائی ہوئی ہے اور یہاں بھی اس نے ایک مسجد بنوائی ہے۔ اگرچہ لوگوں نے اپنے گھروں کو بڑھاتے بڑھاتے گنبد کو بالکل گھونٹ دیا ہے۔ لیکن گنبد کے اندر ان لوگوں کی مداخلت بے جا کو روکنا اور مقبرے کو ان لوگوں سے خالی کرا کے اس کے اندر کی خام دیواروں کو توڑ کر گنبد کی اصلی عمارت کو صاف کرا دینا احکام متعلقہ کی خاص توجہ کا محتاج ہے۔

کالی مسجد کوٹلہ نظام الدین

۷۷۲ھ

دہلی کی کالی مسجد اور بیگم پور کی طرز کی یہ مسجد بھی ہے جو دہلی کی مسجد سے سترہ برس پہلے کی بنی ہوئی ہے۔ یہ مسجد بھی جونا شاہ الملقب بہ خان جہاں فیروز شاہی کی بنوائی ہوئی ہے۔ جو غیاث پور کے کوٹلے میں ہے یہ بستی اب نظام الدین سے

موسوم ہے۔ مسجد کوٹلے سے مشرق کی طرف ہے۔ یہ مسجد چونے اور پتھر کی بنی ہوئی ہے جس کے صدر دروازے پر بخط نسخ یہ کتبہ ہے:-

بکرم و فضل حق سبحانہ و تعالیٰ در عہد دولت سلطان السلاطین الزمان الواثق بتائید الرحمان + ابو المظفر فیروز شاہ السلطان، خلد اللہ ملکہ وعلے و شانہ این مسجد بنا کرد بندہ زادہ درگاہ + آسمان جاہ عالمپناہ جونانشہ مقبول الملقب بخانجہان ابن خانجہان در سال ہفصد و ہفتاد دو از ہجرت + پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم خدای برآن بندہ رحمت کند ہر کہ در این مسجد نماز بگذارد این بندہ را بفاتحہ و دعاء ایمان یاد کند۔

دوسیڑیا گنبد یا ماشا کا برج

حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ سے مغرب رویہ دروازے کے سامنے یہ گنبد ہے جس کے آگے ایک پختہ احاطہ کھنچ دیا گیا ہے۔ اس کا گنبد اونچا ہے اور گنبد کے گرد کنگورا اور تین دروازے ہیں۔ مغرب کی طرف دروازہ نہیں ہے۔ اندر کا پلاستر سب جھڑ گیا۔ گنبد کے اندر ایک خام قبر ہے۔ صدر دروازہ مشرق کی طرف ہے جس کی محراب ۱۳ بلند اور چھ فیٹ چوڑی ہے جس کے دونوں طرف دو کھلے طاق ہیں۔ گنبد کے اندر شمال اور جنوب میں دو طرف پچیس پچیس سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ گنبد کے مشرقی دروازے کی پیشانی پر دو سطر کا ایک کتبہ بخط نسخ بہت پرانے طرز کا کچھ میں منقوش ہے جو کائی لگ جانے اور خط بھی بہت پرانا ہونے سے اچھی طرح پڑھا نہیں جاتا وہ یہ ہے:-

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۱)...... قولہ تعالیٰ وما محمد...... قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ پارہ ۲۸ سورۃ ممتحنہ رکوع (۶)

(۲) قولہ تعالیٰ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ پارہ ۱۰۔ سورہ توبہ رکوع (۸) وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ تا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ پارہ (۱) سورۃ بقر رکوع (۵)

اور محراب کے گرد سورہ کرسی تا وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ ۔ یہ گنبد بہت پرانا پٹھانوں کے وقت کا ہے اور کتبے کا خط بھی بہت پرانا ہے ۔ نہ سنہ تعمیر ملتا ہے نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس کا ہے ۔ احاطے کے اندر کئی قبریں پختہ اور خام اور کچھ درخت سایہ دار بھی ہیں ۔ اس گنبد کا کوئی خاص نام نہیں چونکہ دُہرا زینہ ہے دو سیڑھیا گنبد کہلاتا ہے اور بعض لوگ ماشا کا برج بھی کہتے ہیں خدا جانے وہ ماشا کون تھے

ایک شکستہ مسجد نمبر ۱۱۲/۱۷۴ ہمایوں صفدر جنگ کی سڑک کے بالکل کنارے حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ کے سامنے تین در کی ایک شکستہ مسجد ہے ۔ جس کے اندر تین گنبد ہیں ۔ اور چھت سپاٹ ہے ۔ مینارہ کوئی نہیں ہے ۔ یہ مسجد ۹ × ۳۹ فٹ ۱۵ ½ ہے ۔ اس مسجد کی پشت سے ارادت مند خاں کے کٹڑے کو سڑک گئی ہے جو آگے جا کر کچا رستہ روشن چراغ دہلی کی طرف جانے کا ہے ۔

کٹڑہ ارادت مند خاں یہ وہی ارادت مند خاں ہیں جن کا محلہ اور مدرسہ شہر دہلی میں مشہور ہے ۔ ان کا اصلی نام ارادت الدین خاں تھا اور نواب ارادت مند خاں کہلاتے تھے خطاب ان کا شرف الدولہ تھا اور محمد شاہ کے زمانے میں (سنہ ۱۷۱۹-۴۸ء) کے امیر کبیر تھے ۔ یہ وسیع محاط مقام کٹڑہ ارادت مند خاں کے نام سے مشہور ہے جو نظام الدین میں سڑک صفدر جنگ کی بائیں طرف نظر آتا ہے ۔ اسکا فصیل نما احاطہ ۹ × ۲۳ مربع بہت پختہ بنا ہوا ہے ۔ چاروں طرف اندر کی پختہ کوٹھریاں ہیں جن میں اب غریب لوگ اہیر اور مالی وغیرہ آباد ہیں ۔ شرق کی طرف اس کا مسقف اور عالی شان دروازہ ہے کٹڑے کے پچھواڑے ایک بڑا باغ بھی تھا جس میں سے جی آئی پی ریلوے کی لین نکل گئی ہے ۔ اس باغ کے دروازے پر ایک بڑا گنبد بنا ہوا ہے ۔ یہ مقام ریلوے لین کی بائیں طرف تار کے کھم نمبر ۹۵۱/۸ کے پاس ہے جس کے آگے نہر پر تین گرڈر کا آہنی پل بنا ہوا ہے ۔ غدر میں سرکار کی طرف سے یہ کٹڑہ نیلام ہوا تھا جسے مرزا ثریا جاہ کے والد مرزا الٰہی بخش صاحب نے خرید لیا تھا جو اب گورنمنٹ نے معاوضہ دے کر لے لیا ۔ اب یہ سرکاری عمارت ہے ۔

ایک چھوٹی سی برجی آرادت مند خاں کے کٹڑے کے سامنے رستے کے کنارے بائیں طرف ایک چھوٹی سی برجی بنی ہوئی ہے۔ جو ایک ۵ فٹ ۳ مربع اور ۵ فٹ اونچے چبوترے پر ۷ فٹ مربع لداؤ کی ہشت دری عمارت ہے۔ اس میں کوئی قبر نہیں ہے مگر نیچے تہ خانہ ہے۔ اغلب ہے کہ اس میں اصل قبر ہوگی رہا اوپر کا تعویذ وہ کوئی اکھاڑ لے گیا ہوگا۔ اس برجی کے اندر باہر رنگین کام تھا چنانچہ باہر اب بھی کچھ کچھ باقی ہے۔

گولا گنبد جہاں سے ہم ارادت مند خاں کے کٹڑے کی طرف مڑے تھے ہمایوں کے مقبرے سے جو سڑک صفدر جنگ کے مقبرے کو جاتی ہے اسی سڑک پر بائیں ہاتھ کی طرف سڑک سے لگا ہوا جی آئی پی آر کی لین سے (جہاں سڑک کا کراسنگ ہے) بائیں ہاتھ کو تار کے کھمبہ نمبر ۱۵/۹ کے محاذی ایک گنبد ۵فٹ ۳ مربع ہے۔ جس کی محراب ۵ فٹ چوڑی ہے۔ اندر دو قبریں گچ کی شکستہ ہیں۔ اور شمال کی طرف ایک ہی دروازہ ہے اس گنبد کا کوئی خاص نام نہیں ہے اس کی شکل کے اعتبار سے گولا گنبد کہلاتا ہے۔ فقط

(حصۂ دوم ختم ہوا)

قطعۂ تاریخ از قلم جادو رقم عالی جناب نواب احمد سعید خاں صاحب طالب دہلوی مرحوم مغفور[۱]

انساں کی تو وجہ ہے گزند و رقی حیات — القاب خیر و شر ہے مگر گوشۂ ممات
خیر العمل ہے کوئی تو کوئی زبوں سرشت — ہر ایک ہو زمانے میں مشہور شش جہات
مصداق اس مقال کے پوچھو اگر تو ہیں — تاریخ اور سیر کی کتابوں میں واقعات
قرطاس کائنات پہ نقشہ کھنچا ہوا اور — تاریخ دہلی آج ہے تحت قلم و دوات
ہیں مولوی بشیر احمد ستودہ نام — اس کے مؤلف اور غنیمت ہے ان کی ذات
دہلی ہے گو بیان۔ پہ صحت کا ہے خیال — دہلی کی سرزمین پہ گزری جو واردات

آئی ندا ظفر کی جو طالب نے فکر کی
یہ چند گوشۂ دہلی کے لکھتے ہیں واقعات
۱۳۰۳۷

۱ - افسوس کہ یہ سلطنت کے بعد ۱۸۵۷ء میں بعد ۸۵ دہلی کے آخری بادشاہ ظفر تخلص سلطنت مغلیہ تخت و تاج (؟)

HISTORY

OF

DELHI THE IMPERIAL CITY

A MOST COMPREHENSIVE ACCOUNT OF THE HISTORY AND ARCHÆOLOGY OF DELHI

(WITH NUMEROUS ILLUSTRATIONS)

BY

BASHIR-UD-DIN AHMAD, M.R.A.S.,

FIRST TALUKDAR (COLLECTOR AN[illegible] [illegible]ISTRICT MAGISTRATE) RET.

H. E. H. THE [illegible] [illegible]OVERNMENT,

AUTHOR OF THE HISTORIES OF VIJAYANAGAR AND BIJAPUR, IQBAL DULHAN, HUSN-E-MUASHRAT, ISLAH-E-MAISHAT, ETC., ETC., AND TRANSLATOR OF DR. STALL'S SELF AND SEX SERIES.

VOL. II.

Archæology.

DELHI

1919

1st Edition]

[1,000 Copies.

اعلان

مولوی نذیر احمد صاحب بالقابہ کی تصانیف

قرآن شریف مترجم کلاں ۲۲×۲۹ - دو صفحہ مع فرہنگ الفاظ اردو حاشیہ کاغذ سفید ولایتی کاغذ خاکی جلد مجلد

" " " ایک صفحہ پر متن دوسرے پر ترجمہ صفحہ حاشیہ

حمائل مترجم ۱۶×۲۲ ترجمہ بین السطور مع فرہنگ

ادعیۃ القرآن - قرآن شریف کی عام دعائیں مع خواص - دو سورہ - الحقوق والفرائض - ہر سہ حصص - جس میں اسلام کے تمام مسائل ہیں - اجتہاد - جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ دنیا میں اسلام ہی سچا مذہب ہے - تیامات النذیر - مولوی نذیر احمد صاحب کی مفصل سوانح عمری مع فوٹو اور دو عکسی خطوط کے - نظم بے نظیر - مولوی صاحب موصوف کی کل نظموں کا مجموعہ - مراۃ العروس - توبۃ النصوح - بنات النعش - محصنات - رویائے صادقہ - ابن الوقت - ایامیٰ - مجموعہ خطوط - منتخب الحکایات - چند پند - صرف صغیر فارسی کی گریمر - نصاب خسرو - خالق باری - رسم الخط - مبادی الحکمۃ - منطق کا اردو رسالہ - مایغنیک فی الصرف - عربی گریمر - مجموعہ لکچر - دو جلد جس میں (۲۴) لکچر ہیں - مطالب القرآن تفسیر کا پہلا حصہ

خاکسار کی تصانیف

واقعات مملکت بیجاپور - تین حصے - ۱۲۸۰ صفحے (۶۶) فوٹو - دکن کی مکمل تاریخ جس پر ہزار روپیہ انعام ملا - منظورہ ٹکسٹ بک کمیٹی پنجاب - اقبال دلہن - حسن معاشرت - اصلاح معیشت - منظورہ ٹکسٹ بک کمیٹیاں پنجاب و ممالک متحدہ - یہ تینوں کتابیں لڑکیوں اور مستورات کے لئے ازبس مفید ہیں - اصلاح معیشت پر سرکار سے تین سو روپے انعام ملا ہے - حرز طفلان - لڑکوں کے لئے نشاط عمر نوجوانوں کے لئے - عصائے پیری - ادھیڑ عمر کے لوگوں کے لئے بچوں سے دو دو باتیں - لڑکیوں کے لئے - یہ چاروں کتابیں بیش بہا نصائح اور اخلاقی تعلیم کی ہیں - عزم بالجزم - استقامت ارادہ پر ایک چھوٹا سا رسالہ -

ملنے کا پتہ

بشیر الدین احمد تعلقہ دار منیجر کھاری باولی دہلی